بانگڑو
(قسط نمبر۱)
ایم اے راحت
www.urdurasala.com

ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی اور سڑکیں بھیگی ہوئی تھیں اور کار کی روشنیاں چمکتی زمین پر دو لکیریں بناتی ہوئی دوڑ رہی تھیں جس سڑک پر شہباز سفر کر رہا تھا اس کی لائٹ گئی ہوئی تھی اس لئے سڑک تاریک پڑی تھی۔ بس سامنے سے آتی ہوئی کاروں اور دوسری گاڑیوں کی روشنیاں اور سامنے جاتی ہوئی گاڑیوں کی سُرخ روشنیاں ہی تاریکی کو چیرنے میں کوشاں تھیں۔

اس طرح وہ فٹ پاتھ بھی تاریک پڑے تھے جن سے شہباز کا مقصد پورا ہو سکتا تھا۔ وہ پکا کھلاڑی تھا اس لئے جانتا تھا کہ کون سے

راستے اور کون سی جگہیں اس کے لئے کارآمد ہو سکتی ہیں۔ چنانچہ وہ سڑک کے بالکل کنارے فٹ پاتھ سے چند فٹ دور اپنی کار سست رفتاری سے چلا رہا تھا۔

بظاہر یہ ایک محتاط ڈرائیونگ تھی۔ سڑکوں کی پھسلن کی وجہ سے کنارے ہو کر اس رفتار سے گاڑی چلانا ایک شریفانہ اقدام تصور کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس شرافت کے پیچھے کون سا جذبہ کارفرما تھا۔ یہ جاننے والے ہی جان سکتے ہیں۔

تہہ خانے بند ہو چکے تھے۔ شراب نوشی حرام قرار دے۔۔۔ دی گئی تھی لیکن در پردہ سب کچھ تھا۔ بس مہنگائی ایسے لوگوں پر اثر انداز ہو گئی تھی جو کھلے عام ان چیزوں کے عادی تھے اور اب انہیں زیادہ قیمت ادا کر کے اپنی ضرورت پوری کرنی پڑتی تھی۔ شراب خانوں کے نام بدل گئے تھے۔ اب وہ صرف بار نہیں کہلاتے تھے اور قہوہ

خانے سڑکوں پر کھل گئے تھے۔ سنسان فٹ پاتھ پر بس سٹاپ سے دور کھڑی ہوئی حسین تتلیاں بظاہر کسی سواری کی تلاش میں نگاہیں دوڑاتی ہوئی لیکن دراصل شکار کی متلاشی اپنی اداؤں کی زیادہ قیمتیں وصول کر کے ضرورت مندوں کی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے موجود ہوتیں۔

شہباز بھی ایسا ہی ضرورت مند تھا۔ شراب کا سرور اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا اور اسے اس وقت کسی حسین ساتھی کی تلاش تھی۔ خاص طور سے برسات کی ان چھم چھاتی راتوں میں تو تنہائی کا تصور بھی عذاب تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے اس جیسے ''ضرورت مند'' سڑکوں پر ''جھاڑو'' پھیر گئے تھے۔ فٹ پاتھوں سے سارا '' کچھ'' سمیٹ کر لے گئے تھے۔ ایک گھنٹے سے زیادہ گزر گیا تھا۔ اس نے ان ساری سڑکوں کے چکر لگا ڈالے تھے جہاں سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی

تھی لیکن ابھی تک ۔۔۔ کام نہیں بنا تھا۔ اب اس کے دل میں مایوسی
گھرنے لگی تھی۔ وہ ایسے کئی اڈوں کے بارے میں جانتا تھا جہاں
سے اس کی ضرورت پوری ہو سکتی تھی، لیکن بُرا ہو ماسٹر کا، وہ بے حد
محتاط آدمی تھا اور اس کے ساتھیوں میں سے کوئی کسی ایسے اڈے پر
جانے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا۔ ماسٹر کی طرف سے ان پر یہ پابندی
عائد کی گئی تھی۔ اور وہ سب ماسٹر کی اس ہدایت کی پابندی کرتے تھے،
ان میں کوئی بغاوت کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ ماسٹر ایسا ہی ظالم انسان
تھا کہ وہ اس کی غیر موجودگی میں بھی اس کے تصور سے کانپتے تھے
انہیں یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ماسٹر کی آنکھیں ان کے وجود پر پیوست
ہوں۔ وہ ہر وقت انہیں دیکھتا رہتا ہو۔۔ اور یہ حقیقت بھی تھی۔

ان میں سے چند لوگوں نے ماسٹر کے بتائے ہوئے اصولوں سے
ہٹنے کی کوشش کی تھی اور اس کے بھرپور نتائج بھگتے تھے، ماسٹر نے انہیں

ایسی عبرتناک سزائیں دی تھیں کہ اس کے بعد دوسروں کے حوصلے پست ہوگئے تھے، ماسٹران کے لئے بھوت بن گیا تھا۔ اس لئے وہ اس کی غیر موجودگی سے اس طرح خوفزدہ رہتے تھے، جیسے وہ ان کے سامنے ہو۔

ماسٹر کا یہ گروہ آٹھ افراد پر مشتمل تھا۔ یہ لوگ کرائے کے مجرم تھے اور ماسٹران سب کا سرغنہ تھا، وہی ان کے لئے کام تلاش کرتا تھا اور اس کام کے لئے انہیں انتہائی معقول معاوضے ملتے تھے۔ ایسے معاوضے سے وہ عیش کی زندگی گزار رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کی الگ کہانی تھی۔ جیسے شہباز اب سے چند سال قبل اپنے گاؤں سے والدین کی لاتعداد دعائیں سمیٹے شہر آیا تھا، نوکری کی تلاش تھی چھ وقت کے فاقے سے نڈھال تھا کہ ماسٹر مل گیا اور اس نے ماسٹر کی نوکری قبول کرلی جس میں سب سے پہلے روٹی ملی۔ پھر عمدہ لباس اور

پھر عمدہ فلیٹ جو اعلیٰ درجے کے فرنیچر سے آراستہ تھا۔ پھر عمدہ زندگی جس میں شراب اور عورت شامل تھی، ضرورت کے مطابق رقم جس میں سے ایک بڑا حصہ والدین کو بھیجا جاتا تھا اور گاؤں کے دوسرے لوگ چوہدری گلزار کی تقدیر پر رشک کرتے تھے جنہیں ایسا سعادت منداور ہونہار بیٹا ملا تھا جس نے گھرانے کی شکل ہی بدل دی تھی۔

یہ سب کچھ مل گیا تھا تو پھر ماسٹران کے لئے قابل توجہ کیوں نہ ہوتا۔ اب ان تمام چیزوں کے عوض کام کیا کرنا پڑتا ہے۔ اس کے بارے میں سوچنا فضول تھا۔ چنانچہ ان میں سے کوئی اس بارے میں نہیں سوچتا تھا وہ سب ماسٹر کے احکامات کی تعمیل کرتے تھے۔

دفعتاً شہباز نے کار کے بریک پر دباؤ ڈالا اور کار کی رفتار سست ہو گئی۔ دور سے ایک فٹ پاتھ پر کوئی سایہ نظر آیا تھا اور شہباز کی تجربہ کار نگاہوں نے بھانپ لیا تھا کہ سایہ لڑکی کا ہے۔ ہلکی ہلکی بارش،

سنسان سڑک ایسے اوقات میں کوئی تنہا لڑکی فٹ پاتھ پر اطمینان سے کھڑی ہو تو کچھ سوچنا ہی فضول ہے۔

کار لڑکی کے قریب جا کھڑی ہوئی۔

"آپ کہاں جائیں گی محترمہ۔۔۔" شہباز نے احتیاطاً سوال کیا۔

"جہاں تقدیر لے جائے۔" لڑکی نے جواب دیا۔

"تب پھر تشریف لائیے، میں بھی وہیں جا رہا ہوں۔" شہباز نے دروازہ کھول دیا۔ اور لڑکی اطمینان سے اندر بیٹھ گئی۔

اعلیٰ قسم کے پرفیوم کی خوشبو شہباز کے نتھنوں میں گھسنے لگی اور اس نے سوچا لڑکی کی شکل وصورت جیسی بھی ہو لیکن وہ خوش ذوق ضرور ہے کار میں تاریکی تھی جس کی وجہ سے لڑکی کے خدوخال صاف نظر نہیں آرہے تھے چند ساعت شہباز خود پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

پھر بھاری آواز میں بولا۔

''آپ کی تلاش میں بڑی دقتیں اٹھانی پڑی ہیں۔ بارش کی وجہ سے بڑی مشکل پیش آئی۔''لڑکی نے کوئی جواب نہ دیا، خاموش بیٹھی رہی۔''کیا نام ہے آپ کا؟''

''دلربا''لڑکی نے جواب دیا۔

آواز نسوانی تھی لیکن عجیب سی کرختگی لئے ہوئے تھی۔ شہباز کو اس کی آواز پسند نہیں آئی۔ وہ گردن گھما کر اس کا چہرہ دیکھنے کی کوشش کرنے لگا لیکن تاریکی کی وجہ سے نقوش واضح نہیں ہوئے تھے تاہم جو کچھ نظر آیا۔ اس میں دل کشی تھی۔ اس نے گہری سانس لے کر کار کی رفتار بڑھا دی۔

تھوڑی دیر بعد کار فلیٹ کے پاس پہنچ گئی۔ شہباز نے اسے اس کی مخصوص جگہ پر پارک کر لیا اور لڑکی کو اُترنے کا اشارہ کیا۔ لڑکی سکون و

اطمینان سے اُتر آئی۔ کار کے دروازے لاک کرنے کے بعد شہباز
اس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس کا فلیٹ تیسری منزل پر تھا۔
سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اس نے کہا۔

"ذرا خاموشی سے یہ شریفوں کا محلہ ہے اور ان شریفوں کو
دوسروں کی بہت کھوج رہتی ہے۔"

لڑکی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے
شہباز کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر آگئی۔ شہباز فلیٹ کا
دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا اور پھر اس نے دروازہ بند کر دیا۔۔۔
اندر روشنی کر کے سب سے پہلے اس نے لڑکی کا جائزہ لیا۔ اس کے
ہونٹوں پر ایک اوباش سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"بہت خوبصورت ہو، کہاں رہتی ہو؟" اس کے سوال کے جواب
میں لڑکی مسکرا کر رہ گئی۔

''بہت کم گو ہو، لیکن کچھ باتیں تو کرو، میرا نام شہباز ہے۔''

''ہوگا، ہمیں کیا۔'' اس نے ایک بھونڈی ادا کے ساتھ کہا۔

''گویا تمہاری نگاہ میں میری کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

''ہماری نگاہ کمزور ہے۔'' اس نے دانتوں میں انگلی دبا کر کہا اور شہباز نے دل ہی دل میں گالی بکی۔ سالی بڑی پہنچی ہوئی معلوم ہوتی ہے حرکتیں تو ایسی ہی ہیں۔ پھر وہ اسے اندر لے آیا۔

''میں لباس تبدیل کرلوں۔ تمہارے کپڑے بھی بھیگے ہوئے ہیں۔ یوں کرو انہیں اتار کر خشک ہونے کے لئے ڈال دو۔''

'' میں مر جاؤں۔ دیکھو جی ہم سے بے شرمی کی باتیں مت کرو۔'' وہ شرما کر دوہری ہوگئی۔

''تمہاری مرضی، ویسے یہ تو کرنا ہی ہوگا۔'' اس نے کہا اور دوسرے کمرے میں لباس بدلنے چلا گیا۔ لڑکی کی شکل وصورت اچھی

تھی، لیکن اس کی آواز میں نسوانی دل کشی نہیں تھی اور اداؤں میں سخت بھونڈا پن تھا۔ خیر، اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔ بارش کی اس منحوس رات میں جو کچھ مل گیا وہی غنیمت ہے۔

لباس تبدیل کر کے وہ واپس آ گیا۔ لڑکی ایک صوفے پر بیٹھی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ شہباز کو دیکھ کر اس نے گردن جھکالی۔

''اور جانِ من، کیا خدمت کی جائے آپ کی۔۔۔'' شہباز نے پوچھا۔

''ہم بھوکے ہیں۔'' اس نے کہا

''محبت کی۔۔۔؟'' شہباز نے سوال کیا۔

''نہیں جی، محبت بھی کوئی کھانے کی چیز ہوتی ہے۔ تمہارے باورچی خانے میں کچھ تو ہوگا۔''

''ہاں ہے، جاؤ فرج سے نکال کر کھالو۔ جلدی کرو۔'' شہباز نے

کسی قدر بور ہو کر کہا۔

اور لڑکی شرماتی ہوئی باہر نکل گئی۔ شہباز کی عجیب سی کیفیت ہو گئی تھی۔ وہ صوفے میں دراز ہو کر اس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آ گئی۔

"کھالیا؟"

"ہاں مگر تمہارے فرج میں شراب کی بوتل رکھی ہوئی ہے۔"

"پیو گی۔" شہباز نے پوچھا۔

"اوئی نو۔ حرام چیز پلانے کو کہہ رہے ہو، شرم نہیں آتی؟"

"کیا فضول باتیں کرتی ہو۔ بارش کے اس موسم میں نشہ کو حرام کہہ رہی ہو، پیتی تو ضرور ہو گی۔"

"تم۔۔۔ تم مجھے اچھے آدمی معلوم نہیں ہوتے۔ کنواری لڑکیوں سے ایسی گندی باتیں کہہ رہے ہو، کچھ غیرت کرو۔"

''لڑکی ممکن ہے تم بہت پارسا ہو، لیکن تمہاری ان فضول باتوں سے میں بور ہو رہا ہوں۔''

''مجھے میرے گھر پہنچا دو۔'' وہ بولی۔

''دماغ خراب ہوا ہے تمہارا۔'' شہباز آنکھیں نکال کر بولا۔

''ارے میری ماں۔۔۔ڈانٹ رہے ہو۔'' وہ خوفزدہ لہجے میں بولی۔

''کیسے گھٹیا جملے بولتی ہو۔اس سے تو بہتر ہے تم خاموش رہو۔آؤ بیڈروم میں چلیں۔''

''کیوں، وہاں جا کر کیا کریں گے؟'' وہ معصومیت سے بولی اور شہباز ہونٹ بھینچ کر اسے گھورنے لگا۔

''لڑکی، میں شریف آدمی نہیں ہوں یہ بات تم بھی اچھی طرح سمجھ گئی ہو گی۔۔۔بس، فضول بکواس مت کرو۔آج تقدیر ہی خراب

تھی۔'' اس نے کہا۔

''میں گھر جاؤں گی۔'' اس نے خوفزدہ لہجے میں کہا اور شہباز کو سچ مچ غصہ آ گیا۔

''تم فراڈ لڑکی ہو، مجھ سے فراڈ کرنے آئی تھیں۔''

''گھر جاؤں گی، اللہ میں گھر جاؤں گی، ہائے مجھے جانے دو، اس نے نتھنے پھیلائے اور شہباز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''زندہ نہیں جاؤ گی کبھی تم، مجھے جانتی نہیں ہو۔ چلو بیڈ روم میں چلو۔۔۔''

''ارے میری۔ بچاؤ۔ بچاؤ۔۔۔'' لڑکی نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہا اور دوسرے ہی لمحے وہ اُچھل کر دروازے کی طرف بھاگی۔ اور جھپاک سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ شہباز کو اس انوکھے حادثے کا گمان بھی نہیں تھا۔ بارش کی تاریک رات میں وہ تنہا ایک

سنسان فٹ پاتھ پر کھڑی تھی اور شہباز کے سوال۔۔۔کے جواب میں اس نے ایسی بات کہی تھی جو عام طور پر پروفیشنل لڑکیاں کہتی ہیں پھر یہ سب کچھ کیوں، اس سے قبل اس نے کھانا کھایا تھا اسے ایسی فراڈ لڑکیوں کی داستانیں بھی یاد تھیں جو اس طرح لوگوں کو بے وقوف بناتی ہیں۔ یہ بھی شاید ایسی ہی لڑکیوں میں سے ہے۔

لیکن اسے بھی چڑھی ہوئی تھی۔ اس لئے احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر وہ اس کے پیچھے لپکا۔ لڑکی اور زور سے چیخنے لگی۔

"ارے شریف لوگو بچاؤ۔ تمہارے محلے میں ایک شریف لڑکی کی عزت خطرے میں ہے۔ بچاؤ۔ اے میرے مولا بچاؤ"

راستے میں شہباز نے ٹھوکر کھائی اور گرتے گرتے بچا۔ بس اس دوران لڑکی نے دروازہ کھول لیا تھا۔ شہباز نے اسے پکڑنے کی کوشش کی اور لڑکی کی قمیض کی آستین اس کے ہاتھ میں آ گئی۔

''ہائے۔۔۔ہائے مر گئی بچاؤ۔ بچاؤ۔'' وہ منہ پھاڑ پھاڑ کر چیخنے لگی۔

''سور کی بچی۔۔۔آواز بند کر۔۔۔میں تیری گردن دبادوں گا۔''

''ہائے گردن دبا دے گا۔۔۔ارے سب مر گئے کیا۔۔۔مجھے بچاؤ۔'' وہ دروازے کے سامنے زمین پر بیٹھ گئی۔

قرب وجوار کے فلیٹوں کی روشنیاں جلنے لگیں تھیں۔شہباز نے جھک کر اسے اٹھانے کی کوشش کی اور پہلی بار بوکھلاہٹ کا شکار ہو گیا۔ لڑکی کو وہ اس کی جگہ سے جنبش بھی نہ دے سکا تھا۔اس اثناء میں سامنے کے فلیٹ سے دو آدمی نکل آئے۔اوپر کے فلیٹوں کی سیڑھیوں پر بھی دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

شہباز بُری طرح بوکھلا گیا تھا۔وہ اب بھی لڑکی کی بغلوں میں

ہاتھ ڈال کر اسے اٹھانے کی کوشش کر رہا تھا اور وہ زور زور سے چیخ رہی تھی۔ لیکن شہباز اپنی تمام تر قوت صرف کرنے کے باوجود اسے ہلا بھی نہیں سکا تھا۔

''کیا ہو رہا ہے یہ۔'' کوئی صاحب دھاڑے۔

''ظلم ہو رہا ہے زیادتی ہو رہی ہے۔ ایک مجبور و بے بس لڑکی کی آبرو لٹ رہی ہے، دیکھتے رہو۔ نیک دل انسان دیکھتے رہو۔'' لڑکی بین کرتی ہوئی بولی۔

''چھوڑ دو۔ میں کہتا ہوں چھوڑ دو اسے ورنہ اچھا نہ ہو گا۔'' چند لوگ آگے بڑھے۔

''تم لوگ اپنے گھروں میں دفعان ہو جاؤ۔'' شہباز غرایا۔

''ارے تیری ایسی کی تیسی، کیا سمجھتا ہے خود کو۔۔۔'' ایک پر جوش بزرگ کو جوش آیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر شہباز کا گریبان پکڑ لیا۔

اور شہباز کو ایک دم ہوش آ گیا، اس نے خود کو سنبھال لیا۔ یہ لوگ اس کی حیثیت سے واقف نہیں تھے اور۔۔۔ ماسٹر یہ بات کبھی پسند نہیں کرے گا کہ لوگ اس کے ساتھیوں کی حیثیت سے واقف ہو جائیں۔

وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں سیدھا ہو گیا۔

''کون ہے، یہ لڑکی۔۔۔؟''

''مظلوم ہوں، دکھیاری ہوں، سڑک سے اٹھائی گئی ہوں۔''

''جھوٹ۔۔۔ جھوٹ بول رہی ہے یہ۔۔۔'' شہباز پھولے ہوئے سانس کے ساتھ بولا۔

''پھر کون ہے یہ؟ تمہاری بہن ہے۔'' ایک نوجوان بولا۔

'' بکواس مت کرو۔'' شہباز کی آنکھوں میں خون اُتر آیا۔

''ہائے بھیا، بچاؤ، میری آبرو بچاؤ، میں تمہاری بہن ہوں۔۔۔'' لڑکی ہچکیاں لے لے کر رو رہی تھی۔

''پولیس کو بلاؤ جی، یہ شریفوں کا محلّہ ہے۔ ہم اپنے محلّے میں ایسے گندے عناصر کو نہیں رہنے دے سکتے۔ پولیس کو بلاؤ۔''

''ہاں مرزا صاحب، میں تو پہلے ہی کہتا تھا کہ یہ مشکوک آدمی ہے۔۔۔''

''یہ اس فلیٹ میں نہیں رہے گا۔''

''فیصلہ ہو کر رہے گا۔'' آوازیں اُبھر رہی تھیں اور ان میں لڑکی کے رونے کی آوازیں شامل تھیں۔ شہباز کی بُری حالت ہو گئی تھی۔ ان لوگوں کی تو اسے کوئی پرواہ نہ تھی۔ ابھی چاقو نکال لاتا تو سب گھروں میں گھس جاتے۔ لیکن ان حالات کے بعد ماسٹر جو حال کرے گا اس سے جان نکل رہی تھی۔ چنانچہ اس کے تمام کس بل نکل گئے۔

''آپ لوگ میری بات تو سنیں، یہ لڑکی آوارہ ہے۔ سڑک پر کھڑی تھی، مجھے اشارے سے روکا۔ میں نے یہ سمجھ کر کار روک لی کہ

بارش ہو رہی ہے ممکن ہے اسے کہیں جانا ہو، کہنے لگی مجھے ایک رات کے لئے پناہ دے دو، میں مظلوم ہوں صبح کو چلی جاؤں گی اور اب یہاں آ کر یہ شور مچا دیا ہے، آپ ایسی لڑکیوں کے بارے میں نہیں جانتے یہ۔۔۔"

"جھوٹا ہے، ارے جھوٹا ہے، مجھے شراب پلا رہا تھا۔ منہ سونگھ کر دیکھ لو یہ شراب پیئے ہوئے ہے۔" لڑکی کلکلائی۔

"ہم جانتے ہیں بی بی۔" "مگر تم اس کے ہاتھ کیسے لگ گئیں۔"

"امّی کے گھر جا رہی تھی، ابو بیمار ہیں۔ سواری نہیں مل رہی تھی یہ کہنے لگا آؤ میں چھوڑ دوں جوں ہی میں کار میں بیٹھی میرے ناک پر رومال رکھ کر اس نے مجھے بے ہوش کر دیا۔ ہوش آیا تو۔۔۔ ہائے میرے مولا۔ یہ۔۔۔ یہ۔۔۔" لڑکی شرم کی وجہ سے جملہ پورا نہ کر سکی۔

"اب بولو میاں۔" وہی بزرگ بولے جنہوں نے شہباز کا گریبان پکڑا تھا۔

"جو کچھ مجھے کہنا تھا کہہ دیا۔ اب آپ لوگ جائیں۔"

"عبدالعلی۔۔۔ میاں جاؤ ثواب کا کام کرو، کہیں سے ایک رکشہ تلاش کرلاؤ، جو مانگے دے دینا اسے، یہ بچی اپنے گھر جائے اور اس بدمعاش سے تو ہم اچھی طرح نمٹ لیں گے۔ ایسے لوگوں کو اس بلڈنگ میں نہیں رہنے دیا جائے گا۔"

عبدالعلی۔۔۔ رکشہ لینے چلا گیا۔

"بس مرزا صاحب! کل کی چھٹی کرلو دفتر سے، یہ فلیٹ خالی ہوگا نہیں ہوگا تو ہم پولیس اسٹیشن چلیں گے۔"

شہباز جھنجلائے ہوئے انداز میں فلیٹ کے اندر چلا گیا اور باہر چہ میگوئیاں ہوتی رہیں۔ اس نے دروازہ بند کرلیا۔

اس حادثے نے اس کے ہوش اڑادیے تھے۔ جو کچھ ہوا وہ وہم و گمان میں بھی نہ تھا اب اس کے بدن میں سنسنی ہورہی تھی۔ ماسٹر کو جواب دہی مشکل ہوجائے گی۔ اور صبح کو واقعی پولیس آگئی تو۔۔۔

اس کے بدن میں پسینہ آگیا۔ اس کے بعد تو ماسٹر زندہ نہیں چھوڑے گا۔ اس کی سختی سے ہدایت تھی کہ پولیس کے سائے سے بھی بچو۔ اگر کوئی شخص کسی طور پر پولیس کی نگاہ میں آجائے تو پھر وہ ماسٹر کے کام کا نہیں رہتا تھا۔

''کیا کیا جائے۔۔۔؟'' وہ دروازے کے پاس کھڑا ہو گیا۔۔۔ باہر کی آوازیں آہستہ آہستہ بند ہوتی جارہی تھیں۔ لڑکی کو شاید رکشہ میں بھجوادیا گیا تھا۔ شہباز نجانے کتنی دیر وہاں کھڑا رہا۔ اور جب بالکل خاموشی چھاگئی تو وہ وہاں سے ہٹ آیا۔ تمام سرور ختم ہو گیا۔ بارش کی اس تہارات کا بھی کوئی احساس باقی نہیں رہ گیا تھا۔ جو

کچھ ہو چکا تھا وہ سخت تشویشناک تھا۔لڑکی کا تصور آتا تو اس کی آنکھوں میں خون اُتر آتا۔لیکن پھر ماسٹر کا تصور پریشانی کا شکار کر دیتا۔

"محلے والے اب ضرور گڑ بڑ کریں گے، یہ بات اب دب نہیں سکتی ذرا سی غلطی سے کیسی بات بگڑ گئی اب کیا ہو گا۔" وہ پریشانی سے بیٹھا سوچتا رہا۔"اگر بات پولیس تک پہنچ گئی تو نجانے کیا ہو۔۔۔ ممکن ہے اس کا دماغ بھی گھوم جائے اور کوئی اس کے ہاتھوں مارا جائے۔اس طرح سارا کھیل بگڑ جائے گا۔کیا ترکیب کی جائے۔"

اور پھر ایک ترکیب سمجھ میں آئی کافی دیر بعد وہ اپنی جگہ سے اُٹھا۔ ایسی تمام چیزیں جو پولیس کو اس کے بارے میں مشکوک کر سکتی تھیں۔سمیٹ کر ایک بیگ میں رکھیں۔اس کے علاوہ اپنے چند جوڑے کپڑے سمیٹے۔شراب کی بوتلیں بھی بیگ میں رکھیں اور نقد رقم بھی۔اس کے بعد وہ فلیٹ کے دروازے کے پاس آ گیا۔چند

ساعت باہر کی آہٹیں لیتا رہا اور پھر آہستہ سے دروازہ کھول کر بے آواز باہر نکل آیا۔

سیڑھیاں اترتے ہوئے بھی اس نے نہایت احتیاط سے کام لیا تھا۔ نجانے کس طرح کار تک آیا۔ اور دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا دوسرے ہی لمحے اس نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھا دی۔ دماغ غصے سے کھول رہا تھا اور خوف بھی جاگزیں تھا۔

سرد بارش بھری رات کے اس غلط وقت پر اس نے روشن کے فلیٹ کی کال بیل پر انگلی رکھی اور اس وقت تک اسے دبائے رکھا جب تک اندر سے روشن کی غراہٹ سنائی نہ دی۔

"کون بے وقوف ہے؟ دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔" اس کے ساتھ ہی دروازہ کھل گیا۔

روشن کے چہرے پر شدید غصے کے آثار تھے۔ وہ گہری نیند سے

جاگ کر آیا تھا۔

"سوری روشن، مجھے احساس ہے۔" اس نے کہا۔

"تم۔۔۔؟ خیریت ہے؟" "ہاں کوئی خطرے کی بات نہیں مگر خیریت بھی نہیں ہے۔" اس نے اندر داخل ہو کر کہا۔۔۔اور پھر جلدی سے بولا۔۔۔ "کوئی اور تو نہیں ہے؟"

"نہیں۔ کیا بجا ہے؟" روشن نے جمائی لے کر کہا۔

"پتہ نہیں یار۔ مجھے اندازہ نہیں۔ ضرورت ہی ایسی آپڑی تھی ورنہ تمہیں اس وقت تکلیف نہ دیتا۔" شہباز نے کہا اور روشن سنبھل گیا۔

"سوتے سے جاگا ہوں کوئی ایسی ویسی بات منہ سے نکل گئی ہو تو مائنڈ مت کرنا۔ میں جانتا ہوں تم بلاوجہ نہ آئے ہو گے۔ چلو اندر بیٹھو چائے بنا کر لاتا ہوں۔" روشن نے کہا اور شہباز اندر چلا گیا۔

روشن کی خواب گاہ میں جا کر اس نے صوفے پر بیٹھ کر جوتے اتارے اور صوفے پر دراز ہو گیا۔ اس کے چہرے پر اُلجھن کے آثار پھیلے ہوئے تھے روشن شاید غسل خانہ میں ہاتھ منہ دھو رہا تھا۔

گروہ کے تمام افراد کو مالی فراغت حاصل تھی۔ وہ عمدہ ہوٹلوں میں جا سکتے تھے، زندگی کی تمام تفریحات میں حصہ لے سکتے تھے لیکن اس کے ساتھ چند پابندیاں بھی تھیں مثلاً وہ گھروں میں کوئی ملازم نہیں رکھ سکتے تھے، اپنے عزیز و اقارب کو گھر میں مدعو نہیں کر سکتے تھے۔۔۔ اور انہیں ہدایت تھی کہ جس جگہ ان کی رہائش ہو وہاں کوئی غیر شریفانہ حرکت نہ کی جائے، پڑوسیوں سے کوئی رابطہ نہ رکھا جائے وغیرہ وغیرہ۔

یہ مسئلہ ایسا ہی تھا جس نے شہباز کو پریشان کر دیا تھا۔

"سوال یہ ہے کہ اب کیا کیا جائے۔۔۔ کیا اس فلیٹ میں اب

میرا قیام ممکن ہوگا۔" شہباز نے چائے کی چسکیاں لیتے ہوئے کہا۔

"خطرہ ہے سخت خطرہ ہے۔ پڑوس کے لوگ اب تمہیں وہاں نہیں رہنے دیں گے۔ اور اگر پولیس وغیرہ تک بات پہنچ گئی تو۔۔۔" روشن بولا۔

"یہی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔" شہباز پریشانی سے بولا۔

"ان سالوں سے تو نمٹ لیا جاتا۔۔۔ مگر ماسٹر۔۔۔"

"یہی تو رونا ہے، ماسٹر کو کیا جواب دیا جائے گا، اگر اسے صحیح صورت حال معلوم ہوگئی تو وہ سزا دینے سے باز نہ رہ سکے گا۔" شہباز نے کہا اور روشن گردن ہلانے لگا، پھر بولا۔

"ماسٹر جو بھی سزا دے۔ لیکن اگر پولیس تم تک پہنچ گئی اور اس کیس میں تم لاک اپ میں چلے گئے تو پھر ماسٹر کسی قیمت پر معاف نہیں کرے گا۔"

"میرے ذہن میں تو صرف ایک بات آتی ہے۔" بالآخر شہباز نے گہری سانس لے کر کہا۔ "میں ماسٹر کو تمام صورت حال بتا دیتا ہوں اور وہ جو بھی سزا دے قبول کر لیتا ہوں۔ ہم کسی طور اسے دھوکے میں نہیں رکھ سکتے۔"

"جیسا تم مناسب سمجھو۔" روشن بولا۔

"اسی وقت فون کروں۔"

"بھول کر بھی مت کرنا۔ اگر وہ سوتے سے جاگا تو بات بگڑ جائے گی۔ کل صبح کو اسے اطلاع دے دینا۔" روشن نے مشورہ دیا اور شہباز پُرخیال انداز میں گردن ہلانے لگا۔

نیلے رنگ کی سپورٹس اونچے نیچے گڑھوں میں اچھلتی ہوئی سُست رفتاری سے آگے بڑھ رہی تھی اور رخشندہ کے نزدیک بیٹھی فاطمہ کی

حالت خراب ہونے لگی تھی۔ اتنی قیمتی گاڑی ایسے راستوں پر تباہ کی جا رہی تھی۔ اسے دکھ ہو رہا تھا۔ ایک زوردار جھٹکے سے وہ بُری طرح اچھلی اور اس کے حلق سے چیخ نکل گئی۔

"رخشندہ، رخشندہ کیوں گاڑی تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہو۔ آہ میری تو جان نکل رہی ہے، زبان زخمی ہوتے ہوتے بچی ہے۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا

"بس یہ میدان پار کر کے ہم اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ وہ ایک جھونپڑی کے اوپر تم سبز جھنڈا لگا دیکھ رہی ہو نا۔" رخشندہ نے سکون سے کہا۔

"ہاں۔" فاطمہ نے روہانسی آواز میں کہا۔

"وہی پیر صاحب کی خانقاہ ہے۔"

"اللہ رحم کرے تم پر۔ میں واقعی تم سے اس دیوانگی کی توقع نہیں

رکھتی تھی اور رخشندہ ارے تم جیسی ذہین اور۔۔۔آہ۔۔۔ایک زوردار جھٹکے نے فاطمہ کی آواز بند کر دی۔

"پیر صاحب کے خلاف کوئی بات مت کرو فاطمہ، ورنہ تم قوت گویائی سے بھی محروم ہو سکتی ہو۔" رخشندہ نے کہا۔ اور فاطمہ گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی۔

تھوڑی دیر بعد کار اس جگہ پہنچ گئی جہاں چونے سے بنی ہوئی ایک کچی جھونپڑی کھڑی تھی۔ کچی دیوار کا احاطہ تھا جس کے درمیان نیم کا عظیم الشان درخت کھڑا ہوا تھا، احاطے کے بعد ایک کچا کمرہ بنا ہوا تھا احاطے کی دیوار میں ایک دروازہ تھا جس کے دوسری طرف نیم کے درخت کے نیچے سرکنڈے کے موڑھوں پر چند افراد بیٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ فاطمہ۔۔۔" رخشندہ کار سے اترتے ہوئے بولی۔

''یہاں۔۔۔رخشندہ تم پاگل تو نہیں ہو گئی ہو۔''

''ہو گئی ہوں۔آؤ۔۔۔'' رخشندہ دانت پیس کر بولی اور فاطمہ کو دھکا دیتی ہوئی اندر داخل ہو گئی۔

''اندر بیٹھے ہوئے سب لوگوں نے گردنیں گھما کر ان فیشن ایبل لڑکیوں کو دیکھا تھا اور پھر ان میں سے ایک نے کہا۔

''وہ خواتین۔۔۔اس طرف.....''

لیکن وہ دونوں ان لوگوں کی بات پر توجہ دیے بغیر اس کچے کمرے کی طرف بڑھ گئیں جہاں پیر صاحب ایک چوکی پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی پشت ان دونوں کی طرف تھی۔کمرے کی دیواروں پر لگے برتنوں سے اگربتیوں کی خوشبو بکھر رہی تھی۔ان کے دھوئیں سے ماحول میں کسی قدر گھٹن پیدا ہو گئی تھی۔فاطمہ اس گھٹن سے الجھنے لگی اور کچھ کہنے کی کوشش کی تو رخشندہ نے اس کا بازو دبا دیا۔

پیر صاحب کو قدموں کی چاپ سے کسی کے آنے کی اطلاع مل گئی تھی لیکن انہوں نے رُخ نہیں بدلا اور ان کی آواز اُبھری۔

"بیٹھ جاؤ تم دونوں۔ رخشندہ، تم اپنی دوست فاطمہ سے کہو کہ وہ پر سکون رہے۔

اور فاطمہ ساکت رہ گئی، یہ ناقابل یقین بات تھی پیر صاحب نے تو گھوم کر بھی نہیں دیکھا تھا اور پھر فاطمہ تو اس بات سے بھی ناواقف تھی کہ رخشندہ کہاں جا رہی ہے۔ وہ تو بس رخشندہ نے اس علاقے میں داخل ہوتے ہوئے اسے یہ بات بتائی تھی لیکن پیر صاحب نے اسے اس کے نام سے مخاطب کیا تھا۔

"تشریف رکھیے مس فاطمہ۔" رخشندہ نے کسی قدر طنزیہ انداز میں کہا اور فاطمہ خاموشی سے مونڈھے پر بیٹھ گئی۔ تب پیر صاحب گھوم کر انہیں دیکھنے لگے پھر بولے۔

"ان معاملات میں دوسروں کو راز دار نہیں بنایا جاتا رخشندہ تمہیں تنہا آنا چاہیے تھا، فاطمہ کو کیوں تکلیف دی۔"

"یہ، یہ میری سب سے اچھی، سب سے گہری اور راز دار سہیلی ہے پیر صاحب۔" رخشندہ جھجکتی ہوئی بولی۔

"ہم جانتے ہیں، یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ تم سے بے حد مخلص ہے لیکن اس کے باوجود۔ خیر یہ تمہارا معاملہ ہے، ہم اس میں مداخلت نہیں کریں گے، مطلوبہ شے لے آئی ہو۔" پیر صاحب نے پوچھا۔

"جی پیر صاحب۔" رخشندہ نے پرس کھول کر ایک چوکور سرخ ڈبیہ نکالی اور پیر صاحب کی طرف بڑھا دی۔

"نہیں بی بی یہ ہمیں نہ دو۔۔۔ ہم اس سنہری عذاب کا بار اٹھانے کے اہل نہیں ہیں۔ لو یہ تعویذ اس میں بند کر دو۔" پیر صاحب نے لباس سے ایک تعویذ نکال کر رخشندہ کو دیا اور رخشندہ نے اٹھ کر بڑے

احترام سے وہ تعویذ پیر صاحب کے ہاتھ سے لے لیا۔ فاطمہ بغور یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی۔ سرخ ڈبیہ سے سونے کا ایک چوکور تعویذ برآمد ہوا اور پھر رخشندہ نے پیر صاحب کا دیا ہوا کاغذ رکھ کر سونے کی تعویذ نما ڈبیہ بند کر دی۔

"اب میں اس کا کیا کروں پیر صاحب۔" اس نے پوچھا۔

"اپنے کسی معتمد سے اسے بہتے پانی میں ڈلوا دینا۔ لیکن اس سے کہنا کہ ہاتھ سے نہ چھوئے بلکہ کسی دھاگے میں لٹکا کر لے جائے۔ اگر کسی نے اسے ہاتھ سے چھوا تو یہ بے اثر ہو جائے گا۔"

"مگر۔۔۔ مگر پیر صاحب! میں نے۔ میں نے تو اسے چھو لیا ہے۔" رخشندہ گھبرا کر بولی۔

"تمہیں تو چھونا ہی تھا رخشندہ۔ میں تمہارے علاوہ کسی اور شخص کی بات کر رہا ہوں۔"

''پھر میں ہی کیوں نہ اسے بہتے پانی میں ڈال دوں۔''

''ہرگز نہیں۔ اس طرح تم اپنی خواہش کو دریا برد کر دو گی کوئی اور تمہارے لئے یہ کام نہیں کر سکتا؟''

''میں خیرو سے یہ کام کروا دوں گی۔'' فاطمہ نے کہا۔

''کیا وہ قابل اعتماد شخص ہے۔'' پیر صاحب نے پوچھا۔ پھر بولے، ''ٹھہرو، میں خود ہی بندوبست کئے دیتا ہوں۔''

''مطلوب، مطلوب'' انہوں نے کسی کو آواز دی۔ اور ایک میلا کچیلا سا شخص اندر داخل ہو گیا۔

''ایک دھاگہ لاؤ۔۔۔'' پیر صاحب بولے۔ اور مطلوب باہر نکل گیا۔ چند ساعت کے بعد وہ دھاگے کی ایک نلکی لے کر اندر آ گیا۔ پیر صاحب کی ہدایت پر رخشندہ نے وہ تعویذ دھاگے میں باندھ دیا اور پھر پیر صاحب کے حکم پر مطلوب اس دھاگے کے سرے کو

پکڑ کر باہر نکل گیا۔

''میرے لئے کیا حکم ہے پیر صاحب۔'' رخشندہ نے پوچھا۔

''بس اب جاؤ اور آئندہ منگل کو۔۔۔''

''بہت بہتر۔'' رخشندہ اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔ پھر اس نے فاطمہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور باہر نکل آئی۔ چند ساعت کے بعد خوبصورت سپورٹس اچھلتی کودتی واپس جا رہی تھی۔ فاطمہ بالکل خاموش تھی۔

جب ناہموار راستہ ختم ہو گیا اور کار صاف راستے پر آ گئی تو رخشندہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بہت خاموش ہو فاطمہ۔''

''تمہاری دیوانگی پر غور کر رہی ہوں۔''

''یار۔۔۔ زندگی میں پہلی بار ہی تو دیوانی ہوئی ہوں۔۔۔''

رخشندہ نے کہا۔

''جھوٹ۔۔۔ چند سال پہلے تم پرنس کریم کی دیوانی ہو گئی تھیں۔

اور پچھلے سال تمہارے پرس میں شہزادہ چارلس کی تصویریں پڑی رہتی تھیں۔"

"اوہ ڈارلنگ، چند سال قبل میں نابالغ تھی اور پچھلے سال۔۔۔ ڈاکٹروں نے میرے معدے میں گرمی تجویز کی تھی۔ خدا کا شکر ہے، بعد میں ٹھیک ہوگئی۔"

"خیر تمہارے ٹھیک ہونے کی وجہ ڈاکٹر نہیں بلکہ لیڈی ڈائنا تھی۔ میں نے تمہیں بارہا لیڈی ڈائنا کی قدِ آدم تصویروں پر نشانہ بازی کرتے ہوئے دیکھا ہے۔"

"اوہ کیا فضول باتیں کررہی ہو۔ ماضی کا تصور صرف حماقت ہے حال کی باتیں کرو ڈارلنگ، اِس بار حالات میرے موافق ہیں۔"

"اِس لئے تعویذ کراتی پھر رہی ہو۔" فاطمہ طنزیہ انداز میں بولی۔

"کیا کروں وہ بانگڑو انسان کی نسل سے ہی نہیں معلوم ہوتا۔
کمبخت میں حس لطیف کا تو کوئی جز و ہی نہیں ہے۔ اتنا معصوم، اتنا
احمق کہ بس۔۔۔ اور پھر اِس قدر دولت مند باپ کے بیٹے کے جتنے
نخرے ہوں وہ کم ہیں۔ لیکن میں اِسے حاصل کر کے رہوں گی۔ ہائے
فاطمہ پرنس کریم اور شہزادہ چارلس میں وہ دلکشی کہاں ہے جو اس میں
ہے۔ میرا بانگڑو۔" رخشندہ نے پیار بھری آواز میں کہا۔
"تمہاری حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوتا ہے رخشندہ۔"
"کیا مطلب؟"
"تم جیسی سوشل اور ماڈرن لڑکی اس حد تک بھی جا سکتی ہے کوئی
سوچ بھی نہیں سکتا۔"
"اِس حد تک سے تمہاری کیا مراد ہے۔"؟
"یہ گندی جگہ تمہارے قابل ہے جہاں تم آئی تھیں۔ یہ ڈھونگیے

اس قابل ہیں کہ تم انہیں ایسے رازوں میں شریک کرو۔ تم ایک معزز باپ کی بیٹی ہو رخشندہ۔ کوئی ایسی حماقت مت کرو جس سے ساری زندگی بلیک میل ہوتی رہو۔"

"توبہ کرو فاطمہ۔ خدا کے لئے توبہ کرو۔ تم پیر صاحب کو ڈھونگیہ کہہ رہی ہو۔ تم اب بھی اِن سے متاثر نہیں ہو۔ انہوں نے تمہیں تمہارے نام سے مخاطب کیا تھا۔

"تم کیا سمجھتی ہو۔ دوسروں کو بے وقوف بنانے والے احمق ہوتے ہیں۔ بڑے لمبے ہاتھ ہوتے ہیں اِن کی معلومات کے زبردست ذرائع ہوتے ہیں اِن کے پاس۔ اور یہ سونے کا تعویذ تم نے کس خوشی میں دریا بُرد کر دیا ہے۔"؟

"نہایت فضول لڑکی ہو۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر بدعقیدہ ہو ورنہ میں تمہیں کبھی ساتھ نہ لاتی۔ تم ایسے پہنچے ہوئے بزرگ کو نہ

جانے کیا کیا کہہ رہی ہو مجھے تو خوف محسوس ہو رہا ہے۔'' رخشندہ بُرا
ماننے والے انداز میں بولی۔

''دیکھو رخشندہ میں تمہاری دوست ہوں کسی کو پسند کرنے اور
چاہنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس کے لئے ایسے لوگوں کے جال
میں پھنس جانا کہاں کی عقل مندی ہے۔ ذرا بتاؤ تو ان پیر صاحب
سے تمہاری ملاقات کس طرح ہوئی۔''؟

''خیر دین مجھے یہاں لایا تھا۔'' رخشندہ نے جواب دے دیا۔

''سبحان اللہ۔ یہ خیر دین کون بزرگ ہیں۔''؟

''ہمارا ملازم ہے۔''

''اور ان پیر صاحب کا عقیدت مند۔''

''ہاں۔ اس کی بانجھ بیوی کے ہاں چودہ سال کے بعد ایک کی
بجائے دو لڑکے پیدا ہو گئے تھے۔''

"پیر صاحب کی دُعا سے۔"؟

"سو فیصدی۔ خیرو اولاد سے مایوس ہو گیا تھا۔ لیکن پیر صاحب مل گئے اور اِس سے اُداسی کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ وہ بیٹا چاہتا ہے۔ پیر صاحب بہت خوش ہوئے تھے کہنے لگے کہ خیر دین پریشان کیوں ہے ایک کی بجائے دو بیٹے لے۔ اور اِس کے بعد خیر دین کے ہاں دو جڑواں لڑکے پیدا ہوئے۔"

"خوب۔ تو ان پیر صاحب کو تو کسی زچہ خانے کا انچارج ہونا چاہیے تھا۔" فاطمہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

"فاطمہ۔" رخشندہ نے احتجاج کیا۔ اور دونوں شانے اُچکا کر بولی۔

"بھئی رخشندہ۔ دراصل اِن ڈھونگیے پیروں کی اتنی زیادہ داستانیں سنی ہیں کہ اب ان پر سے اعتماد اٹھ گیا ہے۔"

"تیرے خیال میں، میں بے وقوف ہوں۔"

"اس سلسلے میں تو لگتی ہو۔ بھلا یہ سونے کا تعویذ کتنی رقم کا بنا ہو گا۔"؟

"ڈھائی ہزار کا۔"

"اور تم نے اسے پانی میں بہانے کے لئے دے دیا۔"

"پیر صاحب کا حکم تھا۔"

"اور کیا حکم ہے۔"؟

"سات تعویذ پانی میں بہانے ہوں گے۔"

"اے سبحان اللہ۔ گویا ابتدائی مرحلے میں پیر صاحب نے ساڑھے سترہ ہزار روپے کاٹے تم سے۔ واہ بھئی پیر۔"

"بس بس خاموش ہو جاؤ خدا کے لئے۔ تم میرا کام بھی بگڑوا دو گی اس سلسلے میں اور کوئی بات نہ کرو فاطمہ۔"

"میں تمہاری دوست ہوں دشمن نہیں۔ آئندہ تم اس پیر کے پاس نہیں آؤ گی۔"

"میں کہتی ہوں فضول بکواس مت کرو۔"

"رخشندہ۔ تم آئندہ یہاں نہیں آؤ گی۔ یہ میرا فرض ہے کہ تمہیں حماقتوں سے روکوں۔"

"میں یہ حماقتیں جاری رکھنا چاہتی ہوں۔"

"تب مجبوراً مجھے چچا جان کو اس بارے میں اطلاع دینا ہوگی۔"

فاطمہ نے کہا۔ اور رخشندہ نے کار کے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

"کیا تم سنجیدہ ہو فاطمہ۔"؟

"ہاں۔ اخبارات میں لاتعداد خبریں چھپتی رہتی ہیں۔ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں بیوقوف لڑکیاں ان کے ہاتھوں اپنا مستقبل تباہ کر بیٹھتی ہیں۔"

’’مجھے کسی نصیحت کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘

’’تب بہتر ہے تم مجھے یہیں اُتار دو۔ میں کسی طور پر تمہاری حماقت میں شریک ہونا نہیں چاہتی۔‘‘ فاطمہ نے کہا۔

’’ٹھیک ہے اُتر جاؤ۔ لیکن کان کھول کر سُن لو۔ ڈیڈی کے کانوں تک اگر یہ بات پہنچی تو ہماری یہ مثالی دوستی دشمنی میں بدل جائے گی۔‘‘ رخشندہ نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

’’دیکھا جائے گا۔‘‘ فاطمہ نے کہا اور دروازہ کھول کر نیچے اُتر گئی۔ رخشندہ نے ایک جھٹکے سے کار آگے بڑھا دی تھی۔

’’بڑی مشکل میں ڈال دیا ہے تو نے ہمیں۔ اور اب ایسے وقت میں جبکہ وہ رخشندہ کی طرف مائل ہو گیا ہے اور اس سے اظہارِ عشق کرنا ہی چاہتا ہے۔ وہ رخشندہ کے خواب دیکھنے لگا ہے لڑکی ہمیں بتا ہم کیا

کریں۔" پیر صاحب نے پُرجلال انداز میں کہا۔

فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے سسکیاں بھرتے ہوئے کہا۔" آپ یقین کریں پیر صاحب رخشندہ ایک ابوالہوس لڑکی ہے۔ آج وہ اس کے لئے دیوانی ہے کل کسی اور کے لئے دیوانی ہو جائے گی۔ مگر میں اسے خلوصِ دل سے چاہتی ہوں۔"

"پوائنٹ۔ یہ پوائنٹ ہے۔ کیا تو سچ کہہ رہی ہے۔"

"آپ تصدیق کر لیں۔ تھوڑے دن پہلے وہ شہزادہ چارلس کی تصویریں جمع کرتی پھرتی تھی۔ اس سے قبل اسے پرنس کریم سے عشق تھا لیکن میں نے زندگی میں پہلی بار اسے چاہا ہے میں نے زندگی میں پہلا پیار کیا ہے۔ میں اس کے لئے لاکھوں خرچ کر سکتی ہوں پیر صاحب میں اس کے لئے سب کچھ مٹا سکتی ہوں۔۔۔"

"ہوں۔۔۔" پیر صاحب نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر بولے۔

”تیرے والد زندہ ہیں۔“

”جی پیر صاحب۔“

”کیا کرتے ہیں۔“؟

”اسٹیل کے برتنوں کا بہت بڑا کارخانہ ہے ہمارا۔ سینکڑوں ملازم کام کرتے ہیں۔“

”اس دن جب تو آئی تھی تو تو نے دیکھا تھا کہ رخشندہ سونے کے تعویذ بہتے پانی میں ڈلواتی ہے۔“ پیر صاحب بولے۔

”ہاں پیر صاحب۔“

”سونے کے سات تعویذ ڈلوائے ہیں اس نے بہتے پانی میں، ان سات تعویذوں کا اثر زائل کرنا ہوگا اور اس کے بعد ان کا توڑ بھی کرنا ہوگا، سات تعویذوں کے توڑ کے لئے چودہ تعویذ پانی میں ڈلوانا ہوں گے، سونے کے یہ چودہ تعویذ تو مجھے یک مشت بنوا کر دے دو

کیونکہ یہ تمام تعویذ مجھے بیک وقت پانی میں ڈلوانے ہوں گے۔"

"میں چودہ کی بجائے اٹھائیس تعویذ بنوانے کے لئے تیار ہوں۔

پیر صاحب لیکن میرا کام ہونا چاہیئے۔"

"فکر مت کر، تو نے کہا ہے کہ رخشندہ ایک بگڑی ہوئی رئیس زادی ہے اور ہر تیسرے مہینے کسی نہ کسی پر عاشق ہو جاتی ہے، اس لئے ہم کسی ایسی ابوالہوس لڑکی کی مدد نہیں کر سکتے، تو سچی ہے تیرا کام ہو جائے گا۔"

"میں آپ کی شکر گزار ہوں، مگر رخشندہ کو یہ بات معلوم نہ ہو۔"

فاطمہ نے کہا۔

"بے فکر رہ، کب آئے گی ہمارے پاس۔"

"جب آپ حکم دیں۔"

"پرسوں۔" پیر صاحب نے پُرجلال انداز میں کہا، اِسی وقت ایک آواز ان کے حُجرے میں گونج اُٹھی اور پیر صاحب نے زور سے

ایک نعرہ مستانہ لگایا۔

"بس اب باہر جا، تیرا کام ہو گیا، یہ آواز تیرے اس کام کی نشاندہی کرتی ہے جو ہونے والا ہے اور فاطمہ عقیدت سے اُٹھ کر باہر نکل آئی، لیکن دروازے سے نکلتے ہی وہ احاطے کے دروازے کی طرف جانے کی بجائے پیر صاحب کی کچی جھونپڑی کی پشت پر پہنچ گئی، جہاں سے روشنی کے لئے سوراخ بنے ہوئے تھے، یہ کام اس نے اتنی پھرتی سے کیا تھا کہ احاطے میں نیم کے درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے لوگ اِسے نہ دیکھ سکے۔ فاطمہ نے سوراخ سے آنکھیں لگا دی تھیں اندر کا ماحول اسے دھندلا دھندلا نظر آ رہا تھا۔ پیر صاحب نے جلدی سے اپنے قریب رکھی ہوئی گدڑی میں سے کچھ نکالا اور جو کچھ نکالا اِسے دیکھ کر فاطمہ کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔۔۔

"یہ ٹیلی فون کا ریسیور تھا۔ پیر صاحب ٹیلی فون پر گفتگو کرنے لگے۔

"یہ کون بول رہا ہے۔؟ ہاں ٹھیک ہے۔ کیا نام ہے۔ ٹھیک ہے ہم نے ذہن نشین کر لیا۔ ہاں تمہارا کمیشن تمہیں مل جائے گا۔ مل جائے گا بھئی۔ ہم اللہ والے لوگ کسی کے ساتھ بے ایمانی نہیں کرتے۔ اللہ حافظ۔" پیر صاحب نے فون بند کر کے ریسیور اِسی گدڑی میں چھپا دیا۔

"فاطمہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اِس نے گہری سانس لی۔ اور اپنی جگہ سے ہٹ آئی لیکن اس ٹیلی فون پر اُسے حیرت تھی۔ اِس گندی بستی میں بظاہر ٹیلی فون کی لائن نہیں نظر آتی تھی۔ احاطے سے نکل کر اس نے لائن تلاش کرنا شروع کر دی۔

کافی دور کچھ ٹیلی فون نظر آرہے تھے اور تھوڑی سی چھان بین سے

صورتحال واضح ہوگئی۔ایک انڈر گراؤنڈ لائن پیر صاحب کی کھولی تک آئی تھی۔یقیناً اس کے لئے پیر صاحب نے بڑی رقم خرچ کی ہوگی۔ اور اِن کے کام کے لئے یہ ضروری تھا۔اِن کے موکل انہیں اِس فون پر شکار کے بارے میں اطلاع دیتے رہتے تھے۔

بہر حال وہ اس طلسم کو توڑنا چاہتی تھی۔اور آج اس میں کسی حد تک کامیاب ہوگئی تھی۔اب اُسے دوسرے کام کرنا تھے۔چنانچہ اس نے چودہ تعویذ پیر صاحب کے حکم کے مطابق پیتل کے بنوائے اور ان پر سونے کا پانی کرایا۔اِن تعویذوں کی شکل وصورت سے مطمئن ہوکر اس نے دوسرا عمل کیا۔اپنے ایک ملازم نذر بخش عرف بخشو کی معرفت اس نے خیر دین سے رابطہ قائم کیا۔اور خیر دین ایک دن دھوکے سے فاطمہ کے پاس پہنچ گیا۔

فاطمہ نے اِسے اپنے کمرۂ خاص میں بلوالیا تھا،خیر دین یہ بات

اچھی طرح جانتا تھا کہ فاطمہ رخشندہ کی دوست ہے، آج کل اِن لوگوں کے تعلقات کیسے ہیں، اِس بارے میں خیر دین کو کوئی علم نہیں تھا، اِس لئے وہ بڑے ادب سے فاطمہ کے ساتھ پیش آیا۔

”خیر دین میں نے تمہیں ایک خاص کام سے بلوایا ہے، یوں سمجھ لو کہ اگر تم نے اس سلسلے میں مجھ سے تعاون نہیں کیا تو تمہارے ساتھ بہت بُرا سلوک ہوگا۔“

”جی بی بی جی، مجھے حکم دیں۔“

”مجھے معلوم ہے خیر دین کہ تم اس پیر صاحب کے آلہ کار ہو، جن کے ذریعے تم رخشندہ کا کام کر رہے ہو، مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ رخشندہ نے سونے کے سات تعویذ تمہارے اشارے پر پیر صاحب کے حوالے کر دیئے ہیں، اگر یہ ساری باتیں رخشندہ کے والد کے سامنے پہنچ جائیں تو نا صرف یہ ہوگا کہ تمہیں نوکری سے نکال دیا جائے گا بلکہ

یہ بھی ہو گا کہ تمہیں پیر صاحب سے مل کر جعلسازی کے الزام میں پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔" فاطمہ نے سخت لہجے میں کہا اور خیر دین کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں فاطمہ کی صورت دیکھنے لگا۔

"بات یہ ہے خیر دین، کہ رخشندہ جسے چاہتی ہے، اِسے میں بھی چاہتی ہوں، رخشندہ کی بات ابھی نئی نئی ہے، میں بہت عرصے سے اس سے پیار کرتی ہوں، چنانچہ اسے میری طرف مائل ہونا چاہیے۔ اور اِس سلسلے میں پیر صاحب میری مدد کا وعدہ کر چکے ہیں۔"

"او بی بی۔۔۔ بی بی۔۔۔ خدا کی قسم میں دل سے آپ کے ساتھ ہوں، اگر آپ مجھے معاف کر دیں اور میری یہ بات کسی کو نہ بتائیں تو آپ جو حکم مجھے دیں گی، وہ میں پیر صاحب سے کرا لوں گا۔" خیر دین نے گھگھیائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں تمہیں بتا چکی ہوں خیر دین کہ میں پیر صاحب سے مل چکی ہوں، پیر صاحب نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ سونے کے چودہ تعویذ پانی میں ڈلوائیں گے۔ میں یہ تعویذ تیار کرا چکی ہوں اور انہیں پیر صاحب کے حوالے کرنے والی ہوں، لیکن تم میرے ساتھ چلو گے اور پیر صاحب سے میری مدد کرنے کی سفارش کرو گے۔"

"میں دل سے تیار ہوں بی بی جی۔"

"اس سلسلے میں، میں تمہیں بہت بڑا انعام بھی دوں گی، خیر دین۔" فاطمہ نے کہا۔

"مجھے انعام کی ضرورت نہیں ہے بی بی، بس آپ میرے لئے اپنی زبان بند رکھیں، یہی میرا انعام ہوگا۔" خیر دین نے بے بسی سے کہا، فاطمہ نے پوری طرح اسے اپنے شکنجے میں کس لیا تھا، اِس سلسلے میں اِس کے پاس پورا پروگرام موجود تھا، چنانچہ اس نے اپنی کارروائی

کا آغاز کر دیا۔

اِن دنوں رخشندہ نے اِس سے ملنا تو چھوڑ دیا تھا لیکن ایک اور سہیلی کے ذریعے فاطمہ نے رخشندہ سے رابطہ قائم کر رکھا تھا، فاطمہ کو معلوم تھا کہ رخشندہ اس سہیلی کے ساتھ پیر صاحب کے پاس جاتی ہے چنانچہ اس نے اپنی سہیلی سے رابطہ قائم کر کے ایسا دن مقرر کر لیا، جس دن رخشندہ کو پیر صاحب کے ہاں جانا تھا، سہیلی کے ذریعے رخشندہ اس بات پر تیار ہو گئی کہ اِس سلسلے میں پیر صاحب کے جانے کی اطلاع کسی کو نہیں ملنی چاہیے، فاطمہ نے اپنی سہیلی کو ساری تفصیلات بتا دی تھیں۔ اور وہ سہیلی بھی فاطمہ کی مدد کرنے کو تیار ہو گئی تھی۔ چنانچہ وقتِ مقررہ پر فاطمہ پیر صاحب کے پاس پہنچ گئی۔ پیر صاحب نے فاطمہ کو اپنے حُجرے میں ہی بلوا لیا تھا۔ انہوں نے پُر جلال انداز میں فاطمہ کو دیکھا اور بولے۔

"ہمیں یقین تھا کہ تو آجائے گی۔"

"آپ بزرگ ہیں پیر صاحب آپ کو علم تھا کہ میرے دل میں کیسی لگن لگی ہوئی ہے۔"

"ہاں ہم جانتے ہیں۔ مطلوبہ تعویذ لے آئی۔" پیر صاحب نے پوچھا۔

"جی پیر صاحب۔" فاطمہ نے کہا اور چمکتے ہوئے چودہ تعویذ پیر صاحب کے حوالے کر دیئے۔ پچیس تیس ہزار کی مالیت کے یہ تعویذ دیکھ کر پیر صاحب کی آنکھیں خوشی سے چمک اٹھی تھیں۔

"اب تیرا کام ضرور ہو جائے گا۔" پیر صاحب نے کہا۔

"پیر صاحب کیا اس دوران رخشندہ آپ کے پاس آئی تھی۔" فاطمہ نے پوچھا۔

"آتی رہتی ہے۔"

''آپ نے اِس سے کیا کہا۔''

''کچھ نہیں۔۔۔ہم یہ خاموشی سے کرنے کے خواہش مند تھے، رخشندہ اب اسے کبھی نہ پا سکے گی، وہ تیرا ہو جائے گا۔ وہ تیری محبت قبول کرے گا اور ہمارے ان تعویذوں کا اثر بہت جلد دیکھ لے گی لیکن اِس کے ساتھ ساتھ تجھے اور کچھ بھی کرنا ہوگا۔''

''وہ کیا پیر صاحب۔''

''یہ چودہ تعویذ تو ان سات تعویذوں کا توڑ ہیں جو رخشندہ پانی میں ڈلوا چکی ہے، اِس کے بعد ہمیں مزید عمل کے لئے ایک باقاعدہ کاروائی کرنا ہوگی اور اس کے لئے رقم درکار ہے۔''

''رقم کی فکر نہ کریں پیر صاحب، جتنی بھی دولت خرچ ہو جائے میں اِسے حاصل کرنے کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار ہوں اور ایک بات آپ سے اور عرض کردوں پیر صاحب۔''

''ہاں ہاں کہو۔''

''خیر دین اب میرے لئے کام کر رہا ہے۔''

''کون خیر دین۔''؟

''وہی جس کے ذریعے رخشندہ آپ تک پہنچی تھی۔''

''اوہ ہوں۔ کیا اِس بے وقوف نے تجھے اِس بارے میں بتایا تھا۔''

''ہاں پیر صاحب اِس نے مجھے ساری تفصیلات بتا دی تھیں اِس نے مجھے یہ بھی بتایا تھا کہ اِس نے ٹیلی فون پر آپ کو رخشندہ کے بارے میں ساری تفصیلات بتائی تھیں اور اِس دِن جب میں اور رخشندہ یہاں آرہے تھے، خیر دین نے ٹیلی فون پر آپ کو سب کچھ بتایا تھا۔ خیر دین نے مجھے یہ بھی بتا دیا تھا کہ آپ کی اس گدڑی میں ایک ٹیلی فون چھپا ہوا ہے اور آپ اِس پر اپنے ایجنٹوں سے معلومات

حاصل کرتے رہتے ہیں۔'' فاطمہ نے کہا۔اور پیر صاحب کے ہوش اُڑ گئے۔انہوں نے خوفزدہ نگاہوں سے فاطمہ کو دیکھا اور بولے۔

''اِس لعنتی شخص نے یہ فضول بکواس کی تھی میرے لئے۔''

''فضول تو خیر نہیں پیر صاحب، ٹیلی فون تو موجود ہے آپ کی گدڑی میں۔'' فاطمہ نے ڈھٹائی سے کہا۔

''ہاں ہاں ہے، ہم نے اپنی ضرورتوں کے لئے لگوالیا ہے، ہم نہیں چاہتے کہ لوگوں کو اِس بارے میں معلوم ہو اِس لئے ہم نے اِسے پوشیدہ رکھا ہے، پیر صاحب نے خوفزدہ انداز میں کہا۔۔اور فاطمہ بے اختیار مُسکرانے لگی، لیکن اِس نے اپنی مُسکراہٹ پر جلد ہی قابو پالیا تھا، وہ نہیں چاہتی تھی کہ پیر صاحب اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی مُسکراہٹ کو دیکھ لیں۔

فاطمہ نے چور نگاہوں سے اِس روشندان کی طرف دیکھا جہاں

اس کے اندازے کے مطابق رخشندہ موجود ہوگی۔ اسے کچھ نظر تو آیا نہیں لیکن اس کی چھٹی حس نے یہ بتا دیا تھا کہ وہاں کوئی موجود ہے اور یہ رخشندہ کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔

پیر صاحب اب پوری طرح اس کے شکنجے میں پھنس گئے تھے۔ خیر دین کے خیال سے ان کا خون کھول رہا تھا لیکن برداشت کئے ہوئے تھے۔ البتہ اس وقت وہ بری طرح بوکھلا گئے جب حُجرے کا دروازہ زوردار آواز کے ساتھ کھلا اور رخشندہ بپھری ہوئی اندر گھس آئی۔ اس کا چہرہ آگ کی طرح دہک رہا تھا۔

''تو تم اب فاطمہ کے لئے کام کر رہے ہو۔ کیوں۔''؟

''ارے ارے کیا باہر کوئی موجود نہیں ہے۔ ہر ایک کو اندر آنے دیا جاتا ہے۔''

''حرامزادے۔ ڈھونگیے، کمینے، جعلساز۔'' رخشندہ خونخوار بلّی کی

طرح آگے بڑھی اور پیر صاحب کا گریبان پکڑ لیا۔

''لاحول ولا قوۃ۔ یعنی تمہاری موت نے تمہیں آواز دی ہے کیا۔ لڑکی ہوش میں آؤ میرے موکل آنے ہی والے ہیں۔'' پیر صاحب کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔

''موکل۔ میں تجھے اور تیرے موکلوں کو ابھی ٹھیک کئے دیتی ہوں۔'' زخشندہ نے انہیں زور سے کھینچا اور پیر صاحب کا گریبان نیچے تک پھٹ گیا۔

''پیر صاحب پولیس کو ٹیلی فون کریں پولیس کو۔۔۔ یہ لیں۔'' فاطمہ نے جلدی سے پیر صاحب کی گدڑی سے ٹیلی فون نکال کر سامنے کر دیا۔

''ٹیلی فون۔ پولیس کو۔ ٹھہرو تو سہی۔'' زخشندہ ٹیلی فون پر جھپٹی اور اس نے اِسے فاطمہ کے ہاتھ سے چھین کر پیر صاحب کے سر پر پٹخ

دیا۔

"ارے مر گیا۔ بچاؤ۔" پیر صاحب چیخے۔ اور پھر بُری طرح اُٹھ کر باہر کی طرف بھاگے۔ فاطمہ نے ان کی ٹانگوں میں ٹانگ اڑا دی۔ اور وہ اوندھے منہ زمین پر گر پڑے اس کے ساتھ ہی فاطمہ باہر نکل بھاگی تھی۔

صورتحال رخشندہ کی نگاہ میں واضح ہو گئی تھی اِس لئے فاطمہ نے اب وہاں رُکنا مناسب نہیں سمجھا اور چند ساعت کے بعد اس کی کار واپس پلٹ رہی تھی۔ اِس کے پیٹ میں لاتعداد قہقہے مچل رہے تھے۔

شام کو سات بجے کے قریب جب فاطمہ اپنی کوٹھی کے لان میں ٹینس کھیل رہی تھی۔ اِس نے رخشندہ کی کار اندر داخل ہوتے دیکھی۔ اور جلدی سے ریکٹ پھینک دیا۔ اس کے کزن نے بُرا سا منہ بنا کر پوچھا۔

"اب تم گیم چھوڑ دو گی۔"

"سوری جاوید۔ پھر سہی۔ جاؤ تم اندر جاؤ۔ میری بہت اچھی دوست آ گئی ہے۔" فاطمہ نے کہا اور جاوید برا سا منہ بنا کر ریکٹ گھماتا ہوا اندر چلا گیا۔ رخشندہ تنہا تھی۔ اس کا چہرہ اُترا ہوا تھا۔ اور آنکھوں میں نمی تھی۔

فاطمہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ "ہیلو فاطمہ۔" رخشندہ اس کے قریب پہنچ کر اداس لہجے میں بولی۔

"ہیلو ڈارلنگ۔ کیسے مزاج ہیں۔"؟

"میں تم سے معافی مانگنے آئی ہوں فاطمہ۔"

"کس بات کی۔"؟

"تم ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ مجھے علم ہو گیا ہے کہ تم نے میری آنکھیں کھولنے کے لئے یہ سب کچھ کیا ہے۔ میں تمہاری احسان مند ہوں۔"

"اوہ کوئی بات نہیں ہے یار۔ تم میری دوست ہو۔ یہ میرا فرض تھا۔ لیکن پیر صاحب کا کیا ہوا۔"؟

"اچھی خاصی مرمت کر دی ہے میں نے۔ سب کو اس کے ڈھونگ کا پتہ چل گیا ہے۔ اب وہ یہاں نہیں رہے گا۔ اور ہاں یہ لو تمہارے تعویذ۔ میں اِس سے چھین لائی ہوں۔"

"مجھے اِن کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوں۔ یہ پیتل کے ہیں اور ان پر سونے کا پانی پھرا ہوا ہے۔"

فاطمہ نے کہا اور رخشندہ گہری سانس لے کر رہ گئی۔ پھر بولی۔

"میں اِس سور پر پچیس ہزار روپے خرچ کر چکی ہوں۔"

"پولیس کے حوالے کر دو سُسر ے کو۔"

"نہیں فاطمہ۔ اِس طرح میں بدنام ہو جاؤں گی۔"

آؤ۔ تمہارے لئے چائے منگواؤں۔" فاطمہ اسے لے کر لان

کے دوسرے طرف پڑی ہوئی کرسیوں کی طرف بڑھ گئی۔ ”ہاں تمہارے اس بانگڑو کا کیا حال ہے۔“؟

”آہ۔ وہ ظالم جوں کا توں ہے۔“ رخشندہ گہری سانس لے کر بولی۔

”تم سے کب ملاقات ہوئی۔“؟

”کل شام۔ وہ مسز دُرّانی کے ساتھ ریٹبو کلب آیا تھا۔“

”مسز دُرّانی۔“؟ فاطمہ چونک کر بولی۔

”ہاں جانتی ہو نا اسے۔ وہ دُرانی کارپٹس کے مالک۔“ رخشندہ نے کہا۔

”ارے ہاں۔ اِسے کون نہیں جانتا۔ لیکن سہیل سے اِس کا کیا تعلق ہے۔“؟ فاطمہ تشویش زدہ لہجے میں بولی۔

”مجھے نہیں معلوم۔ لیکن میں کچھ عرصہ سے سہیل کو اس کے ساتھ

دیکھ رہی ہوں۔''

''بچاؤ رخشندہ۔ سہیل کو اِس سے بچاؤ۔'' فاطمہ نے کہا۔

''کیا مطلب۔''؟

''مسز دُرانی کو تم مجھ سے زیادہ نہیں جانتیں۔ وہ مرد خور مشہور ہے۔ پچھلے دنوں تمہیں یاد ہے کرکٹ کا مشہور کھلاڑی باسط اِس کے ساتھ لگا رہتا تھا۔''؟

''ہاں۔''

''اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ باسط بوجہ علالت کرکٹ سے ریٹائر ہو چکا ہے۔''

''مجھے نہیں معلوم۔ کرکٹ سے مجھے دلچسپی نہیں رہی۔''

''مجھے رہی ہے۔ اور یہ بات مجھے معلوم ہے کہ باسط کو صرف مسز دُرانی کی سفارش پر فرسٹ کلاس کرکٹ میں شامل کیا گیا تھا۔''

”مگر اس تفصیل سے تمہاری کیا مراد ہے۔“

”صرف اتنا کہوں گی کہ سہیل کو اس خطرناک عورت سے بچاؤ۔“

”میں کس طرح بچاؤں۔“؟ رخشندہ نے پریشانی سے کہا۔ اِس دوران چائے آ گئی اور فاطمہ نے چائے کی دو پیالیاں بنا کر ان میں سے ایک رخشندہ کے حوالے کر دی۔ چائے کے چھوٹے چھوٹے کش لئے جاتے رہے۔ پھر فاطمہ نے کہا۔

”مسز دُرانی سے تمہاری شناسائی ہے۔“

”رسمی سی۔“

”فلیش کھیلنا جانتی ہو۔“؟

”ہاں۔“

”بس بات بن گئی۔ لیکن تمہیں مالی نقصان برداشت کرنا پڑے گا۔“!

''اس کی فکر نہیں ہے۔ میرے اکاؤنٹ میں لاکھوں روپے بے کار پڑے ہیں۔'' رخشندہ نے لاپروائی سے کہا۔

''مسز دُرانی سے فلیش کھیلو۔ اور چار چھ ہزار روپے ہار جاؤ۔ وہ تمہاری دوست بن جائے گی۔ اِس طرح تم۔''

رخشندہ خوشی سے مسکرا رہی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''فاطمہ۔ تم میرے ساتھ نہیں رہو گی۔''؟ اور فاطمہ نے گردن ہلا دی۔ پھر بولی۔

''ممکن نہیں ہے۔ مسز دُرانی مجھ سے بُری طرح بھاگتی ہے۔ اِسے یہ مت بتانا کہ تم سے میری دوستی ہے ورنہ کھیل بگڑ جائے گا۔''

☆

خوبصورت نقوش کا مالک، ایک عجیب سی دلکشی کا حامل نوجوان سہیل گہرے نیلے رنگ کے سوٹ میں ملبوس اِس کے سامنے میز پر بیٹھا ہوا

تھا۔اور رخشندہ اپنے سارے وجود میں سرور کی لہریں اٹھتی محسوس کر رہی تھی۔۔۔سہیل کی پُرسحر شخصیت ایک عجیب سی کیفیت رکھتی تھی اور یہ حالت صرف رخشندہ کی نہیں تھی۔کچھ دوسری خواتین بھی سہیل کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

نیلا رنگ اس کے گورے رنگ پر خوب کھل رہا تھا۔اور پھر ایسے شفاف چہرے کم ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔جسمانی تناسب بھی ایسا بے مثال تھا کہ بس دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔یونان کے کسی ماہرفن بُت تراش کا شاہکار معلوم ہوتا تھا وہ گھرے سیاہ بالوں کے نیچے جھکی ہوئی مخمور آنکھوں سے وہ تاش کے کھیل کو دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔اور رخشندہ صرف اسے دیکھ رہی تھی۔

مسز دُرانی نے چال چلی۔اور رخشندہ کو اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔"چلو بھئی۔تم بہت سُست رفتاری سے کھیل رہی ہو۔"

’’یہ لیں۔‘‘اس نے چال چل دی۔

’’خوب پہلے ہی ہاتھ میں ڈبل۔‘‘؟مسز دُرانی مسکرائیں۔

’’ایں۔‘‘ وہ چونکی۔پھر سنبھل گئی۔اسے سنگل ڈبل کی کوئی تمیز نہیں تھی۔بس چال چل دی تھی اسے نے یہ بھی نہیں دیکھا تھا کہ کتنی رقم ہاتھ میں آئی تھی۔’’ہاں ڈبل۔‘‘ وہ جلدی سے بولی۔

’’تو یہ لو۔‘‘مسز دُرانی نے بھی چال ڈبل کر دی۔اور وہ رقم لگاتی رہی۔کافی نوٹ جمع ہو گئے تو مسز درانی نے ہی شو کرایا۔وہ پھر جیت گئی تھی۔

’’آج تقدیر یاور ہے۔‘‘اس نے نوٹ سمیٹتے ہوئے کہا۔

’’ہاں۔میری طرف سے مبارک باد۔‘‘وہ بولی۔

’’میں پہلے بھی تم سے ملتی رہی ہوں۔‘‘

’’تمہارے ساتھ کھیلنے میں لطف آرہا ہے۔‘‘

”سہیل صاحب نہیں کھیلتے۔“ رخشندہ نے بے اختیار کہا۔

”نہیں۔ یہ نئے کھلاڑی ہیں۔ کھیلتے نہیں صرف دیکھتے ہیں۔“ مسز دُرانی نے ہنس کر کہا۔ اور سہیل کے چہرے پر شرمگیں مُسکراہٹ پھیل گئی۔ ایسی نفیس ایسی انوکھی شخصیت تھی کہ بس دل لوٹ لوٹ جائے۔ تھوڑی دیر کے بعد رخشندہ کا پرس خالی ہو گیا۔

”بس مسز درانی۔ اب کل۔“

”ضرور جی۔ ویسے یقین کرو تم سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے کیوں سہیل مس رخشندہ کے بارے میں کیا خیال ہے۔“؟

”جی۔ میں کیا عرض کروں۔“ سہیل انگلیاں مروڑتا ہوا بولا۔

”سہیل سے اس سے قبل ملاقات نہیں ہوئی رخشندہ۔“؟

”چند مقامات پر ہو چکی ہے لیکن سہیل صاحب بہت ریزرو رہنے کے عادی ہیں۔“ رخشندہ نے کہا۔

''اوہ۔ ہاں سہیل کی فطرت میں بہت شرمیلا پن ہے۔ یہ صرف مجھ سے مانوس ہیں۔'' یہ جملے ادا کرتے ہوئے مسز دُرانی کے انداز میں ایک فخر سا تھا۔ اِس نے دل میں جلن محسوس کی لیکن بظاہر مُسکراتی رہی تھی۔

البتہ چند ہی روز کے بعد اس نے یہ بات دل سے تسلیم کرلی کہ درحقیقت مسز دُرانی اس معاملے میں خوش نصیب ہیں۔ سہیل اس کا بے دام غلام تھا۔ اور مسز دُرانی کے بغیر وہ اب کہیں نظر ہی نہیں آتا تھا۔

رخشندہ کے دل کو لگی ہوئی تھی، چنانچہ اس نے اس کباب کی ہڈی کو بھی برداشت کرلیا، لیکن یہ برداشت کافی مہنگی پڑ رہی تھی، اب تک وہ مسز دُرانی سے پینتیس چالیس ہزار روپے ہار چکی تھی۔ وہ بھی اس انداز میں کہ وہ زیادہ رقم لے کر گھر سے نہیں نکلتی تھی، مسز دُرانی تو بلا کی

کھیلنے والی تھی، داؤ لگاتے ہوئے وہ کبھی نہیں سوچتی تھی، لیکن یہ اس کے ہاتھوں کی فنکاری تھی کہ عام طور سے اس کا مقابل ہارتا ہی تھا۔

لیکن رخشندہ سہیل کے لئے ہار رہی تھی وہ اس کھوج میں تھی کہ ذرا یہ بات پتہ چل جائے کہ آخر سہیل مسز دُرانی کے قبضے میں کیسے ہے۔ لیکن مسز دُرانی بھی چالاک عورت تھی۔ وہ شاید اس بات کو سمجھ چکی تھی کہ کلب میں آنے والی بیشتر عورتیں اور لڑکیاں سہیل کی وجہ سے اس کی جانب راغب رہتی ہیں اور شاید ہارتی بھی ہیں، چنانچہ اس کاروبار کو جاری رکھنے کے لئے وہ انتہائی محنت سے کام کرتی تھی۔ اور کسی کو اس نے یہ ہوا نہیں لگنے دی تھی کہ سہیل کی اور اس کے کیا تعلقات ہیں۔ فاطمہ کو جب یہ صورت حال پتہ چلی تو اس نے تشویش سے ہونٹ سکوڑے پھر رخشندہ کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ہوں تو یہ سور کی بچی تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹ رہی تھی،

میں نے یہ تھوڑی کہا تھا رخشندہ کہ تم اتنی بڑی رقم ہار جاؤ۔" فاطمہ آنکھیں پٹ پٹاتے ہوئے بولی۔

"فاطمہ کہیں تو سانس لینے دو۔ خود ہی کچھ بتاتی ہو اور پھر خود ہی اس کی کاٹ کرتی ہو۔"

"کاٹ کی بچی میں تو یہ کہہ رہی ہوں کہ اتنی زیادہ رقم خرچ کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔"

"اور کوئی ترکیب نہیں ہے اس کے نزدیک آنے کی۔"

"ہوں کیا اس سلسلے میں کوئی بات بن سکی۔"

"نہیں ابھی تک تو نہیں سوائے اس کے کہ اب وہ مسز دُرانی کا سہارا لینے کی بجائے خود براہِ راست مجھ سے بات کر لیتا ہے، لیکن چند جملے بہت ہی شرمیلا اور بڑی ہی عجیب سی فطرت کا مالک ہے، عموماً نگاہیں جھکائے رہتا ہے، کبھی نگاہ بھر کر دیکھتا بھی نہیں ہے، نجانے

کس قسم کا انسان ہے یہ، اِس کی ان اداؤں نے مجھے تو اور زیادہ پاگل

کر دیا ہے۔"

"میں تھوڑی بہت معلومات حاصل کر چکی ہوں۔" فاطمہ نے

کہا۔

"کیا۔"؟

"یہی کہ کلب کی بیشتر لڑکیاں اس پر مرتی ہیں اور اس کی اِن

اداؤں کی گھائل ہیں کہیں یہ مسز دُرانی کی کوئی چال تو نہیں ہے۔"

"ہوں تو تم نے مسز دُرانی میں بھی کوئی پیر صاحب تلاش کر لئے

ہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے رخشندہ، یہ دور بڑا عجیب ہے، انسانوں نے

انسانوں کو لوٹنے کی عجیب عجیب گھاتیں نکالی ہیں، ایسی عجیب کہ عقل

حیران رہ جاتی ہے، بس رخشندہ اب اِس سے زیادہ رقم خرچ کرنے

کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

"میں باز نہیں رہ سکتی، مجبور ہوں میں۔" رخشندہ نے ہٹیلے لہجے میں کہا۔

"لیکن میری بہن اس سلسلے میں کوئی عمل بھی تو ہو کوئی ایسا کام تو ہو جس سے تمہیں کوئی فائدہ حاصل ہو سکے، کب تک تم اِس کے لئے اِس طرح رقم اور وقت ضائع کرتی رہو گی۔"

"یہ تو اب ہوتا ہی رہے گا، جب تک زندگی ہے، کیا کیا جائے۔" رخشندہ نے کہا۔

"مسز دُرانی کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرو۔"

"کس طرح۔"؟

"بس اس کی دعوت کرو، گھر پر بلاؤ اسے، خود اِس کے گھر جاؤ۔"

"یہ ممکن نہیں ہے۔"

”کیوں۔ اس میں ناممکن کون سی بات ہے۔“ فاطمہ نے پوچھا۔

”مسز دُرانی تنہا نہیں آئے گی۔“

”تو تمہیں تنہا بلانے کی ضرورت ہی کیا ہے، اچھا ہے سہیل تمہارے گھر بھی آجائے گا۔“

”کوشش کروں گی، اگر ایسا ہو جائے تو۔ مگر اس میں کچھ خطرات ہیں۔“

”وہ کیا۔“؟

”گھر والے سہیل کو دیکھ کر کوئی شبہ نہ کر بیٹھیں۔“

”کمال کی لڑکی ہو، اتنی دیوانی بھی ہو رہی ہو اس کے لئے، میں کہتی ہوں شبہ کر بیٹھیں تو اچھی بات ہے، بات تو کچھ آگے بڑھے ورنہ اس طرح تم دولت برباد کرتی رہو گی اور مسز دُرانی تمہیں دونوں ہاتھوں سے لوٹتی رہے گی۔“ فاطمہ نے کہا اور رخشندہ گردن ہلانے

گئی۔

مسز دُرانی سے قربت حاصل کرنے کی کوشش ناکام نہیں رہی۔

مسز دُرانی نے بالآخر اسے اپنے گھر میں مدعو کرلیا اور رخشندہ اس کے گھر پہنچ گئی۔ عالیشان کوٹھی تھی بے شمار ملازم تھے، اعلیٰ درجے کا فرنیچر اور دوسری بے شمار چیزیں موجود تھیں لیکن سہیل موجود نہ تھا۔ رخشندہ کی نگاہیں اِسے تلاش کر رہی تھیں اور مسز دُرانی کے ہونٹوں پر مُسکراہٹ پھیل گئی۔

''میں جانتی ہوں تم کسے تلاش کر رہی ہو۔'' مسز دُرانی نے اِس کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔

''اوہ مسز دُرانی۔ آپ کا خیال درست ہے۔ میں سوچ رہی تھی کہ شاید مسٹر سہیل بھی یہاں موجود ہوں۔''

''ہوں آؤ بیٹھو، سہیل کے لئے پاگل ہو رہی ہو نا۔'' مسز دُرانی

نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا اور رخشندہ چونک پڑی۔

''کک کیا مطلب۔ کیا مطلب۔''؟

''بے وقوف لڑکی وقت بہت آگے بڑھ چکا ہے اِس وقت کوئی بات ایسی نہیں جسے ناممکن قرار دیا جا سکے، اپنے دل کی بات مجھ سے کہہ دو گی تو فائدے میں ہی رہو گی۔''

''مسز دُرانی آپ۔ آپ۔''

''ہاں لڑکی میں نے اتنی عمر یونہی نہیں گزاری، نگاہیں سمجھتی ہوں تمہارے بارے میں بھی اچھی طرح جانتی ہوں، لیکن افسوس! مجھے تم جیسی لڑکیوں پر رحم آتا ہے۔''

''کیا مطلب۔''؟

''مطلب یہ کہ آخر اس میں ایسی کیا چیز ہے جس کے لئے تم پاگل ہو رہی ہو۔''

"مسز دُرانی آپ دل پر ہاتھ رکھ کر یہ بات کہیں۔"

"کیا مطلب۔کیا مطلب ہے۔"؟

"آپ،آپ اسے ساتھ کیوں رکھتی ہیں۔"

"سیدھی سی بات ہے وہ مجھے پسند ہے مسز دُرانی نے کہا۔

"کس حیثیت سے۔" رخشندہ نے دھڑکتے دل کے ساتھ کہا۔

"ایک مرد کی حیثیت سے۔"

"مسز درانی آپ آپ۔"؟

"ہاں، رخشندہ اگر حقیقت کی دنیا میں ہو تو حقیقت کی باتیں کرو، خوابوں کی نگری میں رہنے سے کچھ حاصل نہ ہوگا، اِس دور میں عشق و محبت ایک ایسی مضحکہ خیز حیثیت اختیار کر چکے ہیں کہ انسان اِس پر ہنس تو سکتا ہے توجہ نہیں دے سکتا۔"

"میں نہیں سمجھی مسز دُرانی۔"

"میں تمہیں سمجھانے کی کوشش کروں گی۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم پیو گی کیا۔"؟

"کچھ بھی منگوالیں، جو آپ کا دل چاہے۔" اِس نے تھکے لہجے سے کہا۔

"مسز دُرانی کے ہونٹوں پر ایک پُراسرار مُسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے ملازم کو بُلا کر ایک مشروب لانے کا حکم دیا۔ اور اِس وقت تک خاموشی رہی جب تک مشروب نہ آ گیا۔

"پیو۔" اِس نے رخشندہ سے کہا۔ اور رخشندہ نے بڑے بڑے گھونٹ لے کر گلاس خالی کر دیا۔ مسز درانی نے جگ سے دوسرا گلاس بھر لیا تھا۔ میرا خیال غلط تو نہیں ہے۔ تم اِسے چاہتی ہو نا۔"

"ہاں۔" اِس نے پھنسی پھنسی آواز میں کہا۔

"اِسے حاصل کرنا چاہتی ہو۔"؟

''ہاں۔'' وہ رو دینے والے انداز میں بولی۔

''عمر بھر کے لیے۔''؟ مسز دُرانی نے کہا۔ اور جواب میں رخشندہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ ''دیکھو بے وقوف لڑکی۔ اقدار و اصول انسانی زندگی کی ایک ضرورت ضرور ہوتے ہیں لیکن۔ بدلا ہوا وقت کچھ تبدیلیاں چاہتا ہے۔ محبوب اور شوہر اب ایک چیز نہیں دو چیزوں کا نام ہے۔ جو محبوب ہو اِسے ختم کرنا چاہتی ہو تو اِسے شوہر بنا لو۔ ساری زندگی روتے گزرے گی۔ ماحول کہتا ہے ایک ساڑھی خریدو۔ پہنو اور اُتار دو۔ بس۔ سمجھ رہی ہو میری بات۔''

''ہاں۔'' رخشندہ نے کہا۔

''میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔''

''کیا مطلب۔''؟

''مطلب یہ کہ میں تمہاری مدد کرسکتی ہوں۔ تم اِسے حاصل کرنا

چاہتی ہو نا میرے ساتھ پارٹنر شپ کرلو۔ یہ اعزاز میں تمہیں بخشنا چاہتی ہوں۔"

"میں نہیں سمجھی۔"

"سہیل ایک دلچسپ کیس ہے۔ ایک معصوم سا بزدل سا نوجوان۔ کوئی لڑکی اس کا ہاتھ پکڑے وہ دُم ہلاتا چلا آئے گا۔ اور اگر کوئی ساری زندگی کوشش کرے تب بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار نہیں کرے گا۔"

"اوہ۔" زخشندہ کو بڑے گُر کی بات معلوم ہوئی تھی۔

"میں نے یہی کیا ہے۔ میں نے اس کا انتظار نہیں کیا بلکہ آگے بڑھ کر لپک لیا ہے۔ اور اب وہ بوتل کا جن ہے۔ اب وہ میرے قبضے میں ہے۔ میں چیلنج کرتی ہوں کہ اب کوئی لاکھ کوشش کرے اِس جن کو قابو میں نہیں کر سکتا۔"

"مسز دُرانی میں۔ میں۔" رخشندہ کپکپاتی آواز میں بولی۔

"سچ بتاؤ رخشندہ۔ کیا تم میرے ساتھ جان بوجھ کر نہیں ہارتی رہی ہو۔"؟ مسز دُرانی نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔ اور رخشندہ نے آنکھیں جھکا لیں۔ "کیا یہ حقیقت نہیں ہے۔" مسز دُرانی نے دوبارہ پوچھا۔

"ہاں۔" اِس نے گہری سانس لی۔

"صرف تم ہی نہیں۔ بہت سی خواتین نے مجھے بہت کچھ دیا ہے۔ تم کیا سمجھتی ہو۔ مجھے اس کی ضرورت ہے۔ اگر یہ خیال تمہارے ذہن میں ہے تو اِسے نکال دو۔ میرے پاس دولت کی کمی نہیں ہے۔"

"سوری مسز دُرانی۔" رخشندہ نے ندامت سے کہا۔

"کوئی بات نہیں ڈارلنگ۔ میں بھی ان اونچے گھرانوں کی خواتین کا کھیل دیکھ رہی ہوں اور اِس سے پوری طرح لطف اندوز

ہورہی ہوں۔ آج تک میں نے تمہاری کتنی رقم جیتی ہے۔''؟

''مجھے یاد نہیں۔''

''مجھے یاد ہے۔ پچپن ہزار سات سو۔ اسے میرے پرس سے نکال لو۔''

''اوہ نہیں آپ یقین کریں مجھے اِس کی ضرورت نہیں ہے مجھے اِن کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔''

''تب پھر اِس کے حصول کے لئے صرف میرے مشوروں پر عمل کرو۔ پوری رازداری کے ساتھ۔ اِس سے کوئی اختلاف نہ ہو۔''

''میں تیار ہوں مسز دُرانی۔ لیکن۔'' ''لیکن ویکن کچھ نہیں۔ بس ففٹی ففٹی۔ آدھا میرا آدھا تمہارا۔ ہر کھیل میں کوئی جدت ہونی چاہیے۔'' مسز دُرانی نے آنکھ دبا کر کہا۔ اور رخشندہ بُری طرح شرما گئی۔ اِس کے کانوں کی لویں سُرخ ہوگئی تھیں۔

ایسی باتوں میں فاطمہ کو راز دار نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ فاطمہ کبھی اس کی اجازت نہ دیتی۔ درحقیقت یہ انتہائی پست بات تھی۔ لیکن رخشندہ سہیل کے لئے پاگل ہو رہی تھی۔ اِس کے ذہن میں ایک اور پلان بن رہا تھا۔

وہ مسز دُرانی کے افکار و خیالات سے ذرا بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔ اِس نے سوچا تھا ایک بار سہیل ہاتھ تو آئے۔ مسز درانی عمر رسیدہ عورت ہے۔ بھدی اور غیر دلکش۔ سہیل چند ہی روز میں رخشندہ کا دیوانہ ہو گا۔ بس ذرا سی کوشش۔ صرف ذرا سی اور اِس وقت کے لئے سب کچھ برداشت کیا جا سکتا ہے۔

وقت مقررہ پر وہ مسز دُرانی کے گھر پہنچ گئی۔ خواب گاہ میں مسز
دُرانی کے ساتھ سہیل بھی موجود تھا۔ موسم نہایت خوشگوار تھا۔۔۔
آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے اور کسی بھی وقت بارش ہو سکتی تھی۔
مسز دُرانی کی آنکھوں سے مستی ٹپک رہی تھی۔ اِس نے مسکرا کر رخشندہ
کا استقبال کیا۔ سہیل نے بھی مُسکرا کر گردن خم کی تھی۔
اور پھر مسز دُرانی نے کھیل شروع کیا۔ اِس نے کمرے سے باہر جا کر
کسی مشروب کے دو جگ بنائے اور ٹرالی پر سجائے اندر آ گئی۔ سہیل
اس دوران خاموش بیٹھا اُنگلیاں مروڑتا رہا تھا۔
"چلو شروع ہو جاؤ۔" مسز دُرانی نے کہا اور تینوں نے گلاس اٹھا
لئے۔ مسز دُرانی نے رخشندہ کو آنکھ سے اشارہ کر دیا تھا رخشندہ سنبھل
گئی۔ اِس نے اپنے گلاس سے ایک بھی گھونٹ نہ لیا جبکہ مسز دُرانی اور
سہیل نے گلاس خالی کر دیا۔ مسز دُرانی نے جلدی سے دوبارہ گلاس

بھر لیا اور پھر اِس نے صرف سہیل کو پلائی اور پھر چند ہی لمحات کے بعد سہیل کی آنکھیں سُرخ ہوگئیں۔ مسز دُرانی کے انداز میں بھی ترنگ تھی۔ اِس نے نشیلے انداز میں رخشندہ کو دیکھا اور رخشندہ نے آنکھیں جھکا لیں۔ تبھی اچانک سہیل بول پڑا۔

''آپا۔اے آپا۔'' اِس نے بھونڈی سی آواز میں مسز دُرانی کو پکارا۔ اور مسز دُرانی کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''کسے کہہ رہے ہو سہیل۔''؟

''یہ ساڑھی کتنے کی خریدی ہے۔''؟ اِس نے مسز دُرانی کی ساڑھی کو ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیوں پوچھ رہے ہو سہیل۔''؟ مسز دُرانی نے کہا۔

''آئے باندھوں گی میں بھی اور کاہے کو پوچھ رہی ہوں۔ سچی آپا بڑا دل چاہے ہے ساڑھی باندھنے کو۔'' سہیل نے تالیاں پٹخارتے

ہوئے کہا۔ ساتھ ہی وہ لچکتا جا رہا تھا۔ ساری شخصیت مسخ ہو کر رہ گئی تھی۔

"کیا فضول باتیں کر رہے ہو سہیل۔ تم مرد ہو کر ساڑھی باندھو گے۔"

"مرد ہو گی تو خود۔۔۔ میں تو لونڈیا ہوں، کنواری۔ ہائے ہائے مجھے مرد کہہ رہی ہے۔ میرے پیروں میں گھنگھرو بندھائے دے تو پھر میری چال دیکھ لے۔" سہیل نے ایک کولہے پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکتے ہوئے کہا۔

"سہیل سہیل کیا بکواس ہے۔" مسز درانی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ کے آثار نمودار ہو گئے۔

"شکیلہ ہے میرا نام تو۔ سہیل ہو گا کوئی اور۔۔۔ آئے میں تو شکیلہ ہوں مس شکیلہ۔" سہیل نے تالیاں بجا کر اوپری بدن ہلایا۔۔۔

”چڑھ گئی ہے اسے۔“ مسز دُرانی پھیکے سے لہجے میں بولی۔

”جاری کمینی کہیں کی۔ چڑھے میرے دشمن کو۔ میں تو چار بوتلیں خالی کر دوں اور ڈکار نہ لوں۔ اے چندا کی چاندنی میں جھومے جھومے دل میرا۔“ سہیل نے زور زور سے گانا شروع کر دیا اور مسز دُرانی نے سر پکڑ لیا۔

”مولا قسم تم دونوں بڑی بے وقوف ہو۔ بہن ہم تو نہ مرد ہیں نہ عورت۔ آئے جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو۔ مولا کی مرضی۔ باپ کی طرف سے لڑکا، ماں کی طرف سے لڑکی۔ جھومے جھومے دل مرا۔ انگڑائی آنے لگی۔ آئے مستی بھی چھانے لگی....“

”بکواس بند کرو۔“ مسز دُرانی مٹھیاں بھینچ کر چیخی۔

”آئے ہائے تو چیخ کیوں رہی ہے۔ خود ہی تو بلا کر لائی تھی۔ مُردار۔ کوکھ جلی۔ ہمیں مولا نے جو بنایا وہی تو ہیں۔ آئے ہم کیسے بدل

لیں خود کو۔ جھوٹے جھوٹے دل مرا۔" اور پھر سہیل دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ وہ بدستور رگار ہاتھا اور ملازم اس کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ اندر مسز دُرانی اور رخشندہ ہکا بکا ایک دوسرے کی شکل دیکھ رہی تھیں۔

☆

ماسٹر نہ جانے کیسے موڈ میں تھا۔ روشن اور شہباز سخت حیران ہوئے تھے۔ شہباز نے تو نہایت مایوسی کے عالم میں فون کیا تھا اس نے فون پر ماسٹر کو اپنی غلطی بتائی تھی اور جب چند ساعت کے لئے فون پر خاموشی چھا گئی تو دونوں کے دل تیزی سے دھڑکنے لگے تھے۔

"اِسے اپنی رہائش گاہ پر لانے کی کیا ضرورت تھی۔ گھر سے دور رہ کر یہ حرکتیں نہیں کی جاسکتیں۔"

"غلطی ہو چکی ہے جناب۔ میں صرف حکم کا منتظر ہوں۔۔۔"

شہباز نے کہا۔

”روشن کے ساتھ قیام کرو۔ دوسرا کوئی بندوبست ہونے تک تمہیں وہیں رہنا چاہیے۔ خود کو محفوظ رکھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر احمقانہ اقدام سے باز رہا جائے۔ دوسری غلطی معاف نہیں کی جائے گی۔“ ماسٹر نے کہا اور فون بند کر دیا۔

شہباز حیرت سے ریسیور کو گھورتا رہ گیا تھا اور جب اسے ماسٹر کے الفاظ کا یقین آیا تو اس کے حلق سے مسرت بھری چیخ نکل گئی۔ روشن نے اسے دل کھول کر مبارباد دی تھی۔ شہباز درحقیقت ایک بہت بڑے خطرے سے نکل آیا تھا۔

”انوکھی بات ہے یار۔ یہ ماسٹر اتنا نرم دل کب سے ہو گیا۔ بہر حال تمہاری خوش بختی ہے۔“ روشن نے کہا۔ اس کے بعد دونوں دوست ساتھ رہنے لگے۔ ماسٹر ان دنوں خاموش بیٹھا ہوا تھا۔ کوئی خاص کام نہیں تھا۔ ایک دو دن تو ان واقعات کے زیر اثر گزرے اس

کے بعد وہی تعیشات جو ان کی فطرت بن چکے تھے۔

شہباز کی کہانی گروہ کے دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہوگئی تھی۔ اور وہ بھی حیران ہوئے تھے۔ اس انوکھی لڑکی کے لئے ان کے دلوں میں بھی تجسس تھا۔ شوکت نے کہا۔ یار اس کی تو زیارت کرنی چاہیے۔''

''سور کی بچی بس ایک بار مل جائے تو شکل بگاڑ دوں گا۔'' شہباز نے کہا۔

''شکل وصورت کی کیسی تھی۔''؟ شوکت نے پوچھا۔

''یار خاصی خوبصورت تھی۔ اور سلیقے کی معلوم ہوتی تھی۔ مگر باتیں ایسی کر رہی تھی جیسے لڑکی نہ ہو بجڑا ہو۔'' شہباز نے جواب دیا۔

''بن رہی ہوگی۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ بہت ہی چالاک لڑکی تھی جو اس طرح شکار پھانسنے نکلتی ہوگی اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر کچھ اینٹھ لیتی ہوگی، میرا خیال ہے کہ اگر تم کچھ رقم دے کر اسے خاموش کرنے

کی کوشش کرتے تو وہ ہو جاتی۔"

"ہنہ۔ میں رقم دیتا سسری کو، مگر یار ہم لوگوں کی رہائش گاہیں بڑی غلط ہیں۔" شہباز ناک چڑھا کر بولا۔

"وہ کیسے۔"؟

"یہ فلیٹوں کی زندگی بھی کوئی زندگی ہے، ہر مسئلے کا حل پڑوسیوں کے پاس ہوتا ہے، ذرا سی گھر میں تیز آواز ہو، درجنوں پڑوسی دروازے کے باہر جمع ہو جاتے ہیں۔ شوکت تم خوش نصیب ہو اِس سلسلے میں، تمہارا مکان سپریٹ ہے۔ اور تمہیں کسی ایسے خطرے سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔"

"ہاں یہ حقیقت ہے۔ مکان بھی سپریٹ ہے اور پھر یہ دلچسپ بات ہے کہ اس کے قرب وجوار میں کوئی خاص آبادی نہیں ہے۔ سب سے پہلا بنگلہ بھی تقریباً آدھے فرلانگ کے فاصلے پر ہے، چیختے

رہو کوئی آواز ہی نہیں جاتی۔ اِس سلسلے میں اپنا علاقہ بہت عمدہ ہے۔"
شوکت نے کہا۔

"ہم بھی کوشش کر کے ماسٹر سے ایسی ہی رہائش گاہ طلب کریں
گے، چاہے مکانات چھوٹے ہوں لیکن اس قسم کے جھگڑے سے آزاد
ہوں۔" روشن بولا۔

"ہمارے اپنے کام کے لئے بھی یہ ضروری ہے۔" شہباز نے
کہا۔

اِس وقت وہ تمام دوست یہی گفتگو کرتے ہوئے جا رہے تھے،
مقصد کوئی خاص نہیں تھا۔ ذہن میں صرف تفریح کا خیال تھا، آوارہ
گردی اور تفریحات کی تلاش تھی۔ لیکن شہباز نے شائد کسی ایسے
وقت میں اِس لڑکی کے دوبارہ مل جانے کا اظہار کیا تھا جو قبولیت کا
وقت ہوتا ہے، تھوڑی ہی دور کار چلی ہو گی کہ دفعتاً شہباز کے حلق سے

ایک آواز نکل گئی۔ ''خیریت کیا بات ہے۔'' شوکت نے پوچھا۔

''یار شوکت یار شوکت وہی۔ قسم سے وہی ہے۔'' شہباز نے کہا اور شوکت نے کار کے بریک پر پاؤں رکھ دیا۔

''کون بھئی۔'' شوکت نے اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر کار سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

''وہی لڑکی وہی ذلیل حرامزادی۔'' شہباز نے نتھنے پھلا کر کہا۔ اور روشن اور شوکت اس کے اشارے پر نگاہ دوڑانے لگے، وہ ایک فٹ پاتھ پر بس اسٹاپ کے کنارے کھڑی ہوئی تھی۔ دور سے دیکھنے پر ہی خاصی حسین اور دلکش لڑکی نظر آتی تھی۔ شوکت نے اِسے دیکھ کر معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

''خوب چیز تو واقعی عمدہ ہے۔''

''عمدہ ہے۔ اگر عمدہ ہے تو اِسے ساتھ لے جاؤ۔'' شہباز نے

نتھنے پھُلا کر کہا۔

''بات بھی تمہاری عمدہ ہے، کیا خیال ہے، ٹرائی کروں۔ شوکت نے پوچھا۔

''شہباز کی شکل دیکھ کر وہ کبھی تیار نہ ہوگی۔'' روشن نے کہا۔

''میں بتاؤں۔'' شہباز نے کہا اور دونوں دوست اِس طرف دیکھنے لگے۔ ''یوں کرو شوکت تم تنہا چلے جاؤ، اگر وہ تیار ہو جاتی ہے تو اسے کار میں بٹھا کر اپنے بنگلے پر لے جاؤ۔ ہم دونوں ٹیکسی سے آرہے ہیں۔''

''ویری گڈ، کم از کم تفریح ہی کی جائے۔'' شوکت نے کہا اور شہباز گردن ہلانے لگا۔

''میں اچھی طرح تفریح کروں گا۔'' شہباز نے سفاک لہجے میں کہا اور دونوں دوست گاڑی سے نیچے اُتر آئے۔ شوکت نے بڑے

اہتمام سے گاڑی بڑھائی اور تھوڑی سی آگے لے جا کر اِس کے بالکل نزدیک روک دی۔

''صبیح و ملیح چہرے والی دلکش لڑکی نے اپنی خوبصورت کجلائی ہوئی آنکھیں اُٹھا کر اِسے دیکھا اور پھر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

''معاف کیجئے گا خاتون میں آپ کو زحمت دے رہا ہوں۔ کیا آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ ہماری اور آپ کی ملاقات پہلے کہاں ہوئی ہے۔'' شوکت نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''شائد آسمانوں پر۔'' اس نے مُسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ ہاں، ہم دونوں چھوٹے سے تھے، بالکل تمھے منّے سے۔ آیئے نا اندر بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔'' شوکت نے برجستگی سے کہا اور وہ اس کے نزدیک کار کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گئی۔ شوکت کے دل میں

گدگدی ہورہی تھی۔لڑکی گویا پہلے ہی سے شکار کی تلاش میں کھڑی ہوئی تھی۔اس کے بدن سے اُٹھنے والی بھینی بھینی سی خوشبو نے شوکت کو مست کردیا۔اِس نے بھی وہی ساری باتیں سوچیں جو اِس سے قبل جناب شہباز صاحب سوچ چکے تھے۔

''تو آسمانوں کی اِس ملاقات کو ہمارے ذہنوں نے محفوظ رکھا۔ شوکت بولا۔

''ہاں ذہن ہمیشہ ہر بات کو محفوظ رکھتے ہیں۔'' اِس نے جواب دیا۔

''کیا نام ہے آپ کا۔''؟

''گل بکاؤلی۔'' وہ ہنس کر بولی۔ہنسی بھی خاصی دلکش تھی لیکن آواز میں ایک پھٹا پھٹا پن نمایاں تھا۔لیکن یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی، بعض لڑکیوں کی آوازیں کسی حد تک مردانگی لئے ہوئے ہوتی ہیں۔

''ٹھیک ٹھیک۔ آپ یقیناً ایک تالاب میں اُگی ہوں گی اور میں اس تالاب کے کنارے کھڑا برگد کا درخت ہوں گا۔''

''برگد کا درخت۔'' لڑکی پھر ہنس پڑی۔ پھر بولی۔ ''نہیں نہیں میں ایسی گستاخی تو نہیں کرسکتی، آپ خاصے دلکش آدمی ہیں۔''

''خوب خوب۔'' شوکت نے مسکرا کر کہا۔ اور پھر بولا۔۔۔ ''اور آپ خاصی چالاک۔''

''کیوں اِس میں چالاکی کی کیا بات ہے۔''؟

''دیکھیں نا آپ نے اپنا نام کس قدر خوصورتی سے چھپالیا ہے۔''

''ناموں کا چھپے رہنا ہی اچھا ہوتا ہے۔'' وہ فلسفیانہ انداز میں بولی۔

''دوستوں سے بھی۔''

"ابھی ہماری اور آپ کی دوستی کہاں۔"؟

"میرا خیال ہے ہم اچھے دوستوں کی طرح سفر کر رہے ہیں۔ میرا نام شوکت ہے۔ اور اگر آپ کا دل چاہے تو مجھے اپنا نام بتا دیں۔"

شکل وصورت انداز و بیان سے تو وہ لڑکی شہباز کے بیان کی نفی کرتی تھی، شہباز نے اس کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا، ایسی تو کوئی بات اِس میں نظر نہیں آ رہی تھی، نہایت نفاست پسند اچھا لباس پہنے ہوئے تھی، اور بادی نگاہ میں خاصی خوبصورت اور اسمارٹ لڑکی معلوم ہو رہی تھی، لیکن شہباز کا بیان غلط نہیں ہو سکتا تھا، ایک لڑکی کے لئے وہ اپنے دوست کے بیان پر شبہ نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اِس نے دھوکہ نہ کھانے کا فیصلہ کر لیا۔ کار اس کے بنگلے کی جانب ہی جا رہی تھی۔

کام اتنی آسانی سے بن گیا تھا کہ شوکت کو خود حیرت تھی۔ حالانکہ دن دیہاڑے یہ سب کچھ ممکن نہیں تھا لیکن ناممکن ممکن ہو گیا تھا۔ دور

سے اس نے نگاہیں دوڑائیں لیکن ابھی کوئی ٹیکسی نظر نہیں آ رہی تھی۔
تاہم اسے یقین تھا کہ شہباز اور روشن اس کے پیچھے ہی پہنچ جائیں
گے۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے بنگلے کے نزدیک پہنچ گیا۔ کار کو بنگلے
کے گیٹ کے باہر ہی کھڑا کر دیا گیا اور دروازہ کھول کر وہ اندر آ گیا۔

لڑکی بے تکلفی سے پرس جھلاتی ہوئی اس کے ساتھ اندر داخل ہو
گئی۔ وہ اسے ڈرائنگ روم میں لے آیا۔

"تمہارا مکان ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ظاہر ہے۔"

"بہت خوبصورت ہے، مجھے ایسے مکان پسند ہیں۔"

"کیوں اس میں ایسی کیا خاصیت ہے۔"

"بس مجھے پسند ہیں۔" وہ اٹھلا کر بولی۔ اور شوکت گہری نگاہوں
سے اسے دیکھنے لگا۔ چہرے مہرے سے لڑکی کسی طور پر فراڈ نظر نہیں

آتی تھی۔ لیکن شوکت کو اِس سے زیادہ شہباز پر اعتماد تھا شہباز نے جو کچھ کہا تھا غلط نہیں ہوگا۔

"کتنے عرصے سے اس پروفیشن میں ہو۔" شوکت بولا۔

"کہاں ہو۔"؟ اس نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے کب سے یہ کاروبار کر رہی ہو۔"؟

"میرے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے میں کوئی کاروبار نہیں کرتی۔"

"کیا پیو گی۔"

"جو کے ستو۔" اس نے اطمینان سے جواب دیا۔

"میں لاتا ہوں۔" شوکت نے شرارت آمیز مسکراہٹ سے کہا۔ اور ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔ دل ہی دل میں اس نے کہا۔ ابھی وہ دونوں آتے ہی ہوں گے تجھے جو کے ستو ہی

پلائینگے۔

مین گیٹ پر ایک ٹیکسی رُکی تھی۔ اس سے روشن اور شہباز اُترتے نظر آئے اور چند ساعت کے بعد اندر داخل ہو گئے۔

"کہاں ہے۔"؟ شہباز نے بے اختیار پوچھا۔

"ڈرائنگ روم میں بند کر دیا ہے سُسری کو۔ یہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے۔"؟

"ہنٹر۔ راستے میں خریدا ہے۔" شہباز نے جواب دیا۔

"خطرناک ارادے ہیں مگر تمہیں یقین ہے یہ وہی ہے۔"

"سو فیصدی۔ اور میں تو اس سور کی بچی کی کھال ادھیڑ دوں گا۔" شہباز نے کہا۔ اور پھر تینوں اندر داخل ہو گئے۔

شوکت کے ساتھ شہباز اور روشن کو دیکھ کر لڑکی کھڑی ہو گئی اس نے حیرت سے شوکت کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ جو کے ستو ہیں۔“

”ہاں جلدی میں یہی ملے تھے۔“ شوکت نے قہقہہ لگایا۔ شہباز غصیلی نظروں سے لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

”رپٹ لکھو گے تھانے دار جی۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”اب بول سور کی بچی۔ بڑی پارسا بن رہی تھی اس رات بول اب میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں۔“ شہباز گرجا۔

”جو سکندر نے پورس کے ساتھ کیا تھا۔“ وہ اطمینان سے بولی۔

”ساری چرب زبانی نہ نکال دوں تو شہباز نام نہیں۔“

”بہت زیادہ چالاک بن رہی ہے۔ ابھی تیری کھال اتارتا ہوں۔“ شہباز آگے بڑھا۔

”مر جاؤں اللہ مارو۔ کیسے کیسے گبرو جوان ہو۔ کس ماں کے جنے ہو۔ نام تو بتا دو۔“ وہ خلاء میں ہاتھ گھما کر بلائیں لینے لگی۔ اور ان

تینوں کی کیفیت عجیب ہوگئی۔ کبھی انہیں غصہ آتا اور کبھی حیران ہونے لگتے۔ لڑکی اب دانت کٹکٹا رہی تھی۔ اور اِس کی آنکھوں میں نشیلی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے وہ شہباز کے ہاتھ میں دبے ہوئے ہنٹر کو دیکھ رہی تھی۔

''اب یہ ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہی ہے شہباز۔''

''اوں ہونہہ۔ بازوؤں میں جان ہی نہیں ہے۔ میاں مرد نہیں ہوں جو اس پھول چھڑی سے ڈر جاؤں۔ مار بھی مجھے۔ لڑکی نے قمیض کے بٹن کھولے اور دوسرے لمحے ان لوگوں کی آنکھیں حیرت سے اُبل پڑیں۔ اِس کا اوپری بدن برہنہ ہوگیا تھا۔ چوڑا چکلا چٹان جیسا سینہ۔ نسوانیت کی نزاکتوں سے بے نیاز تھا۔ مصنوعی طریقے سے اِس سینے کو نسوانی بنایا گیا تھا۔ لیکن اب وہ کسی مضبوط نوجوان کا چوڑا چکلا اور سڈول سینہ تھا۔

"یہ۔ یہ تو مرد ہے۔" شوکت تعجب سے بولا۔

"گالی مت دو صوفی صاحب۔ ہم تو اللہ کی امان ہیں۔ نہ مرد نہ عورت۔ آئے ہم تو ہجڑے ہیں مولا کے کرم سے۔ جب مولا نے اپنا کام پورا نہ کیا تو ہم کیا کریں۔" اس نے تالیاں بجا کر لچکتے ہوئے کہا۔ شوکت کے گالوں پر داڑھی تھی جس کی وجہ سے اسے صوفی صاحب کہا گیا تھا۔

"تو لڑکی بن کر مردوں کو بے وقوف بناتی ہے۔" روشن نے کہا۔

"لڑکا بنیں تو عورتیں بے وقوف بنتی ہیں ہمیں بتاؤ ہم کیا کریں۔ ہائے ہم بیچ میں کیوں رہ گئے۔ مولا کی قدرت۔"

"۔۔۔۔ تو نے مجھے گھر سے بے گھر کر دیا۔ میں تیری کھال اتار دوں گا۔" شہباز نے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور چابک گھما دیا۔ پورا چابک اس کے اوپری بدن پر پڑا۔ اور ایک سُرخ لکیر چھوڑ

گیا۔

"قربان جاؤں۔ میاں مرد بنو مرد۔ بازوؤں میں جان تو ہی نہیں مارنے چلے ہو۔ میاں رکھ دو ہنٹر۔ لعنت ہو تم پر۔ نام شہباز شکل کے کوّے۔" اس نے کہا۔ اور شوکت سر کھجانے لگا۔ لیکن شہباز جلا ہوا تھا۔ دوسری بار۔۔۔ پوری قوت سے اس نے چابک گھمایا تھا۔ اس عجیب وغریب شے نے خود کو اِس سے بچانے کی کوشش نہیں کی اور یہ دوسرا بھرپور وار بھی اس کے بدن پر ہی پڑا۔ "لڑکی ہی سمجھ رہے ہو۔"

"کتیا کی بچی۔" شہباز دانت پیس کر بولا اور اِس کے بعد اِس نے بدن کی پوری قوت صرف کردی۔ اس کے بدن پر ہنٹر کے سُرخ نشان بنتے جارہے تھے۔ بعض جگہوں پر خون بھی جھلک آیا تھا۔ لیکن چہرے پر شکن بھی نہیں تھی۔ ذرا سی دیر میں شہباز تھک گیا۔

"اِن بھڑوؤں کی مدد لو اب۔ تمہاری جان تو نکل گئی۔ یہ دوست

ہیں تمہارے کیسے کھڑے ہیں الگ۔"

"مر جائے گا۔۔۔میرے ہاتھوں۔" شہباز چیخا۔

"ابے جاؤ ہجڑو۔میں بتانے آئی تھی تمہیں۔میاں تم شکل سے مرد لگتے نہیں ہو۔جاؤ جاؤ بازوؤں کی مالش کراؤ پہلے نگوڑمارے۔آئے ہیں میرے سامنے۔" اس نے کہا۔اور قریب پڑی ہوئی قمیض اٹھا لی۔

"روشن ذرا دیکھو اسے۔" شہباز نے چابک اس کی طرف اُچھال دیا۔جسے روشن نے اُچک لیا۔

"ہم شکل سے مرد نہیں لگتے تجھے۔"؟ وہ بولا۔

"کس لعنت پڑی نے جنا تھا تمہیں۔پیدا ہوئے ہوگے تو باپ نے ڈھول بجائے ہوں گے کہ بیٹا پیدا ہوا ہے۔جھاڑو پھرے بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔توبہ۔توبہ۔" اور روشن نے پوری قوت سے چابک

مارا۔

"اے واری۔ اے صدقے۔ جیو جب تک جی چاہے ذرا ایک ہاتھ اور دکھانا۔" وہ سرور بھرے لہجے میں بولا۔ اور روشن نے دوبارہ چابک اُٹھالیا۔ لیکن اِس بار شوکت نے اِس کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"میرے خیال میں تم دونوں ہی پاگل ہو گئے ہو۔ کیا وہ صحیح الدماغ ہے۔ مر گیا تو خواہ مخواہ خون گردن پر آئے گا۔"

"لو وہ تیسرا بولا۔ اے صوفی صاحب تم باہر ہی جا کر مرو۔ کہاں مردوں میں آ گئے ہو۔ جاؤ میاں یہ مردوں کے کھیل ہیں۔ تم تو مجھے کسی بائی جی کے کوٹھے کے طبلچی لگو ہو۔"

"میں دعوے سے کہتا ہوں شہباز۔ یہ پاگل ہے۔ اور کسی پاگل کو مارنے سے کوئی فائدہ نہیں۔" شوکت بولا۔ اور روشن کا ہاتھ رُک گیا۔

"دیکھو۔۔۔ بچو۔ یا تو مجھے جی بھر کے مارو۔ ورنہ پھر میں تمہیں

ماروں گی۔ ایک تو مجھ دُکھیا کو پکڑ کر لے آئے ہو۔ اوپر سے یہ سلوک۔ مارو مجھے۔ تمہاری شکلوں پر بھو بھل پڑے مارو۔"

اب صورتحال مختلف ہو گئی تھی۔ اِن لوگوں کی عقلیں تو پہلے ہی ٹھکانے نہیں تھیں۔ مزید پریشانی اب لاحق ہو گئی تھی وہ پریشانی سے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھ رہے تھے اور۔۔۔ عین اِسی وقت دروازے میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی۔

تینوں کی گردنیں گھوم گئیں۔ اور پھر ان کے منہ حیرت سے کھُل گئے۔ دروازے میں ماسٹر کھڑا تھا۔ چابک روشن کے ہاتھ سے گر گیا۔

"کیا کر رہے ہو تم لوگ۔"؟ قوی ہیکل اور خون خوار سی شکل کے ماسٹر کے منہ سے غراہٹ نکلی۔

"وہ ماسٹر یہ۔ یہ۔" شوکت نے اِس کی طرف اشارہ کیا۔ اور پہلی

بار ماسٹر نے کمرے کے وسط میں بیٹھے اس مرد نما عورت۔ یا عورت نما مرد کو دیکھا۔ اور دوسرے ہی لمحے وہ کانپ گیا۔

"ارے۔ ارے سور کے بچو۔ یہ۔ یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ارے یہ تم نے کیا کیا ہے۔ استاد حضور آپ۔ آپ یہاں۔ آپ یہاں اُستاد۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔" ماسٹر کی آواز میں بے پناہ خوف تھا۔ انہوں نے اس کے بدن میں لرزشیں دیکھی تھیں۔ وہ برق رفتاری سے آگے بڑھا۔ اور اس عجیب و غریب شخص کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ دوسرے ہی لمحے ایک زوردار لات ماسٹر کے سینے پر پڑی۔

☆

ماسٹر کی اچانک آمد ہی ان لوگوں کے لئے بے حد پریشان کن تھی۔ اس کی یہ کیفیت دیکھ کر ان کی عقلیں اور خبط ہو گئیں۔ لڑکی نے ماسٹر کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا۔ اس کی لات ماسٹر کے

سینے پر پڑی تھی اور تقریباً ایک سو نوے پونڈ وزنی ماسٹر اُچھل کر دور جا گرا تھا۔ ماسٹر کے گروہ کے تمام افراد اِس کی جسمانی قوتوں سے واقف تھے۔ ان میں سے بعض اس کے ہاتھوں پٹ بھی چکے تھے اور انہیں ماسٹر کے ہاتھوں کا وزن بھی معلوم تھا۔ لیکن اِس وقت جو کچھ ہوا تھا، اِسے عقل تسلیم نہیں کرتی تھی۔ ماسٹر کی گھن گرج آواز نجانے کہاں جا سوئی تھی۔ اِس کے الفاظ کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی۔

"یہ۔ یہ سالے میرے ہی گروہ کے آدمی ہیں اُستاد نصیبو۔"

"اور یہ نام۔ یہ نام بھی ان کے کانوں تک پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ نصیبو خوف و دہشت کا دوسرا نام تھا۔ جرائم پیشہ افراد اب اس نام سے ناآشنا نہ رہے تھے لیکن ان میں بہت کم ایسے تھے جنہوں نے نصیبو کے دیدار کئے تھے۔ بس اِس کا نام ہی اس بات کی ضمانت تھا کہ جو کچھ کر رہے ہو، اِسے چھوڑ دو، پیچھے ہٹ جاؤ اور انتظار کرو، کوئی حکم ملے تو

ٹھیک ہے ورنہ بھول جاؤ۔ اور اگر نہ بھولے تو پھر زندگی ممکن نہیں ہے۔

"نصیبو کے متعلق بہت سی کہانیاں جرائم پیشہ افراد کے درمیان گردش کر رہی تھیں اور بہت سے لوگ اسے دیکھنے کے خواہاں تھے۔ لیکن چند ہی تھے جو اس میں کامیاب ہوئے تھے۔ اور اب یہ لوگ بھی ان میں شامل ہو گئے تھے۔ ان کی حالتیں دیکھنے کے قابل تھیں۔

ماسٹر کے الفاظ سن کر مرد نما عورت یا عورت نما مرد چونک کر اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں نجانے کیا تھا کہ ماسٹر کا رنگ ایک دم زرد پڑ گیا۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "ارے۔ اوہ۔ وہ۔ مم۔ میں میں۔"

"ہائے تیری میں مے مے بکری کی نسل کے، کیا مے مے لگا رکھی ہے۔ مرد بچہ ہے مردوں کی شان تو رکھ۔ تو نے تو ہم جیسوں کو مات

کر دیا۔ توبہ میری ماں۔" وہ اپنا لباس سنبھالنے لگا۔ انداز میں وہی لچک مٹک تھی جو ایسے لوگوں کا خاص ہوتی ہے۔

ماسٹر اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہا تھا اور اُس کی آنکھوں سے خوف کے آثار بدستور جھلک رہے تھے۔

"آئے اب مجھ اللہ ماری کا فیصلہ تو کرو۔ یہیں پڑے پڑے مر جاؤں گیا۔ جوان جہان کو سڑک سے اُٹھا لائے ایسی بھولی ہوں میں تو ہر ایک کی باتوں میں آجاؤں ہوں۔ آئے ماسٹر بھیا مجھے ٹھکانے تو لگا دو۔ مولا تمہیں خوش رکھے۔ اِن موؤں نے تو مجھے کہیں کا نہیں رکھا۔ میں جاؤں گی اب، بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔"

"جو حکم اُستاد۔" ماسٹر نے کہا۔

"موٹر تو ہو گی تمہارے پاس ماسٹر جی۔"

"موجود ہے۔" ماسٹر نے کہا۔ اِس کے بدن میں اب بھی

لرزشیں تھیں۔ وہ انتہائی کوششوں کے باوجود ان لرزشوں پر قابو نہیں پا سکا تھا۔ اپنے آدمیوں کو ہدایات دیئے بغیر وہ چل پڑنے کے لئے تیار ہو گیا۔ عجیب الخلقت شخص اپنے بدن کو مٹکا تا ہوا اس کے ساتھ باہر نکل آیا تھا۔

ماسٹر اپنی سیاہ رنگ کی بیوک کا دروازہ کھول کر کھڑا ہو گیا۔ اور نصیبو گنگنا تا ہوا اندر آ بیٹھا۔ ''چھوڑ میری کلائی مجھے نہ ستا۔ مو ہے گرمی لگے۔ ہائے مو ہے گرمی لگے۔ اے چلو نا ماسٹر جی جلدی کرو، مو ہے گرمی لگے۔''

ماسٹر نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر بیوک اسٹارٹ کی اور آگے بڑھا دی۔ لیکن اس کے ہاتھوں کی لرزش اب بھی نمایاں تھی۔ نصیبو اس کی تمام کیفیات سے بے نیاز گنگنانے میں مصروف تھا۔ تب ماسٹر نے آہستہ سے کہا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی اُستاد۔"

"مولا معاف کرے بھیّا۔ انسان خطا کا پتلا ہے۔ اے ہمیں دیکھو ہم سے کتنی بڑی غلطی ہوئی ہے۔"

"آپ سے اُستاد۔"؟

"تو اور کیا۔ ماں کے پیٹ میں چھپ گئے ہوتے۔ خاک میں مل گئے ہوتے۔ اے دنیا کا منہ دیکھنے سے انکار کر دیتے مگر غلطی ہوگئی۔ اس دنیا میں آ گئے تین میں نہ تیرہ میں۔ لونڈیاں سہیلی نہ بنائیں لونڈے دوست نہ بنائیں موئے مردود کہیں کے، گھر کے نہ گھاٹ کے دھوبی کے کتے کی طرح مارے مارے پھرے ہیں۔ بولو کیا کریں۔"

"آپ بہت کچھ ہیں اُستاد۔" ماسٹر نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

"چل رے مری کے لئے۔ خوشامد نہ کریو، دل جلے ہے ان

باتوں سے اِدھر موڑ لے بارہ دری کی طرف۔'' نصیبو نے ہدایت دی۔ اور ماسٹر نے کار کا رخ موڑ دیا۔ لیکن پھر وہ خاموش ہو گیا تھا۔ اُستاد کی رہائش گاہ اسے معلوم تھی لیکن بارہ دری کا رُخ اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تاہم وہ چلتا رہا۔ نصیبو نے اسے کئی بار راستہ بتایا تھا اور پھر ایک خوبصورت کوٹھی کے سامنے بیوک رُک گئی۔

''پوں پوں بجاؤ ماسٹر جی۔ یہ موا چوکیدار ٹٹی میں بیٹھا ہو گا۔ دن کے دس گھنٹے وہاں گزارے ہے۔''

ہارن دینے پر آہنی گیٹ کھل گیا۔ چوکیدار نے نصیبو کو پہچان کر زور سے سلوٹ مارا تھا۔ اور نصیبو کمر لچکانے لگا۔ ''اے واہ۔ اے واہ۔ ٹھمکے لگائے ہے سور کا جنا۔ ماسٹر جی ہم ہی کیا برے۔ دیکھو تو سہی چالیس انچ کی چھاتی ہے اور مجھ زنانے کو دیکھ کر ٹھمکے لگائے ہے سبحان تیری قدرت میرے مولا۔''

کار عمارت کے خوبصورت پورچ میں رُک گئی۔ ماسٹر کے بدن کی لرزشیں کسی قدر کم ہو گئیں تھیں۔ لیکن سینے میں شدید گھٹن تھی۔ اِسے خطرہ تھا کہ نصیبو اِسے اس طرح نہیں چھوڑے گا۔ کچھ نہ کچھ ضرور ہو گا۔ پھر بھی اس نے خود کو سنبھالا۔ اور نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا۔ نصیبو نیچے اُتر آیا تھا۔ وہ لاپراہی سے سیڑھیوں کی طرف بڑھا اور آخری سیڑھی پر رُک کر ماسٹر کو دیکھا۔

''اے اندر آؤ نا ماسٹر جی۔ باہر کیوں رُک گئے۔ گھڑی دو گھڑی بیٹھو۔ آ بھی جاؤ پردیسی بالم جیا دھڑکے سکھی ری جور سے ہائے۔'' وہ انگلی مروڑ کر مسکرایا اور کمر دوہری کر کے اندر چل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں ایک پراسرار شرارت تھی۔

ماسٹر اس کے پیچھے تیزی سے قدم بڑھاتا ہوا اندر داخل ہو گیا۔ کوٹھی بے حد شاندار تھی۔ اگر ماسٹر کی یہ کیفیت نہ ہوتی تو وہ اس کی

پسندیدگی کے بارے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہتا۔ نصیبو اسے لئے ہوئے ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ ماسٹر جی۔ تم سے دو چار باتیں کر لوں۔ دل ہلکا ہو جائے۔ بیٹھو میرے بھولے بالم واری جاؤں تمہارے۔ یہ سر رے تمہارے ساتھی تھے۔"

"ہاں۔ میرے آٹھ ساتھیوں میں سے تین۔" ماسٹر تھوک نگل کر بولا۔

"دیکھو تو سہی۔ میری جان نکال لی انہوں نے۔ کھال اُدھیڑ دی اللہ ماروں نے۔" اِس نے پھر قمیض اُتار دی۔ اور ماسٹر اِس کے بدن کی سُرخ لکیریں دیکھ کر کانپ گیا۔ اِس کے ہونٹ کپکپانے لگے تھے۔ اور پھر اس کے حلق سے گھگھیائی ہوئی آواز نکلی تھی۔

"میں اِس کے جواب میں اِن کے جسموں سے کھال اتار لوں

گا۔''

''ہائے ہائے نظر نہ لگے تمہاری جوانی کو۔ کیسے اُتار دو گے کھال۔ اُلٹا لٹکا کے یا سیدھا کھڑا کر کے۔ مگر میرے راجہ تم نے اِن کے سامنے میرا نام کیوں لے دیا۔''؟

وہی سوال کر دیا گیا تھا کس کے تصور سے ماسٹر کی جان نکل رہی تھی۔ نصیبو ابھی بہت سوں کے لئے اجنبی تھا۔ صرف چار افراد ایسے تھے جو اس نام کی حقیقت سے واقف تھے۔ یہ چاروں چھوٹے چھوٹے گروہوں کے سربراہ تھے۔ کافی دن سے نصیبو کے لئے کام کر رہے تھے اور دولت سمیٹ رہے تھے۔ نصیبو اپنے کارکنوں کو اتنا دینے کا عادی تھا کہ وہ تصور بھی نہ کر سکیں۔ لیکن اِس کے ساتھ ساتھ اِس نے انہیں کچھ ہدایات بھی دی تھیں اِس کی خاص ہدایت یہی تھی کہ نصیبو کا نام تو ہر جگہ استعمال ہو لیکن اس کی شخصیت کی نشاندہی کہیں نہ

ہو سکے۔ ورنہ انہیں شدید نقصان اُٹھانا پڑے گا۔

اور اس وقت بے اختیاری میں ماسٹر کے منہ سے نصیبو کا نام نکل گیا تھا۔

وہ متوحش نگاہوں سے نصیبو کو دیکھنے لگا۔ ”تم چار کے درمیان تھی نصیبو، مگر اب تین اور ہو گئے اور اب ان پانچوں سے کہیں گے وہ پانچوں اپنے دوستوں سے ہائے مولا میں بدنام ہو گئی ہائے اللہ میری عزت لُٹ گئی۔“

نصیبو پھُوٹ پھُوٹ کر رونے لگا۔ ماسٹر سر کھجا رہا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا لیکن اس طرح بین کرنے پر اسے ہنسی آ رہی تھی۔ اگر خوف کا یہ عالم نہ ہوتا تو وہ بے تحاشہ قہقہے لگاتا۔ اِس عجیب و غریب مخلوق کو وہ آج تک نہیں سمجھ سکا تھا۔ روتے روتے وہ ایک دم چُپ ہو گیا اور آنسو بھری آنکھوں سے ماسٹر کو دیکھنے لگا۔

"بولو نا۔ بیری بالما۔ کیا مل گیا تمہیں۔ میرے جی کو جلا کے۔"

"میں سخت شرمندہ ہوں اُستاد۔ معاف کر دیں آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔" ماسٹر نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

"الٰہی توبہ۔ الٰہی توبہ۔ کفر بک رہے ہو۔ توبہ توبہ میرے مولا مجھے معاف کر دے۔ ہائے ہائے ایسی کفر کی بات ۔۔۔ میاں معاف کرنے والا تو وہ پاک پروردگار ہے۔ میں وہ کام کیسے کروں گی جو اس کے ہیں۔ ہائے مولا نے اپنے بندوں کو یہ حق نہیں دیا۔ ہم مٹی کے پتلے بھلا ہم معاف کرنے کی طاقت کہاں رکھتے ہیں۔ نہیں میاں نہیں۔ یہ ہم سے نہ ہو سکے گا۔ ہم تو مال کھرا دام کھرے کے قائل ہیں۔ کپڑے اُتار دو۔ جلدی کرو۔ ورنہ۔" نصیبو خاموش ہو گیا۔

"معاف کرو اُستاد۔ بس ایک بار معاف کر دو۔"

"ارے توبہ توبہ۔ مس نازنین اری او مہ جبیں ذرا جلدی سے آؤ

میری بچیو۔ آؤ دیکھو یہ مردود کیا کہہ رہا ہے۔ ذرا دیکھو تو سہی۔"

دو بدروحیں ایک اندرونی دروازے سے اندر داخل ہو گئیں۔ یہ بھی دیکھنے کی چیزیں تھیں۔ پہلوانوں جیسے کسرتی بدن، لمبے لمبے بال جن کی دو چوٹیاں گندھی ہوئی تھیں ان میں سے ایک غرارہ پہنے ہوئے تھی۔ دوسری ساڑھی لپیٹے ہوئے تھی۔ چوڑے چوڑے چہروں کی شیو بڑھی ہوئی تھی۔ ماسٹر گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"دیکھو تو بوا اس بوے کو۔ میں نے کہا کپڑے اُتار دے تو شرما رہا ہے۔" نصیبو نے کہا۔

"گھبرا رہا ہو گا خالہ بی بی۔" نازنین نے دانتوں تلے اُنگلی دبا کر کہا۔

"چھیڑ چھاڑ کرو ذرا۔ دل لگی کرو دیکھیں تو کیسے دم خم ہیں۔ گبرو جوان ہے۔ دم خم بھی خوب ہیں۔ آؤ ری جلدی کرو۔"

"معاف کردے نصیبو۔ خدا کے لئے معاف کردے۔" ماسٹر کی آواز دہشت سے کپکپا رہی تھی۔

"ڈرو نا میری جان۔ آگے آؤ۔ ذرا جان دکھاؤ۔"

"نصیبو۔ میں تیرا غلام ہوں۔ لیکن۔ لیکن مجھے مجبور نہ کر۔ میں اس قدر بزدل بھی نہیں ہوں۔" ماسٹر کی آواز غراہٹ میں بدل گئی۔

"اے جیتے رہو۔ کلیجے میں ٹھنڈک پڑی۔ مرد کی زبان میں بولے تو۔ میاں ہم تو ٹارزن کی طرح دھاڑیں بھی ماریں تو لوگ ہنسیں گے۔ تمہاری بات ہی کیا ہے۔ چلو ری لڑکیو دور کیوں کھڑی ہو۔"

"اور دونوں بلائیں ماسٹر کی طرف بڑھنے لگیں۔ ماسٹر پوزیشن لے کر کھڑا ہو گیا۔ اب مجبوری تھی۔ وہ بہترین باکسر تھا اور فیصلہ کر چکا تھا کہ اگر نصیبو نے اپنا فیصلہ نہ بدلا تو پھر مجبوراً ان سے جنگ کرے گا۔

"ہائے ہائے ہم ہجروں پر گھونسہ اٹھاؤ بھیا۔ کس دل سے مارو

گے۔ شرم نہ آئے گی تمہیں۔ ہاتھ نہ دُکھیں گے۔'' مس نازنین نے کہا جوانتہائی کریہہ شکل کی تھی۔

''خالہ بی بی۔ بے تال مارو گی انہیں؟ ہیں تو بڑے سلونے۔'' نازنین نے کہا۔

'' آئے ہاں ری ہاں۔ ٹھیک کہا تو نے۔ مہ جبیں ڈھول اُٹھا لا نگوڑی ماری۔'' نصیبو نے کہا اور مہ جبیں اسی دروازے سے اندر داخل ہوگیا جس سے آیا تھا۔

''میری درخواست ہے نصیبو۔ یہ کھیل مت کھیلو۔ مجھے اپنی غلطی پر سخت شرمندگی ہے۔ لیکن میں بھی گراپڑا آدمی نہیں ہوں۔'' ماسٹر نے کہا۔

''خون بڑھ رہا ہے رسیا یہ باتیں سن سن کر۔ بولتے رہو مرد بنایا ہے اللہ نے۔ جو دل چاہے کرو، جو دل چاہے کہو کون روکے گا۔''

نصیبو بولا۔ اِس دوران مہ جبیں ڈھول لے آیا اور نصیبو ڈھول لے کر فرش پر بیٹھ گیا۔ اور پھر ڈھول کی آواز کمرے میں اُبھرنے لگی اور وہ دونوں کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکے لگانے لگے۔

ماسٹر پر ہیجانی کیفیت طاری ہوتی جا رہی تھی۔ وہ متوحش نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ ڈھول کی آواز کی دھمک اس کے ذہن پر ہتھوڑوں کی مانند برس رہی تھی۔ دفعتاً اس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈھول پر مخصوص تھاپ پڑی ۔ اور ماسٹر دروازہ کھولنے کی کوشش میں ناکام ہو کر رُک گیا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔ اور اب وہ کچھ کرنے کے لئے تیار تھا۔

اِس کا تنفس تیز ہو گیا تھا اور چہرہ گہرا سُرخ ہو گیا تھا۔ خوف کی لہریں اس کے رگ و پے میں دوڑ رہی تھیں ۔ رقص کرنے والے ہیجڑے بڑے اطمینان سے ناچ رہے تھے۔ اِن کی عامیانہ حرکتیں

بیحد مضحکہ خیز تھیں اور پھر وہ ماسٹر کے نزدیک آ گئے۔۔۔ ماسٹر دروازے سے چپک گیا تھا لیکن وہ اس کے لئے تیار تھا کہ اگر وہ کوئی حرکت کریں تو ان سے اپنا تحفظ کرے۔

دونوں ہیجڑے کمر لچکا کر رقص کے ایک پوز میں دوہرے ہوئے۔ لیکن ان کی ٹانگیں چل گئیں اور ماسٹر کے حلق سے کریہہ چیخ نکل گئی۔ دونوں نے اس کی پنڈلیوں پر بھرپور ٹھوکریں ماری تھیں۔

''سور۔ سور کے بچو۔ سور کی بچیو۔'' ماسٹر کراہتا ہوا بولا۔ اور پھر اس نے قمیض کے نیچے سے چاقو نکال لیا۔ چاقو دیکھ کر نصیبو نے زور زور سے ڈھول بجانا شروع کر دیا تھا اور ہیجڑوں کے رقص کی رفتار تیز ہو گئی تھی۔ لیکن ان کے چہروں پر چاقو دیکھ کر کوئی خاص تغیر رونما نہیں ہوا تھا۔

نواب عزیزالدین خاں خاندانی نواب تھے۔ گو ریاستیں نہ رہی تھیں لیکن عزیزالدین خاں کے اجداد ان نوابوں میں سے نہ تھے جو لکیر کے فقیر ہوتے تھے اور صرف زمینوں اور جائدادوں کے بل پر نوابی کرتے تھے مصاحب پالتے تھے اور بٹیریں لڑاتے تھے اِن لوگوں نے شائد ابتداء ہی سے آنے والے وقت کی تصویر دیکھ لی تھی اور مستقبل کے انتظامات شروع کر دیئے تھے۔ ان کے کاروبار بہت سے ملکوں میں پھیلے ہوئے تھے اور اصل آمدنی وہیں سے تھی۔ ہاں اِس آمدنی سے جائدادیں اور بڑھ گئی تھیں اور وہ نواب کہلانے میں حق بجانب تھے۔

چنانچہ جب جاگیریں ختم ہوئیں تو سب سے مطمئن خاندان نواب عزیزالدین کا تھا۔ وہ آہیں بھرنے اور آنسو بہانے والوں میں شامل نہ ہوئے بلکہ شانِ نوابی کچھ اور بڑھ گئی۔ گردن اُٹھا کر خودکو

نواب کہلواتے رہے۔ انہیں حکومت سے ملنے والے وظیفوں کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ حالات بدلتے رہے۔ جغرافیائی کیفیتیں بدل گئیں۔ عزیزالدین خاں کے ایک بڑے بھائی تمیزالدین خاں اپنا حصہ وصول کر کے نیروبی چلے گئے اور وہیں مقیم ہو گئے۔ خاندان کے بیشتر لوگوں کو انہوں نے نیروبی بلا کر اپنے ہیروں کے کاروبار میں شامل کر لیا اور دن دوگنی رات چوگنی ترقی کرنے لگے۔

دوسری طرف نواب عزیزالدین خاں بھی کم نہ تھے۔ انہوں نے بھی کاروبار کو خوب ترقی دی اور عیش و عشرت کے گھوارے میں جھولنے لگے۔ خاندان کی دو لڑکیاں دونوں بھائیوں کے لئے نامزد تھیں۔ لیکن تھوڑے دن بعد نیروبی سے اطلاع ملی کہ تمیزالدین خاں صاحب نے ایک انگریز خاتون سے شادی رچالی ہے۔

والدین تو حیات نہ تھے لیکن دوسرے بہت سے بزرگ زندہ

تھے۔خوب لے دے ہوئی نامزد خاتون نے چوڑیاں پیس کر پڑیا بنالی
کہ بس اب زندگی بے کار ہے۔خود عزیزالدین صاحب نیروبی گئے تا
کہ اس واقع کی تصدیق کریں۔ اور بات سچ تھی گوری میم صاحب
نے غرارہ پہن کر جیٹھ جی کو جھک کر سلام کیا۔تمیزالدین خان نے بتایا
کہ وہ اب جوزیفائن سے عابدہ بیگم بن گئی ہیں۔ لیکن عزیز الدین
خاں نہ پسیجے۔ہوٹل میں قیام کیا اور بھائی کو وہیں طلب کرلیا۔دونوں
میں کچھ ایسی گفتگو ہوئی۔

”میں تو یہ سوچ کر آیا تھا کہ گھر واپس جا کر گھر والوں کو یہ جھوٹی
خبر سناؤں گا۔ اِن سے کہوں گا کہ تمیزالدین خان پر یہ جھوٹا الزام لگایا
تھا، ہمارے دشمنوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور وہ اسی طرح ہمیں
بدنام کرنے پر تُلے رہتے ہیں مگر تمیزالدین خان میں نے جو کچھ دیکھا
اِس کے بعد کچھ کہنے کی گنجائش کہاں رہ گئی۔“

"مگر بھائی جان۔" تمیز الدین خان نے کہا۔

"تمہاری ہکلاہٹ تمہارے جرم کا مظہر ہے تمیز الدین خان، تم نے یہ نہیں سوچا کہ ثریا بیگم تمہارے نام پر بیٹھی ہوئی ہیں، وہاں اِس خبر سے جو حالات ہوئے اِن کی تفصیل میں، میں نہیں جاننا چاہتا، بس یوں سمجھ لو کہ سارا خاندان تمہارے خلاف ہو گیا ہے۔"

"بھائی جان حالات ایسے ہی ہو گئے تھے کہ میں۔ میں یہ شادی کرنے پر مجبور ہو گیا۔"

"میں نہیں مانتا، کون سی ایسی بات تھی سوائے اس کے کہ تم نے خاندان کے نام کو سیاہی لگائی۔"

"میں جو کچھ کر چکا ہوں بھائی جان، اس پر نادم ہوں، خدا کے لئے آپ مجھے ایڈجسٹ کر لیں۔"

"میں یہ ہمت نہیں کر سکتا تمیز الدین خان، ہاں اگر تم خاندان

کے لئے کچھ کرنا ہی چاہتے ہو تو جو نادانی کر بیٹھے ہو اس سے نجات حاصل کر لو۔"

"کیا مطلب۔"؟ تمیز الدین خان دہشت زدہ انداز میں بولے۔

"وہی جو تم سمجھ رہے ہو۔" نواب عزیز الدین نے سرد لہجے میں کہا۔

"یعنی۔ یعنی۔"؟ تمیز الدین خان کی سانس پھول رہی تھی۔

"ہاں۔ اسے طلاق دے دو۔"

"نہیں بھائی جان یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر تمہیں سارے خاندان سے جدا ہونا پڑے گا۔"

"آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔ آپ اگر چاہیں تو میرے لئے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔" تمیز الدین خان نے کہا۔

''مثلاً۔''؟

''آپ دوسرے لوگوں کو راضی کرلیں۔ اگر آپ کوشش کریں گے تو میرے لئے جگہ بن سکتی ہے۔'' تمیز الدین نے کہا۔

''نہیں تمیز الدین خان۔ تم مجھے سرخرو کرتے تو میں بڑے فخر سے واپس جاتا۔ لیکن اب میں واپس جا کر صرف ایک اطلاع دے سکتا ہوں کہ جو سُنا گیا ہے سچ ہے۔''

''بہر حال بھائی جان۔ میں نے ایک غیر مسلم کو مسلمان کیا ہے۔ اس نے میرے لئے مذہب چھوڑ دیا ہے میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

''بہر حال میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن میں تم سے خاندان کے سارے ناطے توڑ کر جا رہا ہوں آئندہ ہم میں سے تمہارا کوئی تعلق نہ ہوگا۔''

''کوئی رعایت نہیں ہوگی بھائی جان۔''

"ممکن نہیں ہے۔"

"مزید کیا عرض کر سکتا ہوں۔" تمیز الدین خان نے کہا۔ اور نواب عزیز الدین خاں وہاں سے واپس آ گئے۔ انہوں نے افسردہ لہجے میں لوگوں کو اطلاع دی کہ خبر سچ ہے۔ ثریا بیگم نے چوڑیاں کھانے کا ارادہ ترک کر کے شریف الدین خان سے شادی کر لی، دوسری خاتون سے نواب عزیز الدین نے فوراً شادی کر لی تھی۔ تا کہ کم از کم ان کی پوزیشن خراب نہ رہے۔"

شادی ہو گئی مہ و سال گزرتے رہے، حتّٰی کہ دس سال گزر گئے اور نواب عزیز الدین کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی، کون سا ڈاکٹر ایسا تھا جسے چھوڑا گیا ہو، ہر قسم کے حکیم، تعویذ، گنڈے، مولوی، مزار آزما لئے گئے۔ سب کچھ ہوتا رہا، لیکن اولاد نہ ہوئی۔

نواب عزیز الدین خان اپنے لاولد ہونے پر بہت افسردہ رہتے

تھے۔ پھر چھوٹے میاں نے بتایا کہ ایک مزار ایسا ہے جہاں سے ہر نامُراد بامُراد لوٹتا ہے۔ چنانچہ نواب عزیز الدین خان نے وہاں کا دورہ کرنا منظور کرلیا، تنہائی میں جب بھی بیگم کے ساتھ ہوتے تو اِس موضوع پر اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ ابتداء ہی سے میاں بیوی میں اختلاف تھا، بیگم صاحبہ کہتی تھیں کہ مجھے بیٹی درکار ہے اور نواب صاحب کہتے تھے کہ خاندان کا نام روشن کرنے کے لئے بیٹا ضروری ہے۔"

بیٹی اور بیٹے کا جھگڑا چل رہا تھا لیکن نہ تو بیٹی وجود میں آئی اور نہ ہی بیٹا، سال پہ سال گزرتے رہے تاہم ذہنوں میں اب بھی وہی طلب باقی تھی۔

چنانچہ جب بزرگ کے دربار پر بیگم نے دُعا مانگی تو ان کی طلب میں بیٹی شامل تھی اور نواب صاحب نے گڑگڑا کر بیٹا مانگا، ظاہر ہے

بزرگ بھی چکر میں پڑ گئے ہوں گے کہ کس کے لئے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، بہر صورت انہوں نے دعا تو ضرور کی ہو گی، کیونکہ بزرگ کی دُعائیں کچھ عرصہ کے بعد ہی بار آور ہو گئیں۔

کچھ عرصے کے بعد بیگم صاحبہ کے پیٹ میں گڑ بڑ شروع ہو گئی، اور یہ گڑ بڑ ایک عجیب سے بانگڑو کی شکل میں نمودار ہوئی، اِس بانگڑو کو دیکھ کر نواب صاحب اور بیگم صاحبہ ششدر رہ گئے تھے۔

وہ نہ لڑکی تھی نہ لڑکا، دونوں کی دُعائیں گڑ بڑ ہو گئی تھیں۔ اور فرشتوں نے اُلجھ کر ایک عجیب و غریب شے تخلیق کر ڈالی تھی۔ اور یہ عجیب و غریب شے دنیا میں آ گئی۔ جس دایا نے بچے کی ولادت کرائی تھی، اِسے بے شمار دولت دے کر اس کا منہ ہمیشہ کے لئے بند کر دیا گیا اور بیگم صاحبہ کے کمرے پر پہرے لگا دیئے گئے، صرف دایا کے علاوہ اس کمرے میں اور کوئی نہیں جا سکتا تھا۔ خاندان والوں سے یہی

کہہ دیا گیا تھا کہ بزرگ نے بشارت دی ہے کہ بچے کو طویل عرصہ تک لوگوں سے چھپایا جائے کیونکہ اتنے عرصے کے بعد ولادت ہوئی ہے اس لئے کچھ ضروری پرہیز کرنے ہیں۔

خاندان والے خود تو ہمات پسند تھے چنانچہ کسی نے اس بات سے اختلاف نہیں کیا، لیکن حقیقت یہ تھی کہ اِس عجیب وغریب شے کو چھپانے کی کوشش کی جاتی رہی تھی۔

اور یہی ہوا۔ پہلی بار اُس وقت سہیل کی رُونمائی ہوئی تھی جب وہ تین سال کے تھے، خاندان میں ایک بہت بڑی تقریب منائی گئی اور اس تقریب میں سہیل کو، لوگوں نے لاکھوں روپے کے تحائف پیش کئے، چھوٹا سا خوبصورت بچہ ہر ایک کی نگاہ کا مرکز تھا۔ نام سہیل تھا اور صنف لڑکا۔ کم از کم نواب صاحب نے اپنے لواحقین میں یہی مشہور کیا تھا اور لوگوں کو اس بات کے تسلیم کرنے میں کوئی عار نہ رہی۔

البتہ سہیل میاں کی پرورش اسی خفیہ انداز میں ہوتی رہی۔ نواب صاحب نے اپنے طور پر بہت سے لوگوں سے مشورے کیئے، غیر ممالک میں بھی گئے، سہیل میاں کو بھی ایک دو بار باہر لے جایا گیا، لیکن بیرونی ڈاکٹر بھی اس مسئلہ کو حل نہ کر سکے، اور نتیجہ وہی صفر کا صفر رہا۔

سہیل میاں مردوں کی طرح پرورش پانے لگے پھر حالات بدل گئے۔ نواب عزیز الدین کو نقلِ وطن کر کے اصلی وطن میں آنا پڑا۔ جو اُن کا اپنا اصلی وطن تھا لیکن سارا خاندان اُن کے ساتھ ہی آیا تھا اور یہاں بھی وہی فضا برقرار تھی۔

سہیل میں جب نوجوانی کی عمر کو چھونے لگے تو اُن کی مسیں بھیگیں پھر شیو کے بال آئے اور کسی بھی ذہن میں کوئی بھی سوال نہ جاگا، کوئی تصور نہ جاگا البتہ خود سہیل میاں عجیب وغریب کیفیات کا

شکار رتھے۔ وہ اپنی ذات میں اُلجھ گئے تھے اور اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ خود کو کیا کہیں۔

سترہ سال کی عمر میں اُن پر جنون کے دورے پڑنے لگے پاگلوں کی طرح گفتگو کرتے، یہ گفتگو بے ربط ہوتی۔ اور نواب عزیز الدین خان اور اُن کی بیگم اس بات پر ہی اللہ کا شکر ادا کرتے کہ اِس گفتگو کے دوران سہیل میاں اپنی اصلیت اُگل پڑنے پر آمادہ نہ ہو جاتے تھے۔

لیکن یہ صورتحال جاری رہی، سہیل میاں انیس سال کی عمر تک انہی دوروں کا شکار رہے اور خفیہ ڈاکٹر علاج کرتے رہے جس کے نتیجہ میں یہ ہوا کہ سہیل میاں نارمل ہو گئے، اب ان پر دورے نہیں پڑتے تھے۔ سُرخ و سفید رنگت تھی، حسین و جمیل چہرہ تھا، دیکھنے دکھانے سے تعلق رکھتے تھے چہرے پر ایسا بھولپن تھا کہ نگاہ ٹھہرے تو

ہٹنے کا نام نہ لے لیکن تقدیر کی خرابی کو کیا کیا جاتا کہ وہ بے چارے مرد نہ ہونے کے باوجود مردوں کے سے انداز میں پرورش پا رہے تھے، البتہ اپنی ذات میں اُلجھ کر ان کے مشغلے کچھ بدل سے گئے تھے۔ زیادہ تر وہ گھر سے باہر رہتے تھے۔ اور کسی کے باز پرس کرنے پر کوئی جواب نہ دیتے تھے، وہ تو بدمزاج بھی نہیں تھے، معصوم سی فطرت تھی، زیادہ تر خاموش ہی رہا کرتے تھے۔ البتہ جب ان پر تشدد کیا جاتا تھا تو ان پر ہیجان سا طاری ہو جاتا تھا۔

اور والدین اپنے اس رویئے میں بھی نرم ہو گئے۔ نواب عزیز الدین کو یہ احساس گھن کی طرح کھائے جاتا تھا کہ اگر کبھی اصلیت کھل گئی تو کیا ہوگا، لوگ ان کے بارے میں کیا کہیں گے، قدرت نے اس کے علاوہ کوئی اولاد نہیں دی تھی جس سے سہیل میاں کی کمی پوری ہو جاتی، وہی آنکھوں کا تارا تھے وہی دل کا سہارا

تھے، لیکن یہ سہارا بھی عجیب تھا۔

یوں گزر رہی تھی اور اب سہیل میاں چوبیس سال کے ایک گبرو جوان تھے۔ نواب عزیز الدین خاں کے حالات مزید بدل گئے تھے۔ ان کی حیثیت ملک کے بہت بڑے صنعتکاروں میں ہوتی تھی، دولت کی ریل پیل تھی، کسی شے کی کوئی کمی نہیں تھی، بے شمار ملازم اور بے شمار مصاحب ہمہ وقت موجود رہا کرتے تھے۔ سب کچھ تھا لیکن دل کے گوشے ویران تھے۔ جب بھی سہیل میاں کے بارے میں سوچتے دل بیٹھنے لگتا تھا۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں، ابھی تک انہوں نے اپنی کوششیں ترک نہیں کی تھیں اور کبھی کبھی سہیل میاں کو ڈاکٹروں کا نشانہ بننا پڑتا تھا۔ دوائیں کھانی پڑتی تھیں انجکشن لگوانے پڑتے تھے۔ چند ڈاکٹروں نے آپریشن کی تجویز پیش کی تو سہیل میاں بندوق لے کر کھڑے ہو گئے۔

"مجال ہے کسی کی کوئی میرا آپریشن کرے، بس میں جو کچھ ہوں ٹھیک ہوں۔ بس میرے معاملے میں کوئی ایسا رویہ اختیار نہ کیا جائے اور ابا جان آپ بھی اب یہ ڈاکٹروں کا سلسلہ ترک کردیں جتنی ہو چکی بہت ہے، اِس سے زیادہ میں برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ میں آخری بار کہہ رہا ہوں۔ اِس کے بعد اگر کوئی ڈاکٹر اس گھر میں آیا تو آپ سوچ لیں اس کی خیر نہیں اور اس کے خون کا الزام آپ کے سر ہوگا۔"

سہیل میاں کے تیور بتا رہے تھے کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں کر بھی ڈالیں گے اس لئے اس کے بعد نواب عزیزالدین خاں کی پھر یہ ہمت نہ ہوئی اور نہ ہی انہوں نے سہیل میاں کے معاملات میں پھر کوئی دخل دیا جب دل چاہتا گھر میں رہتے اور جب دل چاہتا گھر سے غائب ہو جاتے۔ بتانے کی ضرورت نہیں تھی، کئی کئی گاڑیاں ان کے تصرف میں رہا کرتی تھیں، دولت کہ کوئی مسئلہ ہی نہیں تھا، جتنی

ضرورت ہوتی لے لیا کرتے تھے، سہیل میاں اس سلسلہ میں بہت سی خوبیوں کے حامل تھے۔ گاڑیاں ضرور ان کے تصرف میں رہتی تھیں لیکن دولت کے مسئلہ میں انہوں نے خاصی لاپرواہی اختیار کر رکھی تھی۔

نواب عزیز الدین خاں کو اس مسئلہ میں کوئی خاص تکلیف نہیں ہوتی تھی، سہیل میاں کو پیسوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی ان کے اخراجات کچھ نہیں تھے۔

رفتہ رفتہ یہ معمولات اِن کی عادت بن گئے۔ اب نواب عزیز الدین سہیل میاں کی طرف سے خاصے لاپراہ ہو گئے تھے۔ کچھ کر تو سکتے نہیں تھے، اور جو نہیں ہو سکتا تھا، اس کا تردد کرنا بے کار تھا، چنانچہ انہوں نے صبر کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں سمجھا تھا۔
اِن کی زندگی کی ساکن سطح میں اب کوئی رونما نہیں ہوئی تھی۔ لیکن زیادہ

عرصے ایسا نہ ہو سکا۔ ایک دن انہیں نیروبی سے ایک خط ملا اور اس خط نے بہت سی یادیں تازہ کر دیں۔

تمیز الدین کا خط تھا، بھائی کا چہرہ نگاہوں میں گھوم گیا جسے بھول بیٹھے تھے وہ یاد آ گیا، اور دل اس بُری طرح تڑپا کہ وہ بے قرار ہو گئے۔

خط کھول کر پڑھا، عجیب درد بھری تحریر تھی جسے پڑھ کر ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ لکھا تھا۔

جناب قبلہ بھائی صاحب۔ آداب۔

نجانے اب مجھے یہ الفاظ کہنے کا حق ہے یا نہیں،
تاہم میرے اپنے سینے میں میرا بھائی اب بھی روزِ
اول کی طرح زندہ ہے، آج بھی میرا دل چشمِ تصور
سے اِس کی صورت دیکھتا ہے تو مجھے یوں محسوس

ہوتا ہے جیسے اِسے مجھ سے جدا ہوئے زیادہ
وقت نہیں گزرا، بھائی صاحب ممکن ہے آپ
نے میرا خیال اپنے دل سے نکال پھینکا ہو۔
لیکن میں نہ تو آپ کا خیال دل سے نکال سکا
ہوں اور نا ہی کبھی یہ سوچ سکا ہوں کہ آپ مجھ
سے ہمیشہ دور رہیں گے، زندگی لاکھوں کروٹیں
بدل چکی ہے، ایسے ایسے واقعات رونما ہو چکے
ہیں کہ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے، لیکن جو
ہے سو موجود ہے۔ وہ محبتیں فنا نہیں ہو سکتیں
جو خدا نے ہمارے سینے میں جا گزیں کی ہیں،
آپ کا اختلاف جس سے تھا، وہ اب اس دنیا میں
موجود نہیں ہے۔ ہاں اس کی ایک نشانی نوشاب

ہے، جو میرے سینے سے لگ کر جوان ہوئی
ہے، نوشاب آپ سب لوگوں کو اس طرح جانتی
ہے جیسے آپ سب لوگوں کے درمیان رہی ہو
جب وہ معصوم تھی تو سوالات کرتی تھی کہ یہ سب
اس سے دُور کیوں ہیں، اِسے اِن کے پاس
کیوں نہیں لے جایا جاتا۔ تب میں اِسے بہلا دیا
کرتا تھا لیکن اب وہ جوان ہو چکی ہے۔ اب یہ
سوالات ایک ٹھوس نوعیت اختیار کر گئے ہیں وہ
جب شک وشبہ کی نگاہوں سے مجھے دیکھتی ہے
تو میں آنکھیں جھکا لیتا ہوں۔ میں اِس سے تو
یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ بنائے فساد وہ یا اُس کی
ماں تھی۔ بھائی صاحب میں آپ سے ایک

سوال کرنا چاہتا ہوں کہ کیا نوشاب بھی آپ کے لئے
اسی طرح نا قابلِ قبول ہے جس طرح اس کی ماں
تھی، اگر نوشاب بھی اپنی ماں کے جرم کی شریک قرار
دی جائے تو براہ کرم مجھے تحریر فرمادیں۔ میں اپنی
محبت کی آگ سرد نہیں کرسکتا، میرا دل آپ کو
دیکھنے کے لئے بے چین ہے سو میں آپ کے
پاس پہنچ رہا ہوں، ہاں اگر نوشاب کو آپ کی خدمت
میں حاضر ہونے کا حق نہ ہو تو اسے میں پھر
بہلا دوں گا اور وہیں چھوڑ آؤں گا۔ مناسب سمجھیں
تو اِس پتہ پر مجھے فوراً ٹیلی گرام دے دیں، میں زیادہ
انتظار نہیں کروں گا، اگر آپ نے میرے اِس خط
کا جواب نہیں دیا، تب بھی میں آپ کے پاس پہنچ

ہی جاؤں گا، ہاں نوشاب میرے ساتھ نہ ہوگی۔

آپ کا بھائی

تمیز الدین خان

خط کیا تھا تیر تھے جو سینے کے پار ہو رہے تھے، عزیز الدین خان پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے، بیٹے کی طرف سے دل دُکھا ہوا تھا، دلدار کوئی بھی نہیں تھا۔ دولت کی ریل پیل ضرور تھی، لیکن دولت سارے مسائل حل نہیں کر دیتی، جو لوگ دولت کے بل پر اپنا ماضی اور اپنا حال بھول گئے ہیں۔ وہ کتنی بڑی بھول پر ہیں، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے وہ لوگ۔

نواب عزیز الدین خان بھی اس وقت یہی سوچ رہے تھے، اور پھر بے قرار ہو کر انہوں نے ایک ٹیلی گرام کر دیا۔

''تمیز الدین نوشاب کو ضرور لائیں۔'' جواب میں انہیں بہت

مختصر وقت میں تمیز الدین کا ٹیلی گرام مل گیا۔ وہ آ رہے تھے۔

نواب عزیز الدین خان کی زندگی میں گویا ایک بہت بڑا انقلاب رونما ہوا تھا، یوں تو ہزاروں محفلیں تھیں، ہزاروں تقاریب تھیں، کبھی ان کی کوٹھی میں ہوتیں اور کبھی ان کے اعزہ کے گھروں میں محفلیں جمتیں، وہ اِن میں شریک بھی ہوتے۔ لیکن یہ تقریب انوکھی تھی۔ یہ ایک طویل عرصے کے بچھڑے ہوؤں کے ملنے کی تقریب تھی، اور اس تقریب کی خوشی میں نواب عزیز الدین نے کوٹھی کو نہ جانے کیا سے کیا بنا ڈالا تھا۔

چاروں طرف سجاوٹیں ہو رہی تھیں، ہر چیز میں ایک ندرت پیدا کی جا رہی تھی۔ تمیز الدین خان کے لئے کئی کمرے درست کروا دیے گئے تھے، نوشاب کی عمر کا کوئی تعین نہیں تھا اِس لئے نواب صاحب اس کے سلسلے میں کچھ تذبذب کا شکار تھے، تاہم جو کچھ ہو رہا تھا، کیا

جارہا تھا۔ ملازموں کو ہدایات دی جارہی تھیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس سلسلے میں عزیز الدین خان اور ان کی بیگم تنہا تھے۔ یعنی ان کے بیٹے سہیل کا ان معاملات میں کوئی دخل نہیں تھا۔

وہ لاابالی نوجوان اوّل تو گھر میں کم ہی رہتا تھا اور اگر رہتا بھی تھا تو اپنے کمرے میں ہی گھسا رہتا تھا، شرمایا شرمایا سا، لجایا لجایا سا۔ اور عزیز الدین خان اس معاملے میں اسے بے قصور سمجھتے تھے، یہ سادہ لوح نوجوان نجانے اپنی زندگی کو کہاں صرف کررہا تھا، انہوں نے اس کے معمولات میں دخل دینے کی کوشش نہیں کی تھی، وہ بیٹے کے دکھ سے واقف تھے جانتے تھے کہ نوجوانی کا احساس اسے عجیب و غریب منزلوں کی جانب لے گیا ہوگا۔ وہ اپنے لئے کسی منزل کا تعین بھی نہیں کرسکتا تھا، نا ہی کسی سے وہ کہہ سکتے تھے، جن لوگوں کو معلوم تھا انہیں بھی بڑی مشکلوں سے خاموش رکھا تھا اور ہدایات کردی گئیں تھیں کہ

کبھی اس بات کا اظہار نہ کریں کہ انہیں سہیل کی اصلیت معلوم ہے۔
اور جن لوگوں کو یہ حالات معلوم تھے وہ واقعتاً خاموش تھے۔

جاری ہے

بانگڑو
(قسط نمبر ۲)
ایم اے راحت
www.urdurasala.com

دبی دبی زبان یا اشاروں کنایوں میں بھی کبھی اس بات کا اظہار نہیں کرتے تھے کہ وہ ایک اہم راز سے واقف ہیں۔

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ یہ واقفیت اِن کی زندگی کے لئے سب سے بڑا خطرہ بن سکتی ہے نواب عزیزالدین خان کبھی یہ پسند نہیں کریں گے کہ ان کی عزت اس طرح نیلام ہو۔اور پھر نمک خوار بھی عزتوں کا نیلام پسند نہیں کرتے۔

وہ دن آ گیا جب تمیزالدین خان ایک طویل عرصے کے بعد نئی جگہ نئے ماحول میں اپنوں کے سامنے آ رہے تھے، سہیل کو ان کی آمد کی اطلاع دے دی گئی تھی، اسے تمام رشتے بتا دیئے گئے تھے، لیکن جواب میں اس نے لجائے ہوئے انداز میں اُنگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

"تو میں کیا کروں جو آتا ہے اسے آنے دیں۔"

''سہیل میاں زمانے کے کچھ اخلاق و آداب ہوتے ہیں تمیزالدین خان تمہارے چچا ہیں اتنے عرصے کے بعد آرہے ہیں کبھی انہوں نے تمہیں نہیں دیکھا، بہتر یہ ہوگا کہ تم ان سے ملاقات کرو اور ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ گھلنے ملنے کی کوشش کرو۔''

''لو اس سے فائدہ۔'' سہیل نے پوچھا۔

''بیٹے فائدہ تو ہے۔ اپنوں سے دُور نہیں رہا جا سکتا، اس کے علاوہ سہیل بیٹے میں نے تم سے ایک درخواست کی تھی۔''

''وہ کیا۔''؟ سہیل میاں نے پوچھا۔

''یہی کہ تم بولنے کے سلسلے میں کچھ احتیاط کرو تم تو اچھا خاصا بول لیتے ہو۔ پھر یہ انداز میں تبدیلی کیوں پیدا ہو جاتی ہے۔

'' عزیزالدین نے پریشانی سے کہا۔

''ہم کیا کریں ابو جان ہماری عادت ہی ایسی ہے کبھی کبھی بیٹھے

بیٹھے دل چاہتا ہے کہ ہم کمر لچکا کر دوہرے ہو جائیں، کبھی منہ میں دوپٹہ ٹھونسنے کو جی چاہتا ہے۔ اور ابو جان امی جان نے ہمارے وہ سارے کپڑے بھی چھین کر رکھ لئے جو ہم نے بڑی چاہ سے بنوائے تھے۔"

"کون سے کپڑے۔"؟ عزیز الدین حیرت سے بولے۔

"غرارہ سوٹ، بنارسی ساڑھیاں اور نجانے کیا کیا۔ ابو جان کبھی کبھی ہمارا دل چاہتا ہے کہ ہم یہ لباس پہنا کریں، آخر اس میں حرج ہی کیا ہے۔" سہیل نے لچکتے ہوئے کہا۔ اور عزیز الدین خان صاحب نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبالیا۔ بڑی دیر تک وہ غم میں ڈوبے رہے پھر سرد لہجے میں بولے۔

"سہیل بیٹے ایسا کبھی مت سوچنا۔"

"کیسا ابو جان۔"

’’یہی لباس پہننے کے بارے میں، یہ لباس تمہارے لئے نہیں ہیں۔‘‘عزیزالدین خان صاحب نے کہا۔

’’کیوں ابو جان۔‘‘؟سہیل نے بدستور معصومیت سے پوچھا۔

’’اس لئے کہ تم لڑکے ہو۔‘‘

’’ہائے اللہ جھوٹ نہ بولیئے ہم لڑکے کہاں ہیں۔‘‘

’’لڑکی بھی تو نہیں ہو۔‘‘نواب عزیزالدین کسی قدر سخت لہجے میں بولے۔

’’ہائے اللہ آپ ہمیں ڈانٹ رہے ہیں۔امی۔امی دیکھئے ابو ہمیں ڈانٹ رہے ہیں سہیل نے رونے والے انداز میں کہا اور عزیزالدین خان سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔بیگم صاحبہ زیادہ فاصلے پر نہ تھیں اور ان تمام حالات سے واقف تھیں چنانچہ وہ نزدیک آگئیں۔

’’نہیں سہیل بیٹے نہیں،خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کریں۔۔۔‘‘

"مگر امی یہ دیکھئے نا ابو جان کیا کیا باتیں کر رہے ہیں۔ ہماری سمجھ میں تو کچھ بھی نہیں آتا۔"

"بس سہیل میاں آپ سمجھنے کی کوشش بھی نہ کیا کریں، آپ اپنے جن دوستوں میں مگن رہتے ہیں، رہا کریں، ابو جان جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کی پرواہ نہ کیا کریں، ٹھیک ہے آپ انہیں لینے ائیر پورٹ پر نہیں جائیں گے نہ جائیں، ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔" بیگم عزیز الدین نے سہیل کو پیار سے سمجھایا۔

"شکریہ امی جان شکریہ۔ ہمیں ان کے ساتھ باتیں کرنے کے لئے مجبور تو نہیں کیا جائے گا۔"

"ہاں نہیں کیا جائے گا آپ اپنے ذہن پر زور نہ ڈالیں آپ جو چاہیں گے وہی ہو گا۔ میرا بیٹا جس طرح سے اپنی زندگی گزارنا چاہے گا ویسا ہی رہے گا، اگر یہ چچا جان کے سامنے نہ بھی آئے تو کوئی حرج

نہیں ہے۔"

"نہیں امی ایسی کوئی بات نہیں ہے، اگر ابو جان کی خواہش ہے تو ہم ایک آدھ بار ضرور ان سے ملیں گے، مگر آپ خود ان سے کہہ دیں کہ ہم زیادہ دیر ان کے پاس نہیں بیٹھ سکتے ہمارے اپنے بھی کچھ مشاغل ہیں کچھ مصروفیات ہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے میں کہہ دوں گی۔"

"لیکن آپ میری اس درخواست پر غور کریں گے سہیل میاں۔"

"کون سی درخواست امی جان۔"

"یہی کہ آپ ان کے ساتھ ذرا سلیقے سے بولنے کی کوشش کریں، جب کہ آپ اچھی طرح بول سکتے ہیں، جب آپ مردوں کی طرح بولتے ہیں تو بہت اچھے لگتے ہیں، اور یہ بات ہم سب اچھی طرح جانتے ہیں۔"

''ٹھیک ہے امی جان ہم کوشش کریں گے۔'' سہیل میاں نے اقرار کرلیا۔ اور پھر انہیں واپس جانے کی اجازت مل گئی۔ اور وہ شرمائے ہوئے سے باہر نکل گئے۔ نواب عزیز الدین روہانسے ہو گئے تھے۔ اِن کے چہرے سے رنج وغم کے تاثرات عیاں تھے۔

''لوگ ضرور امور کے لئے موجود تھے۔ اِس لئے تمیز الدین خان کو رُکنے کی زحمت نہ کرنا پڑی۔ اور وہ نواب عزیز الدین کے پاس پہنچ گئے۔

دونوں بھائیوں کے ملاپ کا منظر بے حد رقت انگیز تھا۔ دیر تک ایک دوسرے سے لپٹے کھڑے رہے تھے۔ بڑی مشکل سے دونوں کو علیحدہ کیا گیا۔ چادر میں لپٹی لڑکی کو بیگم صاحبہ نے سنبھال لیا تھا۔ رشکِ حور تھی مغربی ماں اور مشرقی باپ کے سنگم کا حسین امتزاج۔ رنگ وروپ ماں سے ملا تھا تو ملاحت باپ سے۔ دیکھنے والا نگاہ نہ ہٹا

پائے اور خوبی یہ تھی کہ آداب مشرقی تھے۔

''کیا نام ہے تمہارا بیٹی۔''؟ بیگم صاحبہ نے پوچھا۔

''نوشاب۔'' جواب ملا۔ اور پھر ایک حسین مسکراہٹ کے ساتھ نہایت شستہ اُردو میں کہا گیا۔'' آپ مجھ سے اردو میں گفتگو کریں تائی امی۔''

''ایں۔ ارے سبحان اللہ۔ تم اتنی خوبصورت اُردو بول لیتی ہو اور لہجے میں بھی کوئی کمی نہیں ہے۔''

''میں تو بچپن سے اُردو ہی بولتی ہوں۔''

''سبحان اللہ۔ یہ کام کیا ہے تمیز الدین نے جی خوش کرنے کا۔ تو بیٹی تمہیں مذہبی آداب بھی آتے ہوں گے۔''

''جی ہاں نماز پڑھتی ہوں روزے رکھتی ہوں۔'' نوشاب نے جواب دیا۔

واپسی کے انتظامات ہو گئے تھے اس لئے سب گاڑیوں کی طرف چل پڑے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد عزیز الدین خان صاحب کی کوٹھی میں عید کا سا سماں نظر آنے لگا۔ ملازم بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ تمام اہلِ خاندان جو آج بھی نواب صاحب کے ساتھ رہتے تھے خوش نظر آ رہے تھے۔ صرف سہیل میاں کی کمی تھی۔ وہ اِن کے درمیان موجود نہیں تھا۔ شائد کوٹھی میں ہی موجود نہ تھا۔

عزیز الدین خان کی نگاہیں بار بار اس کی تلاش میں اُٹھ جاتی تھیں۔ اور پھر ایک اُداس سی کیفیت اِن کی آنکھوں میں تیر جاتی۔ بھائی سے دنیا جہان کی باتیں ہو رہی تھیں۔ مرنے والی کے لئے تعزیت کی جا چکی تھی۔ نوشاب آنکھوں کا تارا بنی ہوئی تھی۔ غرض تمام سرگرمیاں جاری تھیں۔

" شام کی فلائٹ سے دو افراد آ رہے ہیں۔ ایک گاڑی بھیجنی

پڑے گی۔" تمیز الدین صاحب نے کہا۔

"پہنچ جائے گی۔کون لوگ ہیں۔"؟

"بھائی صفی الدین یاد ہیں آپ کو۔"؟

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔"

اِن کا تو انتقال ہو چکا ہے۔بھابی صاحبہ بھی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔ شفیع الدین صاحب انہی کے صاحبزادے ہیں۔مرحوم صفی الدین بھی زندگی بھر کوئی ڈھنگ کا کام نہ کر سکے صاحبزادے بھی انہی کے نقشِ قدم پر ہیں۔"

اوہ۔اچھا اچھا تمہارے پاس ہی رہتے ہوں گے۔"؟

"جی ہاں۔میں نے کسی کو بھی خود سے جُدا نہیں ہونے دیا۔"

"دوسرا کون ہے۔"

"پھوپھی نجمہ کی ایک صاحبزادی رضیہ تھیں۔"؟

"ہاں تھیں۔"

"ان کے بیٹے جہانگیر ہیں۔ وہ صاحبزادے بھی بس دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ افریقہ میں انہوں نے نوابی یادوں کو گلے لگائے رکھا ہے۔ اور عجوبہ بن گئے ہیں۔"

"خوب۔ تو یہ دونوں آرہے ہیں۔"؟

"جی ہاں۔ بہت پہلے مجھ سے وعدہ لے لیا تھا کہ اگر میں یہاں آیا تو انہیں بھی ساتھ لے چلوں گا بس میں نے وعدہ نبھایا ہے۔"

"اچھا کیا میاں۔ مگر ساتھ کیوں نہ لے آئے۔"؟ عزیز الدین صاحب نے پوچھا۔

"بس وہ۔ ذرا کچھ بے تکے ہیں۔ اس لئے میں نے ان کے ٹکٹ دوسری فلائٹ کے رکھے۔" تمیز الدین صاحب مسکراتے ہوئے بولے۔ اور پھر انہوں نے جیب سے دو تصویریں نکال کر نواب

صاحب کے سامنے کر دیں۔ نواب صاحب نے دونوں تصویریں دیکھیں اور پھر کھنکھار کر گلا صاف کرنے لگے۔ دو عجوبے ان کے سامنے تھے۔ ان کی آنکھوں سے عجیب سے تاثرات نظر آنے لگے۔ تمیزالدین خان کسی سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ پھر وہ چونک کر بولے۔

"ایک بات تو میں بھول ہی گیا بھائی صاحب۔"

"ہوں۔"

مجھے اپنے بھتیجے بھتیجیوں کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔"

"صرف۔ ایک بھتیجا ہے تمہارا۔ اور بس۔"

"اوہ۔ یہاں بھی یہی سلسلہ ہے۔ کہاں ہیں صاحبزادے ہم سے ملاقات نہیں ہوئی۔ وہ ائیر پورٹ نہیں آئے تھے۔"؟

"موجود نہیں ہیں۔ آجائیں گے۔"

”کیا نام ہے۔“؟

”سہیل۔نواب عزیزالدین خان کے لہجے میں زندگی نہیں تھی۔
جسے تمیزالدین صاحب نے بھی محسوس کرلیا۔لیکن کوئی سوال نہیں کیا
تھا۔

☆

مسز دُرانی پر جو گزری تھی اُس کا دل ہی جانتا تھا۔اس کی سمجھ میں کچھ
نہیں آیا تھا۔دیر تک وہ اور رخشندہ حیرت زدہ کھڑی رہیں تھیں۔پھر
دونوں یہ بیک وقت چونکیں۔رخشندہ باہر کی طرف لپکی تو مسز درانی
بھی اس کے پیچھے باہر آگئیں لیکن اس وقت تک وہ وہاں سے جا چکا
تھا۔

”ناممکن۔“مسز دُرانی بے اختیار بولیں۔اور رخشندہ بھی چونک
کرانہیں دیکھنے لگی۔

''کیا ناممکن۔''؟اِس نے پوچھا۔

''جو حرکت اس نے کی ہے۔''

''میں آپ سے متفق نہیں ہوں مسز درانی۔'' زخشندہ سرد لہجے میں بولی۔

''کیا مطلب۔''؟

''اگر آپ ماضی پر نگاہ ڈالیں تو اس واقع کی صداقت کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس کے عادات و اطوار، اس کے انداز۔ اس کے طور طریقے۔ ساری باتیں آج کے اس انکشاف کی تصدیق کرتی ہیں۔''

''ہوں۔'' مسز دُرانی غور کرنے لگیں۔ پھر انہوں نے تھکی تھکی آواز میں کہا۔'' آؤ۔ اندر آؤ۔ یہ سب کچھ میرے لئے غیر متوقع ہے۔ میں کافی پریشان ہوگئی ہوں۔''

''خود میرے خوابوں کے محل چکنا چور ہو گئے ہیں۔'' زخشندہ

غمناک لہجے میں بولی۔

''مجھے احساس ہے۔'' مسز درانی نے ہمدردی سے کہا۔

''اب کیا ہوگا مسز درانی۔''؟

''کچھ نہیں کیا ہو سکتا ہے تم بھی صبر کرو میں بھی صبر کرتی ہوں۔ واقعہ ایسا ہے کہ ہم اس بارے میں کسی سے کچھ کہہ بھی نہیں سکتے۔ ہماری اپنی پوزشن خراب ہوتی ہے۔''

''ہاں کسی سے کچھ کہنے سننے کا سوال ہی کیا ہے۔ میرے تو سر میں درد ہونے لگا ہے۔ کیا آپ مجھے ایک کپ کافی پلوا سکتی ہیں مسز دُرانی۔''؟

''ایں۔ ہاں۔ میں کہہ آتی ہوں۔'' مسز درانی نے کہا اور تھکے تھکے قدموں سے باہر نکل گئی۔ لیکن رخشندہ نے یہ چال کسی اور ہی خیال کے تحت چلی تھی۔ مسز دُرانی کا پرس اب بھی اسی جگہ رکھا ہوا تھا

جہاں پہلے موجود تھا۔ مسز دُرانی نے اسے پیش کش کی تھی کہ اگر وہ
چاہے تو ہاری ہوئی رقم واپس لے لے۔ مگر رخشندہ نے اس پیش کش کو
مسترد کر دیا تھا۔ لیکن یہ اِس وقت کی بات تھی۔ اب حالات بدل گئے
تھے اور وہ اس بڑے نقصان کو برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

جونہی مسز درانی باہر نکلی اِس نے پرس پر جھپٹا مارا اور اسے کھول
لیا۔ پرس میں بڑے نوٹوں کی کئی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں اس نے پچپن
ہزار چھ سو روپے گن کر نکالے اور انہیں اپنے پرس میں منتقل کر کے مسز
درانی کا پرس واپس اس کی جگہ رکھا۔

تھوڑی دیر کے بعد مسز درانی واپس آ گئیں۔ اندر آ کر وہ اُداس سی
بیٹھ گئیں۔ اور پھر دونوں سہیل کے بارے میں گفتگو کرتی رہیں۔ اس
دوران کافی آ گئی۔ اور پھر کافی کے بعد رخشندہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

''اجازت دیں مسز درانی۔''

''سوری رخشندہ۔ میرے جذبات اس وقت تم سے مختلف نہیں ہیں۔ میں حیران بھی ہوں اور رنجیدہ بھی۔ پھر ملاقات ہوگی۔'' مسز درانی نے کہا اور رخشندہ باہر نکل گئی۔ مسز درانی گہری سانس لے کر صوفے پر دراز ہوگئیں تھیں۔ جو کچھ ہوا غیر متوقع تھا۔ حالات اتنے مضحکہ خیز تھے کہ بے اختیار قہقہے لگانے کو دل چاہتا تھا۔ مسز درانی اس قسم کی عورت نہیں تھی کہ کسی خاص شخصیت کے لئے افسردہ ہو جائے۔ لیکن بس۔ اس کا پلان فیل ہو گیا تھا۔ اس نے اس نئے پروگرام پر کافی وقت ضائع کیا تھا۔ اسے بس اپنے انتخاب پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس احمق نوجوان کی شخصیت کا یہ پہلو کبھی اس کے ذہن میں نہیں آیا تھا۔ سوچتے سوچتے وہ ہنس پڑی۔

''رخشندہ بیگم اپنی زندگی کے اس انوکھے واقع کو پوری زندگی فراموش نہیں کرسکیں گی۔ عاشق مزاج خاتون۔ بے چاری اچھی

خاصی رقم اس چکر میں ہار گئی۔ لیکن تقدیر کی اچھی تھی اس کے بعد کی مصیبتوں سے بچ گئی۔

مسز درانی کا ماضی نامعلوم تھا۔ وہ اعلیٰ حلقوں میں اچانک متعارف ہوئی تھی۔ اعلیٰ طرزِ زندگی، خوبصورت کوٹھی، خوبصورت کار نے اسے اعلیٰ حلقوں میں اجنبی نہ رہنے دیا۔ البتہ کسی نے مسٹر درانی کے بارے میں جاننے کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی۔ مسٹر درانی نام کی ایک ڈمی ضرور موجود تھی جو کسی طور مسز درانی کی سطح کی شخصیت نہیں معلوم ہوتی تھی۔ لیکن بہر حال اسے مسز درانی تسلیم کر لیا گیا تھا۔ اصل شخصیت تو مسز درانی کی تھی۔

اور مسز درانی کی اصل شخصیت کیا تھی۔ یہ اس شہر کے چند لوگوں کو ہی معلوم تھا۔ وہ ایک خطرناک بلیک میلر تھی۔ اعلیٰ حلقوں کی چند کمزور دل خواتین اس کے شکنجے میں جکڑی ہوئی تھیں اور انہیں پھانسنے کے

لئے اس نے زبردست ہتھکنڈے استعمال کئے تھے۔ یہ خواتین بعض ایسی کمزوریوں کا شکار تھیں جو منظرِ عام پر آجائیں تو ان کی زندگی، خاندان، اور مستقبل تباہ ہو جاتا۔ اور ان تینوں چیزوں کو تباہی سے بچانے کے لئے وہ مسز درانی کو موٹی موٹی رقمیں ادا کرتی تھیں۔ مسز درانی کا نیا شکار رخشندہ تھی۔

بات دراصل دیکھنے والے کی آنکھ تھی۔ سہیل چند بار کلب آیا تو مسز درانی نے محسوس کیا کہ وہ بے شمار دلوں کی دھڑکن بن سکتا ہے۔ اپنی خصوصی صلاحیتوں اور پہچاننے والی فنکارانہ نگاہوں سے انہوں نے سہیل کے بارے میں اندازہ لگا لیا کہ وہ کس قسم کا نوجوان ہے۔ اورانہوں نے سہیل پر چھاپہ ماردیا۔

نتیجہ ان کی توقع کے خلاف نہ رہا۔ سہیل ان کے شکنجے میں آگیا۔ اور وہ انتظار کرنے لگیں کہ وہ اپنی اس ملکیت سے کیا فائدہ

اُٹھا سکتی ہیں۔ یہ مسئلہ بھی حل ہوگیا۔ رخشندہ ان کے پاس پہنچی اور انہوں نے فوری طور پر رخشندہ پر کام شروع کر دیا۔ یہ ان کی تکنیک تھی کہ انہوں نے حالات کا رُخ بدل دیا۔ اور ایک بہترین پروگرام پر عمل کرنے لگیں۔ آج کے اس پروگرام کے لئے انہوں نے پوری تیاریاں کر لی تھیں۔ بظاہر وہ خود بھی اس کھیل میں ملوث تھیں لیکن درحقیقت کھیل دوسرا ہی تھا۔

آج کے اس سارے پروگرام کی فوٹوگرافی کا معقول بندوبست تھا۔ اور جونہی کھیل شروع ہوتا کیمرے اپنا کام شروع کر دیتے۔ اس کے بعد رخشندہ کو وہ تصاویر ایک خط کے ساتھ ملتیں اور بلیک میلر اس سے اپنا معاوضہ طے کر لیتا۔ رخشندہ دوڑی ہوئی ان کے پاس آتی اور مسز درانی شدید پریشانی کے عالم میں اس کا استقبال کرتیں۔ اس کے کچھ بولنے سے قبل ہی مسز درانی اپنی تصاویر اس کے سامنے رکھ

دیتیں اور بلیک میلر کی کہانی اسے سناتیں۔ پھر دونوں ایک ہی کشتی کے سوار بن جاتے مسز درانی اسے مشورہ دیتیں کہ مستقبل، ماں باپ اور خاندان کی عزت بچانے کے لئے یہی بہتر ہے کہ بلیک میلر کے مطالبے پورے کئے جاتے رہیں اور بس ایک نئی آمدنی شروع ہو جاتی۔

"لیکن سارا پلان چوپٹ ہو گیا تھا۔ وہ کم بخت۔"

سہیل کی شخصیت کے اس پہلو پر وہ جوں جوں غور کرتیں، حیران ہو جاتیں۔ اس سے قبل بھی وہ بارہا یہاں آیا تھا۔ اسے خود سے قریب کرنے کے لئے مسز درانی نے کافی محنت کی تھی۔ لیکن وہ۔ سوچتے سوچتے دفعتاً وہ اُچھل پڑیں۔

سہیل شہر کی ایک بہت بڑی شخصیت کا بیٹا ہے۔ نواب عزیز الدین سند یافتہ دولت مندوں میں شمار ہوتے ہیں اور سہیل ان

کا اکلوتا بیٹا ہے۔ یہ بات کسی سے بھی نہیں سُنی گئی کہ اتنے بڑے آدمی
کا بیٹا ہیجڑا ہے۔ کیا والدین بھی اس سے لاعلم ہیں۔ یہ ناممکن ہے۔
ہاں یہ ممکن ہے کہ اب تک انہوں نے نہایت صفائی سے یہ بات
چھپائی ہو۔ اور۔ اگر وہ اس راز کو دنیا سے پوشیدہ رکھنا چاہتے ہیں۔
تو اس کے لئے انہیں ایک بھاری رقم ادا کرنا ہوگی۔ ویری گڈ۔ میں
اپنی اتنی محنت کو یوں رائیگاں تو نہ جانے دوں گی۔

مسز درانی کے چہرے کی افسردگی ختم ہوگئی۔ وہ مسرت بھرے
انداز میں اُٹھ گئیں۔ اور پھر انہوں نے کسی کام سے اپنا پرس کھولا۔
دفعتاً انہیں احساس ہوا کہ کوئی گڑبڑ ہے۔ اور انہوں نے اس گڑبڑ کی
چھان بین شروع کردی۔ فوراً ہی اندازہ ہوگیا کہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے۔

''واہ رخشندہ بی بی۔ گویا آپ خسارے سے نکل گئیں لیکن یہ
تو مناسب بات نہیں ہے آپ کو اس پروگرام سے نہیں نکلنا چاہیے۔

ٹھیک ہے آپ کے بارے میں نئے سرے سے سوچنا ہوگا۔ انہوں نے پرس بند کیا اور جھلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

وہ تینوں ششدر رہ گئے تھے۔ ماسٹر کو دیکھتے ہی ان کا دم نکل گیا تھا۔ یہ یقینی امر تھا کہ ماسٹر اب ان تینوں کو بدترین سزا دے گا۔ لیکن اس کے بعد جو حالات پیش آئے تھے انہوں نے ان کی عقل خبط کر دی تھی۔

نصیبو کا نام اس شہر کے جرائم پیشہ افراد میں اجنبی نہیں تھا۔ گو اس نام کو منظرِ عام پر آئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ لیکن آن کی آن میں اس کی دھاک بیٹھ گئی تھی۔ کئی معرے ہو چکے تھے اور بڑے بڑے بدمعاش اپنی حیثیت کھو بیٹھے تھے۔ لیکن کوئی بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا تھا کہ اس نے نصیبو کو دیکھا تھا۔ بس وہ ایک نام تھا جو جرائم

پیشہ افراد کے حلقے میں گردش کرنے لگا تھا اور جس نے اس نام سے انحراف کیا اس کی شامت آ گئی۔خود ماسٹر بہت خطرناک انسان تھا۔اور اپنے حلقے میں اس کی دھاک بندھی ہوئی تھی۔لیکن ایک دن وہ بھی نصیبو کو گالیاں دیتا ہوا پایا گیا۔اس نے اپنے گروہ کے درمیان بیٹھ کر یہ عزم کیا تھا کہ وہ بہت جلد نصیبو کی ناک کاٹ کر ان کے سامنے پیش کر دے گا۔

اور اِس دعویٰ کے ٹھیک ایک ہفتے کے بعد۔ایک دن اس کے تین آدمیوں نے اسے میونسپل کمیٹی کے ایک کچرا گھر میں سے نکالا تھا۔اس کی گردن میں جوتوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔وہ بے حد خوفزدہ تھا۔

اعتدال پر آنے میں اسے کئی دن لگ گئے۔لیکن اس نے گروہ کے آٹھوں افراد کے سامنے اعتراف کیا تھا کہ نصیبو بہت خطرناک

ہے اور اب وہ اس سے انحراف نہ کرے گا۔ اِس کے بعد اس نے نصیبو کے لئے کام شروع کر دیا اور گروہ کے لوگوں کی حالت بدل گئی۔ پہلے وہ چھوٹے چھوٹے جرائم کرتے تھے اور خطرناک حالات سے دو چار ہوتے ہوئے معمولی سے کمائی کر لیتے تھے لیکن اس کے بعد وہ صرف عیش کرنے لگے۔ دو چار بار ہی انہیں کچھ کاموں میں حصہ لینا پڑا تھا۔ اور معاوضہ۔ ان کے تصور سے باہر تھا۔

پھر وہ نصیبو کی غلامی کیوں نہ پسند کرتے۔ لیکن یہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ نصیبو کوئی ایسی عجیب و غریب چیز ہو سکتی ہے۔ عقل کام نہیں کرتی تھی۔ سب سے زیادہ شہباز کی حالت خراب تھی۔ اِسے گزرا ہوا وقت یاد آ رہا تھا۔ جب وہ اسے سڑک سے اپنی کار میں لے کر فلیٹ آیا تھا اور بس۔

تینوں کے چہرے اُترے ہوئے تھے۔ اس کمرے سے نکل کر وہ

دوسرے کمرے میں آ بیٹھے۔ ''میرے خیال میں ہم نے زندگی کی سب سے بڑی حماقت کی ہے۔'' شوکت نے کہا۔

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔ لیکن کسے معلوم تھا۔'' روشن بولا۔

''میں بس تمہاری دوستی میں ہی اس عذاب کا شکار ہوا ہوں۔ کاش میں ان معاملات میں ملوث نہ ہوتا۔''

''مجھے افسوس ہے شوکت۔'' شہباز نے کہا۔

''افسوس سے کوئی مسئلہ حل تو نہیں ہوتا ابھی ماسٹر واپس آئے گا اور اس کے بعد مجھے یقین ہے کہ ماسٹر ہمیں معاف نہ کرے گا۔ کوئی بات ہی نہیں تھی لیکن۔ اس کی بے عزتی بھی ہمارے سامنے ہی ہوئی ہے اور ہماری وجہ سے ہوئی ہے۔ وہ اسے فراموش نہیں کرے گا اور اس کا انتقام کیا رُخ اختیار کرے اس بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔'' شوکت نے کہا۔

''کوئی کام کی بات سوچو شوکت۔ ان باتوں سے کچھ حاصل نہیں ہو سکے گا۔'' روشن نے کہا۔

''کوئی خاص خیال ہے تمہارے ذہن میں۔''؟

''زندگی عزیز ہے۔''؟ روشن نے کہا۔

''کیوں نہیں۔''

''تب پھر میری ایک رائے ہے کہ اب اِس حسین زندگی کو چھوڑو دو۔ اِس شہر کو چھوڑ دو۔ جو کچھ پاس موجود ہے اس پر قناعت کرو۔ اور یہاں سے نکل چلو۔ زندگی ہے تو بہت کچھ کما لیں گے زندگی ہی نہ رہی تو ہماری کمائی بے کار ہے۔'' روشن نے کہا، اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ شہباز کی آنکھوں میں تاسف تھا۔ پھر اس نے گردن جھکا کر کہا۔

''میں اس بات کو کبھی فراموش نہ کر سکوں گا کہ یہ سب کچھ میری

وجہ سے ہوا ہے۔''

''جو ہو چکا ہے اسے بھول جاؤ۔ جو ہونے والا ہے اس کے بارے میں سوچو۔''

''تب پھر کیا پروگرام ہے۔'' شوکت نے کہا۔

''پہلے تو یہاں سے نکل چلو۔ اور کل یہ شہر چھوڑ دو۔ اگر ساتھ رہنا ہے تو پھر تینوں ایک ساتھ چلتے ہیں۔ ورنہ جیسے سب کی مرضی۔''

''ساتھ ہی رہیں گے۔'' شہباز بولا۔

''تو بھائیو۔ پھر انتظار کس بات کا ہے۔ ماسٹر آ گیا تو سارا پلان رکھا رہ جائے گا۔'' ! شوکت نے کہا۔ اور تینوں وہاں سے نکل جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ چوروں کی طرح نکل بھاگے۔

ڈھول پر پڑنے والی ہر تھاپ ماسٹر کے ذہن پر ہتھوڑے کی طرح پڑ رہی تھی۔ وہ شرابیوں کی طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ دونوں نے مار مار کر اسے ادھ موا کر دیا تھا۔ اور نصیبو بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔

مہ جبیں اور نازنین انسان نما بھوت تھے۔ لڑائی بھڑائی کے سارے گروں سے واقف۔ ماسٹر کے چاقو کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی تھی اور اسے مارتے رہے تھے۔ ماسٹر نے اپنی ساری ذہانت صرف کر دی۔ لیکن انتہائی پھرتی سے حملے کرنے کے باوجود وہ ایک بار بھی کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ اس کے برعکس ان دونوں نے مار مار کر اس کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اب اس کے سوا کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ وہ یہ چاقو اپنے سینے میں بھونک لے۔

جب اس کی سکت بھی نہ رہی تو وہ ایک دیوار سے ٹک کر ہانپنے لگا۔ اس کی آنکھیں نصیبو کی طرف اٹھ گئیں۔ پھر اس نے دونوں ہاتھ

اُٹھائے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ ”رُک جاؤ۔ خدا کے لئے رُک جاؤ۔ نصیبو میں تجھ سے رحم کی بھیک مانگتا ہوں۔ میں نے تیرے لئے بے شمار خدمات انجام دی ہیں میری ایک غلطی تو معاف نہیں کرسکتا۔ میں وعدہ کرتا ہوں نصیبو ان تینوں کو جان سے مار دوں گا۔ وہ کسی کو تیرے بارے میں بتانے کے لئے زندہ نہ رہیں گے۔ میرا وعدہ ہے نصیبو مجھے معاف کردے۔“

ڈھول کی آواز بند ہوگئی۔ ممکن ہے یہ ان دونوں کے لئے اشارہ ہو جو بڑی مضحکہ خیز حرکتیں کرکے ماسٹر کو مار رہے تھے۔ نصیبو کا چہرہ سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ پھر اس نے کہا۔ ”ٹھیک ہے لڑکیو اسے لے جاؤ اور حفاظت خانے میں ڈال دو کسی وقت کام آجائے گا سُسرا۔ اور رہی ان تینوں کی بات۔ تو بھیا اپنے ایسے کام ہم خود کرلیں گے۔ لے جاؤ ری لے جاؤ اللہ مارے کو تھک گیا ہوگا۔“

اس نے ڈھول سرکایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ مہ جبیں اور نازنین نے ماسٹر کو دونوں بازوؤں سے پکڑا اور اندرونی کمرے کی جانب گھسیٹنے لگیں۔ ماسٹر نے زندگی بچ جانا ہی غنیمت تصور کیا تھا۔

طیارے میں بھی وہ دونوں مسافروں کی نگاہوں کا مرکز بنے رہے تھے۔ دونوں ہی عجیب تھے۔ ان میں سے ایک تندرست و توانا اور دوسرا نازک اندام۔ تندرست و توانا نوجوان کے بدن پر سفید اچکن اور چوڑی دار پائجامہ تھا۔ سر پر دوپلّی ٹوپی لگی ہوئی تھی، گالوں میں گلوری دبی ہوئی تھی۔ ہوسٹس کو اس کے منہ بھرے سُرخ سیال کے بار بار اخراج کے سلسلے میں بڑی پریشانیاں اُٹھانی پڑی تھیں۔ پہلی بار تو وہ طیارے کے باتھ روم کے بیسن میں گلکاری کر آیا تھا لیکن اس کے نتائج بہتر نہیں ہوئے تھے۔ ایک برطانوی خاتون نے بیسن کو دیکھ

کر بڑی دہشت ناک چیخ ماری تھی اور بُری طرح غسل خانے سے نکل بھاگی تھیں اِن کی خون، خون کی گردان نے مسافروں کے ساتھ عملے کو بھی پریشان کر دیا تھا۔

سنسنی زدہ عملہ جب باتھ روم میں ان خاتون کے ساتھ داخل ہوا تو وہ بھی چکرا گیا لیکن تحقیق کے بعد حقیقت کھل گئی اور پتہ چلا کہ واش بیسن میں خون نہیں بلکہ پان کی پیک ہے۔ اِن حضرت سے منع کیا گیا تو انگریزی میں برس پڑے۔

"ہم نواب ہیں۔ یہ طیارہ چارٹرڈ کر سکتے ہیں۔ اُتار واے نیچے خالی کرادو، تمام مسافروں کو اُتار دو ہم پورا کرایہ ادا کر دیں گے۔ کیا سمجھا ہے تم لوگوں نے۔ میں کہتا ہوں اُتار واے میں ابھی ادائگی کر دوں گا۔ اور یہ چیز۔ تم بے وقوفوں کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ اِس سے شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کی شناخت ہوتی

ہے۔ ہمارے اسلاف کے رنگ عیاں ہوتے ہیں۔ ہمارے خون رنگ کارناموں کی امین ہے یہ چیز۔ میں کہتا ہوں اس پر اعتراض کیوں کیا گیا۔؟ وہ حضرت بُری طرح بپھر گئے تھے۔

مضبوط ہاتھ پاؤں کے پہلوان نما آدمی تھے۔ کسی نے ان کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی، اُلٹا عملے کو اس سے معافیاں مانگنی پڑیں۔ وہ تو مصر تھے کہ جہاز روکا جائے تاکہ وہ نیچے اُتر کر اس پر لعنت بھیج دیں۔ لیکن جہاز روکنے سے معذوری ظاہر کی گئی اور ائیر ہوسٹس نے انہیں پیک تھوکنے کے لئے بار بار پلاسٹک کی تھیلیاں فراہم کیں۔

دوسرا نوجوان پہلے سے بالکل مختلف تھا اس کے بال شانوں سے نیچے تھے۔ چہرہ داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا اور اس پر ایک غمناک سی کیفیت چھائی ہوئی تھی۔ وہ بار بار گردن اُٹھا کر اس طرح جہاز کے ماحول کو دیکھتا جیسے بھول گیا ہو کہ کہاں ہے۔ بہر حال اس کی یہ کیفیت

کسی کے لئے پریشانی کا باعث نہیں بنی۔ ہاں ایک بار جب ایئر ہوسٹس نے اُس سے جھک کر درخواست کی کہ اپنے ساتھ بیٹھے ہوئے شخص کو بار بار یہ غلیظ شے دکھانے سے روکے، تو اس نے غمزدہ انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"نہیں خاتون معاف کیجئے گا میں اس سلسلے میں کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ میں اس وقت نامکمل ہوں۔"

"نامکمل۔" ایئر ہوسٹس نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"ہاں۔ دلرُبا میرے پاس نہیں ہے۔ اور جب وہ میرے پاس نہیں ہوتی تو میں ادھورا ہوتا ہوں۔"

"اوہ۔ دلربا آپ کی محبوبہ ہوگی۔"

"اُسے صرف محبوبہ کہنا اس کی توہین ہے۔" وہ میری زندگی میری رُوح ہے جب اس کے تار فضاؤں میں نغمے بکھیرتے ہیں۔ تو میں

ست ہو جاتا ہوں یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سوتی ہوئی کائنات میں ابھی ابھی جان پڑی ہو۔ اور وہ جاگ اُٹھی ہو۔ اُس کے بغیر کائنات مجھے سونی محسوس ہوتی ہے۔ آپ لوگوں نے میرے ساتھ بڑا ظلم کیا ہے۔ دلربا کو مال خانے میں رکھوا دیا۔ حالانکہ اُس کی جگہ وہ نہیں تھی۔"

"دلربا کیا چیز ہے۔"؟

"میرا گٹار ...." اُس نے جواب دیا۔ اور ائیر ہوسٹس نے مسکراتے ہوئے گردن ہلائی۔

"خوب۔ خوب۔ تو آپ موسیقار ہیں۔"

"بے کار کی باتیں نہ کرو۔ ہوسٹس جاؤ مجھے غمزدہ رہنے دو۔"

"میں غم کی دنیا سے نکلنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میرا محبوب میرے سامنے ہے وہ اپنی نغمگی آواز سے میرے کانوں میں رس گھول رہی

ہے۔ مجھے یہ امرت پینے دو۔ خدا کے لئے چلی جاؤ۔'' اُس نے دونوں ہاتھ پھیلا کر کہا۔ اور ائیر ہوسٹس نے خود کو تماشہ بننے سے بچانے کے اصول پر عمل کرتے ہوئے وہاں سے رفو چکر ہونے میں ہی عافیت سمجھی۔ بہرصورت یہ دونوں مسافر بہت انوکھے اور بڑے ہی دلچسپ تھے اور جب طیارے سے رن وے پر اترے تب بھی یہ لوگوں کی نگاہوں کا مرکز بنے ہوئے تھے۔ دونوں ساتھ ہی چل رہے تھے۔ مغرب و مشرق کا یہ حسین امتزاج لوگوں کے لئے نا قابلِ توجہ تھا۔ وہ دلچسپی سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ کسٹم ہاؤس میں بھی انہیں عجیب نگاہوں سے دیکھا گیا۔ اُن کی شکلیں دیکھ کر لوگوں کو ہونٹوں پر مسکراہٹیں گہری ہو گئیں۔ کسٹمز وغیرہ سے فارغ ہو کر وہ دونوں ہونقوں کی طرح آنکھیں اور منہ پھاڑے ہوئے باہر نکلے تھے۔ تب ہی نواب عزیز الدین کی طرف سے بھیجے ہوئے ملازموں نے جن

کے پاس ان دونوں کی تصویریں موجود تھیں اُن کے پاس پہنچ کر انہیں آداب کیا۔ آداب کے جواب میں لمبے بالوں والا نازک اندام نوجوان تو منہ پھاڑے رہ گیا تھا۔ لیکن لکھنوی طرز کے صاحب دوہرے ہو کر لکھنوی انداز میں اُس آداب کا جواب دینے لگے۔ ملازم چونک کر سیدھے ہو گئے تھے۔ پھر ان کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹیں پھیل گئیں۔

''ہم آپ کو لینے آئے ہیں۔'' ان میں ایک نے کہا۔

'' اوہ ۔ اچھا ۔ اچھا ۔ لے چلو۔ لے چلو۔'' لمبے بالوں والا نوجوان فراخدلی سے بولا۔

''تشریف لائیے۔''

''کیا مطلب ۔یعنی ہم خود تشریف لے چلیں۔''

''تو اور حضور۔'' ملازموں نے پوچھا۔

"وہ میرا مطلب ہے تم کہہ رہے تھے نا۔ تم ہمیں لینے آئے ہو۔ تو کیسے لے جاؤ گے۔"؟

"گاڑی میں رکھ کر۔" ایک ملازم جو ذرا تیز و طرار تھا بولا۔

"اچھا۔ اچھا۔ تو پھر گاڑی تک ہمیں پیدل ہی جانا پڑے گا۔ مگر۔ سنو۔ ایک بات تو بتاؤ۔ یہاں ہمیں وصول کرنے کے لئے صرف تم ہی آئے ہو۔" اس بار لکھنوی طرز کے نوجوان نے پوچھا۔

"جی حضور۔"

"ہوں۔ تمہارا عہدہ کیا ہے۔" لکھنوی نوجوان کے چہرے پر کسی قدر کبیدگی کے آثار پھیل گئے۔

"جی۔ فی الحال تو کچھ نہیں ہے۔ اگر آپ دے دیں گے تو ٹھیک ہوگا ورنہ ہم تو صرف ملازم ہیں۔ یہ ڈرائیور ہے۔ اور میں گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف رہتا ہوں۔"

ٹھیک۔ ٹھیک تو یہ ہے ہماری اوقات۔ ہوں گفتگو ہوگی اس بارے میں ضرور گفتگو ہوگی۔"

"چلو بھائی۔ چلنا تو ہے ہی۔ یہاں سے ہم واپس بھی نہیں جاسکتے۔" لکھنوی نوجوان نے اپنے ساتھی سے کہا۔ اور وہ اس طرح آنکھیں پھاڑنے لگا جیسے ایئرپورٹ پر اپنی موجودگی ہی کو بھول گیا ہو۔ بہر صورت بمشکل تمام وہ دونوں گاڑی تک آئے۔ اور دیر تک اس کے گرد ناچتے رہے۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا۔ تو دونوں اندر داخل ہوگئے۔ ملازم ڈرائیور کے ساتھ ہی بیٹھ گیا تھا۔ اور کار ان دونوں عجوبوں کو لے کر نواب عزیز الدین کی کوٹھی کی طرف چل پڑی۔

شام ہوچکی تھی اور کوٹھی کے خوبصورت لان پر نئے مہمانوں کی آمد کی خوشی میں شام کی چائے کا بندوبست کیا گیا تھا۔ عموماً اس کوٹھی میں

ایسے ہنگامے اور چہل پہل کم ہی ہوا کرتی تھی۔ لیکن آج نواب عزیز الدین بہت خوش تھے۔ بھائی کے پاس سے ہٹنے کو جی ہی نہ چاہ رہا تھا۔ اور پھر نوشاب نے تو اور بھی حالات بدل دیئے تھے۔ ایک انگریز ماں کی اولاد ہونے کے باوجود وہ مشرقی تھی اسے دیکھ دیکھ کر یہاں سب ہی حیران تھے۔ اس کے گرد جھمکٹ لگ گیا تھا۔ اور نوشاب اتنے لوگوں کے درمیان ایسی لجائی ہوئی بیٹھی تھی جیسے نئی نویلی دلہن ہو۔

کار جب کوٹھی کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو تمام لوگوں کی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ گئیں اور نواب صاحب نے کھڑے ہو کر ہاتھ کا اشارہ کیا کہ کار پورچ میں جانے سے پہلے معزز مہمانوں کو وہیں لان کے نزدیک اُتار دے۔ ڈرائیور نے کار لان کے نزدیک اس جگہ روک دی جہاں سے ان لوگوں کا زیادہ فاصلہ نہیں تھا۔

اندر بیٹھے ہوئے دونوں احمق اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر باہر جھانکنے لگے جیسے کسی چڑیا گھر میں آ گئے ہوں۔ ڈرائیور نے نیچے اُتر کر دروازہ کھول دیا تھا۔ لیکن وہ دونوں باہر نہ نکلے۔ تبھی تمیز الدین کی دھاڑ سنائی دی۔

"اندر کیا کر رہے ہو تم لوگ۔ باہر کیوں نہیں آتے۔" اور وہ دونوں بدحواس ہو کر اس طرح باہر نکلے جیسے کار میں آگ لگ گئی ہو۔ دونوں ہی گرتے گرتے بچے تھے۔

پھر پہلوان نما شخص نے دوسرے نوجوان کو متوجہ کیا۔ "تت تم نے سنا۔ چھوٹے نواب صاحب ان کے درمیان موجود ہیں۔ غالباً یہی تمام لوگ ہمارے اہلِ خاندان ہیں۔ چلو سامان اُتار لیں۔"

لان پر بیٹھے ہوئے لوگوں کے ہونٹوں پر بے اختیار مسکراہٹ پھیل گئی۔ تمیز الدین خان انہیں غصیلی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

اسی وقت ڈرائیور نے کار آگے بڑھادی۔ وہ کار کو پورچ میں لے جارہا تھا۔ لیکن دونوں نوجوان اس کے آگے بڑھتے ہی اُچھل پڑے۔ لکھنوی طرز کے حضرت چیخے۔ ''پکڑ۔ لینا۔ چور۔ ڈاکو۔ بھاگو۔'' اس کے ساتھ ہی دونوں کار کے پیچھے سر پٹ دوڑ پڑے تھے۔

اور پھر جونہی ڈرائیور نے کار پورچ میں روکی انہوں نے اسے چھاپ لیا۔ لکھنوی پہلوان نے اس کا گریبان پکڑ کر اسے نیچے کھینچ لیا۔

''فراڈ۔ ڈکیتی۔ ہم سے۔ جہانگیر سے۔ ہیں۔'' انہوں نے ڈرائیور کی گردن پر گھونسہ جڑ دیا۔ اور یہ ضرب اس قدر زوردار تھی کہ ڈرائیور دور تک دوڑتا چلا گیا۔ اگر وہ ایک ستون کا سہارا نہ لیتا تو یقیناً اوندھے منہ زمین پر گرتا۔ دوسرے آدمی کو اس لمبے بالوں والے نے

سنبھال لیا تھا اور اُچھل اُچھل کر اس پر نازک گھونسے برسا رہا تھا۔ ساتھ ہی اس کے منہ سے سیٹی کی آوازیں خارج ہو رہی تھیں جن میں مشہورِ زمانہ دُھن ''محمد علی گریٹ سپر مین'' بجائی جا رہی تھی۔

''اب بولو بیٹے۔'' پہلوان نما لکھنوی نے دوبارہ ڈرائیور کو گریبان سے پکڑ لیا۔

''کیا ہوا۔ کیا بولوں صاحب۔ میری نکسیر پھوٹ گئی۔''

''میں تمہاری تقدیر بھی پھوڑ دوں گا۔ کیا سمجھتے ہو جہانگیر کو۔'' وہ اسے جھنجھوڑتے ہوئے بولے۔

''مگر میں نے کیا کیا ہے صاحب۔''؟ ڈرائیور بولا۔

''میرا سوٹ لے کر بھاگ رہے تھے۔''

''اور میری دلربا کو اغوا کر رہے تھے۔'' لمبے بالوں والا بولا۔

''کہاں جہنم میں جا رہے تھے صاحب۔ کوٹھی ہی میں تو۔''

"فراڈ۔ چار سو بیس۔ ماہر جرائم ہوں۔ چلو۔ سامان نکالو۔ چلو۔"

پہلوان صاحب نے اسے پھر دھکا دیا۔ اور ڈرائیور بے چارہ ڈکی پر آپڑا۔ گلوخلاصی کا ایک ہی طریقہ تھا وہ یہ کہ جلد سے ان کا سامان نکال کران کے منہ پر ماردیا جائے۔

انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پہلوان صاحب نے دونوں سوٹ کیس قبضے میں کئے اور لمبے بالوں والے نوجوان نے رنگین غلاف میں لپٹا ہوا گٹار۔ اور پھر اسے سینے سے لپٹائے ہوئے وہ لان کی طرف بڑھنے لگے جہاں تمام لوگ کرسیوں سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اوراس تماشے کودیکھ رہے تھے۔

عزیزالدین خان صاحب خاموشی سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ اور تمیزالدین کے چہرے پر شدید جھنجھلاہٹ تھی۔ وہ خونخوار نگاہوں سے ان دونوں کودیکھ رہے تھے۔

"شیکی ڈیئر۔" لکھنوی پہلوان بولے۔

"ہوں کیا بات ہے عالم پناہ۔"

"سب ہمارے استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے ہیں۔"

"صاحب ذوق ہیں فن کے قدر دان ہیں۔ تمیز الدین صاحب نے میرا مکمل تعارف کرا دیا ہوگا۔"

"لیکن ان کی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی ہیں۔" پہلوان بولے۔

"سوچ رہے ہوں گے کہ عظیم موسیقار کا ملازم بھی کتنا خوش نصیب ہے جسے اس کا ہر وقت قُرب حاصل ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟ پہلوان ایک دم رُک گئے۔

"مم۔ میرا مطلب ہے وہ لوگ سمجھ رہے ہوں گے۔ میں خود تھوڑ یہ سمجھ رہا ہوں۔" لمبے بالوں والے نوجوان نے کسی قدر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

''وہ کیوں سمجھ رہے ہوں گے۔'' پہلوان صاحب غرائے۔

''اس لئے کہ تم۔ تم میرا سامان بھی اُٹھائے ہوئے ہو۔'' لمبے بالوں والا بولا۔

پہلوان صاحب نے دونوں سوٹ کیس دور پھینک دیئے۔

''میں خود تھوڑی سوچ رہا ہوں یہ بات۔ میں تو ان لوگوں کی بات کر رہا ہوں جو ایک پسماندہ ملک کے پسماندہ شہری ہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ شہنشاہ جہانگیر کس حیثیت کا مالک ہے۔'' لمبے بالوں والے نوجوان نے معذرت آمیز انداز میں کہا۔

''بکواس مت کرو اپنا سوٹ کیس اُٹھاؤ اور آگے بڑھو۔''

''مجھ سے نہیں اُٹھے گا پیارے بھائی۔'' دبلا پتلا نوجوان گڑگڑاتے ہوئے بولا۔

''نہیں اُٹھے گا تو لائے کیوں تھے۔''؟

”تمہارے بھروسے پر لایا تھا۔ خدا کے لئے ان سب لوگوں کے سامنے میری بے عزتی نہ کراؤ۔ اسے اٹھا کر لے چلو۔“ لمبے بالوں والے نوجوان نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ پہلوان صاحب اکڑتے ہوئے آگے بڑھے اور دونوں سوٹ کیس اُٹھا لئے۔ لان میں کھڑے ہوئے لوگوں کے حلق میں قہقہے مچل رہے تھے۔ جو کچھ دور سے دیکھا تھا۔ وہی اتنا تھا کہ قریب آنے پر صحیح اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ البتہ تمیز الدین خان صاحب کے تن بدن میں آگ لگ گئی تھی۔ ان دونوں نے یہاں بھی انہیں تماشہ بنا کے رکھ دیا تھا۔ بمشکل تمام وہ دونوں لان تک پہنچے۔ تمیز الدین آگے بڑھ آئے۔

”تو آمرے تم دونوں۔“ انہوں نے غصیلے لہجے میں کہا۔

”جی۔ جی ہاں۔ جی ہاں چھوٹے نواب صاحب۔۔۔“ لمبے بالوں والا نوجوان رکوع کے انداز میں دو تین بار جھک کر بولا۔

"سیدھے کھڑے ہو۔" تمیز الدین خان صاحب دہاڑے۔ اور وہ دونوں سیدھے کھڑے ہوگئے۔

"یہ سامان کیوں اٹھالائے ہو۔"؟

جی۔ جی پھر کہاں لے جانا تھا اسے"

"دیکھو۔ میں نے تم لوگوں کو پہلے بھی سمجھایا تھا۔ کہ اگر تم اپنے ہوش و حواس پر قابو رکھ سکتے ہو تو میرے پیچھے پیچھے آؤ، ورنہ کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن یہاں بھی تم میری زندگی حرام کرنے آپہنچے۔"

"نہیں۔ نہیں چھوٹے نواب صاحب۔ نہیں۔ ہم ...." وہ دونوں بوکھلائے ہوئے انداز میں ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔ پھر نواب عزیز الدین خان ہی آگے بڑھے۔

"سامان رکھ دو بیٹے۔ یہ گھر ہے یہاں سے سامان کوئی نہیں لے

جائے گا۔"

"نہیں لے جائے گا۔ دونوں بیک وقت خوش ہو کر بولے۔

"آؤ۔" نواب عزیز الدین دونوں کے شانوں پر ہاتھ رکھ کر لان کے اس حصے کی طرف بڑھ گئے جہاں میزیں اور کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ ان کے پیچھے ایک جم غفیر آ رہا تھا۔ تمام لوگ ان دونوں احمقوں کو دیکھ رہے تھے اور ہنس رہے تھے۔ نواب صاحب نے انہیں بیٹھنے کی پیش کش کی اور وہ دونوں اس طرح بیٹھ گئے جیسے کسی غلط جگہ آ پھنسے ہوں۔

"یہ تمہارا اپنا خاندان ہے۔ اپنے لوگ ہیں۔ آرام سے بیٹھو تو میں تمہارا تعارف ان سے کراؤں۔"

"اچھا اچھا۔" پہلوان صاحب نے گردن ہلائی۔ تمیز الدین صاحب اب بھی غصے سے کھڑے ہوئے نتھنے پھلا رہے تھے۔ نواب

عزیزالدین نے انہیں ٹھنڈا کرتے ہوئے کہا۔

"فکر کی ضرورت نہیں ہے تمیزالدین میاں۔بیٹھو۔سب ٹھیک ہو جائے گا۔سب لوگ بھی بیٹھ جائیں۔کیوں کھڑے ہو گئے سب کے سب۔چلو پہلے چائے کا دور ہو جائے۔پھر ان لوگوں سے تعارف ہو گا۔اس دوران یہ لوگ خود کو سنبھال بھی لیں گے۔" نواب صاحب نے معاملہ برابر کرنے کی کوشش کی۔وہ ان دونوں کے بارے میں سمجھ گئے تھے کہ اپر چیمبر بالکل خالی ہے۔ملازموں کو چائے لگانے کی ہدایت دے دی گئیں۔اور تھوڑی دیر بعد سب چیزیں سلیقے سے رکھ کر سب کو چائے پیش کردی گئی۔ان دونوں کو بھی چائے پیش کی گئی۔جسے ان دونوں نے نہایت ہی بے صبری سے اُٹھا کر اپنے حلق میں اُنڈیل لیا۔چائے سے ساتھ دوسرے لوازمات بھی تھے۔جس کے لئے ان دونوں کے نزدیک بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے انہیں

متوجہ کیا۔ کاجو کی ایک پلیٹ ان کی جانب بڑھائی گئی تو پہلوان صاحب نے پوری پلیٹ لے کر کاجو کھانے شروع کر دیئے۔ لوگوں کے چہروں پر مسکراہٹیں ہی مسکراہٹیں رقصاں تھیں۔ نوجوانوں نے سوچا تھا کہ چلو ایک دلچسپ تفریح ہاتھ آئی ہے۔ لیکن تمیز الدین خان صاحب خاصے نروس نظر آرہے تھے۔ انہوں نے عزیز الدین صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔

"یہ دونوں۔ یہ دونوں خبط الحواس ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔ کوئی بات نہیں۔ تم کیوں پریشان ہو۔"

"بس میں یہ سوچ رہا ہوں کہ یہ دونوں یہاں بھی گندگی پھیلائیں گے۔ حالانکہ میں نے انہیں منع کیا تھا۔ آپ یقین کریں میں انہیں نجانے کس طرح برداشت کر رہا ہوں۔ ان کی حرکتیں اس قابل نہیں ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ رکھا جائے۔ لیکن پھوپھی جان اور بھائی صفی

الدین کا خیال ہے۔"

"میں نے کہا نا۔ کوئی بات نہیں ہے۔ تھوڑے سے معصوم ہیں اس میں حرج بھی کیا ہے۔"

"معصوم۔ تھوڑے سے معصوم۔" نواب تمیز الدین صاحب نے گہری سانس لے کر کہا۔

"اچھا۔ اچھا۔ تم چائے پیئو۔ ان کے بارے میں باتیں بعد میں ہوں گی۔"

"میرے خیال میں بھائی صاحب پہلے انہیں ان کی رہائش گاہ بھیج دیا جائے۔ ورنہ یہ اسی طرح ہونق بنے رہیں گے۔ تعارف وغیرہ کا سلسلہ بعد میں ہو جائے گا۔ انہیں ذرا تھوڑی دیر سکون لینے دیا جائے۔ اس دوران میں انہیں سمجھا دوں گا۔"

"تم۔" نواب صاحب ہنس پڑے۔ "میں جانتا ہوں تم انہیں

کیسے سمجھاؤ گے۔ میرا خیال ہے جوتے سے۔ یا اس بھی آگے بات بڑھ جاتی ہے۔" نواب عزیز الدین نے کہا اور تمیز الدین مسکرانے لگے۔

"خیر۔ نہیں تو یہ اسی قابل کہ ہر وقت ان پر جوتے برسائے جاتے رہیں مگر ظاہر ہے کہ بڑے ہو گئے ہیں۔ میں ان کے ساتھ یہ سلوک نہیں کرتا۔ لیکن سمجھا دوں گا انہیں۔"

"تمہیں ضرورت نہیں ہے میں خود ہی سمجھا لوں گا۔ تم نے جس طرح ان کے ساتھ لان میں سلوک کیا ہے وہ اس سے اور بدحواس ہو گئے ہوں گے۔ کیا مزہ آئے گا انہیں یہاں آ کر اگر تمہاری ڈانٹ ڈپٹ یہاں بھی جاری رہی۔" نواب عزیز الدین نے کہا۔

وہ دونوں ان بزرگوں کی گفتگو سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھے اور نوجوان اِن سے خوب لطف اندوز ہو رہے تھے۔

تواضع کے طور پر جو ڈش ان کی طرف بڑھائی جاتی وہ اس وقت تک واپس نہ ہوتی جب تک صاف نہ ہو جاتی۔ نوجوانوں کی مسکراہٹوں سے بے نیاز وہ اپنے کام میں مصروف رہے۔

مسز دُرانی نے ان دو دنوں میں نواب عزیز الدین صاحب کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں۔ یہ ان کا طریقہ کار تھا۔ پہلے وہ اپنے شکار پر ریسرچ کرتی تھیں اِس کی شخصیت، مالی حیثیت اور ذہنی حیثیت کے بارے میں مکمل ریکارڈ فراہم کرتی تھیں اور اس کے بعد فیصلہ کرتی تھیں کہ آسامی کیسی ہے۔

نواب عزیز الدین کے بارے میں پوری تفصیل انہیں حاصل ہو گئی تھی۔ وہ خاندانی نواب تھے سرحد پار کر کے نواب نہیں بن گئے تھے کاروباری امور میں بے حد ذہین تھے اور ایک ذہین شخص آسانی

سے قابو میں نہیں آتا۔

سہیل کے بارے میں کبھی یہ بات نہیں سُنی گئی تھی کہ وہ ابنارمل ہے۔ لیکن یہ ناممکن تھا کہ نواب صاحب اس امر سے آگاہ نہ ہوں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ ان کی کمزوری ہے۔

لیکن ایک ذہین کاروباری شخص کو مسلسل بلیک میل نہیں کیا جا سکتا پہلی ہی کوشش میں اس سے جو کچھ حاصل ہو جائے ٹھیک ہے ورنہ بعد میں سنبھل کر وہ بے حد خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ اگر نواب عزیزالدین خان جال میں پھنس جائیں تو ان سے کتنی رقم طلب کی جا سکتی ہے کم از کم دس لاکھ سودا پانچ لاکھ پر بھی طے ہو سکتا ہے بس دس سے کم نہیں اور یہ فیصلہ مناسب تھا۔ مسز درانی نے نواب صاحب سے گفتگو کا پورا اسکرپٹ تیار کر لیا۔ اور اب وہ اپنے اس نئے شکار پر کام کرنے کے لئے تیار تھیں۔

اسکرپٹ لے کر وہ اپنی کوٹھی کے اُس کمرے میں داخل ہو گئیں جہاں ایک خفیہ تجوری میں ان کا خزانہ موجود تھا۔ یہ خزانہ وہ بلیک میلنگ اسٹنٹ تھا جس کے ذریعے وہ اپنے شکاروں کو قابو میں رکھتی تھیں۔ اب نواب عزیزالدین نئے شکار تھے۔ اور وہ پوری توجہ سے شکار کو ذبح کرنا چاہتی تھیں۔

کمرے کا دروازہ بند کر کے انہوں نے روشنی کر دی اور پھر اس دیوار کی طرف بڑھ گئیں جہاں تجوری موجود تھی۔ ایک بٹن دبانے سے ہلکی سی آواز کے ساتھ دیوار کا ایک حصہ پھٹ گیا۔ اور اس کے پیچھے ایک کشادہ خلاء نمودار ہو گیا۔ لیکن دفعتاً مسز دُرانی کے ہونٹوں کی پُرسکون مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ اِن کا دل اتنی زور سے دھڑکا کہ انہیں خود کو سنبھالنا مشکل ہو گیا۔

تجوری خالی تھی۔ وہ دستاویزات۔ تصاویر اور دوسری چیزیں

وہاں موجود نہ تھیں جو اِن کا سرمایہ تھیں تمام فائل غائب تھے اور تجوری کے عین درمیان ایک سُنہری انگوٹھی جگمگا رہی تھی جس میں دو ننّھے ننّھے ہیرے چمک رہے تھے۔

انہوں نے بے اختیار انگوٹھی اُٹھا لی اور پھر اِن کے منہ سے سانپ کی سی پھنکار نکلی۔ "سہیل۔"

ہاں۔ یہ انگوٹھی اُن کی اپنی تھی۔ اُنہوں نے ریمبو کلب میں یہ انگوٹھی سہیل کو اپنی اُنگلی سے اُتار کر دی تھی۔ وہ قبول کرتے ہوئے شرمایا تو انہوں نے زبردستی اِسے اِس کی چھوٹی انگلی میں پہنا دیا تھا اور کہا تھا۔ "یہ تمہارے قابل تو نہیں سہیل لیکن اِسے کسی غریب کا تحفہ سمجھ کر قبول کرلو۔"

اور اِس وقت یہ تحفہ اِن کے سامنے تھا۔

لیکن نا قابلِ یقین بات تھی سہیل جس قدر معصوم تھا اور جتنا بے

ضرر نظر آتا تھا اگر اُس نے یہ حرکت کی ہے تو انتہائی حیرت کی بات ہے مسز درانی اس احساس کو کسی طور پر قبول نہیں کر سکتی تھیں کوئی بات بھی ان کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی لیکن یہ بھی حقیقت تھی کہ صرف سہیل تھا جو ان دنوں اِن کی کوٹھی میں آتا رہا تھا انہوں نے ملازموں کو ہدایت کردی تھی کہ اگر سہیل ان کی غیر موجودگی میں بھی ان کی کوٹھی میں آئے تو اسے نہ روکا جائے۔ دراصل وہ اسے اس قدر اعتماد دینا چاہتی تھیں کہ وہ اس کوٹھی سے اجنبیت کا تصور ختم کر دے۔ کیونکہ انہوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سہیل اپنی شخصیت کی وجہ سے ان کے لئے ایک نہایت منافع بخش مہرہ ثابت ہو سکتا ہے۔ وہ خود ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا اِس لئے دوسری کوئی ترکیب کارگر نہیں ہو سکتی۔ یعنی اسے اگر دولت وغیرہ کا لالچ دیا جائے یا ایسی تفریحات کی پیشکشیں کی جائیں جو ایک دولت مند باپ کا بیٹا کر سکتا ہے۔ ظاہر ہے وہ اس

کے لئے قابلِ قبول نہ ہوتیں، ہاں صرف ایک اعتماد ایسی بات تھی جس
سے وہ ان کی مکمل تحویل میں آ سکتا تھا اور اب اس انگوٹھی کی موجودگی
سے یہ بات ظاہر ہوگئی تھی کہ سہیل اِس تجوری تک بھی پہنچ چکا ہے لیکن
تجوری کے کاغذات اور تمام دستاویزات جو اُن کی زندگی کا سب سے
قیمتی سرمایہ تھیں اور جن کے حصول کے لئے نجانے انہوں نے کیا کیا
تھا۔ سہیل کے قبضہ میں چلی گئیں تھیں۔ یہ بات انہیں ابھی تک ہضم
نہیں ہو رہی تھی کہ سہیل کسی خاص مقصد کے تحت اِن تک پہنچا تھا۔
کیسے یقین کر لیتیں۔ اُنہوں نے تو خود اس کے حصول کے لئے انتھک
کوششیں کی تھیں اور اسے قابو میں لانے کے لئے نجانے کیا کیا جتن
کئے تھے۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ سہیل نے ایسا کیوں کیا رہا
دوسرا معاملہ یعنی اگر اس سے ہٹ وہ یہ کر سوچتیں کہ سہیل کی اُنگلی میں
پڑی ہوئی انگوٹھی کسی نے حاصل کر لی ہے اور اس طرح اُس نے اِن

کی توجہ تبیل کی جانب مبذول کرانے کی کوشش کی ہے تو وہ شخصیت کون ہو سکتی ہے جسے اس قدر معلومات حاصل ہوں۔ تجوری تک پہنچنا آسان کام نہیں تھا۔ پھر۔ پھر۔ وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر پیچھے ہٹ گئیں اور ایک دیوار سے ٹک گئیں۔ اتنا صدمہ، اتنا غم زندگی میں انہیں کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اس صدمہ کو برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔ بہت دیر تک ان کا سر چکراتا رہا اور وہ کوئی فیصلہ کرنے سے قاصر رہیں۔ لیکن بہر صورت باہمت خاتون تھیں اور مجرمانہ زندگی نے انہیں کچھ خاص قوتیں بخش دی تھیں اِس زندگی میں داخل ہونے سے پہلے وہ جو کچھ تھیں یہ ایک طویل کہانی ہے لیکن اب وہ ایک ٹھوس اور مکمل مجرم تھیں چنانچہ اپنی خصوصی قوتوں سے کام لے کر انہوں نے خود کو سنبھالا اور تجوری بند کر کے اِس کمرے سے نکل آئیں ان کے قدم لڑکھڑا رہے تھے دل ہول رہا تھا لیکن اپنے آپ پر قابو پانا تھا۔

اِن معاملات میں وہ تنہا تھیں۔ تنہا ہی انہیں سارے مسائل سے نمٹنا تھا۔ یہ بات تو معلوم ہو کہ آخر یہ بات کیا ہے۔ کیا سہیل ہی اس مجرمانہ کاروائی کا محرک ہے یا اس کی آڑ لے کر کسی دوسرے نے یہ چکر چلایا ہے۔ وہ اپنے کمرے میں آ کر اپنا سر پکڑ کر بیٹھ گئیں خیالات تھے کہ اُمڈے چلے آ رہے تھے۔ انہوں نے ایک عزم کیا اور خود کو ان معاملات سے نپٹنے کے لئے تیار کر لیا۔ ٹیلی فون کے نزدیک بیٹھ کر انہوں نے ریڈیو کلب کا نمبر گھمایا۔ چند ساعت کے بعد دوسری طرف سے رابطہ قائم ہو گیا۔

"ہیلو ریڈیو کلب۔"

"جی۔ ہاں۔" آپریٹر بول رہی ہے۔"

"مس۔ میں آپ کو ایک زحمت دینا چاہتی ہوں ریفریشمنٹ ہال سے کسی کو بُلا کر پوچھیں کہ مسٹر سہیل ہال میں موجود ہیں۔ میں مسز

ڈرانی بول رہی ہوں۔"

"بہتر خاتون۔ میں ابھی معلوم کئے دیتی ہوں۔" آپریٹر نے جواب دیا اور چند ساعت کے لئے خاموشی چھا گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد آپریٹر کی آواز سنائی دی۔ "جی ہاں مسٹر سہیل موجود ہیں۔"

"اوہ۔ شکریہ۔ بس مجھے یہی معلوم کرنا تھا۔" مسز درانی نے ٹیلی فون رکھ دیا۔ اور برق رفتاری سے اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ ہلکا پھلکا میک اپ کیا، لباس تبدیل کیا اور چند لمحات کے بعد ان کی کار تیزی سے ریمبو کلب کی طرف رواں دواں تھی پرس میں پستول رکھنا نہیں بھولی تھیں۔ اس وقت حالات ایسے نہ تھے کہ وہ آسانی سے اپنا کام انجام دے لیتیں۔ کار ریمبو کے پارکنگ لاٹ میں جا کھڑی ہوئی اور مسز درانی پرس جھلائی ہوئی خود کو پُر سکون رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے آگے بڑھ گئیں۔ چند ساعت میں وہ ہال میں داخل ہو رہی

تھیں۔ سہیل کے پاس اس وقت دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں جو خاصی خوب صورت تھیں اور ہنس ہنس کر اس سے باتیں کر رہی تھیں۔ وہ اس کے پاس پہنچی تو سہیل کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔

''وہ۔آپ۔آپ۔ معاف کیجئے گا مس۔ میری آنٹی آ گئی ہیں۔'' اس نے خاصے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا اور مسز درانی کا چہرہ دھواں ہو گیا۔ لڑکیاں اِن کی واقف کار تھیں اور اِن کی شخصیت سے اچھی طرح واقف تھیں۔ انہیں معلوم تھا کہ مسز درانی ایک شکاری خاتون ہیں اور خوبصورت نوجوان ان کی کمزوری ہیں ایک ایسا نوجوان جس کے بارے میں مسز درانی آج سے پہلے بُری طرح اتراتی رہی تھیں وہ انہیں آنٹی کہہ دے تو ان کی کیا کیفیت ہو گی اس بات کا اندازہ وہی لگا سکتی تھیں، لڑکیوں کے سامنے اِن کی زبردست سُبکی ہوئی تھی۔ اندر سے وہ کھل گئیں لیکن گھاگ خاتون تھیں یہ

برداشت کر گئیں اور ہونٹوں پر زبردستی مسکراہٹ لا کر بولیں۔

''مصروف ہو سہیل۔''

''جی، جی نہیں۔'' اس نے جواب دیا۔

''مجھے تم سے کچھ کام ہے۔'' انہوں نے کہا۔

''یہیں آنٹی۔ یا کہیں اور چلوں۔'' سہیل نے پوچھا۔

''بہتر ہوگا یہاں سے اُٹھ جاؤ۔'' مسز درانی خود پر قابو پانے کی انتہائی کوشش کر رہی تھیں۔ سہیل ان لڑکیوں سے معذرت کر کے اُٹھ گیا۔ مسز درانی کی ذہنی کیفیت اس قدر خراب تھی کہ وہ ہال میں نہ رُکیں اور اسے ساتھ لئے ہوئے باہر نکل آئیں۔

''مجھے تم سے کچھ گفتگو کرنا ہے آؤ کار میں چلیں، کہیں اور بیٹھ کر باتیں کریں گے۔''

''جو حُکم۔'' سہیل نے سعادت مندی سے کہا۔ اور مسز درانی اس

کے ساتھ کار میں آ بیٹھیں۔

کار اسٹارٹ کر کے انہوں نے سڑک پر نکال لی۔ شدید ہیجان سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اور کار کی رفتار خود بخود تیز ہوتی جا رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد انہیں احساس ہوا کہ اِس تیز رفتاری پر پولیس ان کی جانب متوجہ ہو سکتی ہے چنانچہ اُنہوں نے رفتار سُست کر دی۔ اور گردن گھما کر سہیل کا چہرہ دیکھا اور اس چہرہ پر بے خوفی اور لاپرواہی کے تاثرات دیکھ کر انہیں سخت مایوسی ہوئی اور اس کے ساتھ ہی یہ اندازہ بھی کہ سہیل کافی گہرائی میں ہے۔

پھر انہیں تاج محل کا بورڈ نظر آیا اور انہوں نے کار اسی چھوٹے سے ریسٹورنٹ کے سامنے روک دی۔ پُرسکون ائیر کنڈیشنڈ ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر انہیں اپنی ذہنی جلن میں کچھ کمی محسوس ہوئی۔ سہیل خاموش ان کے سامنے بیٹھا تھا۔ چہرہ پر وہی معصومانہ حماقت

رقصاں تھی جو اس کی دلکشی میں بے پناہ اضافہ کر دیتی تھی۔ لیکن اس وقت یہ صورت انہیں زہر لگ رہی تھی۔ اُنہوں نے خونخوار نگاہوں سے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔

"میں تم سے اُسی شام کی حرکت کے بارے میں پوچھنا چاہتی ہوں کیا شراب پی کر تمہارا دماغ ایسے ہی اُلٹ جاتا ہے۔"

"نہیں۔ مسز درانی شراب مجھ پر بے اثر ہے۔" سہیل نے بدلے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔ اس کے لہجہ میں ذرا بھی معصومیت نہ تھی۔ مسز درانی نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسی بدلے ہوئے انداز پر انہیں حیرت ہوئی تھی۔

"کیوں کیا تم بہت زیادہ پیتے رہے ہو۔"؟

"ہاں میں نے اپنے غم کو اس سیال نشے میں ڈبونے کی بہت کوشش کی لیکن یہ میرے درد کا مداوا نہ بن سکی۔"

"تمہارا درد۔"؟

"ہاں۔ اور آپ اس سے واقف ہیں۔"

"میں نہیں سمجھ سکی سہیل۔"

"اس سے زیادہ میں آپ کو بتا نہ سکوں گا۔" اس نے لاپرائی سے منہ بنا کر کہا۔ اور مسز درانی چند ساعت اسے خاموشی سے دیکھتی رہیں پھر بولیں۔

"کلب میں تم نے مجھے آنٹی کہہ کر پکارا تھا آخر کیوں۔ لوگ تو تمہیں میرے محبوب کی حیثیت سے جانتے تھے۔"

"محبوب کی حقیقت تو آپ پر کھل چکی ہے مسز درانی۔" وہ تلخ لہجے میں بولا۔

"میں نہیں مانتی کہ تم فریبی ہو۔"؟

"ممکن ہے۔" اس نے لاپرواہی سے شانے ہلائے۔ اور مسز

درانی کو پھر خاموشی اختیار کرنا پڑی۔اس کے بعد وہ اصل موضوع پر آ گئیں۔

''میں نے تمہیں ایک انگوٹھی دی تھی۔''

''ہاں۔''

''وہ آپ کو واپس مل گئی ہو گی۔''

''کیا مطلب۔''؟مسز درانی سرسراتی ہوئی آواز میں بولیں۔

''مجھے یقین ہے مسز درانی کہ آپ کا تحفہ آپ کو خالی تجوری میں مل گیا ہو گا۔''سہیل نے بے جگری سے کہا۔اور مسز درانی کے دل میں ہول اُٹھنے لگا۔

وہ شدید غصے کے عالم میں بولیں۔

''اور تجوری میں رکھے ہوئے کاغذات۔''؟

''وہ میری تحویل میں ہیں۔''

''کیوں۔''؟

''اس لئے مسز درانی کہ اب مجھے ان کی ضرورت تھی۔ آپ نے بلیک میلنگ کے لئے ایسی شخصیتوں کو بھی منتخب کرلیا تھا جو اس قابل نہ تھیں۔ اِن کی امانتیں ابھی واپس لوٹانی ہیں۔ اور اب آپ کے باقی شکار میرے شکار رہوں گے۔''

''تت.... تو کیا تم بھی.....''؟ مسز درانی حیرت زدہ لہجے میں بولیں۔

''ہاں مسز درانی۔ آج کے بعد آپ کو میری ماتحتی میں کام کرنا ہو گا۔ اور اس سے انحراف آپ کی موت کا باعث بن جائے گا۔'' سہیل کا لہجہ اس قدر سفاک تھا کہ مسز درانی کانپ کر رہ گئیں۔ اس احمق نوجوان کا یہ روپ ان کے لئے بے حد بھیانک تھا۔

مسز درانی پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھیں۔ اِن کے کانوں میں سہیل کے الفاظ گونج رہے تھے۔ گزرے ہوئے واقعات انہیں یاد آرہے تھے۔ جب اپنی دانست میں سہیل کو وہ اپنے شکنجے میں جکڑ رہی تھیں۔ اس پر اعتماد قائم کرنے کے لئے انہوں نے سہیل کو اپنی کوٹھی میں آنے جانے کی پوری آزادی دے دی تھی۔ وہ ان کی غیر موجودگی میں بھی بے جھجک اِن کی کوٹھی میں آجا تا تھا۔ اورانہوں نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ سہیل جس وقت بھی آئے اُس کی پذیرائی کی جائے۔

لیکن اُس کا نتیجہ کیا نکلا تھا ایسے غیر متوقع حالات سے واسطہ پڑا تھا۔ کہ وہ ششدر رہ گئی تھیں۔ کافی دیر تک وہ گم صُم بیٹھی رہیں۔ پھر انہوں نے سنبھالا لیا۔ یہ نوعمر چھوکرا ہاتھ کی صفائی دکھا کر اس پر قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ وہ ایک تجربہ کار خاتون تھیں اور یہ

حیثیت قائم کرنے کے لئے انہیں بہت کچھ کرنا پڑا تھا۔ اتنا کچھ کہ عام لوگوں کے تصور سے باہر تھا۔ اور اس سارے کئے دھرے کو وہ اس طرح خاک میں ملتے دیکھنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ انہوں نے سوچا، سہیل ابھی نوعمر ہو۔

چنانچہ اُن کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اور وہ کسی قدر مخمور لہجے میں بولیں۔ ''تمہاری اس نئی شخصیت اور تمہارے اس روپ نے تو مجھے مسحور کر دیا ہے سہیل۔ لیکن مجھے حیرت ہے تمہیں ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔''

''ضرورت۔'' سہیل نے پُرخیال انداز میں کہا۔ ''بعض اوقات انسان خود بھی نہیں جانتا مادام کہ اس کی ضرورتیں کیا کیا ہیں۔''

''مگر تم تو ایک بڑے باپ کے بیٹے ہو۔''

''لوگ یہی کہتے ہیں لیکن وہ بہت بڑا باپ میری بنیادی

ضرورتیں بھی پوری نہیں کر سکا تمہیں میرے قلاش ہونے کا تجربہ ہے مسز درانی۔"

"میں نہیں سمجھی۔"؟

"بس مسز درانی۔ اپنے ماتحتوں سے میں اس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہوتا۔" سہیل کا لہجہ پھر خشک ہو گیا۔ اور مسز درانی استہزائیہ انداز میں ہنس پڑی۔

"ماتحت۔" اس نے حقارت سے کہا۔ اور سہیل اپنی خوب صورت اور معصوم آنکھیں اُٹھا کر اسے دیکھنے لگا۔

"میرے کچھ اصول ہیں مسز درانی۔ جن لوگوں کو میں اپنے لئے چُن لیتا ہوں اُنہیں بہر طور میرے احکامات قبول کرنے ہوتے ہیں۔ اور عدم تعاون کی صورت میں انہیں مختلف سزائیں ملتی ہیں۔ یہ سزائیں فوری طور پر موت کی سزائیں نہیں ہوتیں۔ لیکن ان کا دلچسپ

پہلو یہ ہے کہ انسان موت کی آرزو کرنے لگتا ہے۔"

"لیکن جانِ من مجھے ان لوگوں میں شمار نہ کرو۔ تم اتنے حسین ہو کہ میں تو ساری عمر تمہاری ماتحتی میں گزارنا پسند کروں گی۔ اِس دن تم پر شرارت سوار ہو گئی تھی۔ میرا خیال ہے اس لڑکی رخشندہ کی وجہ سے۔"؟

"نہیں مسز درانی۔ وہ ایک حقیقت تھی۔ رہی رخشندہ کی بات تو مجھے معلوم تھا مسز درانی کہ آپ کیا کھیل کھیل رہی ہیں۔"

"فضول۔ بکواس۔" مسز درانی نے کہا۔ لیکن دوسرے لمحے ایک چٹاخ کی آواز اُبھری اور مسز درانی کا ایک کان سُن ہو کر رہ گیا۔ وہ ساکت رہ گئی تھی گال پر پڑنے والا ہاتھ اتنا زوردار تھا کہ چند لمحات کے لئے ان کے سوچنے سمجھنے کی قوتیں مفلوج ہو کر رہ گئی تھیں۔

"میں تم سے کہہ چکا ہوں مسز درانی کہ میں اپنے ماتحتوں کی بد

تمیزی کبھی برداشت نہیں کرسکتا۔ تمہیں جملے بولتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ہے۔'' سہیل کی غراہٹ اُبھری اور مسز درانی ایک دم چونک پڑی۔ اُس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ کھڑی ہوگئی اور ایک خوف ناک غراہٹ کے ساتھ اس نے سہیل پر حملہ کردیا۔ لیکن اس کے لمبے ناخن سہیل کے چہرے تک نہیں پہنچ سکے تھے۔ سہیل پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا۔ قُرب وجوار میں بیٹھے ہوئے لوگوں نے شاید اس تھپڑ کی آواز تو نہیں سنی تھی۔ لیکن مسز درانی کی غراہٹ اور اس کے بعد ایک وحشیانہ چیخ انہوں نے ضرور سنی تھی۔ لیکن مسز درانی کو وہ چونک کر دیکھنے لگے تھے۔ مسز درانی پلٹ کر جھکی اور اس نے ایک کرسی اُٹھالی۔ اور پھر یہ کرسی اُس نے پوری قوت سے سہیل پر دے ماری۔ لیکن ظاہر ہے کرسی دوسری خالی کرسی پر پڑی کیونکہ سہیل تو ایک جانب ہٹ گیا تھا۔ اتنی طاقت سے مسز درانی نے

یہ کرسی ماری تھی کہ دوسری کرسی کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ تاج محل کے کئی بیرے اِس جانب متوجہ ہو گئے تھے۔ خود کاؤنٹر مینیجر بھی اپنی جگہ سے نکل کر آگے آ گیا۔ مسز درانی پر وحشت کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ اس نے درمیان میں رکھی میز اُلٹ دی اور سہیل اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اِس کے حلق سے خوفزدہ آوازیں نکل رہی تھیں۔

''بچاؤ۔ بچاؤ۔''

''یہ پاگل ہو گئی ہے۔''

''کتے ۔ دیوانے ۔ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔'' مسز درانی دانت پیس کر سہیل کی طرف لپکی۔ اور جونہی اس نے سہیل پر جھپٹا مارا وہ نیچے بیٹھ گیا۔ اور مسز درانی ایک ویٹر پر جا پڑی تھیں۔ وہ ویٹر کے ساتھ زمین پر ڈھیر ہو گئی۔

وہ اونچی ہیل کی خوشنما چپل پہنے ہوئے تھی جس سے پھسلنے میں

بے حد آسانی ہوئی۔ اور اس کے پاؤں میں موچ آ گئی نیچے دبا ہوا ویٹر خوفزدہ انداز میں چیخنے لگا تھا۔ اور سہیل کھڑا ہوا چلا رہا تھا۔

"دورہ پڑا ہے۔ پاگل پن کا دورہ پڑا ہے۔ شاید یہ خاتون نشے میں ہیں اِس کے منہ سے شراب کی بد بو آ رہی ہے۔ سونگھو تو سہی۔ اچانک ہی۔ اچانک ہی۔" وہ بڑے معصومانہ انداز میں کہہ رہا تھا۔ شکل ہی ایسی تھی کہ ہر کوئی یقین کر لے۔ دوسرے لمحے ہوٹل کے ویٹر دوڑ پڑے اور انہوں نے مسز درانی کو پکڑ لیا۔

"دیکھو۔ دیکھو کوئی تکلیف نہ ہونے پائے انہیں۔ نشے کی حالت میں ایسی حرکتیں کر رہی ہیں۔ ویسے بہت مہذب خاتون ہیں۔ یہ مسز درانی کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک بہت بڑی خاتون ہیں۔ براہِ کرم۔ براہِ کرم۔"؟ سہیل نے مسز درانی کو عقب سے سنبھالنے کی کوشش کی۔ لیکن اس میں ایک چال تھی۔

اُس کا حلیہ بگڑ کر رہ گیا تھا۔ بال بکھر گئے تھے صورت دیکھنے کے قابل تھی۔ لباس بے ترتیب ہو گیا تھا۔ چپل پاؤں سے اُتر کر دور جا پڑی تھی۔ اِس وحشیانہ غصے نے اُن کا بُرا حال کر دیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔ سہیل معصومیت سے لوگوں کو صورتحال بتا رہا تھا اور جو کچھ وہ بتا رہا تھا مسز درانی کو وہ سن کر اپنے ذہن کو قابو کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"کوئی خاص بات ہی معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ یہ خاتون تو خاصی مہذب ہیں۔ اکثر ریٹبو کلب میں نظر آتی ہیں اور بڑے بڑے لوگوں سے ان کی دوستی ہے۔ لیکن یہ جتنے بڑے لوگ ہیں سب ایسے ہی کردار کے مالک ہیں۔ بظاہر بڑے لیکن اندر سے نہایت چھوٹے۔ نشہ کر کے سڑکوں پر اودھم مچاتے رہتے ہیں۔ دیکھو تو سہی ہوٹل کا کتنا

نقصان کر دیا۔ میرا خیال ہے جناب آپ انہیں پولیس اسٹیشن لے جایئے۔ بہتر رہے گا۔ ورنہ اس کے بغیر آپ کے نقصانات پورے نہ ہوسکیں گے۔"

"لیکن یہ آپ کے ساتھ تھیں۔"؟ کاونٹر مینیجر نے سہیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں تو بس یہاں بیٹھا تھا۔ یہ آ گئیں اور مجھ سے عجیب عجیب سی باتیں کرنے لگیں۔ 'تم بے حد خوبصورت ہو۔ کیا میرے ساتھ کچھ وقت گزارنا پسند کرو گے۔ میں طالب علم ہوں جناب بس یہاں آ بیٹھا تھا اور ان خاتون کی باتیں سن سن کر شرما رہا تھا۔ توبہ توبہ کیسی شرمناک گفتگو تھی ان کی۔ میں کیا کروں۔ دراصل کچھ کہا نہیں جا سکتا۔"

"ذلیل۔ کتے۔ میں تجھے دیکھ لوں گی۔ اچھی طرح دیکھ لوں گی۔" مسز درانی دانت پیستے ہوئے بولی۔

''دیکھا دیکھا آپ لوگوں نے۔ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ کیسا زمانہ اُلٹ گیا۔ پہلے بد کردار مرد شریف خواتین کے پیچھے پیچھے دوڑے پھرتے تھے اور اُن کی زندگی حرام کر دی تھی۔ لیکن یہ جدید دور۔ کیا خیال ہے آپ کا بزرگوار۔'' اُس نے ایک بوڑھے ویٹر کی طرف رُخ کر کے کہا۔ اور بوڑھا ویٹر کانوں کو ہاتھ لگانے لگا۔

''لاحول ولاقوۃ۔ پر صاحب ہم کیا کریں۔ ہم ایسے بہت سے کھیل دیکھتے رہتے ہیں اور زبان بند رکھتے ہیں صاحب۔ یہ بڑے لوگوں کے کھیل ہی ایسے ہوتے ہیں۔ آپ جائیے۔ خوامخواہ حرج کر رہے ہیں اپنی تعلیم کا۔ ایسے ہوٹلوں میں ایسی خواتین کے ساتھ مت بیٹھا کریں۔'' بزرگوار ویٹر نے اپنے آپ کو بزرگوار سن کر واقعی نصیحتیں شروع کر دیں۔

''تم چپ رہو گے یا میں تمہاری بھی خبر لوں۔'' مسز درانی اس کی

طرف رُخ کرتے ہوئے بولیں۔

”جی نہیں بی بی۔ آپ میری خبر نہ لیں۔ اپنی طرف دیکھیں۔“

ویٹر یہ کہتا ہوا دوسری طرف چل دیا۔ اور مسز درانی اپنا حلیہ درست کرنے لگیں۔ پرس اُٹھایا۔ چپل تلاش کی اور واپسی کے لئے مڑیں۔ تو کاؤنٹر مینجر اِن کے سامنے آگیا۔

”بی بی ساری باتیں اپنی جگہ۔ یا تو آپ ہمارا نقصان پورا کر دیں۔ ورنہ پولیس اسٹیشن چلیں۔“ مسز درانی نے خونخوار نگاہوں سے مینجر کو گھورا اور بے دردی سے پرس زِپ کھینچی اور اُس سے کچھ بڑے نوٹ نکال کر کاؤنٹر مینجر کے منہ پر دے مارے۔

”میں تم سب کو۔ تم سب کو....“ اُس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ غصے کی شدت سے اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔ سہیل ایک کونے میں سمٹ گیا تھا۔ مسز درانی کی نگاہ اس پر نہیں پڑی۔ وہ

شاید یہی سمجھی تھی کہ سہیل شاید باہر نکل گیا۔ وہ بھی باہر نکل آئی۔ تب ہی ایک آدمی اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ یہ ہوٹل میں بیٹھے ہوئے افراد میں سے ایک تھا۔

''انتہائی بدتمیز اور منہ پھٹ آدمی تھا وہ۔'' اُس شخص نے مسز درانی کے شانے کے قریب منہ کرتے ہوئے کہا۔ اور وہ چونک کر پلٹی۔ خونی نگاہوں سے اس شخص کو دیکھا اور دہاڑی۔

''یہاں سے دور چلے جاؤ۔''

''اوہ۔ اوہو مسز درانی میں تو آپ کے مداحوں میں سے ایک ہوں۔ اخبار گرین روز کا نمائندہ۔ کئی بڑی بڑی تقاریب میں آپ سے ملاقات ہو چکی ہے۔ معاف کیجئے! میں آپ کی دل شکنی کرنے نہیں بلکہ دل دوزی کرنے آیا ہوں۔''

''جا رہے ہو یہاں سے۔ یا جوتا اُتاروں پاؤں سے۔''

''مسز درانی۔ مسز درانی۔ براہِ کرم تہذیب و اخلاق کو ہاتھ سے مت جانے دیں آپ واقعی نشے میں معلوم ہوتی ہیں۔ میں ایک اخباری رپورٹر ہوں محترمہ۔ کسی خیراتی ادارے کا منشی نہیں۔ بہر صورت کل صبح گرین روز ضرور ملاحظہ فرمایئے۔ میں کوشش کروں گا کہ دوسرے اخبارات کو بھی یہ دلچسپ خبر مل جائے۔'' اُس شخص نے کہا اور ایک طرف چل پڑا۔ اور مسز درانی سکتے کے عالم میں کھڑی رہ گئیں تھیں۔ مصیبتوں کے اتنے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے اُس پر کہ وہ بدحواس ہوگئی تھی۔

ایک لمحے کے لئے وہ ساکت رہ گئی تھی اور پھر وحشت زدہ لہجے میں بولی۔

'' سنو۔ سنو بات سنو پلیز۔ مسٹر پلیز۔ بات تو سنو۔'' اور وہ اخباری نمائندہ رُک گیا۔

”یہاں میرے قریب آؤ۔“

”چپل اُتار لیں گی آپ۔“

”نہیں۔نہیں بات سنو۔ویری سوری۔مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔
لیکن تم حالات کا اندازہ کر رہے ہو۔وہ کم بخت۔اِس کم بخت نے۔“
مسز درانی اپنے اوپر قابو پانے کی کوشش کرنے لگیں۔وہ اخباری
نمائندہ قریب آگیا۔

”جی۔جی۔آپ مجھے بتایئے کیا ہوا تھا۔واقعہ کیا ہوا تھا۔“

”دیکھو پلیز۔واقعہ جو بھی تھا۔وہ ایسا نہیں ہے کہ اخبار میں
آئے۔تم اگر مجھ سے تعاون کرو تو فائدے میں رہو گے۔“

”خیر فائدے اور نقصان کی تو ہم پراہ نہیں کرتے،لیکن ایک معزز
خاتون ہونے کی وجہ سے میں آپ سے تعاون کر سکتا ہوں۔حالانکہ
آپ میری بھی بے عزتی کر چکی ہیں۔“

''میں اس کے لئے آپ سے معافی چاہتی ہوں۔ براہِ کرم مجھے میری کار تک پہنچا دو۔'' مسز درانی نے کہا اور اخباری نمائندہ گردن جھکائے اُس کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔

''اصل واقعہ کیا ہوا تھا۔ مسز درانی۔'' اُس نے پھر پوچھا۔

''کسی وقت میری کوٹھی پر آجانا۔ میں تم سے وہاں تفصیلی بات چیت کروں گی۔ اس وقت کچھ نہ پوچھو۔ ظاہر ہے میں اُلٹے سیدھے ہی جواب دوں گی۔ تم خود سوچو اگر کسی شخص کی ایسی کیفیت ہو جائے تو وہ کیا سوچے گا۔''

''بہت بہتر۔ میں حاضر ہو جاؤں گا۔'' نمائندے نے مسز درانی کو اِن کی کار تک پہنچا دیا تھا۔ مسز درانی نجانے کس طرح اپنی کار میں بیٹھی تھیں اور کار اسٹارٹ ہو کر آگے بڑھ گئی۔

افریقہ سے برآمد شدہ دونوں عجوبوں کے لئے عمدہ رہائش گاہ کا
بندوبست کر دیا گیا تھا۔ تمیز الدین کے آنے سے ان کے بھائی
عزیز الدین اور خاندان کے دوسرے لوگوں کو جس قدر خوشی تھی اُس
سے زیادہ مسرت کوٹھی میں موجود اُن نوجوانوں کو تھی جو یہیں رہتے
تھے جو آپس میں عزیز۔۔۔اور رشتہ دار تھے۔ یہ دونوں عجوبے ان کے
لئے انتہائی دلچسپی کا سامان بن گئے تھے۔ اِن دلچسپیوں کی ابتداء تو
اُس شام سے ہوگئی تھی۔ جب لان پر چائے پی جارہی تھی اور وہ آپہنچے
تھے۔ ایسے ہنگامہ خیز لمحات گزرے کہ نوجوان پیٹ پکڑ پکڑ کر رہ گئے۔
دونوں کے دونوں عجیب وغریب چیز تھے۔ اگر ان کا شمار عجائبات عالم
سے کرلیا جاتا تو کوئی غلط بات نہ تھی۔ جہانگیر عالم پناہ گزرے ہوئے
نوابی دور کی یادگار تھے۔ اور شفیع الدین شیکی موجودہ نسل کے
نمائندے۔ ایک عظیم موسیقار جنہیں اپنی دلربا کے سوا کچھ یاد نہیں

رہتا تھا۔ چائے کے دوران بھی وہ کئی بار دلربا پر جھپکے تھے۔

بس موسیقی کے بارے میں گفتگو نکل آئی تھی اور پھر ایسے میں اتنے بڑے موسیقار سے کیسے برداشت ہوتا۔ اگر نواب تمیزالدین خان کی ڈانٹ ڈپٹ ساتھ نہ رہتی تو شاید دلربا تھیلے سے نکل ہی آتی۔ لیکن نواب تمیزالدین خان نے اُسے غلاف سے نہ نکلنے دیا۔ انہوں نے انتہائی سخت الفاظ میں دونوں کو تنبیہ کی کہ اگر انہوں نے یہاں بھی اپنی بدتمیزی جاری رکھی تو دوسرے ہی دن ان کی واپسی کا ٹکٹ کٹا دیا جائے گا۔ اور یہ دھمکی خاصی کارگر ثابت ہوئی تھی۔ دونوں بُجھ گئے۔ پھر جب چائے ختم ہوگئی اور یہ دونوں کھلونے نوجوانوں کے ہاتھ لگے۔ بزرگوں سے نجات مل گئی تو قہقہوں کا وہ دور چلا کہ نوجوان مسکرانے لگے۔

"نہیں بھائی جان ان دونوں کی حرکتوں سے میں بہت زیادہ

خوفزدہ رہتا ہوں۔ اگر رشتہ داری کا خوف نہ ہوتا تو شاید میں انہیں ایک لمحہ بھی برداشت نہ کرسکتا۔ آپ تو جانتے ہیں کہ جو مقامی عزیز میرے پاس نیروبی میں ہیں وہ مجھے کتنے عزیز ہیں۔ میں انہیں کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتا۔ اس لئے سب کچھ برداشت کرتا رہتا ہوں۔''

''تو یہاں بھی برداشت کرو بھئی۔ ہمیں تو بچوں کی شرارتیں ذرا بھی بُری نہیں لگتیں۔ ظاہر ہے باہر کے پروردہ ہیں جو دیکھا ہوگا وہ اپنا لیا ہوگا۔ اِس کے باوجود مجھے یہ جہانگیر بہت بہتر نظر آتا ہے۔ بڑی صاف اردو بول لیتا ہے۔ اور ہماری قدروں کا قدردان معلوم ہوتا ہے۔''

''ڈھونگیا ہے پورا ڈھونگیا۔ بس اپنی انفرادیت قائم رکھنے کا خواہاں رہتا ہے۔ دو ہی شوق ہیں اس کم بخت کو۔ کھاتا ہے اور پہلوانی

کرنے لگتا ہے یا پھر شعر و شاعری کرنے لگتا ہے۔ ساری حرکتیں موجود ہیں اس کے اندر۔" نواب تمیز الدین نے کہا اور ہنستے ہوئے وہاں سے چلے گئے۔

لڑکیاں اور لڑکے دونوں حضرات کو تلاش کر رہے تھے جو لڑائی جھگڑا چھوڑ کر جان بچانے کے چکر میں رفو چکر ہو گئے تھے۔ صفدر نے نوید کو اشارہ کیا۔ اور وہ اِن دونوں کو دیکھنے مہندی کی باڑ کے پیچھے گیا۔ مگر ان دونوں کا وہاں کوئی پتہ نہیں تھا۔ وہ موقع کا اندازہ کر کے غائب ہو گئے تھے ان کی تلاش سے مایوس ہو کر سب لڑکے اور لڑکیاں ایک جگہ جمع ہو گئے۔ رشیدہ صفدر سے کہہ رہی تھی۔

"خدا کی قسم صفدر نایاب چیزیں ہاتھ آئی ہیں۔ مجھے تو صرف اس بات کا احساس ہو رہا ہے کہ بالآخر ایک دن یہ دونوں چلے جائیں گے۔ میرا بس چلے تو انہیں حنوط کر کے کسی میوزیم میں رکھ دوں۔"

''ہیں تو دونوں میوزیم میں رکھنے کے قابل۔ لیکن ایک بات بتاؤ رشیدہ۔''

''یہ دونوں واقعی اتنے بے وقوف ہیں یا بنتے ہیں۔''

''یہ بات تو اللہ جانے۔ مگر جو کچھ بھی ہیں۔ ہیں خوب۔ ان کے بارے میں ذرا معلومات کرنی پڑے گی کہ اندر سے کیا ہیں۔''

''بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی۔ ویسے ایک خیال بار بار میرے ذہن میں آتا ہے اس کا تصور کرکے میری کیفیت عجیب ہو جاتی ہے۔'' صفدر بولا۔

''وہ کیا۔'' ؟ رشیدہ نے پوچھا۔

''اگر ان کی ملاقات سہیل بھیا سے ہوئی تو کیسا رہے گا۔'' صفدر بولا۔ اور تمام لوگوں کے چہرے سُرخ ہو گئے تھے اور ایک بار پھر ہنسی کا طوفان بہہ نکلا۔

”خدا کی قسم مزہ آ جائے گا۔ سہیل بھیا سے بھڑا دو انہیں ایک بار۔“

”وہ تو بھڑیں گے ہی۔ ابھی تک ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ظاہر ہے اس کوٹھی میں ہیں تو ملاقات تو ہو گی ہی۔“

”لیکن سہیل ہے کہاں۔“؟ کسی نے پوچھا۔

”اللہ جانے۔ اِن کے پروگرام کسی کو معلوم ہوتے ہوں تو بتایا جائے۔“

”بہرحال آؤ۔ انہیں تلاش کریں ایسی نایاب چیزوں سے دوری مناسب نہیں ہوتی۔ اور یہ غول و بیابانی پھر ان مسخروں کی تلاش میں نکل گیا۔

کار آندھی اور طوفان کی طرح کوٹھی میں داخل ہوئی۔ مسز درانی

کے تن بدن میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اُس کے ذہن میں شعلے بھڑک رہے تھے۔ جو کچھ ہوا اس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ بہت سی باتیں ایک ساتھ ہو گئی تھیں۔ اِن کاغذات کی گم شدگی ہی کیا ایک کم سانحہ تھی۔ جن کے ذریعے وہ اپنی حیثیت برقرار رکھے ہوئے تھی۔ اور اِن سے اِسے ایک معقول رقم ملتی تھی۔ اب یہ کاغذات ایک دوسرے شخص کے قبضے میں تھے۔ سہیل کے بارے میں جب بھی سوچنے لگتی اِس پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹنے لگتے۔ لیکن اِس کی نئی شخصیت جو سامنے آئی تھی اِس نے مسز درانی کو دنگ کر دیا تھا اور اس کے بعد سہیل نے مسز درانی کی جو بے عزتی کی تھی مسز درانی جیسی عورت اسے قیامت تک معاف نہیں کر سکتی تھی۔ یہ کل کا لونڈا حد سے آگے بڑھ گیا تھا اگر وہ بلیک میلر بھی تھا۔ اگر وہ ذہین شخص بھی تھا تو اس کی کم از کم یہ جرأت نہیں ہونی چاہئے تھی کہ وہ مسز درانی جیسی عورت پر ہاتھ اُٹھا لیتا۔ اور

اس کے بعد اس نے اسے بے عزت کرنے کی جو کاروائی کی تھی وہ اس کی زندگی کی بدترین کاروائی تھی اس نے بڑی عجیب زندگی گزاری تھی اور اس زندگی میں اُسے بڑے بڑے حادثوں سے دوچار ہونا پڑا تھا۔لیکن ایسا حادثہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا۔اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ساری کائنات کو ادھیڑ کر پھینک دے۔اِن سب کو قتل کر دیتی جو اِس کے سامنے آتے۔لیکن اس کے بس میں نہیں تھا۔وہ بس سہیل کے بارے میں سوچ رہی تھی۔سہیل ہر بار اُس کا ذہن یہی الفاظ دہرا رہا تھا۔اور ہر بار اُس کے ذہن میں شیشے کی کرچیاں چُبھ رہی تھیں۔اندر آ کر وہ بستر پر گر پڑی۔حلیہ جیسا بھی ہو رہا تھا مگر اِس قابل نہ تھا کہ ملازم اُسے دیکھ کر حیرت کا اظہار نہ کرتے۔وہ سخت گیر تھی اس لئے کسی ملازم کو اس کے قریب پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی۔کافی دیر تک وہ آنکھیں بند کئے لیٹی رہی۔اور پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''غلام ۔'' وہ حلق پھاڑ کر دھاڑی۔ اور ایک ملازم اندر کمرے میں داخل ہو گیا اُس کے بدن میں نمایاں لرزشیں تھیں۔

''ٹھنڈا پانی۔ بالکل یخ۔'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

اور ملازم دوڑا چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پانی پیش کر دیا تھا۔

''اور لاؤں۔'' مسز درانی نے پورا گلاس ایک سانس میں خالی کر دیا۔ اور ملازم مزید پانی لینے دوڑ گیا۔ پانی کا دوسرا گلاس پینے کے بعد مسز درانی کو کسی قدر سکون ہوا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تکیئے میں منہ گھسیڑ کر لیٹ گئی۔ ذہن چیخ رہا تھا۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا کسی کروٹ سکون نہیں مل رہا تھا۔ بس ایک شکل ذہن میں آ رہی جا رہی تھی اور اِسے اِس شکل سے شدید نفرت ہو رہی تھی۔

''یہ ہوا کیسے۔ کیونکر ہوا۔ سہیل کی شخصیت تو ایسی نہیں تھی کہ وہ اسے زندگی کی سب سے بڑی چوٹ دے جاتا۔ اور اگر اعلیٰ حلقوں

میں یہ کہانی پہنچ جائے تو۔"

دوسروں کو بلیک میل کرنے والی آج خود خوف کا شکار ہو رہی تھی۔ اور اسے کسی کل چین نہیں مل رہا تھا۔ بہت سے منصوبے اس کے ذہن میں بن رہے تھے لیکن اس کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔ سہیل کا تھپڑ اسے یاد تھا اور اس کے بعد سہیل نے صورتِ حال ہی بدل دی تھی۔ اس نے مسز درانی کی شخصیت سے پورا پورا فائدہ اُٹھایا تھا اور اسے ذلیل کر دیا تھا۔

"سہیل۔" وہ دانت بھینچ کر غرائی اور اسی وقت فون کی گھنٹی بج اُٹھی۔ یہ گھنٹی اسے شدید ناگوار گزری تھی۔ اس نے دوسری طرف رُخ بدل لیا لیکن فون کرنے والے نے بھی ریسیور نہیں رکھا۔ اور گھنٹی بجتی رہی۔

"اوہ۔" مسز درانی غرائی۔ ایک جھٹکے سے اُٹھ کر اس نے ریسیور

اٹھالیا۔خیال تو یہ تھا کہ اسے نیچے پٹخ دے گی لیکن نجانے کیوں اس نے اسے کان سے لگالیا۔ ''ہیلو۔'' وہ آواز سنبھال کر بولی۔

''اے ہماری طرف سے کئی بار ہیلو۔ بلکہ ہیلو ہی ہیلو۔کیسی ہو بوا۔ اے مزاج تو اچھے ہیں۔''؟ دوسری طرف سے سہیل کی منحوس آواز سنائی دی اور مسز درانی کا حلق بند ہو گیا۔ غصے کی شدت سے اس کی آنکھیں اُبل پڑی تھیں۔

''صدمہ تھوک دو بی بی۔ ہمارا تو یہی مشورہ ہے۔ غصے میں بس خون جلتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ بات کرو۔ ہم سے بات کرو۔''

مسز درانی گہرے گہرے سانس لیتی رہی۔ پھر اس نے نجانے کس طرح خود کو پرسکون کیا اور بولی۔

''سہیل تم نے جو کچھ کیا ہے اس کا خمیازہ بھگتو گے۔ سمجھے۔ تم مجھے نہیں جانتے سہیل لیکن۔ لیکن بہت جلد جان جاؤ گے۔''

''اے ہم تو بھگتتے ہی رہتے ہیں بی بی۔ اپنا کیا بھی بھگتتے ہیں اور ماں باپ کا کیا بھی بھگت رہے ہیں، ذرا سوچو تو سہی ہمارے ساتھ ہوا کیا۔ ماں نے کہا تھا بیٹا پیدا ہو۔ باپ بولے بیٹی پیدا ہو۔ اور پیدا ہو گئے ہم۔ بی بی یہ تو سوچو کہ ان کا کیا بھی بھگت رہے ہیں اور اپنا کیا بھی بھگتیں گے۔ تم اپنی کہو تم تو ایک ہی ہو۔ ہم تو دو، دو ہیں۔'' سہیل بولا۔

''میں کہتی ہوں سہیل کوئی بات کرنی ہے تو سلیقے سے کرو۔ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے اسے زندگی بھر معاف نہیں کر سکتی۔'' مسز درانی نے کہا۔

''ہم تو یہی چاہیں ہیں بی بی کہ کوئی ہماری گردن مروڑ کر پھینک دے۔ اے اس دنیا میں جینے سے فائدہ ہی کیا۔ سوچو تو سہی کیا کیا گزرے گی ہم پر،

بھلا بتاؤ تو سہی، یہ بھی کوئی زندگی ہے اور اس زندگی سے بدلہ لینے
کا یہی طریقہ تھا جو ہماری سمجھ میں آیا کہ تم جیسی بیسیوں کو سبق دیا
جائے اب بات کرو ہم سے کیا ارادے ہیں تمہارے۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔ یہ تو بتاؤ مجھے۔"

"بی بی، ابھی تک تمہارا دماغ درست نہیں ہوا ہے، ہم چاہتے ہیں
تمہارا دماغ درست ہو جائے۔ دیکھو بی بی ہم تو ننگے آدمی ہیں، ہماری
جو حیثیت ہے اس سے ہمیں دنیا کی پرواہ ہی نہیں رہی ہے۔ مگر تم اپنی
کہو۔ تم نے تو بڑی مشکل سے اپنی یہ حیثیت بنائی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"؟

"کچھ باتیں بتانی ہیں تمہیں، تاکہ تم اس سے پہلے ہی ٹھیک ہو
جاؤ۔ ورنہ دوسری شکل یہی ہوگی بی بی کہ سڑکوں پر جھاڑو ہاتھ میں لئے
پھر رہی ہوگی۔ بال بکھرے ہوں گے اور لوگ تھپڑ مار رہے ہوں

گے۔اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں ہو سکتی۔اگر ہمیں سمجھ چکی ہو تو جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں ٹھیک ہی ہے۔''

''تم۔تم میرا کیا بگاڑ لو گے۔''مسز درانی دانت کچکچا کر بولیں۔

''کچھ نہیں بی بی،بھلا ہم جیسے ہیجڑے کسی کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ ہم تو پیدا ہی ظلم اٹھانے کے لئے ہوئے ہیں۔مگر تمہاری پول کھل جائے گی۔ہماری مانو جو تمہارے ہاتھ میں دبے ہوئے ہیں اگر انہیں اپنے ہی تک رکھنا چاہتی ہو تو ہم بھی اس کے لئے تیار ہوں گے۔ایک ایسا معقول کمیشن مل جائے گا تمہیں جس سے تمہارا کام بھی ہو جائے اور عزت کی زندگی بھی گزار سکو گی۔ورنہ ذلت تو تمہارا مقدر بن چکی ہے۔''

''تم۔تم کچھ بھی نہ کر سکو گے ''جیل میں بہت جلد تمہارا بندوبست کرا لوں گی۔''

''دیکھو بی بی، اب تک ہم شرافت کی زبان استعمال کرتے رہے ہیں پر اب ہماری زبان ہی سننا چاہتی ہو تو سن لو۔ پہلی بات تو یہ کہ فون پر خود کو ٹھیک ٹھاک کرو اور اس کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ تمہارے منہ سے نکلنے والا ایک لفظ بھی توہین آمیز نہ ہو۔ اِس وقت میں تمہارے باس ہی کی حیثیت سے بول رہا ہوں۔'' سہیل کا لہجہ بدل گیا اور مسز درانی نے اِس کے لہجے میں ایک غراہٹ محسوس کی۔

''میرے باس کی حیثیت سے۔'' وہ بدستور غصیلے لہجے میں بولی۔

''مسز درانی یہ آخری وارننگ ہے اِس کے بعد تمہارے لہجے میں کوئی خرابی نہ ہو۔ اگر تمہیں خود پر کچھ مان ہے تو آؤ میں تمہیں تمہاری تصویر دکھا دوں تاکہ تم اچھی طرح سے جان لو، خوب اچھی طرح سے مسز درانی، اس سے تمہیں مستقبل کا فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔''

''میں تمہاری بکواس نہیں سننا چاہتی۔''

"ہوں، گویا تمہاری موت تمہارے قریب آ گئی ہے۔ ٹھیک ہے سلونی ڈیئر، ٹھیک ہے۔ اب آنے والا وقت....." سہیل نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ لیکن مسز درانی کا چہرہ ایک دم پیلا پڑ گیا تھا۔ ٹیلی فون کا ریسیور اس کے ہاتھ میں لرزنے لگا۔ اور فون پر اس کی گہری گہری سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔

"فون بند کر دوں۔" سہیل نے پوچھا۔

"نہیں۔ پلیز سہیل نہیں۔" وہ جلدی سے بولی اور سہیل کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔

"ٹھیک ہے۔ شاید تم ماضی کی کہانی سننا چاہتی ہو۔ ٹھیک بھی ہے اپنے ماضی سے کسے دلچسپی نہیں ہوتی۔ اور پھر تمہارا ماضی تو بہت دلچسپ ہے سلونی ڈارلنگ۔ بات ایک بہت بڑے شہر کی ہے جس کہ سڑکوں اور گلیوں میں ایک کوڑھی فقیر ایک گاڑی میں پڑا نظر آتا تھا۔

اِس کی گاڑی کو ایک دُبلی پتلی لڑکی گھسیٹتی تھی۔ اور یوں وہ باپ بیٹی بھیک مانگ کر زندگی گزارتے تھے۔"

"پھر ایک دن فقیر مر گیا اور لڑکی تنہا بھیک مانگنے لگی۔ اب وہ جوان ہو گئی تھی اسے بھیک دینے والے پہلے اسے بغور دیکھتے تھے پھر مسکرا کر کچھ دے دیتے تھے۔ پھر ایک رات ایک فٹ پاتھ پر سے اس لڑکی کو اغوا کر لیا گیا اور اس کے بعد وہ کسی کو نظر نہیں آئی۔ لیکن چند ہی ماہ بعد سلونی نام کی ایک لڑکی ایک بڑے ہوٹل میں نظر آئی اور اس ہوٹل کے مینجر سے بات کرنے کے بعد وہاں ملازم ہو گئی۔ وہاں وہ سلونی کے نام سے مشہور ہوئی تھی۔ اور بہت مختصر وقت میں وہ ہوٹل کے گاہکوں کی منظورِ نظر بن گئی۔ اور اس کے حالات بدلنے لگے۔ کچھ عرصے کے بعد اِس نے ہوٹل چھوڑ دیا اور ایک فیشن ایبل بنگلے میں منتقل ہو گئی۔ یہاں بھی اس کا کاروبار خوب چمکا۔

فقیر کی اولاد سہی مگر ذہین لڑکی تھی۔ اس نے مستقبل کے بارے میں ابھی سے سوچنا شروع کر دیا تھا اور اس کے بعد اس نے چند فیصلے کیئے۔ اس نے اپنا بنگلہ فروخت کیا اور دوسرے اثاثے بیچے اور اس کے ساتھ ہی اس نے ایک اور کام بھی کیا۔ جانتی ہو مسز درانی کیا۔''؟

''کیا۔''؟مسز درانی کی سسکاری سی اُبھری۔

''میں اس اسکول ٹیچر کی بات کروں گا جو ایک طرح سے سلونی کے دلال کی حیثیت رکھتا تھا اور پھر سلونی نے اس کی حیثیت بدل دی اور وہ مسٹر درانی بن گیا۔ یہ اسکول ٹیچر ایک قتل کے کیس میں بھی ملوث رہا ہے اور اس کا اصل نام دین خان تھا۔ سلونی نے اپنی جدو جہد سے اسے قتل کے الزام سے بچا کر رہا کرایا تھا پھر انہوں نے یہ شہر چھوڑ دیا اور یہاں آ گئے۔ اور تھوڑے عرصہ کے بعد سلونی مسز درانی کے نام سے اعلیٰ حلقوں میں متعارف ہوئی۔ اور مسٹر درانی

صرف ایک کرائے کے شوہر کی حیثیت سے زندگی گزارنے لگے۔

اب وہ نشے کے عادی اور بے کار سے انسان ہیں لیکن مسز درانی عمر رسیدہ ہونے کے باوجود اب بھی بعض حلقوں میں ایک پُرکشش اور معزز خاتون کی حیثیت سے پہچانی جاتی ہیں۔''

سہیل خاموش ہو گیا۔ مسز دورانی کا چہرہ تاریک ہو گیا تھا۔ وہ نمایاں طور پر لرز رہی تھی۔ پھر اس کی پھنسی پھنسی آواز اُبھری۔

''یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ۔''

''مجھے کیسے معلوم ہوا مسز درانی۔ یہی نا۔''؟ سہیل ہنس کر بولا۔

''ہاں۔''

''بس تم سے محبت ہو گئی تھی اِس لئے تمہارے بارے میں چھان بین کر ڈالی۔'' سہیل نے ہنس کر کہا۔

''میں۔ میں تمہارے احکامات کی تعمیل کے لئے تیار ہوں سہیل۔ میں

اب تم سے انحراف نہ کروں گی۔"

"باقی آئندہ۔" سہیل نے کہا۔ اور فون بند کر دیا۔ دوسری طرف سے لائن آف ہونے کے باوجود مسز درانی دیر تک ہاتھ میں ریسیور لئے بیٹھی رہی تھی۔ اس کے چہرے پر سینکڑوں رنگ آ رہے تھے۔

پھر اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "اس کے باوجود سہیل۔ اس کے باوجود میں تم سے ہار نہیں مانوں گی۔ تمہاری موت بھی میرے ہی ہاتھوں ہو گی۔ میرے ہی ہاتھوں۔" اس نے آہستہ سے کہا۔

تیسرا دن ہو گیا تھا۔ ان تین دنوں میں سہیل گھر نہیں آیا تھا۔ نواب تمیز الدین اس دوران ہر لمحے اس کے بارے میں پوچھتے رہے تھے۔ اور پھر انہوں نے کچھ اندازہ کر لیا تھا۔ کیونکہ ان کے

پوچھنے پر نواب عزیز الدین کا چہرہ کچھ بُجھ جاتا تھا۔ اور وہ نروس سے نظر آنے لگتے تھے۔

اِس رات انہوں نے بھائی کو پکڑ ہی لیا۔ اِن کے دل میں خلوص ہی خلوص تھا۔ ''بھائی صاحب ایک سوال کروں گا۔ گزرے ہوئے حالات کچھ بھی ہوں لیکن اب آپ نے مجھے معاف کر دیا ہے کیا میرا یہ خیال غلط ہے۔''؟

''ہرگز نہیں۔ کوئی غلطی ہوگئی مجھ سے۔''؟ نواب عزیز الدین نے پوچھا۔

''نہیں بھائی صاحب۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن چھوٹا بھائی ہونے کی حیثیت سے کچھ فرائض مجھ پر بھی عائد ہوتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ جوان عمری میں اِس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا۔ میرے ذہن میں سہیل میاں کے لئے تشویش ہے۔''

''کیا۔''نواب عزیز الدین سہم گئے۔

''وہ کہاں ہیں۔تین دن ہو گئے ہم سے کیوں نہیں ملے۔کیا ان پر کوئی غلط فطرت سوار ہے۔''؟

عزیز الدین خان نے سر جھکا لیا تھا۔چند ساعت خاموش رہنے کے بعد وہ بولے۔

''وہ۔ذہنی مریض ہے تمیز الدین۔ایک ناہموار انسان۔کبھی کبھی اس پر عجیب سے دورے پڑتے ہیں۔''

''اوہ۔اللہ تعالیٰ رحم فرمائے۔کیسے دورے۔''؟تمیز الدین نے گھبرائے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''کیا بتاؤں تمیز الدین بس عجیب سی کیفیت ہو جاتی ہے۔وہ خود کو لڑکی سمجھنے لگتا ہے۔زنانہ لباس پہنتا ہے اور ایسی حرکتیں کرتا ہے کہ میری نگاہیں شرم سے جھک جاتی ہیں۔بس یہ۔۔۔کیفیت ایک

طویل عرصے سے اُس پر سوار ہے۔ حالانکہ ایسا کبھی کبھی ہوتا ہے لیکن جب ہو جاتا ہے انتہائی شدید ہوتا ہے اور میں یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ اب کیا کروں۔"

"ایسے عجیب و غریب دورے۔؟ کیا آپ نے ڈاکٹروں سے مشورہ نہیں کیا۔"

"کسی ایک ڈاکٹر سے۔ اپنی سی ہر کوشش کر چکا ہوں۔ وہ ذہنی طور پر بھٹکا ہوا لڑکا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پر یہ جنون کیوں سوار ہو جاتا ہے۔ اپنی اِس کیفیت سے وہ خود بھی اس قدر شرمندہ ہے کہ عام طور سے وہ گھر میں نظر نہیں آتا۔ اِس خوف کا شکار کہ نجانے کب دورہ پڑ جائے اور کب اس کی مضحکہ خیز کیفیت ۔۔۔ ہو جائے، شروع شروع میں، میں نے اِس کی اس بات پر سرزنش کی لیکن ڈاکٹروں نے یہی مشورہ دیا کہ ایسی کوئی بات اس کے ساتھ نہ کی جائے ورنہ اس

کے دماغ کی شریانیں پھٹ سکتی ہیں۔" نواب عزیز الدین خان نے حتی الامکان اصلیت چھپاتے ہوئے کہا۔ اور ایسا انداز اختیار کیا کہ بات بن جائے لیکن تمیز الدین خان بہت پریشان ہو گئے تھے۔

"آپ نے غیر ممالک میں اس کا علاج کیوں نہیں کرایا۔"

"میں نے کہا نا تمیز الدین خان کہ یہ کیفیت جوانی میں اس پر ظاہر ہوئی اور اس کے بعد صورتحال اتنی بگڑ گئی کہ وہ میرے بس کا نہیں رہا۔ میں نے یہاں بھی بہت سے ڈاکٹروں کو باہر سے طلب کیا تھا۔ اِن کے سامنے اس کا تجزیہ کیا گیا اور ان ڈاکٹروں نے بھی یہی کہا کہ اُس کا مرض لا علاج ہے۔ کبھی ٹھیک ہوا تو خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔ اِس کے بعد میری ہمت نہ پڑی کہ مزید اِس سلسلے میں کوئی کاروائی کروں۔"

"یہ تو واقعی تعجب خیز بات ہے۔ میں نے اِس سے قبل طِب کی

تاریخ میں ایسے کسی مرض کے بارے میں نہیں پڑھا۔ جہاں انسان اپنی جنس کی شناخت کھو بیٹھے۔"

"مگر بھائی صاحب۔ آپ نے۔ آپ نے۔" تمیز الدین جھجک گئے۔

"ہاں۔ اس سلسلے میں بھی کوشش کر چکا ہوں۔ اور ڈاکٹروں کا انکشاف حیرت انگیز ہے۔ اِن کا کہنا ہے کہ دورے کی حالت میں وہ نہ مرد ہوتا ہے نہ عورت۔ بس اس سے زیادہ میں کچھ نہیں بتا سکتا۔"

"مجھے بے حد دُکھ ہوا ہے بھائی صاحب۔ آپ تنہا ہی یہ عذاب جھیلتے رہے ہیں۔"

"جو حکم خداوندی، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا کہ مشیت میں مداخلت کا مجھے کوئی حق نہیں ہے۔" نواب عزیز الدین خان نے کہا۔ اور یہ اتفاق ہی تھا کہ ملازم نے اُسی وقت آ کر اطلاع دی کہ سہیل

صاحب آ گئے ہیں۔نواب عزیز الدین ہم سے گئے مگر تمیز الدین خان جوش سے کھڑے ہو گئے تھے۔

"کہاں ہیں وہ۔اِن سے کہو اِن کے چچا نے بُلایا ہے۔"

تمیز الدین خان نے کہا اور ملازم گردن جھکا کر چلا گیا۔تھوڑی دیر کے بعد ایک شرمیلا سا معصوم سا نوجوان اُس کے کمرے میں داخل ہوا۔اُسے دیکھ کر تمیز الدین کی آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔خوبصورت سفید سوٹ میں وہ اِس قدر شاندار نظر آرہا تھا کہ اُسے دیکھنے والا نگاہ نہ ہٹا سکے۔چہرے پر ایسی معصومیت اور بھولپن تھا،جس کی مثال مشکل ہی سے دی جا سکتی تھی۔اُس نے نہایت ادب سے تمیز الدین کو سلام کی اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"میں انتہائی شرمسار ہوں چچا جان کہ آپ کے آنے کی اطلاع پا کر بھی میں آپ کی قدم بوسی کو حاضر نہ ہو سکا۔" اس نے نہایت شستہ

لہجے میں کہا۔

"ہم تو میاں آپ کا انتظار ہی کرتے رہے۔ لیکن آپ بیٹھ کیوں گئے۔ کیا آپ چچا جان کے گلے نہیں لگے گیں۔" تمیز الدین خان نے کہا اور وہ اُٹھ کر ان کے قریب پہنچ گیا۔ تمیز الدین کافی دیر تک اسے سینے سے بھینچے رہے تھے۔

"سہیل میاں آپ کو دیکھ کر سیروں خون بڑھ گیا ہے۔ آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ مجھے کتنی مسرت ہوئی ہے۔ بیٹے میرے بارے میں تو آپ نے سنا ہی ہوگا کہ کس طرح میری بد قسمتی نے مجھے خاندان سے دور کر دیا تھا۔ خاص طور سے بھائی صاحب سے اور آپ لوگوں سے۔ لیکن خدا کا احسان ہے کہ اُس نے زندگی میں ایک بار پھر یہ بگڑے ہوئے راستے درست کر دیئے۔ آپ کو دیکھ کر مجھے جس قدر مسرّت ہوئی ہے میں اس کا اظہار نہیں کر سکتا۔"

''بہت بہت شکریہ۔ چچا جان۔ حالانکہ میں آپ کی اس عنایت سے قابل نہیں ہوں۔''

''ارے نہیں میاں۔ میرے اپنے بچے ہو۔ تمہارے علاوہ ہم بوڑھوں کا اِس دنیا میں اور ہے ہی کیا۔ بیٹے واقعی میں اپنی اس مسرت کا اظہار نہیں کر سکتا۔ جو تمہیں دیکھ کر ہوئی ہے اور ہاں نوشاب سے تمہاری ملاقات ہوئی۔''؟

''جی۔''؟ سہیل نے سوالیہ انداز سے انہیں دیکھا۔

''تمہارے چچا کی بیٹی۔ تمہاری کزن۔''

''جی نہیں۔ میں ابھی تک اِن کے نیاز حاصل نہیں کر سکا ہوں۔''

''میں بلاتا ہوں۔ ابھی بلاتا ہوں۔'' تمیز الدین صاحب نے کہا۔ اور خود ہی باہر دوڑ گئے۔ پھر انہوں نے ایک ملازم کے ذریعے نوشاب کو طلب کر لیا۔

شرماتی ، لجاتی نوشاب اندر کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر شفق اُتر آئی تھی۔ شاید سہیل کے بارے میں اس کے ذہن میں بھی کوئی خیال کوئی جذبہ پرورش پا رہا تھا۔ گو غائبانہ تعارف تھا مگر بعض جذبے شرم کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ بھی کسی ایسی لڑکی کے جو مشرقی تہذیب کی عاشق ہو۔ چنانچہ نگاہیں جھکائے وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اور تمیز الدین خان کے پاس آ کر کھڑی ہوگئی۔

''بھئی نوشاب تمہیں اس لئے نہیں بلایا گیا کہ تم شرمائی لجائی ایک کونے میں کھڑی ہو جاؤ۔ دیکھو تو سہی یہاں کون کون ہے۔'' نوشاب نے گردن اُٹھائی سامنے ہی سہیل کھڑا تھا۔ ایک لمحے کے لئے وہ مبہوت ہوگئی۔ نگاہ تھی کہ اس پر سے ہٹنے کا نام نہ لیتی تھی۔ آنکھوں میں حیرت تھی پھر یہ حیرت تحسین میں بدل گئی اور اس کے بعد اِن آنکھوں سے پرستش کے جذبے اُبل پڑے۔ وہ دنیا و مافیہا کو بھول گئی

تھی۔ اور اس وجیہہ نوجوان کی وجاہت میں گُم ہو گئی تھی۔ تمیزالدین خود بھی اس محویت پر ذرا سا بوکھلا گئے اور انہوں نے آہستہ سے کھنکار کر کہا۔

"بیٹھو بھئی۔ یہ کیا خاموشی طاری ہو گئی ہے تم دونوں پر بیٹھ جاؤ۔ سہیل میاں۔ تم لوگوں نے تو رسمی الفاظ بھی نہیں ادا کیے۔"

"جی۔ چچا جان میں رسمیات کا قائل نہیں ہوں۔ انہیں دیکھ کر اس لحاظ سے بہت مسرت ہوئی ہے کہ اپنی ہیں۔" نوشاب نے پھر ایک جھجکتی نگاہ اس پر ڈالی یہ جملے بہت بڑی حیثیت رکھتے تھے۔ "میری اپنی" اِس بات میں تو ایک جہان پوشیدہ تھا۔ اُس کے دل میں ہزاروں کنول کِھل اُٹھے تھے۔ اور وہ بار بار نگاہیں اُٹھا کر اُسے دیکھنے لگی۔ "باتیں کرو بھئی تم لوگ۔ بچوں کی خاموشی تو مجھے عجیب سی لگتی ہے۔" تمیزلدین بولے۔

"بس مس نوشاب کے بارے میں مجھے تفصیل نہیں معلوم، پڑھتی ہیں۔ کیا کرتی ہیں۔"

"بھئی یہ تفصیلات تم خود معلوم کرو۔ جاؤ بھئی نوشاب اگر ہم بزرگ تمہارے آڑے آرہے ہیں تو تم دونوں باہر جاکر باتیں کرلو۔ ہر چند کہ سہیل میاں کو چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ بہر صورت اب تو یہ گھر آہی گئے ہیں۔ تیسرے دن ہی سہی۔" تمیز الدین نے کہا۔ اور نوشاب کھڑی ہوگئی۔ سہیل کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے اُلجھن کے آثار نظر آئے لیکن پھر وہ بھی مطمئن انداز میں کھڑا ہوگیا اور دونوں باہر نکل گئے۔ تمیز الدین نے نواب عزیز الدین کو دیکھا اور گلوگیر لہجے میں بولے۔

"بھائی صاحب یہ بچہ اگر ایسے کسی مرض کا شکار ہے تو یہ اس صدی کا سب سے بڑا المیہ ہوگا۔ اتنا نستعلین اور حسین بچہ میں تو اس کی

صورت دیکھ کر ہی دنگ رہ گیا تھا۔ آپ یقین کریں یہ تصور ہی مجھے ٹکڑے ٹکڑے کئے دے رہا ہے کہ یہ کسی ایسے مرض کا شکار ہے۔ میری ایک درخواست ہے بھائی جان۔"

"کیا۔"؟ نواب عزیز الدین نے نگاہیں اُٹھا کر انہیں دیکھا۔

"میں آپ کے سامنے کچھ کہنے سے کبھی نہیں جھجکوں گا۔ بھائی صاحب۔ تمیز الدین پھر بولے۔

"ہاں ہاں کہو جھجکنے کی کیا بات ہے۔"؟

"بس سہیل کو میں اپنے لئے منتخب کر چکا ہوں۔ میں نوشاب کی شادی اس سے کروں گا۔ ہر چند یہ ایک رسک ہو گا۔ لیکن میں یہ رسک لینے پر تیار ہوں۔ وہ بھی میرا اپنا بچہ ہے۔ ممکن ہے نوشاب کی معیت اُس کی ذہنی کیفیت کو بدل دے۔" نواب عزیز الدین خان کے بدن میں ہلکی سی لرزش پیدا ہو گئی تھی۔ اب تک کی جو ڈاکٹروں کی

رپورٹیں تھیں وہ انہیں بخوبی دیکھ چکے تھے اِن حالات میں تمیز الدین اگر نوشاب کو اندھے کنویں میں دھکیل رہا ہے تو یہ اچھی بات تو نہ ہو گی۔ بہرصورت نوشاب اور تمیز الدین کے لئے ان کے دل میں کوئی کدَ نہ تھی۔ اور وہ نوشاب کو بھی اپنی بھتیجی کی حیثیت سے چاہنے لگے تھے۔ اِن کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے تمیز الدین نے کہا۔

"اگر کوئی اور بات آپ کے ذہن میں ہے اور آپ یہ سب نہ چاہیں گے تو مجھے ذرا بھی احساس اور اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن اگر صرف سہیل کی بیماری آپ کی نگاہ میں ہے تو اُسے میری اور نوشاب کی تقدیر پر چھوڑ دیجئے۔ سہیل کو میں ملک سے باہر لے جاؤں گا اور اِس کا علاج کراؤں گا۔ یہ سب کچھ میرا کام ہوگا اور میں اس سلسلے میں آپ کو کوئی زحمت نہ دوں گا۔"

"نہیں تمیز الدین میاں اِس میں زحمت کی بات نہیں ہے یوں تو

تم اس کے چچا ہو۔ لیکن کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے تھوڑا سا توقف کرو۔ یہ کوشش کر دیکھو کہ وہ نوشاب کی زندگی کے لئے کوئی مناسب شخص ثابت ہوگا۔ اگر نوشاب کسی تکلیف کا شکار ہوئی تو تم کیا سمجھتے ہو میرا دل نہ دُکھے گا۔ میں تمہیں اس بات کی کھلی اجازت دیتا ہوں کہ اگر سہیل اور نوشاب ایک دوسرے سے اتنے گھل مل جائیں اور کوئی ایسی صورت بن جائے کہ سہیل پر کوئی دورہ نہ پڑے۔ تو پھر مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔"

"بس تو یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ نواب تمیز الدین نے خوش ہو کر کہا اور عزیز الدین کے گلے لگ گئے۔ عزیز الدین کے چہرے پر بدستور تشویش کے آثار تھے۔

سہیل آہستہ آہستہ نوشاب کے ساتھ چل رہا تھا۔ یہ لڑکی واقع

اسے پسند آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لئے اس کے دل میں بھی ہلچل پیدا ہوئی تھی لیکن دوسرے لمحے اِس کے دل کے دروازے بند ہو گئے۔ وہ جس کیفیت کا شکار تھا اس میں ایسی کسی دھڑکن کی گنجائش نہیں تھی۔ تقدیر نے اسے پچھ احساس سے محروم رکھا تھا۔ اور احساس کی یہ محرومی اُس کے ذہن میں ناسور بن گئی تھی۔ اِس ناسور کی دُکھن کو تسکین دینے کا واحد ذریعہ یہ تھا کہ وہ اپنی شخصیت کو ایک عجوبہ بنا کر رکھ دے۔ ایک ایسی حیثیت اختیار کر جائے جس سے لوگ خوف محسوس کریں۔ وہ کمی جو اس کی ذات میں ہے اِس طرح پوری ہو کہ وہ عام لوگوں سے ایک برتر حیثیت محسوس کرے اِس کا جنون غیر فطری یا مصنوعی نہیں تھا۔ درحقیقت اپنی شخصیت کے تعیّن میں ناکام ہو کر اس کے اندر اذیت پسندی اور اذیت رسانی کا ایک جذبہ پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اپنی اس کمی کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ اور اس کا واحد حل یہی تھا کہ عام

انسان اس کے مقابلے میں ہیچ ہو کر رہ جائیں۔ جہاں وہ کچھ نہیں ہے وہاں وہ بہت کچھ بن کر لوگوں کے سامنے آئے اور یہ احساس اور جذبہ اب اس قدر مضبوط ہو چکا تھا کہ وہ کوشش کے باوجود اس سے فرار حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ بس اندر لہریں اُٹھتی تھیں جو اِسے ان حرکات پر مجبور کرتی تھیں۔ اور وہ ان لہروں کے سامنے بے بس تھا۔ بے پناہ ذہین تھا لیکن اِس کی ایک کمی نے اس ذہانت کو نت نئے رنگ دے دیئے تھے۔

نوشاب خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ اِس کی چال بھی بے حد دلکش تھی۔ سہیل رُکا تو وہ پلٹ پڑی۔ اور اس کے مہین لبوں پر ایک مہین سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

رُک کیوں گئے آپ؟ آیئے نا۔"

"کہاں چل رہی ہیں مس نوشاب۔"؟

''یوں تو آپ کی پوری کوٹھی ہی بے حد حسین ہے۔لیکن بائیں باغ کا مغربی گوشہ مجھے بہت پسند آیا۔اِن تین دنوں میں میں کئی بار اس گوشے میں گئی ہوں اور ہر بار میں وہ مجھے پہلے سے زیادہ خوبصورت لگا ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ آپ بھی میری پسند کو دیکھیں۔'' نوشاب نے کہا۔اور سہیل نے گردن ہلا دی۔چند ساعت کے بعد وہ اس گوشہ میں تھے یہاں خوشنما پھول کھلے ہوئے تھے۔ایک فوارہ تھا جس کے گرد بنچیں پڑی ہوئی تھیں۔پانی کی ننھی ننھی بوندیں بینچوں کو بھگوتی رہتی تھیں لیکن یہ اتنی مختصر ہوتی تھیں کہ بھیگنے کا احساس بھی نہ ہوتا۔ہاں ایک آدھ گھنٹے کے بعد کپڑے تر ضرور ہو جاتے تھے۔نوشاب اُس بینچ پر بیٹھ گئی۔

''تشریف رکھیئے۔'' اور سہیل بھی اس سے تھوڑے فاصلے پر بیٹھ گیا۔

”آپ یقین کریں مجھے تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے آپ نیروبی آئے ہوں۔اور میرے مہمان ہوں۔“

”میں نہیں سمجھا مس نوشاب۔“

”خاموش خاموش سے۔پُر تکلف انداز لئے ہوئے۔یہ آپ کا گھر ہے سہیل صاحب۔کیا آپ اسے اپنا گھر نہیں سمجھتے۔“؟

”اوہ۔ہاں سمجھتا ہوں۔کیوں نہیں سمجھتا۔“

”تو پھر اتنے خاموش کیوں ہیں۔میری پذیرائی کیجئے میرا استقبال کیجئے۔“

”میں آپ کی آمد سے بہت خوش ہوں۔“

”رسمی گفتگو۔بے کار بات! آپ کو تو شاید ہمارے آنے کا علم بھی نہ ہوگا۔“

”نہیں علم تھا۔“سہیل بولا۔

’’کب۔ڈبل جُرم۔‘‘

’’وہ کیوں۔‘‘؟سہیل بولا۔

’’اِس لئے کہ آپ کو ہمارے آنے کا علم تھا۔تو آپ ائیر پورٹ بھی نہ آئے۔نہ صرف یہ بلکہ ہم آج تین دن بعد آپ کی شخصیت دیکھ رہے ہیں۔کیا ہم اس قابل نہ تھے کہ آپ ہماری ضرورت محسوس کرتے۔ ہماری چاہت آپ کے سینے میں ہوتی تو آپ اپنی تمام مصروفیات ترک کر کے ہم سے ملنے کے لئے یہاں آجاتے۔‘‘

’’شرمندہ ہوں۔‘‘سہیل مختصر انداز میں بولا۔

’’جی نہیں!یہ معذرت قبول نہیں کی گئی۔‘‘

’’تب پھر آپ خود میرے لئے سزا کا انتخاب فرمادیجئے۔‘‘

’’قبول کریں گے آپ۔‘‘؟

’’کوشش کروں گا۔‘‘

"تو پھر اس وقت تک ہمارے ساتھ رہیے جب تک ہم یہاں موجود ہیں۔ورنہ آپ کی غیر حاضری جُرم تصور کی جائے گی۔"
نوشاب بولی اور سہیل مسکرانے لگا۔

"بات یہ ہے مس نوشاب کہ جھوٹ انسان کو بڑا سہارا دیتا ہے۔دل تو چاہتا ہے کہ آپ سے جھوٹ بول دوں اور آپ کی بات مان لوں۔لیکن آپ اتنی معصوم اور نرم ونازک سی ہیں کہ پھر یہ احساس ہوتا ہے کہ کہیں میرا یہ جھوٹ آپ کو آزردہ نہ کردے۔"

"تو پھر جھوٹ بولیں ہی کیوں۔"؟

"سچ بول دوں۔"

"جی ہاں۔"

"تو پھر یہ پابندی مجھ پر نہ لگائیے۔کیونکہ میری مصروفیات ایسی ہیں کہ میں اس پابندی کو عملی جامہ نہ پہنا سکوں گا۔ہاں یہ وعدہ کہ

روزانہ آپ سے ملاقات ہوگی۔"

"ہمارے لئے آپ اپنی مصروفیات ترک نہیں کر سکتے۔"

"مجبوری ہے مس نوشاب۔ واقعی بہت مجبوری ہے۔"

"خیر ہم آپ کو مجبور نہیں کریں گے۔ لیکن دوسری بات پر آپ کو عمل کرنا ہوگا۔"

"وہ منظور ہے۔" سہیل نے جواب دیا۔

"کیا آپ۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کی مصروفیات کیا ہیں۔"؟

"بس آوارہ گردی۔ انسان شناسی۔ یہی کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں، میں اُلجھتا رہتا ہوں۔ دوستوں کا ایک گروہ ہے جو مجھے چھوڑنا پسند نہیں کرتا اور کیونکہ عرصے سے اُن سے یہ ریت نبھاتا چلا آرہا ہوں اس لئے اِس وقت انہیں نظر انداز بھی نہیں کرسکتا۔"

"بس۔" نوشاب نے پوچھا۔

"ہاں۔"

"خیر چلئے۔ اس میں بھی ہم فراخدلی سے کام لیں گے حالانکہ ہمیں غصہ آرہا ہے آپ کے ان دوستوں پر جنہوں نے تین دن تک آپ کو ہم سے دور رکھا اور رکھیں گے۔ لیکن چلئے آپ کے پیارے ہیں۔ اِس لئے مان لیتے ہیں۔" نوشاب دل آویز انداز میں بولی۔ اور سہیل ہنسنے لگا۔

"ویسے آپ کے اور مشاغل کیا ہیں سہیل صاحب۔"

"کچھ نہیں نوشاب۔ بس یونہی بھٹکتے رہنا ہی زندگی ہے۔"

"زندگی کو ایک محور پر لائیے۔ سہیل صاحب۔ سوچیے اس کے بارے میں۔ سوچنا ایک اچھی بات ہے۔" نوشاب نے کہا اور معصوم بچوں کی طرح ہنس پڑی۔ سہیل بھی ہنس پڑا۔

"ہنستے ہنستے اس کی نگاہ ایک جانب اُٹھ گئی اور اُسے ایک عجیب و

غریب شکل نظر آئی۔ لمبے بال، ڈھیلا ڈھالا لباس اور کاندھے پر گٹار پڑا ہوا تھا۔ مہندی کی باڑ کے پاس کھڑا ہوا وہ انہیں عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ سہیل نے نوشاب کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

"یہ جُگلر کہاں سے آیا۔"

"کہاں، کون۔"؟ نوشاب چونک کر اس طرف دیکھنے لگی اور پھر دوبارہ ہنس پڑی۔

"یہ۔ یہ شیکی ہے۔"

"کون ہیں۔" سہیل نے تعجب سے پوچھا۔

"شفیع الدین شیکی۔ بہت بڑے موسیقار۔ افریقہ کے اکثر بچے ان کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ بعض اوقات تو وہ انہیں پتھر بھی مارنے لگتے ہیں۔"

"لیکن بڑے ہی فراخ دل ہیں۔"

"مگر۔ مگر یہ تو۔ آپ نے افریقہ کا نام لیا۔ کیا یہ آپ کے ساتھ آئے ہیں۔"؟

"لیکن ہم سے چھ گھنٹے لیٹ۔" نوشاب نے کہا اور اسی لمحے وہ شخص آگے بڑھ آیا۔ اس نے گٹار آگے کیا اور زور زور سے انگلیاں مارنے لگا۔ اس کی آنکھیں غصے سے نکلی پڑ رہی تھیں۔

"ہم پوچھنا چاہیں گے تم سے کہ تم کون ہو حسین چھوکرے۔" انہوں نے ڈائیلاگ بولنے والے انداز میں کہا۔

"خادم کو سہیل کہتے ہیں۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کسی خادم کو اتنی مجال کیسے ہوئی کہ وہ ایک عظیم ہستی کے ساتھ یوں ہی ہی کر کے ہنسنے لگے۔" شکی نے بدستور سرزنش کرنے والے انداز میں کہا۔

''اب تو یہ جرأت ہو گئی جناب والا۔ مگر آپ اس عظیم شخصیت کے کون ہیں۔''؟

''سمجھا جائے تو بہت کچھ ہیں اور نہ سمجھا جائے تو کچھ نہیں۔'' اس کے ساتھ ہی اس نے دوبارہ گٹار کے تاروں پر ہاتھ مارا تھا۔

''یہ آپ بار بار اس گٹار کے ساتھ ناانصافی کیوں کرنے لگتے ہیں۔''

''ناانصافی۔ توہین ایک بدترین توہین۔ ارے معمولی انسان ہم تو اگر گٹار پر انگلی سے ٹھک ٹھک بھی کریں تو اُس میں بے پناہ موسیقیت ہوتی ہے۔ ایسے نغمے اُگلتے ہیں ہماری ان انگلیوں سے کہ انسان ساکت رہ جاتا ہے۔ تمہاری یہ مجال۔ تمہاری یہ مجال۔ ٹھہرو میں اپنے غلام کو ابھی تمہارے مقابل لاتا ہوں۔

''یہ سب کچھ نہیں ہو گا۔ یہ سب کچھ نہیں چلے گا۔ یہ ہرگز نہیں

ہوگا۔" وہ دوڑتا ہوا ایک طرف چلا گیا۔ پتلی پتلی ٹانگوں سے وہ دوڑتا ہوا عجیب لگ رہا تھا۔ گٹار بار بار اس کے گھٹنے سے ٹکراتی اور وہ کراہ کر رہ جاتا۔ لیکن اس کے باوجود وہ دوڑے چلا جا رہا تھا۔ سہیل دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر نوشاب کی طرف دیکھ کر بولا۔

"بڑی عجیب چیز لائی ہیں آپ افریقہ سے۔ واقعی ایسی نایاب چیزیں افریقہ ہی میں ملتی ہیں۔" اور نوشاب اس جملے پر ہنس پڑی۔

سہیل پھر بولا۔

"لیکن یہ ہوا کیا اس شخص کو۔"؟

"لمبی کہانی ہے آہستہ آہستہ آپ کو معلوم ہو جائے گی۔"

"اور وہ غلام کون ہے۔"؟

"یہ تو آپ کو اب بعد ہی میں پتہ چلے گا یہ دونوں جانگلوس یہاں تک ساتھ آ گئے۔ مجھے بڑی کوفت ہوتی ہے بعض اوقات ان لوگوں

ہے۔"

"اوہو۔ دو ہیں کیا۔"؟ سہیل نے بڑے مسخرے پن سے
پوچھا۔ اور نوشاب پھر ہنس پڑی۔

"ہاں دو ہیں۔ دوسرے ان کے اُلٹ ہیں۔ مگر وہ بھی ایسے ہیں
جنہیں دیکھ کر آپ اپنی ہنسی ضبط نہ کرسکیں گے۔"

"بڑی خوشی ہوئی ان دونوں سے مل کر۔ مگر یہ آپ کے ساتھ کیسے
آگئے۔ میرا مطلب ہے آپ سے ان کا کیا تعلق ہے۔"؟

"بھئی رشتے تو مجھے یاد ہی نہیں رہتے۔ یہ ہمارے اور آپ کے
کچھ نہ کچھ عزیز لگتے ہیں۔ وہاں پر ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں۔"
نوشاب نے جواب دیا۔

"ہوں۔ دلچسپ لوگ ہیں۔ آپ تو خاصی لطف اندوز ہوتی
ہوں گی اُن سے۔"

”خاک تماشہ بن جاتے ہیں اور تماشہ بنا دیتے ہیں۔ کبھی کبھی کی کوئی بات نہیں ہے لیکن بعض اوقات ان کی شخصیت بڑی گراں گزرنے لگتی ہے۔“

خیر دیکھ لیں گے انہیں بھی۔“ سہیل نے کہا اور وہ دونوں وہاں سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ ننھی ننھی بوندوں نے ان کے لباس خاصے نم کر دیئے تھے۔ ہوا چل رہی تھی اس لئے بھیگے ہوئے بدن سردی محسوس کر رہے تھے۔ وہ دونوں وہاں سے ہٹ کر پھولوں کے ایک کنج کے پاس آ کھڑے ہوئے۔

”آپ جب تک نہیں ملے تھے سہیل صاحب۔ کوئی احساس ہی نہ تھا ذہن میں کہ یہاں ایک ایسی شخصیت موجود ہے جو اتنی اتنی.....“

سہیل نے اِس اتنی کے آگے کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ بار بار اس کے ذہن میں بھنور سے پڑ رہے تھے۔ لیکن وہ خود کو سنبھالے ہوئے

تھا۔نوشاب بلاشبہ ایک حسین لڑکی تھی۔لیکن وہ اس ہستی سے پوری طرح متعارف نہیں ہو سکتا تھا۔اُس کی اپنی کمزوریاں آڑے آ رہی تھیں اور ایسی ہی کمزوریاں اس کے جنون کو جنم دیتی تھیں۔بہت کم لمحات ایسے آئے تھے کہ وہ کسی شخصیت سے متاثر ہوا ہو۔لیکن متاثر ہونے کے بعد اگر اُسے اپنے جذبات کا گلا گھونٹنا پڑتا تو اُس پر جنون طاری ہو جاتا۔وہ نوشاب سے باتیں کر رہا تھا لیکن اُس کا ذہن بھٹک رہا تھا۔اور وہ خود پر قابو پانے کے لئے پھولوں کی ٹہنیوں سے پھولوں کو علیحدہ کرنے لگا۔نوشاب منتظر تھی کہ وہ کچھ پھول اُسے پیش کرے گا لیکن اُسے یہ دیکھ کر شدید حیرت ہوئی کہ بہت ہی خوشنما پھول سہیل نے بڑی بے دردی سے مسل ڈالے۔اور انہیں نہایت نفرت سے زمین پر پھینک دیا۔نوشاب حیرت بھری نگاہوں سے اِس کی اِس حرکت کو دیکھ رہی تھی۔دوسری بار جب سہیل نے پھولوں کو مسلنا چاہا

تو نوشاب نے اسے منع کر دیا۔

''اِن کا کچھ اور بھی مصرف ہوتا ہے جناب۔'' اُس نے نغمگیں آواز میں کہا اور سہیل اُسے چونک کر دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ یقیناً۔ بے شک۔ اِن کا دوسرا مصرف بھی ہوتا ہے لیکن افسوس میں ان کے دوسرے مصرف سے واقف نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے کی تلملاہٹ کو نوشاب نے بخوبی محسوس کر لیا تھا۔ پھر اس نے سہیل کے بازو پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

'' آیئے اندر چلیں۔ نجانے کیوں آپ کچھ سنجیدہ ہو گئے ہیں۔ پلیز آیئے۔'' سہیل تیار ہو گیا۔ اور دونوں بائیں باغ سے واپس چل پڑے۔

تین شکار حلال ہو چکے تھے۔ پوری تیس ہزار کی رقم۔ جو اس سے

قبل مسز درانی کی ملکیت ہوتی تھی۔ لیکن اب اسے وہ رقم رینبو میں سہیل کے حوالے کرنی پڑی تھی۔ اور سہیل نے پندرہ فیصد کمیشن اسے دیتے ہوئے کہا۔

"پندرہ فیصد کمیشن تمہیں ملتا رہے گا۔ براہِ راست کوئی شکار نہیں پھانسو گی۔ اگر کوئی سامنے آئے تو مجھ سے مشورہ کرو گی اور میں بذاتِ خود بھی کچھ شکار تمہارے حوالے کروں گا تم ان پر کام کرو گی۔"

"ایک بات کہنا چاہتی ہوں سہیل۔"

"کہو جانِ من۔"

"اگر میں یہ شہر چھوڑ کر جانا چاہوں تو۔"

"ایک سال تک یہ ممکن نہ ہوگا۔" سہیل نے جواب دیا۔

"کیوں۔"؟ مسز درانی نے بے چینی سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ لیکن سہیل کی کڑی نگاہوں کو دیکھ کر ہکلانے لگی۔ "اب تو سب

کچھ تمہارے پاس ہے تم خود بھی۔"

"نہیں۔ یہ تمہاری ڈیوٹی ہے۔ جو تمہیں انجام دینا ہو گی۔ بس اس سے زیادہ کچھ سننا پسند نہیں کروں گا جاؤ"

اور مسز درانی غصے سے پھنکتی ہوئی وہاں سے آ گئی تھی۔ پروگرام کے مطابق وہ کان دبائے اس کے اشاروں پر عمل کرتی رہی۔ لیکن دل کی آگ اسے جان کی بازی لگانے پر مجبور کر رہی تھی۔ چنانچہ اس کا ذہن مسلسل سوچ میں مصروف تھا۔ اور پھر شاید اس کے ذہن نے کوئی فیصلہ کر لیا۔

اِس شام جب وہ گھر سے نکلی تو اس کے بدن پر ایک خوبصورت ساڑھی تھی۔ چہرے پر ایسا میک اپ کیا گیا تھا جس نے اسے دس سال پیچھے دھکیل دیا تھا۔ بلاشبہ وہ بے حد حسین نظر آ رہی تھی۔

گرینگو جیسی بدنام جگہ آنے والی عورتوں کے بارے میں کوئی

اچھی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ دیو قامت گرینگو نے اسے اپنے کمرے اپنی کھڑکی سے دیکھا تھا اور گھنٹی کے بٹن پر انگلی رکھ دی تھی۔

ایک خطرناک سی شکل کا نوجوان اس کے پاس پہنچ گیا۔

"اِس طرف دیکھو۔" گرینگو بولا۔

"دیکھا باس۔"

"کون ہے۔"؟

"نئی۔ بالکل نئی باس۔"

"بلا لاؤ۔" گرینگو نے کہا۔ اور نوجوان نے گردن ہلا دی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ مسز درانی کے پاس پہنچ گیا۔

"اُٹھو۔" اس نے سرد لہجے میں کہا اور مسز درانی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا بات ہے۔"؟

''تقدیر بن رہی ہے بتاؤ۔ دیر نہ کرو استاد گرینگو کو جانتی ہو۔''؟

''نام سنا ہے۔''

''دیکھ بھی لو۔ بلا رہا ہے تمہیں۔ جلدی چلو۔ دیر اس کے غصے کو بڑھاتی ہے۔'' نوجوان نے کہا اور مسز درانی ایک گہری سانس لے کر رہ گئی۔ وہ نوجوان کے پیچھے پیچھے چل پڑی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سیڑھیاں طے کر کے اوپر پہنچے اور پھر ایک کمرے کے دروازے کے سامنے پہنچ کر نوجوان نے کہا۔'' جاؤ۔ اندر چلی جاؤ۔ اور سنو۔ اس سے تعاون زندگی کی ضمانت ہے اور عدم تعاون۔'' اس نے جملہ ادھورا ہی چھوڑ دیا۔

مسز درانی دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔ اس نے دیو قامت شخص کو دیکھ کر بڑے دل آویز انداز میں گردن جھکائی تھی۔

دیو قامت گرینگو کی نگاہیں مسز درانی کے چہرے پر گڑ گئیں۔ چند

ساعت وہ اسے گھورتا رہا پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"واہ بہت ہی اچھا میک اپ کیا ہے تم نے تو۔ بوتھی ہی بدل ڈالی تم نے اپنی۔ پتہ ہے اپنی عمر سے دس سال چھوٹی لگ رہی ہو۔ کاروبار کرنے نکلی ہو۔" گرینگو نے پوچھا۔

"نہیں گرینگو۔ جس کاروبار کے بارے میں تم پوچھ رہے ہو، وہ نہیں۔"! مسز درانی نے جواب دیا۔

"خوب۔ خوب۔ پھر گرینگو کا رُخ کیسے ہوا۔"

"تم سے ملنا چاہتی تھی۔" مسز درانی نے جواب دیا۔ اور گرینگو سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"گویا۔ گویا تم اس بات کا انتظار کر رہی تھیں کہ میں تمہیں بلاؤں۔" اس نے دھیمے لہجے میں کہا۔ لیکن اس لہجے میں چھپی ہوئی غراہٹ مسز درانی سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے گرینگو۔ یہ بات مجھے نہیں معلوم تھی کہ تم مجھے خود ہی طلب کر لو گے۔ بس یہاں بیٹھ کر میں کسی ویٹر سے تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرتی۔ اور یہ خواہش ظاہر کرتی کہ مجھے کسی طرح گرینگو سے ملا دیا جائے۔"

"ہوں۔ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔ کیوں ملنا چاہتی تھیں تم مجھ سے۔"

"کیا اتنی سی دیر میں یہ ساری باتیں کر لینا ضروری ہیں گرینگو۔ اگر تم میرے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرنا چاہتے ہو تو پہلے کچھ مجھے پلاؤ۔ اِس دوران باتیں بھی ہوتی رہیں گی۔"

"کیا منگواؤں۔"؟ گرینگو نے بٹن پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

"شیری۔ میرے لئے شیری ہی ٹھیک ہے۔ اور تم جو مناسب سمجھو۔"

"ہش۔ بے وقوف شیری بھی کوئی پینے کی چیز ہے۔" گرینگو نے کہا۔

وہی نوجوان اندر داخل ہوا تھا۔ گرینگو نے اسے وہسکی لانے کا حکم دیا تھا۔ اور مسز درانی گہری سانس لے کر خاموش ہو گئی تھی۔ پھر اُس نے چند ساعت کے بعد آہستہ سے کہا۔

"وہسکی پینے میں بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بس تمہارا ساتھ دینے کے لئے تھوڑی سی پیوں گی۔ اتنی طاقتور نہیں ہوں کہ وہسکی کے دو یا تین پیگ سے زیادہ برداشت کر سکوں۔"

"طاقتور تو خاصی نظر آتی ہو تم۔ اور جو کچھ تم نے اپنے چہرے پر کیا ہوا ہے اس نے بھی مجھے خاصہ متاثر کیا ہے۔ بڑا عمدہ میک اپ کیا ہوا ہے اور مجھے سلیقہ مند خواتین بہت پسند ہیں بہر صورت اپنی کہو کہ گرینگو کی کیا ضرورت پیش آ گئی۔ میرے پاس دو ہی قسم کی عورتیں

آتی ہیں۔" گرینگو نے کہا۔

"مثلاً۔" مسز درانی مسکرائی۔

"نمبر ایک ضرورت مند۔ اور نمبر دو بھی ضرورت مند۔ بس یوں سمجھو کہ نمبر ایک اور نمبر دو، دونوں کی ضرورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ ہوتی یہ دونوں ہی ضرورت مند ہیں۔ کچھ دولت کی۔ اور کچھ.... کسی اور سلسلے میں۔ تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔" گرینگو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اُس کی مسکراہٹ بھی بے حد خوفناک تھی۔ موٹے موٹے ہونٹوں کے نیچے اُس کے بھیانک دانتوں کی قطار جھانک رہی تھی۔ مسز درانی نے توصیفی نگاہوں سے اسے دیکھا اور پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"بس یوں سمجھ لو کہ ضرورت نمبر دو مجھے یہاں لائی ہے۔"

"گویا تم لینے نہیں دینے آئی ہو۔" گرینگو بولا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔"

"کوئی کام ہے کیا۔"؟

"ہاں گرینگو۔"

"لیکن تمہیں یہ معلوم ہے کہ کس نام سے پکاروں تمہیں۔"

"سلونی۔" مسز درانی نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ معلوم ہے سلونی کہ گرینگو اپنی دنیا میں آپ مگن آدمی ہے۔ صرف اپنے لئے کام کرتا ہے کسی اور کے لئے نہیں۔ خاص طور سے معاوضہ لے کر۔ اور پھر اگر کوئی اُسے متاثر ہی کرے تو دوسری بات ہے۔ دولت اُسے متاثر نہیں کرتی۔ لیکن خیر تم اس قابل ہو کہ تمہارے لئے کچھ کیا جائے۔ تھوڑی دیر خاموش رہو۔ میرا آدمی آرہا ہے۔" گرینگو نے اسے جواب دیا اور مسز درانی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ اُسے کوئی اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ کوئی آرہا ہے۔ لیکن چند ساعت کے بعد گرینگو کا وہی ملازم شراب کے برتن اُٹھائے اندر

داخل ہو گیا تھا۔اس بات سے مسز درانی نے اندازہ لگایا کہ گرینگو بہت حساس کان رکھتا ہے اور کسی چیتے کی طرح چوکنا بھی ہے۔برتن رکھ کر وہ شخص چلا گیا۔اور گرینگو نے دو پیگ تیار کیے۔مسز درانی نے اپنا پیگ اُٹھایا۔اور دونوں نے جام ٹکرا کر پیگ اپنے ہونٹوں سے لگا لئے۔پہلی چسکی لگانے کے بعد گرینگو مسز درانی سے بولا۔

''اب شروع ہو جاؤ کیا مسئلہ ہے۔''؟

''ایک شخص کے خلاف کام کرنا ہے گرینگو۔''

''کیا کام ہے۔''؟

''بس وہ خود کو بے حد چالاک سمجھتا ہے۔حالانکہ نوجوان چھوکرا ہے۔میرے مقابلے پر آنے کی کوشش کی ہے کم بخت نے۔حالانکہ نہیں جانتا کہ میں کیا چیز ہوں۔گرینگو میں تمہیں بتانے میں کوئی عار نہیں سمجھتی کہ میں بلیک میلنگ کرتی ہوں۔'' مسز درانی نے نفرت

بھرے انداز میں کہا۔

''ضرور کرتی ہوگی۔ یقیناً کرتی ہوگی۔ مجھے تمہاری آنکھوں میں خطرناک تاثرات نظر آتے ہیں۔ بے شک میں جانتا ہوں کہ تم اپنے فن میں ماہر ہوگی۔ کس قسم کے لوگوں کو بلیک میل کرتی ہو۔''

''بس جو بھی ہاتھ آجائے۔ لیکن اس قابل ہو کہ مجھے کچھ دے سکے۔ فضول لوگوں پر ہاتھ ڈالنا پسند نہیں کرتی۔''

''پسند آرہی ہو۔ پسند آرہی ہو۔ آگے بولو۔'' گرینگو نے دوسرا جام بھرتے ہوئے کہا۔ مسز درانی اس پہلے ہی جام سے چسکیاں لے رہی تھی۔

''اُس نے دھوکا دے کر وہ کاغذات حاصل کر لئے جس میں بلیک میلنگ اسٹنٹ موجود تھا۔ اور اُس کے بعد اُس کم بخت نے مجھے ہی بلیک میل کرنا شروع کر دیا۔ بڑا توہین آمیز سلوک کیا ہے اس نے

میرے ساتھ۔ کہنے لگا کہ میں اس کی ماتحت بن کر کام کروں۔ ورنہ زندگی سے محروم کردی جاؤں گی۔"

"بات دراصل یہ ہے گرینگو کہ میں نے زندگی کو بے حد قریب سے دیکھا ہے۔ بہت کٹھن زندگی گزاری ہے میں نے۔ تمہارے سامنے میں بیان نہیں کرسکتی۔ اس تلخ اور کٹھن زندگی کے بعد جو کچھ میں نے حاصل کیا اُس سے اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کر لیا۔ میں مرجانا پسند کرتی ہوں لیکن اس طرح کسی کی ماتحتی میں کام کرنا پسند نہیں کرتی۔ میں نے بہت دولت کمائی ہے گرینگو۔ لاکھوں روپے کا بینک بیلنس ہے میرا۔ دولت کی اتنی ہوس نہیں ہے مجھے۔ لیکن میں خود کو برتر دیکھنا چاہتی ہوں۔ کیونکہ اس سے پہلے لوگ اپنے آپ کو برتر سمجھتے رہے ہیں۔ میں اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے اپنی دولت کی ایک ایک پائی خرچ کرسکتی ہوں۔ سڑکوں پر آکر بھوکے مرجانا پسند

کرتی ہوں۔ لیکن کسی کی ماتحتی نہیں کرسکتی۔ میں بلیک میل ہونا نہیں چاہتی۔ گرینگو مجھے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔"

"اوہ بس اتنی سی بات۔" گرینگو نے ہنستے ہوئے کہا اور مسز درانی کا دوسرا جام بھر دیا۔

"پیو۔ اور بیتی رہو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ سمجھو وہ مر چکا۔ اب اُس کا وجود باقی نہیں ہے۔ اور یہ بات گرینگو شراب کے نشے میں نہیں کہہ رہا۔ یقیناً تم اس کے بارے میں معلومات حاصل کرکے پہنچی ہوگی۔"

"ہاں گرینگو یہ حقیقت ہے کہ میں تمہارے بارے میں معلومات حاصل کرکے ہی پہنچی ہوں۔ اور یہ میری خوش بختی ہے کہ تم نے میرا ہاتھ تھام لیا۔"

"دوسری صبح

اس نے گرینگو سے واپسی کی اجازت مانگی۔

”ناشتے کے بعد چلی جانا ڈارلنگ ابھی تو تمہیں اُس شخص کے بارے میں بہت کچھ بتانا ہے۔تم نے مجھ سے تعاون کیا ہے میں نے تو ابھی تم سے کوئی تعاون نہیں کیا۔“ گرینگو نے کہا اور مسز درانی مسکرانے لگی۔۔۔ ناشتے کے دوران وہ سہیل کے بارے میں تفصیلات بتاتی رہی ۔اور گرینگو کی آنکھوں میں تمسخر کے آثار نظر آنے لگے۔

”بس اتنی سی بات۔کسی نواب کے چھوکرے کی بھی یہ ہمت ہوگئی کہ وہ بلیک میلروں پر ہاتھ ڈالے۔کوئی بات نہیں۔کہاں بتایا تم نے اسے کہاں ملتا ہے وہ۔“!

”رین بو کلب۔شام کو وہاں آتا ہے۔“مسز درانی نے بتایا۔

”کیا شام کو پانچ بجے تم وہاں موجود ہوگی۔“؟

"ممکن ہے۔ موجود ہوں۔"

"تمہاری وہاں موجودگی ضروری ہے ڈیئر۔ ورنہ گرینگو کو لطف نہ آئے گا۔ تم بے فکر رہو کوئی یہ نہ جان سکے گا کہ وہاں ہونے والے ہنگامے سے تمہارا کوئی تعلق ہے۔" گرینگو نے کہا اور مسز درانی نے مسکرا کر گردن ہلادی۔

بڑے ہال میں مشاعرہ ہو رہا تھا اور عالم پناہ اپنی تازہ غزل سنا رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹے سے وہ اپنی تازہ غزلیں سنا رہے تھے۔ ہر غزل بالکل تازہ ہوتی تھی۔ ان پر آمد تھی اور وہ مسلسل غزل کہہ رہے تھے۔ اور سامعین اس ڈاکہ زنی پر سخت حیران تھے۔ ان تازہ غزلوں میں ایک استاد ذوقؔ کی اور غالبؔ کی غزلیں سُنائی جا چکی تھیں۔ مقطع میں نہایت بھونڈے پن سے اپنا نام ٹھونسنے کی کوشش کی جاتی تھی اور

سب سے دشوار گن مرحلہ وہی ہوتا تھا جب حاضرین کو اپنی ہنسی دبانی مشکل ہو جاتی۔

آج ان غزلوں کا محرک نغمانہ تھی۔ نواب عزیز الدین کی بھانجی کافی خوبصورت اور شوخ سی لڑکی تھی۔ اسی نے اِس مشاعرے کی بنیاد ڈالی تھی۔ اور حضرت عالم پناہ ہر رومانی شعر اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہہ رہے تھے۔ بڑی دلچسپ فضا تھی لیکن صفدر نے گڑبڑ کر ڈالی۔

''چوتھی تازہ غزل بہادر شاہ ظفر کی تھی اور عالم پناہ تمام اشعار پڑھ کر مقطع کی طرف آرہے تھے کہ صفدر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ وہ جہانگیر کے سامنے آیا اور ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔

''رحم کریں عالم پناہ رحم کریں۔ خدا کے واسطے مقطع نہ پڑھیں۔''

جاری ہے

(قسط نمبر ۳)
بانگڑو
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

اس نے گڑ گڑا کر کہا۔ اور حضرت جہانگیر رُک گئے۔ انہوں نے حیرت سے صفدر کو دیکھا اور بولے۔

"خیریت۔ کیا ہوا صفدر صاحب۔"؟

"آپ اس مقطع میں کہیں فٹ نہ ہوسکیں گے۔ للہ اس مظلوم شہنشاہ پر اس قدر ظلم نہ کریں۔ آپ تو اس کے ساتھ انگریزوں سے بھی بُرا سلوک کر رہے ہیں۔"

"کس کس کی بات کر رہے ہیں۔"؟ عالم پناہ تعجب سے بولے۔

"اسی مظلوم شاعر کی جس کا تخلص اب آپ ہڑپ کرنے والے ہیں۔ عالم پناہ مقطع بے وزن ہو جائے گا۔ خدا کے لئے رحم کریں۔"

ہی ہی ہو ہو کی آوازیں بلند ہونے لگی تھیں۔

"آپ۔ آپ مشاعرہ خراب کر رہے ہیں۔" عالم پناہ نے کسی

قدر نا گواری سے کہا۔

"اور آپ اردو کے سرمائے کا خانہ خراب کر رہے ہیں۔ اُستاد ذوق کی مٹی پلید کی ہے آپ نے، ہم نے کچھ نہ کہا۔ غالبؔ کی گردن دبائی ہم نے برداشت کیا۔ لیکن بہادر شاہ ظفر پر پہلے ہی بہت ظلم ہو چکا ہے۔ اِسے معاف کر دیں۔"

"ظفر۔ ظظ۔" عالم پناہ گھبرا گئے۔ لیکن پھر سنبھل کر غصیلے انداز میں بولے۔

"کک۔ کیا مطلب ہے آپ کا۔"؟

"یہ ظفر کی غزل ہے۔" صفدر بولا۔

"تو آپ کو کیا۔ ہمارا خاندانی معاملہ ہے۔" جہانگیر صاحب بولے۔

"وہ کیسے حضور۔"؟

"ترکہ ہے یہ ہمارا۔ بہادر شاہ ظفر سے جہانگیر کا کیا رشتہ ہے آپ کو معلوم ہے۔"

"اوہ گویا یہ غزلیں آپ کو ورثے میں ملی ہیں۔"؟

"جی ہاں۔ آپ کو کیوں اعتراض ہے۔"

"اعتراض ہے حضور۔ کیونکہ آپ بہادر شاہ سے سینکڑوں سال قبل اس جہان میں تشریف لائے تھے۔"

"پھر بھی ہمارے درمیان ناموں کا رشتہ ہے۔"

"اور استاد ذوقؔ اور غالبؔ سے کیا دشمنی ہے آپ کو۔"؟ صفدر نے پوچھا۔

"ملازم تھے ہمارے۔ وظیفہ خوار تھے۔ اتنا بھی حق نہیں پہنچتا ہمیں۔ اور پھر آپ لوگوں کو کیا اعتراض ہے۔ آپ کی تو....."

"عالم پناہ بُری طرح گھبرا گئے تھے لیکن اسی وقت زوردار آواز

سے دروازہ کھلا اور موسیقارِ اعظم اندر گھس آئے۔ ہال میں نیم تاریکی تھی اور وہ تیز روشنی سے اندر آئے تھے اِس لئے بڑے اطمینان سے سامعین پر چڑھ گئے اور ہنگامہ ہو گیا۔ یوسف نے انہیں خود پر سے ہٹایا تو وہ رشیدہ کی گود میں گر پڑے اور رشیدہ کی سریلی چیخ اِن کے کانوں میں گونجی تو وہ خود بھی دہشت زدہ انداز میں چیخ پڑے۔ رشیدہ نے بمشکل خود پر سے انہیں دھکیلا تھا۔ تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہو گئے۔ دلربا کی کرب ناک چیخیں گونج رہی تھیں۔

"کک کون ہے یہاں۔ ارے کوئی ہے۔ کوئی بچاؤ مم۔ میں۔ میں۔ میں۔" وہ بُری طرح بدحواس ہو گئے تھے۔

"کیا ہوا آپ کو۔ کیا مصیبت آ گئی۔" یوسف نے اِن کی چوڑی بیلٹ پکڑ کر انہیں کھڑا کیا۔

"ایں۔ کک کہاں ہیں آپ۔ کون ہے یہاں۔"؟ وہ خلاء میں

ہاتھ مارنے لگے۔

”کھرونچہ لگ جائے گا کسی کے پیچھے ہٹ جاؤ۔“ صفدر چیخا۔

لیکن آہستہ آہستہ شیکی صاحب کی آنکھیں تاریکی کی عادی ہو گئیں اور وہ منہ پھاڑے ایک ایک کو دیکھنے لگے۔ پھر غصیلے انداز میں بولے۔

”کیا ہو رہا تھا اندھیرے میں۔“؟

”بس آپ کا انتظار کر رہے تھے۔“ صفدر نے جواب دیا۔

”تم پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے۔“ اس بار جہانگیر عالم پناہ آگے بڑھ آئے اور شیکی کو یہاں آنے کی وجہ یاد آ گئی۔ دوسرے لمحے وہ جہانگیر صاحب پر جھپٹا اور ان کا گریبان پکڑ لیا۔

”یہاں گھسے ہوئے ہو، اندھیرے میں بیٹھے ہو اور وہاں ہم لُٹ رہے ہیں، برباد ہو رہے ہیں۔“

”اوہ۔ پاگل ہو رہے ہو۔ کیا کر رہے ہو شیروانی پھٹ جائے

گی۔ چھوڑو۔ میرا گریبان تو چھوڑو۔" عالم پناہ نے شیکی سے اپنا گریبان چھڑانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ لیکن وہ گریبان میں لٹک ہی گیا تھا۔ بمشکل تمام عالم پناہ اُس سے اپنا گریبان چھڑانے میں کامیاب ہوئے۔

"کیا مصیبت آئی ہے تم پر کچھ بکو تو سہی۔"

"مصیبت۔ مصیبت مجھ پر نہیں بلکہ ہم دونوں پر آئی ہے دیکھو تو سہی باہر چل کر۔ لُٹ گیا۔ سب کچھ لُٹ گیا۔ برباد ہو گئے ہم دونوں۔ برباد ہو گئے۔ ہائے دلربا۔ ہائے دلربا۔" وہ عالم پناہ کا گریبان چھوڑ کے گٹار کی طرف لپکے اور اُسے اٹھا کر پھر اپنے گلے میں لٹکا لیا۔ اسی کے تاروں پر ایک دلدوز لے چھیڑ کر اُن کی انگلیاں رک گئیں۔

"باہر قہقہے لگ رہے ہیں۔ ہنسی مذاق ہو رہے ہیں۔ اور وہ دونوں محبت کی وادیوں کی سیر کر رہے تھے۔ ہم لُٹ گئے عالم پناہ۔ ہم لُٹ

گئے۔" شیکی بین کرنے والے انداز میں بولا۔نوجوان اسے دیکھ رہے تھے۔

"کہاں قہقہے لگ رہے ہیں۔کون قہقہے لگا رہا ہے۔کیا ہوا؟ دیکھو شیکی تفصیل سے بتاؤ۔بدحواسی چھوڑو۔ورنہ اچھا نہ ہوگا۔" عالم پناہ نے دردمندی سے کہا اور شیکی نے پھر دلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرا۔"ہوا یوں۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولا۔"کہ میں ادھر سے گزر رہا تھا کہ میرے کانوں میں ایک آواز آئی۔اور یہ آواز وہی آواز ہے جو ہمیں ہمارے خوابوں میں پریشان کرتی ہے۔جو ہم دونوں کے درمیان رقابت کا باعث بنی ہے۔وہ آواز سن کر میں رک گیا۔اور جب میں نے مہندی کی باڑھ کے دوسری جانب دیکھا۔تو وہ ایک عجیب منظر تھا۔ایک اجنبی شخص ایک انوکھی شخصیت اُس کے نزدیک موجود تھی۔اور یوں لگتا تھا وہ جیسے اُس کے سحر میں گرفتار ہو۔ہاں مجھے

دیکھ کر وہ دونوں ہنس پڑے ۔میں آگے بڑھا اور ان کے درمیان حائل ہونے کی کوشش کی ۔لیکن میں نے محسوس کیا کہ میں ۔میں انہیں روک نہیں سکتا۔اور معاہدے کے تحت میں تمہیں اطلاع دینے چلا آیا۔سنبھالو عالم پناہ ان حالات کو سنبھالو۔ورنہ صورتحال بے حد خراب ہو جائے گی ۔ہم پردیس میں لٹ جائیں گے۔'' شیکی نے کہا۔اور پھر گٹار پر کوئی المیہ دُھن بجانے لگا۔عالم پناہ نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ سے گٹار نیچے گرا دیا تھا۔

''کہاں ہے وہ ۔اور کون ہے وہ شخص۔'' انہوں نے خشک لہجے میں کہا۔

''باہر نکلو تو تمہیں کچھ پتہ چلے۔تم تو یہاں اندھیرے میں بیٹھے نجانے کیا کر رہے ہو۔چلو باہر چلو۔آؤ میں دکھاؤں۔'' شیکی نے کہا۔اور عالم پناہ اُس کے ساتھ باہر نکل آئے۔وہ دونوں اندر بیٹھے

ہوئے لوگوں کو نظر انداز کر چکے تھے۔ اِن دونوں کو باہر جاتے دیکھ کر اُن لوگوں نے گردنیں ہلائیں اور بولے۔

"کوئی نیا سلسلہ۔" ؟ آؤ دیکھیں کیا چکر ہے۔ اور یہ غول بیابانی بھی اِن کے پیچھے نکل آیا اور دبے قدموں اُن کا تعاقب کرنے لگا۔ شیکی اور جہانگیر بائیں باغ کی طرف جا رہے تھے۔ جہاں شیکی نے سہیل اور نوشاب کو دیکھا تھا۔ اِن کی رفتار بہت تیز تھی۔ لیکن نوجوانوں کا غول بھی اسی رفتار سے اِن کا تعاقب کر رہا تھا۔

بائیں باغ کا وہ گوشہ خالی تھا جہاں تھوڑی دیر قبل نوشاب اور سہیل کھڑے ہوئے تھے۔

شفیع الدین شیکی اِدھر اُدھر جھانکنے لگے۔ عالم پناہ دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر کھڑے غصیلی نگاہوں سے شیکی کی حرکات کو دیکھ رہے تھے۔ "کک کہاں گئے دونوں۔ تھوڑی دیر قبل یہیں تھے۔" وہ بے بسی

سے بولا۔

”یہاں کی آب وہوا بھی تمہیں راس نہیں آئی شیکی۔“

”تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔“؟ وہ جھلاتے ہوئے انداز میں بولا۔

”سو فیصدی۔ بلکہ ایک سو دس فیصد۔“

”تم خود ایک سو بیس فیصد جھوٹے ہو، دیکھو عالم پناہ۔ تم میری عزتِ نفس مجروح نہیں کر سکتے۔ میں نے خود دیکھا تھا۔ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ نوشاب اِس کے ساتھ تھی اور اِس سے بے تکلفی سے گفتگو کر رہی تھی۔“

”مگر وہ کون تھا۔“؟

”اجنبی۔ اس سے قبل نہیں دیکھا گیا۔“

”تو اب کہاں گئے وہ دونوں۔“

"خدا جانے۔ ممکن ہے چلے گئے ہوں۔" شیکی نے کہا۔ اسی وقت ان کی نگاہ عقب میں اُٹھ گئی۔ لڑکے لڑکیوں کا غول زیادہ دور نہ تھا۔

صفدر نے آگے بڑھ کر کہا۔

"کیا مسئلہ ہے۔ ہم لوگ آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔"؟

"آہ کرو۔ خدا کے لئے کرو۔ میں بے موت مر جاؤں گا۔ میں نہیں برداشت کر سکتا۔ کبھی نہیں برداشت کر سکتا کہ نوشاب۔"

"زبان سنبھال کے۔ میں کہتا ہوں زبان سنبھال کے۔" عالم پناہ دہاڑے۔

"مگر مسئلہ کیا ہے مسٹر شیکی۔"؟ صفدر نے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ اِسے میرے علاوہ اور کوئی نہ حاصل کر سکے گا۔ خون کی ندیاں بہا دوں گا۔ ٹکڑے

ٹکڑے کردوں گا دلربا کی مدد سے۔ میری زندگی میں اسے کون حاصل کرسکتا ہے۔"

"میں نے" عالم پناہ سینے پر ہاتھ مار کر بولے۔ مجال ہے کوئی میرے سامنے آئے اپنے ناپاک لبوں سے اس کا نام لے۔

"اے اے۔ یہ ہمارا ذاتی مسئلہ ہے۔ اِس سلسلے میں ہم آپس میں فیصلہ کریں گے۔ اِس وقت اِس کی بابت سوچو جو ہمارے درمیان آ چکا ہے۔" شیکی نے کہا۔

"دیکھئے آپ لوگ اگر ہمیں دوست نہیں سمجھتے تو آئندہ ہم آپ سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے۔ آخر آپ ہمارے رشتہ دار ہیں ہمیں تو بتائیں مسئلہ کیا ہے۔" صفدر نے کہا اور شیکی نے ایک سرد آہ کھینچی۔ پھر بولا۔

"مسئلہ۔ آہ۔ یہ ہماری زندگی کا سب سے اہم مسئلہ ہے۔"

”صرف میری زندگی کا۔ تمہارا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

جہانگیر عالم پناہ دہاڑے۔

” بکواس مت کرو۔ مم۔ میرا مطلب ہے پلیز خاموش رہو۔ خاموش رہونا۔“ آخری الفاظ شکی نے بڑی عاجزی سے کہے تھے۔ جہانگیر کا تن وتوش اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھا۔ جہانگیر خاموش ہو گیا تو وہ پھر بولا۔

”میں اسے دل و جان سے چاہتا ہوں۔ آہ میں اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ نوشاب میری رُوح کی گہرائیوں میں اُتر گئی ہے۔ وہ میری ہے صرف میری۔ لیکن وہ نوجوان۔“

”میرے سامنے اسے اپنی کہہ رہا ہے۔ کمینے ذلیل میں تیری ہڈیاں توڑ دوں گا۔“ عالم پناہ نے شیروانی کی آستین اوپر چڑھاتے ہوئے کہا۔

''ایک منٹ۔ ایک منٹ۔ پہلے آپ لوگ آپس میں فیصلہ کر لیں۔ پھر کسی دوسرے کے بارے میں سوچیں۔'' صفدر نے مداخلت کی۔

''گویا یہ بات طے ہو گئی ہے کہ آپ دونوں نوشاب کو چاہتے ہیں۔''

''صرف میں۔'' عالم پناہ بولے۔

''ناممکن۔ خدا کی قسم ناممکن، میں جان پر کھیل جاؤں گا۔ ایسا نہ ہونے دوں گا!'' شیکی نے چیخ کر کہا۔

''ایسا ہوگا۔'' عالم پناہ دہاڑے۔

''نہیں ہوگا۔'' شیکی نے بھی اسی طرح کہا۔

''اس کا بہترین طریقہ جنگ ہے۔ آپ دونوں ڈوئل لڑیں۔ فیصلہ ہو جائے گا۔'' صفدر نے پھر مداخلت کی۔

''میں تیار ہوں۔'' عالم پناہ بولے۔

''اور میں بھی تیار ہوں۔'' شیکی نے جوش کے عالم میں کہا۔ لیکن پھر اس کی آواز ڈھیلی پڑ گئی۔ اِس نے گٹار کے تاروں پر انگلیاں پھیریں۔ اور دوبارہ بولا۔ ''میں واقعی تیار ہوں۔''

سہیل موجود تھا۔ مسز درانی کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے بس ایک نگاہ سہیل کو دیکھا اور اس طرح اجنبی بن گئی جیسے سہیل پر نگاہ ہی نہ پڑی ہو۔ پتہ نہیں سہیل نے اس کو دیکھا یا نہیں۔ اس وقت بھی ایک خوبصورت لڑکی اسے گھیرے بیٹھی تھی اور وہ یوں سر جھکائے شرمایا بیٹھا تھا جیسے کوئی نئی نویلی دلہن اپنے شوہر کے ساتھ پہلی بار کسی

پبلک پلیس میں آئی ہو۔لڑکی اس سے کچھ باتیں کر رہی تھی اور سہیل شرما شرما کر دُہرا ہوا جا رہا تھا۔مسز درانی نے ایک ایسی میز کا انتخاب کیا جہاں سے وہ سہیل پر بھی نگاہ رکھ سکتی تھی اور دروازے پر بھی۔ سہیل کو دیکھ دیکھ کر اس کا خون کھول رہا تھا۔کچھ عرصے قبل سہیل نے اسے بھی اسی طرح بے وقوف بنایا تھا۔اور اس بھر پور نوجوان کی یہ معصومانہ ادائیں دیکھ کر مسز درانی نے سوچا تھا کہ یہ شخص مرد کی حیثیت سے بھی ایک انوکھی چیز ثابت ہوگا۔ایک اوباش عورت کی حیثیت سے وہ مردوں کی اقسام سے بخوبی واقف تھی۔ جانتی تھی کہ اب تک یہ نوجوان بالکل ایک ان چھوئے پھول کی مانند ہے اور جب پہلی بار وہ زندگی سے آشنا ہوگا تو اس کی کیفیت بہت ہی انوکھی بڑی ہی دلکش ہوگی۔ پھر اس نے سہیل کو دوسرے ذریعہ سے بھی پھانسنے کا فیصلہ کیا تھا۔لیکن ان تمام فیصلوں میں اسے کس قدر احمق بننا پڑا تھا

کیسی زبردست ناکامی سے دو چار ہوئی تھی وہ۔ یہ اس کا دل ہی جانتا تھا۔

وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتی تھی کہ کوئی بھی لڑکی جو سہیل کے پاس آ کر اس کی معصومیت سے نہ جانے کیسے کیسے ہوائی قلعے تعمیر کر لیتی ہے۔ سر پکڑ کر رونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکے گی۔ مسز درانی کا تو یہ بھی خیال تھا کہ سہیل اپنی ذات میں جو کمی بتاتا ہے وہ بھی ایک فراڈ ہے۔ یہ انوکھی شخصیت کا مالک نوجوان اپنے آپ کو واقعی ایک حیرت انگیز چیز بنا کر پیش کر چکا تھا۔ اور مسز درانی نے دل ہی دل میں یہ اعتراف کیا تھا کہ اس کا تجربہ کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ نوجوان بلاشبہ بڑے بڑوں کے کان کتر سکتا ہے اور اس وقت بھی نجانے کس طرح وہ اس لڑکی کے کان کتر رہا تھا۔ بے وقوف لڑکی سوچ رہی ہے کہ ایک دلچسپ اور دلکش نوجوان سے ہمکلام ہے۔ اپنی دانست میں وہ اسے

متاثر کر رہی تھی اور زندگی کے انوکھے خواب بُن رہی تھی۔ لیکن یہ خواب جس انداز میں چکنا چور ہوں گے ان پر تلملا کر رہ جائے گی۔ یہ خیالات تو سہیل کو دیکھ کر اس کے ذہن میں پیدا ہوئے تھے لیکن پھر گرینگو کا خیال آ گیا جو اب سے ٹھیک دس منٹ کے بعد یہاں پہنچنے والا تھا۔ پانچ بجے کا اس نے وعدہ کیا تھا اور اب پانچ بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔

گرینگو یہاں آ کر کیا کرے گا۔ گرینگو کی شخصیت کا وہ کسی حد تک اندازہ لگا چکی تھی۔ وہ بظاہر تو ایک شاطر آدمی نظر آتا تھا لیکن ممکن ہے جذباتی بھی ہو اور خود پرستی کا شکار بھی۔ ان حالات میں یہی ہو گا کہ شاید وہ سیدھا سہیل کی میز پر پہنچے گا اسے اٹھائے گا اور مارنا شروع کر دے گا۔ اس وقت کیا ہو گا۔؟

”کیا سہیل اپنی مدافعت کر سکتا ہے یا پھر وہ گرینگو کے ہاتھوں مار

کھا جائے گا۔''؟

''سہیل اب تک جس رُوپ میں مسز درانی کے سامنے پیش ہوا تھا اس سے مسز درانی کو بھی یہ احساس ہوتا تھا کہ وہ بھی ایک تند خو نوجوان۔ٹھنڈی طبیعت کا مالک بھی ہے اور خونخوار طبیعت کا بھی۔ ممکن ہے یہاں کوئی خون ریز ہنگامہ ہو جائے۔

سب سے بڑا سوال یہ تھا کہ کیا سہیل کو یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ گرینگو کو سہیل کے خلاف آمادہ کرنے والی مسز درانی ہے اگر ایسا ہوا تو بہت بُرا ہو گا۔فیصلہ صرف اسی وقت ہو سکتا ہے کہ گرینگو اور سہیل کے درمیان ہونے والی چپقلش میں کامیابی کسے نصیب ہوتی ہے۔اس نے اپنے لئے ایک مشروب منگوا لیا اور اس کی چسکیاں لینے لگی۔زبان سوکھ کر کانٹا ہوئی جا رہی تھی۔حلق خشک ہو رہا تھا وہ دھیرے دھیرے مشروب کے گھونٹ پی رہی تھی لیکن یوں لگتا تھا جیسے کچھ نہ پی رہی ہو۔اس کی

عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی۔ اس میں خوف بھی تھا اور بے چینی بھی۔ اس دوران اس نے کئی بار نگاہیں اٹھا کر سہیل کو دیکھا تھا۔ لیکن یوں لگتا تھا جیسے سہیل ابھی تک اس کی موجودگی سے لاعلم ہو۔

وقت بہت ہی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ پھر پانچ بج گئے اور اس وقت گھڑی کی سوئی پانچ بج کر تیس سیکنڈ تک پہنچی تھی کہ گرینگو ایک عمدہ تراش کے سوٹ میں اندر داخل ہوا۔ عام حالات میں گرینگو شکل سے خوف ناک ضرور نظر آتا تھا لیکن اس قدر غیر مہذب بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کہیں اس کی آمد اجنبی نگاہوں سے دیکھی جائے۔ دروازے میں کھڑے ہو کر اس لمبے چوڑے آدمی نے پورے ہال میں نگاہیں دوڑائیں۔ پہلے مسز درانی کو دیکھا اور پھر سہیل کو۔

مسز درانی اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھی۔ اس نے اندازہ

لگا لیا کہ گرینگو نے سہیل کو پہچان لیا ہے۔ وہ خاموشی سے ایک میز کی سمت بڑھ گیا اور کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔ ویٹر اس کے سر پر مسلّط ہو گیا تھا۔ گرینگو نے اسے کوئی آرڈر دیا اور ویٹر وہاں سے چلا گیا۔ اس نے بھی کوئی مشروب ہی منگوایا تھا۔

مشروب آنے کے بعد وہ خاموشی سے بیٹھا اس کی چسکیاں لیتا رہا۔ مسز درانی نے اطمینان کی گہری سانس لی تھی۔ اگر گرینگو آتے ہی سہیل پر جھپٹ پڑتا تو اس سے اس کی وحشیانہ فطرت کا اندازہ ہوتا۔ اور ریبو کلب کے ماحول میں یہ صورتحال ممکن تھا کہ گرینگو کے خلاف ہی چلی جاتی۔ ظاہر ہے وہاں کے منتظمین اُسے ہنگامہ کرنے کی اجازت نہ دیتے۔ یہ بھی ممکن تھا کہ سارے نوجوان ہی اس سے ہنگامہ آرائی کے جرم میں لپٹ پڑتے۔ گرینگو وہاں کس کس سے نمٹ سکتا تھا۔ ہاں پستول وغیرہ کی بات دوسری تھی۔ بہرصورت گرینگو کے

وہاں جاکر خاموش بیٹھ جانے سے یہ اندازہ بھی مسز درانی کو بخوبی ہو گیا کہ گرینگو بالکل ہی جاہل آدمی نہیں ہے اور وقت کی نزاکت کا احساس رکھتا ہے۔ چنانچہ اسے کسی قدر اطمینان ہو گیا۔ اگر یہ طاقت کا پہاڑ خالی پہاڑ ہی ہوتا تو خاصی مشکلات پیش آتیں۔ لیکن اب مسز درانی کو ایک حد تک اطمینان ہو گیا تھا۔ گرینگو بھی اطمینان سے بیٹھا رہا۔ اور مسز درانی بھی اپنی جگہ بیٹھ کر مشروب کی چسکیاں لیتی رہی اس نے دوبارہ یہی مشروب منگوایا تھا۔ ایک عجیب سی سنسنی اس کے بدن میں پھیلی ہوئی تھی۔ عجیب سے احساسات کا شکار تھی بہرصورت اس وقت تقریباً ساڑھے چھ بجے تھے جب اس نے دیکھا کہ سہیل اس لڑکی کے ساتھ اپنی جگہ سے اُٹھ گیا ہے سہیل نے کچھ فاصلے پر چل کر لڑکی سے ہاتھ ملایا اور دروازے کی جانب مُڑ گیا۔ مسز درانی نے بے چین ہو کر گرینگو کو بھی اپنی جگہ سے اُٹھتے دیکھا تھا۔ وہ البتہ وہیں بیٹھی

رہی ۔اب اسے جو کچھ بھی معلوم ہو سکتا تھا بعد میں ہی معلوم ہو سکتا تھا۔اس وقت وہ ان دونوں کا تعاقب کرنے کی ہمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس کی ۔حالانکہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ ان دونوں کے پیچھے جائے اور دیکھے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے لیکن ٹانگیں ساتھ نہ دے رہی تھیں ۔یوں لگ رہا تھا اسے کہ اگر اُٹھنے کی کوشش کرے بھی تو وہ نہیں اُٹھ سکتی چنانچہ وہ وہیں بیٹھی رہی۔اور اس کے شناسا اس کی اس تنہائی کو حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

اور یہ حقیقت تھی کہ گرینگو احمق نہ تھا۔اس سے قبل وہ ریمبو کلب میں نہیں آیا تھا۔اس نے یہی سوچا تھا کہ ریمبو کلب کوئی عام سی جگہ ہو گی ۔وہاں داخل ہو کر وہ سہیل کو بھانپ لے گا۔اس کی اچھی خاصی پٹائی کر ڈالے گا۔اسے ہدایت کر دے گا کہ مسز درانی کے خلاف کوئی

کاروائی نہ کرے اور اگر آئندہ اس نے ایسا کیا تو اسے ختم کر دیا جائے گا۔لیکن ریبو کلب میں داخل ہو کر اسے احساس ہوا کہ یہ جگہ ذرا ٹیڑھی ہے۔اس کی توقع سے کہیں زیادہ بڑے لوگوں کی تفریح گاہ تھی۔اور اگر اس کی ذات سے کسی بڑے آدمی کو نقصان پہنچ گیا تو حالات کافی بگڑ سکتے تھے۔وہ غنڈہ ضرور تھا لیکن ظاہر ہے اپنی غنڈہ گردی کو برقرار رکھنے کے لئے بھی کچھ اصول اپنانے پڑتے تھے۔اور وہ ہر جگہ ہی غنڈہ گردی نہیں کر سکتا تھا۔بہر صورت سہیل کو اس نے پہلی ہی نگاہ میں پہچان لیا۔مسز درانی نے اس نوجوان کے بارے میں جو کچھ بتایا تھا وہ اس تفصیل پر پورا اُترتا تھا۔اور گرینگو سمجھ گیا کہ وہی سہیل ہے۔چنانچہ اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ وہ سہیل کا تعاقب کرے گا۔اور کہیں راستے میں اُسے جا لے گا۔ویسے اسے بہت ہنسی آئی تھی سہیل پر کہ اس جیسا نوجوان بھی بلیک میلر ہو سکتا

ہے۔مسز درانی جیسی گھاگ عورت کو قابو میں کر سکتا ہے۔

بات ہنسی ہی کی تھی۔لیکن گرینگو بہر صورت ہوشیار تھا۔اپنی اب تک کی زندگی میں اس نے بے شمار مسائل میں ہاتھ ڈالا تھا اور کامیابیاں بھی حاصل کی تھیں۔لیکن خوب سوچ سمجھ کر،غور و غوض کے بعد۔وہ اس اصول کا قائل تھا کہ دشمن کو کبھی کمزور نہ سمجھا جائے۔

چنانچہ اس نوجوان کی طرف سے بھی وہ اتنا لاپرواہ نہیں تھا۔رات ہونے کو تھی۔سڑکوں پر کہیں کہیں روشنیاں جل اُٹھی تھیں۔وہ سہیل کا تعاقب کرنے لگا۔اس کا ارادہ تھا کہ کسی سنسان سڑک پر سہیل کی گاڑی کو روک لے گا۔اور پھر وہاں اس سے با آسانی بات ہو جائے گی۔چنانچہ وہ اس کے پیچھے لگا رہا کئی سڑکیں مڑنے کے بعد اسے یوں لگا جیسے سہیل کو اس تعاقب کا علم ہو گیا ہو۔کیونکہ اب وہ کار ایسی سڑکوں پر گھما رہا تھا جن کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ نہ تھا۔ایسا

صرف انہی مواقع پر کیا جاتا ہے جب کسی کے تعاقب کا اندازہ کرنا ہو۔ گرینگو کو اس کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ اگر اسے پتہ بھی چل گیا ہے تو وہ اس کا کیا کر سکے گا۔

اس وقت البتہ اسے حیرت ہوئی جب آگے جانے والی کار بندر گاہ کے راستے کی طرف مڑ گئی۔ بندرگاہ کو جانے والا راستہ تھوڑی دُور تک تو آباد تھا لیکن اس کا ایک بڑا حصہ غیر آباد تھا اور اس سنسان حصے میں کوئی بھی اس قسم کا کام بآسانی کیا جا سکتا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ سہیل خان اپنے آپ کو واقعی تیس مار خان سمجھتے ہیں۔ گرینگو نے سوچا اور اپنے مضبوط بازوؤں پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ اس کو اپنے بازوؤں کی قوت پر بے حد ناز تھا۔ روزانہ صبح کو وہ باقاعدگی سے ورزش کرتا تھا اور اپنے بدن کی مالش کرایا کرتا تھا۔ اس کے ساتھی اسے چیتے سے تشبیہہ دیا کرتے تھے اور درحقیقت گرینگو کا بدن چیتے

ہی کی طرح طاقتور اور پھرتیلا تھا۔ بندرگاہ کے آباد راستے سے گزرنے کے بعد وہ سنسان حصے میں پہنچ گئے جہاں ریت کے بڑے بڑے ٹیلے بکھرے ہوئے تھے۔ بعض جگہ سے سڑک ان ٹیلوں کے درمیان سے گزرتی تھی۔ جب تیز ہوائیں چلتی تھیں تو ریت اُڑ اُڑ کر سڑک پر آجایا کرتی تھی بعض اوقات تو اس سڑک کو باقاعدہ صاف کرانا پڑتا تھا اور پھر سہیل نے گرینگو کی مزید مدد کی۔ وہ سڑک سے کچے راستے پر اُتر گیا۔ سمندر زیادہ دور نہیں تھا۔ ٹیلوں کے درمیان ریت پر گاڑی دوڑاتا ہوا وہ کافی دُور چلا گیا۔ حالانکہ یہ احمقانہ حرکت تھی۔ لیکن پتہ نہیں اسے کیا ہو گیا تھا۔ گرینگو نے خود بھی اپنی کار ریت پر اتار دی اور آگے جانے والی گرد کا تعاقب کرتا رہا۔ جواب اس کی کار کے ونڈ اسکرین پر آگئی تھی۔ اسے کار ڈرائیو کرنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔

لیکن کچھ دور چل کر اس نے اپنی کار روک دی۔ سامنے ہی سہیل کی کار نظر آ رہی تھی۔ سہیل کار کے بونٹ سے ٹیک لگائے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا۔ گرینگو اس سے تقریباً ۵۰ گز کے فاصلے پر رک گیا تھا۔ وہ خود بھی دروازہ کھول کر نیچے اُتر آیا اور اپنی جگہ کھڑے ہو کر سہیل کو دیکھنے لگا۔ اس نے موٹا سگار نکالا دانتوں میں دبایا اور اُسے سلگانے لگا۔ تیز ہوا میں اس کا لائیٹر صحیح طور پر کام نہیں کر رہا تھا۔ گرینگو کو کئی بار لائیٹر جلا کر اپنا سگار سلگانے کی کوشش کرنا پڑی۔ سگار کے دو تین گہرے گہرے کش لے کر ایک ہاتھ پتلون کی جیب میں ڈالتا ہوا وہ آگے بڑھ گیا۔ سہیل بدستور اسی انداز میں کھڑا ہوا تھا۔

شام بالکل جھک آئی تھی اور فضا نیم تاریک سی ہو گئی تھی۔ گرینگو سہیل کے سامنے پہنچ گیا۔ سگار کا گہرا کش لیا اور دھواں سہیل کی

طرف پھینکا۔ ہوا نے دھواں سہیل کی جانب نہیں جانے دیا تھا۔

"ہیلو۔" سہیل کی آواز اُبھری۔

"بہت دیر سے مشقت کر رہے ہو، کیا بات ہے۔"؟ لہجہ خالص کاروباری تھا۔

"اوہ۔ تو میرا خیال درست تھا۔ تم میرے تعاقب سے واقف ہو گئے تھے۔" گرینگو نے بھاری آواز سے کہا۔

"ہاں میں نے یہ اندازہ لگالیا تھا کہ کلب سے تم میرے پیچھے ہی اٹھے ہو۔"

"چالاک آدمی معلوم ہوتے ہو۔ لیکن گرینگو کو تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی۔"

"گرینگو۔ خوب۔ شکل سے بھی گرینگو ہی معلوم ہوتے ہو۔" سہیل بولا۔

”معلوم ہوتا ہوں نا۔ بہر صورت تم سے ایک خاص سودا طے کرنا ہے۔“

”کہو۔ کیا بات ہے۔“؟ سہیل نے پوچھا۔

”ہوں۔“ گرینگو چند قدم آگے بڑھ آیا۔ اب وہ سہیل سے صرف ایک گز کے فاصلے پر تھا۔

”بات دراصل یہ ہے۔“ گرینگو نے سگار اُلٹے ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسایا اور سیدھا ہاتھ گھما دیا۔ اس کا مضبوط گھونسا سہیل کے گال کی طرف بڑھا تھا لیکن سہیل تھوڑا سا جھکا اور گرینگو کا ہاتھ فضا میں گھوم کر رہ گیا۔

”خوب۔ تو یہ گفتگو کرنے تم میرے پیچھے یہاں تک آئے ہو۔“ سہیل مسکراتے ہوئے بولا۔ اور گرینگو نے جلتا ہوا سگار ایک طرف اُچھال دیا۔ اس نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے تھے۔

"معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ خاصی مشقت کرنا پڑے گی۔"

"ہاں۔بغیر مشقت کے انسان کو دنیا میں کچھ حاصل نہیں ہوتا۔" سہیل نے خود بھی دونوں ہاتھ پھیلا کر انگلیوں سے اُسے اشارہ کیا۔ اور گرینگو ارنے بھینسے کی طرح اس پر پل پڑا۔ اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی تھی کہ سہیل اپنی جگہ سے ہٹا نہیں تھا۔ ہاں جب وہ بونٹ پر پہنچا تو سہیل ایک دم سے نیچے بیٹھ کر اس کی ٹانگوں کے درمیان سے دوسری طرف نکل گیا تھا۔ اور گرینگو بونٹ پر اوندھا ہو گیا۔ یہ بات اسے غصہ دلانے کے لئے کافی تھی۔ وہ پھر سیدھا ہوا۔ پلٹا۔ اور دونوں ہاتھ ٹکا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔

"یہ کیا چوہوں کی طرح اُچھل کود کر رہے ہو۔ آؤ مقابلہ کرو۔" اس نے بھاری آواز میں کہا۔

"پاگلوں سے لڑنا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر تم دیوانے ہو تو میں

تمہیں کسی پاگل خانے میں پہنچا سکتا ہوں۔ اور اگر عقل مند اور ہوشیار ہو۔ تو یہاں تک آنے کی زحمت کیوں گوارا کی ہے تم نے۔؟ ورنہ پھر دوسری صورت میں، میں واقعی اس پر آمادہ ہو جاؤں گا کہ تمہارا دماغ درست کر دوں۔" گرینگو غصے سے پاگل ہو گیا تھا۔ یہ گفتگو اس کے لئے اجنبی تھی اور مقابل ایک ایسا چھوکرا تھا جسے گرینگو جیسا شخص خاطر میں نہیں لا سکتا تھا۔ اس نے دیوانہ وار سہیل پر چھلانگ لگا دی۔ لیکن سہیل اس کی نسبت بہت ہلکا پھلکا تھا۔ چنانچہ گرینگو کی یہ چھلانگ بھی بےکار گئی۔ سہیل اُچھل کر ایک طرف ہٹ گیا۔

"تم یہ تیسری کوشش کر چکے ہو اور اب میری باری ہے۔ آخری بار تمہیں موقع دے رہا ہوں کہ مجھے اس اُچھل کود کا مقصد بتا دو۔ ورنہ اس کے بعد میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔" سہیل نے کہا۔ اور گرینگو نے اسے موٹی سی گالی دی۔ تب سہیل نے آستینیں چڑھا لیں۔

''اچھی بات ہے۔ اب ہم دونوں کے درمیان گفتگو کا سلسلہ اس وقت تک کے لئے ختم ہو گیا جب تک ہم میں سے ایک بولنے پر آمادہ نہ ہو۔'' اس نے کہا۔

اور دوسرے لمحے وہ اپنی جگہ سے اُچھلا۔ اور اُس کی لات گرینگو کے سینے پر پڑی تھی۔ گرینگو نے ہر چند اس حملے سے بچنے کی کوشش کی تھی۔ لیکن سہیل کی چھلانگ اتنی نپی تلی تھی وہ بمشکل تمام صرف اپنا چہرہ بچا سکا۔ البتہ اس کی لات اس کے سینے پر پڑی تھی۔ اور گرینگو کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی فولادی ہتھوڑا اس کے سینے پر آپڑا ہو بہت تکلیف محسوس ہوئی تھی اسے اپنے سینے پر۔ وہ پیچھے ہٹ کر پھر کار کے بونٹ سے جا ٹکا۔ لیکن اب وہ خون ریز لڑائی لڑنے پر آمادہ تھا۔ اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک لمبا سا چاقو باہر نکال لیا۔ اسے افسوس ہو رہا تھا کہ دشمن کو کمزور سمجھنے کی اس نے پہلی حماقت کیوں کی۔ وہ

اپنے ساتھ پستول نہیں لایا تھا۔ حالانکہ اگر اس وقت اس کے پاس پستول ہوتا تو اسے کافی مدد مل سکتی تھی۔ پستول نہ ہونے کی وجہ سے اسے صرف چاقو پر ہی اکتفا کرنا پڑتی بہرصورت مجبوری تھی۔ چاقو کھول کر وہ سہیل کے مقابل آ گیا۔ اب سہیل کے چہرے پر بھی سنجیدگی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے تھے اور چہرے پر وہ پہلے جیسی معصومیت نہیں رہی تھی۔

”تم نے چاقو نکالا ہے گرینگو۔ اب تمہیں اس کا خمیازہ بھی بھگتنا پڑے گا۔“

”سور کے بچے۔ میں تجھے ابھی مزہ چکھاتا ہوں۔“ گرینگو وحشت ناک لہجے میں بولا۔ اور سیدھا چاقو لے کر سہیل کی جانب جھپٹا۔ سہیل نے اس کے چاقو والے ہاتھ پر اپنے پنجے کی گرفت مضبوط کی اور اُلٹے ہاتھ کی زوردار ضرب اس کے چہرے پر لگائی۔ وہ

چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ مد مقابل کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک نوجوان چھوکرا ضرور ہے لیکن اس کے ہاتھ فولادی ہیں۔ یہ دو ضربیں ہی گرینگو کو احساس دلانے کے لئے کافی تھیں۔ چنانچہ وہ خونی نگاہوں سے نوجوان کو گھورنے لگا۔ اس بار وہ اپنے چاقو کا وار کامیاب ہی کرنا چاہتا تھا۔ چاقو اگر گرینگو کے ہاتھ میں ہو تو اس کی ناکامی شاذو نادر ہی دیکھی گئی تھی۔ اس نے کئی بار چاقو مختلف انداز سے دونوں ہاتھوں میں بدلا۔ وہ انتہائی پھرتی سے چاقو دونوں ہاتھوں میں گھمانے لگا۔ نوجوان شرارت آمیز انداز سے گرینگو کو دیکھ رہا تھا۔ پھر جب اس نے چاقو سیدھے ہاتھ میں لے کر نوجوان کو جھکائی دی۔ اور اُلٹے ہاتھ سے اس پر حملہ کیا تو نوجوان اطمینان سے پیچھے ہٹ گیا پیچھے ہٹتے ہی اس نے ہاتھ کمر پر رکھ کر ایک ٹھمکا لگایا تھا۔

"اے قربان۔ واری جاؤں میں۔" نوجوان کے لہجے میں بھی ایک تبدیلی پیدا ہوگئی تھی۔ گرینگو کا پارہ اور چڑھ گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا کہ نوجوان اسے غصہ دلا رہا ہے۔ اس نے پلٹ کر پھر وار کیا۔ نوجوان بل کھا کر پھر پلٹ گیا اور گھوم کر اس نے گرینگو کی کلائی پر ہاتھ ڈال دیا۔ اس کے مضبوط پنجے کی گرفت گرینگو کی کلائی پر پڑی اور وہ اس طرح سے اس کے اوپر سے گزر گیا جیسے گرینگو انسان ہی نہ ہو۔ البتہ گرینگو کا ہاتھ اپنی گرفت میں پکڑے پکڑے اس طرح گھوم گیا تھا کہ گرینگو پلٹی کھا کر گر گیا۔ چاقو ریت میں پیوست ہو گیا تھا۔ نوجوان نے لپک کر اسے اٹھا لیا اور پھر بڑے اطمینان سے اس کو بند کر کے پوری قوت سے ایک طرف پھینک دیا۔

"اے صدقے میں۔ میرے لال۔ چاقو سے مارنا اچھی بات نہیں ہے۔ مارنا ہے تو نین کٹاری سے مارو۔ قربان ہو جائیں گے تم

پر۔ مارنا ہے تو اپنے ان مضبوط ہاتھوں سے مارو۔ دیکھیں تو سہی ذرا کتنی جان ہے ان ہاتھوں میں۔" نوجوان سینہ تانے ہوئے گرینگو کے سامنے آ گیا۔ گرینگو نے پھر ایک کوشش کی تھی۔ اس بار اس کی لات نوجوان کی پنڈلی پر پڑی تھی۔ اور نوجوان دُہرا ہو گیا۔

"اے ہائے مارڈالا۔ شہید کر دیا تو نے تو ہمیں۔ ایک اور دوسری پنڈلی ابھی خالی ہے۔" اور دوسرا پاؤں سامنے کر دیا۔ گرینگو اپنے آپ کو باز نہ رکھ سکا اور اس نے جھنجھلاہٹ میں دوسری لات نوجوان کی پنڈلی پر رسید کر دی۔ یہ ٹھوکر ایسی تھی کہ اگر کسی پتھر کو بھی ماردی جاتی تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ دیتا۔ نوجوان کی ٹانگ پر بھی خاصی زور سے لگی تھی۔ وہ اکڑوں بیٹھ گیا۔

"اے ہائے۔ ہائے ہائے۔ ارے واہ جوان ہاتھوں کو استعمال نہ کرو گے۔ لاتوں ہی لاتوں سے کام چلاؤ گے آگے تو بڑھو۔ دیکھیں

بدن میں کتنی جان ہے۔ ہم تو اپنے آپ کو تمہارے سپرد کئے دے رہے ہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ اوپر اٹھا دیئے۔ اور گرینگو نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔ وہ نوجوان کو بُری طرح رگید رہا تھا اور نوجوان کی آنکھوں میں نشے کی سی کیفیت پیدا ہوگئی تھی۔

گرینگو نے ایک عجیب و غریب تماشا دیکھا۔ وہ اسے کوٹ رہا تھا۔ پیٹ رہا تھا اور نوجوان سسکاریاں لے رہا تھا حالانکہ گرینگو کی ضربیں اتنی ہلکی نہ تھیں کہ کوئی انسان باآسانی برداشت کرلیتا۔ لیکن نوجوان تو اب ہاتھ بھی نہ ہلا رہا تھا۔ بدن بالکل بوجھل اور ڈھیلا پڑ گیا تھا۔ گرینگو نے دو تین بار اُسے اُٹھا اُٹھا کر ریت پر پٹخا۔ دونوں کا حلیہ بگڑ گیا تھا۔ نوجوان پٹتا رہا۔ گرینگو کو خود ہی اپنے انداز میں تھکن محسوس ہونے لگی۔

"تھک گئے۔ ارے ظالم ابھی تو طبیعت بھی خوش نہیں ہوئی۔

لو۔ ہم نے تو خود کو تمہارے سامنے پیش کر دیا اور تمہیں اتنی غیرت بھی نہیں آ رہی کہ مارتے رہو۔ ارے اس وقت تک تو مارو کہ ہاتھ پاؤں پُرسکون ہو جائیں۔ مارو نا کھڑے کیوں ہو۔"

لیکن گرینگو احمقوں کی طرح کھڑا اس کی شکل دیکھ رہا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا عجیب وغریب چیز اس کے سر پڑ گئی ہے۔ اپنی دانست میں اس نے نوجوان کو ادھ موا کر دیا تھا۔ اس کے جسم کے کئی حصوں سے خون رسنے لگا تھا لیکن وہ بدستور اسے چھیڑ چھیڑ کر مارنے پر اُکسا رہا تھا۔

"کھڑے ہو جاؤ۔" گرینگو نے خونخوار لہجے میں کہا۔

"ہم نہیں کھڑے ہوتے۔ پہلے ہمیں اور مارو۔" نوجوان مٹک کر بولا۔

"میں کہتا ہوں کھڑے ہو جاؤ۔ ورنہ میں تمہاری گردن دبا دوں

گا۔“

”دبا دو نا۔ کون منع کر رہا ہے تمہیں۔ میں واری۔ میں صدقے۔“ نوجوان دانت کٹکٹا کر بولا۔ اور گرینگو سر کھجانے لگا۔

اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ دو ہی باتیں ہو سکتی تھیں یا تو اسے قتل کر کے یہیں دبا دے یا پھر خاموشی سے اپنی گاڑی میں بیٹھے اور واپس چلا جائے۔ مسز درانی کا کیس اس نے اپنے ہاتھ میں ضرور لے لیا تھا۔ لیکن اب اس کے ذہن میں کچھ تبدیلیاں پیدا ہو گئی تھیں۔ وہ اس نوجوان کو قتل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اصل بات یہ تھی کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ قصہ کیا ہے۔ نوجوان دلیری سے لڑتے لڑتے زنخوں کی سی حرکتیں کیوں کرنے لگا ہے۔ پٹنے کے بعد تو کسی اور منہ سے بولنا بھی نہیں چاہئے تھا۔ بہر صورت اس نے پھر نوجوان پر ہاتھ نہ اٹھایا۔ نوجوان منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''بڑھو جوان ۔ایک اور زوردار ٹھوکر مارو ہماری پسلیوں پر ۔ شاباش آگے بڑھو۔''

''میں کہتا ہوں ۔کھڑے ہو گے یا نہیں۔''

''دیکھو۔اگر میں کھڑا ہو گیا۔تو تمہاری شامت آجائے گی۔'' نوجوان نے زمین پر پڑے پڑے کہا۔

''کھڑا ہو جاورنہ.....!'' گرینگو نے ایک موٹی سی گالی بکی۔ اورنوجوان کراہتا ہوا اُٹھ کر بیٹھ گیا۔پھر وہ زمین پر ہاتھ ٹکا کر کھڑا ہو گیا۔

''کہا تھا نا۔ہماری مان لو۔نہ مانے۔اب بھگتو۔'' وہ آگے بڑھا اور دوسرے لمحے گرینگو کے سینے پر اُچھل کر ایک لات رسید کر دی۔ گرینگو اچھل کر نیچے گر گیا۔اس کے بعد نوجوان نے اُسے موقع نہ دیا۔وہ گرینگو کو گردن سے پکڑ کر اٹھاتا۔اور کہیں نہ کہیں اس کے

ضرب لگا دیتا۔ ضربیں اتنی شدید تھیں کہ گرینگو باوجود پوری کوشش کے ان سے بچ نہیں پا رہا تھا۔ وہی کیفیت گرینگو کی ہو گئی جو چند ساعت پہلے نوجوان کی تھی۔ وہ اب اپنی جان بچانے کے لئے اس سے لڑ رہا تھا۔ لیکن نوجوان نے اسے موقع نہیں دیا۔ آخر میں اس نے گرینگو کا منہ ریت میں گھسیڑ دیا اور اس کی گردن پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بولو کیا سلوک کریں تمہارے ساتھ۔" اس نے کہا۔ گرینگو بُری طرح ہاتھ پاؤں مار رہا تھا۔ اور اگر نوجوان کچھ دیر اور اسی طرح کھڑا رہتا تو گرینگو کا دم ہی نکل گیا ہوتا۔ نوجوان نے خود ہی اپنی گرفت ڈھیلی کر دی۔ اور اسے کالر سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ اس میں اب اتنی سکت بھی نہ تھی کہ وہ کھڑا ہو جائے۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور پھر اس نے تیسری بار نوجوان کی کیفیت بدلتے دیکھی۔

''چلو۔آگے بڑھو۔اوراپنی گاڑی تک پہنچ جاؤ۔''نوجوان نے کرخت لہجے میں حکم دیا اور گرینگو آگے بڑھنے لگا۔ذراسی دیر میں اتنے مناظر بدلے تھے کہ گرینگو کی عقل نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا۔اس پر اتنی مار پڑی تھی کہ اس کے حواس درست ہو گئے تھے۔وہ ساری زندگی اتنا نہیں پٹا تھا۔بمشکل تمام وہ گاڑی تک پہنچ پایا۔

''ہاں۔اب ذرا بتاؤ۔کس نے بھیجا تھا تمہیں۔کیوں آئے ہو۔؟کہاں سے آئے ہو۔''؟

''وہ۔مم۔میں۔میں۔''گرینگو ہکلاتے ہوئے بولا۔

''دیکھو دوست۔اب تک جو ہوتا رہا وہ واقعی ایک مذاق تھا۔لیکن اب جو ہوگا اس میں مذاق کا کوئی عنصر شامل نہیں ہوگا اور پھر اس کھیل کا اختتام تمہاری موت پر بھی ہو سکتا ہے۔میں خاموشی سے تمہیں قتل کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا۔اور یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکے گا کہ

یہاں کیا ہوا ہے۔ بہتر ہے سب کچھ ٹھیک بتا دو۔"

"تمہارا نام گرینگو ہے۔"؟

"ہاں۔" گرینگو ڈھیلے لہجے میں بولا۔

"کیا کرتے ہو۔"؟

"ایک ہوٹل چلاتا ہوں۔"

"اوہو۔ تو تم وہ گرینگو ہو۔"

"میں سمجھ گیا۔ لیکن میرے اور تمہارے درمیان تو کوئی جھگڑا نہیں

تھا۔"

"میرے اور تمہارے درمیان کوئی جھگڑا نہیں تھا۔ لیکن ایک

حرافہ نے مجھے تمہارے پیچھے لگایا تھا۔"

"اس کا نام کہیں مسز درانی تو نہیں ہے۔"؟

"ہاں۔"

"کیا کہا تھا اس نے تم سے۔"؟

"یہی کہ تم اسے بلیک میل کر رہے ہو۔ میں تمہیں قتل کر دوں۔"

گرینگو بولا۔

"ہائے۔ پھر قتل کیوں نہ کر دیا تم نے ہمیں۔ اب خود تیار ہو جاؤ قتل ہونے کے لئے۔ بھلا بتاؤ تو سہی اس کم بخت نے ایک ایسے شخص کو ہمیں قتل کرنے بھیجا جو ہمیں قتل بھی نہیں کر سکتا۔ گرینگو تم بزدل چوہے ہو۔ کیا میں تمہارا چاقو تلاش کر کے تمہیں دوں۔ چاقو ہی سے مجھے مار دو کچھ تو مزہ آئے۔"

"دوست میں تمہیں سہیل کے نام سے جانتا ہوں۔ نام بھی مجھے اسی نے بتایا تھا لیکن مجھے حیرت ہے کہ میں تمہیں سمجھ ہی نہ سکا۔ تم ہو کیا چیز۔"؟

"نصیبو کہتے ہیں۔ نصیبو کہتے ہیں ہمیں۔" سہیل نے شرما کر

جواب دیا اور گرینگو کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

''نصیبو۔!'' اس نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں تم تو جانتے ہو ہمیں۔'' سہیل بدستور اٹھلا کر بولا اور گرینگو کا چہرہ خوف و دہشت سے پیلا پڑ گیا تھا۔

'' استاد نصیبو۔ شکل و صورت سے نہیں جانتا تھا نام سے اچھی طرح جانتا ہوں۔ مجھے کیا معلوم تھا۔ یقین کریں استاد۔ مجھے نہیں معلوم تھا۔ اگر وہ ذلیل عورت مجھے بتا دیتی کہ یہ تم ہو تو میں کبھی یہ جرأت نہ کرتا۔ مجھے معاف کر دو استاد۔ مجھے معاف کر دو۔'' گرینگو کی حالت ہی بدل گئی تھی۔

'' اے چل ہٹ کمینے کہیں کے۔ پہلے تو دولتیاں چلا رہا تھا۔ اب معافی مانگ رہا ہے۔'' سہیل پھر اسی موڈ میں آ گیا تھا۔

''یقین کرو۔ استاد۔ میں بالکل بے قصور ہوں۔ میں تو خود تم سے

ملنا چاہتا تھا۔ مگر تمہارے کسی ٹھکانے کا پتہ ہی نہیں معلوم تھا۔ دھوکا ہو گیا استاد نصیبو دھوکا ہو گیا۔" گرینگو بُری طرح گڑگڑا رہا تھا۔

سہیل اپنا ہونٹ بھینچے اسے دیکھتا رہا، اور پھر اس نے گردن ہلادی۔

"ٹھیک ہے اگر غلط فہمی کا شکار ہو کر یہاں تک چلے آئے ہو تو نصیبو تمہیں معاف کرتا ہے، لیکن گرینگو نصیبو کے اندر ایک بہت بڑی خرابی ہے کہ وہ بدمعاشوں میں صرف اپنے آپ کو بدمعاش سمجھتا ہے۔ غنڈہ گردی میں اس سے بڑا غنڈہ کوئی اور نہیں ہے اور لڑائی بھڑائی میں بھی وہ بہت سی غلط فہمیوں کا شکار ہے، کوئی اس کی یہ غلط فہمی دور کرنا چاہے تو اسے چیلنج کر دے یا دھوکے سے وار کرے۔ نصیبو کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن اگر وہ نصیبو سے شکست کھا جائے تو پھر اس کے لئے دو ہی صورتیں ہوتی ہیں۔ نصیبو کی اطاعت گزاری یا

موت۔ تم ان دونوں میں سے کوئی ایک چیز پسند کر لو۔ اگر نصیبو کے شاگرد بن کر کام کرنا چاہتے ہو تو چلو گردن جھکا کر یہیں ریت پر بیٹھ جاؤ۔ اور اگر اس بات کے خواہاں ہو کہ اس وقت مہلت حاصل کرنے کے بعد دوبارہ نصیبو کے مقابلے پر آؤ گے تو اب تک جو کچھ ہوا ہے وہ دوسرے حساب میں تھا لیکن یہاں سے نیا حساب کھل جائے گا۔ نصیبو کے طرف سے تم کو دعوت ہے کہ جب چاہے حملہ کرنا اور اسے راستے سے ہٹانے کی کوشش کر لینا۔ ناکام رہے تو نصیبو تمہیں قتل کر دے گا۔ کیونکہ اس کے بعد تمہارے لئے زندگی کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔"

"نہیں استاد نصیبو، بہت دنوں سے آپ کا نام سن رہا تھا۔ بہت بڑے بڑے کارنامے ہماری لائن کے لوگوں میں آپ کے نام سے منسوب کئے جا رہے ہیں، میں تو خود آپ سے ملنے کا شوقین تھا اور

جس طرح ہماری آپ کی ملاقات ہوئی ہے، اس سے مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کے نام کی شہرت غلط نہیں ہے۔ میں بھی لڑاکا ہوں استاد بہت سے لوگوں کے درمیان لڑا ہوں اور کامیاب رہا ہوں، لیکن آپ نے مجھ پر جو غلبہ حاصل کر لیا۔ اس کے بعد گرینگو دنیا کے سامنے سر ضرور اٹھائے گا آپ کے سامنے نہیں۔ میں خوشی سے آپ کے آدمیوں میں شامل ہونے کو تیار ہوں۔"

"اگر تم دھوکا نہیں کر رہے تو ٹھیک ہے۔ جاؤ آج سے تم ہمارے لوگوں میں سے ہو۔ مجھے جب بھی کسی کام کی ضرورت پڑی تمہیں اطلاع بھجوادی جائے گی۔"

"گرینگو دل و جان سے تیار ہے جناب۔" گرینگو نے جواب دیا۔

اور سہیل گردن ہلا کر وہاں سے مُڑ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس کی

کار فراٹے بھرتی ہوئی دور نکل گئی۔ گرینگو اپنی جگہ کھڑا عجیب سی نگاہوں سے اس کار کے عقبی حصے کو دیکھ رہا تھا پھر نصیبو کی کار نگاہوں سے اوجھل ہوگئی تو وہ ایک گہری سانس لے کر اپنی چوٹوں کو دیکھنے لگا۔ جسم کے تمام ہی حصے مجروح ہوئے تھے، ہر جگہ کوئی نہ کوئی ضرب آئی تھی۔ چہرہ ریت میں اٹا ہوا تھا، کپڑے بھی بُری طرح گندے ہو گئے تھے، اس نے ایک موٹی سی گالی مسز درانی کو دی۔ اور اپنا لباس جھاڑنے لگا۔

بات کافی دیر تک لوگوں کی سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن بالآخر پتہ چل گیا تھا کہ یہ دونوں بے وقوف یعنی عالم پناہ اور گلو کار شیکی نوشاب کو چاہتے ہیں۔ اور شیکی نے نوشاب کو کسی سے باتیں کرتے دیکھ لیا تھا۔ چنانچہ وہ اطلاع دینے دوڑا چلا آیا تھا۔ لیکن وہ شخص کون تھا جس

کے ساتھ نوشاب کو دیکھا گیا۔ یہ بات ابھی تک نوجوانوں کی ٹولی کی سمجھ نہ آسکی تھی تاہم ایک دلچسپ مرحلہ شروع ہو گیا تھا۔ دونوں نے ڈوئل لڑنے کا چیلنج قبول کرلیا تھا۔ حالانکہ جہانگیر کے سامنے شیکی کچھ بھی نہ تھا جہانگیر کا تن وتوش واقعی کسی پہلوان کا سا تھا اور شیکی بے چارہ بالکل ہی دھان پان قسم کی چیز تھا۔ جہانگیر کا بدن خاصا کسرتی تھا۔ اور اس کے جسم کے کٹس ہی بتاتے تھے کہ وہ ایک طاقتور آدمی ہے جب کہ اس کے برعکس شفیع الدین شیکی دھان پان تو تھا ہی مجہول بھی تھا۔ گویا اور صرف گویا۔۔۔ دیکھنا یہ تھا کہ یہ چیلنج کشتی کس طرح لڑی جاتی ہے۔

نوجوانوں کی ٹیم میں یوں تو بہت سے شریر لڑکے اور لڑکیاں تھیں لیکن صفدران سب سے بازی لے گیا تھا۔ وہ شرارتوں میں ان سب سے آگے تھا۔ اور اس کی بہت سی حرکتیں مشہور تھیں اور اس وقت بھی

ان دونوں کو ڈوئل پر اُکسانے میں وہ پیش پیش تھا۔ چنانچہ ڈوئل کا فیصلہ ہونے کے بعد شیکی کی گردن تو لٹک گئی تھی لیکن جہانگیر عالم پناہ کسی لڑاکے مرغے کی طرح سینہ پھُلائے پھُلائے پھر رہے تھے۔ صفدر نے اس سلسلے میں ایک میٹنگ کر ڈالی۔

"بات دراصل یہ ہے دوستو کہ اس قسم کے ہنگامے کوٹھی میں تو ہونے نہیں چاہئیں۔ اوّل تو بزرگ اس کی اجازت نہیں دیں گے اور پھر ظاہر ہے کوٹھی اس کام کے لئے موزوں بھی نہیں ہے۔ یہ دونوں لڑ رہے ہوں اور بزرگ نکل آئیں تو فیصلہ کرنا نہایت مشکل ہو جائے گا۔ بہتر یہ ہے کہ یہ اہم پروگرام گھر سے دور کسی ایسی جگہ ترتیب دیا جائے۔ جہاں بزرگوں کی مداخلت کا امکان نہ ہو۔ آپ کا کیا خیال ہے اس بارے میں، حضرت جہانگیر۔" صفدر نے پوچھا۔

"میں ہر جگہ اس سے جنگ کرنے کو تیار ہوں۔ اور یہ بات بھی

آپ کے سامنے کہے دے رہا ہوں کہ اگر اس نے آئندہ نوشاب کا نام اپنی مکروہ زبان سے لیا تو یہ آئندہ نہ تو گا سکے گا اور نہ ہی بول سکے گا۔"

"ارے ہاں ہاں۔" اب اس وقت تک تم مجھ پر رعب نہیں جماؤ گے، جب تک کہ مجھ سے مقابلہ نہ کر لو۔"

"میں تو اسی وقت تیار ہوں۔" جہانگیر عالم پناہ آستین چڑھانے لگے۔

"ارے نہیں نہیں، میں نے آپ لوگوں سے کہا نا کہ کوٹھی میں یہ فیصلہ ہونا مشکل ہے، اس کا سارا بھار آپ ہمارے کاندھوں پر ڈال دیجئے، ہم آپ کے اس اہم فریضے میں آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔ دراصل یہ زندگی کا ایک اہم مسئلہ ہے بھلا بتایئے نوشاب تنہا ہے اور آپ دونوں اس کو برابر ہی چاہتے ہیں۔ ڈوئل کے ذریعے یہ فیصلہ

ہو جائے گا کہ کون نوشاب کو زیادہ چاہتا ہے۔ اور پھر شکست خوردہ آئندہ کبھی نوشاب کا نام نہیں لے گا۔"

"مجھے منظور ہے۔" دونوں نے بیک وقت کہا تھا اور بہت سوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

"تو پھر طے ہے۔" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں بالکل طے ہے۔" دونوں نے پھر کہا اور لڑکے لڑکیاں ہنسنے لگے۔

"ٹھیک ہے۔ تو پھر ایسا کرتے ہیں کہ آج رات ہم بزرگوں سے ایک چھوٹی سی پکنک منانے کی اجازت لے لیتے ہیں۔ کل صبح ۱۱ بجے ہم لوگ ایک پُر فضا مقام پر روانہ ہو جائیں گے۔ وہاں دوپہر کا کھانا کھایا جائے گا اور پھر کوئی عمدہ سی جگہ ترتیب دے کر ڈوئل کا انتظام کر لیا جائے گا۔ آپ لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے۔" صفدر نے پھر

ان سے پوچھا۔اور اب اس بار صرف جہانگیر عالم پناہ نے جواب دیا تھا۔

"نہیں مجھے اس میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" البتہ شیکی بھی کچھ آہستہ سے منمنایا تھا۔اس بے چارے کی خوف کے مارے آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔لیکن پھر صفدر نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"تم نوشاب کو حاصل کرنے کے لئے ڈوئل کرنا پسند کرو گے شیکی۔اگر ایسا نہیں تو ہم عالم پناہ سے تمہاری سفارش کئے دیتے ہیں کہ بے شک وہ نوشاب کو اپنا لیں،لیکن شیکی کو کچھ نہ کہیں۔"

"ارے واہ،زندگی بے کار نہ ہو جائے گی،پھر جینا کس کام کا، میں تو جی ہی نہیں سکتا نوشاب کے بغیر،موت کو گلے لگا لوں گا،مگر وہ جنت کی حور اس جہنم کے داروغہ کے حوالے نہیں کروں گا۔شیکی نے جوش کے عالم میں کہا۔اور عالم پناہ غصے سے سُرخ ہونے لگے۔

''بتاؤں ابھی تجھے، میں جہنم کا داروغہ ہوں، اب اپنے آپ کو دیکھ، تو تو صورت ہی سے جہنمی نظر آتا ہے، اُلٹی سیدھی باہو ہی کرتا رہتا ہے۔ فضول اُچھل کود مچاتا رہتا ہے۔ میں تیری ساری اچھل کود اگر صحیح نہ کردوں تو میرا نام جہانگیر نہیں ہے۔ بس بس فیصلہ کر دیا ہے ان لوگوں نے، کل تک کے لئے خاموش ہو جا۔ ورنہ اسی وقت مجھ سے مار کھائے گا۔''

''دیکھو عالم پناہ تم زیادتی کر رہے ہو، تم اس صدیوں پرانی دوستی پر لات مار رہے ہو جو ہمارے تمہارے درمیان قائم تھی۔'' شیکی نے کہا۔

''فضول بکواس مت کرو۔ اب کوئی بات نہیں سنی جائے گی۔ تجھے مجھ سے لڑائی لڑنا ہوگی، کل کا دن تیرے اور میرے لئے فیصلے کا دن ہوگا، یہ اچھا ہوا کہ ہم لوگ یہاں آگئے، کم از کم وہ تنازعہ تو ہمارے

درمیان باقی نہیں رہے گا، جو ہم دونوں کو ایک دوسرے کے خلاف کچھ نہ کچھ کرنے کے لئے اُکساتا رہتا تھا۔"

"ٹھیک ہے آپ لوگ الگ الگ راستوں پر چل پڑیں اور کل صبح تک ایک دوسرے سے بالکل ملاقات نہ کریں۔ ہم آج رات تک سارے انتظامات کرلیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" عالم پناہ نے گردن ہلائی اور ایک جانب مُڑ گئے۔ شیکی متحیرانہ انداز میں ایک جگہ کھڑا منہ پھاڑے انہیں جاتا دیکھ رہا تھا۔ پھر جب عالم پناہ نگاہوں سے اوجھل ہوگئے تو اس نے دلربا پر انگلیاں پھیریں۔ دلربا سے ایک غمناک دُھن نکلی تھی۔

"ماہ رُخ ہنسی روک کر بولی۔ "شیکی صاحب آپ بہت پریشان معلوم ہوتے ہیں۔"

"ارے واہ۔ میں پریشان کیوں ہونے لگا۔ کیا مقصد ہے آپ کا

اس بات سے۔" شیکی نے ایک دم بھڑک کر پوچھا۔ اور ماہ رخ ہنسنے لگی۔ پھر ہنسی روکتے ہوئے بولی۔

"میرا مطلب ہے اگر آپ عالم پناہ سے جان بچانا چاہیں تو کل ہمارے ساتھ پکنک پر ہی نہ چلیں۔ جان بچ جائے گی۔ البتہ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بعد آپ نوشاب کا نام نہ لینے کے پابند ہو جائیں گے۔"

"ہرگز نہیں۔ لڑوں گا۔ لڑوں گا، ضرور لڑوں گا، جان لے لوں گا، یا جان دے دوں گا۔ لیکن نوشاب سے جیتے جی منہ نہ موڑوں گا۔ آہ۔ آپ لوگوں کو معلوم نہیں ہے کہ وہ میرے سینے کی کتنی گہرائیوں میں ہے۔ میں اسے دیکھ دیکھ کر جیتا ہوں اس کی صورت دیکھ کر میں ہرنئی دھن تیار کرتا ہوں، اب جیسے اس وقت وہ میری نگاہوں میں ہے۔ اور میں گا رہا ہوں" شیکی نے گٹار درست کر لیا اور اس کے بعد

اس سے بے تکی آوازیں نکلنے لگیں۔اس نے بے خودی کے عالم میں اپنی آنکھیں بند کرلی تھیں اور گٹار بجا رہا تھا۔لڑکے اور لڑکیاں ایک ایک کرکے کھسک چکے تھے،اور جب پہلی دردانگیز دھن بجانے کے بعد اُس نے آنکھیں کھولیں تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔وہ متحیرانہ انداز میں گردن اٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا اور پھر خود بھی رہائشی عمارت کی جانب چل پڑا۔

مسز درانی بہت خوش تھی۔گرینگو کے بارے میں اسے کوئی صحیح اندازہ تو نہیں تھا لیکن بہرصورت گرینگو کی شخصیت سے اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ وحشی آدمی ہے،ممکن ہے سہیل پر قابو پالے۔البتہ ''رین بو'' میں گرینگو کو ہنگامہ نہ کرتے دیکھ کر اس نے یہ اندازہ بھی لگا لیا تھا کہ گرینگو موقع شناس آدمی ہے۔اگر ایک آدمی

چالاک اور طاقتور ہو تو پھر وہ واقعی بے حد خطرناک ہوتا ہے۔

سہیل وقت سے کچھ پہلے چلا گیا تھا اور گرینگو اس کے تعاقب میں چلا گیا تھا۔ بہر صورت مسز درانی خود ان دونوں کا تعاقب کرنے کی ہمت نہیں کر سکی تھی۔

ان کے جانے کے بعد وہ کافی دیر تک رین بو کلب میں اپنی میز کے گرد تنہا بیٹھی رہی، حالانکہ وہ تنہا بیٹھنے کی عادی نہیں تھی۔ اور جب لوگوں نے اسے اس طرح بیٹھے دیکھا تو اس کے دو شناسا اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔

"ہیلو مسز درانی۔"

"ہیلو۔" وہ خود کو سنبھال کر بولی۔

"کیا بات ہے، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔" ان میں سے ایک نے مسز درانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔لیکن کیوں۔؟ کیا تمہیں کچھ بیمار نظر آرہی ہوں۔"؟ مسز درانی نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔اس نے اپنے چہرے کے تاثرات کو فوری طور پر تبدیل کرلیا تھا۔وہ نہیں چاہتی تھی کہ کوئی اس کے چہرے سے اس کی ذہنی پریشانی کا اندازہ لگا سکے۔چنانچہ اس نے خود پر بشاشت طاری کرلی تھی۔

"یہ بات نہیں ہے، آپ تنہا اور خاموش سی بیٹھی ہوئی ہیں،اور یہ آپ کی فطرت کے خلاف ہے۔"

"اوہ انسان کو کبھی کبھی اپنی فطرت کے خلاف بھی کچھ کرنا چاہیئے۔" مسز درانی نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔وہ کوشش کے باوجود خود کو قابو میں نہیں رکھ پارہی تھی۔

"تو اس وقت آپ اپنی فطرت کے خلاف کچھ کررہی ہیں۔"

دوسرے نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا۔اور مسز درانی مسکرانے

لگیں۔ پھر وہ یکا یک اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔

"کیوں خیریت کہاں۔"؟اس کے شناسا نے سوال کیا۔

"واپس گھر جا رہی ہوں۔"

"ارے کیوں مسز درانی۔"؟

"بس تم لوگوں نے مجھے احساس دلا دیا ہے کہ واقعی میرے سر میں شدت کا درد ہے۔ مسز درانی نے انگلی اور انگوٹھے سے پیشانی مسلتے ہوئے کہا۔

"میرا تو خیال تھا آپ کچھ دیر.........."

"نہیں پھر سہی، سوری۔" مسز درانی نے کہا اور باہر نکل آئی۔

کار میں بیٹھ کر وہ اپنی کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ ہاتھ اسٹیرنگ پر لرز رہے تھے۔۔۔ اگر گرینگو کامیاب نہ ہوا تو۔۔۔ یہ احساس اسے بار بار پریشان کر رہا تھا۔ کہیں یوں نہ ہو کہ گرینگو ناکام ہو جائے اور

سہیل کو اس کے بارے میں بتا دے۔۔۔پھر۔۔۔پھر۔۔۔

لیکن مسز درانی کو پھر اپنے آپ پر ہی غصہ آنے لگا۔ بلاوجہ کیا سے کیا بن کر رہ گئی ہوں، سہیل جیسے ذلیل آدمی سے میں بلاوجہ خوف زدہ ہو کر رہ گئی ہوں۔ آخر سہیل ہے کیا؟ سہیل جیسا شخص تو اس قابل نہیں ہے جسے کوئی اہمیت دی جائے۔ لیکن اس نے خود کو زبردستی میرے اوپر مسلط کر رکھا ہے۔

”کسی قیمت پر نہیں سہیل کتے، کسی قیمت پر نہیں، اس نے اپنے دانت بُری طرح بھینچ لئے تھے۔ اگر۔ اگر گرینگو ناکام ہو گیا تو پھر میں اس کے خلاف دوسرے ذرائع سے کوشش کرتی رہوں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ سہیل مجھ پر پر حاوی ہو جائے۔“

وہ خود کو دلاسے دے رہی تھی، لیکن خوف تھا کہ سارے وجود میں سرایت کر چکا تھا۔ اس کا رواں رواں کانپ رہا تھا۔ نہ جانے کس

طرح گاڑی چلاتی ہوئی کوٹھی میں داخل ہوئی اور اپنے بیڈروم میں جا کر بے سدھ ہو کر گر پڑی۔

اب اسے گرینگو کی طرف سے کسی اطلاع کا انتظار تھا۔ ملازمہ نے آ کر چائے وغیرہ کے لئے پوچھا تو اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں میں اس وقت کچھ نہیں پیوں گی، تم مجھے آرام کرنے دو۔ ہاں اگر کوئی اس دوران مجھ سے ملنے کے لئے آئے تو اسے منع کر دینا۔ میں کسی سے ملنا نہیں چاہتی۔" اس نے کہا اور ملازمہ گردن جھکا کر چلی گئی۔

کئی گھنٹے وہ اسی طرح پڑی رہی۔۔۔ اور پھر اس وقت گیارہ بج کر ۱۵ منٹ ہوئے تھے جب وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی، اگر آج ہی گرینگو کی رپورٹ معلوم نہ ہوئی تو ساری رات وہ بے چینی سے سو نہ سکے گی۔ ممکن ہے وہ بیمار پڑ جائے۔ اس نے سوچا اور اُٹھ کر لباس

تبدیل کرنے لگی۔ گرینگو کے پاس جانا ہی تھا۔لباس تبدیل کرنے کے بعد وہ کوٹھی سے نکل آئی اور پھر اس کی کار برق رفتاری سے اس طرف دوڑنے لگی جہاں گرینگو کا اڈہ تھا۔

گرینگو کا اڈہ بدستور پُر رونق تھا، ہال میں اچھے خاصے لوگ نظر آرہے تھے۔لڑکیاں بھی تھیں، مرد بھی تھے۔سودے ہو رہے تھے، وہ کافی دیر تک وہیں بیٹھی رہی اور یہ اندازہ لگاتی رہی کہ گرینگو موجود ہے یا نہیں۔جب اسے پتہ نہ چل سکا تو اس نے ویٹر کو بلا کر اس سے پوچھ ہی لیا۔

”گرینگو موجود ہے۔“؟

”ہاں مادام صاحب اوپر موجود ہیں۔“

”میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔“

”جایئے مل لیجئے۔“ ملازم نے جواب دیا اور مسز درانی ان

سیڑھیوں کی جانب بڑھ گئی، جہاں سے گزر کر وہ ایک بار پہلے بھی گرینگو سے ملاقات کے لئے جا چکی تھی۔اس نے گرینگو کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے غراہٹ اُبھری۔

''آجاؤ۔''

مسز درانی دروازہ کھول کر اندر داخل ہوگئی، گرینگو ایک لونگ چیئر پر نیم دراز تھا، اس کے بدن پر سلیپنگ سوٹ تھا، پیشانی پر پٹی بندھی ہوئی تھی، بائیں آنکھ سوجی ہوئی تھی، ایک جبڑا اُبھرا ہوا تھا۔مسز درانی اسے اس حال میں دیکھ کر کانپ گئی۔

گرینگو کی خونی نگاہیں اس کی جانب اُٹھی ہوئی تھیں اور مسز درانی نے محسوس کیا اس کی آنکھوں میں شدید غصے کے تاثرات تھے۔

''آ گئی عیار عورت۔'' اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔اور مسز درانی جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔

"جانتا ہوں تجھے اچھی طرح جانتا ہوں۔ تو نے مجھے یہ نہیں بتایا تھا کہ میرا مقابلہ کس سے ہوگا۔ ذلیل عورت تو نے میرے ساتھ اتنی بڑی چالاکی کیوں کی۔"؟ گرینگو غصے کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

"گرینگو۔ گرینگو، تمہاری ان باتوں کا مطلب کیا ہے آخر۔"؟ مسز درانی گرینگو کی حالت دیکھتے ہوئے اس کے ناشائستہ الفاظ بھی برداشت کر گئی۔

"استاد نصیبو سے بھڑوا دیا تھا تو نے مجھے۔"

"کک، کس سے۔"؟ مسز درانی کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔

"نصیبو سے۔ تو نے اس کا نام نہیں سنا۔"

"میں۔ میں نے نہیں سنا۔" مسز درانی کی حالت بُری ہوگئی تھی۔

"نہیں سنا تو نے کمبخت مجھ سے سن لے۔ تو میری پیش گوئی سن لے۔ اب تیری موت ہی آگئی ہے۔ وہ سہیل نہیں استاد نصیبو ہے۔"

"نن نصیبو۔۔۔مگر۔۔۔مگر۔۔۔گرینگو، میں تو اسے سہیل کی حیثیت سے جانتی ہوں۔" مسز درانی نے بمشکل کہا۔

"فضول بکواس مت کرو، اگر تو مجھے یہ بتا دیتی کہ سہیل کا دوسرا نام نصیبو ہے تو میں کبھی اس بات کے لئے تیار نہ ہوتا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہے کہ پچھلے دنوں نہ صرف اس شہر میں بلکہ قرب و جوار کے دوسرے شہروں میں بھی استاد نصیبو کا نام گونج رہا ہے۔ بڑے بڑے غنڈے اس کا نام سُن کر اس کے لئے جگہ خالی کر دیتے ہیں۔ تو نے میرے ساتھ دھوکہ کیا ہے مسز درانی، بتا میں تیرے ساتھ کیا سلوک کروں۔"

"مم مجھے نہیں معلوم کہ یہ نصیبو کون ہے اور گرینگو میں تمہیں بھی اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی۔"

"میں تجھے بتاؤں کمینی کہ میں بزدل ہوں یا بہادر۔" گرینگو غرا

کرلونگ چیئر پر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

''تم مجھے یہ بتاؤ گرینگو کہ تم اس کے مقابلے میں کامیاب ہوئے یا نہیں۔''

''دیکھ لے میری کامیابی تیرے سامنے ہے۔'' گرینگو بدستور غرا کر بولا۔

''تت تو سہیل، میرا مطلب ہے نصیبو، اس کی کیا کیفیت ہے۔''؟

''کیا کیفیت ہے، کچھ نہیں، وہ واپس چلا گیا ہے اپنے گھر۔ اور تو نے مجھے ہمیشہ کے لئے اس کا غلام بنا دیا ہے۔ اب میں اس سے مقابلہ نہیں کر سکتا، اور تیرے لئے میرا بہترین مشورہ یہ ہے کہ یا تو اس ملک سے بھاگ جا، یا سہیل سے معافی مانگ لے، ورنہ کیوں تجھے اپنی موت نصیبو کے ہاتھوں سے لانی ہے۔''

"مگر یہ نصیبو کون ہے آخر۔"؟

"بس اتنا ہی بتا سکتا ہوں تجھے کہ اس وقت شاید پورے ملک میں اس سے بڑا بدمعاش کوئی نہ ہو۔ اس کا نام آہستہ آہستہ اُبھر رہا ہے، لیکن تھوڑے دن میں دیکھ لینا کہ اس کا نام پورے ملک میں پھیل چکا ہوگا۔ یہ گرینگو کی پیش گوئی ہے۔ اگر تو جان بچانا چاہتی ہے تو اس کے دو ہی طریقے ہیں یا تو نصیبو استاد سے معافی مانگ لے، اس کے قدموں میں لیٹ جا۔ یا پھر یہ ملک چھوڑ کر بھاگ جا۔ گرینگو تجھ سے اس سے زیادہ ہمدردی نہیں کرسکتا۔" گرینگو نے کہا اور مسز درانی کا چہرہ لٹک گیا۔

نبیل کو وہ اچھی طرح جانتی تھی، وہ ایک ذو درنج آدمی تھا، لیکن گرینگو کی بات بھی عجیب تھی، وہ اسے نصیبو کے نام سے پکار رہا تھا۔ آخر یہ نصیبو ہے کیا بلا۔ مسز درانی کے کانوں میں بار بار یہ نام پہنچا

تھا لیکن وہ اس شخص کی حیثیت سے آگاہ نہیں تھی۔

بہر صورت اب وہ گرینگو کی طرف سے مایوس ہوگئی تھی اور اب اس کے دل میں یہ خوف بھی جاگزیں تھا کہ سہیل اس سے انتقام لے گا۔ وہ کچھ سوچتی رہی۔ پھر اس نے ڈرتے ڈرتے گرینگو سے پوچھا۔

"مگر ایک بات بتاؤ گرینگو۔"

"پوچھو۔" گرینگو ڈھیلے لہجے میں بولا۔

"کیا تم نے اسے بتا دیا کہ یہ کام تم نے میرے لئے کیا تھا۔" مسز درانی نے پوچھا۔

"ظاہر ہے، جب مجھے یہ بات معلوم ہوگئی کہ وہ سہیل نہیں استاد نصیبو ہے تو پھر اس سے جھوٹ بولنا میرے بس کی بات نہیں رہی تھی۔"

"اوہ مگر تم نے معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔" مسز درانی غرا کر بولی۔

اور گرینگو کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔"ذلیل عورت معاہدے کی بات کر رہی ہے مجھ سے، کیا ابھی تیری شکل بگاڑ کر تجھے یہاں سے روانہ کر دوں۔ معاہدے میں صرف یہ بات تھی کہ نواب عزیز الدین کے بیٹے سہیل کا حلیہ درست کرنا ہے۔ معاہدے میں یہ تو نہیں تھا کہ مقابلہ نصیبو سے ہوگا۔ یہ بات تو تجھے خود ہی معلوم کرنی چاہیے تھی کہ سہیل کون ہے، بلاوجہ مجھے اس سے بھڑوا دیا، ساری بنی بنائی خاک میں ملوادی۔ اب میں خود اپنی نگاہوں میں گر گیا ہوں، چلی جا، دفع ہو جا یہاں سے۔ ورنہ میں ابھی ابھی تیرا حساب کتاب درست کر دوں گا۔" گرینگو اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور مسز درانی نے واپسی ہی مناسب سمجھی، وہ گرینگو سے پٹنا نہیں چاہتی تھی۔ چنانچہ تیزی

سے گرینگو کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس کے لئے اب خوف ہی خوف تھا۔ خوف و دہشت کا شکار تھی وہ بُری طرح۔ اس کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں تھا کہ یہاں سے چلی جائے۔ چنانچہ لڑکھڑاتے قدموں سے وہ سیڑھیوں کی جانب چل پڑی۔

اس کے بدن پر دہشت طاری تھی، وہ بُری طرح خوفزدہ تھی اور سوچ رہی تھی کہ اب اس کے ساتھ سہیل کیا سلوک کرے گا کیونکہ سہیل نے اسے وارننگ دی تھی کہ اگر مسز درانی نے اس کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کی تو اس کا ٹھکانہ کہیں اور ہی ہوگا۔

پھر کیا کیا جائے؟ کیا گرینگو کی بات مان لی جائے۔ جو کچھ پاس موجود ہے اسے لے کر یہاں سے نکل جایا جائے، دنیا تو بہت وسیع ہے، کہیں نہ کہیں اپنا کاروبار پھر سے جمایا جاسکتا ہے اور اس بار

نہایت سوچ سمجھ کر۔

لیکن کیا۔ کیا سہیل اس کا پیچھا چھوڑ دے گا، بہت سے تفکرات لئے ہوئے وہ نیچے اُتر آئی اور پھر ہوٹل میں نہ رُکی۔ باہر اس کی لمبی خوبصورت کار کھڑی ہوئی تھی، اس نے کار کا دروازہ کھولا اور اندر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی۔ اس کی کیفیت مناسب نہ تھی، اس وقت اسے شراب کی شدید طلب محسوس ہو رہی تھی تا کہ وہ خود کو پُر سکون رکھ سکے۔ کار کا رُخ کوٹھی کی جانب تھا۔

اس وقت وہ ایک سنسان سڑک سے گزر رہی تھی کہ دفعتاً کوئی ٹھنڈی سی چیز پیچھے سے آکر اس کی گردن سے چپک گئی۔

وہ بری طرح چونک پڑی تھی، اس کے چہرے کے تاثرات بگڑ گئے۔ تب عقب سے آواز اُبھری۔

''رخ بدل دے، اگلے چوراہے سے سیدھے ہاتھ پر مڑ جائیو۔''

ایک انتہائی بھونڈی اور پھٹی پھٹی آواز سنائی دی اور مسز درانی کا پاؤں بریک پر جا پڑا۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے پلٹ کر دیکھا تو اسے ایک عجیب وغریب مخلوق نظر آئی۔

لیکن یہ سہیل ہی تو تھا۔ ہاں یہ سہیل ہی تو تھا، لیکن یہ تھا یا تھی۔ کیونکہ اس وقت وہ ایک انتہائی خوبصورت ریشمی زنانہ سوٹ میں ملبوس تھا، چہرے پر لڑکیوں کا سا میک اپ تھا، بال نہایت خوبصورت انداز میں سیٹ کئے گئے تھے، سر پر دوپٹہ اوڑھے تھا جس کے دونوں سرے کانوں میں پھنسا لئے گئے تھے، عجیب وغریب شکل لگ رہی تھی اس کی۔ مضحکہ خیز بھی اور خوبصورت بھی۔

”اری چل نا اللہ ماری، کیوں ٹکر ٹکر منہ دیکھے جا رہی ہے میرا۔ اگلے چوراہے سے سیدھے ہاتھ پہ موڑ لیجو، بڑی باتیں کرنی ہیں تجھ سے، چل چل، ورنہ طمنچہ چل گیا تو پھر تیری گردن میں سوراخ ہو جائے

گا، چل آگے بڑھ۔'' پستول کا دباؤ مسز درانی کی گردن پر شدید ہو گیا اور مسز درانی نے گھبرا کر کار کا کلچ چھوڑ دیا۔ کار گیر میں تھی۔ اس لئے ایک جھٹکا لے کر بند ہو گئی۔ مسز درانی نے بدحواسی کے عالم میں کار کو دوبارہ اسٹارٹ کر دیا اور اسے آگے بڑھا دیا اگلے چوراہے سے وہ داہنے ہاتھ کی جانب مڑ گئی تھی۔

نواب عزیزالدین اور تمیزالدین طویل عرصے کے بعد ملے تھے۔ دونوں بھائیوں کی تو کیفیت ہی مختلف تھی لیکن دوسروں کو بھی مزہ آ گیا تھا۔ صفدر اور کوٹھی میں رہنے والے دوسرے نوجوان بھی بے حد خوش تھے۔ نوشاب بے شک بے حد حسین تھی لیکن یہ افریقن ملانی ان لوگوں کو زیادہ پسند نہیں آئی تھی جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لوگوں سے بے تکلف نہیں ہو سکی تھی۔ وہ زیادہ تر بزرگوں میں بیٹھنے کی عادی

تھی۔

لیکن سب ہی نواب تمیز الدین کے شکر گزار تھے کہ وہ افریقہ سے واپسی پر ان لوگوں کے لئے دو اعلیٰ ساخت کے بندر لے آئے تھے۔ایک کلاسیکل بندر تھا اور دوسرے کا تعلق جدید نسل سے تھا،لیکن دونوں ہی خوب تھے، ان دونوں کے درمیان صفدر کی کوششوں سے ٹھن گئی تھی، ویسے یہ بات بڑی دلچسپ تھی کہ دونوں احمق نوشاب جیسی لڑکی کو چاہتے تھے،نوشاب بلاشبہ خود کو لئے دیئے رہتی تھی نواب تمیز الدین صاحب نے ایک یورپین عورت کی بیٹی ہونے کے باوجود جس مشرقی انداز میں پرورش کی تھی،وہ قابلِ تحسین تھی،لیکن کم از کم یہ بات ان لوگوں کے ذہنوں سے بھی نہیں اُترتی تھی کہ ان میں سے کوئی بے وقوف نوشاب کے حصول میں کامیاب ہو جائے گا،نواب تمیز الدین نے انہیں رشتہ دار ہونے کی حیثیت سے ہی ساتھ رکھا ہوا

تھا، چونکہ غیر ملک میں تنہا تھے، اس لئے رشتہ داروں کی اہمیت ان کی نگاہوں میں بہت زیادہ تھی۔ لیکن یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ نوشاب جیسے پھول کو ان بندروں میں سے کسی کی جھولی میں ڈال دیں۔ پتہ نہیں وہ انہیں برداشت ہی کس طرح کر رہے تھے۔

بہر صورت یہ ان کا معاملہ تھا، لیکن جو تفریح ان لوگوں کے ہاتھ آئی تھی وہ بے مثال تھی، وہ سب ہمیشہ ان لوگوں کو گھیرے رہتے اور ان سے لطف اندوز ہوتے رہتے تھے۔ بڑی انوکھی خصوصیات کے مالک تھے یہ بندر۔

اس وقت بھی ہال میں انہوں نے جہانگیر عالم پناہ کو شعر شاعری کے چکر میں پھانسا ہوا تھا اور جہانگیر عالم پناہ اپنی ذہانت کے مظاہرے کر رہے تھے کہ شیکی ان کے درمیان ٹپک پڑا۔ جو صورتِ حال سامنے آئی تھی وہ کچھ یوں تھی کہ شیکی نے کسی نوجوان کو نوشاب

کے ساتھ دیکھا تھا اور نوشاب اس سے اتنی گھل مل کر باتیں کر رہی تھی کہ شفیع الدین شیکی اسے برداشت نہ کر سکے اور دوڑے اپنے بھائی کی طرف۔ اس سلسلے میں ان دونوں کے درمیان یقینی طور پر کوئی معاہدہ نہ تھا۔ بہر صورت اب انہیں اس ڈوئل کا انتظار تھا جو دوسرے دن ہونے والی تھی۔

صفدر اس پروگرام کو دلچسپ سے دلچسپ تر بنانا چاہتا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے ساتھیوں سے مشورے طلب کر لئے تھے۔

"یار و مسئلہ یہ ہے کہ بزرگ ہمیں پکنک پر جانے کی اجازت دے دیں گے۔"

"میں بھی اسی موضوع پر سوچ رہا ہوں۔" تنویر نے اپنا گال کھجاتے ہوئے کہا۔

"کوئی ایسی شکل ہونی چاہئے کہ ہم ان سے یہ اجازت حاصل کر

لیں۔" صفدر نے کہا۔

"نوشاب کے ذریعے کیوں نہ اجازت طلب کی جائے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ ہم اس سے کم گفتگو کرتے ہیں لیکن اگر اس سلسلے میں ہم اسے اپنے رشتے ناطوں کا واسطہ دے کر اس سے یہ بات کہیں تو وہ مان جائے گی۔"

"مجھے تو ایک اور خطرہ ہے۔"

"وہ کیا۔۔۔"؟

"پتہ نہیں یہ نوشاب خاتون نوجوان لڑکوں کے ساتھ پکنک پر جانا پسند کرے گی یا نہیں۔ ممکن ہے یہ بات ان کی پردہ نشینی کے آڑے آتی ہو۔"

"یار جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی بور لڑکی ہے۔"

”بہر صورت کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے۔“؟

”لیکن ایک خاص بات کو تو آپ لوگ نظر انداز کئے ہوئے ہیں۔اس پر بھی غور کریں۔“ثمینہ نے کہا۔

”کیا۔۔۔“؟

”بھئی وہ نوجوان کون تھا جس کو شیکی نے دیکھا تھا۔“

”ارے ہاں واقعی اس نوجوان کو تو ہم نے نظر انداز کر ہی دیا تھا، لیکن کیا یہ شیکی کی اختراع نہیں ہو سکتی۔“؟

”نہیں میرے ذہن میں ایک اور خیال ہے۔“

”وہ کیا۔۔۔“؟

”کہیں سہیل بھائی نہ آ گئے ہوں۔“

”اوہو۔خدا کرے، اگر ایسا ہو تو مزہ آ جائے۔“صفدر نے اُچھل کر کہا۔

''تو پھر اس بات کی جاسوسی کیوں نہ ہو جائے۔'' ثمینہ بولی۔

''جاسوسی کون کرے گا۔''

''بھئی روشن کے علاوہ کون کرے گا، ایک روشن ہی ایسی لڑکی ہے جو سہیل بھائی سے بے تکلف ہے، اور اگر یہ سہیل بھائی سے کل کے پروگرام کے بارے میں بات چیت کر لے تو بس اپنا کام بنا سمجھو۔''

''ہوں، کیا خیال ہے آپ کا مس روشن، کیا آپ ہمارے تاریک دلوں میں روشنی پھیلائیں گی۔''؟

''جاتی ہوں جاتی ہوں۔ تم لوگ ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد مجھے بائیں باغ میں ملو، جیسی بھی صورت حال ہوئی میں واضح کر دوں گی۔ پہلے تو یہ دیکھنا ہے کہ سہیل بھائی آئے بھی ہیں یا نہیں۔ یا شیکی صاحب صرف خواب ہی دیکھ آئے تھے۔''

''جیسا کہ شیکی نے رنج وغم کے اظہار کے دوران مرد کی تصویر کھینچی ہے اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نوجوان مرد سہیل بھائی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوسکتا۔''

''ٹھیک ہے تو میں جاتی ہوں۔'' روشن نے کہا اور اندر چل پڑی۔

روشن سہیل کی پھوپھی زاد بہن تھی، یہی ایک ایسی لڑکی تھی جس سے سہیل کافی حد تک بے تکلف تھا، ورنہ عام طور پر وہ ریزرو رہتا تھا۔اس کی کیفیت عجیب سی تھی، حالانکہ صحیح معنوں میں وہی نواب عزیز الدین کی جائداد کا وارث تھا یہ کوٹھی بھی اسی کی تھی، جو کچھ بھی تھا سب اسی کا تھا لیکن اس نے خود کبھی اس کوٹھی میں کسی سے گھل مل کر رہنے کی کوشش نہیں کی۔عموماً کوٹھی میں ہوتا بھی تھا تو لوگوں سے الگ تھلگ ہی رہتا تھا۔گو اپنے عزیزوں کے ساتھ وہ کبھی بداخلاقی سے

بھی پیش نہیں آیا۔ لیکن جب بھی اس پر جنون کا دورہ پڑتا تھا تو پھر وہ انوکھی حرکتیں کرنے لگتا تھا۔ لیکن ان حرکتوں میں کبھی یہ لوگ شامل نہ ہوئے بلکہ ایک طرح سے انہیں سہیل سے اور نواب عزیز الدین صاحب سے ہمدردی ہی محسوس ہوتی تھی۔ حالانکہ بعض اوقات سہیل کی حرکتوں پہ ہنسی ضبط کرنا مشکل ہو جاتی تھی لیکن بہر صورت یہ سب اس کی عزت کرتے تھے۔

روشن سہیل سے بہت بے تکلف تھی، کئی بار سہیل نے اس کی پٹائی بھی کر دی تھی لیکن روشن نے ایک بڑے بھائی کی حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس مار پیٹ کو قبول کر لیا تھا بلکہ جب کسی نے مداخلت کرنے کی کوشش کی تو روشن نے اسے ڈانٹ دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ سہیل کے اور اس کے مسئلے میں کوئی کچھ نہ بولے۔ وہ بڑے پیار سے اسے سہیل بھیا کہا کرتی تھی۔ چنانچہ اس وقت بھی وہ سہیل کو تلاش

کرتی ہوئی اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔اور سہیل کو کمرے میں دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

سہیل خاموشی سے بیٹھا خلا میں گھور رہا تھا۔

"آپ یقیناً دیوار کے اس کونے میں مجھے تلاش کر رہے ہوں گے سہیل بھیا۔" روشن کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی اور سہیل چونک کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہوں، کیسے تشریف لائیں آپ۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"بھیا کے پاس آجانا کوئی بری بات ہے کیا، کبھی کبھی تو دل چاہتا ہی ہے دیکھنے کو۔"

"دیکھ لیا، بس اب بھاگ جاؤ۔"

"جی نہیں کچھ اور بھی گفتگو کرنی ہے۔"

"میں پہلے ہی سمجھ گیا تھا، خیر فرمائیے، کیا حکم ہے۔" سہیل نے

پوچھا۔

''بھیا کوئی مصروفیت ہے کیا۔''؟ روشن نے بڑی عاجزی سے کہا۔

''جی نہیں بالکل فارغ بیٹھا ہوں، آپ کی طرح۔ فرمایئے کیا حکم ہے۔''؟

''بس بھیا دل چاہ رہا ہے۔ کل آپ کے ساتھ پکنک منائیں۔ آپ ہمیں کسی اچھی سی جگہ لے چلیں، دیکھیے آپ ہمارا آخری سہارا ہیں۔ اگر آپ نے انکار کر دیا تو پھر ہم کسی سے یہ بات نہ کہہ سکیں گے۔''

''بھئی کیا فضول بکواس ہے، میں نہیں جاتا پکنک وکنک پر۔''

''نہیں بھیا پلیز مان جائیں نا۔'' روشن لاڈ سے بولی۔

''کہاں جاؤ گی۔''؟

''بس کسی عمدہ سی جگہ۔''

''ہوں تو گویا تم یہ چاہتی ہو کہ میں تمہیں اجازت دلوادوں۔''

'' جی نہیں ۔میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں۔کتنے دن کے بعد آپ نظر آئے ہیں۔''

''مصروف رہتا ہوں،کل بھی مصروف ہوں۔تمہارے ساتھ نہیں جاسکتا۔''سہیل نے کہا۔

''بھیا اگر میں درخواست کروں تب بھی نہیں۔''

''کیا فضول بک بک لگا رکھی ہے تم نے روشن،ضروری ہے کیا ہم پکنک منانے باہر ہی جائیں۔بھئی تمہیں جتنا شور شرابا مچانا ہے کوٹھی میں ہی مچالو،باہر جانے کی کیا ضرورت ہے۔''

''جی نہیں ہم پکنک پر ہی جائیں گے۔سمجھے آپ ،اور آپ ہی ہمیں لے کر جائیں گے۔''

''جگہ کا تعین کرلیا ہے۔'' سہیل نے پوچھا۔ اور روشن خوشی سے اُچھل پڑی۔

''جی نہیں، وہ بھی آپ ہی کریں گے۔''

''خیر کہیں بھی چلا جا سکتا ہے۔ کون کون جائے گا۔''؟

''سب کے سب۔ اور نوشاب بھی۔''

''نوشاب۔'' سہیل کے لہجے میں الجھن سی پیدا ہوگئی۔

''ہاں کیوں۔''؟

''بس روشن نوشاب عجیب سی لڑکی ہے۔''

''کیوں؟ خیریت۔ ملاقات ہوئی آپ سے۔''

''ہاں تھوڑے دیر پہلے ہوئی تھی۔ گفتگو بھی اچھی کرتی ہے لیکن۔ لیکن میں اپنی اس طبیعت کو کیا کروں؟ میں اسے ٹھیک طور سے نہیں مل سکا، ابھی تھوڑی دیر پہلے بھی باغ میں وہ مجھ سے باتیں

کر رہی تھی، مگر میں الجھا ہوا سا تھا۔ مجھے بس یہ احساس ہوتا ہے روشن کہ جیسے میں اپنے مدِ مقابل کو کوئی بہتر رسپونس نہیں دے سکوں گا، پتہ نہیں وہ میرے بارے میں کیا سوچ رہی ہوگی۔"؟

"بھیا۔ فضول باتیں سوچتے ہیں آپ، میں آپ کی تعریف کروں گی۔ تو آپ اسے خوشامد کہہ دیتے ہیں۔ لیکن آپ سے ملنے کے بعد کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جو آپ کو زندگی بھر یاد نہ رکھے۔

"یہ تو کہہ رہی ہے نا روشن، لیکن دوسرے لوگ ایسا نہیں سوچ سکتے لیکن سچی بات یہ ہے کہ میں اس قابل ہی نہیں ہوں۔ میں، بس کیا کہوں تجھ سے۔"

"کچھ بھی نہیں بھیا کچھ بھی نہ کہیں۔ کل ہم آپ کے ساتھ جائیں گے اور نوشاب بھی جائیں گی۔"

"ٹھیک ہے تو پھر یہ ساری ذمہ داری تم میرے اوپر ہی کیوں

ڈال رہی ہو۔ڈیڈی سے پوچھ لیا۔"

"ڈیڈی سے ہم نہیں آپ پوچھیں گے، رات کے کھانے پر۔" روشن نے جواب دیا۔

"ٹھیک ہے بھئی، تم لوگ انتظام کرلو، میں رات کے کھانے پر ڈیڈی سے بات کرلوں گا۔" سہیل نے جواب دیا اور روشن دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔اس نے سہیل کی پیشانی پر، گالوں پر، سر پر، آنکھوں پر بہت سے بوسے دے ڈالے اور سہیل نے مسکرا کر اس کے بال اپنی مٹھیوں میں جکڑ ڈالے۔

صرف یہی ایک لڑکی ایسی تھی جسے سہیل بچپن سے لے کر آج تک چاہتا تھا۔بالکل اپنی چھوٹی بہنوں کی مانند وہ اسے چاہتا بھی تھا اور پیار بھی کرتا تھا۔بہت سے خطرناک معاملات میں روشن نے اسے بچوں کی طرح سنبھال لیا تھا۔جب کہ وہ کسی دوسرے کو خاطر

میں نہ لاتا تھا۔روشن وہاں سے نکل آئی۔اور پھر اس نے واپس آ کر چنڈال چوکڑی کو یہ خوش خبری سنائی کہ سہیل بھیا راضی ہو گئے ہیں اور ہم لوگ کل پکنک پر چل رہے ہیں۔نوجوانوں نے خوشی کے نعرے لگائے تھے۔

رات کے کھانے کی اہمیت اس لئے اور زیادہ تھی کہ سہیل اس میں شریک تھا،نواب تمیز الدین تو سہیل کو دیکھ دیکھ کر صدقے واری ہو رہے تھے، انہوں نے سہیل کو اپنے پاس بٹھا لیا۔ان کے دوسری جانب نوشاب بیٹھی ہوئی تھی۔سہیل اور نوشاب بلاشبہ دیکھنے والوں کے لئے ایک ایسی حسین جوڑی تھے کہ اگر یہ دونوں کہیں نکل جاتے تو لوگ انہیں دیکھتے کے دیکھتے رہ جاتے۔دونوں حسن و جمال میں یکتا تھے، ایک مردانہ حسن کا شاہکار تھا اور دوسری نسوانیت کی دیوی۔ دونوں ہی بے حد خوبصورت لگ رہے تھے،نوشاب کئی بار سہیل کو دیکھ

چکی تھی، لیکن سہیل نے اس دوران ایک بار بھی نگاہ اٹھا کر نوشاب کو نہیں دیکھا تھا۔وہ بے حد سنجیدہ تھا اور کھانا ابھی شروع نہیں ہوا تھا، کچھ لوگ باقی رہ گئے تھے۔ جہانگیر اور شفیع الدین بھی ابھی نہیں آئے تھے۔اور نوجوانوں میں سے بھی کچھ کو پہنچنے میں دیر ہو گئی تھی۔اس دوران نواب تمیز الدین سہیل کی جانب ہی متوجہ رہے تھے۔انہوں نے سہیل سے بہت سی باتیں بھی کی تھیں اور سہیل نے نہایت شائستگی سے ان کا جواب دیا تھا۔

یہ بات نواب عزیز الدین صاحب کے لئے بہت دل خوش کن تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ سہیل کے مزاج کا کچھ پتہ نہیں ہے، وہ نجانے کب اور کیسے پٹڑی سے اتر جائے۔اس بات سے وہ بہت خوفزدہ تھے لیکن سہیل کی یہ کیفیت دیکھ کر انہیں بڑا سکون محسوس ہوا تھا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد جہانگیر عالم اور شفیع الدین شیکی دوسرے لوگوں کے ساتھ ڈرائنگ روم میں داخل ہوئے لمبی میز کے گرد بہت سی کرسیاں خالی تھیں۔نواب عزیز الدین صاحب کی کوٹھی میں عموماً دستر خوان بڑا طویل ہوا کرتا تھا اور اس کے لئے ڈائننگ ہال میں ایک عظیم الشان میز لگوائی گئی تھی۔دونوں بانگڑو ایک دوسرے سے کشیدہ تھے، ان کی آپس کی بات چیت بند ہوگئی تھی اور اب فیصلے کے بعد ہی کوئی سلسلہ شروع ہوسکتا تھا، اور فیصلے کے ہونے میں ابھی بارہ سے لے کر بیس گھنٹے باقی تھے، لیکن اس دوران انہوں نے ایک دوسرے کی دشمنی پر کمر باندھ لی تھی، البتہ ہال میں داخل ہوکر جب ان کی نگاہ سہیل پر پڑی تو شفیع الدین شیکی بُری طرح اُچھل پڑا تھا، اس نے ایک دم عالم پناہ کے قریب ہونے کی کوشش کی لیکن صفدر نے ایک دم اس کا کالر پکڑ کر اسے پیچھے گھسیٹ لیا۔شیکی حیرانگی سے صفدر کو دیکھنے

لگا۔

”ہوں ہوں، ایسے مت دیکھو، گھسیٹا تمہیں صرف اس لئے ہے کہ تم عالم پناہ سے کوئی گفتگو نہ کرسکو، تم غصے کے عالم میں ہو نا۔“

”ایں ہاں۔ دلربا۔ دلربا۔ شیکی نے اپنی گردن میں گٹار تلاش کرنے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کی کم از کم ڈائننگ ہال میں تو گٹار کا لایا جانا ممکن نہیں تھا۔ نواب تمیز الدین اسی وقت جوتے مار کر باہر نکال دیتے، چنانچہ اس وقت وہ تشنہ سا رہ گیا۔

صفدر اسے لے کر ایک کونے کی طرف بڑھ گیا تھا، عالم پناہ دوسری سمت بڑھ گئے تھے۔

”یہ کیا شیکی۔ کیا تم جہانگیر سے خوفزدہ ہو۔“؟

”ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔“ شیکی نے غصیلے انداز میں کہا۔

”پھر تم اس سے گفتگو کرنے کی کوشش کیوں کر رہے تھے۔“؟

''ایک بہت ہی اہم مسئلہ آ پڑا تھا۔''

''وہ کیا۔۔۔''؟

''میں نے اس چور کو پکڑ لیا ہے۔''

''چور۔۔۔'' صفدر نے تعجب سے اِدھر اُدھر دیکھا۔

''ہاں چور۔۔۔وہ دیکھو نا انکل کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ چچا جان نہایت شفقت سے اس سے گفتگو کر رہے ہیں۔ میں کہتا ہوں کون ہے یہ کون ہے۔''؟

''اوہ یہ وہی چور ہے جو بائیں باغ میں نوشاب سے گفتگو کر رہا تھا۔'' صفدر نے پوچھا۔

''بالکل بالکل۔''

''سوچ لو اچھی طرح سے میاں شیکی۔''

''میں کہتا ہوں میری آنکھیں دھوکا نہیں کھا سکتیں، اور دیکھ لو اب

وہ اس سے کس قدر قریب ہے، خدا کی قسم میں برداشت نہیں، اس کے بدن کی لہریں اس کم بخت کے بدن کی لہروں سے ٹکرا رہی ہوں گی، عالم پناہ، جہاں جہاں۔" اس نے آواز لگانے کی کوشش کی صفدر نے اس کا منہ بند کر دیا اور اسے ایک کرسی پر بٹھا دیا۔

"میرا خون کھول رہا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ ٹھنڈا پانی پی لو، ٹھنڈا ہو جائے گا۔" صفدر نے پانی کا ایک گلاس اس کی جانب بڑھا دیا اور شیکی نے سارا پانی حلق میں انڈیل لیا۔ پھر وہ سرگوشی کے انداز میں بولا۔

"مگر یہ ہیں کون۔۔۔؟"

"نواب زادہ سہیل عزیز الدین۔"

"کون۔" شیکی نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر پوچھا۔

"نواب عزیز الدین کا بیٹا نواب زادہ سہیل عزیز الدین۔" صفدر

نے الفاظ چبا چبا کر ادا کیے اور شیکی بدحواس ہو گیا۔

"تو یہ۔۔۔تو یہ۔۔۔او ہو۔۔او ہو۔۔۔بیڑہ غرق ہو گیا۔ ہو گیا نا بیڑہ غرق۔" شیکی کا چہرہ اتر گیا۔

"کیوں کیا ہوا۔"؟

"اس کا مقصد ہے۔۔۔اس کا مقصد ہے۔۔۔تو۔۔۔تو۔۔۔ یہ۔۔۔لیکن میں اس سلسلے میں تم سے کوئی بات نہیں کروں گا، پہلے ہمارے درمیان یہ مرحلہ طے ہو جائے اس کے بعد ہی کچھ اور ہو سکتا ہے۔ شیکی نے غم آلود لہجے میں کہا اور پھر اس طرح پیٹ پر ہاتھ پھیلائے جیسے گٹار پر انگلیاں مارنا چاہتا ہو، لیکن گٹار اس وقت کہاں تھا۔

بہر صورت کھانا شروع ہو گیا، نواب عزیز الدین خاموشی سے کھانے میں مصروف تھے، لیکن نواب تمیز الدین کھانے کے دوران

بھی سہیل سے گفتگو کر رہے تھے۔ دفعتاً سہیل نے چونک کر نواب عزیز الدین کو دیکھا، اسے شاید روشن کا چہرہ دیکھ کر کوئی بات یاد آگئی تھی۔

"ڈیڈی آپ نے ان لوگوں کو سیر و تفریح بھی کرائی کہیں۔"

نواب عزیز الدین صاحب نے چونک کر سہیل کو دیکھا۔

"مجھ سے کہہ رہے ہو بیٹے۔"

"جی۔"

"بیٹے میں بوڑھا آدمی ان نوجوانوں کے ہنگاموں میں کہاں پھنستا پھرتا۔ صفدر وغیرہ کو یہ ذمہ داری انجام دینا چاہیے تھی، وہی اس سلسلے کا روحِ رواں ہے، میں نہیں جانتا کہ یہ لوگ کہیں باہر بھی گئے یا نہیں۔" نواب عزیز الدین نے کہا۔

"میرے خیال میں ڈیڈی کل ان لوگوں کو ایک پکنک کرا دی

جائے۔"

"اوہو ضرور ضرور۔۔۔اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کون سی ہو سکتی ہے۔" نواب عزیز الدین خوش ہو کر بولے۔ نوشاب مسکرا کر سہیل کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"آپ بھی چلیں گے نا سہیل صاحب۔"

"ہاں یقیناً میں بھی آپ لوگوں کے ساتھ جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے۔" نوشاب مسرت سے بولی اور صفدر کے ساتھ بیٹھا ہوا شیکی ایک بار پھر مضطرب ہو گیا۔ صفدر نے اس کی کیفیت کو محسوس کر لیا تھا۔ اس نے شیکی کو تسلی دی اور شیکی کی صورت پر یتیمی برسنے لگی۔ تب ہی سہیل نے نواب تمیز الدین سے پوچھا۔

"انکل آپ چلیں گے نا۔"

"نہیں بھئی ہم یہ سینگ کٹا کر بچھڑوں میں شامل ہونے والوں

میں سے نہیں ہیں ، یہ نوجوانوں کا ہنگامہ ہو گا، ہماری اس میں کیا ضرورت ہے۔ بس سہیل میاں جارہے ہیں اس کے بعد ہمیں کسی کی پراہ نہیں رہ جاتی۔ بس سہیل میاں آپ جس طرح چاہیں تیاریاں کرلیں۔ نوکروں کو ہدایات دی دیں۔ راتوں رات تیاریاں ہو جائیں گی، صبح کو آپ جس وقت مناسب سمجھیں نکل جائیں۔ گاڑیاں کچھ گھر کی موجود ہیں اور اگر مزید کی ضرورت ہو تو ہم منگوادیں گے۔ میں دفتر اپنے ٹرانسپورٹ آفیسر کو فون کردوں گا۔"

"بہت بہتر صبح کو دو گاڑیاں منگوالی جائیں۔ باقی تین یا چار گاڑیاں تو گھر میں موجود ہیں نا۔" سہیل نے جواب دیا اور نواب عزیز الدین خان مسرور ہو گئے۔

سہیل کی زندگی میں یہ دلچسپی ان کے لئے انتہائی خوش آئند بات تھی۔

سہیل نے ایسے راستے اختیار کیے تھے کہ مسز درانی چکرا کر رہ گئی تھی۔ یوں بھی اس کی کیفیت بے حد خراب تھی نہ جانے کس طرح ڈرائیونگ کر رہی تھی بس یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اس کے ہاتھ پاؤں مشینی انداز میں حرکت کر رہے تھے اور کار ڈرائیو کرنے میں اس کی قوتِ ارادی کا کوئی دخل نہیں تھا۔ پھر سہیل نے کار ایک طرف مڑوائی۔ ایک خوبصورت کوٹھی کا مین گیٹ سامنے تھا۔

"ہارن بجاؤ۔" سہیل نے حکم دیا اور مسز درانی کا ہاتھ ہارن پر جا پڑا۔ کئی بار ہارن بجانے کے بعد ایک چوکیدار نے باہر نکل کر جھانکا، پھر عقب میں سہیل کو دیکھ کر جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ مسز درانی سہیل کے اشارے پر کار اندر لے گئی تھی۔

بہت خوبصورت کوٹھی تھی۔ پورچ میں اس نے کار روک کر انجن

بند کر دیا۔

”آ جاؤ بی بی۔“ سہیل نے کہا اور مسز درانی دروازہ کھول کر نیچے اتر آئی۔ سہیل خود بھی عقبی سیٹ سے نیچے اتر آیا تھا لیکن اسے دیکھ دیکھ کر مسز درانی کو چکر آ رہے تھے انتہائی خوبصورت شلوار سوٹ میں وہ وہ بالکل لڑکی معلوم ہو رہا تھا۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ نوجوان ہے۔ پورا بدن کسی لڑکی کے نسوانی خدوخال کی کیفیت پیش کر رہا تھا، لباس بھی نفیس تراش کا سلا ہوا تھا۔ بس اس کا انداز عجیب وغریب تھا، تب اس نے دوپٹے کا کونا اپنے ہونٹوں میں دباتے ہوئے کہا۔

”چلو اندر چلو جانِ من، تمہاری یہاں آمد پر بڑی خوشی ہوئی ہے ہمیں۔ پر کیا کریں بی بی تم نے خود ہی ہمیں اس کا موقع فراہم کیا ہے ورنہ ہم تو تمہیں خلوصِ دل سے اپنوں میں شامل کر چکے تھے، چلو جلدی چلو، ہمیں پریشان مت کرو۔ طمنچہ اب بھی ہمارے ہاتھ میں ہے۔“

سہیل نے پستول کا رُخ اس کی جانب کر کے کہا۔ اور مسز درانی آگے بڑھ گئی۔

وہ کوٹھی کے صدر دروازے سے داخل ہونے کے بعد ایک بہت بڑے ہال میں پہنچ گئے۔ ہال میں سامنے ہی ایک بہت بڑی راہداری نظر آ رہی تھی، سہیل کے اشارے پر مسز درانی اس راہداری میں چل پڑی، راہداری دونوں جانب سے کور ڈتھی اور اس کے اطراف میں نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ لیکن اس کا اختتام ایک اور ہال میں ہوا تھا۔

سہیل اسے لئے ہوئے اندر ہال میں داخل ہو گیا۔ نہایت نفیس پیمانے پر آراستہ کیا ہوا ہال تھا۔ فرش پر ہر صرف ایک قالین بچھا ہوا تھا اس کے علاوہ پورے ہال میں کوئی فرنیچر نہیں تھا۔ دیواریں انتہائی شفاف اور خوبصورت رنگ سے آراستہ تھیں۔ سہیل نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور پھر دوہرا ہو گیا۔

"اللہ اللہ! تمہارے آنے پر کس طرح خوشی کا اظہار کریں، اچھا ایسا کرو تم تھوڑی دیر یہاں بیٹھو، ہم ابھی آتے ہیں۔" سہیل نے کہا اور ہال کے دوسرے دروازے سے باہر نکل گیا مسز درانی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی، اس نے چاروں طرف دیکھا، ہال کا دروازہ کھلا تھا جس سے وہ لوگ اندر آئے تھے، وہ اگر چاہتی تو بھاگ سکتی تھی، لیکن اس وقت اس میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسی حرکت کرتی۔ سہیل بے وقوف تو نہ تھا، یقینی طور پر باہر اس کے فرار کے راستے مسدود ہوں گے۔ وہ پتہ نہیں اندر گیا تھا یا باہر گیا تھا، مسز درانی کو کوئی اندازہ نہیں تھا، چند ساعت کے بعد ہال میں قدموں کی آوازیں سنائی دیں اور مسز درانی انہیں دیکھ کر چونک گئی۔

یہ دو زنخے تھے، طویل القامت مکروہ شکل، لیکن جسموں پر زرق برق قسم کے زنانہ لباس تھے، شیو بڑھی ہوئی تھی، لیکن آنکھوں میں

کاجل، ہونٹوں پہ سرخی، گالوں کے لالی موجود تھی۔ایک کے گلے میں ڈھول تھا اور دوسرے کے گلے میں ہارمونیم۔وہ شرماتے لجاتے اندر آ گئے۔انہوں نے بڑے اہتمام سے دونوں چیزیں نیچے رکھ دیں۔

"تم۔۔۔تم۔۔۔تم۔۔۔"مسز درانی ہکلائی۔

"ہاں بی بی ہمیں نازنین کہتے ہیں۔"

"مجھے مہ جبیں۔" دوسرے نے پھٹی پھٹی آواز میں کہا۔

"مم مگر۔"

"اگر مگر کچھ نہیں بی بی، بیٹھ جاؤ، یہ بتاؤ کون سا گانا سنو گی۔"

"میں کوئی گانا نہیں سنوں گی۔"

"پر ہم تو سنائیں گے بی بی۔۔۔یہ تو پیشہ ہے، شوق ہے ہمارا۔۔۔"استاد جی او استاد جی، مہ جبیں نے اندر کی طرف رخ کر کے آواز لگائی۔۔۔اور ایک اور شخص اندر داخل ہو گیا۔یہ بھی ایک

ساز لئے ہوئے تھا۔ عجیب وغریب مضحکہ خیز شکل تھی، چہرے پر عجیب وغریب داڑھی، لیکن زنانہ لباس، چہرے پر چشمہ بھی لگا ہوا تھا۔

"چل ری چل ناچو، استاد جی آ گئے، چل ری بجا تین تالا۔" اس نے نازنین سے کہا اور خود بھی ہارمونیم پر مصروف ہو گئی یا ہو گیا۔ اس کے بعد کمرے میں محفلِ موسیقی جم گئی، استاد جی ساز بجا رہے تھے اور مس نازنین اور مہ جبیں ڈھول اور ہارمونیم کے ساتھ ساتھ گائیکی سے شغل فرما رہی تھیں اور مسز درانی پھٹی پھٹی آنکھوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ وہ پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کھڑی تھی اور وہ تینوں حلق پھاڑ رہے تھے۔ بہادر شاہ ظفر کی ایک خوبصورت غزل تھی جس کے ساتھ وہ تینوں زیادتی کر رہے تھے۔ ایسی بھونڈی اور بے تکی آوازیں تھیں کہ کانوں کے پردے پھٹے جا رہے تھے۔ پھر اندر سے ایک اور زنخا نکل آیا۔ یہ ساڑھی میں ملبوس تھا اور اس کے موٹے

موٹے پیروں میں گھنگھروں بندھے ہوئے تھے۔

ہال میں آ کر وہ قالین پر تھرکنے لگا۔

مسز درانی تو سہیل کی بازپرس کی منتظر تھیں۔ وہ تو سوچ رہی تھی کہ اب سہیل اس کے ساتھ کوئی سخت سلوک کرے گا لیکن سہیل نہ جانے کہاں غائب ہو گیا تھا اور وہ چاروں ناچ گا رہے تھے۔

بڑی مشکل سے غزل ختم ہوئی۔ ناچنے والا رک گیا۔ سازندے بھی خاموش ہو گئے۔ مسز درانی کھڑے کھڑے تھک گئی تھی۔

''اب کون سا گائے گی ری۔''؟

''کوئی گیت ہو جائے۔''

''نہیں غزل۔''

''نہیں گیت۔'' وہ جھگڑنے لگے۔

''تو بتا بی بی، کیا سنے گی۔'' انہوں نے مسز درانی سے پوچھا۔

’’کیا بکواس ہے، سہیل کہاں ہے۔‘‘؟

’’کون سہیل ۔؟ یہاں کوئی سہیل نہیں رہتا۔ یہاں تو ہم رہتے ہیں ۔میرا نام نازنین ہے اور میرا مہ جبیں۔ بندی کو آرام جہاں کہتے ہیں۔‘‘ داڑھی والی آرام جہاں نے کہا۔

’’اے ہم ممتاز محل ہیں۔‘‘ ناچنے والے نے کہا۔

’’میں۔۔۔میں کہتی ہوں سہیل کہاں ہے۔‘‘؟

’’اے اپنی ماں کی گود میں ہوگا۔‘‘

’’پنگوڑے میں پڑا انگوٹھا چوس رہا ہوگا۔‘‘

’’ہائے ہائے ۔باتیں بنائے جارہی ہو۔تم لوگ گاؤ نا۔ بجاری بجا اللہ ماری ڈھول بجا اور پھر ایک بے سرا راگ شروع ہو گیا۔مسز درانی پریشان نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔انتہائی بے ہودہ رقص اور گیت تھا۔کانوں کے پردے پھٹے جارہے تھے۔وہ بے بسی سے

انہیں دیکھتی رہی۔آدھے گھنٹے سے زیادہ گزر چکا تھا۔اور جب بات اس کی برداشت سے باہر ہوگئی تو وہ واپسی کے لئے دروازے کی طرف پلٹی۔کسی نے کوئی اعتراض نہیں کیا تھا لیکن اس کا اندازہ درست نکلا۔راہداری کے بعد دوسرے ہال کا دروازہ بند تھا اور باہر جانے کی کوئی جگہ نہیں تھی۔وہ بڑی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔اعصاب پھٹے جا رہے تھے ڈھول اور باجے کی آوازیں یہاں بھی صاف سنائی دے رہی تھیں۔اب کوئی تیسری غزل ہو رہی تھی۔مسز درانی زمین پر بیٹھ گئی۔

اگر کوئی خطرناک سلسلہ شروع ہو جاتا تو شاید اس کی کیفیت اتنی بُری نہ ہوتی۔لیکن یہ تکلیف دہ مرحلہ۔۔۔آخر اس کا مقصد۔۔۔؟

کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی اور جب یہاں بیٹھے بیٹھے وہ عاجز آ گئی تو پھر ہال میں داخل ہوگئی۔

"بند کرو یہ شوروغل۔ کیا پاگل ہو گئے ہو تم سب۔"؟ وہ حلق پھاڑ کر چیخی اور وہ خاموش ہو گئے۔

"اے آرام جہاں۔"؟

"جی استاد جی۔"

"کوئی دوسری گاؤ۔۔۔ بی بی کو پسند نہیں آئی۔"

"کوئی فلمی گانا سنو گی بی بی۔"

"اب اگر تم نے آواز نکالی تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"مسز درانی دہاڑی۔"

"تم سے بہت بُرا ایک یہاں موجود ہے بی بی۔ اس کا کہنا ہے کہ ساری رات تمہیں گانا سناتے رہیں اور ایک بات اور سن لو بی بی۔ سونے کی کوشش مت کرنا۔ چل ری شروع ہو جا۔" اور ڈھول کی دھما دھم پھر گونج اٹھی۔

"بند کرو۔ میں کہتی ہوں بند کرو۔" مسز درانی دہاڑی اور ان پر جھپٹ پڑی لیکن رقص کرنے والے نے ناچتے ناچتے پیچھے سے اس کی کمر پر ایک لات رسید کر دی اور مسز درانی اوندھے منہ قالین پر جا پڑی۔ رقص کرنے والا اب بھی مٹک مٹک کر رقص کر رہا تھا۔

مسز درانی نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ لات بہت زوردار تھی اور اس کی ریڑھ کی ہڈی میں خاصی چوٹ آئی تھی۔ زنخے بدستور بے ہنگم آوازوں میں گا رہے تھے۔

تب دفعتاً مسز درانی کے بدن سے ٹھنڈا ٹھنڈا پسینہ چھوٹنے لگا۔ کیا یہ سزا ہے؟ کیا آہیل نے اس کے لئے اس ذہنی سزا کا انتخاب کیا ہے۔ غور کرنے سے احساس ہوا کہ یہ سزا دوسری سزاؤں سے زیادہ سخت ہے۔ ان لوگوں کی بھیانک آوازیں براہِ راست اس کے اعصاب متاثر کر رہی تھیں اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ پاگل

ہو جائے گی۔

وہ فرش پر پڑی رہی اور وہ گاتے رہے۔ کم بخت تھک بھی نہیں رہے تھے۔ جوں جوں گاتے جا رہے تھے ان کی آوازیں کھلتی جا رہی تھیں۔ مسز درانی پھر اُٹھ کر بیٹھ گئی وہ وحشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

دو گھنٹے گزر گئے۔ سر کا درد ناقابلِ برداشت ہو گیا تو وہ پھر فرش پر لیٹ گئی۔ اس نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ لیکن ان کم بختوں نے ایک اور حرکت کی۔ برف کی طرح سرد پانی سے بھرا ہوا جگ اس پر انڈیل دیا گیا تھا۔

مسز درانی ہڑبڑا کر اُٹھ گئی۔ اس کی آنکھیں انگاروں کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے سہمی ہوئی نگاہوں سے پانی ڈالنے والے کو دیکھا۔ اور وہ ہنس پڑا۔

"نہیں بی بی یہاں سونا منع ہے۔"

"کیا۔ کیا بکواس کر رہے ہو تم۔"؟

"اے ہم کیا بکواس کریں گے بی بی۔ ہم تو حکم کے بندے ہیں۔"

"ہم تو غلام ہیں اس کے۔" دوسرے نے کہا۔

"کس کے۔"؟

"نصیبو کے۔ استاد نصیبو کے۔"

"کہاں ہے وہ۔ بلاؤ اسے۔ میں اس سے بات کروں گی۔" مسز درانی نے کہا۔

"اے وہ تو چلی گئی۔ اب تو ہم ہیں ہم سے بات کرو گا نے سنو۔ چل ری نازنین شروع ہو جا۔"

اور وہ پھر شروع ہو گئے۔ مسز درانی اپنی زندگی کی سب سے

کربناک رات گزار رہی تھی۔ سخت شور و ہنگامے سے اس کی دماغ کی رگیں پھٹی جا رہی تھیں۔ اس عالم میں بھی اگر کبھی اس کا ذہن غنودہ ہوا تو ٹھنڈے پانی سے اسے بھگو دیا گیا۔ یوں ساری رات گزر گئی۔ صبح کو اس کی حالت بُری تھی۔

اور جب سورج نکل آیا تو گانا بجانا ختم ہوا۔ "چلو استاد جی صبح ہو گئی۔"

"چلو بی بی اب آرام کرو۔" لیکن مسز درانی میں اب اُٹھنے کی سکت کہاں تھی۔

"وہ چاروں اسے گھسیٹتے ہوئے اندر لے گئے تھے۔ کئی راہداریوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پہنچ گئے جو شاید قید خانے کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ بہت بڑی جگہ تھی لیکن سلاخیں لگی ہوئی تھیں اور ان سلاخوں کے پیچھے آٹھ نو آدمی نظر آ رہے تھے۔

دروازے سے مسز درانی کو بھی اندر داخل کر دیا گیا۔ وہ دروازہ بند کر کے واپس چلے گئے تھے۔ مسز درانی آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر انہیں دیکھ رہی تھی۔ سب کے سب مرد اور خطرناک چہروں والے نوجوان تھے۔ لیکن ان کی حالت کافی خراب نظر آ رہی تھی۔ مسز درانی کو وہ بغور دیکھ رہے تھے۔

"آپ لوگ۔ آپ لوگ کون ہیں۔" مسز درانی نے خود کو سنبھالتے ہوئے پوچھا۔

"پہلی غلطی کے مجرم۔" ان میں سے ایک نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب تمہیں معلوم ہوگا۔ کیا تم نے تصیبو کے کسی حکم کی خلاف ورزی کی ہے۔"؟ ان میں سے ایک نے کہا اور وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔

''ہاں۔'' اس نے بمشکل کہا۔

''پہلی بار کی ہے۔''؟

''ہاں۔'' وہ اسی انداز سے بولی۔

''ٹھیک ہے۔ ابھی تمہارے لئے معافی کی گنجائش ہے۔ یہاں تین درجے ہیں۔ پہلی غلطی کرنے والوں میں ہم سب شامل ہیں۔ دوسری غلطی کرنے والوں کے لئے بھی یہاں ایک قید خانہ ہے۔ لیکن تیسری غلطی کے بعد زندگی کا کوئی امکان نہیں رہتا۔ اور نصیبوا نہیں قتل کر دیتا ہے۔''

''اوہ۔ اوہ۔ تم سب اس کے سامنے بے بس ہو۔''

''ہاں۔'' انسان کو زندگی میں کسی نہ کسی کے سامنے بے بس ہونا ہی پڑتا ہے۔ ورنہ ہم میں سے کون شریف آدمی ہے۔ میرا نام دارا ہے۔ رام گڑھی کے لوگ آج بھی میرے نام سے کانپتے ہیں۔ یہ جگا ہے۔

دس قتل کیئے ہیں اس نے زندگی میں۔ وہ دادل ہے۔ پولیس جس کے نام سے کانوں پر ہاتھ رکھتی ہے۔ اور وہ فقیرا ہے۔ فقیروں کی تنظیم کا بادشاہ۔ جس کے اشارے پر قتل ہوتے تھے۔ لیکن اب ہم سب نصیبو کے غلام ہیں۔ ایک غلطی کرنے والے مجرم۔" دارا نے کہا۔ اور مسز درانی کو سردی لگنے لگی اور اس کا بدن بُری طرح کانپ رہا تھا۔

سرمئی کا علاقہ شہر سے تقریباً اسی میل دور تھا۔ خالص تفریحی جگہ تھی۔ سرمئی جھیل بہت وسیع تھی۔ اِس کے اطراف سبزے سے لدے ہوئے تھے۔ جس طرف نگاہ اُٹھ جاتی سرسبز درختوں کے جھنڈ بکھرے نظر آتے۔ اِن سے پرے اونچے نیچے بھورے پہاڑ بکھرے ہوئے تھے۔

ویسے سرمئی جھیل کے علاقے میں بہت کم لوگ آتے تھے کیونکہ

یہاں آنے کے لئے عام راستہ نہیں تھا۔ عام سواری بھی نہیں ملتی تھی
بس جن کے پاس اپنی سواریاں تھیں وہی اِدھر کا رُخ کرتے تھے۔

چھ گاڑیاں سرمئی کے کنارے آ کر رکی تھیں۔ ان میں سے چار
گاڑیوں میں نواب عزیز الدین کے اہلِ خاندان تھے۔ دو میں نوکر اور
پکنک کے دوسرے لوازمات بھرے ہوئے تھے۔ ملازموں کو قیام کے
لئے جگہ بتا دی گئی اور وہ جلدی جلدی نفیس قسم کی چھولداریاں نصب
کرنے لگے۔ لڑکے اور لڑکیاں بکھر گئے تھے۔ اِن نوجوانوں کی تفریح
میں بوڑھے یا معمر لوگوں نے کوئی دخل نہیں دیا تھا۔ اِس کی بنیادی وجہ
یہ تھی کہ سب کے سب آپس میں قریبی عزیز تھے۔ بزرگوں کو سب پر
ہی اعتماد تھا۔ چنانچہ کسی اُلجھن کی بات نہیں تھی۔

حالانکہ یہ بات نہیں تھی، نوجوان جہاں ساتھ ہوں وہاں عشق و
محبت کے پودے نہ اُگیں یہ ناممکن سی بات تھی۔ چنانچہ بہت سے

مسئلے تھے۔لڑکے اور لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے کے لئے دِلوں میں چور رکھتے تھے۔لیکن شرافت کی حدود کے اندر۔ آج تک اس کوٹھی میں ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا تھا۔جو بزرگوں کے لئے شرمندگی کا باعث ہوتا، اِس لئے بھی بزرگ اِن پر اعتماد کرتے تھے۔

سہیل کا سلسلہ بھی عجیب تھا۔نوجوان لڑکیوں میں سے تقریباً تمام ہی لڑکیاں اس کے لئے اپنے دل میں چور رکھتی تھیں، یہ بات کوٹھی ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ سہیل کی جاذبِ نگاہ شخصیت باہر کی دنیا میں بھی ہلچل مچائے ہوئے تھی اور اس سلسلے میں اکثر دلچسپ واقعات پیش آتے رہتے تھے، لیکن بدنصیب انسان زندگی کی ان نعمتوں سے محروم تھا اور اِسی محرومی نے اِسے کچھ سے کچھ بنادیا تھا۔ بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ وہ اپنے اہلِ خاندان کے ساتھ کسی دلچسپی میں حصہ لے، نجانے کس طرح وہ اس بار اس پکنک پر آنے کے لئے

تیار ہو گیا تھا۔ اور اس وقت وہ بھی ایک گاڑی میں اپنے عزیزوں کے ساتھ آیا تھا۔

خاموش اور سنجیدہ سہیل اس وقت ہلکے سرمئی رنگ کے شلوار قمیض میں ملبوس، اتنا خوبصورت اور پر وقار نظر آ رہا تھا کہ نہ دیکھنے والی نگاہیں بھی اس کو بار بار دیکھنے پر مجبور تھیں۔

نوشاب کی مشرق پسندی تو اِس وقت کچھ اور نمایاں ہو گئی تھی۔ حالانکہ وہ اس گاڑی میں نہیں آئی تھی جس میں سہیل نے یہاں تک کا سفر کیا تھا۔ لیکن اپنی گاڑی سے اُترتے ہی اُس نے سہیل کو دیکھا اور پھر اس کا جی چاہا کہ کسی الگ گوشے میں وہ خاموش اور تنہا کھڑے ہو کر اِس مشرقی مجسمے کو دیکھتی رہے۔ نوجوان اپنی اپنی دلچسپیوں میں مصروف ہو گئے تھے۔ آج خاص طور سے ان کی دلچسپیوں کا مرکز حضرت جہانگیر عالم پناہ اور بھائی شفیع محمد شیکی

تھے۔ یہ دونوں آج اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنے یہاں آئے تھے اور ان دونوں کو ڈوئل پر آمادہ کرنے والا صفدر تھا۔

یوں تو نوجوان لڑکے اور لڑکیاں شرارت اور حرکتوں میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔ لیکن صفدر ان سب کا استاد تھا۔ بہت تیز و طرار نوجوان تھا ویسے دل کا بہت اچھا تھا۔ سہیل پر یہ سب بُری طرح جان چھڑکتے تھے۔ حالانکہ سہیل ان سب سے اتنا بے تکلف نہیں تھا لیکن مجال ہے کہ کوئی سہیل کے خلاف ذرا سی بات بھی سن جائے۔

وہ سب اس کی عزت کرتے تھے اور اس کے الگ تھلگ رہنے کے باوجود دیوانہ وار اس کی عزت کرتے تھے اس کا احساس سہیل کو بھی تھا۔

وہ اپنی فطرت کی ایک مخصوص کمزوری کی بناء پر ان لوگوں سے بے تکلف نہیں ہوتا تھا لیکن اس کے دل میں ان سب کے لئے

چاہت تھی جس کا اظہار کبھی کبھی ڈھکے چھپے انداز میں ہو جاتا تھا۔

چھولداریاں نصب ہو گئیں ۔ سامان رکھ دیا گیا اور سب نوجوان جوڑے آزاد ہو گئے ۔ سب اپنی اپنی تفریحات میں گم تھے اپنا اپنا سامان سنبھال رہے تھے ۔ صفدر ایک جگہ کھڑا جہانگیر عالم پناہ سے باتیں کر رہا تھا۔ شفیع محمد شیکی کو دوسرا گروہ اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ویسے شیکی اپنی دلربا کے بغیر مکمل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ اس وقت بھی گٹار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا اور وہ باتیں کرتے ہوئے اپنی عادت کے مطابق بار بار گٹار کے تاروں کو چھیڑ دیتا تھا۔

سہیل ان کے ساتھ آ تو گیا تھا، لیکن پھر اس کی وہی تنہائی پسندی عود کر آئی اور وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا جھیل کے ایک گوشے کی طرف بڑھ گیا۔

یہ جھیل کا ایک پرسکون گوشہ تھا، ویسے اس کے اطراف نہایت

حسین تھے۔ جنہیں دیکھتے ہوئے دل نہیں بھرتا تھا اور جس گوشے کا انتخاب سہیل نے کیا تھا وہ انتہائی حسین تھا۔ چنانچہ اس جگہ پہنچ کر وہ ایک گھنے درخت کے تنے کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور خلاؤں میں گھورنے لگا۔ بعض اوقات اس پر ایک عجیب سی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ یوں کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ وہ مختلف کیفیات کا مجموعہ تھا۔ کبھی کبھی اس کے ذہن میں بے پناہ شرارت اُبھر آتی اور وہ معصوم بچوں کی طرح شرارتیں کرتا پھرتا۔ اس وقت اس کی شرارتیں انتہائی معصوم اور بے ضرر ہوتی تھیں۔ دوسری طرف کبھی کبھی اس پر اپنی فطرت سے اُلجھن پیدا ہو جاتی تھی۔ اور وہ اپنی شخصیت کا تعین نہ کر پا کر خوف ناک اذیت پسند بن جاتا تھا۔ اذیت پسند بھی اور اذیت رساں بھی۔ ایک تیسری شخصیت بھی تھی اس کی، جس کا اندازہ بہت کم لوگوں کو تھا۔

یعنی مسز درانی جیسی عورتوں کو یاد اور جیسے خطرناک انسانوں کو،
بس اس پر مختلف کیفیات کے دورے پڑتے رہتے تھے۔اور وہ انوکھی
شخصیات کا مجموعہ تھا۔خود اس نے کبھی اپنی ذات کے بارے میں کوئی
تعین نہیں کیا تھا کہ وہ کیا ہے۔اور اس تعین نہ کرنے کی وجہ سے وہ اکثر
جھنجھلاہٹ کا شکار رہتا تھا۔

لوگوں سے الگ تھلگ رہ کر اسے سکون ملتا تھا۔لیکن کبھی کبھی یہ
تنہائی اسے اتنی خوف ناک لگتی کہ وہ خودکشی کرنے پر غور کرنے لگتا تھا۔
اس وقت اس پر سکون گوشے میں بیٹھ کر اسے بڑا سکون مل رہا تھا۔
ذہن میں عجیب وغریب خیالات رقص کر رہے تھے۔کہ دفعتاً
اسے قدموں کی آہٹ سنائی اور اس نے چونک کر گردن گھمائی۔
نوشاب تھی۔اپنے نام کی مانند شگفتہ اور شاداب اس نام کے تصور
کے ساتھ ہی کسی ایسے مشرقی چہرے کا عکس سامنے آتا تھا جو انوکھی

رنگوں کا حامل ہو جس کے خدوخال میں حسنِ کائنات جھلک رہا ہو۔اور یہ حقیقت تھی کہ نوشاب نام اس کی شخصیت سے بالکل مطابقت رکھتا تھا۔

قدوقامت، جسمانی موزونیت اور حُسن کے اس مجسمہ کو نوشاب کا نام دے کر صحیح معنوں میں خوش ذوقی کا ثبوت دیا گیا تھا۔سہیل کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔یوں لگا جیسے سیپ کا منہ کھل گیا ہو اور آبدار موتی جھانکنے لگے ہوں۔

سہیل وارفتگی سے اسے دیکھنے لگا اُس کی آنکھوں میں پسندیدگی کے تاثرات اُبھر آئے تھے۔اور اُس کی آنکھیں نوشاب کے چہرے پر گڑ کر رہ گئی تھیں۔

نوشاب کو احساس ہو گیا اور وہ کسی قدر شرما سی گئی اور آنکھیں جھک سی گئیں لیکن سہیل کی نگاہیں اس پر سے نہ ہٹیں وہ اس کے بالکل

نزدیک پہنچ گئی۔

''آپ۔آپ یہاں کیوں آ گئے۔''؟

''ایں۔''سہیل چونک پڑا۔

''ہاں۔بس میں آپ کو دیکھ رہی تھی۔آپ۔آپ اس طرف چلے آئے۔''نوشاب بھی کسی قدر گھبرا سی گئی تھی۔اسے گفتگو کرنے کے لئے صحیح الفاظ نہیں مل رہے تھے،سہیل خود ہی سنبھل گیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''تو آپ بھی یہاں چلی آئیں۔''اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں وہ۔وہ۔میں بس آپ ہی کو دیکھتی ہوئی یہاں نکل آئی۔''

''کیوں۔''؟سہیل نے سوال کیا۔اور نوشاب کے انداز میں ایک لمحہ کے لئے پھر گھبراہٹ پیدا ہو گئی۔لیکن پھر وہ سنبھل کر مسکرادی۔

”یہ کیوں اور کیا لگا رکھی ہے آپ نے۔ظاہر ہے میرے لئے آپ سے زیادہ اِن لوگوں میں اور کون ہو سکتا ہے۔“

”اوہ، میرے اندر کوئی خاص بات ہے۔“سہیل نے سوال کیا۔

”ہاں۔“

”کیا۔“؟

”آپ میرے بالکل اپنے ہیں نا۔اور یہ لوگ۔یہ سب لوگ بہر صورت آپ کے بعد شروع ہوتے ہیں۔“نوشاب نے کہا اور سہیل ہنس پڑا۔

”کون کہاں سے شروع ہوتا ہے اِس کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ہم یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ وہ کہاں ختم ہوتا ہے۔بہر حال آپ تشریف لائی ہیں آپ کا شکریہ۔آیئے بیٹھئے۔“اور نوشاب اس کے قریب بے تکلفی سے بیٹھ گئی۔لیکن نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

"سہیل صاحب۔ آپ کبھی ملک سے باہر نہیں گئے۔"

"نہیں۔"

"کیوں۔"؟

"بس اس کا موقع ہی نہیں ملا۔"

"افریقہ یوں تو زیادہ خوبصورت جگہ نہیں ہے لیکن ایڈونچر پسند لوگ ان علاقوں کو پسند کرتے ہیں۔ میں بھی کبھی اپنے ڈیڈی کے ساتھ شکار کھیلنے مختلف علاقوں میں گئی۔ لیکن مجھے بڑا ڈر لگا۔ دراصل ڈیڈی ایسے موقعوں پر اپنے آپ میں گم رہتے ہیں۔ وہ ان تمام خطرات کو نظر انداز کر دیتے ہیں جو انسانی زندگی کے لئے مضر ہوتے ہیں۔ بس میں اسی بات سے ڈرتی ہوں۔ میں چاہتی تھی کہ کوئی۔ میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے....."؟

"ہاں، کیا مطلب ہے آپ کا۔"؟ سہیل نے سوال کیا۔

”آپ وہاں آیئے نا۔“

”کہاں۔“؟

”افریقہ۔“

”جی ہاں۔“

”بہتر ہے کبھی حاضر ہوں گا۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ابھی آپ افریقہ جا رہی ہیں۔“؟

”کیوں۔“؟

”بس میرا خیال ہے کہ یہ مشکل ہے۔“ سہیل نے جواب دیا۔

”کیا مطلب۔ میں سمجھی نہیں۔“

”بھئی مطلب یہ ہے کہ اب چچا تمیزالدین کو یہاں سے جانے کون دے گا اور میرا خیال ہے کہ اب خود ان کے دل میں بھی یہاں سے جانے کا کوئی خیال نہیں ہے۔ وہ یقیناً اب مستقل قیام یہیں کریں

گے البتہ کاروبار افریقہ میں رکھیں گے۔" سہیل نے کہا۔

"اوہ یہ ساری باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں۔"

"بس معلوم ہو گئیں کسی نہ کسی طرح۔ کچھ ڈیڈی نے بتائیں اور کچھ ہم نے اپنے طور پر معلوم کیں۔"

"آپ نے۔"

"ہاں ہاں۔ کیوں اس میں حیرت کی کیا بات ہے۔" سہیل نے پوچھا۔

"بس میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ آپ گھر والوں سے الگ تھلگ رہتے ہیں۔ بہت سی باتیں میرے ذہن میں آپ کے بارے میں پیدا ہوئی ہیں۔"

"مثلاً۔" سہیل نے سوال کیا۔

"مثلاً یہ کہ جب ہم لوگ آئے تھے تو اس کے بعد دو تین دن تک

تو آپ سے ملاقات ہی نہیں ہوئی تھی۔ اس کے بعد آپ آئے اور اس طرح آپ گھر میں آئے، جس طرح آپ وہاں اجنبی ہوں۔"

"نہیں نوشاب۔ ایسی کوئی بات نہیں ہے، بس کچھ فطرت ہی ایسی ہے۔ فطرت کی اِن خامیوں کو میں خود بھی بُری طرح محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ بد نصیبی ہے میری کہ اِن کو دور نہیں کرسکتا۔" سہیل نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے ارے تو اس میں سنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے اور پھر ایسے پُر فضا مقام پر ہم لوگ سنجیدہ کیوں ہوں۔" نوشاب نے کہا اور سہیل کی جانب دیکھ کر مسکرانے لگی۔ سہیل بھی مسکرانے لگا تھا۔

"آیئے جھیل کی طرف چلیں، اِس سنسان گوشے میں بیٹھنے سے کیا فائدہ۔ آیئے۔" نوشاب نے کہا اور سہیل نوشاب کی فرمائش پر اُٹھ گیا۔

پھر وہ دونوں ایک پتھر پر آبیٹھے جو جھیل کے کنارے پڑا ہوا تھا۔درختوں کے چند جھنڈ ان پر آڑ کیے ہوئے تھے اور دوسری طرف کے لوگ نظر نہیں آرہے تھے۔نجانے ادھر کیا ہنگامے ہو رہے تھے۔نوشاب نے ایک کنکری اُٹھائی اور جھیل کی ساکت سطح پر پھینک دی۔گول گول دائرے جھیل کی سطح پر رقص کرنے لگے۔اور سہیل کی آنکھوں میں عجیب سی حسرت اُبھر آئی۔

وہ ان دائروں کو دیکھ رہا تھا اور نوشاب اس کے چہرے کو،نجانے نوشاب کو اس کے چہرے سے کیسی کیسی کیفیات کا اندازہ ہو رہا تھا۔اُس نے سہیل کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور سہیل چونک کر اُسے دیکھنے لگا۔

"کیا بات ہے۔؟ آپ بیٹھے بیٹھے کھو سے جاتے ہیں۔"

"نہیں نہیں،کوئی خاص بات نہیں ہے۔بس میں دیکھ رہا تھا کہ

جھیل کی ساکن سطح پر ننھی سی کنکر نے کس قدر ہلچل مچادی ہے۔"
سہیل نے معنی خیز لہجے میں کہا اور پھر نوشاب کی آنکھوں میں شرم کے
آثار نمودار ہو گئے۔ نجانے وہ ان الفاظ کو کیا سمجھی تھی۔

تفریحات کا آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن آج کی سب سے بڑی تفریح
جہانگیر عالم پناہ اور شیکی کے درمیان ڈوئل کی تھی اور اسی کے لئے یہ
سارا پروگرام ترتیب دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے حویلی میں یہ سب کچھ ممکن
نہیں ہوتا۔ بزرگوں کی مداخلت کا خطرہ تھا۔ چنانچہ ضروری تیاریوں
سے فارغ ہونے کے بعد صفدر نے ان دونوں کو اکسانا شروع کر
دیا۔

"ہاں تو پھر آغاز کیا جائے اور فیصلہ ہو جائے کہ نوشاب کا اصل
حق دار کون ہے۔" اس نے کہا اور جہانگیر عالم پناہ تن کر کھڑے ہو

گئے۔

”میں اور صرف میں۔“ اُنہوں نے سینہ تان کر کہا۔ لیکن دوسرے لمحہ شیکی کی گردن میں پڑے ہوئے گٹار کے تاروں کی ٹنٹناہٹ گونج اُٹھی۔

”ناممکن۔ میری زندگی میں یہ ناممکن ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ تو پھر میں تمہاری زندگی کو ناممکن بنائے دیتا ہوں۔“ عالم پناہ گرج کر بولے۔

”منظور ہے منظور ہے۔ فیصلہ ہو جا چاہئے۔“ شیکی نے غصے سے کہا۔ اِس کی آنکھیں غصے کی شدت سے سُرخ ہو رہی تھیں۔ اِسی دوران کسی نے نوشاب کے بارے میں سوال کر دیا۔

”ارے یہ نوشاب کہاں گئی۔“؟

”بھی اُس طرف جاتے دیکھا تھا میں نے“ کسی نے جواب

دیا۔

"چلو اچھا ہے وہ نہیں ہے۔ بہتر ہو گا کہ اس ڈول کا فیصلہ اُس کی غیر موجودگی میں ہو۔ اگر وہ موجود ہوئی تو اسے کبھی پسند نہیں کرے گی۔" کسی اور نے کہا۔

ویسے لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ نوشاب اور سہیل کسی طرف نکل گئے ہیں اور اُن کو ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹیں پھیل گئی تھیں۔

لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان یہ چہ میگوئیاں پھیل گئی تھیں کہ نوشاب سہیل بھائی کی طرف مائل ہے اور سہیل بھائی بھی نوشاب کو ناپسند نہیں کرتے جس کا جیتا جاگتا ثبوت یہ تھا کہ وہ اِن دنوں کوٹھی پر موجود تھے اور یہاں پکنک منانے آ گئے تھے۔

پکنک پر آنے کا مقصد یہ تھا کہ سہیل نے زندگی میں دلچسپی لینا شروع کر دی ہے اور شاید اب اس کی کیفیت بدل جائے۔ اس لئے

اس مسئلے کو زیادہ ہوا نہ دی گئی۔

صفدر نے دونوں لڑاکوں کو تیار کرنے کا حکم دیا، اور جہانگیر عالم پناہ تیزی سے اُٹھ کر درختوں کے ایک جھنڈ کی جانب چل پڑے۔

"ٹھیک ہے۔ میں ابھی تیار ہو کر آتا ہوں۔"

"اور میں بھی۔" شکیل نے کہا۔ وہ بھی درختوں کے ایک جھنڈ کے پیچھے پہنچ گئے۔ لیکن جھنڈ کے پیچھے پہنچ کر شاید اس کی عقل نے اس کے دماغ کو ٹھوکا دیا۔

جہانگیر کے مقابلے پر آنا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ اور یہ احساس کر کے اب جہانگیر سے کشتی لڑنا پڑے گی اُس کے حواس ساتھ دے گئے۔ وہ پریشانی سے گٹار کے تاروں پر بے آواز اُنگلیاں پھیرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔ پھر ایک ہی ترکیب ذہن میں آئی اور پھر اُس نے اِس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

دوسری جانب نوجوان بے چینی سے اِن دونوں کی کُشتی کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد جہانگیر عالم پناہ درختوں کے پیچھے سے برآمد ہوئے تو دیکھنے والوں کی ہنسی چھوٹ گئی تھی۔

وہ سُرخ رنگ کی ایک لنگوٹی باندھے ہوئے تھے۔ باقی بدن برہنہ تھا۔ پہلوانوں کی طرح اُچھلتے کودتے آرہے تھے۔ اور درحقیقت اُن کی جسامت پہلوانوں سے ہی ملتی تھی۔ لباس سے بے نیاز ان کا بدن خاصا کسرتی اور سڈول تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے واقعی وہ پہلوانی کرتے رہے ہوں۔ اِس وقت پوری طرح چاق و چوبند تھے اور گردن کو اِدھر اُدھر پٹخ رہے تھے اور سخت غصے کے عالم میں تھے۔

"کہاں گیا وہ بزدل چوہا۔ ابھی تک نہیں آیا۔ اُسے نہیں معلوم کہ آج اُس پر کیا قیامت ٹوٹنے والی ہے۔ ہوں نوشاب کا مقدر نا ممکن۔ بخدا ناممکن۔ وہ جو کہا ہے کسی شاعر نے میرا مطلب ہے میں

نے۔" لیکن اُن کی بات بیچ میں ہی کاٹ دی گئی۔

"شعر نہیں ہوگا اِس وقت عالم پناہ، ورنہ کشتی کا سارا موڈ کرکرا ہو جائے گا۔" صفدر نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے اور جہانگیر عالم پناہ اپنی جگہ اُچھلتے رہے۔

"بلاؤ اِسے بلاؤ۔ آواز دو، جلدی کرو، ورنہ میرا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔" عالم پناہ نے کہا۔

"ارے بھئی شفیع الدین صاحب کہاں چلے گئے آپ۔ جلدی آیئے، ورنہ آپ کا نام مقابلے سے خارج بھی ہوسکتا ہے۔"

دوسرے لمحے گٹار کے تاروں کی ٹن ٹناہٹ سنائی دی اور شیکی صاحب درختوں کے جھنڈ کے پیچھے سے نکل آئے تھے۔

گٹار بہت تیزی سے بج رہا تھا، کوئی نغمہ نہیں تھا، بس بہت بے تکی آوازیں تھیں۔ انہوں نے لباس وغیرہ بھی جوں کا توں پہنا ہوا

تھا۔سب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔پیٹ میں قہقہے مچل رہے تھے لیکن سب خاموش تھے۔شیکی ان لوگوں کے اور نزدیک آ گئے۔پھر گٹار کے تاروں سے دُھنیں نکلنے لگیں۔اور شیکی کے ہونٹوں پر ایک نغمہ مچلنے لگا۔

صبح کی مانند

شام کی سیاہیوں میں ڈوبی ہوئی۔

ماہتاب کی وہ کرن۔

جو نجانے کب میرے سینے میں اُتری۔

اور۔۔۔اور۔۔۔

"ابے اور ماہتاب کے بچے کیا فضول باتیں شروع کر رکھی ہیں۔گٹار اتار اور فیصلہ کر لے۔" عالم پناہ آگے بڑھ کر بولے۔

ہو جائے ہو جائے۔" شیکی نے جھومتے ہوئے کہا۔اور لہرا کر

ایک دائرہ بنایا اور پھر سیدھا ہو گیا۔

''اور جب ماہتاب کی وہ کرن۔''

''ارے میں کہتا ہوں کیا بکواس ہے۔ گٹار رکھ دے۔'' عالم پناہ کا غصہ شدید سے شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔

''واہ کیوں رکھ دوں، تم میرے گٹار سے خوفزدہ کیوں ہو۔'' شکی بولا۔

''ابے تو ڈوئل لڑنے آیا ہے یا گانا گانے۔'' عالم پناہ نے پوچھا۔

''او میری کشتی ایسے ہی ہو گی۔''

''کیا مطلب۔''؟ صفدر کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہاں میں سُر کی مار ماروں گا سُر کی۔ کیا سمجھتا ہے یہ عالم پناہ خود کو، ارے ذرا ایک آواز ہی نکالے سُر میں، بے سُرا کہیں کا۔ گلا یوں لگتا ہے جیسے پھٹا ہوا بانس۔''

”بس بکواس مت کر، تو مجھے سُر کی مار مارے گا، میں تجھے جوتوں کی مار ماروں گا۔“

”توبہ کرو توبہ عالم پناہ، ایک مہذب آدمی ہو کر دھینگا مشتی کی بات کرتے ہو۔ لڑو پر تہذیب سے لڑو۔ ذرا ہو جائے، میں تمہیں ایک اسپینیش نغمہ سناؤں گا۔ تم مجھے اس نغمہ کے جواب میں پکھ گا کے سنا دینا۔“

”گانے کی ایسی کی تیسی تو مجھ سے کشتی لڑنے آیا ہے یا گانا گانے۔“!

”دیکھو دوست ہر انسان کا اپنا مطمع نظر ہوتا ہے۔ میں لڑائی بھڑائی سے دُور کا آدمی ہوں، بس یوں سمجھو کہ میری اور تمہاری جنگ یہی ہو گی۔ چلو آؤ سُروں کی مار مارتے ہیں ایک دوسرے کو۔ ہاں تو ہو جائے۔ تو میں کہہ رہا تھا۔ ماہتاب کی وہ کرن۔“

"ماہتاب کے بچے میں تیری داڑھی اُکھاڑ دوں گا۔" جہانگیر عالم پناہ شیکی کی جانب دوڑ پڑے۔ اور شیکی لہرا کر ایک طرف ہوگیا۔ عالم پناہ اپنی ترنگ میں دوڑے گئے تھے۔ انہیں اس وار کے خالی ہو جانے کا بہت غصہ تھا۔ چنانچہ وہ پھر پلٹے اور شیکی پر حملہ آور ہونے کی کوشش کی۔ لیکن شیکی ان کا وار خالی دے دے کر گٹار بجا رہا تھا۔ سب دیکھنے والوں کا ہنستے ہنستے بُرا حال ہوگیا۔

"سُر کی جنگ لڑوں گا سُر کی، لڑنا ہے تو لڑلو، ورنہ یہ دھینگا مشتی اپنے بس کی بات نہیں ہے۔" شیکی عالم پناہ کے وار سے بچتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"میں تجھے تیرے سُروں سمیت جہنم رسید کر دوں گا، ورنہ توبہ کر میرے سامنے کان پکڑ اور وعدہ کر کہ آئندہ نوشاب کا نام اپنے ناپاک منہ سے نہیں لے گا۔"

"نوشاب ۔" شیکی نے پھر گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرا۔

"نوشاب، میری زندگی، میری روح، میری آرزوؤں کا پہلا کنول ۔"

شیکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور عالم پناہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ اس بار وہ پوری قوت مجتمع کر کے شیکی کی طرف دوڑے تھے۔ اور شیکی کو اندازہ ہو گیا تھا کہ اب مشکل ہی سے جان بچے گی۔ چنانچہ اِس نے تیزی سے ایک جانب کو چھلانگ لگائی۔ عالم پناہ دونوں ہاتھ پھیلائے اس کے پیچھے دوڑے چلے آرہے تھے اور شیکی بے تحاشہ دوڑتا چلا جارہا تھا، جب بھی اسے موقع ملتا وہ رکتا اور گٹار کے تاروں پر انگلی پھیر کر کوئی بات کہتا اور آگے چھلانگ لگا دیتا۔ دیکھنے والے اپنی جگہ کھڑے ہوئے تھے اور اِن کی یہ دلچسپ کشتی دیکھ رہے تھے۔

"بلاشبہ یہ شیکی بہت بدمعاش ہے۔ درختوں کے پیچھے جا کر اسے

یہ اندازہ ہو گیا ہو گا کہ وہ جذبات میں آ کر ایک غلط بات کہہ بیٹھا ہے، مگر اب اسے کافی مشکل پیش آ رہی ہے۔"

"مگر اب ہو گا کیا۔"؟

"دیکھو کیا ہوتا ہے، ویسے مجھے یقین ہے کہ جہانگیر اسے پکڑ لائے گا۔" صفدر نے جواب دیا۔ اور وہ سب انتظار کرتے رہے۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے بہت دور نکل گئے تھے۔ پھر وہ درختوں کے جھنڈ کے پیچھے غائب ہو گئے۔

☆

جب نوجوان نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تو شیکی ایک لمحے کے لئے رُکا۔

"سنو جہانگیر میری بات سنو۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں اِس ملک میں آ کر۔ میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں۔ یہاں کی آب و ہوا ہی ایسی

ہے، پسماندہ ممالک ایسی طرح کے ہوتے ہیں میں نے تمہیں پہلے ہی نہ کہا تھا کہ وہاں نہ جاؤ۔ وہاں ہماری صلاحیتیں کند ہو جائیں گی۔ اور دیکھا۔ یہی ہوا نا۔"

"صلاحیتوں کے بچے تو نے مجھے چیلنج کیا تھا۔ اب لڑ تو کشتی مجھ سے۔"

"جہانگیر تم جانتے ہو کہ میں جسمانی طور پر تمہارا مقابل نہیں ہوں، کشتی ہی لڑنی ہے تو آؤ سُروں میں لڑتے ہیں، ایک گیت تم گاؤ، دوسرا میں گاتا ہوں۔ آؤ بیٹھ جاؤ۔"

"تم بیٹھ جاؤ۔" جہانگیر عالم پناہ نے سنجیدہ ہو کر کہا۔

"بیٹھ جاؤں۔ تا کہ جونہی میں بیٹھوں تم مجھ پر آ پڑو اور میری ہڈیاں پسلیاں پیس کر رکھ دو، اور دلربا تو بھی مجھے اس خونی بھیڑیے سے نہیں بچا سکتی۔"

''میں بھیڑیا ہوں، ہیں۔'' جہانگیر نے اس پر چھلانگ لگا دی۔ اور پھر شیکی اُچھل کر بھاگا۔ اِس بار دوڑتے ہوئے وہ درختوں کے کنج کے پیچھے پہنچ گئے تھے۔ دفعتاً شیکی نے کچھ دیکھا اور ساکت ہو گیا۔

جہانگیر عالم پناہ کو موقع مل گیا تھا، دوسرے لمحے وہ شیکی کے پیچھے پہنچ گئے۔ اور انہوں نے اپنے چوڑے ہاتھ سے اس کی گردن پکڑ لی۔

''اب بول بیٹا۔''

'' خاموش خاموش ۔ دیکھو، دیکھو کیا ہو رہا ہے۔ لڑتے رہو مجھ سے لڑتے رہو۔ اور وہاں سب کچھ ختم ہو جائے، سب کچھ ختم ہو جائے، اس دن بھی میں نے یہی کہا تھا تم سے، اور اُس دن بھی تم نے میری بات نہیں مانی تھی۔ ذرا دیکھو تو اس طرف۔'' جہانگیر عالم پناہ

نے چونک کرشیکی کے اشارے کی طرف دیکھا۔

سہیل اور نوشاب جھیل کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے، جہانگیر عالم پناہ کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ ہو گئیں۔ انہوں نے شیکی کی گردن چھوڑ دی تھی۔

"شیکی۔ شیکی یہ وہی نوجوان ہے نا۔"

"ہاں۔ سہیل نواب عزیزالدین خان کا بیٹا۔"

ہونہہ۔ وہ کسی نواب کا بیٹا ہے تو ہم کیا کسی سے کم ہیں، مگر یہ کیا ہو رہا ہے، اب کیا کرنا چاہئے۔"

"کرنا کیا چاہئے، مجھ سے کشتی لڑو، مار کر پھینک دو مجھے اس جھیل میں اور اِس کے بعد خود بھی فنا ہو جاؤ۔ پھر یوں ہو کہ نوشاب یہیں رہ جائے اور ہماری لاشیں افریقہ پہنچ جائیں۔"

"ناممکن یہ ناممکن ہے۔ میری زندگی میں یہ قطعی ناممکن ہے۔"

عالم پناہ غرا کر بولے۔

"تو پھر کچھ کرو، آپس کا جھگڑا تو ہم کسی وقت بھی طے کر لیں گے۔ پہلے اس جھگڑے کو ختم کرو۔"

"ہوں ۔" عالم پناہ نے غصیلے لہجے میں کہا۔ اور آگے بڑھ گئے۔ شیکی ان کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ دونوں خاموشی سے اِن دونوں کے عقب میں پہنچ گئے۔

سہیل اور نوشاب جھیل کی پر سکون لہروں میں کھوئے ہوئے تھے۔ انہیں خبر بھی نہ ہوئی کہ کوئی اِن کے پیچھے آ کھڑا ہو گیا ہے۔

دفعتاً شیکی نے پیچھے سے گٹار پر زوردار ہاتھ مارا اور وہ دونوں اُچھل پڑے۔

نوشاب نے مُڑ کر پیچھے دیکھا اور اِس کا منہ نفرت سے سکڑ گیا۔ سہیل نے بھی چونک کر ان دونوں کو دیکھا تھا۔ پھر عالم پناہ کو

دیکھ کر اس نے مسخرے انداز میں ہونٹ سکوڑے۔

"ارے ارے یہ آپ کے کپڑے کہاں گئے۔ جہانگیر صاحب۔"

"جہانگیر صاحب کی ایسی کی تیسی، یہاں کیا ہو رہا ہے۔" عالم پناہ نے غصیلے انداز میں کہا۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں۔"؟

"کچھ بھی نہیں۔"

"یہ۔ یہ نوشاب یہاں کیوں ہے۔"؟

"آپ سے مطلب۔" نوشاب غرائی۔

"مطلب، ہماری زندگی کو روگ لگانے کے بعد آپ ہم سے مطلب پوچھ رہی ہیں مس نوشاب۔"

"جہانگیر تم سے کتنی بار کہا ہے کہ بدتمیزی مت کیا کرو۔ تمھیں اس

بدتمیزی کا حق کس نے دیا ہے اور کیا یہ مناسب بات ہے کہ تم بے لباس میرے سامنے آ کھڑے ہوئے ہو۔"

"ہاں میں جیسا بھی ہوں اپنی جگہ ٹھیک ہوں، اِس وقت میں اپنے ہوش وحواس میں نہیں ہوں، پہلے مجھے فیصلہ کر لینا ہے تمہارے بارے میں۔ اِس کے بعد میں سوچوں گا کہ تہذیب کیا کہتی ہے۔" عالم پناہ نے غصے کے عالم میں کہا۔

اِن کی کھوپڑی بالکل ہی آؤٹ ہو گئی تھی۔ سہیل نوشاب کو پیچھے ہٹا کر آگے بڑھ آیا۔

جاری ہے

(قسط نمبر۴)
بانگڑو
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

پیچھے ہٹانے کے سلسلے میں اس نے نوشاب کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ اِس پر عالم پناہ پھر چیخ پڑے۔

"اے اے، پیچھے ہٹ کے، پیچھے ہٹ کے۔" عالم پناہ نے سہیل کو ٹہوکا دیتے ہوئے کہا۔

"دیکھو تم حد سے بڑھ رہے ہو۔"

"ہاں جہانگیر صاحب کبھی کبھی حد سے بڑھ جانے کو جی چاہتا ہے۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اور شیکی نے پھر زور سے گٹار کے تاروں پر ہاتھ مارا۔

"حد سے زیادہ بڑھ جانے والے۔" اِس نے بدستور گٹار بجاتے ہوئے کہا۔

"۔۔۔کبھی کبھی بُری طرح ٹھوکر کھاتے ہیں۔"

اور آسمان کی وسعتوں میں، زمین کی گہرائیوں میں ہمیشہ

کے لئے دفن ہو جاتے ہیں۔

"ابے چُپ۔" جہانگیر نے اس کے سر پہ ہاتھ مارا۔اور شیکی دھپ سے زمین پر بیٹھ گیا۔

"یہ کوئی گانے بجانے کی محفل نہیں ہے، خاموش ہو جا۔ مجھے ان صاحب سے بات کرنے دے۔دیکھ نہیں رہا معاملہ کتنا سیریس ہے۔ہاں تو صاحب آپ کا نام کیا ہے۔"؟

"خادم کو سہیل کہا جاتا ہے۔" سہیل نے گردن جھکا کر ادب سے کہا۔

"مسٹر سہیل۔نوشاب کا مسئلہ طویل عرصے سے ہم دونوں کے درمیان چل رہا ہے۔ہم دونوں آپس میں گہرے دوست ہیں لیکن نوشاب کے مسئلے میں ایک دوسرے کے گہرے دشمن۔اور مسئلہ نوشاب میں ہم کسی تیسرے دشمن کا اضافہ قطعی برداشت نہیں کر

سکتے۔"

"اوہو مس نوشاب کیا کہہ رہے ہیں یہ لوگ۔"

"پاگل ہیں بالکل گاؤدی ہیں۔ڈیڈی نے ہی ان دونوں کو منہ لگائے رکھا۔ورنہ میں تو ایک منٹ کے لئے بھی اِن دونوں کو اپنی کوٹھی میں برداشت نہیں کرسکتی۔"

"ناممکن، غلط، بالکل غلط۔نواب تمیزالدین صاحب نے ہمیں آج تک گلے نہیں لگایا۔ہمیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کے منہ سے خوشبو آتی ہے یا بدبو۔"شیکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"دیکھ رہے ہیں آپ۔یہ دونوں اس کوٹھی میں رہتے ہیں۔آپ یقین کریں ان کی وجہ سے ہماری کوٹھی کا سارا ماحول خراب ہو کر رہ گیا ہے۔"نوشاب نے سہیل کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"نہیں دلچسپ آدمی معلوم ہوتے ہیں اور یہ جہانگیر صاحب تو پورے پہلوان ہیں۔ کیوں پہلوان جی مگر آپ نے یہ لباس کیوں اُتار ڈالا۔ جہانگیر صاحب۔" سہیل نے پوچھا۔

"شیکی کی مرمت کرنے کے لئے۔"

"کیوں۔ کیوں اس بے چارے نے کیا کیا ہے۔"؟

"کیا کیا ہے۔ اس کا یہ قصور کم ہے کہ نوشاب سے عشق کرتا ہے۔"

"اوہو۔ واقعی۔ لیکن کیا آپ نوشاب کو بہن کی مانند چاہتے ہیں۔"

"بکواس مت کرو۔ بکواس مت کرو۔ میں بھی۔ میں بھی تو۔" جہانگیر صاحب نے شرمانے کی ناکام کوشش کی لیکن پھر انہیں اپنے غصے کا خیال آ گیا اور تن کر کھڑے ہو گئے۔

"مگر تم ہم دونوں کے درمیان کیوں آ کودے ہو۔"

"ارے ارے میں کہاں کودا ہوں۔ میں تو ایک کونے میں کھڑا ہوا ہوں۔"

"دیکھو مسٹر سہیل، ہمیں معلوم ہے کہ تم نواب عزیز الدین خان کے بیٹے ہو۔ لیکن اس مسئلے میں ہم کوئی رعایت نہیں کریں گے۔ نوشاب کو وہی حاصل کرسکتا ہے جو ہم تینوں میں سب سے زیادہ طاقتور رہو۔ اور میں۔" جہانگیر عالم پناہ نے اپنا بازو آگے کردیا۔

"بلاشبہ اس کا بازو بہت توانا تھا اور اُس کے بازور کی مچھلیاں تڑپ رہی تھیں۔ سہیل نے دیکھا اور پھر وہ سر ہلانے لگا۔

"واقعی۔ واقعی۔ آپ تو پورے پہلوان ہیں لیکن پھر شیکی اور آپ کی کشتی کا کیا ہوا۔"!

"بس بھاگ گیا یہ۔ کہنے لگا سُر کی جنگ کروں گا اب بتاؤ بھلا

میں کیا ٹُنٹُنی بجاؤں گا۔۔۔ میں تو اسے ہاتھ لگانا بھی پسند نہیں کرتا۔"

"تو تمہیں ہاتھ لگانے کو کون کہہ رہا ہے۔ ہاتھ لگا کر دیکھو تو ذرا۔"

"میں کہتا ہوں شیکی بکواس بند کرو، تم موقع نہیں دیکھ رہے، ہم تم آپس میں پھر جھگڑا کریں گے، پہلے اس سہیل کے بچے سے تو نمٹ لیا جائے۔"

"اوہو تو کیا آپ مجھ سے بھی لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اگر نوشاب کے سلسلے میں تم بھی سنجیدہ ہو تو پھر ہاں، اِس کا فیصلہ جنگ ہی سے ہوگا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر آجائیے۔" سہیل نے تمسخرانہ انداز میں قمیض کی آستین اُونچی کرتے ہوئے کہا اور عالم پناہ کا چہرہ ہونق ہو گیا۔ پھر وہ غصے سے دہاڑے۔

"تو تم۔ تو تم۔ مجھ سے جنگ کرو گے۔"

"ہاں۔ کوشش کروں گا۔" سہیل نے کہا اور نوشاب ہنس پڑی۔

"سہیل صاحب آپ کس چکر میں پڑ رہے ہیں۔"

"نہیں نوشاب ذرا جہانگیر عالم پناہ کی طاقت کا عالم بھی دیکھ لیا جائے۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور جہانگیر عالم پناہ زمین پر کسی بھینسے کی طرح پاؤں مارنے لگے۔ وہ زمین پر کود رہے تھے۔ ان کی گردن مسلسل ہل رہی تھی۔ اور دونوں ہاتھ پھیلے ہوئے تھے۔

نوشاب نے بے چین نگاہوں سے سہیل کی جانب دیکھا جو ایک سمت ہو گیا تھا اور اب اس کا رخ جہانگیر عالم پناہ کی طرف تھا۔

"تو اب تم تیار ہو جاؤ۔" جہانگیر عالم پناہ نے کہا۔

"میں تیار ہوں۔" سہیل نے پوزیشن بنا لی۔ اور جہانگیر عالم

پوری قوت سے سہیل کی جانب لپکے۔ سہیل اسی طرح کھڑا رہا جیسے جہانگیر عالم پناہ کی ٹکر کو اپنے بدن پر روکے گا۔ لیکن جونہی وہ اس کے قریب پہنچے سہیل سامنے سے ہٹ گیا۔

شاید اس کا پروگرام اس نے پہلے ہی سے ترتیب دے دیا تھا۔ وہ جھیل کے بالکل کنارے پر کھڑا ہوا تھا اور جہانگیر عالم پناہ پوری قوت سے اس کی جانب آئے تھے۔ سہیل کے ہٹ جانے سے وہ سیدھے جھیل میں چلے گئے۔

کنارے پر زیادہ گہرائی نہیں تھی۔ لیکن پھسلوان کٹاؤ تھے، یعنی جھیل کا پانی اس جگہ سے تقریباً پانچ یا چھ فٹ نیچے تھا، اور اس جگہ بہت پھسلن تھی۔ کنارے کو پکڑ کر اوپر آنا واقعی خاصا مشکل کام تھا۔ شاید جہانگیر عالم پناہ تیرنا بھی نہیں جانتے تھے۔ جھیل میں گرنے کے بعد ان کے حواس درست ہو گئے اور دوسرے لمحے اُن کی آوازیں

فضا میں گونجنے لگیں۔

"بب بچاؤ۔ بب بچاؤ۔ پانی پپ پانی۔" شیکی دوڑتا ہوا ان کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ پھر دوسرے لمحے اُس کا زوردار قہقہہ فضا میں گونج اُٹھا۔

"ایک بھینسا۔" اِس نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے گانا شروع کر دیا۔

اپنی طاقت کے زعم میں۔ اُس نے دوسرا مصرعہ پڑھا لیکن اُسی وقت جہانگیر کی آواز سنائی دی۔

"شیکی شیکی میرے دوست مجھے بچاؤ۔ مجھے بچاؤ۔ ہمارا تمہارا جھگڑا....." پانی شاید عالم پناہ کے منہ میں گھس گیا تھا۔

"جھگڑا۔ ڈوکل تو ابھی ہوگی۔" شیکی نے گٹار کا ایک سرا پکڑ لیا اور دوسرا سرا دھپ سے عالم پناہ کے سر پر پڑا۔ جو کنارے پر نکلنے

کی کوشش کر رہے تھے۔ جہانگیر عالم پناہ پھر پانی میں جا پڑے۔

"نکلو بیٹے اب باہر نکلو۔ اور ہاں ذرا بلاؤ سب کو اور بتاؤ کہ تم نے میرا کیا حال کیا۔" شکی چیخنے لگا۔ وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔ بُری طرح چلا رہا تھا۔ اور اس کی آوازیں دور تک سنی جا سکتی تھیں۔

صفدر وغیرہ جوان دونوں کو دوڑتے ہوئے دیکھ کر خود بھی ان کے پیچھے دوڑ پڑے تھے۔ چند ساعت کے بعد اُن تک پہنچ گئے اور پھر وہاں کا منظر دیکھ کر اُن کی ہنسی ضبط نہ ہو سکی۔

"یہ کیا ہوا"؟ صفدر نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"کشتی لڑ رہے تھے بیٹا جی مجھ سے۔ سُر کی مار ماری ہے۔ یقین کرو سُر کی مار جوتے کی مار سے زیادہ بُری ہوتی ہے۔" شکی بدستور اُچھل اُچھل کر خوش ہو رہا تھا۔ اور گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرتا جا رہا تھا۔

نوشاب اور سہیل بھی اپنی ہنسی ضبط نہ کر سکے تھے۔ جہانگیر عالم پناہ کی حالت بُری تھی۔ اُن کے چہرے پر مُردنی چھائی ہوئی تھی۔

انہیں تیرنا بھی نہیں آتا تھا۔ صفدر نے اس صورتحال کو محسوس کیا اور پھر دو تین نوجوان تیراکی کا لباس پہن کر جھیل میں کود گئے۔ بمشکل تمام جہانگیر عالم پناہ کو باہر نکال لیا گیا تھا۔ پانی اُن کے حلق میں بھر چکا تھا اور ان سے بولا تک نہیں جا رہا تھا۔

وہ زمین پر لمبے لٹا دیئے گئے۔ اب صورتحال بدل گئی۔ اب ڈوئل کا پروگرام ختم ہو گیا تھا۔ اور بقول شکی کے یہ ڈوئل اس نے جیت لی تھی۔

نوشاب یا سہیل نے اس بات کی تردید نہیں کی تھی کہ شکی نے جہانگیر عالم پناہ کو اُٹھا کر پانی میں پھینکا ہے یا نہیں اور لوگ حیرت سے شکی کو دیکھنے لگے۔

"میں نے کہا نا یہ لوگ سُروں سے واقف نہیں ہیں۔ آئندہ جہانگیر میرے مسئلے میں ذرا ہوشیار رہے گا۔" شیکی بدستور چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ اور وہ سب بے تحاشہ حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔

☆

پانچواں دن تھا۔ یہ پانچوں دن مسز درانی نے جس عالم میں گزارے تھے اِس کا دل ہی جانتا تھا۔ وہ بار بار اِس بات پر غور کرنے لگی تھی کہ خودکشی ہی کرلے۔ یہاں موجود خونخوار لوگ چوہے بنے ہوئے تھے۔

ابتداء میں تو مسز درانی کو یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ اِن لوگوں کے درمیان وہ محفوظ نہیں ہے۔ کسی بھی وقت وہ اِس پر حملہ آور ہو سکتے ہیں۔ شکل وصورت سے ہی وہ خونخوار بھیڑیئے نظر آتے تھے۔ لیکن پھر جلد ہی اسے احساس ہوگیا کہ نصیبو کی قید میں وہ بھیڑیوں سے بھیڑ

بن گئے ہیں۔اُن کی حالت اتنی خراب کیوں تھی اس کی وجہ بھی مسز درانی سمجھ چکی تھیں۔یہاں کا ماحول ایسا خوف ناک تھا۔نصیبو ایسی سخت جسمانی اور ذہنی سزائیں دینے کا عادی تھا کہ انسان بے بس چوہے کی مانند ہو کر رہ جاتا تھا۔

اِس دوران اِن لوگوں نے اُسے ایسے دل دہلا دینے والے واقعات سنائے تھے کہ وہ خوف سے کپکپا اُٹھی تھی یہ سارے واقعات نصیبو کی درندگی کے متعلق تھے۔

مسز درانی بعض اوقات تو یہ سوچنے لگتی تھی کہ ایک نواب کا بیٹا اتنا خون خوار اور خطرناک کیسے ہوگیا۔اِس دوران اس نے بہت سی باتیں سوچی تھیں اور وہ کسی فیصلہ پر نہیں پہنچ سکی تھی۔۔۔نصیبو سے وہ خوف زدہ ضرور ہوگئی تھی لیکن انتقام کی آگ اُس کے دل میں اب بھی سلگ رہی تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ اگر زندگی ملی تو اس شخص کو چھوڑے گی نہیں

البتہ اس بات کا اظہار اُس نے کسی سے نہیں کیا تھا۔اس دوران وہ لوگ بھی اس سے جب بھی باتیں کرتے یہی کہتے کہ نصیبو کی اِس قید سے اگر رہائی مل جائے تو اس کے بعد کوئی بھی کام اس کے خلاف کرنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔مسز درانی نے اِن سے بظاہر اتفاق کیا تھا۔لیکن دل ہی دل میں وہ اِن سے اتفاق نہ کر سکی تھی۔

چھٹے دن اُس کا بلاوا آیا۔نازنین اور مہ جبین ہی آئے تھے۔اِن دونوں کی صورتیں دیکھ کر مسز درانی کو ہول چڑھنے لگتا تھا۔ویسے بھی عجیب وغریب شخصیت کے مالک تھے لیکن کس قدر خوفناک تھے اِس کا اندازہ مسز درانی کو بخوبی ہو چکا تھا۔

”چل ری چل بلایا ہے تجھے۔“ نازنین نے مٹکتے ہوئے کہا۔اور مہ جبین تالیاں بجانے لگی۔

”کک.... کس نے بلایا ہے۔“؟

"ارے اُسی اللہ مارے نصیبو نے۔ چل نا دیر ہو گئی تو ہماری بھی شامت آجائے گی۔" اور مسز درانی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر دوسرے لوگوں کی جانب دیکھا۔ فقیرا آہستہ سے آگے بڑھ کر بولا۔

"اگر ہماری بھی سفارش ہو جائے تو ہم تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولیں گے۔"

مسز درانی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے خود اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے تھے۔ وہ تھکے تھکے قدموں سے مہ جبین اور نازنین کے ساتھ باہر آگئی۔

مسز درانی کے حواس ساتھ چھوڑ رہے تھے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا بات کرے گی نصیبو سے۔ بہر صورت تھوڑی دیر کے بعد نازنین اور مہ جبین اُسے لے کر اُس کمرے کے دروازے تک پہنچ گئے جس کے اندر نصیبو موجود تھا۔

"جا اندر جا اللہ بیلی۔ نازنین بولا اور وہ دھڑکتے دل سے اندر داخل ہوگئی۔

ایک بڑی سی میز کے پیچھے سہیل بیٹھا ہوا تھا۔

سفید لباس میں ملبوس۔ چہرے سے ایک خوش پوش اور پاکیزہ صورت نظر آنے والا یہ نوجوان ایسی عجیب وغریب شخصیت کا مالک تھا کہ مسز درانی یا دوسرے لوگ تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔

بہر صورت وہ آدمی کے جامہ میں تھا۔ مسز درانی کو دیکھ کر اُس نے گردن ہلائی اور سامنے پڑی ہوئی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ مسز درانی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"کیسی ہیں آپ۔"؟ اُس نے سرد لہجے میں پوچھا۔ اور مسز درانی خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"میں نے آپ سے کوئی سوال کیا تھا۔"؟

''ہاں ٹھیک ہوں۔'' وہ آہستہ سے بولی۔

''آپ نے میرے خلاف سازش کی تھی مسز درانی۔'' سہیل کی شخصیت یکسر بدلی ہوئی تھی۔ مسز درانی نے پھر اسے دیکھا اور اُس سے آنکھیں ملتے ہی نگاہیں جھکا لیں۔

''ہاں سہیل مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔''

''سہیل نہیں۔ میں نصیبو ہوں۔''

''ہاں نصیبو مجھ سے غلطی ہوگئی تھی۔'' مسز درانی نے جواب دیا۔

''غلطی سہواً ہوتی ہے۔ آپ نے جو کچھ کیا جان بوجھ کر کیا۔ جب کہ میں آپ کو خبردار کر چکا تھا۔ مسز درانی میں آپ کی شخصیت سے واقف نہیں ہوں اور نا ہی واقف ہونا چاہتا ہوں۔ لیکن اپنے آپ کو آپ سے روشناس کرا دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں۔ اب جو کچھ میں کہوں اُسے آنکھیں بند کر کے تسلیم کر لیجئے۔ کیونکہ اُن لوگوں سے میں

کبھی جھوٹ نہیں بولتا جو میرے مقابلے کے لوگ نہیں ہوتے۔"

"آپ میری شخصیت کے بارے میں اندازہ لگا چکی ہیں کہ میں کیا ہوں۔ اور جو کچھ میں ہوں، وہی ہوں اور اس میں کوئی ملمع نہیں ہے۔ لیکن میری اس ادھوری شخصیت کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے کہ میں اِن دونوں صنفوں کو نیچا دکھادوں جو مجھ سے مختلف ہیں۔ میں ہر عورت کو اپنے تلوے چاٹتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہوں اور ہر مرد کو اپنے سامنے سرنگوں۔ یہی میری زندگی کا مقصد ہے اور اِس مقصد کی تکمیل کے لئے جب تک میں زندہ ہوں، کام کرتا رہوں گا۔ مسز درانی میرے جیسے لوگوں کو دیکھ کر آنکھوں میں تمسخر کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں۔ میرے جیسوں کو بالکل بے مصرف سمجھا جاتا ہے اور میں اسی خیال کی تردید میں مصروف ہوں، چنانچہ یہ میرے اپنے موڈ کی بات ہے کہ میں جب چاہوں جس طرح چاہوں اپنے آپ کو دنیا کے

سامنے پیش کردوں۔"

"میرے بارے میں آپ کو بہت کچھ معلومات ہیں اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں نے کبھی خود کو کسی سے چھپانا پسند نہیں کیا۔ میں اپنی ذہانت کو بھی آزماتے رہنا چاہتا ہوں، میری خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مجھ سے واقف ہو جائیں۔ اور میرے بارے میں منصوبے تیار کریں۔ اگر میں ان میں سے کسی کے منصوبے کا شکار ہو جاؤں تو مجھے بے حد مسرت ہوگی۔ کیونکہ میری زندگی ایک طرح سے بے مصرف ہے اور اگر وہ لوگ میرے سامنے ناکام ہوئے تو تب بھی مجھے اتنی ہی مسرت ہوگی۔ کیونکہ میں اپنی نامکمل شخصیت کو ان پر حاوی پاؤں گا۔ آپ میری بات سمجھ رہی ہیں نا۔"

مسز درانی نے بے اختیار گردن ہلا دی تھی۔

"آپ نے گرینگو جیسے خطرناک آدمی کو میرے قتل پر معمور

کیا۔ گرینگو کے ساتھ جو کچھ ہوا اس کی تفصیل بتانا میں ضروری نہیں سمجھتا۔ البتہ میں آپ کی تاک میں تھا اور میں آپ کو اُٹھا لایا۔"

"آپ کو میرے ہاتھ سے ایک بار پھر شکست نصیب ہوئی ہے۔ لیکن میں ایک ایسے شخص کو اپنے راستے سے ہٹا دینے کا عادی نہیں ہوں جو مجھ سے دشمنی رکھتا ہو۔ جن لوگوں کے ساتھ آپ نے میری قید میں وقت گزارا ہے ان لوگوں نے یقیناً آپ سے اپنا تعارف کرا دیا ہوگا۔ میں دو غلطیاں معاف کرتا ہوں، تیسری غلطی کو معاف کرنا میرے بس کی بات نہیں ہے، البتہ میں مقابل کو جنگ کی دعوت ضرور دیتا ہوں، چنانچہ ابھی آپ اس تیسری غلطی کی صف میں نہیں آئی ہیں۔ میں آپ کو ان تمام لوگوں کے ساتھ آزاد کر رہا ہوں۔ جائیے اور میرے خلاف سازشیں کیجئے۔ جس طرح بھی بن پڑے۔ آپ کو چاہیے کہ آپ مجھے قتل کر دیں۔ ورنہ دوسری صورت

میں آپ تمام لوگوں کو میری غلامی میں زندگی بسر کرنا ہوگی۔ آپ کو میرے اشاروں پر عمل کرنا ہوگا۔"

"مسز درانی میں ان تمام لوگوں کو بھی آپ کے ساتھ چھوڑ رہا ہوں، بہتر یہی ہوگا کہ آپ انہیں اپنے ساتھ اپنے گھر لے جائیں اور میرے خلاف کوئی سازش تیار کریں، آج سے پانچویں روز پارک مل کے علاقے میں، میں تنہا آپ تمام حضرات کو ملوں گا۔ اگر اس وقت تک آپ لوگ میرے خلاف کوئی موثر کاروائی کر سکے تو یہ آپ کی تقدیر ہوگی لیکن اگر آپ میرے خلاف کوئی موثر کاروائی نہ کر سکیں تو پھر آپ کو میری ایک اسکیم پر عمل کرنا ہوگا اور یہ اسکیم میں آپ کو اِسی دن بتاؤں گا۔" سہیل نے انتہائی سنجیدگی سے یہ ساری باتیں کی تھیں۔ اور مسز درانی اس دوران اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی رہی تھیں۔

"تو پھر آپ اس سلسلے میں کچھ اور تو کہنا نہیں چاہتیں۔"

"نصیبو میں صرف یہ کہنا چاہتی ہوں کہ جو کچھ کر چکی ہوں اس کا اعادہ نہیں ہوگا۔"

"نہیں مسز درانی ابھی اپنے آپ کو آزمایئے، میں تو آپ کو چانس دے رہا ہوں، اس چانس سے پورا پورا فائدہ اُٹھایئے۔ بس اب آپ جا سکتی ہیں۔" اِس نے گھنٹی بجائی اور مہ جبین اور نازنین اندر داخل ہو گئے۔

"اِن سب کو باعزت طریقے سے باہر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن انہیں اس عمارت کا اندازہ نہ ہونے پائے۔" اِس نے کہا اور مہ جبین اور نازنین نے گردن ہلا دی۔

"آؤ بیگم صاحب۔" نازنین نے مسز درانی سے کہا اور مسز درانی نے تھکے تھکے انداز میں گردن ہلا دی۔ وہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ اُس

کے ذہن میں شدید ہیجان تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کرے۔ نصیبو نے اِس سے اور کوئی بات کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ خاموشی سے باہر نکل آئی۔ اور دونوں اسے لے کر ایک کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں فقیرا، دارا، وادل اور دوسرے تمام لوگ موجود تھے جو یہاں مسز درانی کے ساتھ قید تھے۔ وہ سب بھی حیران وپریشان بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن کے چہرے دُھواں دُھواں ہو رہے تھے۔ مسز درانی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر انہیں دیکھا۔۔۔ نازنین اور مہ جبین چلے گئے تھے۔

"تم لوگ۔ تم لوگ۔" چند لمحات کے بعد مسز درانی نے پوچھا۔

"ہمیں شاید آزادی دی جارہی ہے۔"

"اوہ۔ کیا نصیبو سے بات ہوئی تھی۔"

"نہیں براہِ راست نہیں۔ لیکن اس کا پیغام ملا ہے۔"

"کیا۔"؟مسز درانی نے بے اختیار پوچھا۔

"عجیب پیغام ہے۔" دادل بولا۔

"کیا ہے مجھے بھی بتاؤ۔"

"اس نے کہلا کر بھیجا ہے کہ اتنے دن تک اس کی قید میں رہنے کے بعد اُس کے خلاف ہمارے دلوں میں شدید نفرت پیدا ہو گئی ہو گی۔ اس نفرت کو بڑھانے کے لئے اس نے اِن لوگوں کو آج تک قید کر رکھا تھا۔ کیونکہ اسے مزہ ہی اِن دشمنوں کے ساتھ آتا ہے جو اس سے بے پناہ نفرت کریں چنانچہ اب وہ انہیں آزادی دے رہا ہے تا کہ وہ اس کے خلاف بہتر محاذ بنائیں۔ اُس نے یہ بھی مشورہ دیا ہے کہ ہم سب مسز درانی کے ساتھ چلے جائیں اور سب مل کر اس کے خلاف کوئی ایسا جامع پروگرام بنائیں جس سے اس کی زندگی ناممکن ہو کر رہ جائے۔" دادل نے بتایا اور مسز درانی کی آنکھیں حیرت سے

پھیل گئیں۔

"ٹھیک ہے تو پھر تم نے کیا سوچا۔"

"ارے کیا سوچیں گے۔بس اس کی خواہش ہے کہ ہم اس کے غلام بن کر زندگی گزار دیں تو اب یہی سب کچھ کرنا پڑے گا۔" دادل نے کہا۔

"گویا تم لوگ ہمت ہار چکے ہو۔" مسز درانی نے پوچھا۔

"اور تم۔" دادل نے تیکھی نگاہوں سے مسز درانی کو دیکھا لیکن اس کے لہجے پر مسز درانی کو غصہ نہیں آیا تھا۔وہ بس عجیب سی نگاہوں سے دادل کو دیکھتی رہی۔حالانکہ عام حالات میں وہ بہت جلد غصے میں آجانے والوں میں سے تھی۔بہرصورت چند ساعت خاموشی رہی۔پھر دادل ہی بولا۔

"لیکن اب اس کا کیا پروگرام ہے۔سنا یہ ہے کہ وہ ہمیں اس

عمارت سے نکل جانے کا موقع دے رہا ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہدایت ہے کہ ہم اپنے ہوش و حواس میں یہاں سے نہ جائیں۔ تاکہ اس عمارت کو نہ پہچان سکیں تو اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔"

اور اس کا جواب جلد ہی مل گیا۔ دروازے سے نازنین اور مہ جبین اندر داخل ہوئے تھے۔ وہ ایک ٹرالی کو دھکیلتے ہوئے اندر لا رہے تھے جس پر کسی مشروب کا جگ اور چند گلاس رکھے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"لو بھیا آبِ حیات ہے۔ آبِ حیات۔ پیو۔ اور جنت کی سیر کرو۔"

"کک کیا مطلب۔"؟ مسز درانی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

"اے بی بی۔ آبِ حیات کا مطلب۔ آبِ حیات ہی ہوتا ہے۔

ہم نے تو یہی سنا ہے آج تک۔ ایک ایک گلاس سب پی لو۔ اور پھر جنت کی سیر کرو۔''

''اوہ۔ گویا گویا اس میں بے ہوشی کی دوا ملی ہوئی ہے۔'' مسز درانی نے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

''اب کیا ملا ہوا ہے ہمیں کیا معلوم۔ یہ تو استاد نصیبو ہی جانے۔'' نازنین تالیاں بجاتا ہوا بولا۔

اور مہ جبین نے گلاسوں میں شربت انڈیلنا شروع کر دیا۔

''اچھی زبردستی تھی۔ انہیں بتا کر بے ہوشی کی دوا پلائی جا رہی تھی۔ کسی کی کوئی چال کارگر نہ ہو سکتی تھی۔ وہ دونوں شیطان اُن پر نگاہیں رکھے ہوئے تھے۔ انہیں یہ بے رنگ سیال جو ٹھنڈا اور شیریں تھا پینا پڑا۔ ایک ایک گلاس سب نے پیا اور گلاس اپنی اپنی جگہ رکھ کر انتظار کرنے لگے۔ کہ کب ان کی آنکھیں بند ہوں اور کب وہ

گریں۔ سب سے پہلے بے ہوش ہونے والی مسز درانی ہی تھیں۔ اور اس کے بعد وہ سب اوندھے سیدھے ہو گئے۔

دونوں شیطانوں نے اِن کا اچھی طرح جائزہ لیا۔ اور اِس کے بعد انہوں نے ایک اور عجیب حرکت کی۔ انہوں نے دو لمبی لمبی سوئیاں نکال لیں اور پھر نہایت بے دردی سے وہ سوئیاں ان کے جسموں پر چبھونے لگے۔ لیکن کسی کے بدن میں کوئی لرزش نہ ہوئی۔ تو اُنہوں نے اطمینان سے گردن ہلائی۔ اور پھر ایک ایک آدمی کو کندھے پر ڈال کر باہر آنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے سب کو ایک بند وین میں ٹھونس دیا تھا۔ اور چند ساعت کے بعد وین اسٹارٹ ہو کر باہر نکل گئی۔

عالم پناہ کی حالت تو وہیں درست ہو گئی تھی، لیکن ہوش میں آنے

کے بعد انہوں نے کوئی ہنگامہ نہیں کیا تھا۔نجانے کون سی رگ ڈھیلی ہوگئی تھی ۔شرمندہ شرمندہ سے تھے اور گردن جھکائے بیٹھے رہے تھے۔لوگوں نے لاکھ چھیڑا مگر اِن کے اندر کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی۔

وہ خاموشی سے بیٹھے رہے تھے اور شیکی کے نغمے اور قہقہے گونجتے رہے تھے۔

شیکی نے اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی فتح اس کے نام سے منسوب ہوگئی تھی۔تو وہ بھلا کسی کو کیوں بتا تا کہ سہیل نے اِن لوگوں کے ساتھ زیادتی کی ہے۔اِس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ اگر عالم پناہ راستے سے ہٹ گئے تو اِس کے بعد سہیل سے نمٹنا کون سا مشکل ہوگا۔یہ بچہ کیا حیثیت رکھتا ہے۔

شیکی نغمے سناتے رہے اور پکنک کا یہ پروگرام جاری رہا، عالم پناہ نے کھانا بھی نہیں کھایا تھا۔لوگوں نے لاکھ کوششیں کیں۔لیکن اُنہوں

نے کچھ کھانے سے انکار کر دیا۔ وہ بس خاموش اور غم زدہ تھے۔

بہر حال سارا دن ہنسی اور قہقہوں میں گزرا۔ اور اس کے بعد واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ سب لوگ کوٹھی پہنچ گئے۔ سہیل اور نوشاب بھی ہمراہ تھے۔ اور دونوں ہی خاموش نظر آتے تھے۔

نوجوان واپس آ کر اپنی ضرورتوں میں مصروف ہو گئے۔ عالم پناہ اور شیکی اپنی اپنی پناہ آرام گاہوں میں واپس چلے گئے تھے۔ عالم پناہ بدستور مغموم تھے۔ رات ہو گئی اور پھر انہیں کھانے کی میز پر طلب کیا گیا۔ لیکن عالم پناہ کھانے کی میز پر بھی نہیں آئے تھے۔

نواب تمیز الدین پوچھ بیٹھے۔

''یہ جہانگیر کہاں ہے۔''؟

''اپنے کمرے میں۔''

''اسے کھانے کی اطلاع دی گئی۔''؟

''جی۔''

''کیوں نہیں آیا۔''؟

''کہتے ہیں کھانا نہیں کھاؤں گا۔'' ملازم نے جواب دیا۔

''بیمار ہے کچھ۔''؟

''نہیں نہیں پھوپھا میاں۔ مفتوح کو فاتح کے سامنے آنے کی جرأت نہیں ہو رہی۔'' شیکی نے جلدی سے کہا۔

''کیا مطلب۔''؟ نواب عزیزالدین نے تعجب سے پوچھا اور شیکی کو احساس ہو گیا کہ اِس سے کیا حماقت ہو گئی ہے اِس کا منہ بند ہو گیا۔ اور وہ بوکھلائی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔

''جواب نہیں دیا تم نے۔''؟ نواب تمیزالدین نے پوچھا۔

''قم۔قم موہ۔اوں۔'' شیکی کے حلق سے عجیب سی آوازیں نکلنے لگیں۔

اِس سے بڑی حماقت ہو گئی تھی۔ جلدی میں اس کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی لیکن اب نواب صاحب کو وہ کیا جواب دیتا۔

''کیا بک رہا ہے یہ۔''؟ تمیز الدین خان کو پارہ چڑھنے لگا۔ اور صفدر نے جلدی سے صورتحال سنبھال لی۔

''اوہ، ماموں میاں تخلص ہے دونوں کا۔ شعروشاعری ہو رہی ہے آج کل۔ ایک کا تخلص فاتح ہے اور دوسرے کا مفتوح۔'' اس نے جلدی سے کہا۔

''میرے سامنے نہ ہوا کرے۔'' نواب تمیز الدین خان نے کہا اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔ لیکن عالم پناہ کی یہ اُداسی مناسب نہ تھی۔ چنانچہ کھانے کے بعد فیصلہ کیا گیا کہ اِن کے پاس نشست جمائی جائے۔ غول بیابانی عالم پناہ کی خواب گاہ پر حملہ آور ہو گیا۔

"میں سونا چاہتا ہوں۔ آپ لوگ مجھے آرام کرنے دیں۔"

"ہرگز نہیں۔ ہم سے آپ کی یہ اداسی دیکھی نہیں جاتی عالم پناہ۔"

تنویر نے دست بستہ کہا۔

"اگر آپ شیکی سے مات کھا گئے تو یہ کون سی انوکھی بات ہے آپ تو گہرے دوست ہیں۔"

"دوست۔" عالم پناہ نے شکایت آمیز نگاہوں سے شیکی کو دیکھا اور شیکی نظریں چرانے لگا۔ اِسے اصلیت معلوم تھی کہ عالم پناہ جھیل میں کیسے تشریف لے گئے تھے۔ لیکن اسے اِس بات پر بھی حیرت تھی کہ عالم پناہ نے ہوش میں آنے کے بعد بھی اِس بات کی تردید نہیں کی تھی کہ انہیں شیکی کی وجہ سے یہ ہزیمت نہیں ہوئی۔

"ہاں۔ کیوں کیا آپ لوگوں کی دوستی ختم ہوگئی۔"؟

"اِس کا جواب شیکی دے گا۔"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔" شکی نے کہا اور کھڑا ہو گیا۔ دلربا ٹن ٹنانے لگی۔

اور شکی کی آواز اُبھری۔

"یہ دوستی۔ ازل سے ہے۔ ابد تک رہے گی۔ لوگ ہنستے رہیں گے۔ ساز بجتے رہیں گے۔"

"اِس وقت نہیں بجیں گے۔ خاموش ہو جاؤ۔" صفدر نے کہا۔ اور گٹار شکی کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"شکی تڑپ کر کھڑا ہو گیا۔

"بخدا میری دلربا کو ہاتھ نہ لگائیں۔ یہ میری حُرمت ہے، یہ میری عزت ہے، کسی غیر محرم کا ہاتھ اس سے نہیں لگ سکتا۔" شکی نے بڑے انداز سے لپک کر گٹار صفدر کے ہاتھ سے لے لیا۔

"یہ گٹار کسی غیر محرم کے ہاتھ سے تمہارے سر پر پڑ کے ٹوٹ بھی

سکتا ہے۔اِس لئے وقت بے وقت اسے نہیں بجایا کرو۔'' صفدر نے چمک کر کہااور شیکی گردن ہلانے لگا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔نہیں بجائیں گے، ہم آپ سے کب تعرض کرتے ہیں صفدر بھائی۔''شیکی نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

''ہاں تو جناب عالم پناہ ہماری درخواست ہے کہ آپ کھانا کھا لیں۔دوپہر کو بھی آپ نے کچھ نہیں کھایا آخر یہ فاقہ کشی کب تک رہے گی، ہار جیت تو زندگی کے ساتھ ہوتی ہے، اب اِس سے کیا ہوگا۔لیکن ایک بہت بڑا مسئلہ ہمیں درپیش ہے۔اور آپ سے مدد درکار ہے۔'' عالم پناہ نے نگاہیں اُٹھا کر اسے دیکھااور بولے۔

''میں مغموم ہوں رنجور ہوں۔ براہِ کرم اس وقت مجھے پریشان نہ کریں۔یعنی یہ تو وہی مثل ہوئی کہ دوگز زمین بھی نہ ملی کوئے یار

میں۔"

"آپ کا شعر ہے۔" صفدر نے منہ پھاڑ کے پوچھا۔

"تو کیا کسی دوسرے کی غزل میں آپ کو سناؤں گا۔ ایسا سمجھتے ہیں آپ مجھے۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے جہانگیر صاحب جیسا کر رہے ہیں ویسا بھر رہے ہیں ابھی تو آگے آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے لڑکیاں ماریں گی آپ کو۔"

"کیا مطلب۔"؟

"بس بس کچھ نہیں یہ شعر جو آپ نے سنایا ہے اس پر دل دُکھ کر رہ گیا ہے۔"

"ہاں، یہ میرے حسب حال ہے، ابھی ہوا ہے۔" عالم پناہ نے کہا۔

''خوب۔ گویا مصرع ثانی ہوا ہے، مصرعہ اولیٰ ابھی نہیں ہوا ہوگا۔'' صفدر نے چمک کر کہا۔

''یہ۔ یہ مصرع ثانی ہے۔'' عالم پناہ ذہن پر زور دینے لگے۔ پھر مسکرا پڑے۔

''ارے واہ، آپ کو واقعی شعر کی بڑی پہچان ہے، ٹھیک ہی تو کہا آپ نے، مصرعہ اولیٰ تو بہت پہلے ہوا تھا۔''

''بھلا وہ کیا تھا۔''؟

''کتنا ہے بدنصیب جہانگیر قبر کے لئے۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''بس بس، بس بس، خدا کی قسم ساری ہمدردیاں ختم ہو گئیں آپ سے، چلو یار چلو، خوامخواہ اس وقت موڈ خراب کر رہے ہیں۔ یہ ان کا بھوکا رہنا ہی زیادہ اچھا ہے۔ لعنت ہے آپ پر۔'' صفدر نے کہا۔

اور قہقہے اُبل پڑے۔ عالم پناہ حیرت سے ایک ایک کی شکل دیکھ

رہے تھے۔

"ہوا کیا۔ ہوا کیا۔ آپ لوگ تشریف رکھیئے۔"

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ آپ ہماری طرف سے تین دن اور بھوکے رہیے۔ آپ لوگوں کے شعر چُرا چُرا کر کھاتے ہیں اچھی طرح سے پتہ چل گیا ہے۔"

"کیا مطلب ہے آپ کا۔"؟ جہانگیر عالم پناہ حیرت سے بولے۔

"ارے تم یہ گٹار اُٹھا کے اِن کے سر پر ماردو، ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔" صفدر نے کہا اور اپنی ٹولی کو لے کر باہر نکل گیا البتہ شیکی جہانگیر عالم کے پاس ہی بیٹھا رہا تھا عالم پناہ غصیلی نگاہوں سے ان سب کو جاتے دیکھ رہے تھے۔ اِن کے جانے کے بعد وہ شیکی سے بولے۔

"دیکھا تم نے اِن لوگوں کو۔" یہ ہمارے اپنے ہیں۔میں کہتا ہوں بدترین دشمن ہیں یہ سب ہمارے۔اچھے اشعار ہضم نہیں ہوتے ان سے، یہ سوچتے ہیں کہ زبان صرف اِن کی میراث ہے، میں اگر افریقہ میں رہ کر اچھی شعروشاعری کر لیتا ہوں تو اِن سے برداشت نہیں ہوتا، یہ سوچتے ہیں کہ جو کچھ کریں یہی کریں اور انہی کے نام سے منسوب رہے۔اور شیکی تم ۔عالم پناہ کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔اور شیکی کے حواس جواب دینے لگے۔جہانگیر عالم پناہ اپنی جگہ سے اُٹھ گئے تھے۔اور پھر جب انہوں نے دروازہ بند کردیا تو شیکی بالکل ہی نروس ہوگیا۔وہ منہ پھاڑ کے رہ گیا تھا۔پھر وہ بمشکل تمام بولا۔

"سُو۔سُو۔وہ۔وہ جہانگیر بھائی میرا مطلب ہے عالم پناہ جناب عالم پناہ۔"

"تم سے بات کرنی ہے شیکی۔"

"بب باہر چل کر بات کیجئے۔للہ دروازہ کھول دیجئے، دیکھئے میں تنہائی میں کسی قسم کی ہاتھا پائی نہیں کرتا۔"

"بکواس مت کرو میں ہاتھا پائی نہیں کر رہا۔"

"خو۔خدا کی قسم۔جج جھوٹ بول رہے ہیں آپ، ماریں گے مجھے، میں کہتا ہوں دروازہ کھول دو۔ورنہ میں شور مچاؤں گا۔" شیکی کے ہاتھ گٹار کی طرف بڑھے۔اور عالم پناہ نے آگے بڑھ کر گٹار چھین لی۔

"گٹار بجایا تو گٹار اُٹھا کر زمین پر دے ماروں گا، تم سمجھتے ہو کہ جھیل کے کنارے فضول بکواس کر کے تم فتح حاصل کر گئے ہو۔حالانکہ اصلیت تم اچھی طرح جانتے ہو۔"

"جانتا ہوں جانتا ہوں بھائی جان، بس غلطی ہو گئی، یہی تو ایک

غلطی ہوئی ہے زندگی میں۔ بس آئندہ، آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

"تو مرے کیوں جارہے ہو۔ بیٹھو نا۔"

"مم ماریں گے تو نہیں۔" شیکی نے کہا۔

"میں نے تمہیں مارنے کے لئے نہیں بلایا ہے اِس وقت ایک سنجیدہ مسئلہ ہم دونوں کے سامنے ہے تم اس پر غور کرو یا نہ کرو۔ لیکن میں بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔"

"اوہ سنجیدہ مسئلہ۔" شیکی کے حواس کسی قدر بحال ہونے لگے۔

"تم نے میرے بارے میں جو بکواس کی تھی کیا وہ درست تھی۔"

"بالکل غلط تھی، انتہائی غلط۔ بڑی ذلیل حرکت کی تھی میں نے۔" شیکی نے بڑی ایمانداری کے ساتھ کہا۔

"تو تم اس کی تردید کرو گے شیکی۔" عالم پناہ نے کہا۔

"کردوں گا، ضرور کردوں گا، ابھی کردوں گا، بُلا کر لاؤ ان سب

کو، ذرا دروازہ کھول دو۔" شیکی صرف اس چکر میں تھا کہ یہاں سے باہر نکل جائے۔

"مکار ہو تم۔ بے ایمان بھی ہو۔ یہاں سے نکل بھاگنا چاہتے ہو۔ بیٹھ جاؤ۔ میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ ضروری بات کرنی ہے۔"

"موڈ تو خراب نہیں ہوگا۔"

"نہیں۔"

"وعدہ۔"

"ہاں ہاں وعدہ۔" عالم پناہ نے کہا۔ اور شیکی بیٹھ گیا لیکن وہ چوکنا تھا تاکہ جونہی حملہ ہو وہ راہِ فرار اختیار کرے۔ عالم پناہ گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے پھر انہوں نے کہا۔

"لڑائی جب تک ہمارے تمہارے درمیان تھی ٹھیک تھی۔ لیکن اب۔ اب ہمارا مقابلہ ایک مشترکہ دشمن سے ہے سمجھے۔"

''بلاشبہ۔''

''غدار ہو تم۔ مکار بھی ہو۔''

''گنگ۔ گالیاں دے رہے ہیں۔''

''سچ کہہ رہا ہوں۔ تم نے بھی تو دیکھا تھا۔ تم نے بھی تو وہ روح فرسا منظر دیکھا تھا۔ ہم سب اپنی باتوں میں مصروف تھے اور وہاں جھیل کے کنارے۔''

''جھیل کے کنارے۔''؟

''اندھے ہو تم۔ دیکھا نہیں تھا۔ دونوں جھیل کے کنارے بیٹھے اُفق کے اِس پار گھور رہے تھے۔''

''کیا دیکھ رہے تھے اس طرف۔''؟ شیکی نے پوچھا۔

''ہمارا تاریک مستقبل۔'' عالم پناہ نے جواب دیا۔

''اوہ۔ وہ کیسے۔''؟

"شیکی تم بالکل گدھے ہو۔" عالم پناہ ناک چڑھا کر بولے۔

"یقیناً یقیناً۔ کیونکہ دروازہ بند ہے۔" شیکی بے بسی سے بولے۔

"وہاں عشق ہو رہا تھا۔ کیا فلموں میں تم نے نہیں دیکھا، ہیرو اور ہیروئن ایسی ہی جگہوں کی تلاش میں نہیں رہتے۔ وہاں بیٹھ کر وہ کیا باتیں کرتے ہیں کیا تم نے نہیں سنیں۔"؟

"سُنی تو ہیں۔"

"یہ اُردو فلموں کی بات ہے۔ اگر انگریزی فلموں تک نوبت پہنچ جاتی تو ہمیں خودکشی ہی کرنی پڑتی۔"

"شیکی۔ میرے دوست شفیع الدین۔ کچھ سوچو۔ اِس بُرے وقت میں صرف ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ایک دوسرے کے ہمدرد ہیں۔ کون ہے جو اس دیارِ غیر میں ہمارا غم گسار ہوگا۔"!

"کوئی نہیں۔" شیکی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"ہم بے بس ہیں، بے کس ہیں۔سب ہمارے حال پر ہنسنے والے ہیں۔کوئی ہم پر آنسو نہیں بہائے گا۔"

"میں بہاؤں گا میرے دوست۔میں بہاؤں گا۔" شیکی نے کہا اور دوسرے لمحے اُس کی بھوں بھوں کمرے میں گونج اُٹھی وہ زار و قطار رو رہا تھا۔عالم پناہ کی آنکھیں بھی نم ہو رہی تھیں۔

"نوشاب۔" عالم پناہ نے سرد آہ بھری۔

"میری زندگی۔" شیکی دکھ بھرے لہجے میں بولا۔

"بکواس مت کرو۔" عالم پناہ دہاڑے۔اور شیکی اُچھل پڑا۔

"کک کوئی غلطی ہوگئی۔"

"تم ذلیل انسان ہو۔"

"ہوں۔اس لئے کہ دروازہ بند ہے۔" شیکی بولا۔

"تم اسے اپنی زندگی کہہ رہے ہو۔"

"اوہ۔سوری۔نوشاب ہم دونوں کی زندگی۔"شیکی نے تصحیح کی۔

"اِسے سہیل کے چکر سے نکالنے کی ترکیب سوچو۔"

"ترکیب۔"شیکی سنجیدہ ہو گیا۔اور پھر دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر شیکی بولا۔

"لاجواب۔۔بے نظیر۔"

"کیا مطلب۔"؟

"ترکیب سوچ لی۔"

"کیا ہے۔"؟

"نہایت آسان۔۔بے حد سادہ۔لیکن موثر۔اتنی موثر کہ اس کا بدل نہیں ہو سکتا۔"

"بتاؤ۔"عالم پناہ نے کہا۔

"پھپ پھوپا میاں۔شیکی نے کہا اور عالم پناہ اُچھل کر کھڑے

ہو گئے۔

''کک کہاں۔کیا دروازے کے باہر۔'' انہوں نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

''اوہ۔نہیں جہانگیر بھائی۔میرا مطلب ہے اس سلسلہ میں نواب تمیز الدین عرف پھوپھا میاں بہترین ثابت ہوں گے۔''

''وہ کیسے۔''؟

''کیا انہیں اپنی عزت کا پاس نہیں ہوگا۔''

''ہوگا۔ضرور ہوگا۔'' عالم پناہ بولے۔

''کیا انہیں اس خطرے سے آگاہ نہیں کیا جا سکتا۔کیا انہیں یہ نہیں بتایا جا سکتا کہ وہ ہوشیار ہو جائیں۔اِن کا وقار اِن کی عزت خطرے میں ہے۔سہیل اِن کی آبرو کا دشمن ہے۔بچائیں اپنی عزت بچائیں۔بس جہانگیر بھائی کام بن جائے گا۔بھلا پھوپھا میاں کہاں

برداشت کرسکیں گے۔ بلکہ اگر ممکن ہو سکا تو ہم تنہائی میں ان دونوں کو دکھا بھی دیں گے پھوپا میاں کو۔“

عالم پناہ سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر وہ مسکرا کر بولے۔

”ترکیب عمدہ ہے مگر ابتداء کیسے کی جائے۔“

”کیا مطلب۔“؟

”مطلب یہ کہ نواب صاحب کو یہ اطلاع کیسے دی جائے گی۔“

”تم دو گے جہانگیر بھائی۔ تم دو گے۔“ شکیل نے کہا۔

”کیا۔“؟ عالم پناہ اُچھل پڑے۔

”میں، میں دوں گا۔“

”ہاں تم۔ تم مضبوط دل اور مضبوط اعصاب کے مالک ہو۔ یہ کام تم آسانی سے کر لو گے۔“ شکیل نے کہا اور عالم پناہ گردن ہلانے لگے۔

"شکی تم اس وقت بھی مخلص نہیں ہو، گہری چال چل رہے ہو۔"

"کیوں۔"؟

"تم چاہتے ہو نواب تمیزالدین صاحب مجھے گولی ماردیں

اور اِس کے بعد تم میدان مارلو۔ کیوں کیا میرا یہ خیال غلط ہے۔"

"سو فیصد۔" شکی نے کہا۔

"کیسے۔ بولو۔ جواب دو۔"

"پھوپھا میاں کے پاس پستول نہیں ہے۔" شکی نے سکون سے

کہا۔

"اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"

"اے تو کیا وہ تمہیں فنائل کی گولی ماریں گے یا مٹھائی کی گولی

سے تمہاری شہادت واقع ہو جائے گی۔"

"بہر حال شکی۔ اِس انکشاف کے وقت تم میرے ساتھ

ہو گے۔" عالم پناہ نے کہا۔ اور شیکی بند دروازے کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے اجازت دو۔" اس نے کہا۔

"بھاگ رہے ہو۔ ایسے نہیں جانے دوں گا! پہلے پروگرام مکمل کرو۔"

"کون بھاگ رہا ہے۔ میں تو کچھ اور سوچ رہا تھا۔"

"کیا سوچ رہے تھے۔"

"یہی کہ تم نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ باورچی سے تمہارے لئے کچھ کھانے کو لاؤں۔ اس دوران گفتگو بھی ہوتی رہے۔"

"شکریہ شیکی۔ اب میں اتنا بے وقوف بھی نہیں ہوں۔ دوپہر کو سینڈوچ کا ایک پیکٹ اُڑا لیا تھا۔ کام چل گیا۔ اور اس وقت بھی ڈیڑھ سیر دودھ پی چکا ہوں۔" عالم پناہ نے کہا اور شیکی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔

بالآخر طے ہوا تھا کہ دونوں نواب صاحب کو اس سنگین صورتحال کی اطلاع دیں گے لیکن ذرا مختلف شکل میں۔ ان میں ہمت نہ تھی کہ زبانی ان سے کچھ کہہ سکیں۔ چنانچہ عالم پناہ نے ایک شاندار تجویز پیش کی تھی۔

"استعارہ سمجھتے ہو"؟ انہوں نے کہا۔

"لوٹے کی شکل کا ہوتا ہے"؟ شیکی نے سوال کیا۔

"جاہل ہو نرے۔ تشبیہ کے بارے میں کچھ پتہ ہے۔"

"لو اس میں جہالت کی کیا بات ہے۔ دادی صاحبہ محترمہ دن رات پڑھتی رہتی تھیں۔ ایک واقعہ بھی ہوا تھا ایک دفعہ۔" شیکی مسکرا اٹھا۔

"کیا۔"؟ عالم پناہ نے بے اختیار پوچھا۔

"تمہیں فلوشیا یاد ہے۔"؟

''کون فلوشیا۔''؟

''وہ جس کی آنکھوں میں ستارے چمکتے تھے۔ جس کا نام ٹام بیرن تھا۔ باکسر ٹام بیرن۔''

''اوہ۔ اِس کالی کلوٹی کی بات کر رہے ہو۔ وہ افریقی لڑکی۔'' عالم پناہ منہ بنا کر بولے۔

''آہ۔ تم اِس کو کالی کلوٹی کہہ رہے ہو عالم پناہ، کاش کبھی تم نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا ہوتا۔ وہ حسین آنکھیں جن میں کہکشاں اُتر آتی تھی۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں اس کے چہرے کو ہی دیکھ کے مطمئن ہو گیا تھا۔ جس پر ہمیشہ کالی گھٹائیں چھائی رہتی تھیں۔'' عالم پناہ نے جواب دیا۔

''خیر چھوڑو۔ تو میں تمہیں واقعہ سنا رہا تھا۔ ہوا یوں کہ فلوشیا کی

سالگرہ تھی اور مجھے اس کی سالگرہ میں یقینی طور پر شریک ہونا تھا۔

اِس نے کہا تھا کہ اگر میں اس کی سالگرہ میں شریک نہ ہوا تو وہ سالگرہ نہیں منائے گی۔ لیکن بھائی جہانگیر تمہیں تو معلوم ہے کہ دیارِ غیر میں رہ کر بھی ہم قلاش رہے۔ کبھی جیب میں اتنے پیسے ہی نہ ہوئے کہ کوئی ڈھنگ کی چیز خرید کے کسی کو دے سکتے۔ فلوشیا کو تحفہ دینا ضروری تھا اور میں سخت پریشان تھا۔ میں نے سوچا کہ ایک نغمہ اِس کی نذر کر دوں گا۔ لیکن پھر مجھے اس کی پچھلی سالگرہ کا خیال آ گیا۔ جس میں، میں نے ایک نغمہ نگار کا بُرا حشر دیکھا تھا۔ شاید اس بے چارے نے بھی تحفہ میں نغمہ پیش کیا تھا۔ فلوشیا نے اسے گردن سے پکڑ کر باہر نکال دیا تھا، چنانچہ کوئی نہ کوئی تحفہ فلوشیا کو دینا تھا، چنانچہ جب کوئی بات سمجھ میں نہ آ سکی تو میری نگاہ بھی اچانک دادی ماں کی تشبیہ پر پڑ گئی۔ وہ ہمیشہ اس کے دانے گھمائے رہتی تھیں۔ اور منہ ہی منہ میں

کچھ بد بداتی رہتی تھیں۔ چنانچہ میری آنکھوں میں بھی کہکشاں اُتر آئی اور میں نے دادی ماں کی تشبیہ پار کرلی۔ اور جب میں نے وہ تشبیہ فلوشیا کو دی تو خوشی سے اس کا چہرہ کِھل اُٹھا تھا وہ یہی سمجھی کہ یہ شاید کوئی قیمتی ہار ہے۔"

"میں تمہاری گردن توڑ دوں گا۔" عالم پناہ بگڑ گئے اور شیکی منہ پھاڑ کر رہ گیا۔

"کیوں کیوں۔" "کیا تشبیہ تم نے دی تھی دادی ماں کو۔"شیکی نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

"بے وقوف انسان اِسے تشبیہ نہیں تسبیح کہا جاتا ہے۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"لو تین نقطوں کا تو فرق ہے، اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"شیکی نے منہ بنا کر کہا۔

''بہت کچھ فرق پڑتا ہے۔فضول باتوں میں اُلجھ کر خوامخواہ میرا دماغ خراب کر رہے ہو، میں اِس تسبیح کی بات نہیں کر رہا،تشبیہ کہتے ہیں کہتے ہیں کسی بات کے حوالے کو۔''

''حوالے کو۔یہ حوالہ کیا ہوتا ہے۔''

''تم باہر نکل جاؤ،فوراً دروازہ کھولو اور باہر نکل جاؤ۔ورنہ میرا دماغ خراب ہوجائے گا۔''

''ارے نہیں نہیں۔میں ایسے یہاں سے باہر نہیں جاؤں گا۔میں انتہائی شرمندہ ہوں،تم مجھے ایسی بات بتاؤ جو میری سمجھ میں آجائے۔'' شیکی نے کہا۔

''سنو ہم زبان سے تو نواب صاحب سے یہ باتیں،نہیں کہہ سکیں گے،پہلے ہم انہیں اشاروں سے سمجھائیں گے،ایسی چیزیں ان کے سامنے پیش کریں گے جن سے وہ بھی صورتحال سے واقف ہو

جائیں۔ تم فکر مت کرو یہ سارا کام میں کروں گا۔“

”تم کر لو گے تو پھر مجھے بتانے کی ضروت ہی کیا ہے۔ مجھے تم پر مکمل اعتماد ہے۔“ شیکی نے جواب دیا اور عالم پناہ نے گردن ہلا دی۔

شیکی آہستہ آہستہ دروازے کی جانب کھسک رہا تھا۔ پھر اِس نے دروازہ کھولا اور خاموشی سے باہر نکل گیا، عالم پناہ نے اس پر توجہ نہیں دی تھی۔ وہ اِن اشاروں پر غور کر رہے تھے جو انہیں نواب صاحب کو پیش کرنے تھے۔

آنکھ کھلی تو ٹھنڈی ہوائیں مسز درانی کے پورے بدن کو چھو رہی تھیں، اِس نے ایک انگڑائی لی اور اِس کا ہاتھ کسی چیز سے ٹکرا گیا، وہ چونک پڑی۔ اِس نے دیکھا تو وہ دادل تھا۔ وہ بُری طرح اُچھل پڑی

اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔ کسی پارک کا سنسان گوشہ تھا۔ اِس کے نزدیک وہ پانچوں بھی پڑے ہوئے تھے۔ یعنی دادل، دارا، جگا اور فقیرا۔

مسز درانی بھی ان کے نزدیک ہی پڑی تھی عام حالات میں وہ ان لوگوں کا قُرب ایک لمحے کے لئے برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ لیکن اس وقت وہ پارک کے اس سنسان گوشے میں اِن کے بالکل قریب پڑی ہوئی تھی۔ اگر ان میں سے کسی کو ہوش آ جاتا تو نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ اِس کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

اِس کے ذہن میں بھنور پڑنے لگے۔ شدید غصہ آ رہا تھا اِسے اِس صورت حرام زنجے پر۔ دل چاہ رہا تھا کہ اس کی بوٹیاں نوچ کر کھا جاتی۔ لیکن اِس نے جس طرح مسز درانی کو مجبور کر دیا تھا اِس کا بھی اِسے بہت اچھی طرح اندازہ تھا۔ ساری کوششیں ناکام ہو کر رہ گئی تھیں اِس کم بخت کے سامنے۔ مسز درانی جیسی گھاگ عورت کے

ساتھ اس نے کتنا بُرا سلوک کیا تھا۔ وہ بیٹھی دانت پیستی رہی۔ اور پھر اِسے نصیبو کا خوف ناک کردار یاد آگیا۔ اب اِس سے کسی قیمت پر بچا نہیں جاسکتا تھا۔ اب اِس کی زندگی نصیبو کے قبضے میں جا چکی تھی۔

”کیا کیا جائے۔ کیا یہ شہر چھوڑ دیا جائے۔ لیکن نجانے وہ کم بخت کہاں تک پیچھا کرے گا۔ ایک بار غلطی کی تھی جس کا نتیجہ بھگتنا پڑ گیا۔“

اف، اف۔ مسز درانی نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا۔ اِسی دوران فقیرا بھی ہوش میں آگیا۔ اِس کے بعد باقی تینوں آدمی بھی اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

”ارے یہ کون سی جگہ ہے۔“ فقیرا نے کہا۔

”پتہ نہیں۔“ مسز درانی منہ بنا کر بولی۔

”تو۔ تو ہم وہاں سے نکال دیئے گئے۔“

"ہاں بے ہوش کر کے۔" مسز درانی نے دانت پیس کر کہا اور فقیرا خاموش ہو گیا۔

سب اپنے اپنے طور پر سوچوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تب جگا نے اس خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

"آخر یہ جگہ کون سی ہے۔"؟ کوئی پارک ہے یا ویرانہ ہے۔"

"پتہ نہیں دیکھنا پڑے گا۔" وادل نے کہا اور پھر وہ اپنی گردن اُٹھا کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

پھر بولا۔ "میرا خیال ہے میونسپل پارک ہے۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میونسپل پارک۔" مسز درانی آہستہ سے بولی۔ اس کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

"تم لوگوں کا اب کیا پروگرام ہے۔"؟

"کچھ نہیں ۔ میں تو زندگی سے بے زار ہوں۔ میری ہمت نہیں ہے کہ نصیبو کے حکم کی خلاف ورزی کر سکوں۔" فقیرا نے کہا۔

"یہ ہمت تو ہم میں سے کسی کی نہیں ہوگی۔" دادل بولا۔

"پھر میری ایک تجویز ہے۔" مسز درانی بولی۔

"کیا۔"؟

"تم میرے ساتھ چلو۔ میری کوٹھی یہاں سے بالکل قریب ہے۔ جب تک چاہو میرے مہمان رہو۔ ہوش میں آ کر ہم ان حالات پر غور کریں گے اور سوچیں گے کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔"

"اگر تم پسند کرو تو اس وقت یہ سہارا ہمارے لئے بہت اچھا ہوگا۔"

"ہاں۔ میں تم چاروں کو دعوت دیتی ہوں۔"

"بہت بہت شکریہ۔" چاروں نے کہا اور مسز درانی ان چاروں کو

لے کر چل پڑی۔

''اِس کی خوبصورت کوٹھی جوں کی توں تھی۔ کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی تھی اِس میں۔ ملازموں کو اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اِس سلسلے میں کوئی سوال کر سکتے۔

مسز درانی نے ان لوگوں کے آرام کا بندوبست کیا۔ اور پھر خود باتھ روم میں چلی گئی۔ شاور کے نیچے بیٹھے بیٹھے اسے چکر آ رہے تھے۔ وہ جن حالات سے گزری تھی اِن کے بارے میں کبھی اس نے تصور بھی نہیں کیا تھا۔ لیکن اب گردن تک دلدل میں غرق ہو گئی تھی۔ سہیل جیسے شیطان سے اب بچاؤ مشکل نظر آتا تھا۔ وہ تو عورت تھی۔ یہ چار شیطان بھی اِس کے چنگل میں بُری طرح پھنسے ہوئے تھے اور مسز درانی ان کی بے بسی اور خوف کو محسوس کر چکی تھی۔

غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر اِس نے کافی کا انتظام کیا اور اِن

چاروں کو بلوایا۔ سب تازہ دم نظر آ رہے تھے۔ سب لوگ ایک میز کے گرد آ بیٹھے اور ان کے سامنے کافی اور دوسری چیزیں سرو ہو گئیں۔

کافی کے دوران مسز درانی نے کہا۔

"ہاں تو میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ مشترکہ دوستوں کی مانند مل کر یہ فیصلہ کریں کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہئے۔"

سب کی پیشانی پر غور و فکر کی لکیریں نظر آ رہی تھیں فقیرا اور دادل نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اور پھر فقیرا نے کہا۔

"دوستو۔ میں لگی لپٹی نہیں رکھوں گا۔ جو کچھ میرے دل میں ہے وہ تمہارے سامنے ہے۔ نصیبو بے حد خطرناک انسان ہے۔ میں اندازہ لگا چکا ہوں۔ میں اس سے شکست کھا چکا ہوں۔ اِس لئے اب میں اس کیخلاف کوئی حرکت نہیں کر سکتا۔ اِس لئے مجھے تو معذور سمجھو۔"

’’نہیں فقیرا۔ہم میں سے کوئی بھی اس کیخلاف کوئی سازش کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔لیکن مسئلہ یہ ہے کہ اب ہمیں اس کی ماتحتی میں کام کرنا چاہیئے۔یا راہِ فرار اختیار کرنی چاہیئے۔‘‘

’’یہ بھی سب کی اپنی مرضی ہے۔‘‘

’’میں کچھ اور سوچ رہی تھی۔‘‘

’’کیا۔‘‘؟

’’یہی کہ ہم مشترکہ طور پر اس سے وفاداری کا اعلان کردیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی درخواست کریں کہ ہم پانچوں آدمیوں کو ایک گروہ کی حیثیت دے دی جائے۔ہم جو کام کریں ساتھ ہی کریں۔‘‘

’’کیا خیال ہے۔‘‘؟

’’بخوشی۔ہم تیار ہیں۔‘‘ دادل نے کہا۔

’’کیوں جگا۔‘‘

"بالکل ٹھیک۔"

"تو پھر طے۔ آج منگل ہے۔ اتوار کے دن اس سے پارک ہل کے علاقے میں ملاقات کرنی ہے۔ اِس کے لئے تیاریاں کرلو۔ میں سارے انتظامات کرلوں گی۔" مسز درانی نے کہا۔ اور سب کے درمیان یہ پروگرام طے ہوگیا۔ اِن لوگوں سے رخصت ہوکر مسز درانی رات کو اپنی خواب گاہ میں آ گئی۔

دل میں تو اس کے کچھ اور تھا۔ لیکن ان لوگوں کے بارے میں جاننے کے بعد اِس نے مصلحت کا لبادہ اوڑھ لیا تھا۔ اِس کی دلی خواہش تھی کہ سہیل کو زندہ زمین میں دفن کردے لیکن یہ بھی جان چکی تھی کہ یہ اِس کے بس کی بات نہیں ہے۔ اِن لوگوں کو بھی اس نے ٹٹولا تھا کہ اِن کے دلی تاثرات معلوم کرے۔ لیکن یہ سب کے سب بزدل نکلے۔ وہ سب نصیبو سے شکست کھا چکے تھے۔ اور اِن کی

شخصیت ختم ہو گئی تھی۔ چنانچہ مسز درانی نے خود بھی مصلحت کا لبادہ اوڑھ لیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ حالات کا انتظار کرے گی۔ اور زندگی میں جو بھی پہلا موقع ملا اس سے فائدہ اُٹھائے گی اور نصیبو کو قتل کر دے گی۔ بس یہ اس کا آخری فیصلہ تھا۔

تا حدِ نگاہ بھورے ٹیلے پھیلے ہوئے تھے۔ یہ پارک ہل کا علاقہ تھا۔ وہ پانچوں سہیل کا انتظار کر رہے تھے۔ یہ سنسان جگہ تھی اور دور دور تک کوئی انسانی وجود نہیں نظر آ رہا تھا۔

دفعتاً انہوں نے ایک جیپ دیکھی جو اسی طرف آ رہی تھی۔ اس میں سہیل ہی تھا۔ تنہا۔ درحقیقت وہ دلیر انسان تھا۔ ورنہ اتنے خطرناک لوگوں کے درمیان اس طرح تنہا نہ چلا آتا۔

جیپ ان کے پاس پہنچ گئی۔ سہیل حسب معمول ایک خوب

صورت لباس میں ملبوس تھا اور بے حد حسین نظر آرہا تھا۔ اِس کے چہرے پر ایک کھلنڈری سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ نزدیک آ کر اس نے جیپ روک دی اور نیچے اُتر آیا۔

''تصدیق کر سکتے ہو کہ میرے ساتھ یا میرے آس پاس اور کوئی موجود نہیں ہے۔'' اِس نے کہا۔

''ہم تصدیق کر چکے ہیں۔'' دادل بولا۔

''تو پھر ہو جائے۔'' سہیل نے کہا۔ اور دادل نے پستول نکال لیا۔ آن کی آن میں بقیہ تینوں کے ہاتھوں میں بھی پستول نظر آنے لگے تھے۔ سہیل کی مسکراہٹ میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔

''اور تم مسز درانی۔'' اس نے پوچھا۔

''میں بھی ان کی ہمنوا ہوں۔'' مسز درانی نے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے۔'' سہیل چند قدم پیچھے ہٹ گیا۔ اِس کے دونوں

ہاتھ پھیل گئے تھے اور چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت اُبھرنے لگی تھی۔ اُنہوں نے محسوس کیا۔ پھر سب سے پہلے فقیرا نے اپنا پستول سہیل کے قدموں میں پھینکا۔ پھر دادل، داور اور جگا نے بھی بھرے ہوئے پستول پھینک دیئے۔

”ہم سب خلوصِ دل کے ساتھ تمہاری برتری قبول کر چکے ہیں نصیبو۔ ہمیں تمہاری غلامی پسند ہے۔“ چاروں نے بیک وقت کہا اور سہیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”اور تم مسز درانی۔“

”میں بھی۔“ مسز درانی نے جواب دیا۔

”دونوں کے دل کو لگی ہوئی تھی۔ آپس میں تو معاہدہ تھا کہ بالآخر فیصلہ اس کے حق میں ہوگا جسے نوشاب قبول کر لے۔ یہ بھی طے تھا کہ

دونوں نوشاب کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کرتے رہیں گے۔اور جس وقت بھی نوشاب کسی ایک کے حق میں فیصلہ دے دے، دوسرا اس سے ستبردار ہو جائے گا۔لیکن اس وقت تک کسی ایک کو دوسرے پر حق جتانے کا حق نہیں ہوگا جب تک دوسرا اپنے کانوں سے نوشاب کا یہ اقرار نہ سُن لے۔

نواب تمیز الدین بے حد دولت مند تھے۔اتنے دولت مند کہ خود انہیں اپنی دولت کا شمار نہیں تھا۔اس لئے اگر خاندان کے کچھ لوگ اس دولت پر پل رہے تھے تو انہیں چنداں فکر نہ تھی بلکہ وہ اس بات سے خوش تھے کہ اچھا ہے اس طرح اہلِ خاندان کی مدد بھی ہو رہی ہے اور مطمئن بھی تھے کہ کاروبار اپنے لوگوں کے ہاتھوں میں ہے۔خاندان میں جہاں بہتر لوگ تھے وہیں جہانگیر اور شفیع الدین جیسے بے وقوف گدھے بھی تھے جو کسی مصرف کے نہ تھے اور تمیز الدین کے لئے

دردِ سری بنے رہتے تھے۔ لیکن تمیز الدین بہت تحمل مزاج تھے۔ انہیں اپنے بچوں کی مانند ہی سمجھتے تھے۔ اور ان کی تمام حماقتوں کو برداشت کرلیتے تھے۔

لیکن ابھی تک انہیں عالم پناہ اور شیکی کے درمیان ہونے والی کشمکش کا علم نہیں تھا ورنہ شاید وہ اسے برداشت نہ کر سکتے۔ ان دونوں کو وہ بس معصوم نوجوان ہی سمجھتے تھے۔

خاندان کی ایک بزرگ خاتون نے یہ شوشہ چھوڑا تھا۔ اور انہیں کی بزرگانہ شرارت نے ان دونوں بے چاروں کو اس حماقت میں مبتلا کیا تھا۔ خاتون جو خود کو اس خاندان کا بہت اہم فرد تصور کرتی تھیں ایک دن جوش جذبات میں کہہ بیٹھیں۔

''اللہ رکھے نوشاب جوان ہوگئی ہے۔ اچھے نواب مجھ سے کہہ رہے تھے کہ بڑی ممانی جان اب نوشاب کی فکر کریں۔'' میں نے کہا

میاں فکر کی کیا بات ہے خاندان بہت بڑا ہے بہتیرے لڑکے ہیں۔جس پر اچھے نواب کہنے لگے۔

"بڑی ممانی جان میں نوشاب کی مرضی سے اس کی شادی کروں گا۔اگر گھر کے کسی لڑکے نے اس کا دل جیت لیا تو میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا اور اگر وہ ایسا نہ کر سکے تو مجبوراً باہر دیکھنا پڑے گا۔"بس ان بزرگ خاتون کی یہ بات ان دونوں کڑیل جوانوں نے بھی سن لی۔اور اس کے بعد کیا تھا دونوں نے نوشاب کے لئے آہیں بھرنا شروع کر دیں اور اس دن سے آج تک وہ امیدوں کے تاج محل تعمیر کر رہے تھے۔دونوں ایک دوسرے کے راز دار تھے،رقیب تھے دشمن تھے اور شاید دوست بھی۔

افریقہ میں بھی نوشاب بہت محدود حلقہ احباب رکھتی تھی جو لڑکیوں تک محدود تھا۔اس فطرت میں اس قدر مشرقیت تھی کہ وہ نو جوانوں کو

گھاس ہی نہیں ڈالتی تھی۔کبھی ان دونوں سے سیدھے منہ بات بھی نہیں کی تھی اس نے۔لیکن انہیں اس کی پرواہ نہیں تھی۔

پھر وہ یہ سوچ کر نوشاب کے پیچھے یہاں تک آئے تھے کہ ممکن ہے بدلے ہوئے ماحول میں ،دوسرے ملک میں نوشاب پر کچھ رومانیت سوار ہو جائے۔ان کی توقع کے مطابق ایسا ہوا تھا،لیکن درمیان میں سہیل آچکا تھا اور اب شاید انہیں یہ بھی احساس ہو گیا تھا کہ سہیل کی پوزیشن بے حد مضبوط ہے۔پکنک کے دوران انہوں نے جو کچھ دیکھا تھا وہ ان کے لئے سخت تشویش ناک تھا۔جس کے نتیجے میں دونوں نے طے کیا تھا کہ یہ بات بزرگوں تک پہنچائی جائے۔تمیز الدین صاحب سے تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں تھی۔جانتے تھے کہ لینے کے دینے پڑ جائیں گے لیکن۔۔۔نواب عزیز الدین ٹھیک انسان تھے اور یہ اہم کام جہانگیر عالم پناہ نے سنبھال لیا تھا۔

چنانچہ شیکی کے ساتھ ان کی کئی میٹنگیں ہو چکی تھیں۔ اور اب اس آخری میٹنگ میں آخری فیصلے ہوئے تھے۔ یہ میٹنگ باغ کے ایک سنسان گوشے میں ہو رہی تھی۔

عالم پناہ دیر سے بیٹھے ہوئے تھے۔ شیکی وہاں پہنچا تو پہلے انہوں نے ناک چڑھائی اس کے ساتھ ہی بھنویں چڑھانے کی کوشش کرنے لگے تھے لیکن دونوں چیزیں ایک ساتھ نہیں چڑھ رہی تھیں۔

شیکی تعجب سے ان کی یہ حرکت دیکھنے لگا۔ عالم پناہ دونوں چیزیں ایک ساتھ نہ چڑھنے سے پریشان تھے۔

"عالم پناہ۔" وہ متحیرانہ انداز میں بولا۔

"ہوں ہوں۔" "دیکھو چڑھ گئے۔ عالم پناہ بولے اور شیکی نزدیک کے درخت پر جھانکنے لگے۔ پھر اس نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کون ہے۔"؟

''اوہ۔اوپر نہیں نیچے دیکھو نیچے۔'' عالم پناہ بگڑ کر بولے۔اور شیکی جلدی سے نیچے جھک گیا۔اس نے درخت کی جڑ میں دیکھا اور پھر عالم پناہ کے عقب میں جا کر نیچے جھک کر دیکھنے لگا۔عالم پناہ غصے سے جھنجھلا گئے تھے۔انہوں نے شیکی کی گردن پکڑ کر اسے سامنے گھسیٹ لیا۔

''اتنے نیچے بھی نہیں تھوڑا سا اوپر۔'' عالم پناہ بولے۔

''کتنے اوپر صحیح تو بتاؤ۔'' شیکی بگڑ گیا۔

''مم۔میری ناک اور بھنویں۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''کیا مطلب۔''؟ ناک اور بھنویں۔شیکی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

''ہاں ہاں ناک اور بھنویں۔میں انہیں چڑھا رہا ہوں لیکن یوں لگتا ہے جیسے دونوں ایک ساتھ تو نہیں چڑھ رہیں۔عالم پناہ نے اپنی

ناک کو زور سے مروڑتے ہوئے کہا اور شیکی خوفزدہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔

''خو۔ خدا کے واسطے ابھی اپنے ہوش وحواس قابو میں رکھو۔ مجھے تمہاری سخت ضرورت ہے۔ یہ اچانک تمہیں ناک اور بھنویں کیوں ہو گیا ہے۔''

''اونہہ۔ ہو نہیں گیا میں تمہیں دیکھ کر ناک اور بھنویں چڑھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ ابے یار وہ محاورہ ہے نا تم اتنی دیر سے کیوں آئے۔''؟

''تمہاری کوئی بات میری سمجھ میں نہیں آرہی عالم پناہ۔ تم مجھے دیکھ کر کے چڑھانے کی کوشش کر رہے ہو اور کہاں چڑھا رہے ہو۔ یہ سب کیا ہے۔ اچانک تمہارے ہوش وحواس کیوں معطل ہو گئے۔''؟

''فضول بکواس مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔'' عالم پناہ غصیلے انداز میں

بولے اور شیکی بیٹھ گیا۔ انداز ایسا ہی تھا جیسے اسے عالم پناہ کی دماغی صحت پر شبہ ہو اور سوچ رہا ہو کہ وہ کہیں اُٹھ کر حملہ آور نہ ہو جائیں۔ ایسے موقعے کے لئے اسے بھاگنے کی تیاریاں کرنی تھیں اور وہ بآسانی بھاگ جانے کے لئے تیار بیٹھا ہوا تھا۔

"تمہیں اتنے اہم مسئلے پر توجہ دینی چاہیئے۔" عالم پناہ بولے۔

"دے تو رہا ہوں اور کیسے دوں۔" شیکی نے کہا۔

"اتنی دیر سے کیوں آئے۔"؟

"مگر دیر کہاں ہوئی ہے۔"؟ تم نے یہی وقت دیا تھا۔

"اچھا اچھا۔ پھر میں ہی جلدی آ گیا ہوں گا۔"

"ہاں تو اب بتاؤ ہمیں آخری فیصلہ کرنا ہے۔"

"بھلا اس میں بتانے کی کیا بات ہے۔" شیکی بولا۔

"میرا مطلب ہے اشارے کنائے، اشارے کنائے۔" عالم پناہ

داہنا گال کھجاتے ہوئے بولے۔ اور پھر خوفزدہ انداز میں۔ ’’ارے باپ رے۔‘‘ کہتے ہوئے کھڑے ہو گئے۔

’’کک۔ کیا ہوا۔‘‘؟ شیکی بھی بوکھلا کر کھڑا ہو گیا۔

’’اونہہ۔ بیٹھ جاؤ یار کیوں میرا دماغ خراب کر رہے ہو۔ میں تو ان اشاروں کنایوں کے بارے میں سوچ رہا ہوں جو مجھے کرنے ہیں۔ دراصل شیکی نواب عزیز الدین صاحب مشرقی ماحول سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں کھل کر تو ان سے بھی کوئی بات نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ ظاہر ہے سہیل ان کا بیٹا ہے لیکن میں چاہتا ہوں کہ وہ ایسے لطیف اشاروں میں بات سمجھ جائیں کہ انہیں لطف بھی آ جائے اور محتاط بھی ہو جائیں۔‘‘

’’بے شک۔ بیشک۔ مجھے یقین ہے کہ تم بآسانی یہ کر لو گے۔‘‘ شیکی نے عالم پناہ کو چڑھایا۔

”خیر اتنا آسان بھی نہیں ہے۔ مجھے باقاعدہ کلاسیکل ڈانس کے انداز میں یہ اشارے ترتیب دینے ہوں گے۔ تم تو سمجھو گے بھی نہیں کہ کلاسیکس کیا ہوتے ہیں۔ لیکن میں نے ان کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ اشاروں ہی اشاروں میں گوری پنگھٹ پر کیسے جاتی ہے اور ساجن کا انتظار کیسے کرتی ہے اور پھر اس کے آنے کے بعد مست جوانی کی طرح کیسے ناچنے لگتی ہے۔“

”کک۔ کیا مطلب۔ تو کیا تم ناچ کر دکھاؤ گے نواب تمیز الدین خان کو۔“ شیکی نے کہا اور عالم پناہ مسکرا دیئے۔

”اب جو کچھ کرنا پڑے تم نے یہ ذمہ داری میرے سپرد کر دی ہے۔ میں تو اسے اپنے سٹینڈرڈ کے مطابق ہی نبھاؤں گا۔“

”بھائی صاحب کہیں ہم دونوں کا سٹینڈرڈ خراب نہ ہو جائے۔“ شیکی خوفزدہ لہجے میں بولا۔

’’بس بس تم تو صرف باتیں بنانے کے ہو۔کبھی کوئی کام کر کے نہیں دکھایا اور رقیب تو بن بیٹھے۔لیکن محبوب کے حصول کی رکاوٹیں دور کرنے میں تم نے کبھی کوئی کردار ادا نہیں کیا۔

’’میں بڑا بد کردار ہوں بھائی صاحب۔مگر اس مسئلے کو تو حل کرنا ہی ہے دیکھو نا۔فیصلہ صرف ہمارے اور تمہارے درمیان ہی تو ہونا تھا۔سہیل کم بخت بیچ میں ٹپک پڑا۔پہلے اسے اُٹھا کر باہر پھینک دو۔ اس کے بعد ہم اپنی آپس کی رقابت کا مسئلہ تو طے کرلیں گے۔‘‘شکی نے کہا اور عالم پناہ نے گردن ہلا دی۔

’’بہر صورت دیکھتے ہیں۔مجھے یقین ہے کہ نواب عزیز الدین خان اس فحاشی کو روکیں گے۔یہ سب کچھ نہیں ہو سکتا۔باغوں کے سنسان گوشے،جھیل کے کنارے درختوں کی اوٹ میں اور نہ جانے کہاں کہاں یہ رومان پرورش پا رہا ہے۔ہمیں اس رومان کو روکنا ہوگا

اور اگر اسے نہ روک سکے تو پھر خود کشی کرنا ہو گی۔"

"انشاء اللہ انشاء اللہ۔ تم ضرور خودکشی کر لینا جہانگیر۔ میں جانتا ہوں کہ تم کس قدر زود رنج ہو۔ تم یقیناً یہ برداشت نہیں کر سکتے کہ تمہاری میرا مطلب ہے ہم دونوں کی محبوبہ کسی اور کی دسترس میں جائے۔"

"بکواس بند۔ تم علی الاعلان یہ بات نہیں کہہ سکتے۔"

"کک۔ کون سی بات۔" شکیل نے کہا۔

"دونوں کی محبوبہ۔؟ بتاؤں ابھی۔" عالم پناہ اپنی جگہ سے پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔ شکیل جلدی سے دس قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"میرا مطلب ہے۔ میرا مطلب ہے۔ اوہو شاید کوئی آرہا ہے۔"؟

"تو پھر یہ بات طے ہو گئی۔"؟

"ہاں ٹھیک ہے بس۔ اب مجھے میرا کام کرنے دو۔ مجھے پریشان مت کرو۔" عالم پناہ نے دردناک لہجے میں کہا۔ اور شیکی نے دلربا پر زور سے ہاتھ مارا۔ پھر وہ وہاں سے پلٹ پڑا اور عالم پناہ نواب عزیز الدین کے پاس جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔

مسز درانی کی ذہنی کیفیت کافی بدل گئی تھی۔ اس نے گھر سے باہر نکلنا تقریباً چھوڑ دیا تھا۔ ہر وقت سوچوں میں گم رہتی جو زندگی وہ گزار چکی تھی وہ ایک طرح سے مطلق العنان تھی۔ کسی کی برتری قبول کرنے کا وقت نجانے کب کا گزر چکا تھا اور وہ اپنے طور پر بہترین زندگی گزار رہی تھی۔ لیکن اب حالات ایک دم بدل گئے تھے۔ اب خود اس کی نگاہوں میں اپنی کوئی حیثیت نہیں رہ گئی تھی۔ سہیل جس قدر خطرناک ثابت ہوا تھا اس کا وہ کبھی تصور بھی نہیں کر سکتی تھی حالانکہ

سہیل کو اس نے اپنا ایک شکار سمجھا تھا۔ نہ صرف شکار بلکہ شکار کرنے کا ایک بہترین ذریعہ خوبصورت لڑکیاں تو نوجوان لڑکوں کو پھانسنے کے لئے کار آمد ثابت ہوتی ہی ہیں لیکن مسز درانی نے اپنے اس کھیل میں جدت پیدا کی تھی۔ رین بو کلب میں اس نے یہ بات اچھی طرح جان لی تھی کہ بے شمار لڑکیاں اور خواتین سہیل کی جانب متوجہ ہیں لیکن سہیل ذرا مختلف فطرت کا مالک ہے اور وہ ان پر زیادہ توجہ نہیں دیتا۔ مسز درانی نے سوچا کہ اگر سہیل ان کے شکنجے میں پھنس جائے تو اس کے ذریعہ وہ اتنی دولت کما لیں گی کہ خرچ کرنا مشکل ہو جائے۔ انہوں نے پہلی ہی کامیاب کوشش کی تھی اور یہ پہلی ہی کوشش ناکام ہو گئی تھی۔ نہ صرف ناکام ہوئی تھی بلکہ اس کوشش کے ذریعے وہ ایسے جال میں پھنس چکی تھیں جس سے نکلنا اب انہیں اپنے بس کی بات معلوم نہیں ہوتی تھی اور اب وہ سہیل کی محکوم بن کر رہ گئی

تھیں ۔ ہمیشہ اس وقت کو کوستی رہتی تھیں جب انہوں نے رین کلب میں سہیل پر نگاہ ڈالی تھی ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتیں تو ممکن تھا کہ سہیل کا ایسا مسئلہ ہی کوئی سامنے نہ آتا لیکن اب اس مسئلے سے بچنے کا کوئی ذریعہ ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ درحقیقت خود کو جو ظاہر کرتا ہے وہی ہے یا اس نے اپنی فطرت پر یہ انوکھا خول چڑھا رکھا ہے لیکن یہ فطرت بھی عجیب و غریب تھی۔ جس جگہ سہیل نے انہیں قید کیا تھا۔ وہاں وہ عجیب و غریب مخلوق تھی جنہیں عرفِ عام میں قطعی بے ضرر سمجھا اور کہا جاتا ہے۔ ناچ گا کر زندگی گزارنے والے یہ تمام لوگ سہیل کے ساتھ مجرمانہ کاروائیوں میں مصروف تھے۔ ممکن ہے سہیل نے یہ انوکھا ناٹک رچانے کے لئے خود کو انہیں کے انداز میں سامنے لانے کا ڈھونگ رچایا ہو۔ بہر صورت ڈھونگ ہی ڈھونگ میں مسز درانی ایک عجیب مشکل کا شکار ہو گئی تھیں نہ صرف وہ بلکہ اس نے شہر کے اتنے

بڑے بڑے غنڈوں کو اسی جال میں پھنسے ہوئے دیکھا تھا۔ دادل، جگا، فقیرا عام لوگ نہیں تھے۔ اس دوران مسز درانی ان کے بارے میں بہت کچھ معلوم کر چکی تھی اور جو معلومات اسے حاصل ہوئی تھیں اس نے اس کی آنکھیں کھول دی تھیں۔ اور تو اور گرینگو جیسا آدمی بھی سہیل کے آگے گھٹنے ٹیک چکا تھا تو اب مسز درانی کی کیا حیثیت رہ جاتی تھی لیکن اس کے اندر سے بار بار ایک آواز اُبھرتی تھی کہ جب بُری زندگی اپنائی ہے تو پھر وہ مطلق العنان ہونی چاہیے۔ کسی کے ماتحت رہ کر اس کے احکامات مانے تو کیا کیا۔

لیکن موجودہ حالات اس کی اجازت نہیں دیتے تھے اس نے سہیل کی قید سے نکلنے کے بعد سہیل سے وفاداری کا اقرار کیا تھا اور اب اگر اس شہر میں بلکہ اس ملک میں رہنا ہے تو سہیل کا وفادار رہنا شرط ہے۔ لیکن دل سے اس نے یہ وفاداری قبول نہیں کی تھی اور یہ

فیصلہ کرلیا تھا کہ کسی کو اس کا علم نہیں ہونے دے گی بلکہ جب بھی موقع ملا سہیل کو زندگی سے محروم کر دے گی۔ بارہا اس نے سوچا کہ نواب عزیز الدین سے رابطہ قائم کرلے ممکن ہے نواب عزیز الدین کو بیٹے کی ان حرکات کا علم نہ ہو لیکن یہ رابطہ قائم کرنا بھی اب بعد از وقت تھا۔ سہیل کو اگر پھر شبہ ہو گیا کہ وہ اس کی مخالفت پر آمادہ ہے تو پھر شاید اسے اس کی دوسری یا پھر تیسری غلطی تسلیم کیا جائے۔ جب کہ یہ لوگ بتا چکے ہیں کہ تیسری غلطی معاف نہیں کی جاتی۔ مسز درانی دل ہی دل میں دانت پیس کر رہ جاتی تھیں۔ اس دوران سہیل نے ایک بار بھی ان سے رابطہ قائم نہیں کیا تھا۔ ہاں مسز درانی نے اپنے ان کلائنٹ سے گفتگو کی تھی جنہیں وہ بلیک میل کرتی تھی اور انہوں نے بتایا تھا کہ ان کے پاس رقم کی وصولیابی کی اطلاعات پہنچ چکی ہیں۔ پھر جب مقررہ تاریخ پر سہیل نے فون پر مسز درانی کو حکم دیا کہ وہ تمام تر

وصولیابی کر کے اس تک پہنچا دے تو مسز درانی کا دل خون ہو کر رہ گیا۔ تاہم دولت کا مسئلہ اتنا بڑا نہیں تھا۔ اس نے بخوشی سہیل کی ہدایت پر عمل کیا اور وہ رقم جو ہر ماہ اس کی ملکیت ہوتی تھی۔ سہیل کے حوالے کر دی۔ اس رقم کو سہیل تک پہنچاتے ہوئے اس کی جو ذہنی کیفیت ہوئی تھی وہ نا قابلِ بیان تھی۔

دوسری مرتبہ اسے سہیل کا فون موصول ہوا تو بھناتے ہوئے لہجے میں بولی۔

”کیا بات ہے۔؟“

”مسز درانی۔“ سہیل کے لہجے میں غراہٹ تھی۔

”ہاں ہاں۔ بول تو رہی ہوں۔ پوچھ رہی ہوں کیا بات ہے۔؟“

”تمہاری آواز میں یہ اُکھڑا اُکھڑا پن کیوں ہے مسز درانی۔؟“

سہیل کے لہجے میں ایک عجیب سا ٹھہراؤ تھا۔

"یہ تمہارے احساسات ہیں سہیل میں کیا کہہ سکتی ہوں۔"؟

"مسز درانی کل شام سات بجے گرین نائٹ کلب میں ملو۔"

"مم۔مگر میں۔میں......"مسز درانی نے کہا اور دوسری طرف سے فون بند کر دیا گیا۔

مسز درانی ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھی رہ گئی تھی۔ایک لمحہ کے لئے اس کے دل میں پنکھے لگ گئے۔سہیل شاید اس کے لہجے سے بگڑ گیا ہے۔گرین نائٹ کلب پہنچنے پر وہ اس کے ساتھ نجانے کیا سلوک کرے۔مسز درانی کو اپنی حماقت کا احساس ہونے لگا کہ یہ کیا بے وقوفی کر بیٹھی۔اس کے لہجے سے سہیل نے کوئی غلط اندازہ نہ لگا لیا ہو اور اب اسے اس کا خمیازہ نہ بھگتنا پڑے۔تھوڑی دیر پہلے جو جھلاہٹ سوار تھی اب وہ خوف میں تبدیل ہو گئی تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ بہت بُرا ہوا۔اب کیا کرنا چاہیے۔۔۔بہت غور کے بعد اس نے فیصلہ کیا

کہ سہیل سے جھوٹ بولے گی۔ اسے بتائے گی کہ ٹیلی فون کی لائن میں خرابی سہیل کے اس احساس کی وجہ بنی ہے ورنہ وہ تو بہت پُرسکون تھی۔

شام کو وہ گرین نائٹ کلب پہنچ گئی اور ایک میز پر بیٹھ کر سہیل کا انتظار کرنے لگی۔ سات بج کر دو منٹ پر سہیل اپنے مخصوص انداز میں وہاں پہنچ گیا اس کی آنکھوں میں ایک معصوم سی چمک تھی اور چہرے پر بے پناہ ملاحت۔ وہ جب دروازے سے داخل ہوا تو مسز درانی دل مسوس کر رہ گئیں۔ یہ کم بخت جو دیکھنے میں فرشتہ، مقدس اور پاکیزہ نظر آتا ہے اندر سے اس قدر شیطان ہوگا کون تصور کر سکتا ہے۔ بہت سی نگاہیں اس کی جانب اُٹھ گئی تھیں۔ یوں بھی وہ بہت اسمارٹ نظر آرہا تھا۔ مسز درانی سہیل کے نزدیک آنے پر کرسی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور سہیل شرما کر بولا۔

"تشریف رکھیے۔ تشریف رکھیے۔ آپ تو ہمیں شرمندہ کر رہی ہیں۔" مسز درانی بیٹھ گئی اور سہیل بھی ایک کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"؟

"ٹھیک ہوں۔"

"چہرے سے تو آپ واقعی ٹھیک نظر آرہی ہیں۔" اس نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"کیا مطلب۔"؟ مسز درانی چونک کر بولی۔

"میرا مطلب ہے فون پر آپ کچھ غلط ہو گئیں تھیں۔"

"نہیں سہیل یہ صرف تمہارا خیال تھا۔ مجھے خود تمہاری بات پر حیرت ہوئی تھی۔"

"کیا مطلب۔"؟ سہیل کا لہجہ سرد تھا۔

’’میرا مطلب ہے کہ تم میری بات سے کسی غلط فہمی کا شکار ہو گئے تھے حالانکہ کوئی ایسی بات نہیں تھی۔ ملازم کو ڈانٹ چکی تھی۔ ممکن ہے لہجے میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔ بھلا تم فون کرو اور میرے لہجے میں کوئی خرابی پیدا ہو جائے۔‘‘

’’ہاں نہیں ہونی چاہئے نا مسز درانی۔ آپ خود سمجھدار ہیں۔‘‘

’’مجھے احساس ہے۔‘‘ مسز درانی آہستہ سے بولی۔

’’کمال کی بات ہے پھر بلاوجہ ہی میں نے یہاں تک تکلیف کی۔‘‘ چلیں چھوڑیں۔

’’آپ سے کچھ کام ہے۔‘‘

’’مثلاً۔‘‘؟

’’اوہو ٹھہریے۔ یہ لڑکی آ رہی ہے آپ اسے جانتی ہیں۔‘‘ سہیل نے مسز درانی کی بائیں سمت آنکھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اور مسز درانی نے بے اختیار گردن گھمائی۔

"نہیں میں نہیں جانتی۔"

"سامنے کی میز پر جو خاتون بیٹھی ہوئی ہیں یہ باہر سے تشریف لائی ہیں۔ شہزادی سمارا کے نام سے مشہور ہیں۔ ایک چارٹرڈ طیارے سے آئی ہیں اور غالباً ہوٹل گلاسکو میں ٹھہری ہوئی ہیں۔ باقی باتیں ان خاتون کے جانے کے بعد ہوں گی۔"

"یہ کون ہے۔"؟ مسز درانی نے آہستہ سے پوچھا۔

"شاید خاتون سمارا کی کوئی خادمہ۔" سہیل نے جواب دیا۔ اتنی دیر میں وہ لڑکی سہیل کی میز کے پاس پہنچ گئی اور پھر بولی۔

"کیا میں آپ لوگوں کے چند لمحات لے سکتی ہوں۔"؟

"کیوں نہیں۔ کیوں نہیں۔ تشریف رکھیئے۔" مسز درانی نے انگریزی میں کہا۔

"لڑکی بھی انگریزی ہی بول رہی تھی۔لڑکی بیٹھ گئی۔اس نے سہیل کی جانب نہیں دیکھا تھا بلکہ مسز درانی ہی سے مخاطب تھی۔

"میرا نام روبانہ ہے۔"

"روبانہ۔"؟ عجیب نام ہے۔"

"ہاں۔میں ایک چھوٹی سی ریاست سے تعلق رکھتی ہوں اس ریاست کی شہزادی سمارا آپ کے وطن میں آئی ہوئی ہیں اور یہاں مہمان کی حیثیت سے مقیم ہیں۔خاتون سمارا خوش شکل اور خوش لباس لوگوں سے بہت متاثر ہوتی ہیں اور ان سے راہ و رسم بڑھانے کی خواہاں ہوتی ہیں۔آپ دونوں اس وقت اس کلب کے حسین ترین لوگوں میں شمار ی ہوتے ہیں مجھے معاف کیجئے گا خاتون اگر آپ لوگ محسوس نہ کریں تو میں آپ کو خاتون سمارا کی جانب سے کچھ دیر کے لئے مہمان بنانا چاہتی ہوں۔مجھے اس کام کے لئے خود خاتون سمارا

ہی نے یہاں بھیجا ہے۔"

"اوہو۔" مسز درانی بولیں۔ خاتون سمارا کہاں ہیں۔؟

"وہ آپ کے بائیں سمت جو بیٹھی ہوئی ہیں اپنی دو خادماؤں کے ساتھ۔" لڑکی نے جواب دیا۔

" ہمیں مسرت ہوگی خاتون سمارا کے ساتھ بیٹھ کر۔ کیوں سہیل۔" مسز درانی نے پوچھا۔ اور وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں ہاں کیا حرج ہے کیا حرج ہے۔ مگر ہمیں شرم آتی ہے۔" سہیل نے بھی یہ بات انگریزی ہی میں کہی تھی۔ روبانہ نے مسکرا کر اسے دیکھا اور پھر جلدی سے نگاہیں جھکا لیں۔ نجانے کیوں وہ سہیل سے نگاہیں ملاتے ہوئے کترا رہی تھی۔ پھر بڑی ہمت کر کے اس نے سہیل کی طرف دیکھا اور بولی۔

"آپ مرد ہو کر شرما رہے ہیں۔"

”ہائے کاش ہم مرد ہوتے۔“ یہ بات سہیل نے اردو میں کہی تھی۔

”مسز درانی نے گھبرا کر روبانہ کی طرف دیکھا اور روبانہ سوالیہ نگاہوں سے مسز درانی کو دیکھنے لگی۔

”یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ غالباً مقامی زبان میں کہا ہے کچھ انہوں نے۔“

”یہ کہہ رہے ہیں کہ انہیں نجانے کیوں خواتین سے شرم آتی ہے۔“؟ مسز درانی نے کہا۔

”اوہو۔ ایسی کوئی بات نہیں۔ خاتون سمارا آپ کو اپنی میز پر خوش آمدید کہنے کے لئے تیار ہیں۔ کیا میں انہیں مطلع کر دوں۔۔۔“؟

”ہاں۔ آپ اطلاع دے دیں ہم پہنچ رہے ہیں۔ ذرا چند لمحات کے بعد۔“ مسز درانی نے کہا اور روبانہ چلی گئی۔ سہیل نگاہیں جھکائے

بیٹھا تھا۔ مسز درانی نے اسے دیکھ کر کہا۔

"یہ سہیل کیا۔؟ میرا مطلب ہے تمہیں ان کے آنے کی توقع تھی۔"

"ہاں یقیناً۔" سہیل نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔

"اوہ۔ تو مجھے یہاں کسی عتاب کے تحت نہیں بلایا گیا بلکہ تم مجھ سے کوئی کام لینا چاہتے تھے۔"

"آپ کا خیال درست ہے۔"

"تو ٹھیک ہے مگر فون پر تم نے ایسا لہجہ کیوں اختیار کیا میں خواہ مخواہ اب تک ہولتی رہی۔"

"ہولنا اچھی بات ہے مسز درانی۔ آدمی کے اندرونی اعضاء اور ہال ہو جاتے ہیں اور پھر وہ لہجے کو تلخ کرتے ہوئے بہت کچھ سوچتا ہے۔ آیئے تھوڑی دیر ان خاتون سمارا کے ساتھ بیٹھیں گے

اور پھر میں آپ کو ایک اور کام بتاؤں گا۔ دراصل میں مختصر وقت میں بہت سارے کام کرنے کا عادی ہوں۔" سہیل نے کہا۔

چند ساعت کے بعد مسز درانی اُٹھیں۔ سہیل ان کے پیچھے شرماتا لجاتا چل رہا تھا۔ تقریباً اٹھائیس انتیس سال کی یہ حسین عورت جس کے چہرے سے مسز درانی نے اندازہ لگا لیا تھا کہ کسی قدر اوباش فطرت کی مالک ہے۔ سہیل کو اپنی چمک دار آنکھوں سے گھور رہی تھی اس کی آنکھوں میں ایک بھوکی بلی کی سی کیفیت تھی اور نرم وگداز ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ مسز درانی کو اس نے نگاہ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا تھا۔ البتہ سہیل کو دیکھ کر اس کے چہرے کی چمک بڑھتی جا رہی تھی اور پھر اس نے کسی قدر ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں کہا۔

"آنے والے ہم تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں لیکن یوں ملو گے یہ

معلوم نہ تھا۔'' اس کے لہجے میں خاصی بے باکی تھی۔ سہیل شرما کر انگلیاں مروڑنے لگا۔ مسز درانی کی عجیب سی کیفیت ہو رہی تھی اس بات کو سن کر اس کا جی چاہا تھا کہ خاتون سمارا کے منہ پر ایک تھپڑ رسید کر دے۔ لیکن اب اس کی وہ حیثیت نہ تھی۔ اب وہ صرف سہیل کی ایک خادمہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ تینوں خادمائیں وہاں سے اُٹھ کر برابر کی میز پر جا بیٹھیں۔ اور سہیل اور مسز درانی خاتون سمارا کے ساتھ بیٹھ گئے لیکن سمارا اب بھی مسز درانی کی جانب متوجہ نہیں تھی۔ اس نے سہیل کو اسی انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کیا نام ہے تمہارا۔''؟

''اِن سے پوچھیں۔'' سہیل نے شرما کر جواب دیا۔ اور پہلی بار سمارا نے متحیرانہ انداز میں مسز درانی کو دیکھا۔ مسز درانی ایک طنزیہ سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے سمارا کو گھور رہی تھیں۔

"کیا مطلب ہے اس بات کا۔"؟ خاتون سمارا نے پوچھا۔

"بس سہیل صاحب خواتین سے بات کرتے ہوئے کسی قدر اُلجھتے ہیں۔"

"اوہ۔ کمسن ہیں ابھی۔" خاتون سمارا نے بدستور اپنے مخصوص لہجے میں کہا۔ اور سہیل نے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپالیا۔

"ارے ارے ایسا تو نہ کریں۔ یہ چہرہ ہی تو قریب سے دیکھنے کے لئے ہم نے آپ کو زحمت دی ہے۔"

"سہیل نام ہے آپ کا۔ بہت خوب۔ ایسے حسین کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں۔ آپ کی معیت ہمارے لئے بڑی ہی جانفزا ہے۔ ان خاتون سے آپ کا کیا تعلق ہے۔"؟

"ان سے پوچھیے۔" سہیل نے پھر لجک کر کہا۔ اور مسز درانی کی ہنسی چھوٹتے چھوٹتے رہ گئی۔ اسے وہ وقت یاد آ گیا تھا جب وہ اور

ایک رئیس زادی نجانے کیسے کیسے خیالات لئے سہیل کا انتظار کر رہے تھے۔ سہیل آیا اور اس نے لچک لچک کر مٹک مٹک کر جو باتیں کیں تو ان کی کیا کیفیت ہو گئی تھی۔ یہ شہزادی صاحبہ جو جہاز چارٹرڈ کر کے دنیا کی آوارہ گردی کو نکلی تھیں۔ جب اس نوجوان کی خلوت حاصل کریں گی تو شاید دیواروں سے سر پھوڑنے سے ہی انہیں سکون ملے گا۔ اس بار سمارا کسی قدر بے چینی کے انداز میں مسز درانی سے مخاطب ہوئی تھی۔

"یہ کیسے آدمی ہیں۔؟ ساری باتیں آپ ہی کے ذریعے کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ان کی کون ہیں۔"؟

"میں۔ میں...... مسز درانی نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے سہیل کی جانب دیکھا اور سہیل ایک انگلی مروڑ کر بولا۔

"خالہ جان۔" مسز درانی کا دل غصے سے تڑپ کر رہ گیا تھا۔ سمارا

کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یوں لگتا ہے جیسے آپ نے انہیں بہت زیادہ کنٹرول میں رکھا ہے۔“

”جی ہاں۔ آپ نے ہمیں کیوں طلب کیا تھا۔“ مسز درانی نے پوچھا۔

”بس میں نے کہا نا مجھے خوش پوش، خوش شکل لوگوں سے عشق ہے۔ آپ اگر اجازت دیں تو میں ان کے ساتھ رقص کرنا چاہتی ہوں۔“

”اگر یہ پسند کریں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔“

”کیوں جناب۔ کیا آپ میرے ساتھ رقص کریں گے۔“؟

”اللہ نہ کرے۔“ سہیل نے جلدی سے کہا۔

”کیا مطلب۔“؟

”مم۔میں۔میں ناچنے گانے کا کاروبار نہیں کرتا۔“

”ناچنے گانے کا۔“؟میں ڈانس کے بارے میں کہہ رہی ہوں۔

”ہم جاز ناچیں گے۔یہاں ابھی تھوڑی دیر کے بعد جاز کی موسیقی شروع ہو جائے گی۔“

”میں ایک بہترین رقاصہ ہوں۔تم میرے ساتھ ڈانس کر کے خوش ہو گے۔“

”نن۔نہیں۔خالہ جان گھر جا کر ڈانٹیں گی۔“سہیل نے سہمی ہوئی نظروں سے مسز درانی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”مسز درانی کا چہرہ بدستور دھواں دھواں ہو رہا تھا۔خالہ جان کہہ کر سہیل نے اس کا ستیاناس مار دیا تھا جب کہ سہیل کو وہ ایک طویل عرصے تک اپنا محبوب سمجھتی رہی لیکن کہہ بھی کیا سکتی تھی۔

”کیوں ڈیئر خالہ جان کیا آپ ہمیں رقص کرنے سے روکیں

گی۔"؟ سمارا نے خود بھی احتراماً مسز درانی کو خالہ جان کہنا شروع کر دیا۔

"جی نہیں میں ان تمام فضولیات کی قائل نہیں ہوں۔" مسز درانی نے کرخت لہجے میں کہا۔

"آپ کسی مہمان کا دل بھی نہیں رکھ سکتیں۔" سمارا نے نخوت سے کہا۔

"جی ایسی ہی بات ہے۔ ہمیں اجازت دیں۔" مسز درانی نے اُٹھنے کی کوشش کی۔ لیکن سہیل نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

"رُکیے تو سہی خالہ جان۔ اب یہ خاتون کیا نام ہے آپ کا۔"؟ سہیل نے سمارا کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور پھر شرمائے ہوئے انداز میں نگاہیں جھکا لیں۔

"سمارا۔"

’’جی ہاں جی ہاں وہی۔تو خالہ جان اب یہ خاتون ہمیں اتنی اچھی لگ رہی ہیں کہ ہمارا دل یہاں سے اُٹھنے کو نہیں چاہ رہا۔آپ اجازت دے ہی دیں خالہ جان۔‘‘

’’تمہاری مرضی۔میں اپنی میز پر بیٹھی تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔‘‘

’’جی۔بہت اچھا۔سہیل نے سعادت مندی سے کہا اور مسز درانی بھنائی ہوئی وہاں سے اُٹھ گئیں۔اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنے بال نوچ ڈالے یا پھر میز پر سے بوتلیں اُٹھا اُٹھا کر سمارا اور سہیل کے مارنا شروع کر دے۔شکلیں بگاڑ دے ان کی۔حالانکہ عمر کی بہت سی منازل طے کر چکی تھی اور اب نوجوانی کی عمر میں نہیں تھی لیکن اس کے باوجود خود کو بوڑھا سمجھنے پر تیار نہیں تھی اور نہ ہی کسی سے کہلوانا پسند کرتی تھی۔سہیل نے اس کی مٹی پلید کر دی تھی۔کہاں کہاں وہ اسے ذلیل و رسوا کرے گا۔میز پر بیٹھ کر اس نے غصے سے ویٹر کو بلایا اور شراب کا

آرڈر دے دیا۔ وہ آؤٹ ہوتی جا رہی تھی شراب کے بڑے بڑے
گھونٹ لیتے ہوئے وہ ان دونوں کو گھورتی رہی۔ اور پھر تھوڑی دیر
کے بعد اسے کسی قدر سکون محسوس ہوا تو عقل نے بھی ساتھ دینا شروع
کر دیا۔ مسز درانی ان خواتین میں سے نہ تھی جو شراب کے چند گھونٹ
لے کر اپنے آپ کو بھول جاتی ہیں بلکہ وہ تو اس قدر عادی ہو چکی تھی
کہ شراب پی کر اسے بہت کچھ یاد آنے لگتا تھا۔ اس نے دل میں سوچا
کہ دراصل سہیل کو فون والی بات پر یقین نہیں آیا اور یہ حرکت ایک سزا
کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور اس خیال کے ساتھ وہ ایک دم سنبھل گئی۔

سمارا اپنی میز سے اُٹھ رہی تھی۔ اس نے سہیل کا ہاتھ اس طرح
پکڑ رکھا تھا جیسے وہ کوئی ننھا سا بچہ ہو اور پھر وہ سہیل کو لئے ڈانسنگ فلور
پر چلی گئی۔

جاز کے لئے ہلکی ہلکی موسیقی شروع ہو گئی تھی اور جوڑے اُٹھ اُٹھ

کرفلور کی جانب جا رہے تھے۔ پھر سمارا سہیل کے ساتھ رقص کرنے لگی۔ اور مسز درانی کی نگاہیں ان دونوں کا تعاقب کرتی رہیں۔ کمبخت بڑا عمدہ رقص کر رہا تھا۔ سمارا کو یقیناً اس کے رقص کرنے کے انداز پر حیرت ہو گی۔ وہ سہیل کو دیکھتی رہی۔ پہلا راؤنڈ ختم ہوا تو سہیل سمارا کی بجائے مسز درانی کے پاس آ گیا۔ اور اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

''خالہ جان یہ رقص کرتے ہوئے کیسا لگتا ہے۔؟ آپ نے کبھی رقص کیا ہے۔''؟

''سہیل کیوں میرے صبر کو آزما رہے ہو۔''؟

''میں نہیں سمجھا خالہ جان۔''

''یہ اچانک میں تمہاری خالہ جان کیسے ہو گئی۔''؟

''اوہو۔ بس ضرورتاً سمجھ لیں۔ اب ظاہر ہے میں آپ کو اپنی نواسی تو کہہ نہیں سکتا تھا۔ خالہ جان ہی کہہ کر کام چلا لیا۔ ویسے سمارا

بہت دلچسپ ہیں۔ کسی عجیب سی ریاست کا نام لیتی ہیں۔ ریاست کے بارے میں تو خیر مجھے معلومات حاصل نہیں ہیں لیکن یہ خبریں بہت دن سے اُڑ رہی ہیں کہ خاتون سمارا کے پاس نہایت قیمتی ہیرے ہیں ایسے قیمتی کہ شہر کے کئی جوہری راتوں کی نیندیں حرام کر چکے ہیں وہ سب کے سب خاتون سمارا سے کسی طور پر مل چکے ہیں۔ ویسے عام لوگوں کو ہیروں سے دلچسپی نہیں ہوتی لیکن ہم تو خاص لوگوں میں سے ہیں۔ پھر کیا خیال ہے۔"؟

"اوہو۔؟ کیا مطلب۔"؟ مسز درانی چونک پڑیں۔

"بس کچھ نہیں خالہ جان۔ گندی باتیں نہیں کرتے۔ میں آپ سے دوسرے کام کے لئے کہہ رہا تھا نا۔ یاد ہے آپ کو۔"

"ہاں۔"

"وہ دراصل ہمارے ایک کرم فرما ہیں نام ہے ان کا سیٹھ ابراہیم

روئی والا۔ یہ روئی والا تو پتہ نہیں کیا ہے لیکن وہ سیٹھ ابراہیم ضرور ہیں۔ تو مسز درانی کل آپ کو اور دادل کو سیٹھ ابراہیم کے پاس جانا ہے۔ میرا ایک چھوٹا سا پیغام لیتی جائیے کل دن کو ٹھیک ساڑھے گیارہ بجے آپ مجھے بیرنگٹن روڈ کے چوراہے کے پاس ملیں گی۔ وہاں میں آپ کو ایک لفافہ دے دوں گا۔ یہ آپ سیٹھ ابراہیم تک پہنچا دیں اور ان سے کہیں کہ جواب دے دیں۔"

"اس کے علاوہ اور کوئی تفصیل بتاؤ گے۔"؟ مسز درانی نے پوچھا۔

"نہیں بس۔ میرا خیال ہے سیٹھ ابراہیم جیسے لوگ ایک آدھ بار داؤں میں نہیں آتے۔ میں ان سے بات کر چکا ہوں آپ انہیں نصیبو کا حوالہ دے سکتی ہیں۔"

"کوئی اُلجھن تو پیش نہیں آئے گی۔"

”میرا خیال ہے نہیں۔ یہ اپنے روئی والا امن پسند آدمی ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ اپنے مخالفوں میں سے کئی کو قتل کرا چکے ہیں لیکن خود کبھی کسی چیونٹی کو بھی نہیں مارا۔ میرے سلسلے میں ذرا احتیاط ہی رکھیں گے۔ آپ کو فکر نہیں کرنی چاہیے۔“

”ٹھیک ہے میں کل تم سے مل لوں گی۔ اور یہ سمارا کے بارے میں تم نے کیا سوچا ہے۔“؟

”جو کچھ سوچا ہے آپ کو ضرور بتاؤں گا۔ ابھی تو ہمارے ان سے شناسائی ہوئی ہے بڑی دلکش خاتون ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے۔“؟

”میں ان فضولیات پر غور نہیں کرتی۔“

”ارے ہاں ہاں آپ کی عمر جو زیادہ ہو چکی ہے۔ چلیں کوئی حرج نہیں ہے۔“

”آیئے چلتے ہیں۔ میں پھر کبھی خاتون سمارا سے مل لوں گا۔ ابھی

تو میں نے ان سے معذرت کر لی ہے۔'' سہیل نے کہا اور مسز درانی نے ویٹر کو بلا کر بل لانے کے لئے کہہ دیا۔

نواب عزیز الدین خان دوپہر کے کھانے کے بعد قیلولہ کر رہے تھے۔ یہ ان کی عادت میں شامل تھا۔ ایک گھنٹہ آنکھیں بند کر کے تنہائی میں لیٹ جاتے تھے۔ اس دوران کسی کو ان کے آرام میں مداخلت کی اجازت نہیں تھی۔ اہلِ خاندان اور ملازمین سب ہی جانتے تھے کہ نواب صاحب اس وقت قیلولہ کر رہے ہیں۔ نواب صاحب اس ایک گھنٹہ میں سونے کی کوشش نہیں کرتے تھے بس آنکھیں بند کئے خاموشی سے کروٹیں بدلتے رہتے تھے۔ اس وقت بھی یہی کیفیت تھی۔ باہر کا دروازہ کبھی بند کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی تھی کیونکہ اس دوران کوئی مخل نہیں ہوتا تھا۔

لیکن جب دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز اُبھری تو انہوں نے حیرانگی سے آنکھیں کھول دیں۔ یقیناً کوئی خاص ہی معاملہ ہوسکتا تھا چنانچہ انہوں نے آنے والے کو بغور دیکھا۔ جہانگیر عالم پناہ کو دیکھ کر انہوں نے کسی قدر ناگواری بھی محسوس کی۔ لیکن پھر خیال کیا کہ خاندان کا بچہ ہے اب اگر تھوڑا سا احمق ہے تو اسے نبھانا ہی پڑے گا۔ اور آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے لگے عالم پناہ نے سوئچ تلاش کر کے کمرے میں تیز روشنی کر دی اور خواب گاہ کے بیچوں بیچ آ کھڑے ہوئے۔

"کیا بات ہے میاں۔ کیسے آنا ہوا۔"؟ نواب صاحب نے کہا اور عالم پناہ نواب صاحب کی آنکھوں میں دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے ناک پر انگلی رکھ کر کمر لچکائی اور آہستہ آہستہ زمین پر بیٹھ گئے۔ پھر لچک لچک کر اٹھ کھڑے ہوئے اور چل کر دکھانے

لگے۔نواب صاحب کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ یہ احمقانہ حرکات کیا معنی رکھتی ہیں۔چند ساعت تو وہ عالم پناہ کے بولنے کا انتظار کرتے رہے جواب درمیان میں پھر ساکت ہو گئے تھے اور پھرانہوں نے پوچھا۔

''کیا ہو گیا بھئی تمہیں۔کیا کھانے میں کوئی غلط چیز کھالی ہے۔''

عالم پناہ نے انہیں پھر کٹیلے انداز میں دیکھا اورنچلا ہونٹ دبا کر اور دونوں ہتھیلیوں کوایک دوسرے پر رکھ کر لچک کر رُخ بدل لیا۔اس کے بعدانہوں نے چہرے پر ہاتھ پھیرااور گھٹنا زمین پر ٹکا کر دل پر ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو گئے۔اس طرح انہوں نے گویا ایک مرد اور ایک عورت کی تصویر پیش کی تھی۔اس کے بعد عالم پناہ نے دونوں ہاتھ پھیلائے اور ایک والہانہ انداز میں ایسے آگے بڑھے جیسے نواب صاحب کے سینے سے لپٹ جائیں گے۔نواب صاحب جلدی سے

اُٹھ کر بیٹھ گئے تھے۔

"کک۔ کیا۔ کیا بالکل ہی پاگل ہو گئے ہو۔ پیچھے ہٹو۔ پیچھے ہٹو کیا بدتمیزی ہے۔" عالم پناہ نے ایک لہرا لیا اور اس طرح کسی خیالی محبوبہ کو آغوش میں لے لیا کہ نواب صاحب ان کے اشارے کو سمجھ لیں۔ انہوں نے آنکھوں کی پتلیوں کو اِدھر اُدھر حرکت دی اور کمر پر ہاتھ رکھ کر شرماتے ہوئے پیچھے ہٹ گئے اب وہ یہ تصور پیش کر رہے تھے کہ جیسے عاشق اور محبوبہ میں چھیڑ چھاڑ ہو رہی ہو۔ پھر انہوں نے ہچکولے لئے اور اپنی دانست میں محبوبہ کی کلائی پکڑ لی۔ پھر انہوں نے مونچھوں پر تاؤ پھیرا اور سینہ تان کر کھڑے ہو گئے گویا خاندان کی رسوائی کا مظاہرہ کرنے لگے۔

نواب صاحب اب پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے تھے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ عالم پناہ کا دماغ چل گیا ہے اور اب اس کی آنکھوں میں وحشت

کے آثار نمودار ہونے لگے تھے۔

"کیا ہو گیا بھئی تجھے۔ ارے تمیز الدین۔ تمیز الدین۔ ذرا اسے دیکھو یہ کیا گڑبڑ ہو گئی بھئی۔ وہ مسہری پر سمٹتے ہوئے بولے۔ عالم پناہ زور زور سے گردن ہلانے لگے تھے۔ انہوں نے دوبارہ وہی منظر پیش کرنا شروع کر دیا لیکن نواب صاحب اب اس چکر میں تھے کہ جونہی موقع ملے دروازے سے نکل بھاگیں۔ وہ مسہری کے نیچے جوتیاں تلاش کر رہے تھے۔ عالم پناہ نے پھر ہاتھ بڑھائے اور کئی قدم پھر نواب صاحب کی طرف بڑھائے۔

"میں کہتا ہوں ہٹ جا پیچھے۔ ہٹ۔" نواب صاحب نے جلدی سے جھک کر جوتی اٹھالی۔ اور عالم پناہ گردن لٹکا کر کھڑے ہو گئے۔

"ارے بھئی تمیز الدین۔ کوئی ہے۔؟ کہاں مر گئے سب کے سب۔" نواب صاحب خوفزدہ لہجے میں چیخے۔ باہر سے ایک ملازم

گزر رہا تھا۔ وہ دروازے پر رک گیا۔ اندر داخل ہونے کی ہمت نہ ہوئی لیکن یہ سن لیا تھا کہ نواب صاحب تمیز الدین کو پکار رہے ہیں چنانچہ وہ دوڑتا ہوا تمیز الدین کے پاس پہنچ گیا۔ اور یہ اطلاع دی کہ نواب صاحب اپنے کمرے میں گھسے ہوئے تمیز الدین تمیز الدین چیخ رہے ہیں۔ تمیز الدین نے جو یہ سنا تو بے چارے ہانپتے کانپتے نواب صاحب کی خواب گاہ کے دروازے پر پہنچ گئے۔

دوسری جانب عالم پناہ نے نئے اشاروں کا مظاہرہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور نواب عزیز الدین کو ابھی تک موقع نہیں ملا تھا کہ وہ دروازے سے چھلانگ لگا کر باہر نکل جاتے۔ دوسرے لمحے دروازہ کھلا اور تمیز الدین خان اندر داخل ہو گئے۔ عالم پناہ نے چونک کر انہیں دیکھا اور انہیں دیکھ کر عالم پناہ کی روح فنا ہو گئی۔ وہ ایک دم سے سارے اشارے بھول گئے۔ اور سمٹ کر ایک دیوار سے جا لگے۔

”کیا ہو رہا ہے بھئی۔خیریت تو ہے بھائی جان۔میں نے سنا ہے آپ مجھے آوازیں دے رہے تھے۔“

”ارے بچاؤ بھئی اس سے۔یہ پاگل بیل کہاں سے گھس آیا۔“

عزیز الدین خان جلدی جلدی جوتیاں پہنتے ہوئے بولے۔اور نواب تمیز الدین خان کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔نواب تمیز الدین عالم پناہ کو گھور رہے تھے۔عالم پناہ کا رنگ فق ہو گیا۔

”کیا بات ہے بھئی۔“؟

”وہ۔وہ۔کک۔کچھ نہیں۔پھوپھا جان وہ میں۔میں ......“

”میں کہتا ہوں یہاں کیوں آئے تھے۔“؟نواب تمیز الدین نے پوچھا۔

”بس اشاروں کنایوں میں، میرا مطلب ہے کلاسیکل انداز میں۔میرا مطلب ہے۔“

''میں ابھی تجھے مطلب سمجھاؤں۔ میں کہتا ہوں یہاں کیوں گھسا۔''

''اب نہیں گھسوں گا۔ اب نہیں گھسوں گا۔'' عالم پناہ کی گھگی بندھ گئی تھی۔

''کیا کر رہا تھا یہ۔؟''

''عجیب و غریب حرکتیں کر رہا تھا خدا کی قسم عجیب و غریب۔ رقص کر کے دکھا رہا تھا مجھے۔ ایسے شرمناک پوز بنا رہا تھا کہ خدا کی قسم میں تو شرم سے پانی پانی ہو گیا۔ اس کم بخت کو سوجھی کیا۔ میں تو بوڑھا آدمی ہوں۔ یہ مجھے ایسی حرکتوں سے رجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ میاں تمیز الدین یہ ہے کیا بلا۔''؟ نواب عزیز الدین نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔ ابھی تک ان کے حواس درست نہیں ہوئے تھے۔

تمیزالدین خان اس انوکھے انکشاف پر خود بھی حیران رہ گئے۔

"کیا بالکل ہی نکل گیا یہ۔"؟ انہوں نے عالم پناہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور پھر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ شاید مانے کے لئے کوئی چیز تلاش کر رہے تھے۔ عالم پناہ نے ان کی یہ کیفیت محسوس کر لی اور چھلانگ لگا کر ایک صوفے کے پیچھے ہو گئے۔

"پھوپھا میاں۔ پھوپھا میاں آپ کو۔ آپ کو خدا کی قسم دیکھئے۔ دیکھئے کوئی غیر اخلاقی۔ میرے ساتھ کوئی۔ میرا مطلب ہے۔ لاحول ولاقوۃ۔ یہ زبان کم بخت لڑکھڑائے جا رہی ہے۔ پھوپھا میاں معاف کر دیجئے۔ میرا کوئی مقصد نہیں تھا یقین کریں میں تو۔ میں تو۔۔۔۔"

نواب تمیزالدین کو اور کچھ تو نہ ملا انہوں نے پاؤں سے جوتا اُتار لیا اور عالم پناہ کی طرف بڑھے عالم پناہ چھلانگ لگا کر صوفے کے

دوسری طرف ہو گئے اور پھر وہاں سے بھی چھلانگ لگائی تو نواب عزیز الدین خان کے پیچھے پہنچ گئے۔

"دیکھ بھائی مجھے مت چھونا ناپاک کہیں کا۔ایسی حرکتیں کرنے کے بعد کہیں انسان پاک رہ سکتا ہے۔" عزیز الدین اُچھل کر ایک طرف ہٹ گئے۔اور ان کے آگے سے ہٹتے ہی عالم پناہ کو موقع مل گیا وہ ایسے دروازے کی طرف بھاگے کہ پھر انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا تھا۔

دوسری جانب عزیز الدین خان کی آنکھیں اب بھی حیرت سے پھٹی ہوئی تھیں۔

"پاگل تو بہت سے دیکھے ہیں مگر یہ انوکھا پاگل تھا۔نجانے کیا سوجھی تھی کم بخت کو۔مجھے تو شبہ ہو رہا ہے کہ اس گھر کی کچھ فضا ہی خراب ہے۔"

”کیا مطلب۔“؟

”میاں زنخوں کی سی حرکتیں کر رہا تھا اور۔“ اور دفعتاً نواب عزیزالدین کو خیال آ گیا کہ وہ کیا کہنے جا رہے ہیں چنانچہ جلدی سے زبان بند کر لی۔

”ایسا تو کبھی نہیں ہوا۔“ تمیزالدین خان پُر خیال انداز میں بولے۔

”چیک کراؤ میاں اسے چیک کراؤ۔ کسی ڈاکٹر کے پاس اسے لے جاؤ۔ ابھی تو مرض ابتدائی منازل میں ہے آگے بڑھ گیا تو نجانے کیا ہو۔“ عزیزالدین خان نے کہا اور پھر تمیزالدین خان کے ساتھ باہر نکل آئے۔

عالم پناہ کی تلاش شروع ہو گئی مگر اب عالم پناہ کا یہاں وجود کہاں تھا۔ انہیں تو جان بچانا مشکل ہو گیا تھا انہیں پتہ چل گیا تھا کہ جب

عزیزالدین خان تمیزالدین خان کو ساری تفصیل بتائیں گے تو ان کی ذہنی کیفیت کیا ہوگی۔

اس وقت جائے پناہ کوئی نہ تھی کہ صفدر نظر آ گیا اور عالم پناہ صفدر کے پاس پہنچ کر اس کے گھٹنوں میں بیٹھ گئے۔ صفدر ایک دم سے پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"کک۔ کیا کر رہے ہیں۔؟ جوتیاں اُٹھا رہے ہیں کیا۔" صفدر نے پریشانی کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

" صفدر بھائی۔ صفدر بھائی بخدا عزت بچا لیجئے۔ ورنہ ہم تو گئے۔"

"ہوا کیا آخر۔"؟

"بچا لیجئے صفدر بھائی۔ اس وقت آپ ہی بچا سکتے ہیں۔ آپ سے زیادہ ذہین شخص اس پوری کوٹھی میں اور کوئی نہیں ہے۔"

"مکھن مت لگاؤ۔ اصلی بات بتاؤ۔" صفدر نے کہا۔

" چھپا لیجئے مجھے۔ کہیں چھپا لیجئے۔ ورنہ پھوپھا میاں۔ میرا مطلب ہے۔ تمیز الدین خان کھال اُتار لیں گے پورے بدن کی سخت غصے میں ہیں۔ ارے باپ رے۔ سب کچھ پتہ چل گیا انہیں تو کیا ہوگا۔"؟ عالم پناہ کی حالت واقعی خراب ہو رہی تھی۔ صفدر نے متحیرانہ انداز میں انہیں دیکھا پھر چند ساعت سوچتا رہا پھر گردن ہلا کر بولا۔

"ٹھیک ہے آپ کی مدد کی جاسکتی ہے۔"

"تو کرو۔ جلدی کرو۔ اس وقت کیا فائدہ ہوگا جب میں کسی مدد کے قابل ہی نہیں رہوں گا۔"

"چھپنا چاہتے ہیں۔"؟

" ہاں۔ ہاں۔ جلدی کرو۔ پلیز۔ پلیز۔" عالم پناہ کی آواز بُری طرح بھرا رہی تھی۔

"آیئے میرے ساتھ۔" صفدر نے کہا اور کوٹھی کے اس حصے میں پہنچ گیا جہاں پرانا کاٹھ کباڑ بھرا رہتا تھا اس نے کاٹھ کباڑ والے کمرے کا دروازہ کھولا اور آنکھ سے اشارہ کر کے عالم پناہ سے کہا کہ اندر گھس جائیں۔ عالم پناہ بدحواس تو تھے ہی فوراً اندر گھس گئے اور صفدر نے باہر سے دروازہ بند کر دیا۔ لیکن صورتحال ابھی تک اس کی سمجھ میں نہیں آسکی تھی نجانے کیا قصہ تھا۔ بہر صورت وہ دوسرے تمام لوگوں کو اس دلچسپ واردات کی اطلاع دینے کے لئے دوڑ گیا۔

ٹھیک گیارہ بج کر پانچ منٹ پر سرخ رنگ کی اسپورٹس کار مسز درانی کی کار کے پاس آ کر رک گئی۔ سہیل اس میں موجود تھا۔ اس نے خاموشی سے ایک لفافہ مسز درانی کی طرف بڑھا دیا۔ اور آگے بڑھ گیا۔

''ایک منٹ۔ایک منٹ سہیل۔''مسز درانی نے کہا اور سہیل کار ریورس کر کے مسز درانی کے پاس آ گیا۔''ہوں۔بولو۔''

''کب جاؤں اس کے پاس۔ابھی چلی جاؤں۔''؟

''ظاہر ہے ورنہ تمہیں یہ لفافہ کس لئے دیا گیا ہے۔''سہیل نے کہا۔

''میں وہاں رکوں۔''؟

''ہاں جواب لے کر آنا۔''سہیل بولا۔اور مسز درانی گردن ہلا کر اپنی کار کی جانب بڑھ گئی۔سہیل کی اسپورٹس کار ایک زناٹے کے ساتھ آگے بڑھ گئی تھی۔اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔مسز درانی نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

سیٹھ ابراہیم روئی والا کے بارے میں سہیل اسے تھوڑا بہت بتا چکا

تھا۔ چنانچہ وہ اس طرف چل پڑی جہاں پرائیویٹ دفاتر کا علاقہ تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے ایک بلڈنگ کے سامنے کار روک دی جس کی دوسری منزل پر سیٹھ ابراہیم کے پاس پورا فلور تھا۔ اور اس میں اس کے دفاتر پھیلے ہوئے تھے۔ اوپر پہنچ کر اس نے اس عظیم الشان دفتر کو دیکھا۔ کافی بڑی فرم تھی یقیناً لمبا چوڑا کام بھی ہوتا ہوگا۔ اس نے ایک چپڑاسی سے سیٹھ ابراہیم کے بارے میں پوچھا۔

''ہاں سیٹھ صاحب اندر موجود ہیں مگر آپ کا کارڈ کہاں ہے۔''؟

''بس ان سے کہہ دو کہ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔''

''بہت مشکل ہے خاتون۔ سیٹھ صاحب سے وقت لئے بغیر کوئی نہیں مل سکتا۔''

''مگر میں اُن سے ملوں گی جاؤ اور جو کچھ میں کہہ رہی ہوں ان سے کہہ دو۔'' مسز درانی نے غصیلے انداز میں کہا اور اردلی سر ہلانے لگا

پھر اس نے کہا۔

”دیکھیں میں کوشش کرتا ہوں سیٹھ صاحب کے چپڑاسی سے بات کرلوں اگر وہ آپ کو جانے کی اجازت دے دے تو ٹھیک ہے ورنہ ہم مجبور ہوتے ہیں۔“

”مجبور کے بچے۔ میں کہہ رہی ہوں جاؤ سیٹھ ابراہیم سے کہہ دو کہ ایک خاتون آپ سے ملنا چاہتی ہیں اور اگر ان کے پاس وقت نہیں ہے تو وہ نصیبو سے ٹیلی فون پر بات کرلیں۔“

”کس سے۔“؟ اس نے پوچھا۔

”نصیبو سے۔“ مسز درانی نے غصیلے لہجے میں کہا اور وہ نصیبو نصیبو کی گردان کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

”پھر اس نے جا کر سیٹھ ابراہیم کے اردلی سے بات کی اور اردلی اندر چلا گیا۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازہ بھڑاک سے کھلا اور

ایک عجیب وغریب شخصیت نظر آئی ۔یقیناً یہ سیٹھ ابراہیم روئی والا تھے۔لمبی سی ٹوپی پہنے ہوئے تھے کھدر کا کُرتہ اور پائجامہ۔آنکھوں پر قدیم طرز کا چشمہ۔۔۔عجیب ہونق سی صورت تھی۔باہر آئے اور منہ پھاڑ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔

''ارے کدرے بابا۔کون بائی ہے۔بلاؤنی۔جلدی بلاؤ۔انہوں نے کہا اور اردلی جو ابھی ان کے پیچھے ہی تھا ان کی بغل میں سے نکل آیا۔اس نے مسز درانی کو اشارہ کیا اور مسز درانی آگے بڑھ کر اندر داخل ہوگئی۔روئی والا نے اسے دیکھا اور بولا۔

''ارے کس کا نام لیا بائی تم نے۔نی پھر سے بولو۔کس نے بھیجا ہے تمہارے کو۔نی جلدی سے بولو۔''سیٹھ صاحب کا سانس پھول رہا تھا۔

''آپ ہی سیٹھ ابراہیم روئی والا ہیں۔''؟

''ہاں۔اپن ہی ہے بابا۔ نی تمہارے کو کیا کام پڑ گیا اپن سے۔ کس کا نام بولا تم اپنے چڑ پھانسی کو۔''؟

''نصیبو۔'' مسز درانی نے کہا۔

''وارے بپا۔مار دیو۔ہائے یہ نصیبو ہمارے دفتر میں بھی آ گھسیلا ہے۔ارے یہ اور کدر سے آ گیا۔''

''سیٹھ صاحب۔کیا فضول تماشہ لگا رکھا ہے آپ نے۔اطمینان سے اپنی کرسی پر بیٹھئے اور مجھ سے بات کیجئے۔'' مسز درانی نے سرد اور بھاری لہجے میں کہا اور سیٹھ صاحب منہ پھاڑے اسے دیکھتے رہے۔

''جا تو رہا ہے بابا۔جاتا تو ہے۔ارے بپا۔اپن کی کمپنی میں گھس کر اپن کو ڈانٹتا پڑا ہے۔آؤ نی تم بھی مرو۔آ جاؤ۔سیٹھ صاحب کراہتی ہوئی آواز میں بولے اور گھوم کر اپنی کرسی پر جا بیٹھے۔سامنے رکھی ہوئی میز کافی طویل و عریض اور خوبصورت تھی۔لیکن سیٹھ

صاحب اس میز کے پیچھے ذرا بھی نہ جچ رہے تھے۔ سامنے چار پانچ ٹیلی فون رکھے تھے۔ درمیان میں کچھ کاغذات بھی موجود تھے۔ لیکن سیٹھ صاحب کی شخصیت بالکل ایسی نہیں تھی کہ وہ اس فرم کے مالک معلوم ہوتے۔ بمشکل تمام انہوں نے ناک کی پھنگ پر رکھے ہوئے چشمے کو درست کیا۔ ان کی شکل پر یتیمی برس رہی تھی۔ پھر وہ بولے۔

''ہاں بولو بائی۔ اب بولو۔ نی کیا بولنے آیا تم''؟

''یہ ایک کارڈ دیا ہے نصیبو نے آپ کے لئے۔''! مسز درانی نے کارڈ نکالتے ہوئے کہا۔

''ارے بیٹا۔ کیا لکھا ہے کارڈ میں۔ تم ہی پڑھ کر سنا دو نی۔ اپن کی تو آنکھوں کے نیچے ستارے دوڑتے پھر رہے ہیں۔ ایک اِدھر تو دوسرا اُدھر۔ نی بولو بائی۔ جلدی بولو۔ اپن جرا کمزور دل کا آدمی ہے۔ جلدی بولو کارڈ میں کیا لکھا ہے۔''

"آپ خود ہی دیکھ لیں سیٹھ صاحب۔ مجھے یہ کارڈ پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔" مسز درانی نے لفافہ سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔

سیٹھ صاحب کے ہاتھ لرز رہے تھے۔ انہوں نے لفافہ ابھی مسز درانی کے ہاتھ سے نہیں لیا۔ پہلے ٹوپی اُتار کر نیچے رکھی۔ پھر چشمہ اتارا اور اسے کرتے کے دامن سے صاف کرنے لگے۔ اس کے بعد اسے دوبارہ ناک پر جما لیا اور ٹوپی اُٹھا کر سر پر رکھی۔ اور مسز درانی کی طرف بے چارگی کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔

"نی اپن کو ہی پڑھنا پڑے گا۔"

"ہاں سیٹھ صاحب۔"

"نی تم ہی سنا دو بائی۔ تمہارا مہربانی ہوگا۔"

"لفافہ آپ کے لئے ہے سیٹھ صاحب۔"

"تو اپن تمہارے سامنے موجود ہے۔"

"پھر بھی یہ نصیبو کا حکم ہے۔"

"تحریر یہ بھی حکم ہے۔ ارے صاحب کو دینا پڑا ہے۔ لاؤ۔ اپن کو ہی دے دو لاؤ۔"

سیٹھ صاحب کا لرزتا ہوا ہاتھ آگے بڑھا۔ اور انہوں نے بمشکل تمام لفافہ مسز درانی کے ہاتھ سے لے لیا۔ ان کے اعصاب جواب دے گئے تھے۔ اور آنکھوں میں بار بار پانی آ رہا تھا۔ بڑے جتن کرنے کے بعد انہوں نے لفافہ کھول کر اس میں رکھا ہوا کارڈ نکال لیا۔

مسز درانی بھی دلچسپ نگاہوں سے اس کارڈ کو دیکھ رہی تھی۔ سبز رنگ کا سادہ کارڈ تھا جس کے نچلے حصے پر کوئی تحریر لکھی ہوئی تھی۔ جو یہاں سے مسز درانی کو نظر نہیں آ رہی تھی۔ لیکن سیٹھ صاحب نے خود

ہی یہ مشکل حل کر دی۔ اور بلند آواز میں اس تحریر کو پڑھا۔

"تاریخ گزر چکی ہے۔"

اس کے بعد سیٹھ صاحب خاموش ہو گئے۔ مسز درانی نے اندازہ لگایا تھا کہ اس عجیب و غریب کارڈ پر اس کے علاوہ اور کوئی تحریر نہیں ہے۔ سیٹھ صاحب کی بھرائی ہوئی آواز نکلی۔

"تاریخ گزر چکی ہے۔ اے گجر چکی ہے تو میں کیا کرے بابا۔ میرے کو آج کل ہر سودے میں گھاٹا ہو رہا ہے۔ مندا چل رہا ہے۔ چاروں طرف گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ ابھی کدر سے پیسے لائے۔ اپنا تو مگج کھراب ہو گیا بائی۔ ارے بولو نی کدر سے پیسہ لائے۔"

"نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں سیٹھ صاحب۔"

"اے مکدر کو روتا پڑا۔ اور کیا کہتا۔ اے بائی تیرے کو خدا کا واسطہ تو ہی سفارش کر دے اپن کی۔ ابھی کدر سے پیسہ لائے۔ وہ بولتا

پڑا تاریخ گجر چکی ہے۔ارے کیا کرے بابا۔"

مسز درانی خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔صورتِ حال اسے خود نہیں معلوم تھی۔اس بات کا کیا جواب دیتی۔بس بیٹھی ہوئی سیٹھ صاحب کی شکل دیکھتی رہی۔سیٹھ صاحب تھوڑی دیر تک بین کرتے رہے۔پھر چونک کر مسز درانی کو دیکھنے لگے۔

"اے بائی۔اے بائی۔تیرے تو اس سے اچھے تعلقات ہوں گے۔تو بھی تو کچھ بول بائی۔ارے یہ نصیبو۔اس کا بیڑہ غرق ہو۔ارے کدر سے آمرا اپن کی کھوپڑی پر۔نی بولو۔کدر سے لائے پیسہ۔ایک لاکھ۔ارے بپّا پورے ایک لاکھ ہائے مر گیو رے۔سیٹھ صاحب گریبان کھول کر سینے پر پھونکیں مارنے لگے۔

مسز درانی خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔صورتحال کسی قدر اس کی سمجھ میں آتی جارہی تھی۔

اسی وقت سیٹھ صاحب پھر بول پڑے۔ ''نی تم پتھر کا بنا ہوا ہے کیا۔ نہ بولتا ہے نہ ہلتا ہے نہ چلتا۔ ارے بابا تم بھی انسان ہے۔ کچھ بولو۔ اپن کو تسلی دو اپن مر جائے گا خدا کی قسم۔ کچھ کرو ہمارے لئے۔ اپن کے پاس پیسہ نہیں ہے سارا بینک او۔ ڈی پڑا ہوا ہے اپن کو اب روڈی بھی نہیں ملیں گا۔ کدر سے ایک لاکھ روپیہ نکالے۔ بتاؤ تم میرے کو بتاؤ۔''

''سیٹھ صاحب۔'' مسز درانی سرد لہجے میں بولی۔ اور سیٹھ صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''بولو۔ بولو بائی کیا بولتا پڑا۔''

''نصیبو نے جواب مانگا ہے۔''

''ایں۔'' سیٹھ صاحب کا منہ کھل گیا۔ پھر وہ ہانپتے ہوئے لہجے میں بولے۔

جواب مانگا ہے۔بس جواب مانگا ہے۔ارے بس یہی بولنا تھا تمہارے کو۔ٹھیک ہے بس ٹھیک ہے بائی جاؤاس کوجواب دے دو۔بول دواس کوکہ اپن کے پاس پیسہ نہیں ہے۔جب پیسہ ہوئیں گا دے دیں گا ابھی کدر سے لائے۔اپن مرنے کو تیار ہے۔بس تیار ہے۔جاؤ بول دو نصیبو کو۔جاؤ بائی اب اپن کیا کرے۔''سیٹھ صاحب نے غصیلے لہجے میں کہا۔

مسز درانی کرسی کھسکا کر خاموشی سے کھڑی ہوگئی تھی۔اور پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

لیکن ابھی وہ دروازے تک پہنچی بھی نہ تھی کہ سیٹھ صاحب نے کرسی کھسکا کر اس کی طرف دوڑ لگائی۔''اے بائی۔اے بائی۔نی تھوڑا سنوتو۔اوتیرے کوخدا کا واسطہ سنوتو۔''

مسز درانی رک گئی۔''کہیئے۔''اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"بائی تو مسلمان ہے۔"

"ہاں ہوں۔"

"انسان ہے۔"

"یہ تم خود اندازہ لگاؤ۔"

"کیا اندازہ لگائے بابا۔ اس بدنصیبو نے تو اپن کو کوئی اندازہ لگانے قابل نہیں چھوڑا۔"

"تو میں کیا کروں۔"

"اے سن تو بائی۔ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑتا ہوں۔ میری بات تو سن لے۔ تُی میرے کو ایک لاکھ روپیہ قرضہ دے دے۔"

"کون۔؟ میں۔"

"تو اور کس کو بولتا پڑا بابا۔"

"آپ مجھ سے مذاق کر رہے ہیں سیٹھ صاحب۔"

"اے کالا کافر ہو جو مذاق کرتا ہو۔ بائی میری بات مان لے۔"

"آپ کا دماغ خراب ہے سیٹھ صاحب۔"

"کیوں بائی کیوں۔ تو اپن کی حالت کا اندازہ نہیں لگا رہی اپن بہت پریشان ہے خدا کی قسم۔"

"تو میں کیا کروں۔ میں جا کر نصیبو کو بتائے دیتی ہوں کہ آپ نے کیا جواب دیا ہے۔" مسز درانی پھر دروازے کی طرف مڑ گئی۔

"سنیں تو بائی اپن کا مگج کھراب ہوا پڑا ہے اس لئے اپن الٹی سیدھی باتیں بولتا پڑا۔"

"ارے بابا معاف کردو، خدا کے واسطے معاف کردو، اپنا تو بیڑہ غرق ہو گیا، ارے ایسا مت بول دینا تم اس کو، وہ ہماری آنتیں باہر نکال دے گا، تمیں بائی تھوڑا بیٹھو، رک جاؤ، کیا پئے گا تم، ٹھنڈا پانی منگوائیں۔" سیٹھ صاحب نے پوچھا۔

''نہیں شکریہ مگر اب آپ اور کیا کہنا چاہتے ہیں۔'' مسز درانی نے کہا۔

''ارے کیا کہے گا بابا تھوڑا سوچنے دو، سوچنے کا موقع دو، بیٹھو بیٹھو، بیٹھونی، تم تو اُٹھ کر بھاگتا پڑا، جیسے ام تم کو کھا جائے گا، بیٹھو بائی بیٹھو ہم شریف آدمی ہیں۔'' سیٹھ صاحب نے کہا اور مسز درانی ایک گہری سانس لے کر کرسی کی جانب بڑھ گئی۔ سیٹھ صاحب نے اپنی کرسی پر بیٹھ کر دونوں پاؤں اوپر رکھے اور دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا،

وہ کسی اداس اُلو کی مانند نظر آرہے تھے۔ عینک کھسک کر ناک کی نوک پر آ گئی تھی، اور سر کے بال بُری طرح بکھر کر ٹوپی سے باہر نکل آئے تھے۔

دیر تک تو خاموشی رہی، سیٹھ صاحب اسی طرح اداس اور متفکر

بیٹھے رہے تھے پھر مسز درانی بھی بور ہو گئی۔

''آپ مجھے کوئی جواب نہیں دیں گے۔'' مسز درانی نے غصیلے لہجے میں کہا اور سیٹھ صاحب کے دونوں پاؤں ایک دم ہی کرسی سے نیچے کھسک گئے، ان کا سر میز کی ٹاپ سے ٹکرایا تھا، اور وہ دونوں ہاتھ میز پر ٹکا کر اس طرح مسز درانی کو دیکھنے لگے جیسے ابھی ابھی وہاں اس کی موجودگی کا انکشاف ہوا ہو، دیر تک اسی طرح دیکھتے رہے پھر ایک گہری سانس لے کر کرسی کی پشت سے ٹک گئے۔

''اس سے بولو کہ اپن کے پاس آج کل روپیہ پیسہ نہیں ہے ابھی ہم نے اس کو تیس ہجار دیا تھا تو اس نے بولا تھا کہ تھوڑے دن تک پریشان نہیں کرے گا، پر بابا پھر اس نے تقاضا کر دیا، اپنی تو جان مصیبت میں آ گئی ہے، ارے کیا کرے بائی تم ہی ہماری کچھ مدد کرو۔''

"میں اسے یہ بات بتا دوں کہ آپ کے پاس روپیہ پیسہ نہیں ہے۔" مسز درانی نے پوچھا۔

"ارے بتاؤ گی نہیں تو پھر کیا کریں گے ہم، ابھی اس کو بولو تھوڑا معافی دے دے، تھوڑا موقع دے دے نی، ہم پیسے کا بندوبست کر لے تو پھر اس کو ادائیگی کر دے گا۔ ہاں ذرا آرام سے بولنا نی، ٹھیک اے۔"

"بہت بہتر۔" مسز درانی نے کہا اور اُٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ دروازے تک پہنچی تھی کہ سیٹھ صاحب ایک بار پھر سر پیٹتے ہوئے اس کے پاس پہنچ گئے۔

"بائی بائی تھوڑا رکو۔" اور مسز درانی غصیلے انداز میں پلٹ کر اسے دیکھنے لگی۔

"آپ مجھے پاگل معلوم ہوتے ہیں۔"

”بنا دیا مجھے پاگل، پہلے کدر تھا، اب تم اس کو بولو کہ پندرہ دن اور انتظار کرے، ہم اس دوران پیسے کا بندوبست کرے گا ضرور کرے گا۔“ مسز درانی نے گردن ہلائی اور دروازے سے باہر نکل آئی اس کے سر میں درد ہونے لگا تھا اس فضول سے آدمی سے ملاقات کر کے، وہ گاڑی میں بیٹھی اور چل پڑی۔

شام کی چائے پر اور پھر رات کے کھانے پر بھی عالم پناہ گول رہے تھے۔ شام کی چائے پر نواب تمیز الدین خان نے ان کے بارے میں پوچھا تو سب نے ان کے بارے میں لاعلمی کا اظہار کیا اور کسی نے نہیں بتایا کہ وہ کہاں ہیں۔ پھر جب رات کے کھانے پر بھی عالم پناہ غیر حاضر رہے تو نواب تمیز الدین کو بھی پریشانی ہو گئی، انہوں نے براہِ راست شکی کو مخاطب کیا تھا۔

''شیکی تمہارا دوسرا پارٹ کہاں ہے۔''؟انہوں نے سوال کیا اور سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''مم۔میرا دوسرا پارٹ، شیکی نے باری باری اپنے دونوں ہاتھ دیکھے، پھر مسکرا کر بولا، اوہ میں سمجھا، ماموں میاں آپ دلربا کی بات کر رہے ہیں۔''

''دلربا کے بچے، میں جہانگیر کے بارے میں پوچھ رہا ہوں۔''

''جج جہانگیر۔۔۔وہ غائب ہے، دوپہر ہی سے غائب ہے۔ شیکی نے جواب دیا۔

''کہاں غائب ہے، تمہیں نہیں معلوم۔''

''مم میں اسے تلاش کر چکا ہوں۔'' شیکی بولا۔

''ہوں، کہاں مر گیا بے وقوف گدھا۔'' یوں لگتا ہے بھائی جان جیسے سچ مچ ہی اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے، میں تو ان دونوں لڑکوں

کے مستقبل سے پہلے ہی خوفزدہ تھا ان کی حرکات بتاتی تھیں کہ ایک نہ ایک دن یہ ضرور پاگل ہو جائیں گے، چنانچہ ایک تو ہو چکا، اب دیکھیں شیکی پر کب دورہ پڑتا ہے۔''

''مم۔ میں۔ میں کبھی پاگل نہیں ہوؤں گا، آپ اطمینان رکھیں۔''

''بکومت، جہانگیر کو تلاش کرو۔''

''بہت بہتر۔'' شیکی کھانے کی میز سے اُٹھنے لگا تو نواب عزیز الدین خان کو رحم آ گیا۔

''کھانا کھانے کے بعد جانا، سب لڑکے تمہارے ساتھ جائیں گے بھئی دیکھو تو سہی یہ آخر جہانگیر کہاں چلا گیا۔'' دوپہر کو تو اس نے عجیب و غریب حرکات کی تھیں، مجھے سخت حیرت ہے اور میں شدید تشویش کا شکار ہوں کہ کہیں خدانخواستہ اسے سچ مچ کچھ ہو نہ گیا ہو۔''

''کیا ہو گیا تھا۔''؟ بیگم صاحبہ نے سوال کیا۔

”بس کیا بتاؤں، عجیب وغریب حرکات کر رہا تھا، مجھے تو خواب وخیال میں بھی توقع نہ تھی کہ وہ اس طرح ناچنا اور مٹکنا شروع کر دے گا۔“

”ایں۔“ بیگم صاحبہ کا ہاتھ کھانے پر رک گیا۔

”ہاں اسے کچھ ہو گیا ہے۔ نواب عزیزالدین نے دوسرے لوگوں سے نظریں چراتے ہوئے کہا، انہیں سہیل کا خیال آ گیا تھا، سہیل پھر غائب ہو گیا تھا، کب گیا تھا اور کہاں گیا تھا انہیں اس بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا، نوشاب بھی بے چاری بجھی بجھی سی نظر آتی تھی لیکن کسی سے اس بارے میں گفتگو نہیں کر سکتی تھی، لیکن اس کی آنکھیں چاروں طرف سہیل کو تلاش کرتی تھیں اور مایوس ہو کر واپس آ جاتی تھیں۔

بہرصورت عالم پناہ کی گمشدگی سب کے لئے باعثِ تشویش بنی

رہی،لیکن ابھی یہ لوگ کھانے سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ چند ملازم دوڑتے ہوئے آئے۔اورنواب عزیزالدین سے کہنے لگے۔

”وہ جناب۔وہ۔وہ پرانے اسٹور میں کوئی چور گھس گیا ہے۔“

”ککیا۔“نواب عزیزالدین چونک پڑے۔

”جی جناب اندر سے دروازہ پیٹنے کی آواز آرہی ہے کسی نے کنڈی لگادی ہے باہر سے۔“

”ارے کس نے کنڈی لگائی،اگر چور اندر گھس گیا ہے تو یقیناً باہر سے کسی نے دروازہ بند کیا ہوگا،تم لوگوں میں سے کون تھا۔“نواب صاحب نے نوجوانوں کی طرف رخ کر کے پوچھا۔لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔

صفدر نے عالم پناہ سے سازش کی تھی،یہ تو کسی کو بھی پتہ نہیں چل سکا تھا کہ عالم پناہ کو کیا ہوا تھا،لیکن بہرصورت وہ انہیں اسٹور میں بند

کر آیا تھا اور اسٹور کوئی معمولی جگہ نہیں تھی، مچھر کھٹمل اور دوسرے حشرات الارض دوسرے سامان کی طرح اس میں بھرے ہوئے تھے البتہ کوئی خطرناک کیڑا نہیں تھا جس سے عالم پناہ کی جان کو خطرہ ہوتا۔ لیکن عالم پناہ چند گھنٹے وہاں گزار چکے تھے، حالانکہ صفدر نے یہی سوچا تھا کہ کھانے کے بعد انہیں خاموشی سے رہا کر دے گا لیکن وقت سے پہلے ہی بھانڈا پھوٹ گیا تھا۔ بہرصورت اس نے خاموشی اختیار کر لی۔

نواب عزیز الدین نے اس طرف چلنے کا فیصلہ کیا اور نواب تمیز الدین بھی ان کے ساتھ چل پڑے۔ ان کے پیچھے پیچھے باقی افراد بھی تھے۔ ملازم ڈنڈے اور لاٹھیاں اُٹھا لائے تھے۔ اور چور کے استقبال کی تیاریاں مکمل تھیں۔

راستے میں دفعتاً نواب عزیز الدین کو ہی کچھ خیال آ گیا تھا اور

انہوں نے نواب تمیز الدین کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"تمیز الدین کہیں وہ نہ ہو۔"

"کون۔"؟

"جہانگیر۔" نواب عزیز الدین نے کہا اور نواب تمیز الدین اچھل پڑے۔

"ارے ہاں اسی بات کا امکان ہے، مگر اسے بند کس نے کیا۔"؟

"پتہ نہیں کم بخت نجانے کیا کچھ کرتا پھر رہا ہے، آیئے دیکھیں۔" نواب تمیز الدین نے کہا۔ دروازہ کھلا اور عالم پناہ باہر نکل آئے لیکن صورت حال یہ تھی جیسے آنکھوں سے اندھے ہو چکے ہوں، لباس پسینے سے شرابور تھا اور پسینہ تلووں سے بہہ رہا تھا، بال لٹکے ہوئے تھے، ساری پہلوانی دھری رہ گئی تھی، بری حالت تھی، باہر نکلے اور سب کو نظر انداز کرتے ہوئے سیدھے چلے گئے، جیسے مارچ کر رہے

ہوں، لیکن چند ہی ساعت کے بعد ان کی گدی نواب تمیز الدین کے ہاتھوں میں تھی، لیکن نواب صاحب کی گرفت پر بھی انہوں نے پلٹ کر نہیں دیکھا، البتہ ہاتھ لٹکائے خاموش کھڑے ہو گئے تھے۔

"کیا مصیبت نازل ہو گئی ہے تم پر۔" نواب تمیز الدین غصیلے لہجے میں بولے۔

"کچھ نہیں بخیریت ہوں اور آپ کی خیریت خداوند قدوس سے نیک مطلوب ہوں۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"اسٹور میں کیوں گھس گئے تھے۔"

"قسمت نے دھکا دے دیا تھا۔" جہانگیر عالم پناہ گہری سانس لے کر بولے۔

"اور دروازہ بھی قسمت ہی بند کر گئی ہو گی باہر سے۔ کیوں۔"؟ تمیز الدین خان نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"اب یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ قسمت کیا کیا کر سکتی ہے، لیکن جو کچھ کر چکی ہے میرا خیال ہے وہ بہت کافی ہے، میں بھوک پیاس سے نڈھال ہوں، اگر آپ لوگ مجھے کھانا دے سکیں تو میں تا زندگی شکر گزار ہوں گا۔" جہانگیر عالم پناہ پر اس وقت نجانے کیسا موڈ طاری تھا۔ نواب عزیز الدین خان کو ان پر رحم آ گیا۔

"بس بھئی تمیز الدین رہنے دو، باقی باتیں پھر بعد میں کر لیں گے۔ چلو تم لوگ لے جاؤ ان کو، کھانا وانا کھلاؤ اور سنو کوئی شرارت نہ ہو۔ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہی ہونا چاہیے۔" نواب عزیز الدین نے کہا اور جہانگیر عالم پناہ کو نوجوانوں کے حوالے کر کے تمیز الدین کو لے کر چلے گئے۔ جو شیطان صفت تھے، اور عالم پناہ کی اس حالت پر ان کے پیٹوں میں کھلبلی مچ کر رہ گئی تھی۔

لیکن صفدر کو اپنی انتہا پسندی پر افسوس ہو رہا تھا اسے یہ اندازہ نہیں

تھا کہ عالم پناہ کی حالت اس قدر خراب ہو جائے گی، اس لئے تھوڑی دیر کے لئے ان لوگوں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ عالم پناہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی اور انہیں تسلی و تشفی سے کھانا کھلایا جائے گا۔

صفدر انہیں لے کر اپنے کمرے میں آ گیا تھا، تمام لوگ عالم پناہ کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے، جیسے کسی پاگل کے پیچھے بچے لگے ہوتے ہیں۔ عالم پناہ کو اطمینان سے بٹھایا گیا صفدر نے از راہِ ہمدردی انہیں پیش کش کی، کہ پہلے وہ غسل خانے میں جا کر غسل کرلیں، اس کے بعد کھانا کھائیں، عالم پناہ نے نقاہت بھرے لہجے میں کہا، ”بھائیوں میں نے آپ کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں کی، اگر میری زندگی چاہتے ہو تو پہلے مجھے کھانا کھلا دو۔ ورنہ یہ غسل، غسلِ میت ہی ثابت ہوگا میرے لئے۔“

”ارے نہیں نہیں عالم پناہ ابھی تو ایک عالم کو آپ کی ضرورت

ہے۔ٹھیک ہے آپ کی مرضی لیکن ذرا منہ ہاتھ تو دھو لیجئے ،ارے بھئی جلدی سے کھانے کا بندوبست کرو۔" صفدر نے کہا۔

کھانے کے لئے پہلے ہی ملازموں کو دوڑا دیا گیا تھا۔عالم پناہ نے بمشکل تمام غسل خانے کی طرف قدم بڑھائے دروازے سے اندر گئے اور پھر ایک دم باہر نکل آئے ،باہر آ کر انہوں نے سب کو باری باری گھورا اور سب حیرت سے ان کی صورت دیکھنے لگے۔

"اب کیا ہوا ظل اللہ۔" صفدر نے پوچھا۔

"دروازہ تو بند نہیں کرو گے۔" عالم پناہ نے سوال کیا اور کمرے میں چھت پھاڑنے والے قہقہے گونجنے لگے۔لیکن صفدر سنجیدہ تھا۔

"کیوں دروازہ کیوں بند کروں گا،آپ کو یہ خیال کیوں پیدا ہوا۔"؟

"بس تقدیر کا مارا ہوں،نجانے کیسے کیسے خیالات ذہن میں آتے

رہتے ہیں۔"

"اچھا اچھا اب جائیں اور منہ ہاتھ دھو کر واپس آئیں کھانا آرہا ہے، صفدر نے کہا اور عالم پناہ غسل خانے کی طرف بڑھ گئے پھر ایک قدم دہلیز پر اور دوسرا قدم اندر رکھتے ہوئے بولے۔

"دیکھو دروازہ مت بند کرنا، ورنہ اس غسل خانے سے میری لاش برآمد ہوگی۔" "آپ اطمینان سے چہرہ دھوئیے، بھوت لگ رہے ہیں بالکل، اس وقت تو کوئی کسر نہیں رہ گئی ہے، جائیے جائیے ہم آپ کے دشمن تھوڑی ہیں۔" صفدر نے کہا اور عالم پناہ کسی قدر مطمئن ہو کر اندر چلے گئے۔ انہوں نے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے، تولیہ سے چہرہ صاف کیا اور باہر نکل آئے۔

کھانا آچکا تھا اور میز پر لگا ہوا تھا۔ عالم پناہ سب کچھ بھول گئے اور کھانے پر ٹوٹ پڑے۔ کھانا کافی تعداد میں تھا۔ (جاری ہے)

بانگڑو
(قسط نمبر۵)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

لیکن انہوں نے اس وقت تک دم نہیں لیا جب تک کھانے کی ایک ایک پلیٹ صاف نہ کر دی۔

"کچھ اور منگوایا جائے عالم پناہ۔" صفدر نے پوچھا۔

"نہیں، اللہ کا شکر ہے پیٹ بھر گیا۔" عالم پناہ پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے اور پھر وہ ایک آرام کرسی میں دھنس گئے تب صفدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی تو آپ پر کیا گزری، ذرا یہ تو فرمائیں۔"؟

"میں تو فرمادوں گا، عالم پناہ نے صفدر کو گھورتے ہوئے کہا۔ لیکن آپ یہ بتایئے کہ مجھے بند کرنے کے بعد آپ کہاں فرار ہو گئے تھے۔"

"کیا مطلب۔ کیا میں وہاں کھڑا رہتا، چوکیداری کرتا آپ کی۔" صفدر نے پوچھا۔

’’نن نہیں مم مگر دروازہ کھول کر میری خیریت تو پوچھ لیتے۔ کچھ پانی وغیرہ۔‘‘

’’عالم پناہ آپ ہی نے تو کہا تھا کہ میری مدد کرو، آپ اتنے خوفزدہ تھے کہ میں سمجھا آپ کے پیچھے کوئی دشمن لگا ہوا ہے، آپ کو قتل کر دینا چاہتا ہے، میں نے فوراً جا کر شیکی کو چیک کیا، لیکن شیکی پُر سکون بیٹھا ہوا تھا، جس سے میں نے فوراً یہ اندازہ لگا لیا کہ آپ کا قاتل شیکی نہیں ہو سکتا، اس کے بعد بھی آپ میرا صبر اور حوصلہ دیکھئے کہ میں نے سارا دن انتظار کیا، حالانکہ میرے دل میں یہ شدید خواہش مچل رہی تھی کہ معلوم تو کروں آپ پر کیا افتاد آ پڑی ہے، لیکن آپ ہی کی حفاظت کی خاطر میں اس اسٹور سے دور دور رہا، صرف اس لئے کہ آپ وہاں چھپے ہوئے ہیں اور آپ مجھے اپنا دشمن قرار دے رہے ہیں۔‘‘ صفدر نے کہا۔ اور عالم پناہ کے چہرے پر کسی قدر جھینپ

جھینپے سے تاثرات نظر آئے، غالباً بات ان کی سمجھ میں آ گئی تھی۔ تب انہوں نے شکر گزار نگاہوں سے صفدر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ بات ہے تو میں آپ کا شکر گزار ہوں۔"

"چلئے کوئی بات نہیں ہے، مگر اب تو فرما دیجئے کہ آپ پر کیا قیامت ٹوٹی تھی۔"؟

"بس میں نے کہا نا تقدیر کا مارا ہوں، عشق کا ستایا ہوا ہوں، ظالم زمانے نے زندگی کو تاریک رات بنا دیا ہے اور میں اس تاریکی میں سفر کر رہا ہوں آوارہ بادلوں کی طرح جو ستاروں کو اپنے جلوے میں لے کر چلتے ہیں اور کوئی منزل نہیں پاتے۔" عالم پناہ نے سنجیدگی سے کہا۔

"ارے اچانک یہ آپ پھر پٹری سے اتر گئے۔" صفدر نے کہا۔

"نہیں صفدر بھائی پٹری سے نہیں اترا بلکہ زندگی سے عاجز آ گیا

ہوں۔" عالم پناہ نے اداس لہجے میں کہا۔

"ماشاءاللہ یہ تو بڑی مسرت کی بات ہے۔" صفدر نے گردن ہلا کر کہا، شیکی ایک کونے میں بیٹھا ہوا خاموشی سے یہ تمام گفتگو سن رہا تھا، کوئی بھی اس کی جانب متوجہ نہیں تھا۔ لیکن دفعتاً شیکی لوگوں کے درمیان سے اُٹھ کر عالم پناہ کے قریب پہنچ گیا۔

"نہیں جہانگیر میں تمہیں نہیں مرنے دوں گا، میں۔ میں تمہاری زندگی کا خواہاں ہوں، انسان کو اگر زندگی میں ایک دشمن بھی مہیا نہ ہو تو تو اسے مر جانا چاہئے۔"

"لیجئے اب یہ بھائی شیکی بھی مرنے کا انتظام کر رہے ہیں ٹھیک ہے بھائی اگر تم دونوں ہی مرنے پر راضی ہو تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" کسی نے کہا اور قہقہے پھر گونجنے لگے۔

"سنو سنو بات سنو۔"

"شیکی تم کیوں عالم پناہ کو بور کر رہے ہو، ذرا سن تو لیں کہ مسئلہ کیا تھا۔"

"مسئلہ آپ لوگ مزید سنیں گے، اگر نہ سنیں تو کیا ہے۔"

"اگر آپ ہمیں اپنا دشمن سمجھتے ہیں جہانگیر صاحب تو رہنے دیں کوئی حرج نہیں ہے، آئندہ ہم آپ سے بات بھی نہیں کریں گے۔"

"نہیں نہیں آپ سب کہیں نہ کہیں میرے عزیز ہوتے ہیں، دشمن تو آپ میں سے کوئی بھی نہیں ہے، پر وہ دشمنِ جاں، دشمنِ جاں ضرور ہے۔" عالم پناہ نے سرد آہیں بھرتے ہوئے کہا۔

"نوشاب کی بات کر رہے ہیں۔" صفدر نے پوچھا۔

"ارے نہیں بھائی، رقیبِ روسیاہ کی بات کر رہا ہوں لیکن اب تو رقیبِ روسیاہ بھی نہیں ہوتے بلکہ ان کے چہرے تو بہت سرخ و سفید ہوتے ہیں۔"

"ہوں تو یہ اشارہ سہیل بھائی کی طرف ہے۔" ناز کہنے لگی۔

"کیا خیال ہے عالم پناہ، کیا آپ نے رقیب روسیاہ سہیل بھائی کو کہا ہے۔"

"کتنے احترام سے اس کا نام لے رہے ہو، وہ جو میرا دل جلانے کا باعث ہے۔" عالم پناہ نے شکایتی انداز میں کہا۔

"ارے ہاں یہ سہیل بھائی بھی بس یونہی سے ہیں، خوامخواہ اتنے اچھے آدمی کو زندگی سے محروم کیئے دے رہے ہیں، آپ ہمیں بتائیے عالم پناہ ہم آپ کی کیا مدد کر سکتے ہیں۔"

"میں جانتا ہوں، اچھی طرح جانتا ہوں، تم میں سے کوئی بھی میری مدد نہیں کر سکتا۔"

"وہ کیسے۔"؟

"بس آپ سب بھی ان ہی کے ہمنوا ہیں، میرے لئے تو منہ

دیکھے کی باتیں کررہے ہیں آپ۔ آپ لوگ اس کے ساتھ رہتے ہیں جب کہ ہم تو دو دن کے مہمان آئے ہیں چلے جائیں گے، آپ کو ان کا ساتھ دینا ہے چنانچہ آپ ہماری مدد کیوں کریں گے۔"

"نہیں نہیں آپ بالکل بے فکر رہیں۔ ہم آپ کی پوری پوری مدد کریں گے مگر مسئلہ کیا ہے۔"

"مسئلہ نمبر ایک تو آپ لوگ بہتر طور پر جانتے ہیں یعنی وہ یعنی جو دشمنِ دین وایمان ہے، میرا مطلب ہے جس نے مجھ سے میری زندگی چھین لی ہے، جس کی تصویر دن رات میری آنکھوں میں بسی رہتی ہے، اور جس کے خواب میں سوتے جاگتے دیکھتا رہتا ہوں۔ کاش میں اس دنیا میں نہ آیا ہوتا۔ کاش۔ کاش۔!"

"شاعری کررہے ہیں آپ۔!" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں آزاد شاعری معلوم ہوتی ہے۔"

''اوہو تو پھر ان ٹکڑوں کو جوڑنے کی بجائے اوپر نیچے کر کے پڑھنا پڑے گا۔'' کسی دوسرے نے لقمہ دیا اور عالم پناہ ہاتھ اُٹھا کر بولے۔

''للہ مذاق نہ اڑایئے، کچھ دل جوئی فرمایئے، ہم عشق کے ستائے ہوئے ہیں، زندگی سے بے زار ہیں اور آپ مذاق فرما رہے ہیں۔'' عالم پناہ نے نہایت ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جب تک آپ اصل بات نہیں بتائیں گے عالم پناہ سب لوگ یونہی مذاق کرتے رہیں گے۔''

''خیر اب تو جان ہتھیلی پر رکھ ہی لی ہے۔''

''اچھا۔۔۔'' صفدر بولا۔

''جی ہاں میں آپ کے سہیل بھائی کی بات کر رہا ہوں، ہم افریقہ میں اچھی خاصی زندگی گزار رہے تھے کہ پھوپھا میاں کو یہاں آنے کی سوجھی، خود آ جاتے تو کوئی حرج نہ تھا، نوشاب کو بھی ساتھ

لے آئے اور جب روح علیحدہ ہو جائے تو جسم الگ رہ کر کیا کرے گا، سو ہم روح کے پیچھے پیچھے لگے آئے۔"

"کیا مطلب۔۔۔کیا نوشاب مر چکی ہے۔!" کسی نے کہا اور شکی پھسل پڑا۔۔۔اس نے اپنی دلربا اٹھالی تھی۔

"کس نے کہے یہ الفاظ، کس نے کہے۔۔۔آج میں دلربا کے سارے تار اس کے سر پر توڑ دوں گا، کس نے کہے یہ الفاظ، جلدی بتاؤ مجھے کس نے کہے نوشاب کے بارے میں یہ نازیبا الفاظ۔" شکی چلاتا رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تب صفدر نے شکی کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"بیٹھ جائیے شکی صاحب بیٹھ جائیے، خوانخواہ دلربا ٹوٹ جائے گی۔"

"سوری، میں نے خوانخواہ دلربا کا نام لے دیا تھا سر پھوڑنے کے

لئے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔" شیکی نے جلدی سے دلربا کو پیچھے کر لیا تھا۔

"عالم پناہ کو کہنے دیجئے۔"

"آپ لوگ ہمارا مذاق نہ اُڑائیں۔ میرا مقصد یہی تھا کہ نوشاب میری زندگی ہے۔"

"دیکھو عالم پناہ برسرِ عام تم یہ باتیں کھلے الفاظ میں نہیں کہہ سکتے، اس طرح معاہدے کی خلاف ورزی ہو جاتی ہے۔"

"کچھ بھی ہو شیکی، لیکن جو بات میرے دل میں ہے وہ میں ضرور کہوں گا۔ واقعی نوشاب میرے لئے روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ میں بدن ہوں، وہ روح ہے، میں جسم ہوں وہ جان ہے۔ اور جب میری جان یہاں چلی آئی تو پھر میں بھلا اس کالے کلوٹے افریقہ میں کس طرح رہ سکتا تھا۔ لیکن یہاں آکر ایک دشمن ہمارے راستے میں

آ گیا۔ نوشاب جھیل کی جانب مائل ہے اور ہمیں یہ بات بالکل پسند نہیں کہ جس بُت کو ہم عرصہ دراز سے پوجتے چلے آرہے ہیں وہ کسی اور کا ہو جائے۔"

"اچھا اچھا آگے بڑھیئے، پھر کیا ہوا۔!"

"بس پھر کیا ہونا تھا، اس دن جھیل کے کنارے آپ نے دیکھ ہی لیا ہوگا جس وقت ہم پانی میں۔۔۔ پانی میں اُتر گئے تھے۔" عالم پناہ نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

"غالباً خودکشی کرنے گئے تھے آپ۔!"

"یہی سمجھ لیں۔۔۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ اس جھیل سے نہ نکلیں، مم۔ مگر پانی بہت ٹھنڈا تھا۔ لیکن اس کے باوجود اگر آپ لوگ ہمیں نہ بچاتے تو ہم کبھی بھی پانی سے باہر نہ آتے، ہمیشہ کے لئے وہیں رہ جاتے۔" عالم پناہ نے نہایت سنجیدگی سے کہا اور ایک بار پھر

کھی کھی کی آوازیں کمرے میں بلند ہوگئیں۔ عالم پناہ نے دونوں
ہاتھ اُٹھائے اور سنجیدگی سے بولے۔
"اس کے بعد ہم نے فیصلہ کیا کہ اس سلسلے میں کچھ ہونا چاہیے
اور آج یہی سب کچھ کرنے کے لئے ہم سر پر کفن باندھ کر گئے تھے۔"
"کہاں۔۔۔"؟ کسی نے پوچھ لیا۔
"بڑے پھوپھا میاں کے کمرے میں۔"
"اوہو یعنی نواب عزیز الدین صاحب کے کمرے میں۔"
"ہاں۔"
"آپ وہاں کیوں گئے تھے۔"
"اس لئے کہ اشاروں کنایوں میں انہیں صحیح صورتِ حال
سمجھا دیں، آپ جانتے ہیں کہ ہم کلاسیک کے عاشق ہیں، ہم نے
سوچا کہ ہم ایسے اشارے اختراع کریں جس سے پھوپھا میاں سب

کچھ سمجھ جائیں اور اس کے بعد جو وہ ہم سے اس موضوع پر سوالات
کریں تو ہم نہایت سعادت مندی سے انہیں بتا دیں کہ سہیل اور
نوشاب کا ملاپ ہمیں پسند نہیں۔ وہ دونوں سراب کے پیچھے دوڑ رہے
ہیں۔ روکیئے پھوپھا میاں۔ خدا کے واسطے انہیں روکیئے۔ ہم یہ سب
کچھ ان سے کہنا چاہتے تھے لیکن اتنے چھوٹے تھے کہ ہم ان کے
سامنے زبان نہ کھول سکے، چنانچہ ہم نے کتھک اور منی پوری کے انداز
میں اپنا کام شروع کر دیا، یعنی پہلے ہم نے ایک حسین لڑکی کا پوز
بنایا اور بڑے پھوپھا میاں کو یہ تاثر دینے لگے کہ ہم کسی لڑکی کا تذکرہ
کر رہے ہیں اور جب ہم نے اس لڑکی کے سراپا کا نقشہ کھینچا تو ہمیں
یقین تھا کہ بڑے پھوپھا میاں فوراً سمجھ جائیں گے کہ وہ نوشاب
ہے۔ یہ نقشہ کھینچنے کے بعد بڑے پھوپھا میاں کی شکل بنائی کہ ان کی
عزت خطرے میں پڑ جائے گی، یہ خاندان بدنام ہو جائے گا، سب

رسوا ہو جائیں گے۔ مگر بڑے پھوپھا پر نجانے اللہ کی کیا مار تھی وہ پہلے تو مسہری پر اُٹھ کر بیٹھ گئے، پھر جوتا ہاتھ میں اُٹھالیا اور پھر کمرے کے دروازے کی طرف بھاگنے کی سوچنے لگے۔ ہم نے انہیں روکا، ہم چاہتے تھے کہ وہ اشاروں کی زبان سمجھ جائیں، مگر بات بگڑ گئی وہ زور زور سے چیخنے لگے اور چھوٹے پھوپھا میاں وہاں پہنچ گئے۔ بس اس کے بعد ہماری جو دُرگت ہوئی وہ دیکھنے کے قابل تھی ہم بمشکل تمام وہاں سے جان بچا کر بھاگے۔ تو صفدر بھائی کے پاس پہنچ گئے۔ بلا شبہ صفدر بھائی نے ہمدردی کی، ہمیں اسٹور میں چھپا دیا۔ لیکن افسوس اس کے بعد یہ ہمیں بھول گئے۔ جو کچھ بھی گزری ہے ہمیں اس کا رنج نہیں ہے لیکن صاحبو ہم اپنے مقدمے کا فیصلہ چاہتے ہیں، اب ہم آپ کی عدالت میں پیش ہیں بتایئے اب ہم کیا کریں۔" عالم پناہ نے کہا اور قہقہوں کا طوفان کمرے میں گونج اُٹھا۔

عالم پناہ ہکا بکا ایک ایک آدمی کی شکل دیکھ رہے تھے پھر وہ گلوگیر آواز میں بولے۔

"گویا یہ قہقہے ہمارے درد کا درماں بنیں گے۔!"

"نہیں نہیں عالم پناہ ایسی کوئی بات نہیں ہے، ہماری جان آپ پر نثار، ہم آپ پر اپنی زندگیاں قربان کردیں گے، ہیل بھائی کی بھلا کیا مجال کہ نوشاب کی طرف متوجہ ہوں سکیں۔نوشاب آپ کی ہے صرف آپ کی۔۔۔"

اسی وقت دلربا کے تاروں کی ٹھن ٹھنانے کی آواز سنائی دی اور شیکی سینہ تان کر میدان میں کود آیا۔

"ہرگز نہیں جب تک میں زندہ ہوں، نوشاب کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کن لہجے میں یہ بات نہیں کہہ سکتا۔ہمارے درمیان تصفیہ باقی ہے، تصفیہ ہوگا اور اس کے بعد ہی کوئی صحیح صورتِ حال نکل

سکتی ہے۔"

"یار تم تو بس خاموش ہی ہو جاؤ۔ اچھی خاصی ڈول لڑنے گئے تھے، کہنے لگے سُر کی مار ماروں گا۔"

"سُر کی مار جوتے کی مار سے بھی بُری ہوتی ہے۔" شکیل نے دلربا کے تار چھیڑتے ہوئے کہا۔

"بے شک، بے شک لیکن اس مار کو صرف تم سمجھتے ہو اور کوئی نہیں سمجھتا۔ یہ الگ بات ہے کہ جہانگیر بے سُرا آدمی ہے، اسے سُر کی کوئی سمجھ نہیں ہے۔"

"ہاں ہاں بالکل، دے دو ایک تان پورہ جہانگیر کو اور ایک میرے ہاتھ میں دے دو۔ درمیان میں رکھو گلاس۔ پھر دیکھنا کس کے تاروں سے گلاس ٹوٹ جاتا ہے۔"

"اوہو، گلاس کے پیسے کون دے گا۔"؟ صفدر نے دانت نکال کر

کہا۔لڑکے اورلڑکیاں ہنستے ہنستے بے حال ہوئے جارہے تھے لیکن عالم پناہ کوشاید اس بات میں دلچسپی محسوس ہوئی۔انہوں نے شیکی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے ارے آج تو کلاسیکل باتیں کررہا ہے کیا واقعی تو مجھ سے مقابلہ کرے گا۔"

"ہاں لیکن سُر کا مقابلہ۔۔۔"شیکی نے کہا۔

"ہاں ہاں۔لیکن یہ مقابلہ ہوگا کیسے۔"؟عالم پناہ نے پوچھا۔

"میں اپنا ستار لے کرایک سمت بیٹھوں گا،تم دوسری سمت،اور ہم لوگ سُر کی جنگ لڑیں گے۔منظور ہے۔"؟

"ہاں منظور ہے۔میں تو بس اس بے جا ناچ رنگ سے گھبراتا ہوں،رمبھا سمبھا،ڈسکو یہ گانے ہیں چاچالعنت ہے ان گانوں پرکوئی شریف آدمی انہیں پسند کرسکتا ہے،ہونہہ،اب تم نے بات کی پُروقار

جنگ کی تو ٹھیک ہے۔ میں اس مقابلے کے لئے دل و جان سے تیار ہوں۔''

''عالم پناہ سوچ لو اچھی طرح اس بار تمہاری شامت آ گئی۔'' شیکی نے آنکھیں نکال کر کہا۔

''ہاں ہاں سوچ لیا، میں تم سے سُر کی جنگ اس طرح جیت لوں گا جس طرح فری اسٹائل۔''

''مجھے تمہارا چیلنج قبول ہے۔'' شیکی نے کہا اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔۔۔ نوجوانوں کو پھر ایک مقابلہ ہاتھ آ گیا تھا، اب صفدر نے کہا۔

''ٹھیک ہے تان پورہ کا بندوبست میں کروں گا، اس سارے مقابلے کا سارا انتظام ہم لوگ کریں گے اس کے بعد فیصلہ جو بھی ہو۔''

"بالکل ٹھیک ہے۔" عالم پناہ نے کہا اور پھر ایک دم نڈھال ہو گئے۔ "یہ فیصلہ تو ہو گیا وہ بڑا فیصلہ بھی تو کرو۔"

"بڑے فیصلے کے سلسلے میں ہمارے تمہارے درمیان جو معاہدہ ہے اسی پر عمل ہو گا۔" شیکی نے نتھنے پھلا کر کہا۔

"کیا مطلب۔"؟

"جو کام تم نہ کر سکے وہ میں کروں گا۔"

"کیا مطلب۔"؟ عالم پناہ نے بدستور اسی انداز میں کہا۔

"بڑے پھوپھا میاں کو تم نے اپنے طور پر سمجھانے کی کوشش کی تھی، اور وہ تمہیں پاگل سمجھ بیٹھے، اسی سے تم اندازہ لگا لو کہ تم کس قدر ناکارہ انسان ہو۔ جب کہ یہ کام میں بہتر طور سے کر سکتا ہوں۔ اور یقین کرو چٹکی بجا کر کر سکتا تھا۔"

"آپ۔!" صفدر، شا اور ناز نے بیک وقت پوچھا۔

''ہاں میں۔ دراصل لوگ میری صلاحیتوں سے واقف نہیں ہیں ابھی وقت چاہیئے۔ میں وہ ہوں جو ستاروں پر کمند ڈال دیتے ہیں جو کام حضرت جہانگیر عالم پناہ نہ کر سکے، آپ کا یہ خادم شفیع الدین شیکی بخوبی اسے انجام دے گا۔'' شیکی نے کہا اور تمام لوگ قہقہے لگانے لگے۔

☆

سیٹھ ابراہیم روئی والا کے بارے میں پوری رپورٹ سہیل کو دے دی گئی تھی۔ اور بظاہر مسز درانی کے پاس اور کوئی کام نہیں تھا۔ لیکن اس کا ذہن ہر وقت سہیل کے بارے میں اُلجھا رہتا تھا۔

سہیل اگر اتفاقیہ طور پر اپنی اصل حیثیت میں اس سے ملا ہوتا تو شاید مسز درانی اس شدید کیفیت کا شکار نہ ہوتی لیکن بدبختی تو یہی تھی کہ سہیل خود اس کی دریافت تھی۔ یعنی اس نے خود کوشش کرکے سہیل

کوشش میں اُتارا تھا۔اور اِس مقصد کے تحت سہیل اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کے شکار کے سلسلے میں اس کا معاون ثابت ہوگا۔

اِس کا حُسن اور خوبصورتی لڑکیوں پر جس طرح اثر انداز ہوتا تھا اِسے مسز درانی نے بخوبی محسوس کرلیا تھا۔وہ خود بھی گھاگ عورت تھی۔اور مارکیٹ میں رکھی ہوئی مختلف اشیاء کی قیمت سے اچھی طرح واقف رہتی تھی،وہ جانتی تھی کہ امیر خاندانوں کی ماڈرن لڑکیاں سہیل جیسے لڑکے تلاش کرتی رہتی ہیں،اور اِن کے کلب اور ہوٹل جوائن کرنے کا بڑا مقصد یہی ہوتا ہے۔یہی کچھ سوچ کر اُس نے سہیل کے بارے میں اپنے ذہن میں ایک عمدہ پروگرام ترتیب دیا تھا۔لیکن بس تقدیر کو یہ سب کچھ دکھانا تھا۔

سہیل اس سے بڑا گھاگ تھا۔اوراب مسز درانی سہیل کے چنگل میں کسی مکھی کی طرح پھنس گئی تھی۔اِس کی شخصیت پر غور کرتی تو اسے

غصہ آنے لگتا۔ ایک معمولی سا نوجوان جو خود کو نجانے کیا سمجھتا ہے۔

لیکن جب گزرے ہوئے حالات پر غور کرتی تو وہ نوجوان اسے معمولی نظر نہیں آتا تھا۔ جتنا غور و خوض کرتی اُلجھتی چلی جاتی۔ اِس کی شخصیت کے کتنے روپ ہیں یہ بات مسز درانی کی سمجھ میں آج تک نہیں آ سکی تھی۔ بے شمار خطرناک لوگ جس میں گرینگو جیسی شخصیت بھی شامل تھی، سہیل کے سامنے گھٹنے ٹیک چکے تھے، آخر کیوں۔؟

آخر کون سی خوبی ہے اس میں، اس کی شخصیت میں کیا پوشیدہ ہے، اور اب وہ مسز درانی کو اُنگلیوں پر نچا رہا تھا۔ بھلا بُری زندگی میں داخل ہونے کے بعد کسی کا آلہء کار بن کر رہنا کہاں کی دانش مندی ہے۔ لیکن وہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ ملک کے کسی گوشے میں وہ سہیل کی دسترس سے دور جا سکتی ہے، یہاں سے بھاگنے میں اسے کامیابی حاصل ہو سکے گی یا نہیں، ہر وقت اس کا ذہن سہیل ہی میں ڈوبا رہتا

تھا۔

چشم تصور میں وہ سہیل کی گردن نرخرے کے پاس سے کٹی ہوئی دیکھتی، جس سے گاڑھا گاڑھا سُرخ خون بہہ رہا ہوتا، لیکن جب تصور کی دنیا سے واپس لوٹتی تو اسے بے حد خوف محسوس ہوتا کہ کہیں اس کے خیالات سہیل نے پڑھ تو نہیں لئے۔

سہیل نے کہاں کہاں اسے زچ نہیں کیا تھا وہ خود بھی حُسن پرست عورت تھی ایک عورت کی حیثیت سے اس نے سہیل کے بارے میں بہت کچھ سوچا تھا، کم بخت اگر اسے اپنے ماتحتوں میں کوئی خاص مقام ہی دے دیتا تو شاید دل کی خلش اس قدر شدید نہ ہوتی۔ لیکن اس کی کیا حیثیت تھی وہ تو معمولی درجے کی آلہ کار بن کر رہ گئی تھی اور یہ بات مسز درانی کو کسی طرح ہضم نہیں ہو رہی تھی۔ بعض اوقات جھنجھلاہٹ میں وہ جان کی بازی لگانے پر تیار ہو جاتی۔ سوچتی کہ وہ

پستول لے کر جائے گی اور سہیل کا سامنا ہوتے ہی پستول اس پر خالی کر دے گی۔ لیکن جب وہ حقیقت کی دنیا میں آتی تو اسے محسوس ہوتا کہ یہ فعل اس کے بس کا نہیں ہے۔ اِسی ذہنی بحران کا شکار تھی۔ اِن دنوں وہ، کہ درمیان میں سمارا آ کودی۔

خوبصورت شہزادی جو عمر میں سہیل سے کہیں زیادہ تھی، بڑے چرچے ہو رہے تھے اس کے ان دنوں، خاص طور سے جرائم پیشہ افراد کے درمیان، دادل وغیرہ بھی، شہزادی سمارا کے بارے میں اس سے تذکرہ کر چکے تھے۔

”آپ کو معلوم ہے مسز درانی کہ سمارا کس ریاست کی شہزادی ہے۔“

”ہاں مل چکی ہوں اس سے۔“

”او ہو کسی خاص مسئلے میں۔“ دادل نے پوچھا۔

''یہی سمجھ لو۔'' مسز درانی بے زاری سے بولی۔

''لیکن مسئلہ کیا ہے مسز درانی۔''

''مسئلہ۔ مسئلہ تو اس شیطان کو معلوم ہوگا۔'' مسز درانی دانت پیس کر بولی۔

''کس شیطان کی بات کر رہی ہیں آپ۔''

''سہیل کی اور کس کی۔''

''اوہو مسز درانی سوچ سمجھ کر۔۔۔'' داول نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہونہہ، ٹھیک تو کہہ رہی ہوں میں، شیطان کا روپ اس سے مختلف ہو سکتا ہے۔'' مسز درانی بدستور تیز لہجے میں بولی اور داول کے چہرے پر خوف کے آثار پھیل گئے۔

''نہیں مسز درانی، براہِ کرم نہیں، اِس کی غیر موجودگی میں بھی اس

کے بارے میں ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ یوں لگتا ہے جیسے وہ کوئی بدروح ہو جو ہر وقت ہمارے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہے۔''

''بزدل ہو تم لوگ، قطعی ناکارہ، میں تو عورت ہوں لیکن مجھے افسوس ہے کہ تم میں بھی کوئی مرد نہیں ہے۔''

''خدا کے لئے مسز درانی، خدا کے لئے آپ میرے ساتھ ایسی گفتگو نہ کریں، اِس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں اِن سے عشق کرتا ہوں یا ان کے عقیدت مندوں میں سے ہوں، بلکہ کہنا صرف یہ ہے کہ مجھے اپنی زندگی عزیز ہے، اور میں جانتا ہوں کہ کوئی بات ان سے چھپی نہیں رہتی۔'' دادل نے کہا۔

''ہوا ہن کر سوار ہو گیا ہے وہ تمہارے ذہنوں پر لعنت بھیجو اس پر، تم سمارا کی بات کر رہے تھے۔''

''ہاں میں شہزادی کی بات کر رہا تھا، آپ کو معلوم ہے تیئیس ۲۳

ہیرے ہیں اس کے پاس، قیمتی ترین ہیرے جنہیں وہ ایک بار ایک کلب میں نمائش کے لئے پیش کر چکی ہے، یہاں کے تین بڑے جوہریوں نے ان ہیروں کو دیکھا تھا اور ان کی مالیت لاکھوں پونڈ بتائی تھی۔ اس لحاظ سے شہزادی سمارا امیر ترین خاتون ہے، لیکن میرے ذہن میں صرف ایک بات ہے۔"

"کیا۔"؟ مسز درانی نے پوچھا۔

"کیا یہ ہیرے اس سے حاصل کرنے کے لئے آج تک کوئی کوشش نہیں کی گئی، یا ان ہیروں کی نمائش اس کی زندگی کے لئے خطرہ نہیں بن سکتی۔"

"خدا بہتر جانتا ہے، ویسے تمہیں یہ سن کر خوشی ہوگی کہ تمہارا بانگڑو اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔"

"کون۔"؟

”پھر وہی کون۔ میں کہتی ہوں کہ دنیا کا جو بدترین لفظ استعمال کیا جائے وہ صرف سہیل کے لئے ہی استعمال ہو سکتا ہے۔“

”اوہو تو کیا سہیل صاحب۔“

”ہاں۔“

”لیکن ان کی ملاقات کیسے ہوئی۔“

”گرین نائٹ کلب میں اس کی ملاقات سمارا سے ہو چکی ہے۔ اور وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ سمارا کتنی دولت مند عورت ہے۔ اور اسی لیے وہ اس کے پیچھے لگ گیا ہے۔ بلکہ ایک بات میں کہوں جو شاید تمہیں خوفزدہ نہیں کرے گی۔“

”وہ کیا مسز درانی۔“

”سہیل تقدیر کا دھنی ہے، مجھے یقین ہے وہ اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا خود کو سمجھتا یا پوز کرتا ہے، البتہ اس کی تقدیر خطرناک حد تک

اِس کا ساتھ دیتی ہے۔ شہزادی سمارا خود اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔ وہ اِس کی معصومیت اور شکل وصورت پر ریجھ گئی ہے۔"

"بہر صورت مسز درانی، آپ اس بات سے انکار تو نہیں کرسکتیں کہ سہیل صاحب ایک حسین اور خوبصورت شخصیت کے مالک ہیں۔" وادل نے کہا۔

"وادل ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔" مسز درانی نے وادل کی بات سُنی ان سُنی کر کے کہا۔

"کیا۔"؟

"سہیل کے بارے میں تمہیں بھی مکمل معلومات حاصل ہوں گی۔ وہ ایک دولت مند صنعتکار کا بیٹا ہے، نواب عزیز الدین خان ایک خاندانی آدمی ہے اور یقینی طور پر سماج اور معاشرے میں ایک اہم مقام رکھتا ہے، کیا سہیل کی اِن حرکتوں کا اِس کے باپ کو علم نہیں ہو

گا۔"

"اللہ بہتر جانتا ہے، مجھے کیا معلوم۔"

"دادل اگر اِس کے باپ کو اِس جانب متوجہ کر دیا جائے تو کیا خیال ہے۔"

"دیکھیے مسز درانی صاحبہ آپ پھر لائن سے ہٹنے لگیں میں نے کہا نا اِس کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہو سکتی، ممکن ہے یہ بات اس کے والدین کو بھی معلوم ہو، کیا کہا جا سکتا ہے کہ کس کی کیا سوچ ہے، سہیل جتنا خطرناک انسان ہے اس کے تحت کوئی بھی اِس کے راستے میں آنے کی کوشش نہیں کر سکتا۔" دادل نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے بس یونہی تذکرہ کر بیٹھی تھی، کیا خیال ہے کہیں گھومنے چلو گے۔"

"آپ۔ آپ کے ساتھ۔"

"کیوں، کیا حرج ہے، پسند نہیں کرتے۔"؟

"نہیں، یہ بات نہیں ہے مسز درانی، میرے اور آپ کے اسٹیٹس میں بڑا فرق ہے۔"

"کیا فرق ہے۔"؟

"آپ مجھ سے بہت بلند ہیں۔ میں تو ایک معمولی سا آدمی ہوں۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ تم ایک عمدہ سے لباس میں میرے ساتھ چلو اور سنو، ہم گرین نائٹ میں رقص بھی کریں گے۔" دادل تحیر آمیز نگاہوں سے مسز درانی کو دیکھنے لگا۔ دلکش اور بھرپور عورت تھی۔ لیکن جن حالات میں وہ دادل کو ملی تھی، ان کے تحت دادل جیسے لوگ اِس کی جانب بڑھنے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے، تاہم اب اس کی طرف سے دعوت ملی تھی۔ تو دادل کیسے ٹھکرا دیتا، چنانچہ وہ تیار ہو گیا تھا۔"

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں گرین نائٹ کلب کی جانب چل پڑے۔

دادل نے ایک عمدہ سوٹ پہنا تھا۔ یوں بھی تن و توش کا اچھا آدمی تھا، متناسب اعضا تھے، شکل و صورت بھی ٹھیک ہی تھی۔ سوٹ میں ملبوس ہو کر خاصا اچھا نظر آ رہا تھا۔

مسز درانی صرف اپنی ذہنی کیفیت کا شکار تھی، ورنہ عام حالات میں وہ دادل جیسے تیسرے درجے کے آدمی کو اتنی حیثیت نہ دیتی۔ لیکن صرف ایک خیال تھا اس کے ذہن میں، ممکن ہے سہیل گرین نائٹ کلب میں موجود ہو۔ اس خیال کی کوئی خاص وجہ نہیں تھی، بس شہزادی سمارا کا خیال تھا اِسے۔ پہلی بار اِن لوگوں کی ملاقات وہیں ہوئی تھی ممکن ہے دوسری ملاقات بھی وہیں طے ہو۔ اور جب وہ گرین نائٹ کلب پہنچی تو اِس کے خیال کی تصدیق ہو گئی۔

سہیل گرین نائٹ کلب میں موجود تھا شہزادی سمارا اس کے پہلو سے لگی بیٹھی تھی۔ اور دونوں بڑے ہی والہانہ انداز میں ایک دوسرے میں گم تھے اور سمارا کی ملازمائیں دور بیٹھی ہوئی تھیں۔

مسز درانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اس نے ویٹر کو بلا کر شراب طلب کر لی۔ اور شراب آنے پر اس کا گلاس منہ تک بھر لیا۔

دادل متحیرانہ نگاہوں سے اُسے دیکھ رہا تھا مسز درانی نے گلاس کی طرف ہاتھ بڑھایا تو دادل نے ہاتھ بڑھا کر اِسے روک دیا۔

''سادہ پئیں گی۔''

''ہاتھ ہٹاؤ۔'' مسز درانی نے کہا۔ اور دادل نے اپنا ہاتھ جلدی سے پیچھے کر لیا۔ پھر اس نے متحیرانہ نگاہوں سے مسز درانی کو گلاس خالی کرتے دیکھا تھا۔ اور یہ معمولی بات نہیں تھی۔ گلاس خالی کرنے کے بعد مسز درانی نے دوبارہ شراب گلاس میں بھر لی۔ دادل کو چکر آ

رہے تھے، اتنی زبردست پینے والی اِس نے آج تک نہیں دیکھی تھی۔

لیکن مسز درانی کا بدن اندر سے کھولتا جا رہا تھا۔ پھر جب رقص کے لئے موسیقی شروع ہوئی تو اِس نے دادل کا بازو پکڑ کر اُسے اُٹھا لیا۔

"آؤ دادل۔" اور دادل اس کے ساتھ چوبی فرش پر پہنچ گیا۔

سہیل کی نگاہ اِس پر پڑی تھی لیکن اِس نے مسز درانی پر کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی، البتہ اِس کے چہرے پر کچھ عجیب سے تاثرات نمودار ہو گئے تھے۔ لیکن دورانِ رقص اِس نے مسز درانی سے کچھ نہیں کہا۔

مسز درانی بڑی والہیت سے دادل کے سینے سے لگی رقص کرتی رہی۔

باغ کے ایک تنہا گوشے میں عالم پناہ اور شفیع الدین شیکی سر جھکائے بیٹھے ہوئے تھے، دونوں کے درمیان اس وقت بڑی مفاہمت نظر آ رہی تھی۔ عالم پناہ متفکرانہ انداز میں شیکی کو دیکھ رہے

تھے، پھر انہوں نے ایک طویل سانس لے کر شیکی سے کہا۔

"شیکی میرے دوست، اِس ملک میں آ کر تو ہم مزید پریشانیوں کا شکار ہو گئے۔ اِس سے بہتر تو یہ تھا کہ ہم افریقہ میں ہی رہتے۔"

"وہاں کیا کرتے۔" شیکی نے مظلومیت سے پوچھا۔

"کچھ بھی کرتے۔ کم از کم یہ نظارہ تو ہمیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو نہ ملتا۔"

نظارے سے کیا مراد ہے جہانگیر بھائی۔"

"اونہہ۔ عالم پناہ کہو، عالم پناہ۔"

"وہ کیوں۔"؟

"بھئی سمجھا کرو، مجھے یہ خالی جہانگیر کا لفظ پسند نہیں ہے۔"

جہانگیر عالم پناہ نے کسی قدر ناخوشگواری سے کہا۔ اور شیکی گردن ہلانے لگا۔

"عالم پناہ، عالم پناہ۔"

"تو کیا کہہ رہے تھے تم۔"؟ جہانگیر عالم پناہ بولے۔

"میں یہ کہہ رہا تھا کہ افریقہ میں رہ کر ہم کیا کرتے۔"؟

"اور آپ کسی نظارے کی بات کر رہے ہیں۔"

"یہاں آ کر نوشاب کی پاکیزگی اور معصومیت رخصت ہوگئی ہے، وہ نوجوان جو کسی طور شکل وصورت سے مرد معلوم ہی نہیں ہوتا۔ لڑکیوں کی طرح شرماتا ہے، لڑکیوں کی طرح لچکتا ہے اور ایسے ہی بات کرتا ہے۔ نوشاب کے دل ودماغ پر چھا گیا ہے۔ کم از کم افریقہ کے کالے بھجنگ نوجوان ہماری راہ کا پتھر تو نہیں تھے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"بات تو درست ہے عالم پناہ، مگر مسئلہ بھی عجیب ہے۔" شیکی بولا۔

"کیا۔"؟

"بس یہی کہ کسی طرح وہ قابو میں نہیں آتا۔"

"اس کے سوا اور کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی کہ بزرگوں کو اس صورتحال کے بارے میں بتا دیا جائے، اس سے پہلے کہ تمیز الدین خان کی عزت لٹ جائے، ہمیں دونوں بزرگوں کو ہوشیار کر دینا چاہئیے۔ خاص طور سے نواب عزیز الدین خان۔ میرا خیال ہے اِن کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ کیونکہ نوشاب اور تمیز الدین خان صاحب اِن کے مہمان ہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"بات تم ٹھیک کہتے ہو عالم پناہ، بہر صورت میں کوشش کر رہا ہوں میری کامیابی کی دُعا کرنا۔"

"ہاں ہاں، بے شک۔" عالم پناہ نے کہا اور جیب سے ایک ہار نکال لیا جو جیب میں رکھنے کی وجہ سے مسل گیا تھا۔ گلاب کے پھول

مرجھائے ہوئے جگہ جگہ لٹکے ہوئے تھے، انہوں نے وہ ہار شیکی کی گردن میں پہنا دیا۔

"یہ۔ یہ کیا۔"؟

"میری طرف سے نذرانہ عقیدت سمجھو، کب جا رہے ہو تو اب عزیز الدین خان صاحب کی طرف۔"

"بس اب سے ایک گھنٹے کے بعد، میں اُس وقت اُن کے پاس پہنچوں گا جس وقت وہ قیلولہ کر رہے ہوں گے۔"

"سوچ سمجھ لینا۔ کہیں وہ تمہیں بھی پاگل قرار نہ دے دیں۔ اور ہاں سنو، اگر صورتحال بگڑ جائے تو کم از کم اِس صفدر سے کبھی رابطہ قائم مت کرنا، بڑا ہی سیانا اور بدمعاش آدمی ہے، مجھے اسٹور میں بند کر دیا تھا، تم یقین کرو میرا کئی گیلن خون خشک ہو گیا ہو گا۔"

"کئی گیلن۔" شیکی نے کہا۔

"میاں محاورہ ہے۔ محاورہ بس سمجھ لو۔"

"کیوں کوئی خاص بات تھی اس اسٹور میں۔"؟

"ہاں، بہت ہی خاص بات۔ بس کیا بتاؤں۔"؟ عالم پناہ پریشان لہجے میں بولے۔

"کیوں؟ کیوں؟ مجھے بھی بتا دو۔ ممکن ہے کبھی میرا واسطہ اس اسٹور سے پڑ جائے۔"

"ارے بھول کر بھی مت جانا اُدھر چھپکلیاں ہیں یہ لمبی لمبی۔"

"چھپکلیاں۔"؟ شیکی اُچھل پڑا۔

پھر وہ اس طرح اُچھلنے لگا جیسے چھپکلیاں اس کے پیروں کے نیچے آ کر دب رہی ہوں۔ ہر بار اُچھلتے ہوئے دلربا کے تاروں پر ہاتھ پڑتے تھے۔ اور دلربا سے ٹنن ٹنن کی آوازیں نکلتی تھیں۔

عالم پناہ نے غصیلے انداز میں آگے بڑھ کر اس کا گریبان پکڑ لیا۔

"کیا چھپکلیاں تمہاری پتلون میں گھس گئی ہیں۔" عالم پناہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور شیکی اس تصور سے ہی لچکنے لگا۔

"خو۔خو۔خدا کی پناہ۔خدا کی پناہ عالم کی پناہ ایسی باتیں مت کرو عالم پناہ، ایسی باتیں مت کرو، چھپ، چھپکلیاں، ارے توبہ توبہ۔ لاحول ولاقوۃ۔"

"بھائی میں اسٹور میں چھپکلیوں کی بات کر رہا تھا، تو چھپکلیاں اپنے بدن پر رینگتی کیوں محسوس کر رہا ہے۔"

"ارے توبہ توبہ۔" شیکی پھر نیچے جھک گیا اور اس طرح لچکنے لگا جیسے چھپکلیاں اس کے بدن پر چڑھ کے گد گدیاں کر رہی ہوں۔

عالم پناہ نے اس کا گریبان پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے تب کہیں جا کر شیکی کے حواس درست ہوئے، وہ گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔

''دیکھو میری حالت کافی خراب ہو گئی ہے، اب مجھ سے کوئی ایسا دردناک بلکہ ہولناک واقعہ مت بیان کرنا۔''

''میں نے جو کچھ تمہیں بتانا تھا بتا دیا، جاؤ سدھارو، میرا خیال ہے قیلولے کا وقت ہو گیا ہے۔''

''ابھی نہیں میں ذرا چاروں طرف سے مستعد ہونے کے بعد جاؤں گا۔'' شیکی نے کہا اور عالم پناہ نے گردن ہلا دی۔

وہ دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے اور تھوڑی دیر کے بعد شیکی عالم پناہ سے جدا ہو کر ایک طرف چل پڑا۔ اِس کا رُخ نواب عزیز الدین خان کے کمرے کی جانب تھا، دلربا اِس کے گلے میں پڑی ہوئی تھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اِس نے ایک لمحے کے لئے پوز بنایا۔ پھر دندناتا ہوا کمرے میں داخل ہو گیا۔

نواب عزیز الدین خان کسی گہری سوچ میں غرق تھے صوفے پر

نیم دراز تھے۔شیکی کو اس طرح آتے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گئے۔

"ہوں،تو تمہارا ابھی دماغ چل گیا ہے۔"

"نہیں ماموں جان نہیں، میں آپ کو ایک دردناک داستان

سنانے آیا ہوں۔"

"کمر میں درد ہو رہا ہے شاید تمہاری۔ تمہیں بھی ٹھیک کرنا پڑے

گا،اب تم دونوں کے والدین تو اچھے خاصے تھے یہ تم لوگ آخر کیوں

پٹری سے اُتر گئے۔"

"ماموں جان، حالات کو سمجھیے، حالات۔"شیکی نے گٹار پر ہاتھ

مارا۔

"حالات بدل نہیں سکتے

انسان سوچتا رہ جاتا ہے۔

وقت گزر جاتا ہے

اور ہم۔

ہم لکیر پیٹتے رہ جاتے ہیں سانپ نکل جاتا ہے۔“

”بکواس بند کرے گا یا نہیں۔ یہ گٹار کیوں بجا رہا ہے باتیں کرتے ہوئے۔“

”باتیں نہیں یہ نظم ہے آزاد نظم، حقیقت سے اتنی نزدیک کہ آپ تصور نہیں کرسکتے ماموں جان۔“

”وہ دونوں۔“

”وہ دونوں۔“

اِن کی آنکھوں میں جوانی کے خواب رقصاں ہیں

جوانی

جوانی کیا ہے۔ ایک انجانی سی شے ایک ایسی شے جو زندگی کو تباہی کے راستے پر لے جاتی ہے۔

سوچو۔

ارے کچھ سوچو

ارے کچھ۔"

تمیز الدین، اماں او تمیز الدین یہ دوسرا ابھی گیا کام سے۔"

عزیز الدین خان صاحب چیخے۔

"خدا کے واسطے، خدا کے واسطے ماموں جان۔"

"مجھے سنو

مجھے پرکھو

میں ایک حقیقت ہوں۔

حقیقت کا نغمہ ہوں

میں وہ کہہ رہا ہوں جو یہاں ہو رہا ہے۔

ماموں جان نوشاب سہیل۔

"سہیل نوشاب۔"

"یہ بھی نظم ہے کیا۔"؟ عزیز الدین خان بولے۔

"جی ہاں۔ نظم وہ جو حقیقت سے لبریز ہے، جس میں حقیقتیں پنہاں ہیں۔ آپ کی عزت ہماری آنکھوں کی بینائی ہے۔ ہم اس بینائی کو دھندلانے نہیں دیں گے۔"

"اچھا بات سنو۔"

"جی ماموں جان۔"

"باہر نکل جاؤ، چلو۔ چلو جلدی۔" نواب عزیز الدین دہاڑے۔

"میں۔ م م۔ میں جا رہا ہوں، لیکن وقت اپنی کہانی دوہراتا رہے گا اور جب وہ آگے بڑھے گا تو آپ لوگ پھر شفیع الدین شیکی کی بات پر غور کریں گے۔"

"یہ بھی نظم ہے۔" عزیز الدین خان نے ہونٹ بھینچ کر کہا اور شیکی

بے بسی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''کوئی بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئی ماموں جان۔''

''میری سمجھ میں صرف ایک بات آئی ہے۔''

''وہ کیا۔وہ کیا۔''؟شیکی نے مسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

''وہ یہ کہ افریقہ کی شدید گرمی میں تم دونوں مکمل طور پر پاگل ہو چکے ہو،اور ہاں یہ جو تم نے سر پر جھاڑ جھنکارا اکٹھا کر رکھا ہے نا اور یہ جو نیچے اتنی لمبی بے تکی داڑھی رکھ چھوڑی ہے،یہ اس داڑھی کے تقدس کا مذاق ہے،میں آج ہی تمیز الدین سے کہتا ہوں کہ وہ تمہارے سر کے بال چھوٹے کرائے،اور تمہاری داڑھی صاف کرادے۔''

''ارے باپ رے۔مر گیا۔مر گیا۔''شفیع الدین شیکی نے دہشت بھرے لہجے میں کہا اور پھر وہ اپنی دلربا کو ایک طرف رکھ کے عزیز الدین خان کے پیروں پر گر پڑا۔

"خدا کے واسطے اس طرح نہ کریں ماموں جان، اللہ کے واسطے ایسا نہ کریں۔ اگر ایسا ہو گیا تو میں خودکشی کرلوں گا، یہ میری دُبلی پتلی معصوم سی لاش بے گور و کفن آپ سے فریاد کرے گی۔ خدا کے واسطے ایسا نہ کریں، ایسا نہ کریں یہی تو میرا حُسن ہے، یہی تو میرا سنگھار ہے، خدا کے واسطے، اللہ کے واسطے۔" شفیع الدین شیکی نے عزیز الدین خان کے پیر پکڑ لئے تھے۔ اور نواب عزیز الدین اس سے پاؤں چھڑانے کی کوشش کر رہے تھے۔

"بس ٹھیک ہو گئے۔ چلو اٹھو، سر میں تیل ڈالو کنگھی کرو۔ اور کم از کم یہ داڑھی تھوڑی چھوٹی کر دو۔ ورنہ تم لوگ بالکل ہی پاگل ہو جاؤ گے۔ میں اپنے عزیز و اقارب کو کیا منہ دکھاؤں گا، کیا سوچیں گے وہ کہ تم میرے پاس آئے تھے۔ اور تمہاری یہاں یہ دُرگت بنی۔ بتاؤ اب سناؤ گے کوئی نظم۔"

"نہیں ماموں جان کبھی نہیں۔"

"اشاروں کنایوں میں کچھ بتاؤ گے مجھے۔"

"ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ مگر ماموں جان آپ نے میرے ساتھ ظلم کیا ہے۔"

"وہ کیا۔"؟

"مجھے تو آپ نے زندہ درگور کردیا یہ دھمکی دے کر کہ میرے بال ترشوادیئے جائیں گے، داڑھی کٹوا دی جائے گی لیکن عالم پناہ کو کچھ نہیں کہا۔ وہ سانڈ جو آپ کو ٹھک اور منی پوری دکھا رہا ہے۔ اِس کو آپ نے کوئی سزا نہیں دی۔"

"ٹھیک ہے اِسے بھی دیکھ لوں گا، لیکن تم دونوں اپنے آپ کو درست کرو۔ انسان کے بچے بنو، یہ کیا لغویت پھیلا رکھی ہے تم نے، تم جس خاندان سے تعلق رکھتے ہو اس کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔"

نواب عزیز الدین نے کہا۔

"ہاں بہت کچھ جانتا ہوں ماموں جان۔ اور اسی خاندان کی عزت اور وقار کے لئے تو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔"

"کیا عرض کر رہے ہو۔ بیٹھ جاؤ اور انسانوں کی طرح بات کرو۔" نواب عزیز الدین خان صاحب اس کی جانب متوجہ ہوئے اور شیکی کے چہرے پر مسرت کی لہریں پھوٹنے لگیں۔ صورتحال کچھ بہتر ہوتی نظر آ رہی تھی۔ چنانچہ عزیز الدین کے اشارے پر وہ بیٹھ گیا۔

"کیا سمجھانا چاہتے ہو تم مجھے۔"

"ماموں جان اسے گستاخی تو تصور نہ کریں گے۔"

"نہیں نہیں کہو کیا بات ہے۔"

"سہیل اور نوشاب ایک دوسرے کی جانب بڑی تیز رفتاری سے

بڑھ رہے ہیں، مجھے یقین ہے وہ دونوں ایک دوسرے سے عشق کرنے لگے ہیں، آپ خود سوچیں ماموں جان کتنے افسوس کی بات ہے، نوشاب آپ کے بھائی کی عزت ہے اور اس عزت کی حفاظت آپ پر فرض ہے اگر یہاں خدانخواستہ کوئی ایسا حادثہ یا واقعہ ہو گیا جس نے اس خاندان کی عزت خراب کر دی تو ہم سب کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہ جائیں گے۔ روکیئے اس خطرے کو روکیئے۔"

عزیز الدین خان کی آنکھوں میں ایک لمحے کے لئے مسرت کی چمک نظر آئی، وہ عجیب سے انداز میں شکیل کو دیکھنے لگے۔ پھر لرزتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"تمہیں اس بات کا اندازہ کیسے ہوا۔"؟

"اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے ہم نے، باغ کے تنہا گوشوں میں،

فواروں کے بنچوں کے نزدیک، پکنک پر جھیل کے کنارے، سمندر کے کنارے، دونوں ایک دوسرے میں گم رہتے ہیں، ایک دوسرے سے محبت کی باتیں کرتے ہیں، نجانے کیا کیا گفتگوان کے درمیان ہوتی ہے، ایسی گفتگو ماموں جان کہ میں آپ کو......" شکیلی نے دانتوں میں اُنگلی دبالی۔

"بکواس تو نہیں کر رہے ہو۔" نواب عزیز الدین نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ جب چاہیں، میں آپ کو یہ منظر دکھا سکتا ہوں۔"

"لیکن لیکن۔ اوہ کیسی انوکھی بات بتائی ہے تم نے شکیلی بہت ہی عجیب بڑی ہی تعجب خیز۔"

"اور بڑی ہی شرم ناک۔ آپ تصور نہیں کر سکتے کہ ہم لوگوں کی کیا حالت ہے۔"

’’کیا مطلب۔‘‘؟عزیزالدین خان کسی قدر غصیلے لہجے میں بولے۔

’’ہم سب اِس خاندان کے فرد ہیں ماموں جان ہماری اپنی دلی خواہش ہے کہ اِس خاندان کو کبھی بٹہ نہ لگے کبھی حرف نہ آئے اس کی عزت پر۔ بٹہ میں نے صحیح لفظ استعمال کیا ہے نا۔‘‘

’’ہاں ہاں صحیح لفظ استعمال کیا ہے، آگے تو بکو۔‘‘

’’میرا مطلب ہے روکئے ان دونوں کو۔ روکئے کہیں بات بگڑ نہ جائے۔‘‘

’’کیوں روکنے کی کیا ضرورت ہے۔‘‘؟

’’ایں۔‘‘شیکی کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

’’میں کہتا ہوں روکنے کی کیا ضرورت ہے، وہ دونوں اگر ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں تو اِس سے زیادہ مسرت کی بات اور کیا ہو

سکتی ہے۔ دونوں کی شادی بھی کی جا سکتی ہے شیکی بیٹے تم نے مجھے ایک انوکھی خوش خبری سنائی ہے، ایسی خوش خبری کہ جی چاہتا ہے تمہارا منہ موتیوں سے بھر دوں۔ اگر سہیل کے اندر تبدیلی پیدا ہوئی ہے تو میں اسے اپنی تقدیر کے ستارے کا عروج ہی سمجھوں گا، میرے لئے اس سے زیادہ مسرت کی بات اور کوئی ہو ہی نہیں سکتی کہ یہ دونوں یکجا ہو جائیں۔" نواب عزیز الدین نے کہا۔

اور شیکی کرسی سے نیچے آ رہا۔ دلربا کو ٹھوکر لگی تو وہ اُچھل کر دور جا گری اور نواب عزیز الدین خان متحیرانہ انداز میں کھڑے ہو گئے۔

"ارے ارے تجھے کیا ہو گیا۔"

لیکن شیکی کے بدن میں لرزشیں تھیں۔ وہ زمین پر پڑا اس طرح تڑپ رہا تھا جیسے اس کی گردن کاٹ دی گئی ہو۔

"پھر اُتر گیا پٹری سے۔ بلاؤں نائی کو۔"

''نائی نائی، آپ کا مقصد ہے وہ۔یعنی کہ وہ۔وہ۔'' شیکی جلدی سے اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

''ہاں ہاں، میرے سامنے بدتمیزی ذرا کم ہی کیا کرو۔'' اچھے خاصے بیٹھے بیٹھے کرسی سے گر کیوں پڑے۔''

''آہ، آپ نہیں جانتے، آپ نہیں جانتے ماموں جان، آپ نے ہم سے کیا کیا چھین لیا ہے۔عالم پناہ لُٹ گئے اس شہر میں آ کر۔دلربا او میری دلربا۔'' شیکی نے گٹار اُٹھا لیا۔اور اسے غمگین انداز میں بجاتا ہوا کمرے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔

وہ مخصوص انداز میں ایک سیدھ میں آگے بڑھ رہا تھا اور تھوڑے ہی فاصلے پر کھڑے عالم پناہ اِسے گہری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دیکھا، پھر شیکی کا گریبان پکڑ کر اسے اِس کمرے میں گھسیٹ لیا جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔اور جس سے عالم پناہ ابھی

چند ساعت قبل نکلے تھے۔انہوں نے جلدی سے شیکی کو اندر گھسیٹ کر دروازہ بند کرلیا۔اور شیکی نے گٹار گلے سے اُتار کر ایک طرف رکھ دیا۔

''عالم پناہ اب کچھ باقی نہیں بچا، تباہی ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ ہم لُٹ گئے ہیں برباد ہو گئے ہیں۔''

''اگر نہیں ہوئے تو میں جوتے مار مار کر تجھے برباد کردوں گا۔تمیز سے بتا تا ہی نہیں کیا گفتگو ہوئی۔کیا تیرے اشارے سمجھ لئے پھوپھا جان نے۔'' عالم پناہ نے دریافت کیا۔

''اشاروں کی ضرورت ہی باقی نہ رہی عالم پناہ۔صبر کرو، آؤ ہم دونوں صحرا گردی کے لئے چلتے ہیں، چچا قیس کی مانند ریت پھانکیں گے آہیں بھریں گے اور کپڑے پھاڑ ڈالیں گے۔''

''ہوں، شیکی ہوش میں نہیں آؤ گے، مجھے بتاؤ کیا بات ہوئی۔''

اور شیکی درد بھرے لہجے میں عالم پناہ کو نواب عزیز الدین خان سے ہونے والی گفتگو سنانے لگا، عالم پناہ کے چہرے پر بھی غم واندوہ کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ پھر انہوں نے درد بھرے لہجے میں کہا۔

"آسمان ہمیشہ ایسی ہی حشر سامانیاں دکھاتا ہے کاش ہم یہاں نہ آتے، کاش وہ یہاں نہ آتی۔" شیکی نے آگے بڑھ کر گٹار اُٹھالیا۔

عالم پناہ ٹھنڈی سانسیں بھر رہے تھے۔ شیکی نے گٹار کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ تب عالم پناہ کی بھرائی ہوئی آواز اُبھری۔

"شیکی کوئی نغمہ سناؤ۔ کوئی ایسا درد بھرا نغمہ جو روح کی گہرائیوں میں اُتر جائے۔"

"مذاق تو نہیں کر رہے بھائی جہانگیر۔"

"پھر جہانگیر۔۔۔ میں کہتا ہوں عالم پناہ کہو۔"

"میرا مطلب ہے عالم پناہ آپ مذاق تو نہیں کر رہے۔"

''نہیں اِس وقت مذاق نہیں کر رہا۔ مجھے گانا سناؤ۔'' عالم پناہ نے کہا اور شکی جھوم جھوم کر گانا گانے لگا، دروازے کے باہر نوجوان جمع ہونے لگے تھے۔

صبح کو مسز درانی خوفزدہ تھی۔ رات کو جنون کے عالم میں جو کچھ ہو گیا تھا اِس کے نتائج خوف ناک بھی ہو سکتے تھے۔ سہیل کی فطرت سے وہ بخوبی واقف تھی۔ بہر حال نہ جانے کب تک وہ اس بارے میں سوچتی رہی اور پھر ایک گہری سانس لے کر اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ کوئی پروگرام نہیں تھا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

ابھی باہر نہیں نکلی تھی کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی اور اِس نے پلٹ کر ریسیور اُٹھا لیا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف کی آواز سن کر مسز درانی کے بدن میں

تھرتھری دوڑ گئی۔ بہر حال اس نے خود کو سنبھال لیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

”ہیلو۔“

”کیسے مزاج ہیں مسز درانی۔“؟

”اوہ۔ٹھیک ہیں۔“ وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

”تاریخ یاد ہے آپ کو۔“؟

”ایں۔ہاں آج بیس تاریخ ہے۔“

”آج کا پروگرام۔“؟

”پپ پروگرام۔میں نہیں سمجھی۔“ مسز درانی نے کہا اور دوسری طرف چند لمحات کے لئے خاموشی چھا گئی۔مسز درانی کے ذہن میں اُلجھن پیدا ہونے لگی تھی۔

”آج آپ کو شاداب گڑھ جانا ہے مسز درانی۔زاہد ظفر کو بھول

گئیں آپ۔؟ میں نے آپ کو اِس بارے میں تفصیل بتائی تھی۔"

"اوہ۔ جی ہاں۔ میں بھول گئی تھی۔"

"آپ بہت کچھ بھول جاتی ہیں مسز درانی مجھے خطرہ ہے کہیں آپ کسی دن سانس لینا نہ بھول جائیں۔" مسز درانی گہری گہری سانس لینے لگی۔ ساری باتیں اپنی جگہ لیکن سہیل سے وہ بہر حال خوفزدہ تھی۔

"ہیلو۔" سہیل کی آواز سنائی دی۔

"جی۔"

"کہاں کھو گئیں آپ۔"؟

"سوری سہیل۔ مجھے افسوس ہے۔"

"شاداب گڑھ کس وقت جا رہی ہیں۔"؟

"میں ابھی تیار ہو کر چلی جاتی ہوں۔"

''اوکے۔'' سہیل نے فون بند کردیا۔ اور مسز درانی گہرے گہرے سانس لینے لگی۔ اِس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ دیر تک وہ اِسی جگہ بیٹھی سوچتی رہی۔ اور پھر ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس کی کار اِس کی رہائش گاہ سے باہر نکل رہی تھی۔ ابھی وہ سڑک پر مڑی ہی تھی کہ دادل ٹیکسی سے اُترتا نظر آیا۔ اِس نے ہاتھ اُٹھا کر مسز درانی کو اشارہ کیا اور مسز درانی نے کار روک دی۔

''کسی ضروری کام سے جا رہی ہیں۔''؟

''ہاں۔''

''کہاں۔''؟

''شاداب گڑھ۔''

''اوہ۔ اچھا۔ ٹھیک ہے پھر جائیں۔'' دادل نے کہا۔ اور مسز

درانی اسے دیکھنے لگی۔

”کوئی کام تھا مجھ سے۔“؟

”نہیں، بس آپ کے پاس آیا تھا۔ پھر آ جاؤں گا۔“ دادل نے کہا۔

”آؤ میرے ساتھ شاداب گڑھ چلو۔“

”کوئی حرج تو نہیں ہوگا۔“؟

”جو ہوگا دیکھا جائے گا۔“ مسز درانی نے کہا اور دادل اس کے برابر بیٹھ گیا۔

کار آگے بڑھ گئی تھی۔ مسز درانی خاموش تھی۔ اِس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔ کار مختلف سڑکوں سے گھومتی ہوئی اس سڑک پر نکل آئی جو شاداب گڑھ جاتی تھی۔ دادل کئی بار کن انکھیوں سے مسز درانی کو دیکھ چکا تھا۔ جب خاموشی اس سے برداشت نہ ہوئی تو اِس

نے خود ہی مسز درانی کو مخاطب کیا۔

"کوئی خاص بات ہوئی ہے۔"

"ایں۔" وہ چونک پڑی۔

"سہیل سے کوئی بات ہوئی ہے کیا۔"؟

"ہاں۔ اِس نے فون کیا تھا۔"

"اوہ۔ رات کے واقعہ پر کچھ کہا اس نے۔"؟ وادل نے دلچسپی

سے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ ویسے گفتگو کرتے ہوئے لہجے میں طنز تھا۔ آج

شاداب گڑھ میں اس کے ایک شکار سے رقم وصول کرنا تھی۔ میں بھول

گئی تھی لیکن اِس نے فون کر کے مجھے یاد دلایا۔ کہنے لگا کہ کسی دن

سانس لینا نہ بھول جاؤ۔"

"گویا یہ دھمکی تھی۔"؟

''ہاں دادل۔ اِس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے۔'' مسز درانی تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

دادل خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا تھا۔ پھر وہ بولا۔ ''تم حالات سے بہت بددل ہو مسز درانی۔''

''مسز درانی نے ویران آنکھوں سے اسے دیکھا اور پھر گہری سانس لے کر بولی۔

''ابھی نہیں۔ لیکن میں اس طور زندہ نہیں رہ سکوں گی۔ کوئی فائدہ نہیں ہے نا زندگی کے راستے اس لئے تو نہیں بدلے تھے۔ میں کسی کی آلہ کار بن کر زندہ نہیں رہ سکتی۔ زندہ رہنا بھی نہیں چاہتی اگر میری پسند کی زندگی نہ ہو تو۔''

''کیا کر سکتے ہیں ہم لوگ۔''؟

''آج نہیں کل کریں گے۔'' کریں گے ضرور۔ سہیل کسی طور

قابلِ قبول نہیں ہے۔ میں مجبوراً تو سب کچھ کررہی ہوں لیکن جس وقت بھی موقع ملا اِس کے چنگل سے نکلنے کی کوشش کروں گی۔"

"خدا کے لئے جو کچھ سوچتی ہو اسے اپنے آپ تک محدود رکھو، مجھے خوف محسوس ہوتا ہے۔"

"وہ آخر ہے کیا بلا۔"؟

"سہیل۔"؟

"ہاں۔"

"اللہ جانے۔ میں نے تو اب اپنا دماغ خراب کرنا چھوڑ دیا ہے۔" دادل ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

مسز درانی خاموش ہوگئی تھی۔ پھر دادل نے پوچھا۔"شاداب گڑھ میں کس سے رقم وصول کرنی ہے۔"

"کوئی زاہد ظفر نامی شخص ہے۔"

"کون۔؟ کیا نام بتایا تم نے۔ زاہد ظفر۔"؟

"ہاں۔ جانتے ہو اِسے۔"

"شاداب گڑھ کی بہت خطرناک شخصیت ہے۔ ملا تو نہیں ہوں لیکن نام بہت سن رکھا ہے۔ شاید تم نے ان پانچ غیر ملکیوں کی کہانی سُنی ہو جو بعد میں غیر ملکی جاسوس نکلے تھے۔"

"نہیں کیا کہانی تھی۔"؟

"پوری کہانی تو نہیں معلوم مجھے۔ بس شاداب گڑھ میں وہ پانچوں کسی چکر میں لگے ہوئے تھے۔ زاہد ظفر سے ٹھن گئی۔ اور اِس نے اِن سب کو ٹھکانے لگا دیا۔"

"قتل کر دیا انہیں۔"؟

"ہاں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ وہ بہت خطرناک آدمی ہے۔"؟

"سنا تو یہی ہے۔ لیکن کتنی حیرت کی بات ہے کہ اِس جیسا آدمی نصیبو کا شکار ہے۔"

"نصیبو۔" مسز درانی دانت پیس کر بولی۔ "اِس نے اِس نام سے سب کو بے وقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ بہر حال وادل مجھے آج بھی ایسے شخص کی تلاش ہے۔ جو اس اک طلسم توڑ سکے۔"

شاداب گڑھ کے سفر کے دوران ایسی ہی گفتگو ہوتی رہی۔ دونوں دل کا بخار نکال رہے تھے۔ پھر وہ شاداب گڑھ پہنچ گئے۔ سہیل کا دیا ہوا پتہ مسز درانی کے پاس موجود تھا۔

بھاٹی ہوٹل سے کچھ دور اس نے گاڑی روک دی اور وادل سے بولی۔

"تم یہاں اُتر جاؤ۔ اور اگر مناسب سمجھو تو اپنے طور پر پیدل اِس ہوٹل تک آ جاؤ۔ جب میں وہاں سے نکلوں تو تم مجھے دیکھ لینا اِسی جگہ

انتظار کروں گی۔"

"او کے۔" دادل دروازہ کھول کر نیچے اُتر گیا۔ اور مسز درانی نے کار آگے بڑھا دی۔ ہوٹل نچلے درجے کا تھا۔ اِس کی اوپری منزل پر زاہد ظفر رہتا تھا۔

ہوٹل میں گھٹیا قسم کے لوگ نظر آ رہے تھے۔ بیرے ان کے درمیان گردش کر رہے تھے اور طرح طرح کی آوازیں لگا رہے تھے۔ مسز درانی کی عجیب حالت ہو گئی۔ ایسے ہوٹل میں داخلہ بھی دل گردے کا کام تھا۔ اِس جیسی نفاست پسند عورت یہاں کیسے داخل ہو سکتی تھی۔ لیکن خدا غارت کرے اس سہیل کو اِس نے اِسے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا تھا۔

اندر داخل ہوئی تو جیسے کوئی فلم چلتے چلتے رُک گئی۔ بیرے ساکت ہو گئے۔ کھانا کھاتے اور قہقہے لگاتے لوگ رُک گئے۔ کاؤنٹر کے پیچھے

بیٹھے ہوئے شخص نے جلدی سے بال سنوارے اور میٹھی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مسز درانی اس کے پاس پہنچ گئی۔

"جی۔" کاؤنٹر کلرک نے منہ پھاڑ دیا۔

"زاہد صاحب۔"؟

"اپن کو رشید خان بولتے ہیں۔"

"زاہد ظفر کہاں ہے۔"؟

"اوہ۔ ظفر صاحب کو منگتا ہے۔ پن وہ آج نہیں ملیں گے۔"

"کیوں۔"؟

"مشاعرے میں جانے کی تیاری کرتا پڑا ہے۔ بہت مصروف ہے۔"

"ہے کہاں۔"؟

"اپنے کمرے میں ہے پن وہ آج۔"

"اِس کا کمرہ کہاں ہے۔"؟

"او باجو والا سیڑھیوں کے اوپر۔ پن وہ آج نہیں ملیں گا۔"

مسز درانی نے اِس کی تکرار نہیں سُنی اور اوپر جانے والی سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"او بے بی۔ او میم صاحب۔ اے رکو تو۔ او بے بی۔" کاوَنٹر کلرک آواز لگاتا رہ گیا لیکن مسز درانی سیڑھیاں عبور کرتی ہوئی اوپر پہنچ گئی تھی۔ ایک راہداری تھی اور اس کے بعد ایک کمرہ نظر آرہا تھا۔ کمرے کا دروازہ دھکیلا تو وہ فوراً کھُل گیا۔

سامنے ہی ایک بڑے آئینے کے سامنے ایک قوی ہیکل شخص چمک دار بروکیڈ کی شیروانی پہنے ٹوپی لگائے لچک لچک کر کچھ گا رہا تھا۔

"مست آنکھوں کی، ارے ہاں مست آنکھوں کی۔ میاں مست آنکھوں کی گہرائیوں میں۔" اس کی بھاری آواز اُبھر رہی تھی۔ لیکن

آئینے میں مسز درانی کی شکل دیکھ کر وہ رک گیا۔ اور پلٹ کر دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر حیرت کے نقوش نمایاں تھے۔

''ہیلو۔'' ؟ مسز درانی نے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''بخدا۔ یہ کمال طلب ہے۔ سچا شعر وہی ہے جو مجسم ہو جائے۔''
اس نے آنکھیں پھاڑے پھاڑے کہا۔

''زاہد ظفر صاحب۔'' ؟

''غلام ہی کو کہا جاتا ہے۔''

''کمال ہے۔'' مسز درانی بولی۔

''درحقیقت کمال ہے۔ شعر سنیئے۔

تیری مست آنکھوں کی گہرائیوں میں

مرا ڈوب جانے کو جی چاہتا ہے

''توقف فرمایئے۔ اگر آپ ڈوب گئے تو مجھے بڑی ہی مشکلات

کا سامنا کرنا پڑے گا۔" مسز درانی نے کہا۔

"تشریف رکھیئے۔" زاہد ظفر بولا اور مسز درانی ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

"کیا ہو رہا تھا یہ۔"؟ وہ بولی۔

"غزل ہو رہی تھی۔ کیا شعر تشنہ ہے۔"؟

"افسوس میں شعر سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔"

"ناممکن۔ یہ شعر آپ ہی کے لئے تو کہا گیا ہے۔"

"تو پھر مقطع حاضر ہے قبول فرمایئے۔" مسز درانی نے وہ لفافہ نکال کر ظفر کو پیش کر دیا جو اسے سہیل نے دیا تھا۔

"مقطع آپ کے پاس کہاں سے آیا۔"؟

"دیکھ لیں۔ پتہ چل جائے گا۔" مسز درانی نے کہا اور زاہد ظفر حیرت سے لفافہ کھول کر دیکھنے لگا۔ اور پھر اس کا منہ بگڑ گیا۔ اس نے

اِس طرح شکل بنائی جیسے کونین کی گولی منہ میں گھل گئی ہو۔

''کتنی بدذوق ہیں آپ۔''؟ وہ ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''کیوں۔''؟

''اِس حسین خواب کی یہ بھیانک تعبیر۔''

''تعبیر کیا ہے مجھے نہیں معلوم۔'' مسز درانی نے کہا۔

''آہ کیسی حسین غزل تشنہ رہ گئی۔ شاید یہ اب کبھی مکمل نہ ہو۔''

ظفر نے سرد آہ بھر کر کہا۔

مسز درانی بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ وادل کے بیان کی روشنی میں یہ شخص واقعی جاندار شے نظر آ رہا تھا۔ لیکن۔ یہ بدبخت بھی سہیل کا شکار تھا۔ اور اِس جیسے لوگ بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

مسز درانی خاموشی سے اِسے دیکھتی رہی۔ ظفر کی آنکھوں میں مُردنی چھا گئی تھی۔ دیر تک وہ خاموش رہا پھر بولا۔ ''آپ کی واپسی

کب تک ہے۔''؟

''جب آپ حکم دیں۔''

''حکم۔میں۔''؟ کیسا دلکش مذاق ہے۔ویسے مجھے کل تک کی مہلت درکار ہو گی۔''

''سوچ لیں آپ۔''

''میں کیا سوچ لوں۔''

''اِسے کوئی اعتراض تو نہیں ہو گا۔''

''اعتراض اگر ہو بھی تب بھی یقین کریں کل سے پہلے کچھ نہیں کرسکوں گا۔ایک لاکھ روپے کی ادائیگی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں کل تک رُک جاؤں گی۔''مسز درانی نے کہا۔

اور ظفر دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔

''اِس سے قبل آپ کو نہیں دیکھا۔''؟

"میں اِس کا نیا شکار ہوں۔"

"شکار۔ یا کارکن۔"؟

"اِس کے کارکن بھی اِس کے شکار ہی ہوتے ہیں۔ ورنہ کون اِس کے لئے خلوصِ دل سے کام کرسکتا ہے۔"

"آپ مذاق تو نہیں کررہے ہیں۔"

"مذاق۔ نہیں یہ مذاق نہیں ہے۔ ہم سب کی زندگی اِس کے ہاتھوں میں مذاق بن گئی ہے۔" مسز درانی نے کہا۔ اور زاہد ظفر بغور اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

"میری زندگی بھی اِس نے تلخ کردی ہے۔ عیش سے گزار رہا تھا۔ شعر کہتا تھا۔ مست تھا کہ بدبختی نے دامن تھام لیا۔"

"کتنے عرصے سے اِس کے شکار ہیں۔"؟

"دوسرا سال ہے۔"

"ایک بات پر مجھے حیرت ہے۔"

"کیا۔"؟

"آپ جیسے لوگ بھی اِس کے شکار بن جائیں تو عام لوگوں کی تو کوئی حیثیت نہیں ہے۔"

"بس وہ اندھیرے کا تیر ہے۔ ہاتھ لگ گیا تو۔ آپ زاہد ظفر کو نہیں جانتیں۔"

"جانتی ہوں اسی لئے اتنی بات کی ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"زاہد ظفر اپنے علاقے کا شہنشاہ ہے۔"

"بس کیا عرض کروں۔ تقدیر نے ایک فریب کیا ہے اِس کے ہاتھوں مجبور ہو گیا ہوں۔"

"زاہد صاحب۔ میرے قیام کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"کمال ہے۔ یہ آپ کا ہیڈک تو نہیں۔ یہاں میری عمدہ رہائش گاہ ہے امید ہے آپ کو پسند آئے گی۔"

"کہاں ہے۔"؟

"جھیل کے کنارے۔ تنہا انسان ہوں۔ شعروشاعری سے لگاؤ ہے۔ یہ ہوٹل ذریعہ معاش ہے۔ کچھ دوسرے ذرائع سے بھی کچھ آمدنی ہو جاتی ہے۔ اگر یہ روگ نہ لگ جاتا تو۔ کوئی اور غم نہ تھا زندگی میں۔"

"میرے ساتھ ایک اور شخص بھی ہے۔"

"کون ہے۔"؟

"دادل۔ نصیبو ہی کا آدمی ہے۔"

"اسے یہاں ہوٹل میں ٹھہرا دیں گے۔" ظفر نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ لیکن سُنا ہے کہ آج آپ کسی مشاعرے میں جانے

والے تھے۔"

"پکا ارادہ تھا۔ لیکن اب نہیں جاؤں گا۔ لیلیٰ غزل میرے آنگن میں اُتر آئی ہے۔ اِسے نظر انداز کرنا بہت مشکل ہے۔"

"میرے بارے میں کہہ رہے ہو۔"

"یہ شان بے نیازی بھی بس کمال ہے۔" ظفر نے کہا۔

"نہیں دوست غلط فہمیوں کا شکار نہیں ہو سکتی۔ عمر کی اس منزل سے دُور نکل آئی ہوں۔ اور حالات نے حقیقت آشنا کر دیا ہے۔ بہر حال تم سے تفصیلی گفتگو ہو گی۔ مجھے تھوڑی دیر کی اجازت دو۔ اپنے ساتھی کو صورتِ حال سے باخبر کر دوں۔"

"ضرور۔ ضرور۔"! زاہد ظفر نے کہا۔ اور مسز درانی اِس سے اجازت لے کر باہر نکل آئی۔

دونوں غم نصیب قابلِ رحم تھے۔ ہر وقت سانپ کی طرح پھنکاریں مارتے رہتے تھے۔

نوشاب کو دیکھ کر اِن کی آنکھوں میں درد سمٹ آتا تھا۔ نوجوان انہیں کئی دن سے سمجھا رہے تھے۔ لیکن ابھی تک اِن کی حالت ٹھکانے نہیں آئی تھی۔ دونوں ہی ڈفر تھے اور لڑکے لڑکیاں جانتے تھے کہ اِن میں سے کوئی بھی نوشاب کے لئے سنجیدہ نہیں ہے۔ بس اِن کی حماقتیں انہیں عشق زدہ کیئے ہوئے تھیں، صاف ظاہر تھا کہ نوشاب دونوں کی ملکیت تو بن نہیں سکتی تھی۔ لیکن دونوں ہی اپنی اپنی کوششوں میں مصروف تھے۔

خود نوشاب ذرا مختلف قسم کی لڑکی تھی، انتہائی سنجیدہ اور متین، گھر کے کسی کونے میں گھسے رہنے کی عادی۔ یا پھر اگر بیٹھتی تو بزرگوں کے درمیان بیٹھتی تھی۔ اِس کی اِس فطرت نے اِسے نوجوانوں میں مقبول

نہیں ہونے دیا تھا، البتہ صورت کی پاکیزگی اور معصومیت نے کسی کو اِس کا مخالف نہیں بننے دیا تھا۔

جب بھی کسی سے ملتی نہایت نرم اور خوش گفتار انداز میں ملتی تھی۔

بہرصورت نوجوانوں نے اِسے اِس کی فطرت پر چھوڑ دیا تھا۔ اِن کے لئے شکی اور جہانگیر عالم پناہ ہی کافی تھے۔

صفدر اور دوسرے تمام نوجوان ان دنوں خاصا غور و خوض کر رہے تھے کہ ان دونوں کو کس طرح ان کی فارم میں لایا جائے۔ تب صفدر نے ایک تجویز پیش کی۔

"بھئی یہ تفریح کچھ کرری ہوگئی ہے۔ وہ لطف نہیں آرہا جو چند روز پہلے آتا تھا۔ مجھے تو خدشہ ہے کہ اگر یہ اسی طرح ٹھنڈی آہیں بھرتے رہے تو موسم خراب ہو جائے گا اور اس موسم میں بھی سردی آجائے گی۔ اور ایسے موسم میں نمونیہ ہو جانے کا خطرہ ہے۔ کوئی ایسی

بات ہونی چاہیئے جس سے اِن بدبختوں کی ٹھنڈی آہیں کچھ کم ہوں اور یہ اپنے ہوش وحواس میں واپس آجائیں۔"

"کیا ترکیب ہونی چاہیئے۔" تنویر نے پوچھا اور صفدر چونک کر تنویر کو دیکھنے لگا۔

"ارے تنویر تم تو خاصی اسمارٹ ہو، کچھ کر سکتی ہو۔"

"کیا مطلب۔"؟

"میرا مطلب ہے کہ ان دونوں کا دل مُٹھی میں کیوں نہ لے لیا جائے۔"

"صفدر بھائی آپ جو کچھ سوچتے ہیں وہ ذرا اُونچی ہی چیز ہوتی ہے، عموماً دوسروں کو مروانے والی، مقصد کیا ہے۔ صاف صاف بیان کریں۔"

"تنویر ڈیئر دیکھو، اِن دونوں گدھوں کو کسی میوزیم میں تو رکھا جا

سکتا ہے دل میں نہیں، البتہ اگر کوٹھی کی فضا میں خوشگوار قہقہے گونجتے رہیں تو کیا حرج ہے۔"

"ہاں کوئی حرج نہیں ہے۔" تنویر نے کہا۔

"تو پھر تم اس کے لئے کوشش کرو۔"

"میں۔" ? تنویر تعجب سے بولی۔

"ہاں ہاں تم۔"

"کیا کوشش کروں۔" ?

"بس یہی کہ جو کام نوشاب نہ کر پائی تم کرو گی۔"

"ارے ارے صفدر بھائی کیا فضول بکواس لگا رکھی ہے آپ نے، یا تو وضاحت کریں اپنی بات کی یا پھر خاموش ہو جائیں۔" تنویر نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"تنویر جہانگیر عالم پناہ اور شفیع الدین شفیکی کی زندگی میں بہار

لانے کا طریقہ صرف یہی ہے کہ اِن سے اظہارِ عشق کر دیا جائے۔''

''کون کرے گا اظہارِ عشق اِن سے۔''

''تم اور کون۔''؟

''گویا گویا دونوں سے۔'' تنویر منہ پھاڑ کر بولی۔

''ہاں ہاں ظاہر ہے دونوں ہی سے مناسب رہے گا۔ یا تم سنجیدگی سے کسی کا انتخاب کرنا چاہو تو میرے خیال میں گھر میں کسی کو اعتراض نہ ہوگا۔''

''جی نہیں۔ میں کوئی مصیبت مول لینے کو تیار نہیں ہوں۔''

''صرف میں کیوں کہتی ہو تنویر ڈیئر۔ ہم کہو نا ہم۔''

''کیا مطلب۔''؟

''میرا مطلب ہے کہ ہم سب اس عشق میں تمہارے شریک ہوں گے۔ میرا مطلب ہے اس تفریح میں۔''

''لیکن صرف میں ہی کیوں۔''؟

''اِس لئے کہ کوئی اور اِس قابل نہیں ہے۔''

''چڑھا رہے ہیں مجھے۔''

''ہرگز نہیں۔ اگر کوئی دوسرا اِس قابل ہو تو تم خود اِس کی نشاندہی کردو۔ ہمیں اعتراض نہ ہوگا۔

''یہ صوفیہ کیا بُری ہے۔''

''بُری تو نہیں ہے مگر تمہاری طرح اسمارٹ نہیں ہے۔ وہ سب کچھ نہ کرسکے گی جو تم کرسکتی ہو۔''

''صفدر بھائی۔'' تنویر نے احتجاج کیا۔

''نہ کرو۔ یہ تو ایک تجویز تھی۔ ضروری تو نہیں ہے کہ جو کچھ میں کہوں مان لیا جائے۔ تمہاری مرضی ہے۔''

''اِن میں سے ایک کو میرے حوالے کردیں، دوسرا کسی اور کے

حوالے۔"

"ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ ماموں جان سے بات کرلو۔"

صفدر نے خلوص سے کہا۔

"صفدر بھائی اب آپ بھی مجھے گھسنے لگے۔"

"مجبوری ہے۔ تم سے ایک بات کہی تم ماننے کے لئے تیار نہیں

ہو۔ اِس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔"

"مگر دونوں۔ میرا مطلب ہے اِس میں پریشانی ہوگی۔"

"اِسی میں تو لُطف آئے گا۔"

"بھلا کیا" تنویر نے پوچھا۔

"بھئی جب تک دونوں رقیب روسیاہ نہ ہوں گے مزا ہی کیا آئے

گا، دونوں کی رقابت ہی ماسٹر پیس ہوتی ہے۔"

"ہوں۔ کرنا کیا ہوگا۔"؟

''کہانا اس کی فکر مت کرو۔ ڈائریکشن بائی صفدر تمہیں کوئی مشکل نہیں ہوگی۔''

تنویر گردن جھکا کر سوچنے لگی پھر بولی۔

''چلیئے ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔'' تنویر نے کہا۔ اور نوجوان تالیاں بجانے لگے۔ اسی وقت دونوں غم نصیب گردن لٹکائے اس طرف آتے نظر آئے۔ اور وہ سب سنبھل گئے۔!

''آپ کو خوشیاں مبارک ہوں۔ کوئی خاص بات ہوئی ہے کیا۔'' عالم پناہ نے پوچھا۔

''آپ ہی کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی عالم پناہ۔''

''ہمارے بارے میں۔''

''ہاں۔ بس شرط ہوگئی ہے ان لوگوں میں۔ وہ مقابلہ گلوکاری ہونا تھا آپ کے درمیان۔ جس میں گلاس توڑنے کی بات ہوئی تھی۔''

”اوہ۔ اوہ۔ اب کیا رہا۔ جب دل ہی ٹوٹ گیا۔“ عالم پناہ نے کہا۔

”اب ہی تو سب کچھ ہے عالم پناہ۔ آپ کو فلم بیجو باورا یاد ہے۔“

”بیجو باورا۔“

”ہاں۔ اِس میں پنڈت ہری داس سوامی کہتے ہیں کہ جب تک دل پر چوٹ نہیں پڑتی آواز میں درد نہیں پیدا ہوتا۔ آپ کے دل پر چوٹ پڑ چکی ہے۔ اب آپ گلاس کیا گھڑے توڑ سکتے ہیں۔ آپ یہ مقابلہ ضرور کریں گے عالم پناہ۔“

”مقابلہ اب سخت ہو گیا ہے۔“ عالم پناہ بولے۔

”کیوں۔“؟

”چوٹ تو شیکی کے دل پر بھی پڑی ہے۔“

”فرق ہے دونوں چوٹوں میں۔“

"وہ کیا۔"؟

"شکی کے دل پر انگریزی میں چوٹ پڑی ہے اور انگریزی موسیقی میں کلاسیکیت کہاں سے آئی۔ آپ ضرور جیتیں گے۔ اور پھر اِس سے ایک فائدہ اور بھی ہو سکتا ہے عالم پناہ۔" صفدر نے کہا۔

"وہ کیا۔"؟ عالم پناہ نے اسی انداز میں پوچھا۔

"اوہو جہانگیر صاحب آپ نہیں جانتے آواز کا درد کیا کیا رنگ دکھاتا ہے، محبوب کا دل موم کرنے میں تو اِس کا کوئی جواب ہی نہیں ہوتا۔ آپ کو علم نہیں کہ موسیقی نے کیا کیا کارنامے دکھائے ہیں۔ جنگلوں سے ہرن اور دوسرے جانور کھنچ کر موسیقار کے پاس پہنچ گئے ہیں۔ نوشاب کی کیا حیثیت ہے۔" صفدر نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

"ایں۔" عالم پناہ کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

"بالکل۔ بالکل سمجھنے کی کوشش کریں۔ اگر آپ کی آواز کا جادو

رنگ لے آیا تو پھر نوشاب کسی جنگلی ہرن ہی کی طرح کھنچ کر آپ کی طرف چلی آئے گی۔"

"مم...... مگر وہ سہیل۔"

"اونہوں۔ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ، سہیل صاحب کو گانے کی الف ب کا پتہ نہیں ہے وہ کیا گائیں گے آپ کے سامنے اور پھر سنگیت کا جادو تو بہ توبہ۔" صفدر نے کہا۔ اور عالم پناہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

دوسری جانب شیکی کو بھی یہی سبق پڑھایا جا رہا تھا انہیں خاص طور سے الگ لے جایا گیا تھا اور بڑی رازداری سے یہ باتیں سمجھائی جا رہی تھیں۔ شیکی کے چہرے پر مسرت کے آثار نمودار ہوتے جا رہے تھے پھر اُس نے کہا تھا۔

"بات تو ٹھیک ہے۔ تو پھر عالم پناہ کو تیار کر لو اِس مقابلے کے

لئے میں تو تیار ہوں اور سنگیت میں میرا مقابلہ کون کرسکتا ہے۔" ہشکی نے اپنا نازک سا سینہ پھلا کر کہا۔

"ویری گڈ یہ بات ہوئی نا مسٹر ہشکی۔" زاہد نے کہا۔

اور دونوں موسیقار مقابلے کے لئے تیار ہو گئے۔ صفدر نے دونوں کو یکجا کیا اور پھر رواداری میں بات چھیڑ دی۔

"بھئی، وہ اِس مقابلے کی کیا رہی جو آپ لوگوں کے درمیان طے پایا تھا۔"

"میں تیار ہوں۔" ہشکی بولا۔

"میں بھی تیار ہوں۔" عالم پناہ بولے۔

"واہ، دونوں عظیم موسیقار تیار ہیں تو پھر دیر کس بات کی۔"

"آج ہی کا کوئی وقت مقرر کرلیا جائے۔"

"آج ممکن نہیں ہے، کیونکہ عالم پناہ کے لئے بھی کسی ساز کا بندو

بست کرنا ہے، عالم پناہ آپ کون سا ساز پسند فرمائیں گے۔''

''وہی جو حضرت تان سین کا پسندیدہ ساز تھا۔''

''یعنی تان پورہ۔''

''جی ہاں۔''

''اوہو۔ اوہو، وہ تو بڑا مہنگا آئے گا۔ اِس کا بندوبست کہاں سے کیا جائے۔''

''میں کرلوں گا۔'' شاہد بولا۔

''تم کہاں سے کرلوگے۔''؟

''اُستاد اللہ دتہ سے اُدھار مانگ لوں گا۔ ایک ہی دن کی تو بات ہے۔''

''یہ اُستاد اللہ دتہ کون ہیں۔''؟

''ایک میوزیکل کلب کے مالک ہیں۔''

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے، تو پھر یہ تمہاری ذمہ داری۔" صفدر نے پوچھا۔

"ہاں، بالکل۔" شاہد نے جواب دیا اور یہ بات طے پا گئی۔

"تو پھر آج ہی شام پانچ بجے کے بعد کوئی وقت طے کر لیا جائے۔"

"بالکل مناسب ہے۔"

"مقابلے کی شرائط بھی طے کر لی جائیں تاکہ بعد میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔"

"بس شرائط کیا۔ دونوں موسیقار اپنے اپنے طور پر ایک ہی راگ گائیں گے۔ درمیان میں ایک اسٹول پر گلاس رکھ دیا جائے گا۔ ایک ایک موسیقار کو الگ الگ گانے کا موقع دیا جائے گا۔ جس کی آواز سے گلاس ٹوٹ جائے۔" صفدر نے شرائط پیش کر دیں۔

☆

مسز درانی نے دادل کو سب کچھ سمجھا دیا تھا۔ دادل اِس سے متفق نہیں تھا اُس نے خدشات کا اظہار کیا تھا۔ لیکن مسز درانی نے اُسے یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا۔

''دادل یہ میری زندگی اور موت کا سوال ہے۔ میں اپنی زندگی کے لئے آخری کوشش بھی کر لینا چاہتی ہوں براہِ کرم تم اس میں مداخلت مت کرو۔ ہاں اگر تم اِس معاملے سے علیحدہ ہونا چاہو تو یقین کرو مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔''

دادل نے اِسے تنہا چھوڑنے سے انکار کر دیا تھا۔

زاہد ظفر کی رہائش گاہ واقعی آرٹسٹک تھی۔ اِس کی شخصیت بھی بڑی عجیب تھی۔ شاعر تھا لیکن فطرت میں درندگی تھی۔ مسز درانی نے خود کو اُس کی تحویل میں دے دیا تھا ذہن کی شدید جلن اسے بے چین کئے

ہوئے تھی۔ اور وہ ہر قیمت پر سہیل کی شکست چاہتی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد دونوں کے درمیان بات چیت ہوئی تھی۔ ''تم اِس کے جال میں کیسے پھنس گئے۔''؟

''بس بد قسمتی کہہ سکتی ہو۔''

''تمہارے خلاف کیا چیز ہے اس کے پاس۔''

''اہم ترین ثبوت ہیں۔ میں ان سے روگردانی نہیں کر سکتا۔''

''تم نے اس کی برتری کیسے قبول کر لی۔''؟

''میں نہیں سمجھا۔''

''مل چکے ہو اِس سے۔''؟

''کئی بار۔''

''اِس کی اصلیت بھی جانتے ہو۔''؟

''ہاں، وہ ایک صنعتکار کا بیٹا ہے۔''

"اس کے باوجود زندہ ہے، جب کہ میں نے سُنا ہے کہ تم نے پانچ غیر ملکیوں کو ٹھکانے لگا دیا تھا۔"

"اوہ۔ ڈارلنگ۔ میں نے بہت کچھ کیا ہے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم کہ میری اشیا کہاں ہیں۔"

"اسے اغوا کرلو۔ تشدد کر کے اس سے اُگلوالو۔"

"کر چکا ہوں۔"

"کیا مطلب۔"؟

"ایسا کر چکا ہوں مگر۔ وہ انوکھا کیس ہے۔"

"میں اب بھی نہیں سمجھی۔"

"وہ اذیت پسند ہے۔ تشدد اُس کی پسندیدہ چیز ہے۔"

"نہیں۔" مسز درانی حیرت سے بولی۔

"یقین کرو۔ میں نے اُس کے بدن کی کھال اُتار دی تھی۔۔۔"

”خدا کی پناہ۔“

”وہ جنونی ہے۔ اگر مر جاتا تو نہ جانے میں کس کے چنگل میں جا پھنستا۔ اِس لئے میں نے اُسے چھوڑ دیا۔“

”کمال بات ہے۔“؟

”تمہیں یہ بات معلوم نہیں تھی۔“

”نہیں، بس اتنا معلوم تھا کہ وہ عجیب ہے مگر کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کیا ہے۔ وہ ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے۔ دولت کی اُسے کوئی ضرورت نہیں مگر وہ خوب جرائم کر رہا ہے۔ بلیک میلر ہے۔ اور شاید جعلساز بھی۔“

”جعلساز۔“؟

”ہاں۔ آج کل ایک شہزادی کے چکر میں ہے۔“

”شہزادی۔“؟ زاہد ظفر نے تعجب سے کہا۔

"سمارا نام ہے۔ اور آج کل اِس کی کافی شہرت ہے۔ سہیل
بلاوجہ ہی اس کے قریب نہ ہوا ہوگا۔"!

"یہ دلچسپ بات بتائی تم نے۔"

"کیوں تمہیں اس سے کیا دلچسپی ہے۔"

"بھئی بلیک میل اِس لئے ہو رہا ہوں کہ اِس کے پاس میرے
خلاف ٹھوس ثبوت ہیں۔ لیکن اِس کے بعد اِسے کچھ نہیں مانتا۔ اگر
ایسی کوئی بات ہے تو میرے لئے بھی باعثِ دلچسپی ہے۔"

"اوہ۔ ڈیئر ظفر میرے خیال میں اِس چکر میں نہ پڑو۔ پہلے اِس
منحوس سے نمٹ لو۔ اِس کے بعد دیکھا جائے گا۔"

"کوئی ترکیب ہے تمہارے ذہن میں۔"؟

"صرف ایک۔" مسز درانی نے کہا۔

"اِسے قتل کر دو۔"

''اِس کے بعد۔'' ظفر نے پوچھا۔

''اِس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ اگر ہم دوسرے ہاتھوں میں پہنچے تو جو کوئی بھی ہوگا سامنے تو آئے گا۔ ممکن ہے وہ سہیل کی مانند چالاک اور کمینہ صفت نہ ہو۔ ہم اِس سے نمٹنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔'' زاہد ظفر گہری سانس لے کر سوچ میں ڈوب گیا تھا۔ پھر اُس نے گہری سانس لینے کے بعد کہا۔

''بات تو ٹھیک ہے، مگر تم۔ پھر تم، دیکھو ڈارلنگ مجھ سے فراڈ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں بے ضرر آدمی ہوں۔ عام حالات میں تمہارے لئے بُرا ثابت نہیں ہوں گا۔ اگر تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے یا ممکن ہے تم میرا عندیہ لے رہی ہو تو خدا کے لئے مجھ سے دشمنی مت کرنا میں تم سے قطعی مخلص ہوں۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''ظفر اگر تم یہ کام کرلو تو میں ساری زندگی تمہاری غلامی میں گزار

دوں گی۔تم تصور نہیں کرسکتے کہ میرے دل میں کس قدر دھواں بھرا
ہوا ہے۔میں نے بُرائی کی زندگی کا آغاز حالات کے ہاتھوں مجبور ہو
کر کیا تھا اور اُس وقت یہ سوچا تھا کہ اب ساری زندگی اِسی میں
گزار دوں گی۔زندگی میں یہ تبدیلی میں نے صرف اِس لئے پیدا کی
تھی کہ میں اپنے طور پر زندہ رہنا چاہتی تھی لیکن اگر کسی کی غلامی میں
زندگی بسر کرنا پڑے تو اِس سے موت بدرجہا بہتر ہے۔میں تم سے کسی
قسم کا کوئی فراڈ نہیں کر رہی۔میں خلوصِ دل سے تمہارے ساتھ
ہوں۔کوئی ایسی ترکیب،کوئی ایسا پلان سوچو جس سے ہم اس بدبخت
سے نجات حاصل کرسکیں۔میں خود تمہارے ساتھ ہوں۔'' مسز درانی
نے زاہد ظفر کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

''کہاں ملتا ہے وہ آج کل،میں نے بتایا نا،عموماً سمارا کے ساتھ
گرین نائٹ کلب میں دیکھا جاتا ہے۔'' مسز درانی نے جواب دیا۔

''تو مسز درانی ہم گرین نائٹ کلب چلیں گے، میں یوں کرتا ہوں کہ مطلوبہ رقم تمہیں ادا کئے دیتا ہوں، تم اِسے لے کر اُس کے پاس چلی جاؤ۔ کسی خاص بات کا اظہار نہ کرو۔ اور مجھے کوئی ایسا وقت بتا دو جس وقت میں تمہیں کوٹھی پر مل سکوں، اس کے بعد ہم کوئی مناسب پروگرام بنائیں گے۔ اور اس پروگرام میں ہم دونوں برابر کے شریک رہیں گے۔''

''مکمل فیصلہ ہے تمہارا۔''؟

''ہاں، تمہارا ساتھ اگر مل گیا تو پھر میرا فیصلہ مکمل ہی ہے۔'' زاہد ظفر نے گہری نگاہوں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا اور مسز درانی کے ہونٹوں پر سُبک سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ لیکن اِس مسکراہٹ میں خوف کا عنصر بھی تھا۔ کیونکہ وہ گرینگو جیسے آدمی کا حشر بھی دیکھ چکی تھی۔ پتہ نہیں زاہد ظفر اس کے مقابلے میں کس طرح کا ثابت ہوتا ہے۔

☆

پرنسز سمارا اُس نوجوان پر بُری طرح فریفتہ ہوگئی تھی۔ اُس نے اپنی خادماؤں سے بھی یہی بات کہی تھی کہ کسی طرح اِس نوجوان کو یہاں سے باہر لے جانا ہے۔ ''انوکھی فطرت کا مالک ہے۔ ایسی عجیب وغریب شخصیت اس سے قبل دیکھی نہ سُنی۔ یہ تو بہت انوکھا ہے۔'' خاتون سمارا نے خواب ناک لہجے میں کہا۔

''ہاں خاتون، مگر یوں نہ ہو کہ آپ اس کے عشق میں گرفتار ہو کر اپنا مشن فراموش کر بیٹھیں۔'' اِس کی خادمہ روبانہ نے کہا۔

''بے وقوف ہو تم، میں اِس مشن کی تکمیل کے لئے بہت سے جال پھینک چکی ہوں، آج ہی شام چند افراد ہمارے پاس آنے والے ہیں۔''

''کیا معاملات طے ہوگئے ہیں۔''

”طے نہیں ہوئے، لیکن طے ہو جائیں گے۔ شہر کے تین بڑے رئیس آج ہیروں کو دیکھنے آ رہے ہیں۔“ سمارا نے کہا۔

”تینوں بیک وقت آئیں گے۔“

”نہیں، میں نے انہیں وقفہ وقفہ سے وقت دیا ہے۔“

”خوب میری خواہش ہے کہ سودا جلدی کر لیں، کافی لوگ ہماری طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ اگر انتظامی محکموں تک بات پہنچ گئی تو پریشانی ہو گی۔“ روبانہ نے کہا۔

”تم بالکل فکر مت کرو۔“

”آپ اِسے یہاں سے کس طرح نکال لے جائیں گی۔“

”سہیل کی بات کر رہی ہو۔“؟

”ہاں۔“

”اِسی سلسلے میں سوچتی رہی ہوں، بظاہر وہ بھی میرے عشق میں

گرفتار ہے۔ لیکن بس عجیب سا ہے۔ پتہ نہیں خود چلنے پر تیار ہو گا یا نہیں۔ بہر حال اگر نہ ہو سکا تو اسے اغواء کر لیا جائے گا۔ میں اِس کا انتظام بھی کر چکی ہوں۔ جاؤ تم تیاریاں کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد اِن میں سے ایک پہنچنے والا ہو گا۔'' سمارا نے کہا اور روبانہ گردن ہلا کر چلی گئی۔

ٹھیک پانچ بجے سیٹھ گھڑی والا سمارا کی خدمت میں پہنچ گئے۔ یہ بھی شہر کے بہت بڑے جوہری تھے۔ اور زیورات کا بہت بڑا کاروبار کرتے تھے۔

سیٹھ صاحب اپنے ایک ماتحت کے ہمراہ آئے تھے۔ سمارا سارے انتظامات کر چکی تھی۔

سیٹھ صاحب نے جھک کر سلام کیا اور بولے۔ ''اپن کو وہ ہیرے دکھانے کو منگتا شہزادی صاحب۔ اگر پسند آیا تو سودا ہو جائیں گا۔''

"آپ جوہری ہیں سیٹھ صاحب۔"

"ہاں۔ ملک میں اپنا بہت بڑا کاروبار ہے۔ کتنے ہیرے ہیں آپ کے پاس۔"

"سولہ۔ اور میں ایک ساتھ سب کا سودا کرنا چاہتی ہوں۔" سمارا نے کہا۔

"اپن خرید لیں گا۔ آپ ہیرے منگواؤ۔ اے جلیل بھائی شیشہ نکال لو۔" سیٹھ صاحب نے اپنے ماتحت سے کہا۔ اور ہیرے پرکھنے کا خاص عدسہ نکال لیا۔

تب خاتون سمارا نے روبانہ کو اشارہ کیا۔ اور روبانہ ایک الماری سے ایک بکس نکال لائی۔

بکس کھولا گیا تو آنکھوں میں چکاچوند پیدا ہو گئی۔ شہزادی سمارا نے بڑے اہتمام سے ایک ہیرا نکال کر سیٹھ صاحب کے سامنے رکھ

دیا۔ اور سیٹھ صاحب اس پر جھک گئے۔ سمارا نے دوسرا ہیرا ان کے ماتحت کے سامنے رکھ دیا۔ اور وہ بھی ہیرا ہاتھ میں لے کر دیکھنے لگا۔

ماتحت عدسے کے ذریعے ہیرا پرکھنے لگا۔ سیٹھ صاحب نے اس سے عدسہ لے کر اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا ہیرا دیکھا اور گردن ہلانے لگے۔ "واقعی عمدہ چیز ہے۔"

"سب کا ایک ہی سائز اور ایک ہی وزن ہے۔ اور یہی ان کی خوبی ہے۔ سمارا نے ایک اور ہیرا سیٹھ صاحب کی طرف بڑھا دیا۔ اور اس کے بعد بکس بند کر دیا۔

تیسرا ہیرا دیکھنے کے بعد سیٹھ صاحب مطمئن ہو گئے۔

"کیا منگتا ہے بی بی ان سب کا۔"

"پچاس لاکھ روپے۔" سمارا نے جواب دیا۔

"کتنے کا ایک پڑا۔ سولہ ہیں نا۔"؟

"ہاں جتنے کا بھی پڑا ہو۔ اِن کی قیمت پچاس لاکھ ہے۔"

"زیادہ ہے۔ تین لاکھ سے بھی زیادہ کا پڑا۔"

"جو بھی ہو۔"

"اتنے میں سودا نہیں بنیں گا ہم اس کے بتیس لاکھ دے سکتے ہیں اگر منظور ہو تو ٹھیک ہے۔"

"پچاس لاکھ پورے سیٹھ صاحب۔ اِس سے کم کی بات نہیں ہو سکتی۔"

"آپ کا مرضی بی بی۔ اگر اتنے میں سودا بنے تو ٹھیک ہے۔"

"اگر پروگرام اتنے کا بنا تو میں آپ سے رابطہ کر لوں گی۔" سمارا نے کہا۔

اور سیٹھ صاحب چلے گئے۔ دوسرے سیٹھ بھی جوہری تھے انہوں نے چالیس لاکھ روپے لگائے اور اِن سے بھی سودا نہیں بنا۔ تیسری

شخصیت بہت دلکش تھی۔

درمیانی عمر کے ایک نواب صاحب جن کے آدھے بال سفید تھے۔ خوبصورت چھڑی ہاتھ میں لئے اپنے ایک آدمی کے ساتھ اندر آئے تھے۔ سمارا نے ہیرے ان کے سامنے پیش کیے۔

حسب معمول انہوں نے بھی تین ہیرے ہی دیکھے تھے۔ ''ہمیں پسند ہیں آپ نے دوسرے لوگوں سے بھی بات کی۔''؟ نواب جسیم الدین نے پوچھا۔

''جی ہاں، دو جوہری حضرات آئے تھے۔ سیٹھ گھڑی والا اور حاجی احمد دین، شاید جوہری ہیں دونوں۔''

''ہاں، میں اِن کے نام سُن چکا ہوں، کیا قیمت طلب کرتی ہیں آپ۔''

''پچاس لاکھ اس سے قطعاً کم نہیں۔''

''کم۔'' نواب صاحب مسکرا کر بولے۔

''جی ہاں۔ حاجی احمد دین صاحب نے چالیس لاکھ لگائے ہیں اور سیٹھ گھڑی والا نے بتیس لاکھ۔ لیکن ہیروں کی قیمتیں یوں نہیں لگتیں۔ اِن کا اپنا ایک معیار ہوتا ہے۔ بے شک میں انہیں فروخت کرنے کی خواہش مند ہوں، میری اپنی ضروریات اپنے مسائل ہیں جن سے کسی کو آگاہ کرنا پسند نہیں کرتی۔ لیکن اگر میری مطلوبہ قیمت پر یہ ہیرے فروخت نہیں ہوئے تو میں انہیں فروخت کرنے کا خیال دل سے نکال دوں گی۔''

''خاتون میرے خیال میں پچاس لاکھ اِن کی مناسب ترین قیمت ہے۔ اِن جیسے نایاب دانوں کو وہ جوہری صرف کاروباری نقطہ نگاہ سے دیکھ رہے ہوں گے لیکن ہم کاروباری نہیں ہیں۔ ہیرے ہمارا شوق ہے۔'' نواب صاحب نے کہا اور سمارا کے ہونٹوں پر مسکراہٹ

پھیل گئی۔

"مجھے مسرت ہے کہ آپ یہاں تشریف لائے۔ در حقیقت ہیرے صرف شوق ہوتے ہیں، کاروبار سے اِن کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اور یہ بات ہم سے بہتر کون جان سکتا ہے۔"

"بے شک بے شک۔"

نواب صاحب اپنے اردلی کی جانب دیکھ کر بولے۔

"تم اِس رقم کی ادائیگی کب تک کر دو گے۔"؟

"جب حضور والا کا حکم ہو۔ میں رقم لے کر آیا ہوں۔" اردلی نے جواب دیا۔ اور سمارا کی آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔

"ہمیں ایسے ہی قدر دان کی خواہش تھی۔ در حقیقت اب ہمیں ہیرے فروخت کرنے میں اِس ذہنی کوفت کا سامنا نہیں ہے۔

جو ہمارے دل میں تھی۔ جوہریوں کے پاس سے یہ ہیرے نہ جانے

کہاں جاتے، کس کے گلے کی زینت بنتے۔ یا کون ان کا مالک بنتا۔ اگر آپ جیسے قدر دان ان کے مالک ہوں گے تو ہمیں کم از کم یہ مسرت رہے گی کہ ہماری یہ نایاب اور انمول شے کسی ناواقف کے ہاتھ میں نہیں ہے۔" سمارا نے کہا۔

"ٹھیک ہے شہزادی سمارا۔ ہمیں یہ سودا منظور ہے۔ ادائیگی نقد یا پھر جس صورت میں آپ چاہیں۔"

"نہیں، بہتر یہ ہوگا کہ ادائیگی نقد شکل میں ہی ہو جائے۔ اور ہم زیادہ جھگڑوں میں نہ پڑیں۔" شہزادی سمارا نے کہا۔

اور نواب صاحب نے اردلی کی طرف دیکھ کر گردن ہلائی۔ اردلی باہر نکل گیا تھا۔

چند ساعت کے بعد وہ تین بڑے بڑے بریف کیس لے کر اندر داخل ہوا اور نوٹوں کی گڈیاں نکال کر اس نے سمارا کی جانب

ڈھیر کردیں۔

پچاس لاکھ نوٹوں کی گڈیاں سمارا کے سامنے تھیں اور اس کے بدن میں ہلکی ہلکی کپکپاہٹ پیدا ہو چکی تھی۔ لیکن اُس نے خود کو سنبھالے رکھا۔

"ہیروں کی پرکھ کے لیئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو۔"

"اوہو شہزادی سمارا ہماری نگاہ ہیروں کو پہچاننے کی عادی ہے۔ یہ جو آپ نے ہمیں ہیرے دکھائے ہیں۔ یہ ہمارے معیار پر پورے اترتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں پرکھ کے سلسلے میں مزید کسی بات کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔"

"بہت بہتر۔ تو یہ حاضر ہیں۔" شہزادی سمارا نے ہیروں کا ڈبہ نواب صاحب کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور نواب صاحب نے احترام سے اُسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

''ہمیں مسرت ہے کہ ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی سودے بازی نہیں ہوئی، آپ خوش ہیں نا۔'' نواب صاحب نے پوچھا۔

''خوش۔'' سمارا ایک پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''نہیں نواب صاحب ان ہیروں کی فروخت سے میں خوش نہیں ہوں، کیونکہ یہ میری خاندانی ملکیت تھے۔ بہر صورت ضرورت انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔''

''ہمارے لائق کوئی اور خدمت ہو تو بتائیے۔'' نواب صاحب بولے۔

''جی نہیں، بس شکریہ۔ سمارا نے جواب دیا۔

ہیرے نواب صاحب کی تحویل میں چلے گئے۔ اور تھوڑی دیر کے بعد نواب صاحب سمارا سے رخصت ہو گئے۔ سمارا کی آنکھوں سے مسرت پھوٹ رہی تھی۔ اِس کے انداز میں حیرانی تھی۔

"بہت بڑی شخصیت تھی۔ لیکن روبانہ۔ فوراً تیاریاں کرو۔ ہمیں ایک گھنٹے کے اندر اندر یہاں سے کہیں اور منتقل ہو جانا ہے۔ مجھے امید نہیں تھی کہ آج ہی سب کچھ ہو جائے گا۔"

"ہاں خاتون۔ نواب کو جب پتہ چلے گا کہ تین ہیروں کے علاوہ باقی ہیرے نقلی ہیں تو وہ ہمیں نہ چھوڑے گا۔" روبانہ نے کہا۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں۔ جاؤ تیاریاں کرو۔"

"اور سہیل۔"؟

"اس سے کسی نہ کسی طور رابطہ قائم کر لیا جائے گا۔ سمارا نے کہا۔

اور تیاریاں ہونے لگیں۔ تھوڑے سے انتظامات پہلے ہی ہو چکے تھے۔

چنانچہ وہ سب عام عورتوں کی حیثیت سے ایک درمیانے درجے کے محلے میں مقیم ہو گئیں اب شہزادی سمارا، سمارا نہیں رہی تھی۔

دوسرے دن نوٹوں کی ایک گڈی سے چند نوٹ نکال کر سمارا بازار میں کچھ خریداری کرنے گئی۔ جب اس نے اسٹور کے مالک کو ادائیگی کی تو وہ چونک کر نوٹ دیکھنے لگا۔ پھر اس نے حیرت سے سمارا کو دیکھا۔ اور سمارا حیران ہوگئی۔

''کیوں کیا بات ہے۔''؟

''یہ نوٹ۔ یہ نوٹ نقلی ہیں محترمہ۔ آپ خود کہیں بے وقوف بنی ہیں یا ہمیں بنانے آئی ہیں۔'' اسٹور کے مالک نے کہا۔ اور سمارا کے پورے بدن میں تھرتھری دوڑ گئی۔ وہ پتھر کے بُت کی مانند اسٹور کے مالک کی شکل دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆

تان پورے کے پیچھے جہانگیر عالم پناہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی آنکھیں بند تھیں اور موٹی موٹی اُنگلیاں تان پورے کے تاروں پر چل

رہی تھیں۔

ابھی انہوں نے تان پورہ چھیڑا تھا۔ سارے تار ہی بے تکی آواز میں چیخ رہے تھے اور شاہد کے چہرے پر خوف کے آثار چھائے ہوئے تھے۔

"خیریت۔ یہ تمہاری حالت کیوں خراب ہو رہی ہے۔"؟

صفدر نے پوچھا۔

"یار صفدر بھائی گڑبڑ ہوگئی۔" شاہد بولا۔

کیوں۔"؟

"اُستاد اللہ دتہ اِس تان پورے کو جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس کی فریاد سن لیں تو خودکشی کر لیں گے۔ اور مجھے یہ خطرے میں نظر آتا ہے۔ عالم پناہ کے بھینسوں جیسے گھر، اس کے تاروں کا کباڑہ کر رہے ہیں۔"

''اللہ مالک ہے۔اب تو راگ شروع ہو چکا۔'' صفدر ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

''مگر تان پورے کا کیا ہوگا۔''؟

''تم اس کے تمام پارٹس اکٹھے کر کے اُستاد کو بھجوا دینا۔''

''مخ.....خدا کی قسم۔بہت مہنگا آتا ہے۔نیا خریدنا پڑے گا۔''!

''بھگتو۔اب بھگتو۔'' صفدر نے کہا۔اور دفعتاً سب چونک پڑے۔عالم پناہ نے راگ شروع کر دیا تھا۔

''کب آؤ گے تم۔آؤ گے۔مورا تم بن جیا اداس۔''

ایسا ہی لگ رہا تھا جیسے بکریوں کے کسی گلّے میں بھیڑیا گھس آیا ہو اور بکریوں نے خوف و ہراس کے عالم میں چیخنا شروع کر دیا ہو۔

''اللہ عالم پناہ۔کیا کر رہے ہیں۔خدارا خاموش ہو جائیں۔'' صوفیہ بولی۔

"کب آؤ گے۔" عالم پناہ گھگھیائے۔

"آ جائیں گے، آ جائیں گے، اللہ مالک ہے۔" صوفیہ بولی۔

"تم آؤ گے۔" عالم پناہ بولے۔

"میں تو کیا آؤں گی، اگر آپ نے دو چار بول اور گائے پولیس آ جائے گی۔ اللہ چپ ہو جایئے۔" صوفیہ ہاتھ جوڑ کر بولی۔

"مورا۔ تم بن۔ جیا اداس ہے۔" عالم پناہ ممیائے اور کورس میں سر پیٹا جانے لگا۔ عالم پناہ غصیلے انداز میں رُک گئے تھے

"یہ کیا ہو رہا ہے۔" وہ غصے سے بولے۔

"راگ کا اثر ہے۔ جادو سر پر چڑھ گیا ہے۔ گائیے گاتے رہیے۔ شاباش آپ کی کامیابی نزدیک ہے۔" صفدر نے عالم پناہ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اور عالم پناہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے لمحے ان

کی انگلیاں پھر تان پورے کے تاروں کی طرف بڑھ گئیں۔

تان پورے کی کربناک چیخیں فضا میں بلند ہو رہی تھیں اور اس کے ساتھ ہی عالم پناہ ڈکرا رہے تھے۔

سب کے لئے ہنسی دبانا مشکل ہو رہی تھی۔ صفدر نے ہدایت کی تھی کہ اگر سنگیت سے بدلہ لینا ہے تو خاموش بیٹھنا ورنہ کھیل خراب ہو جائے گا۔

صرف ایک شاہد تھا جس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ نہیں تھی۔ بلکہ وہ شدید پریشان نظر آ رہا تھا۔

''تمہیں کیا ہو رہا ہے شاہد۔''؟ تنویر نے پوچھا۔

میری جان تان پورے میں اٹکی ہوئی ہے۔ بس اب ٹوٹا، دیکھو کم بخت کے وزنی ہاتھ کس طرح اسے دُھن رہے ہیں۔ خدایا کس عذاب میں گرفتار ہو گیا۔'' شاہد سینہ کوبی کرنے لگا۔

”مرے کیوں جا رہے ہو آخر۔ ٹوٹتا ہے تو ٹوٹ ہی جانے دو۔“

”جی ہاں۔ ٹوٹ جانے دو۔ استاد اللہ دتہ جتنے بامروت ہیں اتنے ہی بے مروت ہیں۔ مرنے مانے پر آمادہ ہو جائیں گے۔“

”کوئی بات نہیں چندہ کر لیا جائے گا تان پورے کے لئے۔“ برابر بیٹھتے ہوئے صفدر نے کہا۔

عالم پناہ آخری سُر لگا کر خاموش ہو گئے۔ درمیان میں اسٹول پر رکھا ہوا گلاس جوں کا توں پڑا ہوا تھا۔

شکیبی تمسخرانہ انداز میں ہنس پڑا۔

”جہانگیر بھائی گلاس تو جوں کا توں ہے۔“ اس نے کہا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ مضبوط گلاس ہے اتنی جلدی تھوڑی ٹوٹے گا۔“ عالم پناہ غصیلے لہجے میں بولے۔

”ابھی تو شکیبی کی باری ہے۔“ تنویر بولی۔

"بے شک۔ بے شک۔ لیکن اس میں کوئی سازش معلوم ہوتی ہے۔" صفدر نے کہا۔

"کیسی سازش۔"؟

"یہ گلاس ان بریک ایبل تو نہیں ہے۔"؟

"معائنہ کرلیا جائے۔" کسی نے کہا۔ عالم پناہ بھی چونک کر گلاس دیکھنے لگے تھے۔ اور پھر گلاس مختلف ہاتھوں میں گھومنے لگا۔

"سازش پکڑی گئی۔" صفدر بولا۔

"کیا مطلب۔"؟ تنویر نے سوال کیا۔

"گلاس فرانسیسی کمپنی کا بنا ہوا ہے۔"

"تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔"؟

"بہت بڑا فرق پڑتا ہے۔ اِسے توڑنے کے لئے عالم پناہ کو فرنچ زبان میں گانا پڑے گا۔"

''اوہ۔'' عالم پناہ بھی چونک پڑے۔

''جبھی تو میں کہوں کہ کیا قصہ ہے۔ اکبرِ اعظم کے دربار میں جو مقابلہ ہوا تھا اس میں رکھا جانے والا شیشے کا برتن خالص ہندوستانی تھا جس پر کلاسیکی موسیقی اثر انداز ہوئی تھی۔''

''بالکل درست۔''

''گلاس بدلا جائے۔ بالکل بدلا جائے۔''! چاروں طرف سے ہنگامہ ہونے لگا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد گلاس بدل دیا گیا۔

اس کے بعد شیکی نے پھدکنا شروع کر دیا۔ دلربا کی تانیں اُبھرنے لگیں اور شیکی بلبلانے لگا۔ وہ ایک کلاسیکی گانے کو انگریزی دھنوں میں گانے کی کوشش کر رہا تھا۔

''اے بھائی شیکی۔ بھیّا شفیع محمد۔ تم نے بیجو کو اُچھلتے کودتے دیکھا تھا کیا۔''؟ صفدر نے اُٹھ کر اسے پکڑ لیا۔

"مجھے مت روکو۔ مجھے گانے دو۔"

"گاؤ گاؤ۔ضرور گاؤ۔مگر کپڑوں میں شہد کی مکھیاں گھس گئی ہیں کیا۔اُچھل کود کیوں کر رہے ہو۔"

"گانے دو۔گانے دو۔گانے دو۔اواواو۔شیکی مست ہو گیا تھا۔اِس کے سر اور داڑھی کے بال ہوا میں اُچھل رہے تھے۔پتلی پتلی ٹانگیں تھرک رہی تھیں۔

"پکڑو۔ارے اسے پکڑو۔"صفدر نے اپیل کی اور بہت سے لڑکوں نے مل کر شیکی کو دبوچ لیا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے۔سنگیت کو آزادی دی جائے۔"

"ایک شرط پر۔"صفدر نے کہا۔

"آہ موسیقی پر پابندی نہ لگاؤ۔"شیکی کرب سے بولا۔

"نہیں لگائی جائے گی وعدہ۔مگر ایک وارننگ سُن لو۔اگر تم کسی

کے اوپر گر پڑے تو تمہیں ناکام قرار دیا جائے گا۔" صفدر نے کہا۔ اور شیکی دھیما پڑ گیا۔

"یہ تو زیادتی ہے۔" شیکی بولا۔

"اور اگر کسی کے چوٹ لگی تو وہ زیادتی نہ ہوگی۔"؟

"بھئی۔ یوں فیصلہ مشکل ہے۔ اِس مقابلہ کے لئے کوئی لائحہ عمل بنایا جائے۔"

"وہ کیا۔"؟ بہت سی آوازوں نے پوچھا۔

"مثلاً یہ کہ ایک ہی گانا پہلے جہانگیر عالم پناہ گائیں گے اس کے بعد شیکی گائے گا۔ البتہ شیکی کو اچھل کود کی اجازت بالکل نہ دی جائے گی، سنگیت تو ایک بہتا ہوا دریا ہے۔ جو خاموشی سے آہستہ آہستہ رواں رہتا ہے۔ اگر اس میں طغیانی آجائے تو خود سوچو کیا ہوگا۔"

"ہوگا کیا سب یہاں سے اُٹھ کر بھاگ جائیں گے۔" حامد نے

جواب دیا۔

''آہ۔ اِس مقابلے کو ملتوی کر دو۔ خدا کے واسطے اِسے ملتوی کر دو۔'' شاہد نے آہستہ سے کہا۔

''اب تو چپ نہیں بیٹھے گا۔''

''بھائی میں اِس تان پورے کی خیر چاہتا ہوں۔ یقین کرو یہ میری زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔''

''کوئی بات نہیں، کوئی بات نہیں، زندگی اور موت خدا کے ہاتھ میں ہے۔'' صفدر نے اُس کے شانے پر تھپکی دے کر کہا۔

''تو پھر میں اِس محفل میں نہیں بیٹھ سکتا۔ میں اِس تان پورے کے پارٹس اُدھڑتے نہیں دیکھ سکتا میں جا رہا ہوں۔'' شاہد نے کہا اور اُٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ سب ہنس رہے تھے۔ انہیں پتہ تھا کہ شاہد تھوڑی دیر میں واپس آ جائے گا۔ بہر صورت شیکی اور عالم پناہ نے

مقابلے کے لئے یہ شرط بھی قبول کرلی تھی۔ اور اِس کے بعد ایک کلاسیکل گانا ان دونوں کو دے دیا گیا۔ عالم پناہ نے مسکرا کر گردن ہلائی۔ لیکن شیکی کی سمجھ میں یہ گانا نہیں آسکا تھا۔

صفدر مسکرا کر گردن ہلانے لگا۔ پھر وہ شیکی کو گانے کے بول سمجھانے لگا۔ کافی دیر کے بعد وہ بول شیکی کی سمجھ میں آئے تھے۔ بہر صورت اُس کے چہرے پر مسکراہٹ پیدا ہوگئی تھی جو اِس بات کی غماز تھی کہ گانا شیکی کی سمجھ میں آگیا ہے۔ اُس نے تفاخر کے انداز میں عالم پناہ کی طرف دیکھا اور کہنے لگا۔

"ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ چلو شروع ہوجاؤ۔" اُس نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

اور عالم پناہ بے سُری آواز میں شروع ہوگئے۔ اُنہوں نے گانے کے دو بول کلاسیکل انداز میں گائے۔ پھر اُنہیں ہاتھ اُٹھا کر روکا گیا

اور شیکی کو گانے کی دعوت دی گئی۔ شیکی نے اِس گانے کی انگلش دُھن بنا ڈالی۔ کلاسیکل گانا انگریزی دھن سے گایا جا رہا تھا۔ شیکی آہستہ آہستہ تھرک رہا تھا۔ اسٹول پر گلاس رکھا ہوا تھا۔ اور سُننے والے سر دُھن رہے تھے۔ لیکن اپنا اپنا نہیں بلکہ ایک دوسرے کا، اچھا خاصا ہنگامہ برپا تھا۔ کہ دفعتاً شیکی کے حلق سے ایک کراہ نکلی اور وہ بلبلا کر سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ تمام لڑکے اور لڑکیاں اُس کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ تب صفدر کے منہ سے نکلا۔

"ارے ارے یہ کیا ہوا۔؟ یوں لگتا ہے جیسے بھائی شفیع الدین پر موسیقی حملہ آور ہو گئی۔"

"ظاہر ہے کلاسیک کے ساتھ یہ سلوک ہو گا تو اور کیا ہو گا۔" کسی نے کہا۔

لیکن شیکی کی حالت غیر ہو گئی تھی۔ دلربا بھی اس کے ہاتھ سے

چھوٹ کر اِس طرح نیچے نہیں گر سکتی تھی۔ کیونکہ وہ اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔ چند لمحات کے بعد وہ زمین پر چاروں شانے چت گر کر بے ہوش ہو گیا۔ تب ذرا بات باعثِ تشویش ہو گئی۔

لوگ شیکی کے نزدیک آئے اور اُسے ٹٹولنے لگے۔ لیکن کوئی چیز ایسی نہ ملی جس سے اُس کے زخمی ہونے کا اندازہ ہوتا سبھی حیران تھے۔ البتہ تنویر نے پتھر کا ایک ٹکڑا قریب سے اُٹھالیا اور صفدر سے بولی۔

"یہ۔ یہ۔ یہ۔ پتھر۔ مجھے ایک سنسناہٹ سی سنائی دی تھی۔"

"کیا مطلب۔"؟

"یہ پتھر کہیں سے آیا تھا۔"

"ناممکن ناممکن۔" صفدر نے کہا اور پتھر اپنی مٹھی میں دبا کر جیب میں رکھ لیا۔

شفیع الدین کی بے ہوشی واقعی حیرت ناک تھی۔ عالم پناہ بھی حیران ہو گئے اور شفیع الدین کو ٹٹولنے لگے جس کی کھوپڑی کے پچھلے حصے میں ایک دوسرا سر نمودار ہو رہا تھا۔ یقینی طور پر یہ غلّہ اس کے سر پہ لگا تھا۔

لوگ تشویش کا شکار ہو گئے۔ گلاس اپنی جگہ سے اُٹھا لیا گیا اور یہ مقابلہ پھر کسی وقت کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ تان پورہ بھی اُٹھا لیا گیا تھا۔

"مگر یہ ہوا کیا۔" صفدر تشویش زدہ نظر آ رہا تھا۔

شیکی کو اس کے کمرے میں پہنچا دیا گیا۔ اور اِس کی تیمارداری کی جانے لگی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس کے سر میں چوٹ لگی ہے چنانچہ اس کے سر پر کس کر پٹی باندھ دی گئی۔ ویسے خون وغیرہ نہیں نکلا تھا۔ البتہ شیکی جیسا منحنی آدمی اِس غلّے کی ضرب سے بے ہوش ہو گیا تھا۔

دفعتاً صفدر کو کوئی خیال آیا اور اُس نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

''تم لوگ شیکی کی دیکھ بھال کرو، میں ابھی آتا ہوں۔'' اُس نے کہا۔ اور وہاں سے چل پڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر اُسے شاہد مل گیا تھا۔ صفدر اُس کے نزدیک پہنچ گیا۔

''کیوں بے یہ کیا حرکت تھی۔''؟ اُس نے ہوا میں تیر چلایا تھا۔

''بس یار صفدر غلطی ہوگئی۔ نشانہ ہی چوک گیا۔'' اُس نے کہا۔

''کیا مطلب۔''؟

''میں نے اسٹول پر رکھے ہوئے گلاس کو نشانہ بنایا تھا۔ لیکن اب اُسے کیا کہوں کہ شیکی کی بدقسمتی آڑے آگئی۔''

''گلاس کو نشانہ بنایا تھا۔'' صفدر نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں صفدر بھائی۔ میں چاہتا تھا کہ تان پورے کی جان بخشی ہو

جائے۔ گلاس ٹوٹ جائے اور فیصلہ گانے والے کے حق میں ہو جائے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ شیکی جیتے یا عالم پناہ۔ بس میں نے گلاس کو نشانہ بنایا تھا۔ لیکن غلیل چلانے کی زیادہ مشق نہیں ہے چنانچہ غلہ شیکی کے سر میں جا لگا۔"

"ہوں۔ میں نے پہلے ہی سوچ لیا تھا۔ لیکن اگر اس کا سر پھٹ جاتا تو۔"

"مجبوری تھی تان پورے کی بقاء کے لئے یہ سب کچھ بہت ضروری تھا۔"

"اچھا اب دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ تان پوری اُٹھا کر اُستاد اللہ دتہ کو دے آؤ۔ اِس کے بعد ہمیں شیکی کی تیمارداری کرنی ہے۔"

"صفدر بھائی یہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ ہو۔"

"ارے نہیں معلوم ہوگی۔ بس اب جاؤ۔" صفدر نے منہ بنا کر کہا۔ اور شاہد جلدی سے دوڑتا چلا گیا۔ تان پوری بچ گیا تھا۔ اور اُسے اب اس بات کی بہت خوشی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ تان پورہ کے تار ڈھیلے ہو گئے تھے۔ لیکن اُستاد اللہ دتہ نے اِس کا بُرا نہیں منایا اور تان پوری جوں کا توں قبول کر لیا۔

☆

سمارا پر نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری تھی۔

روبانہ اِس کی ہمت بندھا رہی تھی۔ لیکن سمارا انتہائی کوشش کے باوجود خود کو سنبھال نہیں پا رہی تھی۔

"ہمیں مزید خطرات پیش آ سکتے ہیں سمارا خود کو سنبھالو۔ ہمیں فوری طور پر یہاں سے نکل جانے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

سمارا خالی خالی نگاہوں سے روبانہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے

گہری سانس لے کر کہا۔ ''میں اِس طرح تو یہاں سے نہیں جاؤں گی روبانہ۔''

''کیا مطلب۔''؟

''میں نے زندگی میں کبھی اتنی بڑی چوٹ نہیں کھائی۔ میں اسے تلاش کروں گی۔ وہ نواب کا بچہ مجھ سے نہیں بچ سکے گا۔ میں نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے شاطروں کو دیکھا ہے۔''

''یہ اجنبی ملک ہے سمارا۔'' روبانہ بولی۔

''میرے لئے ہر ملک اجنبی ہے، لیکن میں اپنے پنجے گاڑنا جانتی ہوں۔'' سمارا غصے سے پاگل ہو رہی تھی۔

''مشکل ہے سمارا۔ بہت مشکل ہے۔ وہ چالاک نواب آسانی سے ہمارے ہاتھ نہ آ سکے گا۔ تم اِسے کہاں تلاش کرو گی۔''

''میں نہیں تلاش کروں گی۔ اِس شہر کے جرائم پیشہ لوگ اِسے

تلاش کریں گے۔ میں ان لوگوں سے رابطہ قائم کروں گی۔'' سمارا نے کہا۔

اس کی ضد پر روبانہ خاموش ہوگئی۔ درحقیقت سمارا تلملا رہی تھی۔ وہ کسی ریاست کی شہزادی نہیں تھی بلکہ ایک چالاک مجرمہ تھی۔ جو دنیا کے بیشتر ممالک میں فراڈ کرچکی تھی اور ہمیشہ کامیاب رہی تھی۔

یہ پہلا موقع تھا کہ اسے چوٹ ہوئی تھی۔ تین اصلی ہیروں کی مالیت بھی دس لاکھ کے قریب تھی۔ یہ ہیرے سمارا نے ایک جوہری سے خریدے تھے اور مزید دو لاکھ روپے خرچ کرکے ان کی نقل بنوائی تھی۔ گویا اسے بارہ لاکھ روپے کا نقصان برداشت کرنا پڑا تھا۔ اور پھر اس پلاننگ پر عمل درآمد کے لئے الگ اخراجات ہوئے تھے جو کسی شمار میں نہیں تھے۔ اس طرح سمارا کی کمر ٹوٹ کر رہ گئی تھی۔

اس کی مجرمانہ زندگی کا طریقہ کار یہی تھی۔ پلاننگ کرتی تھی۔ اس

پر اخراجات کرتی تھی۔اور پھر منافع حاصل کر کے اطمینان سے
روپوش ہو جاتی۔اور خاموش بیٹھ کر دوسری پلاننگ کرنے لگتی تھی۔
لیکن اِس بار۔اِس بار اِسے بدترین حالات کا شکار ہونا پڑا تھا۔
اور وہ چوٹ کھائی ہوئی ناگن کی طرح تلملا رہی تھی۔روبانہ اِس کی
پرانی ساتھی تھی اور خود بھی بہت چالاک عورت تھی۔وہ سوچ رہی تھی کہ
سمارا جوشِ انتقام میں کوئی حماقت نہ کر بیٹھے۔
تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد اِس نے کہا۔''کیا سوچ رہی ہو
سمارا۔''؟
''کچھ سمجھ میں نہیں آرہا روبانہ۔''
''میں بتاؤں۔''؟
''تمہیں منع کس نے کیا ہے۔''
''تو پھر سنو۔بہتر یہی ہے کہ خاموشی سے یہاں سے نکل چلو۔''

”کہاں۔“؟

”تمہارا ارادہ مشرقِ وسطیٰ جانے کا تھا نا۔“؟

”ہاں۔“؟

”بس وہیں چلو۔“؟

”اور اِس نواب کو چھوڑ دوں۔“؟

”چھوڑنا پڑے گا سمارا۔ حالات ہمیں کچھ کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ ہمیں حالات کو مدِ نگاہ رکھنا ہو گا۔“

”کون سے حالات کی بات کر رہی ہو۔“؟

”کیا ہماری مالی حالت ایسی ہے کہ ہم یہاں رُک کر کوئی کاروائی کر سکیں۔ فوری طور پر ہمیں روپیہ کہاں سے ملے گا۔“

”کوئی چال چلیں گے۔“

”اِس وقت ممکن نہیں ہے۔“

"کیوں۔"؟

"اِس لئے کہ تمہارا ذہن انتشار کا شکار ہے۔ انتقام کی کیفیت سے تم بُری طرح مغلوب ہو اس شہر میں رہو گی تو اِسے نہ بھول سکو گی اور کہیں نہ کہیں کوئی لغزش ہو جائے گی۔" روبانہ نے کہا۔

اور سمارا گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ پھر اِس نے گردن کرسی کی پشت سے ٹکا دی۔

"تو ٹھیک ہی کہتی ہے روبانہ۔ درحقیقت کبھی کبھی انسان کو ناکامی سے دوچار ہونے کے لئے بھی تیار رہنا چاہیئے۔"

روبانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ "یہ تو دستور ہے سمارا۔ تصویر کے ہمیشہ دو رُخ ہوتے ہیں۔"

"اِس تصویر کے بارے میں کیا کہتی ہو۔"؟ سمارا نے بھی مسکرا کر کہا۔

"کون سی تصویر۔"؟

"اِسی کی بات کر رہی ہوں جو میرے ذہن و دل پر قبضہ جما چکی ہے۔"

"اوہ سمجھی۔ سہیل۔"

"ہاں۔"

"وہ تمہاری ہے۔ قبضے میں کرو اور یہاں سے لے چلو۔ نئی جگہ تمہارا دل بہلائے گا۔"

"تیار ہو جائے گا۔"؟

"کوشش کرو۔"؟

"مگر اس سے ملاقات کیسے کی جائے۔"؟

"کیوں اِس میں اب کیا مشکل ہے۔ کسی بھی اعلیٰ درجے کے ہوٹل میں اسے بُلوالو۔ فون تمہارے پاس ہے۔ میرا مطلب ہے اب

وہ خطرہ تو ٹل گیا ہے۔ جس نے ہمارے ساتھ فراڈ کیا ہے وہ اب ہمیں فراڈ ثابت کرنے کے لئے ہمارے سامنے تو نہیں آئے گا۔" روبانہ نے کہا۔ اور رسمارا کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆

مسز درانی زاہد ظفر سے رخصت ہو کر گھر پہنچ گئی تھی۔ اور اِس سے وصول شدہ رقم سہیل کے حوالے کر دی گئی تھی۔ سہیل نے معنی خیز انداز میں مسز درانی کو دیکھا اور پھر مسکرا کر بولا۔

"کیسا آدمی تھا یہ زاہد ظفر۔"؟

مسز درانی نے بمشکل تمام خود پر قابو پایا اور بولی۔ "ٹھیک تھا جناب۔ میں نے غور ہی نہیں کیا اِس پر۔"

"یہ بڑا اچھا کیا مسز درانی۔ ویسے سنا ہے کہ خاصا خطرناک آدمی ہے۔"

''ہاں میں نے بھی یہ سنا تھا۔ اِس سے ملاقات کرتے ہوئے خاصی دقت پیش آئی تھی۔''

''کیا مطلب۔''؟

''کسی مشاعرے میں جا رہا تھا۔''

''اوہو۔ ہاں میں نے بھی کسی سے سنا تھا کہ وہ شاعر ہے۔ ویسے اُس نے تمہیں اپنے شعر ضرور سنائے ہوں گے۔ بلکہ شاید مشاعرے ہی میں روک لیا ہوگا رات کو۔''

''ن.....نہیں یہ بات نہیں ہے۔ بس رات ہوگئی تھی اس سے ملاقات ہونے میں کافی دیر ہوگئی۔ اس لئے میں رات کو وہیں رک گئی تھی۔''

''گفتگو بھی ہوئی ہوگی۔''

''بس کاروبار کی حد تک۔'' مسز درانی نے نگاہیں چُراتے ہوئے

جواب دیا۔

”خیر ٹھیک ہے۔ ویسے مسز درانی، میں محسوس کرتا ہوں کہ ابھی تک تمہارا دل میری جانب سے صاف نہیں ہوا۔“

”نہیں سہیل، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ لیکن.....“

”ہاں ہاں، لیکن کیا۔“؟ سہیل نے پوچھا۔

”مجھے تمہاری نگاہوں میں اپنی یہ حیثیت پسند نہیں۔“

”کیا مطلب ڈیئر۔“؟ سہیل نے سوال کیا۔

”میرا مطلب ہے سمجھنے کی کوشش کرو سہیل۔ میں جس انداز میں تم سے ملی تھی۔ وہ ذرا مختلف تھا۔“

”ہاں تھا تو مختلف۔“

”اور اب مجھے تمہارے غلام کی حیثیت سے کام کرنا پڑ رہا ہے۔“

”میرے غلام کی حیثیت سے نہیں بلکہ نصیبو کے غلام کی حیثیت

ہے۔‘‘

’’نصیبو۔‘‘ مسز درانی آہستہ سے بڑبڑائی۔

’’ہاں کہو تمہیں اس سے اختلاف ہے۔‘‘

’’بہت سے اختلافات ہیں مجھے تم سے سہیل، مگر کیا کہہ سکتی ہوں۔‘‘ مسز درانی نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

’’ذرا تفصیل سے ہو جائے حضور۔‘‘ سہیل اس وقت اچھے موڈ میں تھا۔

’’ہمت نہیں پڑتی۔‘‘ مسز درانی نے کہا۔

’’کیوں۔‘‘؟

’’بس تم نے قریب آنے کا موقع ہی نہیں دیا۔‘‘

’’چلو تھوڑی سی آگے کھسک آؤ۔‘‘ سہیل مسکرا کر بولا۔

’’مذاق اُڑا رہے ہو۔‘‘؟

’’کمال ہے تمہاری شکایت دور کر رہا ہوں۔ بہر حال بتاؤ کیا اختلاف ہے تمہیں مجھ سے۔‘‘؟

’’اگر تم اِس زندگی سے تعلق رکھتے تھے تو مجھے کوئی اچھی حیثیت دی ہوتی۔ اپنا دوست بنا کر مجھے اپنے ساتھ شریک کیا ہوتا تم نے۔‘‘

’’یہ نصیبو کے اصول کے خلاف ہے۔‘‘ سہیل بولا۔

’’آخر کیوں۔‘‘؟

’’اِس کی ایک خاص وجہ ہے مسز درانی۔‘‘ سہیل کا لہجہ اچانک سنجیدہ ہو گیا۔

’’مجھے معلوم ہو سکے گی۔‘‘؟

’’پہلی اور آخری بار۔‘‘ سہیل نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ اور اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ ’’نصیبو مرد نہیں ہے۔ اِس لئے کوئی مرد اس کی برابری نہیں کر سکتا۔ طاقت میں، جوان مردی

میں، عقل و دانش میں، ذہانت میں اور اِن تمام صفات میں جو مردوں سے منسوب کی جاتی ہیں سمجھیں تم۔ اِس لئے کہ اُسے کلی طور پر مرد نہیں کہا جا سکتا۔ نصیبو عورت نہیں ہے۔ اِس لئے کوئی عورت اِس کی ہم عصر نہیں ہو سکتی، حسن و جمال میں، شاطرانہ چالوں میں اور نسوانی اداؤں میں۔ ہر طرح عورت نصیبو کے سامنے ہیچ ہے اِس لئے کوئی عورت اِس کی ساتھی نہیں ہو سکتی۔ وہ نصیبو کی غلام ضرور ہو سکتی ہے، اِس کے اشاروں پر ضرور ناچ سکتی ہے۔''

''تو کیا وہ صرف ایک مذاق نہیں تھا۔''؟

''کیا۔''؟ سہیل نے پوچھا۔ اِس وقت وہ بالکل مختلف نظر آ رہا تھا۔

''تم خود کو پوز نہیں کرتے۔''؟

''فضول بکواس کی اجازت نہیں۔''

"آہ مگر۔ سہیل مگر۔! تم خود کو کسی ایک حیثیت میں کیوں نہیں لاتے۔"

"ممکن نہیں ہے۔"

"طبِ جدید۔"

"مسخرہ پن ہے۔ ہم ازل سے ہیں ابد تک رہیں گے۔ ہماری بھی ایک نسل ہے۔ اللہ ماریو تم کیا سمجھتی ہو خود کو۔ ہم پاک ہیں۔ جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو۔ اے ہاں۔ نہ چھیڑو ہمیں آگ لگ جائے گی آشیانے کو۔ نہ چھیڑو۔"

سہیل لچکنے لگا۔ اور پھر اسی طرح لچکتا ہوا باہر نکل گیا۔ مسز درانی نے اِسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ پتھر کے بُت کی مانند منہ پھاڑے بیٹھی تھی۔

اِس کی عقل اِس حقیقت کو کسی طور تسلیم نہیں کرتی تھی وہ سہیل کو

ایک شاطر سمجھتی تھی۔ ایک خطرناک انسان جو کسی بھی وقت کچھ بھی کر سکتا ہے۔

''بہر حال اتنی بات اِس نے دورانِ گفتگو کہہ دی تھی اور اِس کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا تھا۔ نہ جانے کب تک وہ اسی طرح بیٹھی رہی اور پھر داول آ گیا۔

''ہیلو مسز درانی۔''

''ہیلو۔''

''سہیل صاحب سے ملاقات ہو گئی۔''

''ہاں۔''

''سب ٹھیک ہے نا۔''

''ہاں کوئی خاص بات نہیں ہے۔''

''ایک مسئلہ ہے مسز درانی۔'' داول پُر خیال انداز میں بولا۔ اور

مسز درانی اسے سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔ ''گولیور کا نام سنا ہے کبھی۔''؟

''ہاں کوئی سیاح تھا۔''

''زمانہء قدیم کا سیاح نہیں زمانہء جدید کا سیاح۔''

''نہیں۔ کون ہے۔''؟

''یورپ کا زلزلہ۔'' دادل نے جواب دیا۔

''کیا مطلب۔''؟

''یورپ کا ایک جرائم پیشہ شخص ہے۔ بے حد ذہین اور چالاک۔ غالباً دس گیارہ سال قبل کی بات ہے اِس کا نام اِس ملک میں سنا گیا تھا۔ پولیس نے کسی طرح اس پر ہاتھ ڈال دیا۔ لیکن صرف چند گھنٹے پولیس کا مہمان رہ کر وہاں سے صاف نکل گیا۔

''اوہ۔ میں نے نہیں سنا۔ کیوں۔''؟

''پھر آ رہا ہے۔''؟

''یہاں۔''؟

''ہاں۔'' دادل نے رازداری سے کہا۔

''تمھیں کیسے معلوم۔''؟

''زیرِ زمین دنیا کے بہت سے لوگوں سے میری جان پہچان ہے۔ فضل خان نے پہلے بھی اِس کے لئے کام کیا تھا اور اِس بار بھی فضل خان بھرتی کر رہا ہے۔''

''بھرتی۔''؟

''ہاں بھرتی۔ گولیور جس ملک میں جاتا ہے وہاں کے لوگوں کو اپنے لئے انگیج کر لیتا ہے اور پھر مجرمانہ کاروائیاں کرتا ہے۔ کام کے لوگوں کو وہ ہر قیمت پر خرید لیتا ہے۔ اس بار بھی پیش کش ہے۔''

''تمھیں۔''؟

"نہ صرف مجھے بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی۔"

"وہ کرتا کیا ہے۔"؟

"دولت جمع کرتا ہے جس طرح بھی ممکن ہو۔ بینکوں میں ڈاکے پڑتے ہیں۔ بلیک میلنگ ہوتی ہے۔ بڑی بڑی چالیں چلی جاتی ہیں۔ جس طرح بھی دولت حاصل ہو۔"

"قتل و غارت گری بھی ہوتی ہے۔"؟ مسز درانی نے پوچھا تھا۔

"ضرورت پڑنے پر۔"

مسز درانی نے گہری سانس لی پھر بولی۔ "کوئی خیال ہے تمہارے ذہن میں۔"؟

"تم سے مشورہ کیے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔"

"خیال کیا ہے۔"؟

"اگر کچھ کر دکھائیں تو ممکن ہے اس بلا سے ہی نجات مل

جائے۔"

"نصیبو سے۔"؟

"ہاں۔" دادل نے جواب دیا۔

"سوچ لو دادل اچھی طرح۔ یہ بھی ممکن ہے کہ گولیور نصیبو کو بھی قابو کرنے کی کوشش کرے۔"

"مشکل ہے مسز درانی۔"

"کیوں مشکل ہے۔"

"نصیبو بے حد خطرناک ہے۔ یہ بات تو طے ہے کہ وہ دولت کے لئے سب کچھ نہیں کرتا۔ بس اِسے اپنی برتری عزیز ہے۔ اِن حالات میں یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی اور کی برتری قبول کرے۔"

"اگر یہ بات ہے دادل تو پھر میری ایک نصیحت بھی سُن لو۔"

"ہاں ہاں ضرور۔ تمہارے مشورے کے بغیر میں کچھ کرنے کو تیار

نہیں ہوں۔" دادل نے کہا۔

"نصیبو کے ساتھ شامل ہو اس کے ساتھ شامل رہو۔ اگر گولیور اور نصیبو کا ٹکراؤ ہو جائے تو حالات کو دیکھو۔ اور ان کے مطابق کام کرو۔ اور اگر ٹکراؤ نہ ہو تو کرانے کی کوشش کرو۔ اس سے اچھا موقع ہاتھ نہیں آئے گا۔" مسز درانی نے کہا۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔"

"یہی ایک ذریعہ ہے اس سے نجات حاصل کرنے کا۔"

"عمدہ بات ہے۔ میں مطمئن ہو گیا۔" دادل نے کہا۔ اور مسز درانی خاموش ہو گئی۔ اس نے دادل کو اپنے اور زاہد ظفر کے درمیان ہونے والی گفتگو کی ہوا بھی نہیں دی تھی۔ وہ بہت محتاط رہنا چاہتی تھی۔ دادل چلا گیا۔ اور مسز درانی زاہد ظفر کا انتظار کرنے لگی۔

تیسرے دن اسے زاہد ظفر کا فون ملا تھا۔ اس نے پہلے ایک شعر پڑھا

اور پھر بولا۔

”سمجھ گئیں کون ہو سکتا ہے۔“؟

”انتظار کر رہی تھی۔“

”آہ۔ اس قدر خوش فہمیوں کا شکار نہ کرو۔ کیا ہم اس قابل ہیں۔“ زاہد نے مخصوص انداز میں پوچھا۔

”کب آ رہے ہو۔“؟

”آج شام۔ اسی لئے تو پوچھ لیا کہ کہیں مصروف تو نہیں ہو۔“

”نہیں۔ کس وقت پہنچو گے۔“؟

”دس بجے۔“

(جاری ہے)

بانگڑو
(قسط نمبر ۶)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

"مناسب وقت ہے۔ اِس طرح آنا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔" مسز درانی نے کہا۔ اور ظفر نے وعدہ کرلیا۔ فون بند کرنے کے بعد مسز درانی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ سہیل شیطان تھا گرینگو کے مسئلے میں مسز درانی جن حالات کا شکار ہوئی تھی۔ انہیں کبھی نہیں بھول سکتی تھی۔ اِسی لئے یہ سازش کرتے ہوئے بھی وہ سوچ رہی تھی کہ اگر ناکامی ہوئی تو۔ اور اِس کے بعد کے تصور سے اِس کے بدن میں خوف کی پھریریاں دوڑنے لگی تھیں۔

ہوٹل شرمین کے کمرہ نمبر چالیس میں سمارا نے سہیل کے ساتھ ملاقات کی۔ یہ کمرہ اِس نے عارضی طور پر اِس ملاقات کے لئے حاصل کرلیا تھا۔ روبانہ بھی موجود تھی۔

سہیل ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس بے حد حسین نظر آرہا تھا۔

سمارا اسے دیکھتی رہ گئی۔

"ہیلو سہیل۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولی۔ اور سہیل شرما کر مسکرانے لگا۔

"مجھے ہیلو نہیں کہو گے۔"؟

"شرم آتی ہے۔"

"کیوں۔"؟

"بس آتی ہے۔ اب کیا بتائیں۔"

"بتا دو۔"

"نہیں۔ اللہ مجھ کو مجبور نہ کریں۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔ اور روبانہ شرارت بھری نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اور اگر مجبور کرنے کو دل چاہے تو۔"

"تو۔ تو انہیں بھگا دیں کمرے سے۔" سہیل نے روبانہ کی

طرف اشارہ کر کے کہا۔

"میں چلی جاتی ہوں۔" روبانہ خود ہی بولی اور ہنستی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

"وہ چلی گئی، اب آرام سے بیٹھ جاؤ۔"

"غیر عورتوں کے سامنے ہمیں بہت شرم آتی ہے۔"

"میں تو غیر نہیں ہوں۔" سمارا بولی۔ اس کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو رہا تھا۔ یہ انوکھی چیز اس کے لئے بڑی پُرکشش تھی۔ اور اِس کا ذہن بہت دور تک جا رہا تھا۔ اِن جان لیوا لمحات تک جب یہ شرمیلا نوجوان اس کے قریب ہو۔

"تم ملک سے باہر نہیں گئے کبھی سہیل۔"

"کبھی نہیں۔"

"دل بھی نہیں چاہتا۔"

”چاہتا ہے مگر ابو اجازت نہیں دیتے۔“

”کیوں۔“؟

”کہتے ہیں تم ابھی چھوٹے ہو۔“

”اتنے چھوٹے بھی نہیں۔“

”کیا کریں، وہ یہی کہتے ہیں۔“

”تو چھپ کر چلے جاؤ۔“ سمارا نے کہا۔

”کس چیز میں چھپیں گے۔“؟ اس نے معصومیت سے کہا۔

”کسی کے دل میں چھپ کر۔ میرے دل میں چھپ کر۔“ سمارا اس کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی۔

”ہائے اللہ۔ کیسی باتیں کرتی ہیں آپ۔ ہمیں شرم بھی آتی ہے اور ہنسی بھی۔“

”نہیں سہیل میں سچ کہہ رہی ہوں۔ اگر تم تیار ہو جاؤ تو میں تمہیں

پوری دنیا کی سیر کراؤں۔ جہاں بھی جاؤں تمہیں ساتھ لے جاؤں۔ دل میں چھپا کر رکھوں اپنے۔ بولو چلو گے۔"؟

"ہمیں ڈر لگتا ہے۔" سہیل نے بھولا سا منہ بنا کر کہا۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں سہیل۔ تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہونے دوں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔ تم میرے ساتھ چلو، خوب گھومیں گے، سیر کریں گے بہت مزا آئے گا۔ اور سہیل اس سلسلے میں تمہیں میری ایک مدد بھی کرنا ہوگی۔"

"وہ کیا۔"؟ سہیل نے پوچھا۔

"میں تمہارے بارے میں جس قدر معلوم کر سکی ہوں وہ یہ ہے کہ تم ایک اچھے خاصے دولت مند باپ کے بیٹے ہو حالات اچانک ایسے ہو گئے ہیں سہیل کہ میں اچھی خاصی مالی پریشانی کا شکار ہو گئی ہوں، میں تمہیں اپنی ریاست میں لے جاؤں گی اور جو کچھ تم سے لیا ہے اُس

سے دس گنا زیادہ کر کے تمہیں واپس کر دوں گی۔ بس یوں سمجھو کہ میرے کچھ ساتھیوں نے مجھے دھوکہ دے دیا ہے۔" سمارا بولی۔

"اور آپ ہمیں دھوکہ دے رہی ہیں۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔۔؟"

"ظاہر ہے کہ آپ شہزادی ہیں۔ شہزادیوں کے پاس تو بے پناہ دولت ہوتی ہے۔ بھلا ہم جیسے غریب لوگوں سے انہیں کیا حاصل ہو سکتا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے سہیل، مگر میں نے کہا نا میں کچھ عجیب سے حالات کا شکار ہو گئی ہوں۔"

"اگر ایسی بات ہے تو ہمارے پاس آپ کی ایک امانت ہے ہم وہ امانت آپ کو واپس لوٹا دیں گے۔ آپ اگر چاہیں تو اِس کے

ذریعے پھراپنی حیثیت بنا سکتی ہیں۔‘‘سہیل نے کہا۔

’’میری امانت۔‘‘سمارا چونک کر بولی۔

’’جی ہاں،ہمارے سینے میں محفوظ ہے۔‘‘

’’کیا ہے۔؟میں سمجھی نہیں سہیل۔‘‘سمارا بولی۔اور سہیل نے جیب سے ایک خوبصورت پیکٹ نکال لیا۔

’’یہ آپ کی امانت ہے۔ہم اِسے آپ کے لئے لائے ہیں۔قبول فرمائیے۔‘‘

’’کیا ہے یہ۔‘‘سمارا نے تعجب سے پوچھا۔

’’کھول کر دیکھ لیجئے۔‘‘سہیل نے مسکرا کر کہا اور سمارا دلچسپی سے پیکٹ کھولنے لگی۔سہیل مطمئن انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔جب کہ سمارا عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔

’’لیکن جب پیکٹ کھلا تو سمارا کا دماغ چکرا کر رہ گیا وہ بے ہوش

ہوتے ہوتے بچی۔ پھٹی پھٹی آنکھوں سے وہ اِس پیکٹ میں رکھے ہوئے ہیرے دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی ہیرے تھے جو نواب نے اِس سے خریدے تھے۔

اُس نے بے چین نگاہوں سے ہیروں میں اُن اصلی ہیروں کو تلاش کیا جن کی تعداد صرف تین تھی اور جو درحقیقت قیمتی تھے ورنہ نقلی ہیرے تو بے حقیقت تھے۔ اِن کی کوئی مالیت نہیں تھی۔

لیکن یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئی کہ وہ تین ہیرے اِس میں سے غائب تھے۔ سارے کے سارے نقلی ہیرے اِس پیکٹ میں لگے ہوئے تھے لیکن سہیل کے پاس یہ پیکٹ کہاں سے آیا وہ پریشان نگاہوں سے اُسے دیکھنے لگی۔ سہیل اسی طرح معصومیت سے مسکرا رہا تھا۔

"یہ۔ یہ کہاں سے لائے ہو تم سہیل۔" اس نے حیرت و تعجب

سے پوچھا۔

"آپ ہی سے لئے تھے ہم نے سو آپ ہی کو واپس کر رہے

ہیں۔"

"م.... مجھ سے۔"؟

"ہاں آپ سے، اور آپ کو اس کی قیمت بھی ادا کی تھی۔"

"کیا۔"؟ سمارا کے ہوش و حواس اب اس کا ساتھ چھوڑتے

جا رہے تھے۔

"جی ہاں، دیکھئے نا۔" سہیل نے جیب سے کچھ اور چیزیں

نکالیں۔ یہ نقلی داڑھی اور مونچھیں تھیں۔ جنہیں اُس نے اپنے چہرے

پر چپکا لیا اور سمارا دہشت زدہ ہو کر کھڑی ہو گئی۔

اِس کے سامنے وہی نواب کھڑا ہوا تھا۔ جس نے اِس سے

ہیرے خریدے تھے۔ سمارا نے گرنے سے بچنے کے لئے ایک کرسی

کے ہتھے کا سہارا لیا تھا۔

''کیسے لگ رہے ہیں ہم۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

سمارا نے کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اُس کے حلق سے آواز نہ نکل سکی۔ ''آپ خاموش ہو گئیں، کچھ بولئے تو سہی، اچھا لیجئے ہم یہ داڑھی مونچھیں اُتار لیتے ہیں۔''

''تو تم نے۔تم نے یہ فراڈ کیا تھا مجھ سے۔''

''اللہ کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ہم نے کون سا فراڈ کیا ہے آپ سے۔ہمیں تو فراڈ کرنا ہی نہیں آتا۔''

''تم نواب بن کر آئے تھے میرے پاس۔''

''ہم دراصل نواب ہی ہیں، بس داڑھی مونچھیں نقلی تھیں۔''

''میں تمہیں قتل کر دوں گی تم کیا سمجھتے ہو خود کو۔''؟

''یہی کہ آپ ہمیں ضرور قتل کر دیں گی۔''

"تین ہیرے کہاں گئے اس میں سے۔"

"وہ ہم نے خرید لئے ہیں۔" سہیل شرما کر بولا۔

"کیا بکواس ہے۔"

"سچ جانیں، ہم جھوٹ بہت کم بولتے ہیں۔ جو ہیرے نقلی تھے ہم نے اُن کے عوض نقلی نوٹ دیئے جو اصلی تھے اُن کے بدلے اصلی نوٹ دیئے۔ اُن نوٹوں میں تین گڈیاں اصلی ہیں، ہم نے اُن ہیروں کی قیمت دس ہزار روپئے لگائی ہے اِس طرح ہم نے آپ کو تیں ہزار روپئے ادا کردیئے ہیں۔ اُمید ہے کہ اب آپ کو مالی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"اوہ۔ اوہ۔ تم کمینے انسان، اُن کی قیمت دس لاکھ ہے۔"

"اب ہم اتنے دولت مند تو نہیں ہیں کہ آپ کو دس لاکھ ادا کر سکتے۔ جو کچھ ہمارے پاس تھا ہم نے ادا کردیا۔ قبول فرمایئے ہمیں

خوشی ہوگی۔"

"سہیل۔ وہ ہیرے واپس کر دو، ورنہ اچھا نہ ہوگا۔"

"کچھ بُرا بھی نہ ہوگا۔ اب دیکھئے نا۔ آپ کہاں کی شہزادی ہیں۔ نہ ہیرے اصلی تھے نہ شہزادی اصلی تھی۔ اِس لئے نوٹ بھی اصلی نہ تھے۔ اب اگر پولیس آپ سے آپ کی اسٹیٹ کے بارے میں پوچھ بیٹھے تو کتنی شرمندگی ہوگی آپ کو۔"

"مگر سہیل۔ تم ہو کون۔ اور۔ خدا کی پناہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔" سمارا نے کہا۔

"ہم سہیل ہیں اور بڑے معصوم ہیں آپ یقین کریں۔ ہم نے ابھی اِس دنیا میں کچھ نہیں دیکھا۔"

"سہیل۔ مجھے تعجب ہے۔ تم دنیا کے شاطر ترین انسان ہو۔ ایسی معصوم صورت اور۔ اور۔ میرا دماغ خراب ہوا جا رہا ہے۔ سنو سہیل تم

میرے ساتھ اشتراک کرلو۔ میں اور تم مل کر۔ میری یہ پیش کش قبول کرلو۔"

"آپ یہاں سے کہاں جائیں گی۔"؟

"کہیں بھی نکل چلیں گے۔ بحرین، کویت، مسقط وغیرہ اس کے بعد یورپ چلیں گے۔"

"تو جلدی سے چلی جایئے ورنہ پولیس آپ کے پاس پہنچ جائے گی۔ ہم آپ کو اپنا سمجھ کر یہ اطلاع دے رہے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"؟

"جی ہاں۔ آپ کے پاس نقلی ہیرے ہیں جعلی نوٹ ہیں اور آپ گرین ہوٹل میں شہزادی سمارا کے نام سے ٹھہری ہوئی تھیں۔ وہاں کے منتظمین اس بات کی تصدیق کر دیں گے کتنی پریشانی ہوگی آپ کو۔"

”اوہ۔لیکن پولیس۔پولیس کو میرے بارے میں کیا معلوم۔“؟

”اب معلوم ہو چکا ہے۔“

”کیسے۔“؟

”ہم نے بتایا تھا۔“

سہیل نے شرمائے ہوئے انداز میں مسکرا کر کہا۔

”تم نے۔“؟

”جی ہاں۔۔۔“

”ہم نے سوچا کہ کہیں آپ ہمارے ساتھ کوئی زیادتی نہ کریں۔
اس لئے ہم پولیس کو بتا کر یہاں آئے تھے۔“

بس وہ تھوڑی دیر میں یہاں آنے والی ہو گی۔

اللہ! ہمیں پولیس سے بہت ڈر لگتا ہے۔۔۔ہم چلتے ہیں۔“

وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

سمارا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ سہیل نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔ تب سمارا چونکی۔ جو کچھ اُس نے کہا تھا اس پر غور کیا اور بدحواس ہو گئی۔ دوسرے لمحے اُس نے بھی دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی تھی۔

روبانہ.....روبانہ.....دروازے سے باہر پہنچتے ہی اس نے زور زور سے آوازیں لگائیں، راہداری میں چلتے ہوئے لوگ رُک گئے تب اسے احساس ہوا کہ وہ کیا حرکت کر رہی ہے، چنانچہ وہ رک گئی اور اِدھر اُدھر روبانہ کو تلاش کرنے لگی۔

روبانہ اِس راہداری کے آخری سرے پر اس بالکونی کے پاس کھڑی ہوئی تھی، جہاں سے باہر کے مناظر صاف نظر آ رہے تھے۔ سمارا کی آواز اس کے کانوں میں آ گئی تھی۔ چنانچہ اس نے پلٹ کر سمارا کو دیکھا اور پھر کسی خاص بات کا اسے احساس ہو گیا، چنانچہ وہ

تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی اس کے پاس پہنچ گئی، ثمارا اسے آتا دیکھ کر کمرے میں داخل ہو گئی تھی۔

''کیا بات ہے ثمارا، ارے کیا آہیل چلا گیا۔۔۔'' اس نے سوال کیا۔

''جلدی کرو روبانہ جلدی کرو۔ پلیز جلدی کرو، ورنہ ہم مصیبتوں کا شکار ہو جائیں گے۔'' ثمارا تیز لہجے میں بولی اور روبانہ پریشان سی نظر آنے لگی۔

''کیا کروں، کیا ہو گیا کچھ بتاؤ تو سہی۔'' روبانہ نے پوچھا۔

''ارے میں کہتی ہوں جلدی کرو، نکل چلو یہاں سے، ورنہ پولیس پہنچنے والی ہوگی۔''

''پولیس۔'' روبانہ نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

''میں کہتی ہوں یہ وقت سوالات کرنے کا نہیں ہے، ہمیں دو گھنٹے

کے اندر اندر یہاں سے نکل جانا ہے، جس طرح بھی ممکن ہو ہمیں یہاں سے کہیں اور نکل جانا ہے اور اس کے بعد ہمیں یہ ملک چھوڑ دینا ہے۔" سمارا نے کہا اور روبانہ گہری سانس لے کر اسے دیکھنے لگی۔

☆

بزرگوں کو ان سارے ہنگاموں کی ہوا نہیں لگنے دی گئی تھی۔ شیکی تقریباً آدھے گھنٹے تک بے ہوش رہا تھا اور پروگرام کے مطابق صفدر نے تنویر کو اس کی تیمارداری میں مصروف کر دیا تھا۔ اس وقت شیکی بے ہوش تھا اور تمام لوگ اس کے پاس موجود تھے۔ اور اِس سلسلے میں استفسار کر رہے تھے، عالم پناہ نے پوچھا۔

"یہ۔۔۔ یہ کیا ہوا۔۔۔"؟

"کیا ہونا تھا، آپ کے ہُنروں کا اعتراف کر لیا اس نے۔" صفدر بولا۔

''مم۔میرے سُروں کا۔''؟

''تو اور کیا، سُر کی مار پڑی تھی اس پر۔'' صفدر نے کہا۔

''ارے نہیں۔'' عالم پناہ حیرت سے چونک پڑے۔

''کمال ہے عالم پناہ، یعنی آپ کو اپنے گلے کے درد کا احساس بھی نہیں ہے۔''؟

''گلے میں درد تو نہیں ہو رہا میرے۔'' عالم پناہ بوکھلا کر بولے۔

''میں اس درد کی بات نہیں کر رہا، بلکہ اس سوز کی بات کر رہا ہوں جو آپ کی آواز میں تھا، جو جادو آپ کی موسیقی میں تھا عالم پناہ، آپ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے، کیا حشر کیا ہے اس جادو نے، مگر شیکی بے چارہ تو مارا گیا۔''

''مگر اب ہوگا کیا۔''؟

''کچھ نہیں ہوش میں آجائے گا اور آپ کو اپنا استاد مان لے گا۔''

''ہوں۔'' عالم پناہ کا سینہ تن گیا، میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ مجھ سے مقابلہ مت کرو، مت کرو، میں نے ہر موضوع پر پڑھا ہے اور سیکھا ہے، خوامخواہ میرے آڑے آتا تھا۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''اچھا اب باہر چلئے آپ تمام حضرات سے درخواست ہے کہ باہر چلیں، شیکی کو سکون کی ضرورت ہے۔'' صفدر نے کہا۔

صفدر کی درخواست پر سب باہر نکل آئے۔ حامد عالم پناہ کو لے کر چلا گیا تھا۔ تب تمام لوگ صفدر کے گرد جمع ہو گئے۔

''مگر یہ ہوا کیا بھائی پتھر کس نے مارا تھا''؟

''سرسوتی دیوی نے۔'' صفدر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

''کیا مطلب۔''؟

''وہ سُروں کی رکھوالی ہے۔ سُروں کے ساتھ یہ سلوک برداشت نہ کر سکی۔''

”یہ ہم سے بھی اُڑ رہے ہیں صفدر بھائی۔“

”ہوں تو تمہارا کیا خیال ہے۔پتھر میں نے مارا تھا۔“؟

”سازش آپ ہی کی معلوم ہوتی ہے۔“

”پولیس میں رپورٹ کر دو۔بس اب بھاگ جاؤ ورنہ میرا دماغ خراب ہو جائے گا۔اے تنویر تم کہاں چلیں۔“

”خیریت.....مجھ سے کوئی کام ہے آپ کو۔“؟

”جی ہاں، آپ تشریف لائیے میرے ساتھ۔“صفدر نے کہا۔

اور تنویر کے علاوہ باقی لوگ چلے گئے۔تب صفدر نے کہا۔

”اب آپ اپنا ڈرامہ شروع کریں۔“

”اوہ، ان حالات میں۔“

”جی ہاں اس سے بہتر حالات دوبارہ پیدا نہ ہوں گے۔جائیے اور سارے گر آزما ڈالئے۔جاؤ بی بی نیک کام میں دیر نہیں کرنی

چاہیئے۔‘‘ صفدر نے کہا۔

’’اللہ صفدر بھائی۔ شیطان بھی آپ سے پناہ مانگتا ہوگا۔‘‘

’’تمہیں شیطان سے کوئی خاص ہمدردی ہے، رشتے داری ہے تمہاری اس سے جاؤ اپنا کام شروع کرو۔‘‘ صفدر نے اسے دھکیلتے ہوئے کہا اور تنویر اندر داخل ہوگئی۔

پھر وہ اس بے وقوف کے سرہانے بیٹھ گئی اور اس کی شکل دیکھتی رہی۔ مردوں کی انوکھی قسم تھی کوئی کل ہی سیدھی نہیں لگتی تھی۔ نجانے کیا چیز تھا۔

اسے بے اختیار ہنسی آ گئی لیکن اُس نے خود کو سنبھال لیا۔ شیکی آہستہ آہستہ کراہ رہا تھا۔ غالباً وہ ہوش میں آرہا تھا۔ تنویر نے خود کو تیار کیا اور اس کے سرہانے جا بیٹھی۔

تھوڑی دیر کے بعد شیکی نے آنکھیں کھول دیں اور تنویر نے اپنا ہاتھ

اس کی پیشانی پر رکھ دیا۔شیکی پہلے تو اس کی صورت دیکھتا رہا۔جیسے کوئی بات سمجھ میں نہ آ رہی ہو۔لیکن رفتہ رفتہ اس کے حواس بحال ہوتے گئے۔

اور پھر وہ اُچھل پڑا۔

"ارے۔ارے۔ارے۔"وہ بستر پر ہی پھدکنے لگا۔اس نے اس ارے ارے میں بھی موسیقیت برقرار رکھنے کی کوشش کی تھی۔پھر اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو تنویر نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ دیا اور شیکی اس کے ہاتھ کے دباؤ سے پھر گر پڑا۔

"اللہ کتنے نازک ہیں آپ۔۔۔"تنویر نے کہا۔

"ہائے۔یہ۔یہ کھوپڑی ڈبل کیسے ہوگئی۔شیکی نے سر میں پڑنے والے گومڑ کو ٹٹولتے ہوئے کہا۔

"ڈبل ہوگئی۔"

"ہاں یہ دیکھو، یہ ننھی سی کھوپڑی کہاں سے آگئی۔"؟

"نجانے کیا ہوا تھا آپ کو۔ آپ بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"واہ اس بے ہوشی میں بھی ایک رمز چھپا ہی تھا۔"

"تو آپ جان بوجھ کر بے ہوش ہو گئے تھے۔"

"تو اور کیا۔ اگر بے ہوش نہ ہوتا تو اس خوشگوار ماحول میں آنکھ کیسے کھلتی۔"

"میں نہیں سمجھی شیکی صاحب۔"

"آپ تنویر ہیں نا۔"؟

"کیا آپ مجھے نہیں پہچانتے۔"؟

"صدیوں سے پہچانتا ہوں۔ اس عالم میں تنویر کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔ میں نے خوابوں میں بھی کسے دیکھا تھا۔ میں نے اتنا طویل سفر کیوں کیا تھا۔ آہ زندگی کا ایک ہی مقصد تو تھا۔"

’’آپ کی زندگی کا مقصد کیا تھا۔‘‘؟

’’تنویر۔صرف تنویر۔‘‘شیکی نے آنکھیں بند کرلیں۔اور یہ اچھا ہی ہوا۔تنویر کو بڑے زور سے ہنسی آگئی تھی جسے اس نے بڑی مشکل سے روکا تھا۔تب شیکی کی آواز اُبھری۔

’’سب لوگ کہاں چلے گئے تنویر۔‘‘؟

’’وہ سب مطلبی اور مفاد پرست تھے۔اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے۔‘‘تنویر نے جواب دیا۔

’’اور تم۔‘‘؟

’’میں تمہیں اس حال میں چھوڑ کر نہ جاسکی۔‘‘

’’کیوں۔‘‘؟

’’بس میں تمہاری قدردان ہوں۔میں نے تمہارے اندر چھپے ہوئے فنکار کو پہچان لیا ہے شیکی۔‘‘

"آہ کیا واقعی۔ آہ کیا یہ حقیقت ہے۔"؟ شیکی پھر اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں شیکی، تم اس دور کے سب سے عظیم فنکار ہو۔ کوئی تمہارے سینے میں جھانک کر نہیں دیکھتا۔"

"میں تمہارے قدموں میں جان دینا چاہتا ہوں۔ تنویر مجھے دل سے تمہارا انتظار تھا آہ، تم ہی تو ہو۔۔۔ تنویر میری تنویر۔۔۔"

"تمہارے سر کی حالت کیسی ہے شیکی۔"

"قسم کھاؤ تنویر وعدہ کرو مجھے تنہا تو نہیں چھوڑو گی۔ زندگی کے ہر قدم پر میرا ساتھ دو گی۔"؟

"اور دوسرے کام۔ میرا مطلب ہے مجھے اور کام بھی تو کرنے ہوتے ہیں۔"

سب کچھ چھوڑ دو۔ میرے لئے سب کچھ بھول جاؤ۔ سنو تنویر آج رات کو بارہ بجے باغ میں ضرور آنا۔ میں تمہارا انتظار کروں گا۔ بولو آؤ

گی۔"

"کیوں۔ کیا بات ہے۔"؟

"دل کی باتیں تم سے کروں گا تم سے۔ محبت کے نغمے سناؤں گا۔ پیار کے گیت گاؤں گا۔ ایسے گیت کہ تم جھوم اُٹھو گی۔"

"اب میں چلتی ہوں۔"

"رات کو بارہ بجے آؤ گی۔"؟

"آؤں گی۔" تنویر نے کہا اور جلدی سے باہر نکل آئی۔ اس سے زیادہ وہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ صفدر وغیرہ تاک میں تھے۔ فوراً ہی اس پر حملہ آور ہو گئے اور چاروں طرف سے گھیر لیا۔

"کیسا رہا تنویر۔ کیا وہ ہوش میں آ گیا۔" صفدر نے پوچھا۔

"جی ہاں ہوش میں آ گئے، لیکن صفدر بھائی مجھ سے یہ سب نہیں چلے گا پلیز میں یہ نہیں کر سکتی آپ مجھے کسی مصیبت میں پھنسا دیں

گے۔" تنویر نے کہا۔

"ارے ارے آخر ایسی کیا بات ہوگئی۔"

"بس کچھ نہیں، آپ کو پتہ ہے بے وقوف آدمی ہیں اور نادان کی دوستی جی کا جنجال ہوتی ہے، آپ نہیں جانتے وہ مجھے کس کس جگہ بدنام کردے گا۔ خوامخواہ میں آپ کی باتوں میں آگئی۔" تنویر نے کہا۔

"یار تنویر اب تم اتنی بچی بھی نہیں ہو۔ یونیورسٹی میں نجانے کیا کیا ہنگامے کرتی رہی ہو، کیا تمہیں یہ تھوڑا سا تفریحی پروگرام پسند نہیں ہے۔"

"تفریح کی بات نہیں ہے صفدر بھائی، آپ اس کی شخصیت بھی تو دیکھیں احمق آدمی جہاں جو منہ میں آئے گا اور جی میں آئے گا کر بیٹھے گا اور کہہ بیٹھے گا۔ آپ سمجھتے ہیں اس سے میری پوزیشن خراب نہیں ہو گی۔"

"نہیں ہو گی یہ میرا وعدہ ہے۔"

"واہ آپ کا وعدہ یہ سب بے کار باتیں ہیں، میں نہیں کروں گی یہ سب کچھ۔"

"تنویر تنویر! یہ سب باتیں بے کار نہیں ہیں، اتنی مشکل سے تو ہم نے ایک نیا سیٹ اپ بنایا ہے اور تم اسے بگاڑے دے رہی ہو۔ باتیں کیا ہوئیں۔"

"بس باتیں کیا ہوئیں، بھول گیا سب کچھ کہنے لگا۔ افریقہ سے میرے لئے ہی تو آیا ہے اور رات بارہ بجے باغ میں ملنے آئے گا۔"

"کیا۔۔۔"؟ صفدر اُچھل پڑا۔

"جی ہاں، اب فرمایئے آپ! بارہ بجے تک جاگتی رہوں اس گدھے کے لئے اور پھر باغ میں بھی پہنچوں۔ نا بابا نا، میں یہ سارے کھیل نہیں کھیل سکتی۔"

""تنویر تجھے خدا کا واسطہ ہے، ایسا اچھا پروگرام مس کرے گی تو، مزہ آ گیا، رات کو بارہ بجے، کیوں شاہد چاند کی کون سی تاریخ ہے آج۔" صفدر نے پوچھا۔

""مجھے نہیں معلوم، چاند سے میری کوئی خاص دوستی نہیں ہے۔" شاہد نے جواب دیا۔ "میرا خیال ہے تاریک راتیں ہیں۔"

""چلو تاریک ہی سہی، تاریک رات میں بارہ بجے، باغ کے اندر، بھئی واہ، آج ذرا اہلِ خاندان کے لئے بھی باغ میں ایک تفریحی پروگرام ہو جائے۔" صفدر نے کہا۔

""تمہیں ہمیشہ ایسی ہی باتیں سوجھتی ہیں صفدر، بس میں نہیں جاؤں گی۔" تنویر نے کہا۔

""تنویر ہمارا دل نہ توڑو، بڑی آس لگائی ہے تم سے، کیا کریں اس ماحول میں، بوریت کے سوا یہاں رکھا ہی کیا ہے، بس یوں تھوڑی سی

تفریح ہو جاتی ہے، اب تم اپنا دوسرا پروگرام شروع کرو۔"

"وہ کیا۔"؟ تنویر نے پوچھا اور صفدر آہستہ آہستہ اسے کچھ بتانے لگا۔ تنویر ہنس پڑی تھی۔

"صفدر بھائی اس قدر ستم ظریف بھی نہ بنئے کہیں کوئی مشکل پیش نہ آجائے۔"

"بھئی میں تمہیں ایک بات بتائے دے رہا ہوں، بلکہ تم مجھ سے ایک تحریر لے لو، اگر کہیں کوئی مشکل پیش آ گئی تو میں سب کچھ اپنے سر پر لے لوں گا۔ تم لوگوں پر کوئی بات نہ آنے پائے گی۔ زیادہ سے زیادہ یہی ہوگا نا کہ اس کوٹھی سے نکال دیا جاؤں گا۔" صفدر نے کہا۔

"یہی تو ہم نہیں چاہتے۔" تنویر نے کہا۔

"اچھا جی آپ جو کچھ چاہتی ہیں وہی بتا دیں۔" صفدر نے کہا۔

"تو بس اس فضول پروگرام کو ختم کیا جائے۔"

”نہ نہ نہ ایسا نہیں ہوگا، یہ ہو سکتا ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے
اس کوٹھی سے چلا جاؤں، مجھ سے اس طرح خاموش نہیں بیٹھا جاتا۔“
صفدر نے کہا اور تنویر ہنسنے لگی۔

”آپ بھی بس کمال کے آدمی ہیں صفدر بھائی، اچھا بابا جاتی
ہوں۔“ اس نے کہا اور وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ اب اسے عالم پناہ
کی تلاش تھی۔

عالم پناہ اپنے کمرے میں مل گئے، اُلّو کی طرح اداس بیٹھے ہوئے
تھے، تنویر کو کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر ان کا منہ حیرت سے کھل
گیا، چند ساعت وہ اسے اسی طرح دیکھتے رہے، پھر بولے۔

”ارے ارے آپ آیئے آیئے، چشمِ ماروشن دل ماشاد۔“

”جی۔“ تنویر منہ پھاڑ کر بولی۔

”میرا مطلب ہے میں۔ میں شعر پڑھ رہا تھا۔“ عالم پناہ بوکھلا کر

بولے۔

''اوہ اچھا اچھا یہ شعر تھا۔''تنویر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میں۔میں۔میں کیا خدمت کرسکتا ہوں آپ کی۔''؟

''میرا آنا ناگوار گزرا ہے آپ کو۔''؟تنویر نے پوچھا۔

''جی۔نن نہیں تو۔سچ۔خدا کی قسم ایسی کوئی بات نہیں ہے،مم مگر میرا مطلب ہے کہ آپ.....''؟

''بس ایسے ہی چلی آئی تھی جہانگیر صاحب،یہاں ماحول میں دل نہیں لگتا۔جب سے آپ آئے ہیں تھوڑی سی رونق ہوگئی ہے،مجھے آپ جیسے کلاسیک لوگ بے حد پسند ہیں،ہر موضوع پر اتنی گہری نگاہ میں نے بہت کم لوگوں کی دیکھی ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ یہاں کے لوگ آپ جیسے عظیم فنکاروں کی قدر نہیں کرتے۔''تنویر نے مسکرا کر کہا۔

"جی۔۔۔" عالم پناہ کا منہ بھاڑ کی طرح کھل گیا۔

"بس میں آپ سے کیا کہوں صاحب، جو کچھ دل میں ہے وہ کہہ بھی تو نہیں سکتی۔"

"اللہ کہہ دیجئے۔ کہہ دیجئے نا، آپ کو اللہ کی قسم۔" جہانگیر عالم پناہ نے بھکاریوں کے سے انداز میں کہا اور تنویر آنکھیں بند کر کے مسکرانے لگی۔

"نہیں بنتا جہانگیر صاحب شرم آتی ہے۔"

"اللہ آپ کو ہماری جان کی قسم، جو آپ کے دل میں ہے کہہ دیں، ہم تو نجانے کب سے کچھ سننے کے لئے بے چین ہیں، نجانے کب سے نجانے کب سے۔"

"جہانگیر صاحب آپ نجانے کیسے انسان ہیں، میری سمجھ میں نہیں آئے۔"

''سمجھئے، ہمیں سمجھئے، اے کاش ہمیں کوئی ایک بار سمجھ سکتا۔'' عالم پناہ ٹھنڈی سانس لے کر بولے۔

''کیا ہیں آپ۔۔۔ یہ بتایئے تو سہی۔''؟

''ہم ٹوٹے ہوئے ستارے ہیں، قسمت کے مارے ہیں اور۔۔۔'' عالم پناہ گھمبیر آواز میں بولے۔

''میں جانتی ہوں آپ نوشاب کو چاہتے ہیں مگر میں آپ کے لئے کیا کر سکتی ہوں۔ میرا دل آپ کے لئے روتا ہے جہانگیر مگر میں بے حد بے نصیب ہوں۔'' تنویر نے گردن جھکا لی۔

''ارے نہیں نہیں لعنت ہے ہم پر، جو اتنے دن خواہ مخواہ غلط فہمیوں کا شکار رہے۔ نجانے کہاں کہاں ویرانوں میں بھٹکتے رہے، نوشاب بہت اچھی ہے مگر اتنی بھی نہیں کہ ہم اس کے لئے اپنی زندگی خراب کر دیں اور آپ کی زندگی سے کھیلیں۔''

”تو آپ۔۔۔تو آپ میری وجہ سے نوشاب کو چھوڑ دیں گے۔“

”آپ کی وجہ سے ہم دنیا چھوڑ دیں گے۔ آپ کہہ کر تو دیکھیں۔“ عالم پناہ بالکل ہی بوکھلا گئے تھے۔

”چلئے اب ایسا بھی کیا، بلاوجہ میں آپ سے دنیا کیوں چھینوں، اتنی اچھی صحت اتنی اچھی آواز پائی ہے آپ نے، میں تو آپ کے فن کی دل سے قدردان ہوگئی ہوں، یہ بے وقوف لوگ کلاسیکل موسیقی کو کیا سمجھیں حالانکہ آپ کی آواز میں اتنا سوز اتنا درد ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔۔۔“

”اوہ تنویر۔۔۔تنویر۔۔۔تم نے مجھے نجانے کیا کیا بنا دیا۔ میں تو خود کو ویرانے میں کھڑا تنہا درخت سمجھتا تھا۔ لیکن اب ، اب اس درخت پر ایک بلبل آ بیٹھی ہے۔ وہ مجھے اپنی حسین آواز میں نغمے سنا رہی ہے اور درخت جھوم رہا ہے، جھوم جھوم کر گا رہا ہے درخت۔

تنہا درخت۔

بے آب وگیارہ درخت۔

ویران درخت۔

اب سرسبز وشاداب ہے۔

وہ جھوم رہا ہے خوشی سے جھوم رہا ہے۔عالم پناہ کی آنکھیں بند ہو گئیں اور تنویر کو اپنی ہنسی روکنا مشکل ہوگئی،اس نے منہ دوسری طرف کرلیا تھا۔عالم پناہ عالم بے خوابی میں نجانے کیا کیا کہتے رہے پھر جب آنکھ کھلی تو تنویر کا رُخ دوسری طرف تھا،وہ اس کے سامنے آگئے اور بولے۔''تنویر۔تنویر۔تنویر تم نے میری طرف سے رُخ کیوں پلٹ لیا۔''

''اس وقت کوئی گفتگونہیں ہوسکتی آپ سے،رات کو بارہ بجے باغ میں آجایئے۔''تنویر نے کہا۔

''باغ میں۔!''

''ہاں۔''

''کس جگہ۔''؟

''بس جس جگہ آپ میری آہٹ پائیں اسی جگہ آ جائیں، میں آپ کا انتظار کروں گی۔''

''میں آؤں گا۔'' عالم پناہ نے بے خودی میں کہا اور تنویر ان سے اجازت لے کر باہر نکل آئی۔ باہر آ کر وہ ایک کونے میں کھڑی ہو کر حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنسنے لگی۔ صفدر اور دوسرے افراد چند ہی ساعت بعد اس کے نزدیک پہنچ گئے۔

''کام بن گیا۔''

''جی ہاں بن گیا، آپ لوگ میرا ستیاناس کیے بغیر نہیں چھوڑیں گے۔'' تنویر نے کہا۔

''یار تنویر کمال ہے، اب اتنا سا کام تمہارے سپرد کیا ہے تو اس قدر نخرے بھی نہ کرو۔ اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو تماشہ دیکھتیں۔''

''خدا کی قسم لطف آجاتا۔'' تنویر ہنس پڑی۔

''لطف تو اب بھی آجائے گا بشرطیکہ تم اتنی سنجیدگی سے نہ لو۔ یوں سمجھو کہ کالج کی زندگی واپس آ گئی اور تم کسی ڈرامے میں حصہ لے رہی ہو۔ تو دوستو رات کو بارہ بجے۔''

''رات کو بارہ بجے۔۔۔'' سب نے نعرے لگائے اور یہ مجمع منتشر ہو گیا۔

زاہد ظفر ٹھیک دس بجے مسز درانی کی خواب گاہ میں داخل ہو گیا اور مسز درانی چونک پڑی۔ اِس نے ملازموں کو ہدایت کر دی تھی کہ دس بجے ایک مہمان آئے گا اسے احترام کے ساتھ اندر لایا جائے

لیکن کسی ملازم نے زاہد ظفر کے آنے کی اطلاع نہیں دی تھی۔

"ہیلو۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہیلو ظفر۔۔۔مگر اس طرح اچانک۔۔۔"

"یہ میرا مخصوص انداز ہے۔" ظفر ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

"ملازموں کو تمہارے آنے کی اطلاع دی ہے۔"؟

"نہیں میں عقبی دیوار سے آیا ہوں۔" زاہد نے کہا اور مسز درانی مسکرانے لگی۔

"تم بے حد چالاک انسان ہو ظفر۔"

"شکریہ! بندہ کس قابل ہے۔" زاہد ظفر مسکرانے لگا۔ مسز درانی بھی آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی تھی۔

"کیا پلاؤں تمہیں، کھانا کھا چکے ہو یا۔"

"کھا چکا ہوں، وہ پلاؤ جو دل میں اُترتی ہے۔"

"میں لاتی ہوں۔" مسز درانی نے کہا اور دوسرے کمرے میں آ گئی جہاں اس کے لئے پہلے سے انتظامات کر رکھے تھے۔ شراب کا سامان لے کر وہ پھر خواب گاہ میں آ گئی اور اس نے دو گلاس تیار کر لئے، چھوٹی چھوٹی چسکیاں لیتے ہوئے وہ گفتگو کرنے لگے۔ مسز درانی نے کہا۔

"ایک بار پھر سوچ لو ظفر۔ یہ سب کچھ کر سکو گے۔"

"تمہارا ساتھ رہے تو پھر کیا غم ہے۔ جو ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"کیا پروگرام ہے۔"؟

"اسے تلاش کر کے گولی مار دوں گا۔ بس ایک بار اس سے سامنا ہو جائے، یہی بہتر رہے گا۔ لیکن اس کو تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اس کا انتظام میں خود کر لوں گی۔"

"وہ کیسے۔"؟

”میں اسے فون کر کے بلالوں گی۔ کہہ دوں گی کہ ایک اہم مسئلے پر گفتگو کرنی ہے۔“ مسز درانی نے کہا۔

”یہ بھی ٹھیک ہے مگر کہاں بلاؤ گی۔“

”یہیں کوٹھی میں، وہ بہت چالاک ہے، اگر میں نے کہیں دوسری جگہ بلایا تو وہ ہوشیار ہو جائے گا۔“

”لیکن لاش۔ لاش کا کیا ہوگا۔“؟

”تم کہیں لے جا کر ٹھکانے لگا دینا۔“

”چلو یہ بھی ٹھیک ہے لیکن ملازم۔“

”ان کا بھی بندوبست کرلوں گی۔“

”وہ کیا۔“؟

”کل کرو گے یہ کام۔“

”ہاں، اب تو کل ہی ہو سکتا ہے۔ اور یوں بھی آج کی رات چاند

ستاروں میں بسر ہوگی۔'' زاہد ظفر پھر بے تکی شاعری پر اُتر آیا۔

''تو کل میں ملازموں کو چھٹی دے دوں گی۔''

''اوکے۔'' زاہد ظفر نے کہا اور اس وقت ان کے کانوں میں ایک قہقہے کی آواز گونجی۔ عجیب سا قہقہہ تھا۔ دونوں چونک پڑے آواز دروازے کے باہر سے سنائی تھی۔

''کون تھا یہ۔''؟ زاہد ظفر نے پوچھا۔

''پتہ نہیں۔'' مسز درانی کی آواز میں ہلکی سی کپکپاہٹ تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جیسے کسی کے اندر آنے کی منتظر ہو۔ لیکن کوئی نہ آیا۔

''کون ہو سکتا ہے یہ۔''؟ اس نے جیسے خود سے سوال کیا۔

''ممکن ہے کوئی ملازم ہو۔'' زاہد ظفر بولا۔

''کسی ملازم کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔'' مسز درانی نے کہا۔ اس

کے چہرے پر خوف کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔ ظفر نے اس خوف کو محسوس کیا اور ہنستے ہوئے بولا۔

"اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے ہو گا کوئی۔"

"میں دیکھتی ہوں۔"

"اوہ ڈارلنگ۔ میں یہاں موجود ہوں اور تمہیں پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔"

"نہیں ظفر۔ اس قہقہے میں ایک عجیب سی بات تھی۔"

"وہ کیا۔"؟

"یوں لگتا تھا جیسے کوئی ہماری بات سن کر استہزائیہ انداز میں ہنسا ہو۔"

"وہم ہے تمہارا۔"

"کوئی حرج نہیں ہے آؤ اِسے دور کر لیں۔ مسز درانی نے کہا اور

ظفر ہنستا ہوا اُٹھ گیا۔

”عورت ہر حالت میں عورت ہے۔ معصوم معصوم ہنستا ہوا سا پھول۔ تمہارے لئے اتنی بڑی کوٹھی میں رہنا بہت مشکل ہوتا ہو گا۔ اتنی سی بات پر اس قدر خوفزدہ ہو جاتی ہو۔“

”میں ایک بھوت کے جال میں پھنس گئی ہوں ظفر۔ یقین کرو میں اس سے قبل خوف کے نام سے واقف نہیں تھی۔ کبھی مجھے ڈر نہیں لگا۔ لیکن ظفر ان دنوں، اِن دنوں مجھے ہر وقت ایک مضبوط سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔ میں خود کو تنہا اور غیر محفوظ سمجھتی ہوں۔“

”کل جب تم اپنی آنکھوں سے اس بھوت کی لاش دیکھ لو گی تو مطمئن ہو جاؤ گی۔ اِس وقت تک خود کو سنبھالے رکھو۔“ ظفر نے کہا۔

وہ دونوں باہر نکل گئے۔ دور دور تک خاموشی پھیلی ہوئی تھی۔ کسی کا نام

ونشان نہیں تھا۔

لیکن وہ اس قہقہے کو نظر انداز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ دیواریں تو نہ ہنسی ہوں گی۔

مسز درانی کو قرار نہ آیا۔ ہال میں کوئی ملازم بھی نہیں تھا۔ کیونکہ مسز درانی نے ملازموں کو خود چھٹی دے دی تھی۔ البتہ گیٹ پر چوکیدار ضرور موجود تھا۔ وہ دونوں چوکیدار کے پاس پہنچ گئے۔

چوکیدار مستعد ہو گیا تھا۔

''کون آیا تھا خان بابا۔'' مسز درانی نے پوچھا۔

''جی بی بی صاحب۔''؟ چوکیدار حیرانی سے بولا۔ اس نے زاہد ظفر کو دیکھا اور مزید حیران رہ گیا۔

''کوئی آیا تھا۔''؟ مسز درانی پھر بولی۔

''جی بی بی صاحب۔ آپ کا مہمان آیا تھا۔ مگر۔ وہ یہ صاحب

نہیں تھا۔"

"کیا مطلب۔"؟

"وہ تو کوئی بوڑھا آدمی تھا بی بی صاحب۔" چوکیدار نے کہا اور مسز درانی بُری طرح خوفزدہ نظر آنے لگی۔

"کک۔ کہاں گیا وہ۔"؟ اِس نے لرزتی آواز میں پوچھا۔

"آپ کے حکم سے اندر بھیجا تھا اس کو۔"

"پھر کیا وہ چلا گیا۔"؟

"نہیں ابھی اندر ہے۔"

"آؤ۔" مسز درانی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ اب ظفر کے چہرے کے تاثرات بھی بدل گئے تھے۔

"سنو۔" اِس نے چوکیدار سے کہا۔ "اگر وہ باہر نکلنے کی کوشش کرے تو اِسے مت جانے دینا اور اگر بھاگنے کی کوشش کرے تو تم

اسے زخمی کر سکتے ہو۔" ظفر نے چوکیدار کو ہدایت کی اور پھر بڑی تیزی سے اندر چل پڑا۔ راستے میں اِس نے پستول نکال لیا تھا۔

مسز درانی بھی پھولے ہوئے سانس کے ساتھ چل رہی تھی۔ اِس کے بعد انہوں نے کوٹھی کا کونہ کونہ چھان مارا۔ لیکن کسی اجنبی کا کوئی نشان نہیں ملا تھا۔

کچھ دیر کے بعد وہ دونوں بیڈ روم میں آ گئے۔ مسز درانی کا چہرہ سفید پڑ گیا تھا۔ اُس کی بڑی بڑی آنکھوں میں خوف کے اثرات نمایاں تھے۔

"سنو۔" ظفر نے بڑے پیار سے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا اور وہ چونک کر اُسے دیکھنے لگی۔

"ہوں۔" اُس نے کہا۔

"تم اِس قدر پریشان کیوں ہو۔"؟

”تم خود اس کا اندازہ کر سکتے ہو ظفر۔“

”یعنی۔“؟ ظفر نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”وہ۔وہ آخر کون تھا۔“؟

”بھئی کوئی بھی ہوگا، اس میں آخر اتنا پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔“؟

”ظفر، میری زندگی، میری زندگی ایک عجیب وغریب موڑ پر آ کھڑی ہوئی ہے۔ مسز درانی کی آنکھوں میں آنسوؤں کی نمی نظر آنے لگی۔

”اب میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہیں کسی قسم کی فکر نہیں کرنی چاہئیے۔“

”ظفر وہ۔وہ درندہ ہے۔“

”مجھ سے بڑا درندہ نہیں ہوگا سمجھیں تم۔“ ظفر نے غرائی ہوئی

آواز میں کہا اور مسز درانی سسکیاں لینے لگی۔

''اُس نے، اُس نے میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی ہے میں بڑے سکون سے بسر کر رہی تھی۔ جو کچھ کرتی اپنے لئے کرتی تھی۔ اِس دنیا نے ظفر۔ اِس دنیا نے مجھے کبھی کچھ نہیں دیا ورنہ میں بھی کبھی شریف تھی۔ اچھے انداز میں زندگی گزارنے کی خواہش مند تھی۔ لیکن اِس دنیا نے مجھ سے میری اچھائیاں چھین لیں تو پھر میں برائیوں کے راستے پر آنکلی۔ میں نے ایک عمر خودمختار رہ کر گزاری ہے، لیکن اب میں مصیبتوں میں پھنس گئی ہوں، میں اُس کے چنگل سے نکل جانا چاہتی ہوں ظفر ہر قیمت پر۔ ہر قیمت پر۔'' مسز درانی سسکیاں بھرتی ہوئی بولی۔

''میں تمہاری مدد کروں گا ڈارلنگ۔'' ظفر اُس کے شانے پر تھپکی دیتا ہوا بولا۔

"وہ یقیناً وہی ہوگا۔"

"کیا مطلب۔"؟

"ہاں۔ وہ بہت چالاک ہے۔ بہت ہی خونخوار اور درندہ صفت۔"

"دیکھو مسز درانی اب تم مجھے غصہ دلا رہی ہو۔"

"نہیں ظفر، پلیز تم ناراض نہ ہو، میری مجبوری کو سمجھو پلیز۔" مسز درانی نے ملتجی لہجہ میں کہا۔

"تو کیا چاہتی ہو تم، میں چلا جاؤں یہاں سے۔" ظفر نے پوچھا۔

"نہیں، نہیں تنہا رہوں گی تو مر جاؤں گی۔" مسز درانی نے کہا۔

"آخر تمہیں ڈر کس بات کا ہے۔" ظفر نے اُلجھے ہوئے انداز میں پوچھا۔

''اُس نے۔اُس نے کہیں ہماری گفتگو نہ سُن لی ہو۔''

''سُن لی ہے تو ٹھیک ہے۔کیا بگاڑ لے گا وہ ہمارا۔''

''ظفر۔ظفر وہ مجھے سزا دے گا۔وہ شاید تمہیں بھی سزا دے۔ کیونکہ تم بھی اُس کے شکاروں میں سے ہو۔''

''دیکھو ڈارلنگ میں ذرا دوسری قسم کا آدمی ہوں چھوٹے موٹے مسئلے میں پڑنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔وہ بلیک میلر ہے اُس کے ہاتھ میں میری کچھ کمزوریاں آ گئی ہیں۔میں نے سوچا کہ اُسے تلاش کروں اور ختم کردوں۔پھر میں نے اِس کے بارے میں تھوڑی بہت معلومات بھی حاصل کر لیں، پھر میں نے سوچا کہ اگر اُس کی روزی بھی چلتی رہے تو کیا حرج ہے۔تھوڑی سی رقم ہی دینا پڑتی تھی جو قابلِ توجہ نہیں تھی۔لیکن ایک کتے کے لئے وہ ہڈی کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں نے سوچا کتوں کا بھی پیٹ بھرتے رہنا چاہیئے۔لیکن اب جب

میں اُس کی جانب متوجہ ہو گیا ہوں تو کوئی بھی اُسے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکتا۔ تم کیا سمجھتی ہو اپنے ظفر کو۔ نصیبو کی زندگی بہت ہی مختصر رہ گئی ہے۔ بہت ہی مختصر۔" ظفر اُسے تسلیاں دینے لگا اور مسز درانی کی کیفیت کسی قدر بحال ہو گئی۔

"مجھے شراب دو ظفر۔" اُس نے ڈوبتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ایسے نہیں، ہم ایک خوشگوار ماحول میں وقت گزاریں گے۔ اس طرح تو مجھے بالکل بھی لطف نہ آئے گا۔" ظفر نے عجیب سے انداز میں کہا۔ اور مسز درانی مسکرانے لگیں پھر بولیں۔

"شراب مجھے سنبھالے گی پلیز۔ پلیز۔" مسز درانی نے لجاجت سے کہا۔ اور ظفر اُس کے لئے گلاس بنانے لگا۔ اُس نے مسز درانی کو جام پیش کیا اور خود بھی اپنا گلاس لے کر آرام کرسی سے پشت ٹکا کر بیٹھ گیا۔ دونوں چسکیاں لینے لگے۔ دفعتاً مسز درانی نے لرزتے ہوئے

ہاتھوں سے گلاس رکھ دیا۔

''ظفر۔'' اُس نے لڑکھڑائی آواز میں ظفر کو پکارا۔

''ہوں۔''

''ظفر یہ کیا ہو رہا ہے مجھے۔''؟

''کک.....کیا ہو رہا ہے ڈارلنگ۔'' ظفر کی آواز بھی لڑکھڑائی ہوئی تھی۔

''تم۔تم کچھ محسوس کر رہے ہو۔'' مسز درانی ڈھیلے ڈھیلے لہجے میں بولی۔

''ہاں، شراب، شراب، کبھی اس سے پہلے ایسا تو نہیں تھا۔'' ظفر کی آواز بھی ڈھلکتی جا رہی تھی۔ پھر شیشے کا گلاس اس کے ہاتھ سے گر گیا اور چور چور ہو گیا۔ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑا کر ایک جانب گر پڑا۔ مسز درانی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُسے دیکھ رہی تھی۔ پھر

وہ بھی صوفہ پر گر گئی۔ دونوں ہی بے ہوش ہو چکے تھے۔

نجانے کتنی دیر گزری تھی، نجانے کتنا وقت گزر گیا تھا۔ کوئی اندازہ نہیں ہوتا تھا۔ اِس وقت سورج کی کرنیں دروازوں سے اندر داخل ہو کر براہِ راست آنکھوں کے پپوٹوں پر پڑ رہی تھیں۔ اور شاید یہ انہیں کرنوں کی شرارت تھی کہ مسز درانی کی آنکھ کھل گئی۔ سورج کی تیزی خوابیدہ آنکھوں پر اثر انداز ہوئی اور اُس نے جلدی سے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لئے۔ پھر وہ تیزی سے ان کرنوں کی زد سے نکل آئی۔ اُس نے آنکھوں کو آہستہ آہستہ ملا اور انہیں کھولنے کی کوشش کرنے لگی۔ حواس آہستہ آہستہ بیدار ہوتے جا رہے تھے اُس نے گہری سانس لی۔ اور مسہری پر کروٹ بدلنے کی کوشش کی۔ لیکن یہ مسہری۔ تب اُسے احساس ہوا کہ بدن پر کوئی چیز چُبھ رہی ہے۔ اُس

نے ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھا تو اُسے کھردری زمین محسوس ہوئی اور وہ حیرت زدہ سی ہو کر رہ گئی۔

یہ۔ یہ کیا ہوا، اور پھر اچانک ہی اُس کے ذہن میں ظفر کا خیال آ گیا۔ ظفر کا خیال آتے ہی وہ پھر چونک پڑی۔ ظفر ظفر۔ اُس نے ظفر کو زور زور سے پکارا۔ لیکن جواب ندارد تھا۔ تب وہ زمین پر دونوں ہاتھ ٹکا کر اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ اور اِس کوشش میں کامیاب ہو گئی۔ اُس کا سر اب بھی ہلکے ہلکے چکرا رہا تھا۔ لیکن بہرصورت اِس قابل ضرور تھی کہ اُٹھ کر بیٹھ جاتی۔

اُس نے پریشان نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ اور اِس ماحول کو دیکھ کر انگشت بدنداں رہ گئی۔ اُس نے اپنی کلائی کو دانتوں سے کاٹا اور سی کر کے رہ گئی۔ لیکن یہ کوئی خواب نہیں تھا وہ عالم ہوش میں تھی۔ مگر یہ جگہ ہوش و حواس چھین لینے والی تھی۔

یہ ایک چھوٹی سی جھونپڑی تھی۔ جو عجیب وغریب انداز میں بنی ہوئی تھی۔ گندی میلی اور غلیظ۔ جگہ جگہ ہلکا پھلکا سا کوڑا نظر آرہا تھا۔ اور وہ اس کے درمیان لیٹی ہوئی تھی۔ لباس بھی خراب ہوگا اُس نے اپنے لباس کی طرف دیکھا اور ایک شدید جھٹکا اُس کے ذہن کو لگا۔

"ایسے لباس کا تصور تو اس نے اپنی زندگی میں کبھی بھی نہیں کیا تھا۔ گہرے نیلے رنگ کا عجیب سا لہنگا اور چولی پہنے ہوئے تھی وہ، گلے میں چاندی کا زیور اور بازوؤں پر بھی ایسا ہی زیور تھا۔ پاؤں ننگے تھے۔ وہ بدحواسی میں اُٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ارے ارے ارے" اس کے منہ سے ہر چیز کو دیکھ کر صرف ایک یہی لفظ نکل رہا تھا۔

"کوئی ہے۔" وہ زور سے چیخی۔ لیکن اُسے کوئی جواب نہیں ملا

تھا۔ چھوٹی سی جھونپڑی میں کھڑے ہوکر وہ ہر چیز کو دیکھنے لگی۔ عجیب گندہ سا ماحول تھا اُس جگہ کا۔ اور یہ سب کچھ اِس کی توقع کے خلاف تھا۔ یہ کیسے ہوا۔ میں یہاں کیسے آگئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ اور باہر سے ہلکی ہلکی آوازیں اُس کے کانوں میں آرہی تھیں۔

اُس نے متوحش نگاہوں سے جھونپڑی کے دروازے کی طرف دیکھا۔ جو ایک رسی سے بندھا ہوا تھا۔ بے اختیار وہ آگے بڑھی اور اُس نے دروازہ کی رسی کھول لی۔ دروازہ کو تھوڑا سا ہٹایا اور منہ نکال کر باہر جھانکنے لگی۔

ایک بار پھر اس کا سر زور سے چکرایا اور وہ سر پکڑ کر پیچھے ہٹ گئی۔ یہ جھونپڑی تنہا نہ تھی۔ بلکہ جھونپڑیوں کی ایک پوری بستی پھیلی ہوئی تھی۔ چھوٹی چھوٹی جھونپڑیاں عجیب سی ساخت کی، جن کے سر کوہان کی مانند اوپر اُٹھے ہوئے تھے۔ اور اُن کے درمیان تنگ

دھڑ نگ بچے، مرد اور عورتیں موجود تھیں۔ عورتیں گھروں کے باہر بیٹھی بچوں کے سر کاڑھ رہی تھیں اور اُن کی جوئیں مار رہی تھیں۔ ننگ دھڑ نگ بچے کھیل رہے تھے اور اُن کی کمر میں کالے ڈورے بندھے ہوئے تھے بس یہی ان کا لباس تھا اور باقی بدن برہنہ تھا۔ ایک طرف کچھ عورتیں بیٹھی چٹائیاں بن رہی تھیں۔ سب اپنے اپنے کاموں میں اس طرح منہمک تھے۔ جیسے اور کسی سے واسطہ نہ ہو۔ لیکن وہ ان کے درمیان کہاں سے آگئی۔

دفعتاً اس نے جھونپڑے کے بائیں سمت قدموں کی آوازیں سُنیں۔ اور ایک بڑی بڑی مونچھوں والا سیاہ رو شخص اُس کے سامنے آ گیا۔

''ہوں۔ جاگ گئی نواب جادی۔'' اُس نے کہا۔ اور مسز درانی اس کی شکل دیکھنے لگی۔

''اری کیا ٹکر ٹکر دیکھے جاوے ہے ناستہ نہیں بناوے گی کیا۔ کئی دفعہ کہا ہے صبح جلدی اُٹھ جایا کر پر جوانی جو ٹوٹے ہے تیری۔ چل جلدی جا ناستہ بنا کر لا۔ مجھے جانا ہے۔''

''تم...... تم کون ہو۔''؟ مسز درانی نے کہا۔

''اری بتاؤں تیرے کو، کون ہوں میں، دو تھپڑ لگا دوں گا۔ ایک اِدھر ایک اُدھر منہ گھوم کر رہ جاوے گا۔ بتاؤں کون ہوں۔ روجانہ صبح کو اُٹھ کر یہی پوچھے ہے میں کون ہوں، اری نواب جادی، اپنے ماں باپ سے کہا ہوتا سادی نہ کرتے تیری۔ جب سے ہمارے گھر میں آئی ہے جان بوجھ کر چڑھ گئی ہے چل ناستہ بنا۔''

''سنو۔ سنو۔ تمہیں کوئی غلط فہمی ہو گئی ہے۔ مم...... میں، میں۔''

''ارے تو ایسے نہیں مانے گی۔'' سیاہ رو شخص بگڑ گیا۔

''سسری ابھی ٹھیک کرتا ہوں تجھے۔ صبح ہی صبح پہلے تیرا ناستہ

جروری ہوتا ہے۔" وہ جھکا اور اُس نے اپنے پیر سے موٹے چمڑے کا جوتا اُتار لیا۔ مسز درانی پیچھے ہٹ گئی تھی۔ اُس کے ہوش و حواس رخصت ہوئے جا رہے تھے۔ جی چاہ رہا تھا کہ چیختی ہوئی بھاگ جائے۔ لیکن دروازے کے سامنے وہ قوی ہیکل بدن کھڑا تھا۔

"ارے جباب نہیں دے گی۔ ٹھیک ہوئی یا ٹھیک کر دوں، موسی او موسی، دیکھ لے یہ سسری پھر اُتر گئی ہے پٹری سے۔" اُس شخص نے کسی کو آواز دی۔ اور دور سے ایک بڑھیا کلکلاتی ہوئی اس کی جانب بڑھی۔

"ارے جوتا سنبھال جوتا۔ تو تو ہے ہی جورو کا گلام، کہتی ہوں روج آنہ پانچ جوتے اسے لگا دیا کر، دن بھر ٹھیک رہے گی، پر سنے کون، تو، تو اس کی جوانی میں کھویا روے ہے، جنجے (زنخے) کہیں کے۔" بڑھیا تیزی سے مسز درانی کی طرف بڑھی اور مسز درانی دھم

سے زمین پر بیٹھ گئی۔

اس کی پھٹی پھٹی وحشت زدہ آنکھیں اس پورے ماحول کو دیکھ رہی تھیں۔ سیاہ رو شخص جوتا ہاتھ میں سنبھالے کھڑا تھا اور اس کی آنکھیں غصے سے سُرخ ہو رہی تھیں۔

”دیکھ موسی تو مجھے جورو کا گلام نہ کہا کر۔ کون سی ناج برداری کروں ہوں میں اس کی۔“

”نا کرے ہے تو یہ روج روج کیوں بھک جائے ہے، نواب جادی دن چڑھے سو کر اُٹھے ہے اور پھر اپنی اوقات بھول جائے ہے۔ اری بول تو کون ہے۔“؟

”بوڑھی عورت نے مسز درانی کے بال پکڑنے کی کوشش کی اور مسز درانی اُچھل کر جھونپڑی کی دیوار سے جا لگی، اس کا کلیجہ دھاڑ دھاڑ کر رہا تھا، دماغ چکرایا جا رہا تھا۔ اگر پستول ہوتا تو نتائج کی پرواہ

کئے بغیر ان لوگوں سے جان بچانے کے لئے ان پر فائرنگ شروع کر دیتی۔

"ہائے ہائے بڑی بجلیاں بھر گئی ہیں تیرے بدن میں۔۔۔ جوانی پیٹی دن رات خواب دیکھتی رہے ہے۔"

"بس کر موسی ٹھیک ہوگئی ہے۔ چل ری سسری ری ناشتہ بنا کر دے مجھے کہہ رہا ہوں جانا ہے۔"

"بس آ گئی محبت۔ ارے ہمارا کیا ہے جیسا بوئے گا ویسا ہی کاٹے گا۔ اے ہمیں کیا پڑی ہے جو تیری بات میں دخل دیں جورو کا گلام۔"

عورت باہر نکل گئی۔

یاد آ گیا تجھے کہ تو کون ہے۔" مرد نے پوچھا۔

"ہاں یاد آ گیا۔" مسز درانی نے با دل نخواستہ کہا۔ جو کچھ ہونے

جارہا تھا اس سے فوری بچاؤ کے لئے یہ ضروری تھا کہ حالات کو سمجھا جائے اور پھر کچھ فیصلہ کیا جائے۔

''چل پھر ناشتہ بنا۔''

''کہاں سے بناؤں میں تو سب کچھ بھول چکی ہوں۔'' مسز درانی نے نرم لہجے میں کہا۔

''کوئی بیماری لگے ہے تجھے۔ کسی سیانے کو دیکھانا پڑے گا۔ رندھی بابا کے پاس لے چلوں گا آج شام کو۔ وہ کونے میں سامان رکھا ہے بس جو کچھ ہے جلدی سے لے آ۔ مرد نے اشارہ کیا اور مسز درانی بادل نخواستہ اس کونے کی طرف بڑھ گئی۔

گندے برتن رکھے ہوئے تھے۔ دودھ گرم تھا۔ کچھ اور چیزیں بھی موجود تھیں۔ مسز درانی کے فرشتوں نے بھی کبھی کچن کا رُخ نہیں کیا تھا ہمیشہ ملازم کھانا پکاتے رہے تھے۔ کچن کا نام بھی اس کے

لئے قابلِ نفرت تھا۔ لیکن بڑے بول بولنے کا یہی نتیجہ ہوتا ہے۔ وہ اِن حالات سے اس قدر حواس باختہ تھی کہ کچھ سوچ بھی نہیں پا رہی تھی۔ پیالہ بھر دودھ اور جو کچھ سامنے آیا ایک گندی سی ٹوٹی ہوئی ٹرے میں رکھ کر وہ باہر آ گئی۔

جھونپڑی کے دروازے کے باہر احاطہ تھا اور سیاہ رو اس میں بیٹھا ناشتہ کر رہا تھا۔ مسز درانی نے ناشتے کی ٹرے اس کے سامنے رکھ دی۔

"اری موسی او موسی۔"

"کیا ہے رے۔"؟

"دیکھ لے ٹھیک ہوگئی۔ کیسی ٹھیک ہوئی ہے۔"

"کل پھر کھراب ہو جائے گی پھکر مت کر۔۔۔" موسی کی آواز اُبھری اور مسز درانی اسے گھورنے لگی۔ میلی کچیلی عورت اس کی دشمن

تھی اور ہمیشہ اس کی کاٹ کرتی رہتی تھی۔ لیکن کچھ سوچنے کا موقع تو ملے سب کو دیکھ لوں گی۔

اُس نے سوچا اور خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی۔ سیاہ رو شخص نے دودھ پیا اور جو کچھ سامنے تھا وہ چٹ کر گیا اور پھر مونچھیں صاف کرتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"اچھا موسی چلتا ہوں۔ جا رہا ہوں ری۔" اُس نے لگاوٹ کے انداز میں مسز درانی سے کہا۔ اور پھر ایک کپڑا کندھے پر ڈال کر سیدھا چل پڑا۔

مسز درانی واپس جھونپڑی میں آ گئی۔ اس کے دل میں پنکھے لگے ہوئے تھے۔ ہاتھ پاؤں بے جان ہوتے جا رہے تھے، یہ سب کیا ہوا۔؟ کیسے ہوا۔؟ اِس کا اپنا لباس کہاں گیا۔؟ وہ یہاں کیسے پہنچ گئی۔؟ یہ کون سی جگہ ہے، ہوا کیا۔؟ کوئی بات سمجھ میں آئے۔ کپڑے

پیوند لگے، مسز درانی کا اپنا لباس نجانے کہاں چلا گیا، دفعتاً اسے لباس کا خیال آیا۔ اور وہ متوحش نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

جھونپڑا زیادہ طویل تو نہیں تھا، تھوڑا سا سامان تھا۔ اس جھونپڑے میں اور اس میں کوئی چیز تلاش کر لینا مشکل نہیں لیکن اس جھونپڑے میں اس کے لباس کا نام و نشان نہیں تھا، نجانے کیا ہو گیا تھا۔

جھونپڑے کی زمین پر چت لیٹ کر وہ چھت کو گھورنے لگی، ہاتھ پاؤں بُری طرح سنسنا رہے تھے، دل و دماغ بے قابو تھے، جان بچانے کے لئے اس نے یہ دودھ کا پیالہ اور ناشتہ اس کم بخت کے سپرد کیا تھا ورنہ وہ تو اسے جوتے لگانا بھی پسند نہیں کرتی۔

''لیکن۔۔۔ لیکن یہ سب کیوں ہوا۔؟ کیسے ہوا۔''؟ وہ سوچنے لگی۔ گزرے ہوئے واقعات پر نظر دوڑانے لگی۔ تاکہ گزرے ہوئے

واقعات کا اندازہ ہو سکے، پھر اسے پچھلا دن یاد آیا۔

زاہد ظفر۔۔۔ہاں زاہد ظفر اس کے پاس آیا تھا۔اُس نے چوکیدار سے کہہ دیا تھا کہ کوئی مہمان آنے والا ہے، جب کہ زاہد ظفر دیوار کود کر اندر آیا تھا،لیکن کوئی مہمان بھی آیا تھا،اس نے اس وقت ایک قہقہہ سنا تھا جب وہ زاہد ظفر سے گفتگو کر رہی تھی،اس قہقہے کا خیال آتے ہی اس کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے،وہ دوسرا مہمان کوٹھی میں نہیں ملا تھا۔

تو کیا۔۔۔تو کیا سہیل، آہ یقیناً سہیل۔اُس نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھ لئے۔دل تھا کہ سینے کا پنجرہ توڑ کر باہر نکلنا چاہتا تھا۔تو کیا سہیل ان کی سازش سے واقف ہو گیا۔۔۔اُس نے سوچا اور سر تھام لیا۔اوہ۔اوہ تو کیا ایک بار پھر سہیل اس کا دشمن بن جائے گا، اسے وہ وقت یاد آ گیا جب ساری رات زنخے اسے گانے سناتے

رہے تھے، اور وہ وحشت کے عالم میں بیٹھی ان کا ناچ رنگ دیکھتی رہی تھی، اسے سونے سے منع کر دیا گیا تھا۔ تو کیا۔۔۔ تو کیا یہ سہیل کی دوسری سزا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔ مگر۔۔۔ یہ کیسی انوکھی سزا ہے لیکن اب۔ اب تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس نے خوف کے عالم میں ادھر ادھر دیکھا، اب۔۔۔ وہ کیا کرے، اب شاید سہیل اسے کبھی معاف نہ کرے۔!

زاہد ظفر کا کیا ہوا؟ وہ کہاں ہے۔؟ اسے کہاں رکھا گیا۔۔۔ لیکن پھر مسز درانی اپنا سر جھٹکنے لگی، وہ جہاں بھی ہو گا مجھے اس بارے میں کیسے علم ہو سکتا ہے۔

لیکن یہ کم بخت کتنا عجیب انسان ہے، کہاں پھینکا ہے اُس نے اور اُن سب لوگوں کو غلط فہمی کا شکار کس طرح کر دیا ہے کیا چکر ہے یہ۔ خدا جانے کیا چکر ہے، وہ سوچتی رہی، بدن تھا کہ اس طرح بے جان ہو رہا تھا جیسے سارے بدن میں خون کی روانی بالکل ہی رُک گئی

ہو۔

اُس نے اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کی تو اس میں بھی اسے خاصی مشکلات کا شکار ہونا پڑا۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ وہی کم بخت موسی کمرے میں داخل ہو گئی۔

عجیب نامعقول عورت تھی، صورت ہی سے کراہیت محسوس ہوتی تھی۔ مسز درانی کو دیکھ کر اُس نے بُرا سا منہ بنایا اور بولی۔

''اری واہ ری واہ، ابھی تک آرام ہو رہا ہے نواب جادی۔'' اُس نے طنزیہ انداز میں کہا اور مسز درانی اسے بے بسی کی نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

''اُٹھتی ہے کہ اُتاروں جوتی، اب تیرا خصم نہیں ہے گھر پر۔ جو تیری جا بجا حمایت کے لئے کھڑا ہو جائے گا۔ میرا نام چندا ہے ہاں، سمجھتی ہے تو، روشنی کر دیتی ہوں دماگ میں، اُٹھ برتن کون دھووے گا

تیرا باپ۔" بڑھیا نے کہا۔

"کیا۔"؟ مسز درانی خوفزدہ لہجے میں بولی۔

"ارے ہاں اُٹھ برتن دھو، مکھیاں بھنک رہی ہیں، باہر سارے برتن جمع ہیں۔ میں نے اپنی بیٹی سے کہہ دیا تھا کہ برتن جمع کر دے، بھلا تجھ نواب جادی سے یہ سارا کام کیسے ہو سکے گا، اُٹھتی ہے کہ نہیں، یا بال پکڑ کر دو جوتے لگاؤں۔" بڑھیا آگے بڑھی۔

اور مسز درانی بوکھلا کر کھڑی ہو گئی۔ ایک لمحے کے لئے تو وہ خوفزدہ ہو گئی تھی لیکن پھر اسے اپنی بے بسی پر غصہ آ گیا، اور اُس نے قہر آلود نگاہوں سے بڑھیا کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"نکل جا تو باہر یہاں سے۔۔۔ میں کہتی ہوں نکل جا، چلی جاؤ۔"

"ایں مجھ سے جبان چلا رہی ہے۔" بوڑھی عورت آگے بڑھی۔

”میں کہتی ہوں دفعہ ہو جا، یہاں سے باہر نکل، چل نکلتی ہے یا نہیں۔۔۔“

”ہاں ہاں بول۔ اگے بول۔ اگے بول جرا۔ میں بھی تو سنو، کیا کہے گی بول اگے بول۔“ بوڑھی عورت نے مسز درانی کے بال پکڑنے کی کوشش کی، لیکن مسز درانی کا اُلٹا ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور بوڑھی کئی قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”ہائے ہائے۔ ہائے ہائے، ہاتھ اُٹھا دیا مجھ پر، اری کم بخت ہاتھ اُٹھایا مجھ پر تو نے۔ ہائے ہائے رے جگن، دمن، ثاجی ارے جلدی آؤ، ارے او چھمن جلدی آؤ تنا دیکھو، یہ حرام جادی مجھے مارے ہے۔ ہائے ہائے، دیکھو یہ مجھے مارے ہے۔ بڑھیا روتی پیٹتی بھاگتی باہر آئی اور باہر اچھا خاصا ہنگامہ ہو گیا۔

مسز درانی نے دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا تھا، اس کی سمجھ میں

نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے، یہ غصہ بھی بس آہی گیا تھا جو نہیں آنا چاہئیے تھا، حالات کو پوری طرح سے جانے بغیر کوئی ایسا قدم اُٹھانا بے مقصد تھا جس سے اُس کے لئے مشکلات پیدا ہوں، اِن جنگلیوں کا کیا ہے مار پیٹ شروع کر دیں گے اور حلیہ بگاڑ دیں گے، ذرا سے غصے سے خوامخواہ کام بگڑ گیا۔

تھوڑی ہی دیر کے بعد بہت سے افراد جھونپڑی کے اندر گھس آئے۔ایک لمبے چوڑے آدمی نے اسے بازو سے پکڑ کر اُٹھایا اور گھسیٹتا ہوا باہر لے آیا۔

"تو نے میری ماں پر ہاتھ اُٹھایا تھا۔" اُس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔اُس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا،مسز درانی نے گردن جھکالی۔

"نہیں بھیا میں نے موسی پر ہاتھ نہیں اُٹھایا موسی جھوٹ بول رہی

ہے۔

"ہے ہے ارے ہاتھ نہیں اُٹھایا، اری او منہ کے منہ پر جھوٹ بول رہی ہے۔ ارے ابھی تو تو نے میرے منہ پر تھپڑ مارا تھا۔"

"کیوں ماں تو جھوٹ بول رہی ہے یا اس سے دشمنی کر رہی ہے۔" وہ آدمی اچانک نرم پڑ گیا۔

"ارے ارے میں اس سے کیا کروں گی دشمنی، میں جھوٹ بولوں گی، میں بڑھیا جو قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی ہوں، تم سب سے جھوٹ بولوں گی، ارے اس نے تھپڑ مارا ہے، میرے منہ پر۔"

"نہیں بھیّا موسیٰ میری بزرگ ہے، میں بھلا ہاتھ اُٹھا سکتی ہوں اس پر۔" مسز درانی پھر عاجزی سے بولی اور وہ آدمی بالکل ہی نرم پڑ گیا۔

"ماں بھابی پر ایسے اُلٹے سیدھے الزام مت لگایا کر وہ اتنی بُری

نہیں جتنی بُری تو اسے کہتی ہے، چل بھابھی تو اپنا کام کر، بھابھی یہ تو ایسے ہی سب کی دشمن بنی رہتی ہے۔'' اس آدمی نے کہا اور بڑھیا نے رونا پیٹنا شروع کر دیا، وہ بُری طرح اپنا سینہ پیٹ رہی تھی۔ اور خونی نگاہوں سے مسز درانی کو دیکھ رہی تھی، جھولی پھیلا پھیلا کر اسے کوس رہی تھی اور مسز درانی چکراتے ہوئے ذہن سے سوچ رہی تھی کہ اس وقت ذرا سی نرمی نے کام بنا دیا، ورنہ ہوش و حواس درست ہو گئے ہوتے۔

پھر ایک لڑکی پیچھے سے آئی اور بولی۔

''چل بھابھی برتن دھو لے، میں نے جمع کر دیئے ہیں۔''

''کون سے برتن۔'' مسز درانی پھاڑ کھانے والے انداز میں بولی۔

''ارے وہ رکھے ہیں نا، بالٹی میں پانی بھی بھرا ہوا ہے، دھو لے

جلدی سے میں دوسرا کام کر رہی ہوں۔" لڑکی نے کہا اور دوسری طرف چلی گئی۔

مسز درانی نے لڑکی کے اشارے پر دیکھا اور ایک بار پھر اس کے ہوش و حواس جواب دینے لگے۔ برتن تھے یا برتنوں کی پوری دکان۔۔۔ ڈھیر لگا ہوا تھا، بالٹی رکھی ہوئی تھی، انتہائی گندی جگہ تھی جہاں بیٹھنا تو درکنار کھڑا بھی نہ ہوا جا سکتا تھا، رُخ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اس طرف، برتنوں پر مکھیاں بھنک رہی تھیں، نجانے کیسی کیسی غلاظت میں وہ لتھڑے ہوئے تھے۔

مسز درانی کی آنکھیں آسمان کی طرف اُٹھ گئیں، جو ہو چکا تھا، اور جو کچھ ہونے والا تھا اس کے بارے میں وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ کچھ سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے جمع ہونے لگے۔

اچانک وہ لڑکی جو اسے بھابھی کہہ رہی تھی، پھر جھونپڑی میں داخل ہوئی اور مسز درانی کو اس انداز میں بیٹھا دیکھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"اری او بھابھی اُٹھتی ہے یا ٹھیک کروں تجھے، کیا جوتا کھائے گی۔ حرام جادی حرامی پن سے باز نہیں آوے گی اور پھر دوسروں کے سامنے معصوم بن جائے گی۔ چل جلدی برتن دھو۔" لڑکی نے اسے گالیاں دیتے ہوئے کہا اور مسز درانی اسے گھورنے لگی۔

"اری ہاں تو سن کیوں نہیں رہی۔" دوسری طرف سے ایک مردانہ آواز اُبھری اور مسز درانی نے پلٹ کر دیکھنا بھی مناسب نہیں سمجھا۔ وہ تو دشمنوں کی بستی میں آ پھنسی تھی، ظاہر ہے سہیل نے اسے دوستوں کی بستی میں تو نہ بھیجا تھا، سزا ہی دینا تھی تو پھر ایسی ہی سزا مناسب ہو سکتی تھی مسز درانی کے لئے۔

کم بخت ماہرِ نفسیات تھا، ایسے ایسے گُر استعمال کرتا تھا سزا دینے
کے لئے کہ انسان زندگی سے عاجز ہو جائے، وہ اپنے خوبصورت
ہاتھوں کو دیکھنے لگی، اِن ہاتھوں سے اس نے کبھی کوئی سخت چیز بھی نہیں
پکڑی تھی کہ کہیں جلد پر خراش نہ آجائے۔
"لیکن یہ برتن۔ خدا کی پناہ۔ یہ برتن کیسے دھوئے جائیں۔" وہ
سوچنے لگی۔
چاروں طرف سے لعن طعن ہو رہی تھی کہ اس کے سوا کوئی چارہ
نہیں تھا کہ اُلٹے سیدھے جیسے بھی برتن دھوئے جائیں وہ دھولے۔
چنانچہ وہ ان کی طرف بڑھ گئی۔ اور غلاظت سے لتھڑے ہوئے
برتن دھونے لگی۔
یہ انتہا تھی اس سے آگے اور کوئی سزا نہیں ہو سکتی تھی، اگر وہ زخمی
کر دیتا تو وہ ہسپتال پہنچ جاتی، علاج ہوتا ٹھیک ہو جاتی یا مر جاتی، لیکن

اس نے اس طرح زخمی کیا تھا کہ اب علاج ممکن بھی نہ تھا، نجانے ان لوگوں کے چنگل میں اسے کب تک پھنسے رہنا پڑے۔۔۔ایک ایک برتن کو وہ اس طرح اُٹھا رہی تھی جیسے غلاظت کی پوٹ ہو اور پھر اسے صاف کرنے کا گُر بھی نہ آتا تھا۔ مٹی سے برتن مانجھنے پڑتے تھے اور اب انہی برتنوں میں کھانا پینا بھی پڑے گا۔

دفعتاً اسے کھانے پینے کے خیال سے۔۔۔اپنے اندر کا احساس ہوا، وہ بھوکی تھی لیکن یہاں کی کوئی چیز وہ کیسے کھا سکتی تھی۔ اللہ رحم کرے۔ اُس نے سوچا اور برتن دھوتی رہی۔

پائیں باغ کے گوشے سنسان ہوتے جا رہے تھے۔ ایک ایک کر کے وہ سب پراسرار سایوں کی طرح اپنی جگہ بناتے جا رہے تھے۔ بارہ بجنے میں ابھی دیر تھی اور اس سے قبل ہی وہ سب اپنے اپنے

ٹھکانے منتخب کر لینے کے خواہش مند تھے۔

پھر جب سب اپنی جگہ مطمئن ہو گئے تو انہوں نے ایک دوسرے کو سیٹیاں بجا بجا کر ہوشیار ہونے کا اشارہ دے دیا۔ پونے بارہ بجے تھے۔

صفدر شدت سے انتظار کر رہا تھا، طے یہ ہو گیا تھا کہ جس طرف یہ ڈرامہ ہو وہاں سے کھسک کر دوسری جگہ ہو جایا جائے۔

ٹھیک بارہ بجے عالم پناہ کا قوی ہیکل سایہ نظر آیا، وہ اسی گوشے کی جانب بڑھ رہے تھے جس کے بارے میں تنویر نے ان سے کہا تھا۔

عالم پناہ اس گوشے کے پاس پہنچ گئے، اور چاروں طرف آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے۔

بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اٹھ رہی تھیں۔

عجیب حیب تھی ان کی، ہونٹوں پر پان کی لالی، آنکھوں میں سرمہ

اور چہرے پر شاید تیل بھی چپڑا ہوا تھا، جس کی وجہ سے وہ چمک رہا
تھا۔

تمام لوگ ان خوشبوؤں کو سونگھ رہے تھے۔ اور عالم پناہ بے چینی
سے ٹہل رہے تھے۔

دفعتاً انہیں اپنے عقب میں ایک آہٹ سنائی دی اور وہ مسرور ہو
گئے۔ جتنے رومانی اور کلاسیکل الفاظ انہیں یاد آئے انہیں وہ ہونٹوں ہی
ہونٹوں میں بدبدانے لگے۔ اور آنے والی کے قدموں کی چاپ کا
انتظار کرنے لگے۔

چند لمحات کے بعد آنے والی اُن کے پاس پہنچ گئی، عالم پناہ نے
آنکھیں بند کر لی تھیں اور فخر و انبساط سے ان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ
پھیلی ہوئی تھی۔

قدموں کی چاپ ان کے نزدیک آ کر رک گئی اور عالم پناہ

آنکھیں بند کیئے کیئے بولے۔

"چاند ابھی نہیں نکلا، لیکن میری آنکھوں میں چاندنی رینگ آئی ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ آنکھیں کیسے کھولوں، اس چاند سے چہرے پہ نگاہیں جمانا میرے بس کی بات نہیں ہوگی میں۔ میں اپنے جذبات کا اظہار نہیں کرسکتا۔۔۔

۔۔۔کیونکہ محبت کے ان سچے جذبات کو آج تک وہ الفاظ نہیں مل سکے جن کے وہ حقدار ہوتے ہیں، زمانہ عجیب ہے، زمانہ قدیم سے محبت انسان کے ذہن میں جاگزیں رہی ہے لیکن وہ اس کے اظہار کا صحیح طریقہ دریافت نہیں کرسکا۔ کیا کہوں تمہیں کیا کہہ کر پکاروں۔

"چاند کہوں۔۔۔اپنے دل کی آواز کہوں یا۔۔۔یا۔۔۔تم ہی بتاؤ میں تمہیں کیا کہوں۔"؟

"شفیع الدین شیکی۔" آواز آئی اور عالم پناہ نے بوکھلا کر آنکھیں

کھول دیں۔

سامنے نہ چاند تھا، نہ چاندنی نہ دل کی آواز نہ محبت۔۔۔ بلکہ وہی جھاڑ جھنکار بھرا چہرہ کھڑا ہوا تھا، ایک لمحے کے لئے عالم پناہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں، لیکن پھر وہ غصے سے سُرخ ہو گئے۔ انہوں نے ادھر ادھر دیکھا اور متنفر آمیز لہجے میں بولے۔

''تم۔۔۔تو کیا یہ تمہارے قدموں کی چاپ تھی۔''

''تو کیا تمہارے خیال میں قلوپطرہ مصر سے آئیں تھیں۔''شفیع الدین شیکی نے کہا۔

''تم یہاں کیوں مر رہے ہو۔''؟ عالم پناہ غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

''یہی سوال میں تجھ سے بھی کر سکتا ہوں جہانگیر۔''

''کیا۔ کیا۔''؟ عالم پناہ پھر غرائے۔

’’جہانگیر۔!‘‘ شفیع الدین شیکی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

’’ہاں اس وقت میں تمہیں عالم پناہ نہیں کہوں گا، کیونکہ تم نے میری مخالفت میری دشمنی کی انتہا کر دی ہے۔ کیوں آئے تھے یہاں۔‘‘ شیکی نے حلق پھاڑ کر پوچھا۔

’’ابے۔ ابے۔ میں کہتا ہوں اپنا لہجہ سنبھال، ایک ہاتھ ماروں گا تو بتیسی دوسری طرف جا پڑے گی، تو یہاں کیوں آیا تھا۔

’’دیکھو دیکھو جہانگیر اخلاق و شرافت سے گفتگو کرو تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو تم ایک شریف آدمی ہو۔‘‘ شیکی نے اپنی جگہ اُچھلتے ہوئے کہا۔

’’اور تم انتہائی ذلیل ہو۔‘‘ عالم پناہ بولے۔

’’میں پھر تم سے کہتا ہوں عالم پناہ کہ تہذیب کا دامن ہاتھ سے نہ

چھوڑو تم نے اردو کلاسیک کی بہت انسلٹ کی ہے۔" شیکی نے کہا۔

"ہاں ہاں کی ہے اور یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ تم جیسے آدمی کو کبھی دوست نہیں بنانا چاہئیے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا۔"؟

"یہی کہ تم انتہائی کمینے انسان ہو۔" شیکی بولا اور عالم پناہ اس پر چڑھ دوڑے۔ لیکن شیکی جھکائی دے کر ایک طرف جا کھڑا ہوا۔

"آج فیصلہ ہو ہی جائے گا عالم پناہ، آج فیصلہ ہو ہی جانا چاہئیے۔ تم طاقتور ہو، مجھے قتل کر سکتے ہو، لیکن۔ میں تم سے ہار نہیں مانوں گا۔"

شیکی تن کر کھڑا ہو گیا۔

عالم پناہ نے پھر اس پر چھلانگ لگائی تھی، لیکن اس بار ایک عجیب و غریب منظر ان کے سامنے تھا۔

شیکی ان کے درمیان سے نہیں ہٹا تھا، عالم پناہ اس کے پاس سے

ہٹ گئے۔ پھر انہوں نے ہاتھ بڑھا کر شیکی کا گریبان پکڑ لیا۔

"میں تیرا کیریئر تباہ کر دوں گا۔"

"بزدلی کی باتیں مت کرو، تم مجھے قتل ہی کر دو تو بہتر ہے۔" شیکی نے کہا۔

"کیا بکواس کئے جا رہا ہے۔"

"صحیح کہہ رہا ہوں، میں آج مرنا چاہتا ہوں۔" شیکی بولا۔ اور عالم پناہ نے متحیرانہ انداز میں اس کا گریبان چھوڑ دیا۔

"ابے ابے تجھے کیا ہو گیا ہے۔"

"تم یہ بتاؤ تم یہاں کیسے نظر آ رہے ہو۔"

"پہلے میں نے سوال کیا ہے۔"

"لیکن تم مجھے جواب دو۔"

شیکی نے دو بدو کہا۔

"پہلے میرے سوال کا جواب تو دے۔"

"نہیں تم دو۔"

"نہیں تو دے۔"

"نہیں تم دو۔"

دونوں میں تکرار ہونے لگی۔

اور پھر دونوں ہی خاموش ہو گئے۔

عالم پناہ پریشانی کا شکار ہو گئے۔

بار بار ان کی نگاہیں ادھر ادھر بھٹکنے لگی تھیں۔

وہ سوچ رہے تھے کہ۔

وہ ایک مہذب انسان ہیں اور۔

مہذب انسانوں کو لڑائی جھگڑا زیب نہیں دیتا۔ اگر وہ آ گئی تو

انہیں دیکھ کر کیا سوچے گی۔ وہ چند لمحات خاموش رہے پھر نرم لہجے میں

بولے۔

"دیکھ شیکی تو چلا جا یہاں سے، میں پھر تم سے گفتگو کروں گا۔"

"نہیں جا سکتا، تم یہاں سے چلے جاؤ۔"

"آخر کیوں۔"؟

"اس سوال کا جواب تم دو۔" شیکی نے کہا۔

"نہیں تو دے۔"

"نہیں تم دو۔"

"دونوں کو ایک دم پھر خیال آ گیا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

عالم پناہ اب بہت زیادہ بے بسی کا شکار نظر آ رہے تھے۔ دفعتاً انہیں اپنے عقب سے نواب تمیز الدین کی آواز سنائی دی اور وہ خوف سے اُچھل پڑے۔

"کیا کر رہے ہو تم دونوں یہاں۔"

''جی وہ پھوپھوپھوپھوپھاپھوپھا۔'' دونوں ہکلانے لگے تھے۔

''میں تم دونوں کی واپسی کا بندوبست کر چکا ہوں کل تمہارے ٹکٹ آجائیں گے، تم دونوں واپس افریقہ چلے جاؤ۔'' تمیزالدین خان نے سرد لہجے میں کہا اور عالم پناہ خوف سے کپکپانے لگے۔

''پھو۔ پھوپھا جان۔ وہ۔ وہ۔''

''پھوپھا جان کے بچو، تم لوگوں نے میری ساری عزت خاک میں ملا کر رکھ دی ہے۔ کیا سوچتے ہوں گے یہاں کے لوگ کہ دو جگر میں نے افریقہ میں پرورش کیے ہیں۔''

''پھوپھا جان۔ وہ ہم تو چاندنی رات کا لطف اُٹھانے کے لئے یہاں آگئے تھے۔''

''ہوں۔ چاند کہاں ہے۔''؟ نواب تمیزالدین نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"نن..... نکلے گا، ضرور نکلے گا۔"

"تمہیں پتہ ہے چاند کی کیا تاریخ ہے۔"؟

"نن..... نہیں چچا جان، ہمیں تاریخیں یاد نہیں رہتی ہیں۔" اس بار شیکی بولا۔

"چاند ڈوب چکا ہے کم بختو، چلو اپنے اپنے کمروں میں چل کر آرام کرو۔ اور دیوانگی کی یہ حرکتیں چھوڑ دو، بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں افریقہ واپس بھجوا دوں، بس اس کے علاوہ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"

"ہم..... معاف کر دیجئے پھوپھا جان معاف کر دیجئے، ہم..... ہم......"

"بس بس تم چلو اپنے کمروں میں، معاف کر دوں گا بعد میں۔"

تمیز الدین خان نے کہا اور وہ دونوں کے کان پکڑ کر وہاں سے چل

پڑے۔ جب وہ کوٹھی کے اندر داخل ہوئے تو باغ میں قہقہوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔ صفدر اور اس کے تمام ساتھی باہر نکل آئے۔

''یہ چچا جان کہاں سے آ گئے اس وقت۔'' اِس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''پتہ نہیں چچا جان نے ان لوگوں کو کہاں سے دیکھ لیا۔''

''یہ تو گڑبڑ ہو گئی، مزا نہیں آیا کچھ۔''

''ہاں واقعی مزا نہیں آیا۔''

''تو پھر کیا کیا جائے۔''؟

''چلو دیکھیں گے، کوئی دوسرا پروگرام بنائیں گے مگر یہ چچا جان کہیں واقعی ان لوگوں کو روانہ نہ کر دیں، سارا لطف کرکرا ہو جائے گا۔'' صفدر نے کہا اور سب کے سب اپنی رہائش گاہ کی طرف چل پڑے۔ اِن لوگوں نے طے کر لیا تھا کہ آپس میں بیٹھ کر میٹنگ

کریں گے کہیں سچ مچ چچا جان اِس سلسلے میں کوئی قدم ہی نہ اُٹھا بیٹھیں۔

دونوں پہرے داروں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور گہری سانس لے کر قریب آ گئے۔ دونوں کے انداز میں تھکن کا احساس ہو رہا تھا۔ انہوں نے اپنی وزنی رائفلیں دیوار کے ساتھ کھڑی کر دیں۔ اور اس میں سے ایک اپنی وردی کا اُوپری بٹن کھول کر سینے پر پھونکیں مارنے لگا۔

"عجیب موسم ہے کبھی سردی اور کبھی گرمی۔ حالانکہ اکتوبر کا مہینہ ہے، مگر سردی کا نام و نشان نہیں ہے، صبح کو موسم خنک ہو جاتا ہے اور دن کو اس قدر گرم۔" ان میں سے ایک نے کہا۔

"مگر اس وقت تو خاصی گرمی ہے، فضا میں حبس بھی ہے، شاید

بارش ہو جائے۔"

"شاید۔" دوسرے نے اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔

"دیکھو وہ بجلی بھی چمک رہی ہے۔"

"اچھا ہے بارش ہو جائے، اس موسم نے دماغ خراب کر کے رکھ دیا ہے، سگریٹ نکالو۔" دوسرے نے بدستور اُکتائے ہوئے انداز میں کہا۔ اور پہلے آدمی نے وردی کی جیب میں سے سگریٹ کا پیکٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

رات کے تقریباً دو بجے ہوں گے چاروں طرف تاریکی اور سناٹے کا راج تھا۔ سڑکوں پر لگے ہوئے الیکٹرک پول بھی ماحول کی گھٹن کا شکار تھے۔ ان پر لگے ہوئے پیلے بلب اُداس آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے، دن میں موسم اچھا خاصا تھا لیکن رات کو اچانک بادلوں کے غول آسمان پر جمع ہونے لگے اور فضا میں گھٹن

پیدا ہو گئی تھی۔

کافی وقت گزر چکا تھا اس گھٹن کو لیکن نہ تو بارش ہوئی اور نہ ہی بادلوں کے غول صاف ہوئے۔ البتہ بجلی کبھی کبھی چمکنے لگتی تھی۔ اس خوبصورت عمارت کے آہنی گیٹ پر پہرہ دینے والے دونوں محافظ اس گھٹن سے بُری طرح اُکتائے ہوئے تھے۔

سگریٹ کے پیکٹ سے ایک ایک سگریٹ نکال کر دونوں نے ہونٹوں سے لگایا اور ماچس سے جلا کر اس کے کش لینے لگے۔

کیا سوچ رہے ہو۔"؟ اِن میں سے ایک نے دوسرے سے پوچھا۔

"کوئی خاص بات نہیں، بس یونہی اپنے گھر کا خیال آ گیا تھا۔"

"گھر۔"؟ پہلے نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔ "ہم جیسے لوگ گھروں سے دور رہ کر ہی زندگی گزارنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔"

''ہاں ایسا ہی لگتا ہے، نوکری بہر صورت نوکری ہوتی ہے، بعض اوقات تو میں سوچتا ہوں کہ گھر والے ہمیں کچھ عرصے کے بعد بھول جائیں گے، ہمارا ان میں کوئی مقام نہیں رہے گا، صرف ایک یاد رہ جائے گی ان کے دل میں کہ ہم بھی کوئی حیثیت رکھتے تھے۔''

''یہ حقیقت ہے۔'' دوسرے نے گہری سانس لے کر کہا۔ اور اس کی نگاہیں پھر آسمان کی جانب اُٹھ گئیں، بجلی اب بھی چمک رہی تھی اور اس کا دائرہ عمل بڑھتا جا رہا تھا، پھر بادلوں کی گڑگڑاہٹ سنائی دینے لگی، فضا کچھ اور بھی بھیانک ہو گئی۔ وہ دونوں محافظ دور دور تک نگاہیں دوڑانے لگے۔ پوری عمارت خاموش کھڑی تھی، عمارت کے چاروں جانب لگے ہوئے درخت ایسے خاموش تھے جیسے کسی خاص واقعہ کے منتظر ہوں۔

لیکن وہ آواز بہت ہلکی تھی، جسے سگریٹ پینے والے نے بخوبی سن

لیا تھا، کیونکہ وہ زیادہ دور سے نہیں آئی تھی، دوسرے لمحے اس نے سگریٹ کو اپنے جوتے سے مسل دیا اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑنے لگا۔

دفعتاً بجلی چمکی اور اس کے ساتھ بادل بھی گرجے اور پہرے دار کے حلق سے ہلکی سی آواز نکل گئی۔ دوسرا پہریدار یہ آواز سن کر چونک پڑا تھا۔

کیا بات ہے۔''؟ اس نے تعجب سے پوچھا۔ لیکن پہلے پہرے دار نے جواب دینے کی بجائے جلدی سے لپک کر اپنی رائفل اُٹھالی تھی۔

''کیا ہو گیا بتاؤ گے نہیں۔''

''میں نے، میں نے دو سائے دیکھیں ہیں، بالکل صاف۔''

پہلے نے جواب دیا۔

"نہیں۔"

"حقیقت ہے۔ ہوشیار ہو جاؤ، ممکن ہے کوئی خطرہ پیش آ

جائے۔" پہلے پہرے دار نے کہا۔ اور دونوں اپنی رائفلیں اُٹھائے

آگے بڑھنے لگے۔ ابھی وہ چند ہی قدم آگے بڑھے تھے کہ آہنی گیٹ

کے اوپر سے دو سائے اِن پر کودے اور دونوں پہرے داروں کو لپیٹ

میں لیتے ہوئے ان پر جاپڑے، اس سے قبل کہ پہرے دار کچھ کرتے

دفعتاً زور سے بادل گرجے اور اِس کے ساتھ ہی پہرے داروں کی

چیخیں بھی گونجی تھیں، ان دونوں کی گردنوں پر تیز چھریاں چل گئی تھیں

اور دیکھتے ہی دیکھتے ان کے حلق سے خرخراہٹیں بلند ہونے لگیں

نرخرہ کٹ گیا تھا اِس لئے آوازیں تو سنائی نہیں دے رہی تھیں،

لیکن خرخر کی آواز کے ساتھ خون بھل بھل بہہ رہا تھا۔

چھریوں والے سائے ان پر سے ہٹ گئے اور پھر انہی کے لباس

سے چھریاں صاف کر کے انہوں نے اپنے لباس میں رکھ لیں۔ اِس کے بعد وہ اندر داخل ہو گئے۔ پہرے داروں کی موت کے بعد کچھ اور افراد بھی دیواروں سے اندر کود آئے تھے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ عمارت کے اندرونی حصے کی جانب بڑھنے لگے۔ اندرونی حصے میں پہنچ کر دفعتاً انہوں نے دروازے پر گولیوں کی بارش کر دی اور قفل ٹوٹ گیا۔ لیکن گولیوں کی اِن آوازوں سے اندر موجود لوگ جاگ گئے تھے ذرا سی دیر میں اندر چیخیں سنائی دینے لگی تھیں لیکن اِس کے ساتھ ہی فائرنگ کی آوازیں بھی۔

اِسی وقت بارش شروع ہو گئی تھی۔ لیکن خون آشام لوگوں نے بارش کی پرواہ نہیں کی اور یہ خونی ڈرامہ دیر تک جاری رہا عمارت کے اندر موجود ایک ایک شخص کو قتل کر دیا گیا تھا۔ پھر وہ منتشر ہونے لگے۔ بارش اب بھی تیز رفتاری سے ہو رہی تھی لیکن یہ اندازہ نہیں لگایا

جا سکتا تھا کہ وہ لوگ کدھر گئے۔ وہ سب تاریکی میں گم ہو گئے تھے۔
البتہ رات کی اس کارروائی کا اثر بہت دور تک گیا۔

یہ عمارت ایک غیر ملکی سفارت خانے کے افراد کی تھی۔ سفارت
خانے کے تمام افراد کو قتل کر دیا گیا تھا اور صبح کو اس کا پتہ چل سکا تھا۔
عمارت کے اطراف میں پولیس کی بھاری جمعیت پہنچ گئی، ملک کے
بڑے بڑے افسران وہاں جمع ہو گئے، یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا،
جس ملک کا یہ سفارت خانہ تھا اِس ملک سے بڑے اچھے تعلقات تھے
حکومت کے لئے جواب دہی مشکل ہو گئی تھی۔ انتہائی پریشان کن
حالات میں وقت گزر رہا تھا اور پولیس افسران سفارت خانے کی
عمارت کے اندر وہ نشانات تلاش کرتے پھر رہے تھے جن سے
قاتلوں کا کوئی نشان مل سکے۔ پھر ایک افسرِ اعلیٰ کو عمارت کے ایک
اندرونی حصے میں ایک سفید سا سکہ نظر آیا۔ عجیب وغریب سکہ۔ جس کا

ڈیزائن بے حد عجیب تھا اِس سکے پر ایک نام لکھا تھا جسے پڑھ کر افسرِ اعلیٰ چونک پڑے، یہ نام تھا گولیور۔"

خفیہ پولیس کے محکمے میں یہ سکہ بھیج دیا گیا اور گولیور کا فائل تلاش کرلیا گیا۔ گولیور اب سے کچھ عرصے پہلے بھی اس ملک میں آیا تھا، یہ ایک خطرناک مجرم تھا۔ دوسری جنگِ عظیم میں نازیوں کے لئے کام کر چکا تھا، پھر اِس کی موت کی اطلاع سنی گئی۔ لیکن اِس کے بعد یورپ کے چند ممالک کے لئے اِس نے خطرناک ترین کام انجام دیئے، وہ مختلف ممالک کے لئے کام کرتا تھا اور اعلیٰ ترین معاوضے پر خطرناک سے خطرناک کام انجام دینے کے لئے تیار ہو جاتا تھا۔

اِس بار وہ نجانے کس مقصد کے تحت یہاں آیا تھا۔ حالانکہ اب سے کچھ عرصہ قبل وہ اِس ملک میں گرفتار بھی ہوا تھا لیکن چند گھنٹے قید رہنے کے بعد وہ فرار ہو گیا تھا۔ طویل عرصے بعد یہ نام پولیس

ڈیپارٹمنٹ میں دوبارہ آیا تھا۔اور تمام ڈیپارٹمنٹ میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

گولیور کے بارے میں زیادہ معلومات کسی کو بھی نہیں تھیں ،لہذا پولیس افسران ایک دوسرے سے معلومات حاصل کرنے لگے۔اور اچھی خاصی ہنگامہ خیز کیفیت پیدا ہوگئی۔

"یہ گولیور کا مخصوص طریقہ کار تھا وہ جہاں بھی جاتا خون ریزی کرتا اور اس طرح اپنی آمد کا اعلان کرتا،اس بار بھی اس نے اسی طرح ابتداء کی تھی اور پولیس ڈیپارٹمنٹ کے لئے خاصا درد سر پیدا ہوگیا تھا۔

پولیس افسران کی ایک خصوصی میٹنگ ہوئی جس میں گولیور کی گرفتاری اور اس کی چیرہ دستیوں سے نپٹنے کے لئے مناسب انتظامات کے فیصلے کئے گئے تھے،ان تمام اہم مقامات پر پولیس کو

متعین کر دیا گیا جہاں گولیور کی موجودگی کے امکانات ہو سکتے تھے۔
لیکن گولیور جیسے خطرناک مجرم کا پتہ جاننا آسان کام نہیں تھا۔ اِس کا
طریقہ کار ذرا مختلف تھا۔ وہ زیادہ لوگ ساتھ لے کر نہیں چلتا تھا، جس
ملک میں جاتا، وہیں کے لوگوں کو انگیج کرتا اور انہی سے کام لیتا تھا۔
چنانچہ اس کی کاروائیاں جاری تھیں۔

اس وقت بھی سفارت خانے کی عمارت پر جن افراد نے حملہ کیا تھا
وہ مقامی ہی تھے اور گولیور جیسے خطرناک مجرم کو یہ اطمینان تھا کہ اگر ان
میں سے کوئی گرفتار ہو بھی گیا تو وہ زیادہ سے زیادہ گولیور کا نام لے
دے گا اِس کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی کچھ بھی نہیں بتا سکتا تھا۔
ڈُبلے پتلے بدن کا یہ شخص اس وقت ایک گندے سے محلے کے
گندے سے مکان میں بیٹھا ہوا تھا، اس کمرے میں جس میں وہ
موجود تھا موی شمعیں روشن تھیں، اس علاقے میں بجلی نہیں تھی اور

علاقے کے مکین مٹی کے تیل کے لیمپوں، لالٹینوں یا موم بتیوں سے کام چلاتے تھے۔ لیکن جس کمرے میں گولیور موجود تھا وہاں انتہائی اعلیٰ قسم کی مشینیں رکھی ہوئی تھیں۔ جن پر وہ مختلف لوگوں سے رابطہ قائم کر رہا تھا۔ یہ بھی اس کا طریقہ کار تھا۔ وہ ہوٹل بازی یا اعلیٰ قسم کے مقامات پر ٹھہرنا پسند نہیں کرتا تھا۔ بلکہ معمولی لوگوں کی حیثیت سے گندے گندے محلوں میں قیام کرتا تھا تاکہ لوگ اس کی جانب متوجہ نہ ہو سکیں۔

اس کے تینوں ساتھی جو شکل سے ہی غیر ملکی نظر آ رہے تھے اس کے قریب ہی بیٹھے ہوئے تھے اور گولیور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"اس کا مطلب ہے کہ ہم نے جن لوگوں کو اپنے ساتھ مصروف کیا ہے وہ واقعی کام کے ہیں، انہوں نے اپنا کام نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے۔ پولیس کو ہمارے بارے میں اطلاع مل گئی ہے۔ یہ

بہت بہتر ہوا، اب کام کرنے کا لطف آئے گا۔" گولیور نے کہا۔

ہاں جناب اس میں شک نہیں ہے لیکن ہمارا دوسرا نشانہ کون سا ہوگا۔"

"اِس فیصلہ میں ابھی دو چار دن کے بعد کام کروں گا ذرا پولیس کی کاروائی دیکھ لوں وہ کن راستوں پر کام کرتی ہے، فوری طور پر پے در پے ایکشن لینا نقصان دہ ہوسکتا ہے۔ چنانچہ چار دن کے وقفے کے بعد ہی فیصلہ کروں گا کہ دوسرا نشانہ کون سا ہوگا اور پھر اس پر عمل کیا جائے گا۔ لیکن ابھی میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارے گروہ میں افراد کی کمی ہے، کچھ اور لوگوں کو ہم میں شامل ہونا چاہیئے۔"

"اِس کا انتظام مشکل تو نہ ہوگا جناب۔"

"ہاں مشکل نہیں ہوگا، تم چارلس کو ہوٹل کراؤن میں طلب کرلو۔ میں وہاں اِس سے ملاقات کرلوں گا۔"

"بہت بہتر میں ابھی رابطہ قائم کر لیتا ہوں۔" دوسرے شخص نے کہا۔ اور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ پھر رات کی تاریکی میں وہ اِس کچے مکان سے باہر نکل گیا۔

زاہد ظفر جو کچھ بھی تھا لیکن بلاشبہ شاعرانہ ذہن رکھتا تھا، جرائم کی زندگی ایک الگ چیز تھی اور شعر و شاعری و حِسِ لطیف ایک الگ چیز۔ یہ دونوں چیزیں اس کے اندر مشترک تھیں۔ حُسن پرست تھا اور کسی بھی حسین صورت کو دیکھ کر فریفتہ ہو جایا کرتا تھا۔

مسز درانی کوئی زیادہ خوبصورت عورت تو نہیں تھی، لیکن بس زاہد ظفر کے ذہن میں اُتر گئی تھی اور وہ شدت سے اِس کی جانب متوجہ ہو گیا تھا۔ اِس نے سوچا کہ کیا حرج ہے کہ کچھ عرصہ اِس عورت سے دوستی رہے۔ لُطف رہے گا۔ پھر وہ دوسرے معاملات سامنے آئے۔

وہ نصیبو کے جال میں پھنسا ہوا تھا۔ ایک ایسی رقم اُسے ادا کرنی پڑتی تھی جو اُس پر بار نہیں گزرتی تھی۔ چنانچہ اُس نے نصیبو کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ ویسے یہ شخص تھا بھی بہت چالاک، اُس نے جس انداز میں زاہد ظفر کو پھانسا تھا وہ واقعی قابلِ تعریف تھا۔ چنانچہ زاہد ظفر نے اُس کی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ لااُبالی آدمی تھا۔ جب تک کسی مسئلہ میں پوری طرف متوجہ نہیں ہوتا اُس پر عمل نہیں کرتا تھا۔ خواہ کتنا ہی نقصان اُٹھانا پڑے۔

مسز درانی نے اُسے نصیبو کی طرف متوجہ کر دیا تھا چنانچہ اُس نے سوچا کہ اب اس جھنجھٹ سے چھٹکارا حاصل کر ہی لینا چاہیئے۔ اِس خیال کے تحت وہ مسز درانی کے پاس ہی آ گیا تھا۔ اِس وقت بھی اُس کی آنکھ کھلی تو اس کے ہونٹوں پر ایک شعر پھسل پڑا۔ عموماً وہ اسی طرح جاگتا تھا۔

لیکن دفعتاً اُسے محسوس ہوا کہ اُس کے سینے پر ایک وزنی پتھر رکھا ہوا ہے۔ ٹانگوں پر بھی ایسا ہی بوجھ محسوس ہو رہا تھا۔ اُس نے چونک کر آنکھیں پھاڑ دیں۔ یہ پتھر کہاں سے اس کے سینے پر آ گیا۔

آنکھیں کھولیں تو نیم تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ کہیں کہیں سوراخوں سے ہلکی ہلکی روشنی جھانک رہی تھی۔ سینے پر رکھے ہوئے پتھر کو ٹٹولا تو گوشت کا ایک بہت بڑا تودا اِس کے ہاتھ میں آ گیا۔ ظفر کے حلق سے ایک دہشت ناک چیخ نکل گئی تھی۔ اُس نے اس تودے کو خود پر سے دھکیل دیا۔ اور اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن اِس سے بڑا تودہ ٹانگوں پر رکھا ہوا تھا اُسے ہٹانے میں اُسے کافی مشکل پیش آئی۔

زاہد ظفر نے اپنے قرب و جوار میں ٹٹول کر دیکھا تو پتہ چلا کہ گوشت کی ایک چٹان اِس کے برابر میں موجود ہے۔

"ارے باپ رے۔" اُس نے بوکھلا کر کہا۔ اور دوسری طرف

چھلانگ لگا دی۔ اُٹھ کر بیٹھا ہی تھا کہ کسی نے گریبان پکڑ کر پیچھے گرا دیا۔

"کہاں بھاگ رہا ہے صبح ہی صبح، سوچا ابھی تو سورج بھی نہیں نکلا۔" ایک موٹی اور بھاری آواز سنائی دی جسے نسوانی کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اس کے اندر مردانہ کرختگی نہیں تھی۔ لیکن زاہد ظفر کی کھوپڑی پر دُرّے پڑ رہے تھے۔ یہ آواز، یہ ہاتھ۔ یہ پاؤں اور پھر یہ بھاری اور موٹی آواز مسز درانی کی تو نہیں ہو سکتی۔ اُس نے وحشت بھرے انداز میں سوچا اور پھر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اُس گوشت بھرے بورے کو دیکھنے لگا۔ جو اس کے برابر ہی دراز تھا۔ اُس کے چہرے پر نگاہ پڑی کیونکہ روشنی کی ایک شعاع براہِ راست اُس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ اور زاہد ظفر کے حلق سے ایک گھگھیائی ہوئی چیخ نکل گئی۔

"ب..... بچاؤ بچاؤ، چڑیل چڑیل۔"

''ارے او چڑیل کے بچے سوتا ہے یا نہیں تیرے خوابوں نے تو مجھے مصیبت میں ڈال دیا ہے۔'' نسوانی آواز نے پھر اُس کا گریبان پکڑ کر جھٹکا دیا۔ بہت ہی طاقتور چیز تھی۔ کیونکہ زاہد ظفر جیسی شخصیت بھی اس کے ایک ہی جھٹکے سے نیچے جا پڑی تھی۔

زاہد ظفر نے اِس بار کمر موڑ کر اس کی گرفت سے نکل جانے کا گر استعمال کیا اور پھرتی سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ موٹی عورت مسکرا کر اُسے دیکھنے لگی تھی۔

''کمینے پن سے باز مت آنا۔ بھتنی کی شکل والے میں کہتی ہوں ابھی لیٹ جا صبح ہی صبح تجھے نہ جانے کیا سوجھتی ہے کہ اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔''

''اللہ کی نیک بندی، اے عظیم خاتون، کون ہیں آپ، کہاں سے نازل ہوئی ہیں۔ آسمان سے ٹپکی ہیں تو کیا براہِ راست میرے اوپر۔

اللہ اللہ ویسے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے اوپر نہیں ٹپکی ہوں گی۔
کیونکہ اگر آپ میرے اوپر ٹپکی ہوتیں تو میری ہڈیاں سرمہ بن چکی
ہوتیں۔"

"کیا بکے جا رہا ہے بڑا اسریف جادہ بن گیا ہے۔ کیسی باتیں کر رہا
ہے لیٹے گا یا نہیں۔"

"جی نہیں خاتون، مجھے اپنی زندگی بڑی عزیز ہے۔" ارے یہ کون
سی جگہ ہے، اب زاہد ظفر کو ان زخنوں کا خیال آیا تھا جن سے روشنی کی
شعاعیں پھوٹ رہی تھیں، اِس نے متحیرانہ نگاہوں سے چاروں طرف
دیکھا۔

ابھی تو جھونپڑا تھا اونٹ کی کوہان کی مانند، واقعی یہ جھونپڑا ہی
تھا۔ زاہد ظفر کھوپڑی کھجانے لگا۔

"کیا دماغ میں خشکی بھر گئی ہے یا پھر کوئی بہت ہی بھیانک خواب

دیکھ رہا ہوں۔ وہ اپنے بدن پر تھپڑ مار مار کر یہ اندازہ لگانے لگا کہ وہ سو رہا ہے یا جاگ رہا ہے۔ لیکن وہ جاگ رہا تھا اور در حقیقت جھونپڑے میں ہی تھا۔ لیکن لیکن مسز درانی کہاں گئی۔ اِس نے سوچا اور گزرے ہوئے واقعات پر غور کرنے لگا۔

شراب پی گئی تھی اور مسز درانی کی کوٹھی میں ہی تھا اور شراب پیتے پیتے لڑھک گیا تھا، یقیناً اس شراب میں کوئی نشہ آور چیز شامل تھی یا کوئی بے ہوش کر دینے والی چیز۔۔۔ لیکن اس کے بعد۔ اِس کے بعد کے واقعات کا اسے کوئی علم نہیں تھا۔

"باپ رے باپ یہ۔ یہ سب کیا ہے۔ یہ کھیل کس نے کیا ہے۔ یہ ڈرامہ کس کا ہے۔"

لیکن اندازہ لگانا بہت مشکل تھا، کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی، شراب پینے کے بعد بے ہوش ہونے کا واقعہ ضرور یاد تھا۔

لیکن اِس کے بعد کیا ہوا۔۔اور یہ محترمہ جو نہایت بے تکلفی سے میرے ساتھ لیٹی تھیں اِن کا شجرہ نسب کیا ہے اور یہ کہاں سے ٹپکی ہیں۔خدا کی پناہ ایسی بھیانک شکل اِس سے قبل دیکھی نہ سنی۔خدا کی مار اِس پر یہ عورت ہے یا گوشت کا پہاڑ۔

زاہد ظفر سوچ رہا تھا اور اِس کی نگاہیں اِس عظیم انسانی وجود پر گردش کر رہی تھیں جسے مینار نما گنبد کہا جا سکتا تھا۔یا گنبد نما مینار۔اِس کے علاوہ کوئی اور موزوں لفظ اِس کے لئے ملنا مشکل تھا۔

پھر اِس نے ایک خوفناک انگڑائی لی اور اُٹھ کر بیٹھ گئی۔

''تو مجھے چین نہیں لینے دے گا غفورے۔صبح ہی صبح اُٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور پریشان کر کے رکھ دیتا ہے۔'' اِن حسینہ دلربا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''غفورے۔'' زاہد اُچھل پڑا اور محترمہ ہنسنے لگیں۔

"اے خدا کی نیک بندی بلکہ بندگان، کیا اِس سے حسین نام تجھے میرے لئے اور کوئی نہ مل سکا۔"

"کیا بکے جا رہا ہے۔ ابھی تک خواب ہی دیکھ رہا ہے کیا۔"؟

"کاش خواب ہی ہو۔ عالمِ ہوش میں آپ جیسی کسی نازک اندام گلبدن کو دیکھ کر انسان ہوش و حواس کہاں قائم رکھ سکتا ہے۔ مگر شانِ نزول کیا ہے۔"

"ارے ارے بکے ہی جا رہا ہے فارسی میں، پر کہہ کیا رہا ہے تو۔"

"حضورِ والا بلکہ جانِ من عرض یہ کر رہا ہوں کہ آپ کا نزول کہاں سے ہوا۔"؟

"کیا ہوا۔"؟ اِس نے پریشان لہجے میں سوال کیا۔

"نزول۔ نزول یعنی آمد۔" زاہد ظفر نے دانت نکال کر کہا۔

"تیری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔"

"اللہ کا شکر ہے کہ آپ بھی ابھی تک میری سمجھ میں نہیں آئیں۔

ویسے ایک بات بتائیں گی آپ۔"؟

"ہاں ہاں پوچھ کیا پوچھ رہا ہے۔"؟

"میں آپ کا کون ہوں۔"؟

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ میرا اور آپ کا رشتہ کیا ہے۔"؟

"لے یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، میاں ہے ہمارا اور کون ہے۔"

"میاں۔۔۔اللہ میاں۔" زاہد ظفر نے ٹھنڈی سانس لے کر جھونپڑی کی چھت پر دیکھا۔ اور بیگم صاحبہ ہنس پڑیں۔

"بڑا ہی مسخرہ ہے تو۔"

"میری تقدیر ہی مسخری ہے، میں کیا کروں۔"

"اچھا اب اٹھ ہی گیا ہے تو بیٹھ باتیں کریا پھر باہر چلتے ہیں، سیر کریں گے، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی ہوگی باہر، آؤ دیکھیں کیا ہو رہا ہے میاں میاں چلئے۔"

"چلئے۔" زاہد ظفر گہری سانس لے کر بولا۔ کم از کم اِس جھونپڑی سے باہر نکل کر اِردگرد کا ماحول دیکھنے کا تو موقع ملے گا۔ کسی پُرفضا مقام پر بیٹھ کر اس معصوم بلا سے گفتگو تو کی جائے کہ آخر یہ کہاں سے مجھ پر مسلط ہوگئی ہے۔ چنانچہ وہ اِن محترمہ کے ساتھ جھونپڑے سے باہر نکل آیا۔

لیکن اردگرد کا ماحول دیکھ کر اس کے ہوش و حواس درست ہو گئے تھے۔ تاحدِ نگاہ جھونپڑے ہی جھونپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ پوری آبادی تھی جن کے بیچ میں سے گزر کر کسی پُرفضا مقام کی تلاش بڑا مشکل کام تھا۔ بہرصورت وہ ان خاتون کے ساتھ چلتا رہا۔ پگھ نگ

دھڑنگ بچے باہر نکل آئے تھے، مرد اور عورتیں اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے، گویا اتنی صبح یہاں صبح ہو جاتی تھی، سورج نکلا تو نہیں تھا لیکن پہاڑیوں سے جھانک رہا تھا، حسین و نازک اندام محترمہ اسے لئے ہوئے بالآخر آخری جھونپڑے سے پرے ایک جگہ پہنچ گئیں۔

وہ انتہائی بھدے خدوخال کی نوجوان لڑکی تھی، جسے تن و توش کی بناء پر لڑکی کہنا انتہائی مشکل کام تھا، بہر صورت وہ تھی لڑکی۔ اور یہ بھی کہتی تھی کہ غفورے اس کا میاں ہے، لاحول ولا قوۃ، زاہد ظفر نے دل ہی دل میں لاحول پڑھی، نام بھی کیا رکھا ہے غفورے۔ توبہ۔ توبہ۔

''جی تشریف رکھیے۔'' اس نے لہجے میں عاجزی پیدا کر کے کہا۔

اور گنبد پالتی مار کر بیٹھ گیا۔

''بیٹھ جا تو بھی یہاں۔'' اس نے زاہد ظفر کا دامن کھینچ کر کہا اور زاہد ظفر دھڑام سے نیچے گر پڑا۔

"تم انسان ہو یا ہاتھی۔"

"کیا مطلب ہے تیرا۔"؟ ناز سے پوچھا گیا۔

"خدا کے واسطے مجھے اپنے بارے میں بتا دے، میں کہاں ہوں یہ کون سی جگہ ہے اور اچانک میں غفورے کیسے بن گیا۔"؟

"دیکھ غفورے تو دارو پی لیتا ہے تو پھر اپنے حواس میں نہیں رہتا۔ ہم تو تجھ سے اتنا پیار کرتے ہیں اور تو، تو ایسے لگتا ہے جیسے غیر ہو، آخر میاں ہے ہمارا، شادی ہوئی ہے ہماری۔ کب تک ہم سے اجنبی رہے گا۔"

"شش شادی..... شادی بھی ہو گئی، اللہ یا اللہ مجھے میرے گناہوں سے محفوظ رکھ، بی بی یہ میری اور آپ کی شادی کب ہو گئی۔"

"چھ مہینے ہو گئے ہیں۔ اور تو آج تک مجھ سے یہی سوال کرتا ہے۔"

"میں اِس مذاق کا متحمل نہیں ہو سکتا خاتون۔ خدا کے لئے اب اس مذاق کو ختم کر دیں، مجھے میری حیثیت سے آگاہ کر دو تا کہ میں یہاں سے جاؤں۔"

"کہاں جاؤں۔ پھر کہیں جائے گا۔"؟

"جی ہاں، جی ہاں تو پھر آپ کے خیال میں آپ کی گود میں ہی پرورش پاتا رہوں گا۔" زاہد ظفر نے کہا۔ اور عورت عجیب سے انداز میں اِسے دیکھنے لگی۔ پھر اس کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔ اِس نے دوپٹہ منہ پر ڈھکا اور اِس کے بعد ایک عجیب وغریب آواز اُبھرنے لگی۔ بھیں بھیں کی آواز۔ جیسے کوئی بھیڑ مسلسل ڈکرا رہی ہو۔ اِس کے ساتھ ہی وہ بین کرتی جا رہی تھی۔

"ہائے اللہ اب تو، تو ہمیں اس جہاں سے اُٹھا ہی لے، اب تو اِس دنیا میں جی نہیں لگتا۔ ہائے میرے مولا۔۔۔ ہائے میرے مولا

ہمارا میاں ہم سے نفرت کرتا ہے، یہاں سے جانے کی سوچتا ہے۔
ارے کریمو او بخشو ادھر آؤ، دیکھو یہ پھر جانے کی بات کر رہا ہے۔" وہ زور زور سے دہاڑی، اور زاہد ظفر کا منہ حیرت سے پھیل گیا۔

اِس سے قبل کہ وہ کچھ بولتا۔ چار لمبے مسٹنڈے پہلوان ہاتھوں میں لاٹھیاں لئے لڑکی کے پاس پہنچ گئے۔ اور وہ خونی نگاہوں سے زاہد ظفر کو دیکھ رہے تھے۔

"کیا ہوا باجی۔"؟ انہوں نے سوال کیا۔

"ارے دیکھو بھائیو، یہ رات کو پھر دارو چڑھا گیا تھا۔ ہوش میں آیا ہے تو پھر ویسی ہی بہکی باتیں کر رہا ہے۔ کہتا ہے کہ مجھے بتا دو میں کون ہوں تاکہ میں یہاں سے واپس جاؤں۔"

"ہوں۔" وہ چاروں زاہد ظفر کو گھورنے لگے۔

"ہوں تو تجھے بتا دیں تو کون ہے، سسرے جب دارو برداشت

نہیں ہوتی تو پیتا کیوں ہے۔ بول اب پیئے گا۔'' اِن میں سے ایک آگے بڑھا اور اس نے زاہد ظفر کا گریبان پکڑ لیا۔

''نہیں نہیں۔ سالے صاحب ہرگز نہیں، لعنت ہے اِس دارو پر کم بخت ہمیشہ دماغ خراب کر کے رکھ دیتی ہے، اب ہاتھ لگاؤں جو چور کی سزا وہ میری۔'' زاہد ظفر نے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔ لمبے آدمی نے اُسے دوسرے پر دھکیل دیا، دوسرے نے تیسرے پر اور تیسرے نے چوتھے پر۔ جب چاروں اپنا فرض پورا کر چکے تو انہوں نے اِسے لڑکی کی جانب دھکیل دیا۔ جسے اب لڑکی ہی کہنا مناسب تھا، عورت یا کچھ اور کہا تو یہ چاروں اِس کی چٹنی بنا دیں گے، زاہد ظفر نے سوچا اور وہ اِس عورت کے ستون نما پاؤں سے اپنا بدن ٹکا کر بیٹھ گیا۔

''آپ بھی۔ آپ بھی۔ آپ بھی مجھ سے ناراض ہیں۔'' اِس نے اس کی ٹانگ پر منہ رگڑتے ہوئے کہا۔

''میں کیوں ناراض ہوں گی تو ہی ایسی باتیں کرتا ہے، چل اب گھر چلیں، ناشتہ کرنا ہوگا تجھے بھی۔''

''جی ہاں جی ہاں چلیئے چلیئے۔'' زاہد ظفر نے کہا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا، ستون بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا تھا، عجیب سی جوڑی تھی، زاہد ظفر دل ہی دل میں خود کو کوس رہا تھا کہ نجانے یہ کیا ہو گیا۔

بہر حال ناشتہ ملا۔ گندے سے برتن میں گندہ سا ناشتہ جو اُس کی شاعرانہ فطرت کے منہ پر جوتے کی مانند تھا۔ لیکن وہ خوفناک شخصیت سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔ جس کی ذرا سی بھیں بھیں کی آواز پر چار پہلوان چار جنوں کی طرح آ کر چار کونوں پر کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ یہ ناشتہ تو کرنا ہی تھا اور بڑی رغبت سے کرنا تھا۔ اور زاہد ظفر بڑی رغبت سے یہ ناشتہ کرتا رہا۔ اِس دوران اُسے ایک بار بھی۔۔۔

اپنا لباس یاد نہیں آیا تھا۔ لیکن ناشتہ سے فارغ ہو کر اس نے اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا تو دفعتاً اُسے اس موٹے سے کُرتے اور دھوتی کا احساس ہوا جو اُس کے بدن پر موجود تھا اور ایک بار پھر وہ ناچ کر رہ گیا۔

یہ سارا ڈرامہ معمولی نہیں تھا۔ بدلا ہوا لباس، شراب میں بے ہوشی کی دوا اور پھر یہ جگہ۔ یقیناً اس کے پسِ پشت کوئی اور ہے۔ اِس نے سوچا۔

مگر کیا۔؟ یہ سوال اُس کے ذہن میں برابر کھٹک رہا تھا لیکن اِن وحشیوں کے درمیان یہ معلوم کرنا بے حد مشکل کام تھا۔

محترمہ اپنے میاں کو ناشتہ سے فارغ کرا چکی تھیں چنانچہ اس کے بعد اور کوئی کام تو تھا ہی نہیں صرف محبت بھری باتوں کے، کیونکہ شادی کو ابھی صرف چھ ماہ ہوئے تھے۔ لیکن زاہد ظفر چالاک آدمی تھا۔ جانتا تھا کہ کوئی بھی اُلٹی سیدھی بات اس کے لئے مصیبت بن جائے گی۔

چنانچہ دل پر جبر کر کے اُس ہاتھی کی بچی کو بہلانے لگا۔

☆

نواب عزیز الدین خان ایک نیک نفس آدمی تھے، بچوں کا دل رکھنے میں حاتم، چنانچہ صفدر وغیرہ نے ان سے سفارش کی تھی کہ نواب تمیز الدین خان کو اِس بات سے روکا جائے کہ وہ شیکی اور عالم پناہ کو افریقہ واپس بھجوا دیں۔

''مگر تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ تمیز الدین اِن لوگوں کو واپس بھیج رہے ہیں۔'' عزیز الدین خان نے صفدر سے پوچھا۔

''بس ماموں میاں دراصل یہ لوگ بے حد معصوم ہیں اور اکثر و بیشتر معصومانہ حرکتیں کرتے رہتے ہیں اور چھوٹے ماموں کا خیال ہے کہ ان کی وجہ سے اُن کی بے عزتی ہو رہی ہے۔ یعنی یہ کہ آپ نہ جانے اِن کے بارے میں کیا سوچیں گے، چنانچہ بس وہ اِن سے

ناراض رہتے ہیں۔ رات کو وہ چہل قدمی کر رہے تھے پائیں باغ کے کسی گوشے میں تو چھوٹے ماموں میاں وہاں پہنچ گئے اور انہوں نے انہیں دھمکی دی کہ وہ انہیں واپس افریقہ بھیج دیں گے۔ دونوں بے چارے بے حد افسردہ اور ملول ہیں۔"

"ارے نہیں بھئی یہ کیسے ممکن ہے جتنے وہ تمیز الدین خان کے عزیز ہیں اتنے ہی وہ میرے بھی ہیں۔ بھلا ان کو حرکتوں سے میں کیوں ناراض ہوں گا۔ یہاں تمیز الدین خان کی کون سی بے عزتی ہوئی ہے۔ انہوں نے کون سا انہیں پیدا کیا ہے۔ میں بات کرلوں گا تم لوگ فکر نہ کرو۔" اور یہی ہوا۔ دوپہر کو تمیز الدین خان نے اس سلسلے میں نواب عزیز الدین سے گفتگو کی۔

"بھائی صاحب میں چاہتا ہوں کہ ان جہانگیر اور شفیع الدین کو واپس افریقہ بھیج دوں۔"

''میاں کیوں چاہتے ہیں آپ یہ بات۔''؟ نواب عزیز الدین نے پوچھا۔

''بس ایسے ہی بھائی صاحب۔ میں سوچ رہا ہوں اب یہاں ان کی موجودگی بے مقصد ہے۔''

''بھئی بچوں کی موجودگی تو بے مقصد نہیں ہوتی، وہاں انہیں کوئی کام بھی نہیں ہوگا یہاں رہیں تو کیا حرج ہے۔''؟

''حرج ہے بھائی صاحب۔''

''مثلاً کیا۔ میں بھی تو سنوں۔'' نواب عزیز الدین خان نے پوچھا۔

''یہ دونوں انتہائی بے وقوف ہیں، ایسی اُلٹی سیدھی حرکتیں کرتے ہیں کہ بعض اوقات مجھے غصہ آجاتا ہے۔'' تمیز الدین نے کہا۔

''تمیز الدین میاں سیدھے سادھے بچے ہیں فریب نہیں ہے

اِن کے اندر، جو دل میں آتا ہے کرتے رہتے ہیں۔ ہمارا کیا بگڑ رہا ہے۔"؟

"بھائی صاحب میں......"

"چھوڑو یار کن باتوں کو لے کر بیٹھ گئے، بچے ہیں ہنسنے بولنے دو۔ اور پھر تم خود بھی اِن بچوں کے معاملات میں دخل ہی مت دیا کرو۔ ظاہر ہے وہ کسی کے لئے تکلیف دہ تو نہیں ہیں، اگر اپنی معصومیت میں بچوں کی سی حرکتیں کرتے رہتے ہیں تو کرنے دو، تم پر کیا اثر پڑتا ہے۔"

"بھائی صاحب میں۔"

"میں نے کہا نا، بس ختم کرو اِن باتوں کو، بچے ابھی نہیں جائیں گے۔ ابھی انہیں آئے ہوئے دن ہی کتنے ہوئے ہیں۔" نواب عزیز الدین نے آخری فیصلے کے طور پر کہا اور نواب تمیز الدین بڑے

بھائی کے سامنے خاموش ہو گئے۔ لیکن سب کے چہرے کِھل اُٹھے تھے۔ کسی نے اپنے جذبات کا اظہار نہیں کیا۔ البتہ کھانے کی میز پر بھی حرکتیں جاری تھیں۔ تنویر کو نئے سرے سے مجبور کیا تھا۔ کہ وہ اِس ڈرامے کو جاری رکھے، چنانچہ وہ اِس وقت بھی اپنی حرکت میں مصروف تھی۔ ایک بار وہ مسکرا کر جہانگیر عالم پناہ کی طرف دیکھتی اور دوسری بار شفیع الدین شیکی کی طرف۔

صورتِ حال یہ تھی کہ دونوں کو اس بات کا علم ہی نہیں ہوتا تھا۔

بہر صورت دوپہر کو جب تمام لوگ قیلولہ کرنے کے لئے اپنے اپنے کمروں میں پہنچ گئے تو تنویر عالم پناہ کے کمرے میں داخل ہو گئی۔

کمرے میں نیم تاریکی چھائی ہوئی تھی اور عالم پناہ ایک صوفے پر دراز آنکھیں بند کئے ہوئے بیٹھے تھے۔ دروازے سے روشنی اندر آئی تو انہوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ اور پھر ان کا چہرہ خوشی

سے کھل اُٹھا۔

''آپ آپ، آیئے آیئے۔ چشمِ ماروشن دل ماشاد۔'' تنویر نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور عالم پناہ بوکھلا کر کھڑے ہو گئے۔

''یہ۔ یہ۔ درواز۔ وازہ۔۔ مم میرا مطلب ہے۔''؟

''کیوں ڈر رہے ہیں آپ۔''؟

''ارے نہیں ڈرنے کی کیا بات ہے، آپ کوئی ہمیں کھا تھوڑی جائیں گی۔ ہم تو صرف یہ سوچ رہے تھے۔''

''کیا سوچ رہے تھے۔''؟

''یہی کہ بند کمرے میں کسی نے آپ کو ہمارے پاس دیکھ لیا تو کیا سوچے گا۔''

''کیا سوچے گا۔''؟ تنویر نے سوال کیا۔

''بدنامی، رسوائی ہو گی اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہماری وجہ سے

آپ کو تکلیف ہو۔"

"ڈرتے ہیں آپ ان چیزوں سے۔"

"نہیں نہیں، ہم تو جان ہتھیلی پر لئے تیار رہتے ہیں۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"ہر وقت۔" تنویر نے سوال کیا۔

"جی ہاں ہر وقت۔"

"تو پھر رات کو آپ کو کیا ہو گیا تھا۔" تنویر نے سوال کیا۔

"کک، کیا مطلب۔"؟

"آپ تنہا کیوں نہیں آئے تھے وہاں۔"

"وہ بس پہنچے تو تنہا ہی تھے، لیکن وہ بدنصیب شفیع الدین شیکی، نجانے اِس کم بخت کو کہاں سے اطلاع مل گئی، ہمیشہ ہی ہماری راہ میں روڑے اٹکاتا آیا ہے، ہمیشہ ہی سے میرے لئے مصیبت بنا ہوا ہے،

کہیں یہ نہ ہو کسی دن ہم اِس کی گردن مروڑ کر پھینک دیں۔"

"نہیں، نہیں آپ کو ایسی بدتہذیبی کی بات نہیں کرنی چاہئیے۔"

تنویر نے پُر محبت لہجے میں کہا۔

"بدتہذیبی کی بات نہیں ہے۔ اب تم دیکھو نا کہ وہاں بھی ہماری محبت میں رخنے اٹکانے پہنچ گیا، آخر کیا ضرورت تھی اسے ہمارا تعاقب کرنے کی، تم نہیں آئی تھیں وہاں پر۔"

"پہنچی تھی، لیکن وہاں کا ہنگامہ دیکھ کر خاموشی سے چلی آئی، آپ خود سوچیئے کیا بدنامی کا اِس سے اچھا موقع کوئی اور ہو سکتا تھا۔"

"نہیں، ہرگز نہیں، ہم کیا بتائیں کیا کریں۔ اِس آدمی سے ہماری جان چھوٹنا بڑا ہی مشکل ہے۔ کوئی ایسی ترکیب کرو تنویر کہ ہم اس سے بچ جائیں۔"

"اِس میں ترکیب کی کیا بات ہے، بس آپ انہیں گھاس ہی نہ

ڈالا کریں۔"

"کہاں ڈالتے ہیں ہم گھاس، بس وہ خود ہی سائے کی طرح

ہمارے پیچھے لگا رہتا ہے۔"

"خیر چھوڑیں ان باتوں کو، سنایئے کیسے مزاج ہیں آپ کے۔"؟

"بس دعائیں ہیں آپ کی۔"

"کیا ہو رہا تھا۔"؟

"بس آنکھیں بند کیئے آپ کا تصور کیئے بیٹھے تھے۔"

"اچھا، اچھا، کیا خیال تھا آپ کے ذہن میں۔"؟

"بس یہ کہ آپ نہ جانے کیا کر رہی ہوں گی۔ یوں کہیئے کہ دل کو

دل سے راہ ہوتی ہے، ہم نے آپ کو یاد کیا اور آپ یہاں آ گئیں۔"

"بہرصورت اب آپ نے دامن پکڑا ہے تو چھڑا نہ لیجئے گا۔"

تنویر نے کہا اور عالم پناہ شدتِ جذبات سے بے قابو ہو گئے۔

"بھلا ہم چھوڑیں ہماری یہ مجال۔ ہم نے زندگی میں کسی کا دامن چھوڑا ہے آج تک۔ مم میرا مطلب ہے کہ آپ یہ تردد تو بالکل ہی نہ فرمائیں۔"

"اچھی بات ہے، تو پھر آج شام کا کوئی پروگرام ہے۔"

"آپ ہی طے کرلیں۔"

"کہیں سیر کو چلیں۔"

"چلیئے، لیکن تنہا کیسے جائیں گے۔"؟

"اچھا تو پھر میں کچھ اور کوشش کروں گی۔ میں اس لئے آپ کے پاس آئی تھی کہ رات کو تو باتیں نہ ہوسکی تھیں ابھی چند منٹ کے لئے ہو آوں۔ اب چلتی ہوں۔"

"ارے نہیں ابھی بیٹھیے نا۔"

"نہیں پھر آوں گی، کہیں کوئی آ نہ جائے۔"

"بہت بہتر، بہت بہتر، ہم آپ کو نہ روکیں گے، اِس لئے کہ ہم آپ کی رسوائی اور بدنامی نہیں چاہتے۔" جہانگیر عالم پناہ نے کہا۔

اور تنویر باہر نکل آئی۔ دروازے کے باہر البتہ اُس نے جھانک کر دیکھ لیا تھا کہ کہیں کوئی اور تو نہیں ہے، باہر نکل کر اُس نے دروازہ اطمینان سے باہر سے بند کر دیا اور اب اُس کا رُخ شفیع الدین شیکی کی جانب تھا۔

شیکی کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ دلربا کے تاروں کی ٹمن ٹمن سنائی دے رہی تھی۔ وہ اندر داخل ہو گئی اور شیکی اُسے دیکھ کر اُچھل پڑا۔

دلربا او میری دلربا او ذرا ختی جا او میری دلربا میں بن جاؤں تیرے گلے کا ہار تو ہے میری بہار میری دلربا۔ اِس نے گانا شروع کر دیا اور تنویر بمشکل تمام اپنی مسکراہٹ کو روک سکی تھی پھر اِس نے کہا۔

"اے اے دماغ خراب ہوا ہے کیا، یہ چیخم دھاڑ مچا کر کیا سب

لوگوں کو اکٹھا کرنا چاہتے ہو۔"

"سوری سوری۔" شکی نے جلدی سے گٹار اُٹھا کر ایک طرف رکھ دیا۔ "بس کیا بتاؤں دل بے قابو ہو جاتا ہے۔"

"ہاں ہاں یقیناً بے قابو ہو جاتا ہو گا، میں رات کے واقعہ کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہوں۔"

"آہ رات کا واقعہ یہ جہانگیر۔ یہ جہانگیر ہمیں زندہ نہ رہنے دے گا۔"

"ایسا ہی لگتا ہے مجھے۔"

"مگر میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔" شفیع الدین شکی دہاڑ کر کھڑا ہو گیا۔

"پھر شور مچانا شروع کر دیا آپ نے۔" تنویر غرائی اور شفیع الدین شکی ایک بار پھر بیٹھ گیا۔

''ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔ اب دیکھئے نا کم بخت رات کو میری بو سونگھتا ہوا وہاں پہنچ گیا۔''

''شکی صاحب۔'' تنویر نے پیار بھرے لہجے میں کہا اور شکی بل کھانے لگا۔

''جی۔ جی۔'' اُس نے دانت پر دانت جما کر کہا۔

''آپ کو کبھی اِن جھاڑیوں کا احساس ہوا ہے جو آپ کو چہرے پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں۔''

''جھاڑیاں۔'' شفیع الدین شکی نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔

''جی ہاں۔ سلیقہ تو آپ میں نام کو نہیں ہے آپ کو کیا پتہ، آپ کو اِس حال میں دیکھ کر مجھ پر کیا بیتتی ہے۔''

''کیا بیتتی ہے۔'' شفیع الدین شکی نے پریشان لہجے میں پوچھا۔

”بس میرا دل خون ہو کر رہ جاتا ہے۔ آہ خون۔ خون ہی خون۔“

”آپ۔ آپ ایسی باتیں نہ کیا کریں، میرا دل بھی خون ہو کر رہ گیا ہے، لیکن آپ میری داڑھی سے اتنی الرجک کیوں ہیں۔“

”اس لئے کہ آپ اس میں اچھے نہیں لگتے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آپ خبط الحواس ہیں، کسی صحیح الدماغ آدمی کو اس طرح بال بکھرائے نہیں پھرنا چاہیئے۔“

”ہاں یہ تو آپ ٹھیک کہتی ہیں مگر ہم کیا کرتے، اب تک اس دنیا میں بے سہارا تھے، تنہا تھے۔“ شفیع الدین شیکی کا ہاتھ پھر گٹار کی جانب رینگ گیا۔ اور تنویر اُسے گھورنے لگی۔

”آپ نے پھر گٹار کی طرف رُخ کر لیا۔“

”تت.... تو آپ گھور کیوں رہی ہیں دراصل اس کے بغیر ہم سے گفتگو نہیں ہوتی۔“ شیکی نے معصومانہ انداز میں کہا۔ اور تنویر نے

اِن کے گشار پر ہاتھ رکھ دیا۔

''پہلے گفتگو کریں اس کے بعد یہ رقص و موسیقی کا چکر چلائیں۔''

''جی، جی۔''

''تو پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا۔''؟

''کس سلسلے میں۔''؟

''میرا مطلب ہے کہ آپ اپنا چہرہ درست کرائیں۔''

''ہوں، لیکن بڑا عجیب لگے گا مس تنویر۔'' شفیع الدین شیکی اپنی داڑھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے بولے۔

''بہر صورت میں نے آپ سے کہہ دیا ہے کہ آج شام تک آپ کا چہرہ بالکل درست ہونا چاہیئے۔ داڑھی منڈوا دیں بال بالکل کٹ جانے چاہئیں اور آپ ترتیب سے نظر آئیں۔''

''شام تک، اچھا۔'' شفیع الدین شیکی نے مُردہ سی آواز میں کہا۔

’’تو پھر میں چلتی ہوں۔‘‘

’’سنیئے، سیئے تو سہی، دوبارہ ملاقات کہاں ہوگی۔‘‘؟

’’اس کا وقت بعد میں طے ہو جائے گا۔ بہر حال رات کے کھانے پر تو ملاقات ہوگی ہی۔‘‘

’’بہت بہتر۔‘‘ شفیع الدین شیکی نے کہا۔ اور تنویر اُس کمرے سے نکل آئی۔

شفیع الدین شیکی آئینہ کی جانب جا کھڑا ہوا تھا۔ وہ حسرت سے اپنی اس خوبصورت داڑھی کو دیکھ رہا تھا۔ جسے اس کی محبوبہ جھاڑ جھنکاڑ کہہ رہی تھی۔ بکھرے ہوئے بال جو افریقہ میں بہت مقبول تھے لیکن تنویر کو پسند نہ تھے جب کہ افریقن لڑکیاں ایسے بالوں والے مردوں کو اپنا آئیڈیل سمجھتی تھیں۔ لیکن طریقہ کار ہے اپنا اپنا، یہاں کی لڑکیاں ان بالوں کو پسند نہیں کرتیں۔ تنویر کا خیال آتے ہی اُس کے

لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ پہلی شخصیت تھی جس نے اِس سے نے محبت کا اظہار کیا تھا، اِس پر یہ سارے بال قربان۔ شفیع الدین نے سوچا اور باہر جانے کی تیاریاں کرنے لگا۔

رات کو ڈنر ٹیبل پر ہی شفیع الدین کو دیکھا گیا تھا تمام لوگ پہنچ چکے تھے۔ بس شکی نہیں آیا تھا یہاں تک کہ عالم پناہ بھی پہنچ گئے تھے۔ صفدر کی نگاہیں کئی بار دروازے کی جانب اُٹھ چکی تھیں۔ شاید تنویر نے اُسے حقیقت بتا دی تھی۔ پھر ایک شخص اندر داخل ہوا اور لوگ اُسے اجنبی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ عجیب منقے کی شکل کا آدمی تھا۔ پچکے ہوئے گال، دبلا پتلا بدن، بال انگریزی اسٹائل میں کٹے ہوئے تھے۔ چہرہ صاف۔ لوگوں نے اُسے دیکھا اور خود تمیز الدین صاحب بھی چونک پڑے تھے۔

''یہ۔ یہ۔ یہ۔'' اِن کے منہ سے نکلا۔ اور پھر اِن کے حلق سے

ایک عجیب سی آواز نکل گئی۔

"ارے شیکی۔شیکی۔" بہت سی آوازیں بلند ہوئیں۔سب نے شیکی کا چہرہ دیکھا......شیکی گردن جھکائے کھڑا تھا اور پھر ڈائننگ ٹیبل پر ہی قہقہوں کا طوفان برپا ہو گیا۔

"ارے شیکی۔شیکی بیٹے تمہیں کیا ہوا۔" نواب عزیز الدین خان ہنستے ہوئے بولے۔

"بس کچھ نہیں چچا جان، میں نے سوچا، کہ وہ، وہ میرا مطلب ہے جیسا دیس ویسا بھیس۔اِس وجہ سے میں نے چہرہ صاف کرا لیا۔"

"بہت عجیب لگ رہے ہو بھائی۔یقین ہی نہیں آتا کہ یہ تم ہو۔"

لڑکے اور لڑکیاں حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنس رہے تھے۔وہ اِس وقت بزرگوں کی موجودگی بھی بھول گئے تھے۔اور قہقہوں پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔شفیع الدین شیکی متحیرانہ انداز میں ایک ایک کی شکل دیکھ رہا

تھا۔ پھر اس کی نگاہ تنویر کی جانب اُٹھ گئی۔ اور اِسے انتہائی سکون کا احساس ہوا۔ تنویر محبت بھری نگاہ سے اِسے دیکھ رہی تھی اِس کے ہونٹوں پُر سکون مسکراہٹ تھی، وہ دوسروں کی طرح قہقہے نہیں لگا رہی تھی، چنانچہ شفیع الدین شیکی اکڑتا ہوا اپنی کُرسی پر جا بیٹھا۔

چارلس اینگلو انڈین تھا خاصا خطرناک آدمی شمار کیا جاتا تھا۔ تن و توش میں وہ دیو قامت تھا، تقریباً پچیس یا تیس افراد اس کے ملازم تھے یہ سب کے سب جرائم پیشہ ڈاکو یا خونی یا قاتل تھے۔ چارلس کا کاروبار بھی اچھا خاصا تھا۔ تین جوئے خانے چلتے تھے اِس کے علاوہ مجرمانہ زندگی کے تمام کاموں میں وہ طاق تھا بے حد لالچی انسان تھا۔ دولت جس ذریعے سے بھی آتی اِسے حاصل کرنے سے دریغ نہیں کرتا تھا، کئی سال پہلے بھی اُس نے گولیور کے لئے کام کیا تھا، لیکن

گولیور پولیس کے شکنجے میں آ گیا تھا، البتہ وہ ایک انتہائی قابلِ اعتبار آدمی ثابت ہوا تھا کیونکہ گرفتار ہونے کے بعد اِس نے کسی کا بھی نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ اس بار بھی جب اِس نے چارلس کو بُلوایا تو چارلس خوشی سے اِس کے لئے کام کرنے پر تیار ہو گیا...... اِس بار اِس کے ارادے کچھ زیادہ ہی خطرناک تھے، نجانے وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ بہر صورت چارلس کو گولیور کی ماتحتی میں کام کرنے میں کوئی اعتراض نہیں تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی خدمات اِسے پیش کر دی تھیں۔

لیکن گولیور کو اِس بار شاید زیادہ افراد کی ضرورت تھی اِس نے چارلس سے کہا تھا کہ اِس کے اپنے معیار کے جتنے افراد مل جائیں انہیں حاصل کر لیا جائے اور اِن کے لئے ہر قیمت ادا کی جا سکتی ہے۔ گولیور نے چارلس کے نام پر بینک میں اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا جو

بیس لاکھ روپے پر مشتمل تھا۔ چارلس کی اپنی ضروریات کا مسئلہ علیحدہ تھا اس کے لئے چارلس کو پانچ لاکھ روپے الگ سے مل گئے تھے، یہ بیس لاکھ صرف اس لئے مہیا کئے گئے تھے کہ چارلس گولیور کی ضرورت کے مطابق افراد مہیا کرنے میں جتنا خرچ کرنا چاہے کرلے۔ اور چارلس بے حد مطمئن تھا۔ اب اِس بیس لاکھ روپے میں سے چار لاکھ روپے مار لینا اِس کے لئے کوئی بڑی بات نہیں تھی، لیکن بہر صورت وہ گولیور کو اعتماد میں لے کر کام کرنا چاہتا تھا۔

گولیور کی اچانک طلبی پر وہ ایک لمحے کے لئے پریشان سا ہوا لیکن وہ پھر اس کے پاس پہنچ گیا۔

طویل قامت اور خطرناک صورت والے شاطر نے چارلس کا استقبال کیا۔ چارلس نیاز مندانہ انداز میں اِس کے پاس پہنچا تھا۔

"جنابِ والا۔" اِس نے گردن جھکا کر کہا۔

''بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے بیٹھ جاؤ۔''

''شکریہ جناب۔ میں کافی اُلجھا ہوا ہوں آپ کے لئے۔''

''کیوں خیریت۔''؟ گولیور نے پوچھا۔

''جنابِ والا اس مکان میں آپ کے لئے قیام کرنا شایانِ شان نہیں ہے مجھے بہت دکھ ہوتا ہے۔ آپ کو یہاں بے حد تکالیف ہوں گی۔'' اور گولیور مسکرانے لگا۔

''تم جیسے آدمی سے میں اِس بات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ چارلس ظاہر ہے اگر میں چاہوں تو یہاں کا سب سے بڑا ہوٹل خرید سکتا ہوں، کہیں بھی قیام کرسکتا ہوں میں، لیکن تم نہیں سمجھتے، بہرصورت میں زیادہ عرصے تک یہاں نہیں رہوں گا، مجھے اپنے لئے کوئی بہتر جگہ بنانی ہی پڑے گی، لیکن حالات سے مطمئن ہونے کے بعد، تم موجودہ صورتحال کے بارے میں بتاؤ، کتنے افراد تم نے مہیا کر لئے ہیں۔''

"آٹھ آدمیوں سے رابطہ قائم ہو گیا ہے جناب دراصل معیار کی بات ہے۔ یوں تو لچے لفنگے سینکڑوں افراد مل جاتے ہیں جن میں کام کے لوگ بھی نکل آتے ہیں لیکن میں چاہتا ہوں کہ ایسے ہی لوگ ملیں جو آپ کے معیار پر پورے اُتریں ویسے اِس قسم کے لوگ آج کل دستیاب نہیں ہیں۔" چارلس نے کہا۔

"کیوں۔"؟

"اِس کی ایک خاص وجہ ہے۔"

"کیا وجہ ہے۔"؟ گولیور نے پوچھا۔

"تصیبو۔"

"یہ کیا وجہ ہوئی۔"؟

"تصیبو ایک شخصیت کا نام ہے۔"

"اوہ۔ کون ہے وہ۔"؟ گولیور نے اُسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

''ایک عجیب و غریب کردار جناب، بظاہر وہ ایک شریف آدمی کا بیٹا ہے شکل و صورت سے خود بھی شریف نظر آتا ہے لیکن اس کی اصل شخصیت دوسری ہے۔''

''گڈ۔ کوئی دلچسپ شخصیت ہی معلوم ہوتی ہے۔''

''جی ہاں جناب۔ وہ بے حد خطرناک ہے، اتنا شاطر کہ عام لوگ اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ شہر کے بڑے بڑے غنڈوں کو اس نے ناکوں چنے چبوا دیئے ہیں۔ وہ بے حد خطرناک انسان ہے اور کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرتا۔''

''ہماری ماتحتی بھی قبول نہیں کرے گا۔'' گولیور نے مسکرا کر پوچھا۔

''ناممکن ہے جناب۔ ویسے وہ اگر کسی طرح ہمارے گروہ میں ضم ہو جائے تو یوں سمجھ لیں کہ ایک پوری فوج ہمارے ساتھ ہو جائے

گی۔" چارلس نے بتایا۔

"بھئی واہ۔ یہ دلچسپ بات بتائی تم نے اب تک مجھ سے کیوں چھپائی تھی۔ تم مجھے اِس کے بارے میں تفصیلات بتاؤ۔"

"بس جناب شہر کے بڑے بڑے غنڈوں سے خراج وصول کرتا ہے اور ایسے لوگوں کی تاک میں رہتا ہے جو خود کو کچھ سمجھتے ہوں، ایسے لوگوں کو نیچا دکھانا اِس کا دلچسپ مشغلہ ہے۔"

"بہت خوب، بہت خوب۔ تم نے تو ہمیں زبردست اشتیاق دلا دیا ہے۔ کہاں ملتا ہے وہ۔"

"اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے جناب، میں نے کہا نا اپنی بدلی ہوئی شخصیت میں تو اِسے کبھی بھی پکڑا جا سکتا ہے لیکن نصیبو کی حیثیت ذرا مختلف ہے۔ آج تک اِس کے دشمن اس کی دوسری شخصیت میں اِسے نصیبو ثابت نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی انہوں نے اس کی جرأت کی ہے

کیونکہ انہیں اندازہ ہے کہ اگر وہ اِس کے خلاف ایسی کوئی کوشش کریں گے تو وہ اِن کے لئے بے حد خطرناک ثابت ہوگا۔"

"چلو ٹھیک ہے، ہم اِس کے خلاف کچھ نہیں کریں گے اور نہ ہی ہمیں اِس کی ضرورت ہے، لیکن ہم اِس سے ملنا چاہتے ہیں۔ تم اِس سے ملاقات کا وقت مقرر کر سکتے ہو چارلس۔"

"نہیں جناب، میں اِس کے لئے معذرت خواہ ہوں ورنہ پھر مجھے کام کرنے میں دشواری پیش آئے گی، اگر وہ میری راہ پر لگ گیا تو پھر آپ یقین کریں کہ نہ صرف میرے لئے بلکہ آپ کے لئے بھی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔" چارلس نے کہا اور گولیور کے چہرے پر تشویش کے آثار پھیل گئے۔

گولیور عجیب سی نگاہوں سے چارلس کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اِس نے

طویل سانس لے کر کہا۔ ”تمہاری زبانی یہ سب کچھ سن کر مجھے بہت عجیب لگ رہا ہے چارلس کیا ایسی کوئی شخصیت بھی ہے اِس ملک میں۔“

”تھی نہیں اب پیدا ہو گئی ہے۔“

”کہتے رہو۔ مجھے اس کے بارے میں تفصیل معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی۔ کیا حدود اربعہ ہے اِس کا۔“

”ایک حسین صورت نوجوان ہے۔ عمر چوبیس پچیس کے لگ بھگ ہے۔ بے حد خطرناک ہے۔ نام سہیل ہے لیکن دوسرا نام نصیبو ہے۔ ایک دولت مند باپ کا بیٹا ہے۔ لیکن شاید اِس کے حالات سے اِسے باپ کو بھی واقفیت نہیں ہے نہ ہی نصیبو نے کسی معاملے میں اپنے باپ سے مدد لی ہے۔“

”باپ کا نام۔“

"نواب عزیز الدین خان۔"

"تو کیوں نہ نصیبو کو ٹھیک کرنے کے لئے اِس کے باپ سے رابطہ قائم کیا جائے۔"

"میری کچھ اور رائے ہے جناب۔" چارلس کسی قدر پریشان لہجے میں بولا۔

"کیا۔"؟

"اگر ہم اِس سے دور رہ کر ہی اپنا کام کرتے رہیں تو کیا حرج ہے۔ اِس کا معاملہ دوسرا ہے ہم باہر سے آدمی پکڑیں گے۔ یہ کام آپ مجھ پر چھوڑ دیں۔"

"تم اِس سے بہت خوفزدہ معلوم ہوتے ہو چارلس۔"

"یہ بات نہیں ہے مسٹر گولیور۔"

"پھر۔"؟

''مقامی گروہ میں اِس وقت آپ کے پاس سب سے شاندار آدمی کون ہے۔''؟ چارلس بولا۔

''نمبر ایک تم، نمبر دو ٹائیگر۔''

''اگر میں خود کو نمبر دو کہوں تو کیا آپ میری جگہ کسی اور کو دینے کے لئے تیار ہیں۔'' چارلس نے سوال کیا۔ اور گولیور کسی سوچ میں ڈوب گیا۔

پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''اس کے بعد ٹائیگر کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔'' اِس نے جواب دیا۔

تو پھر میری ایک درخواست قبول کرلیں جناب۔

(جاری ہے)

بانگڑو
(قسط نمبر ۷)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

آپ نصیبو کے سلسلے میں ٹائیگر سے بات کرلیں۔"

"ہوں میں سمجھ رہا ہوں، اچھا تمہاری خواہش کے مطابق ہی عمل کرلیتا ہوں۔" گولیور نے کہا اور نزدیک رکھا ہوا ٹیلی فون اپنی جانب کھسکا لیا۔ ٹیلی فون پر ایک نمبر ڈائل کرنے کے بعد اس نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ اور دوسری طرف سے رابطہ قائم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ چند ساعت کے بعد ایک آواز سنائی دی۔

"کس سے ملنے کا ہے بابا۔"

"ٹائیگر کہاں ہے۔"؟

"اوہ بابا ٹائیگر صاحب اپنے کمرے میں موجود ہیں پر آپ بولو، آپ کون ہے اور کیوں اس سے ملنے کو مانگتا ہے تم۔"

"بکواس بند کرو اور ٹائیگر سے کہو کہ گولیور بات کرنا چاہتا ہے۔"

"ارے بپارے بپا، گو۔ گو۔ گو۔" دوسری طرف سے گھگھیائی

ہوئی آواز سنائی دی، اور پھر ریسیور شاید کریڈل سے الگ رکھ دیا گیا۔

چیخنے چلانے کی آوازیں آرہی تھیں، غالباً وہ شخص گولیور کی شخصیت سے واقف تھا جس نے فون اُٹھایا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ٹائیگر کی آواز سنائی دی۔

''سر کیا۔ کیا درحقیقت آپ ہیں۔''

''ہاں ٹائیگر کن گدھوں کو ٹیلی فون کے پاس بٹھا دیتے ہو۔'' گولیور نے کہا۔

''وہ جی۔ بس میرا ایک کاروباری مشیر ہے۔ مگر آپ بالکل بے فکر رہیں، وہ موم کا آدمی ہے، جو سنتا ہے اِسے کبھی نہیں یاد رکھتا۔''

''فضول باتوں سے پرہیز کرو ٹائیگر، مجھے تم سے کچھ خاص باتیں کرنی ہیں، کیا فون پر مناسب رہیں گی۔''

''جی ہاں جناب، یہ فون انتہائی محفوظ ہے۔''

"ہوں۔" گولیور نے ایک گہری سانس لی، پھر بولا۔

"ٹائیگر تمہیں ایک آدمی کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کرنا ہے۔"

"کس وقت باس۔"؟ ٹائیگر نے سوال کیا۔

"کتنی جلدی یہ کام کر سکتے ہو۔" گولیور نے مسکرا کر کہا۔

"باس اگر وہ آدمی اِسی شہر میں ہے تو ایک گھنٹے کے اندر اندر۔ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ گھنٹہ۔۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"اور اگر میں اِس کی گرفتاری کے لئے تمہیں آٹھ گھنٹے دے دوں تو۔"

"تو پھر مجھ سے اِس کے پورے خاندان کی گرفتاری کی بات کیجئے باس۔" ٹائیگر نے اکڑ کر کہا۔

"ویری گڈ ٹائیگر مجھے تم سے اسی بات کی اُمید تھی۔ بہرصورت

آج شام کو آٹھ بجے تک وہ آدمی میرے پاس ہونا چاہیے۔ جس طرح بھی لا سکتے ہو اِسے لے کر آ جاؤ۔"

"کون ہے باس نام بتائیں اِس کا۔"

"نصیبو۔" گولیور نے جواب دیا۔ اور اس نے ریسیور گرنے کی آواز صاف سنی تھی۔ پھر شاید فون ہی خراب ہو گیا۔ دوسری طرف سے سائیں سائیں کی آواز اُبھر رہی تھی۔ اور گولیور حیرانی سے دوسری طرف کی آواز کا منتظر تھا۔ پھر وہ زور سے دہاڑا۔

"کہاں مر گئے تم ٹائیگر۔ کہاں مر گئے۔"

"وہ بے ہوش ہو گیا ہو گا جناب۔" چارلس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بکواس، فضول، حماقت۔" گولیور غرائی ہوئی آواز میں بولا۔

کافی دیر تک وہ ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا۔ لیکن کوئی آواز نہ آئی،

پھر اس نے ٹیلی فون کا ریسیور رکھا ہی تھا کہ گھنٹی بج اُٹھی۔ اور اس نے دوبارہ ریسیور اُٹھالیا۔

"کون ہے۔"؟

"ٹ.....ٹائیگر بول رہا ہے باس۔"

"کہاں مر گئے تھے تم۔"؟

"وہ باس ٹیلی فون میں اچانک خرابی پیدا ہو گئی تھی۔" ٹائیگر کی آواز میں اب وہ سختی اور جوش نہیں تھا، اب وہ مُردہ سی آواز میں بول رہا تھا۔

"کیا خرابی تھی ریسیور میں، کیا وہ تمہارے ہاتھ سے گر پڑا تھا۔"

"ہاں باس۔" ٹائیگر نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیوں۔"؟

"تصیبو کا نام سُن کر۔"

''یہ نصیبو کوئی جن ہے یا بھوت یا کوئی خلائی مخلوق جو تم اِس قدر خوفزدہ ہو گئے۔''

''باس وہ کوئی جن ہوتا، بھوت ہوتا یا کوئی خلائی مخلوق ہوتی تو شاید ہم اِس سے اِس قدر خوفزدہ نہ ہوتے، لیکن لیکن باس۔''

''بکواس بند کرو ٹائیگر، مجھے امید نہیں تھی کہ تم لوگ اتنے بز دل ثابت ہو گے۔ تمہاری یہ حرکتیں اِس شخص کو میرے سامنے بہت کچھ بنا کر پیش کر رہی ہیں، یوں لگتا ہے کہ وہ اپنی شہرت کے لئے اچھی خاصی رقم فراہم کرتا رہتا ہو۔ اور اِس فارمولے پر عمل کر رہا ہو کہ رقومات دے کر اپنی دہشت پھیلا دی جائے، تم اِن ہتھکنڈوں کو نہیں سمجھتے ٹائیگر، یہ ایک باقاعدہ سائنس ہے، آدمی کچھ بھی نہ کرتا ہو، بس اپنی شہرت کرا دے، خواہ اِس کے لئے اُسے کتنا ہی روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ پھر اِس شہرت کے ذریعے اپنی لگائی ہوئی ساری پونجی کما لیتا

ہے۔ نصیبو مجھے ایسے ہی لوگوں میں سے معلوم ہوتا ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کروں گا جو اِس سے خوفزدہ نہ ہو، تم لوگوں نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔ مجھے اپنے کام کو پسِ پشت ڈالنا ہوگا، کیونکہ میں کسی ایسے آدمی کا وجود اس شہر میں برداشت نہیں کرتا جس سے لوگ خوفزدہ رہتے ہوں اور جو میرے نام سے آگے بڑھ جاتا ہو۔“ گولیور نے کہا اور ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔“

چارلس خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا تھا پھر گولیور اِس کی جانب دیکھ کر غرایا۔

”جاؤ آرام کرو تم لوگ، عیش کرو، کوئی کام نہیں ہے اِس وقت میرے پاس، پہلے میں نصیبو کے مسئلے کو دیکھوں گا۔ اور یہ بھی جانتا ہوں کہ تم لوگ اس سلسلے میں میری کوئی مدد نہیں کرسکو گے، کیونکہ تم سب بزدل چوہے ہو۔“

”باس آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔“ چارلس نے کہا۔

”گیٹ آؤٹ۔“ گولیوردہاڑا اور چارلس شانے ہلا کر اُٹھ گیا۔

پھر وہ خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆

مسز درانی پر قیامت ٹوٹ رہی تھی، اِسے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ یاد آرہا تھا۔ اگر پانی کے گلاس پر انگلیوں کے نشانات بھی پڑ جاتے تھے تو وہ گلاس ملازموں کے سر پر ٹوٹتا تھا۔ لیکن اِس وقت صورتحال کیا تھی۔

برتنوں کا غلیظ ڈھیر جن پر مکھیاں بھنک رہی تھیں راکھ میں لتھڑے ہوئے ہاتھ جن کی خوبصورتی برقرار رکھنے کے لئے وہ ہزاروں روپے ماہوار خرچ کر رہی تھی۔ برتن صاف کرتے ہوئے وہ رو رو پڑی۔

پھر کم بخت موسی آ گئی۔

''ارے ارے ابھی برتن ہی دُھل رہے ہیں۔ ارے میں کہوں ہوں بہو۔ تیری موت آئی ہے۔ کیا کرے گی تو آگے چل کر۔ لے بھلا۔ ابھی یہ چار برتن دھوئے ہیں تو نے۔''

''تو پھر آ گئی کھوسٹ۔'' مسز درانی دہاڑی۔

''ایں، کیا کہا مجھے کھوسٹ۔ کھوسٹ کہا مجھے جان لے لوں گی تیری، اپنی جان دے دوں گی۔ کیا سمجھ کر کہا تو نے مجھے کھوسٹ۔''

موسی نے آگے بڑھ کر مسز درانی کے بال پکڑ لئے۔ مسز درانی بھی کھڑی ہو گئی۔ وہ اِس بوڑھی کو اب بالکل ٹھیک کر دینا چاہتی تھی۔ لیکن دفعتاً اِس کے ذہن میں ایک خیال آیا۔

ایک لمحے میں یہ خیال آیا تھا، اور دوسرے لمحے وہ اِس پر عمل پیرا ہونے کے لئے تیار ہو گئی۔

''بوڑھی مسٹنڈی مردود۔ تیری موت میرے ہاتھوں آئے گی

اسے یاد رکھ لے۔"

"ارے تیرا ستیاناس، موت آئے تجھے۔ تیری زبان نکالے بغیر نہیں چھوڑوں گی۔" بوڑھی بال پکڑ پکڑ کر اسے مارنے لگی۔ مسز درانی جیسی صحت مند اور تندرست عورت کے لئے یہ مار کچھ نہیں تھی، لیکن وہ زور زور سے چیخنے لگی تھی۔

اور ذرا سی دیر میں بہت سے لوگ جمع ہو گئے۔

ابھی دھوتی ہوں موسی جی۔ مجھے نہ مارو۔ میں بیمار ہوں۔" وہ زور سے بولی۔ اور پھر آہستہ سے کہنے لگی۔

"بوڑھی کتیا۔ تیری آنکھیں نکال کر جوتوں سے نہ مسلیں تو میرا بھی نام نہیں۔"

"کتیا۔ میں کتیا ہوں۔ ایں۔" بوڑھی اور زور زور سے مارنے لگی۔

"موسی جی۔ تم میری ماں ہو۔ مجھے نہ مارو۔" مسز درانی زور سے بولی۔ اور موسی نے ایک زوردار ہاتھ اِس کے پیٹ پر مارا۔ لوگ صرف بوڑھی کی باتیں سن رہے تھے مسز درانی بوڑھی کو جو کچھ کہہ رہی تھی وہ کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

بہت سے لوگوں نے بیچ بچاؤ کرانے کی کوشش کی لیکن مسز درانی بس ایسے ہی کسی ہاتھ کا انتظار کررہی تھی اِس نے ایک زوردار چیخ ماری اور زمین پر گر کے تڑپنے لگی۔

"تو بھی جانور ہے موسی۔ مارڈالا غریب کو۔" کسی نے کہا۔

"ہائے ہائے۔ ایسی ہی موم کی بنی ہوئی ہے یہ۔ ارے مکر کررہی ہے مسٹنڈی۔ میں نے زور سے تھوڑی مارا ہے۔"

"تو پھر یوں کر کوئی بڑا سا پتھر اُٹھا اور مار دے سسری کے سر میں، ایک ہی بار میں جھگڑا ختم ہوجائے۔ تو، تو اِس کی جان کی دشمن

ہے۔"

"ارے واہ واہ۔ تیرے دل میں کیوں اِس کا جی ٹپک رہا ہے۔ تو کون ہوتا ہے میرے بیچ میں بولنے والا رے۔"

"کیوں نہیں ہوتا، میں بھی اسی بستی میں رہتا ہوں، میں اِس پر تیرا یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔"

"تو کرلے کیا بگاڑے گا میرا، بگاڑ۔۔۔ بگاڑ تو سہی اور ناک کاٹ لے میری، چوٹی کاٹ دے۔"

"دیکھ موسی تو تو پاگل ہوگئی ہے۔ ارے تم لوگ ذرا اِسے دیکھو کیسے تڑپ رہی ہے، کہیں اُلٹی سیدھی چوٹ تو نہیں لگ گئی۔ مر ہی نہ جائے کہیں بے چاری۔" اِس آواز نے کہا جس سے موسی کی لڑائی ہو رہی تھی۔

"ارے ہاں ہاں مرگئی۔ ایسے تو ضرور مر جاتے ہیں۔" موسی ہاتھ

نچا کر بولی۔

''ارے ہاں ہاں، ایسے نہیں مرتے تو پھر کیسے مرتے ہیں، آج آنے دے بخشو کو، فیصلہ ہو جائے گا کہ تو اِس بستی میں رہے گی یا ہم رہیں گے، حد ہو گئی ہے تیرے مظالم کی۔''

''کیا ہو گیا دین بھائی۔'' کسی نے پوچھا۔

''خود آ کر دیکھ لو کیا ہوا ہے، تمہاری ماں اِس بے چاری کے اوپر کیا ظلم کر رہی ہے۔''

''ارے پھر کوئی گڑبڑ ہو گئی، کیا بات ہے ماں۔''؟

''چل چل میرے منہ نہ لگ۔''

''کیا بات ہے۔''؟

''اُٹھا کر لے جا اپنی اِس ہوتی سوتی کو، یہ دیکھ برتن دھونے بیٹھی تھی، چار برتن دھوئے ہیں ابھی، اور پھر مجھ سے منہ چلانے لگی۔''

”تو پھر۔“؟ اُس شخص نے پوچھا۔

”پھر کیا۔ مارا میں نے سسری کو۔“

”ماں بخشو کیا سوچے گا۔ کیا سوچے گا وہ۔ وہ تیری اتنی عزت کرتا ہے اور تو اِس کی بیوی کے ساتھ یہ سلوک کرتی ہے۔“

”ارے عزت کرتا ہے تو کرے نہیں کرتا تو نہ کرے، ہم تو کام لیں گے۔“

”ارے کیا ہو گیا موسی جی، ارے یہ بھابھی کو کیا ہو گیا۔“

”دیکھو تم لوگ مار مار کر اِس کا حشر کر دیا ہے۔“

مسز درانی اب گہری گہری سانسیں لے رہی تھی۔ اور اس کی آنکھیں اب بند ہوتی جا رہی تھیں، وہ اِس طرح سے تڑپ رہی تھی جیسے اِس کا دم نکل رہا ہو۔ تقریباً سب لوگ تشویش کا شکار ہو گئے۔ پھر بڑے اہتمام سے مسز درانی کو اُٹھایا گیا اور اِس کی جھونپڑی میں لے

جایا گیا۔ یہاں اِس کے لئے لٹانے کی تیاریاں ہوئیں، کوئی پنکھا جھل رہا تھا کوئی پانی کے چھینٹے اِس کے منہ پر ڈال رہا تھا۔ لیکن مسز درانی کو اب آئیڈیا ہو چکا تھا کہ جان بچانے کا کیا طریقہ ہے۔

چنانچہ چند ساعت کے بعد وہ ساکت ہوگئی۔

''ارے موسی دیکھ تو سہی اِسے۔''

''اے میں نہیں دیکھتی تم لوگ خود ہی دیکھتے رہو۔''

''موسی اگر یہ مرگئی تو اِس کی قاتل تو ہی کہلائے گی۔''

''ہاں ہاں پھانسی لگوا دینا مجھے، قاتل کہلواؤں گی ایسے ہی تھپڑ مارنے سے مرجائیں جو لوگ تو پھر دنیا میں زندہ کون بچے۔'' موسی منہ ٹیڑھا کرکے بولی۔

''موسی تو نے اِس کے پیٹ میں لات ماری ہے تھپڑ مارا ہوتا تو اِس کی اتنی بُری حالت نہ ہوتی۔''

''اے اے خدا کے غضب سے ڈر، لات تو میں نے چلائی بھی نہیں۔'' موسی اب کسی قدر گھبرائی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔

''آنے دے بخشو کو۔ موسی اب تجھے معاف نہیں کیا جائے گا۔''

''ارے ہاں ہاں معاف نہیں کیا جائے گا۔'' موسی کسی قدر جھلائی ہوئی جھونپڑی سے باہر نکل گئی۔

لڑکیاں اندر مسز درانی کو ہوش میں لانے کی کوشش کرنے لگیں، لیکن مسز درانی نے اب اور ایک ترکیب سوچی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لئے سانس روک لیا جس کی اُسے اچھی خاصی مشق تھی۔ کسی بڑی بوڑھی نے اُسے دیکھا اور سینہ پیٹتی ہوئی بولی۔

''لو گئی یہ تو۔''

''مار ڈالا، موسی نے اِسے مار ڈالا۔'' دوسری بوڑھی مسز درانی کی نبض دیکھتے ہوئے بولی۔

"مر گئی۔"

"ہاں مر گئی، دیکھ لو سانسیں بھی بند ہیں، نبض بھی رُک گئی ہے۔"

بوڑھی عورت نے کہا اور چاروں طرف کہرام مچ گیا۔ لوگ جھونپڑے کے گرد جمع ہو گئے تھے، کچھ باہر تھے کچھ اندر تھے۔ چاروں طرف سے موسی پر لعن طعن ہو رہی تھی لیکن موسی نجانے کہاں تھی۔

بہر صورت مسز درانی کی یہ ترکیب کارگر ہوئی تھی۔ لیکن اب اُسے یہ خدشہ ہونے لگا کہ کہیں یہ لوگ اِس کے کفن دفن کی تیاریاں بھی نہ کرنے لگیں۔ اِس لئے کچھ نہ کچھ کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر وہ ساکت پڑی رہی۔ پھر آہستہ سے کراہی اور اِس کے کراہنے پر ایک بار پھر غلغلہ مچ گیا۔

"زندہ ہے زندہ ہے۔ وید کو دکھاؤ، حکیم کو دکھاؤ۔"

"ارے نہیں شہر لے چلو کسی ڈاکٹر کے پاس۔" مختلف آوازیں آ

رہی تھیں۔

پھر ایک آواز نے کہا۔

”ارے بے وقوفو، ہم لوگوں کو اِس طرح آگے بڑھ چڑھ کر کام نہیں کرنا چاہیئے۔ بخشو تو آ جائے۔“

”بخشو کو اطلاع بھجوا دو۔“

”کہاں اطلاع بھجوائی جائے اُسے، نجانے کہاں پر محنت مزدوری کر رہا ہو گا جب آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ زندہ تو ہے یہ، پانی پلاؤ اِسے۔“

”نہیں نہیں دودھ پلاؤ۔“ ایک دوسری آواز نے کہا۔ اسی طرح مختلف باتیں جاری رہیں مسز درانی نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب ہوش میں آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جب تک کہ وہ کم بخت بخشو نہ آ جائے۔

بہر صورت کافی دیر تک اِس کی تیمارداری ہوتی رہی نہ اِس نے دودھ پیا اور نہ پانی، البتہ بھوک شدت سے لگ رہی تھی اور کھانے کی کوئی چیز یہاں موجود نہیں تھی، جسے کھا کر ذرا تسلی ہو سکے۔ پھر اُس نے یہی سوچا کہ زندہ رہنے کے لئے کچھ نہ کچھ کھانا تو ضروری ہے، چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد جب کسی نے اِس سے ہمدردی سے پوچھا۔

"بھابھی جی دودھ پیو گی۔" تو اِس نے حسرت بھری آنکھوں سے اِسے دیکھتے ہوئے گردن ہلا دی۔

فوراً ہی گرم گرم دودھ اِسے پیش کیا گیا جسے مسز درانی غٹا غٹ چڑھا گئی، دودھ پینے سے کچھ تقویت ہوئی تھی، لیکن وہ اتنی نڈھال نظر آ رہی تھی کہ اب اِس سے کسی کام کے لئے کہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا، چنانچہ شام تک وہ پڑی رہی۔

تھوڑی دیر کے لئے اِسے تنہا بھی چھوڑ دیا گیا تھا، اور اِس وقت

اس نے سونے کی اداکاری کی تھی، حالانکہ اِس کی آنکھوں میں نیند
کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔

پریشان ذہن سے وہ یہ سوچ رہی تھی کہ اب کیا ہوگا حالات کس
کروٹ بیٹھیں گے اُسے اپنے شوہر کا نام معلوم ہو گیا تھا۔ بخشو کے
نام سے پکارا جاتا تھا۔ لمبی لمبی مونچھوں والا، لیکن یہ کم بخت کون تھا اور
اِن بنجاروں کا سہیل یا نصیبو سے کیا تعلق تھا، کسی نہ کسی طرح تو اُس
نے اِن سے رابطہ قائم کیا ہوگا۔

کوئی تو ایسی بات ہوگی جس کے تحت انہیں یہاں تک پہنچایا جا
سکا۔ لیکن بظاہر یہ بستی معصوم بنجاروں یا خانہ بدوشوں کی تھی، لیکن اِس
کا شوہر بخشو صورت شکل سے کوئی اداکار نہیں لگتا تھا، کوئی ایسی ترکیب
کی گئی تھی کہ وہ اِسے اپنی بیوی سمجھنے پر مجبور تھا۔ اور زاہد ظفر اِس بے
چارے کا کیا ہوا کوئی بات جو سمجھ میں آتی ہو۔ بس نصیبو کے بھوت

چاروں طرف نظر آ رہے تھے۔ درحقیقت وہ انسان نہیں تھا بلکہ کوئی بھوت ہی تھا۔ اِس کی تمام حرکات ایک ایک کرکے مسز درانی کو یاد آتی رہیں۔ وہ پلنگ پر پڑی سہیل کے بارے میں سوچتی رہی۔

وہ لمحات جب سہیل سے پہلی بار اُس کی ملاقات ہوئی تھی اور مسز درانی اس پر مرمٹی تھی۔ کاروباری عورت تھی اور یہ اندازہ لگا چکی تھی کہ لڑکیاں والہانہ اس کی جانب بڑھتی ہیں۔ چنانچہ اُس نے فوری طور پر ایک فیصلہ کرلیا تھا اور اِس فیصلے کے تحت اُس نے سہیل کی جانب قدم بڑھائے تھے۔

وہ معصوم سا شرمیلا سا نوجوان جسے دیکھ کر خواہ مخواہ دل میں عجیب عجیب سے خیالات پیدا ہونے لگتے تھے مسز درانی کا گرویدہ بن گیا۔

لیکن مسز درانی کو کیا معلوم تھا کہ اُس نے ایک جونک پالی ہے، ایک خوبصورت سنہری جونک جو اُس کے بدن کا سارا خون بالآخر

چوس لے گی۔

سہیل کے ذریعے اُس نے دولت کمانے کے جو پروگرام بنائے تھے وہ سب فیل ہو گئے تھے۔ نہ صرف یہ ہوا تھا بلکہ اُس کا مستقبل ہی تاریک ہو کر رہ گیا تھا۔ اور اب سہیل اُس کی ذات پر حکمراں تھا۔

آہ کاش پہلی ہی بار سنبھل جاتی۔ وہ سزا کیا کم تھی جب ساری رات اُسے زخموں کا ناچ دیکھنا پڑا تھا اور جاگنا پڑا تھا۔ اِس کے بعد جن لوگوں کے ساتھ سہیل نے اُسے بند کیا تھا وہ مسز درانی سے کہیں زیادہ طاقتور، لفنگے اور بدمعاش قسم کے لوگ تھے۔ جب اِن لوگوں نے گھٹنے ٹیک لئے تھے سہیل کے سامنے تو خود اِس کی کیا حیثیت رہ جاتی تھی۔ لیکن بس ایک آگ، ایک سلگتی ہوئی آگ میں وہ ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔ اِس احساس کے ساتھ کہ وہ کسی کی محکوم ہے، اور وہ کسی کی محکوم نہیں رہنا چاہتی تھی اور اِسی احساس نے بالآخر اُسے دوسری سزا

کا شکار بنا دیا تھا۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا تھا کہ اب کیا ہو گا۔ وہ اس وقت تک سوچتی رہی جب تک جھونپڑے کے باہر کچھ اور آوازیں سنائی نہ دیں۔

بخشو آ گیا تھا لمبی لمبی مونچھوں والا قوی ہیکل جوان جس کے چوڑے سینے پر بال ہی بال بکھرے ہوئے تھے بخشو کو شاید باہر ہی صورتِ حال بتا دی گئی تھی۔ وہ دیوانہ وار جھونپڑے میں گھس آیا تھا۔

”جنت، اری او جنت، کیا ہو گیا ری اُٹھ کر بیٹھ، کیسی طبیعت ہے تیری۔“

”مسز درانی کو اپنا نام سن کر بے اختیار ہنسی آئی تھی لیکن اُس نے برداشت کر لی۔ اور چہرے پر نقاہت کے آثار پیدا کرتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہوں۔“

''اری کیا ٹھیک ہے اُٹھ کر تو بیٹھ، بڑا پریشان ہوں تیرے لئے،
کیا ہو گیا مجھے بتا تو سہی۔''

''کچھ نہیں ہوا۔ بس کچھ نہیں ہوا۔ مسز درانی نے ناز بھرے لہجے
میں کہا۔

جانتی تھی کہ ان حالات سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اب
دوسرا ہی طریقہ اختیار کرنا پڑے گا۔ چنانچہ اُس نے اداکاری شروع
کردی تھی۔ کم از کم اس طرح یہ لوگ بھی تو پریشانی کا شکار ہوں۔ اور
کم از کم اِسی طرح صورتِ حال تو کھُل کر سامنے آئے۔ چنانچہ وہ منہ
پھُلائے بیٹھی رہی۔

''دیکھ جنت میں تیرا گھر والا ہوں، جو کوئی پریشانی ہے تو مجھ سے
بول، یہاں مجھ سے بڑا تیرا ہمدرد اور کون ہے۔''

''ہاں ہاں بڑے ہمدرد ہو میرے۔'' مسز درانی نے سسکی سی بھر کر

کہا۔

''کیسی باتیں کرے ہے جنت، جان دے دوں اور جان لے لوں۔ ٹھیک ہے ذرا امجاج (مزاج) کا سخت ہوں مگر ایسی بات بھی نہیں ہے۔ تجھے جی جان سے چاہتا ہوں۔''

''رہنے دے بخشو رہنے دے۔''

''آجما (آزما) کے تو دیکھ بخشو کو اور جرا یہ تو بتا طبیعت کیسی ہے تیری میری جان۔''

''بس ٹھیک ہوں۔'' مسز درانی نے ایک سرد آہ بھر کر کہا۔

''موسیٰ سے کیا بات ہوئی تھی۔''؟

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہوئی تھی نا۔ موسیٰ نے مارا تھا تجھے۔''؟

''جب ساری باتیں معلوم ہو گئیں ہیں تو مجھ سے کیوں پوچھ رہے

ہو۔"

"نہیں تو خود ہی بتا۔ موسی تو جھوٹ بولتی ہے ہمیشہ کی جھوٹی ہے وہ، بچپن سے جھوٹ بول رہی ہے وہ میرے ساتھ۔"

"بس برتن دھلوا رہی تھی موسی مجھ سے، مجھے ذرا دیر ہو گئی تھی تو اُس نے مجھے مارنا شروع کر دیا۔ ایسی لات ماری میری کوکھ پر کہ...."

"ہاں ہاں کہہ کہہ۔"

"بس کیا بتاؤں بخشو ابھی تک درد ہو رہا ہے، مجھے تو یوں لگ رہا ہے بخشو جیسے میرا گردہ پھٹ گیا ہے۔"

"گردہ پھٹ گیا ہے۔" بخشو پریشانی سے بولا۔

"ہاں ابھی تک زور کا درد ہوئے جا رہا ہے۔ اُٹھا بھی نہیں جا رہا مجھ سے۔"

"لیٹی رہ، لیٹی رہ کچھ کھایا پیا تو نے۔" بخشو نے پوچھا۔

"نہیں بخشو۔"

"گردہ پھٹ جائے تو بس آرام کرنا زیادہ اچھا ہوتا ہے وید جی یہی کہتے ہیں۔ مگر اس موسی کو ہو کیا گیا ہے۔"

"مجھے نہیں معلوم بخشو۔ مجھے تو ایسا لگتا ہے جیسے یہ لوگ مجھے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔"

"ارے میں اِن میں سے کسی کو جندہ (زندہ) نہیں چھوڑوں گا۔ مجال ہے کسی سسرے کی جو آئندہ تجھے ہاتھ لگا جائے۔"

"بخشو۔"

"ہاں ہاں تیرا بخشو جو کچھ کہہ رہا ہے ٹھیک ہے نواب جادی ہے تو میرے لئے، بُری ہے تو میرے لئے ہے، کسی اور کو کیا پڑی ہے جو مار پیٹ کرے تیرے ساتھ، ابھی دیکھتا ہوں سسروں کو باہر جا کر، مجھے سب لوگ بتا رہے تھے مگر جب تک میں خود معلوم نہ کرلوں اُس وقت

تک کوئی بات نہیں کرتا۔ ابھی دیکھتا ہوں ان سسروں کو۔"

مسز درانی نے خاموشی اختیار کر لی، ذرا وہ بھی دیکھنا چاہتی تھی کہ بخشو باہر جا کر کیا کرتا ہے۔ چند ہی ساعت کے بعد اُسے باہر سے آوازیں سنائی دینے لگیں اور وہ خود بھی آہستہ سے اُٹھ کر جھونپڑی کے دروازے کے قریب آ کھڑی ہوئی تھی۔ بخشو کہہ رہا تھا۔

"موسی دیکھ میں نے ہمیشہ تیری بڑی عجت (عزت) کی ہے۔ تیری بات پر میں پچیس ویری اِس کی پٹائی کی ہے مگر وہ میری بیوی ہے میرے نکاح میں ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اِس پر ہاتھ اُٹھائے، تو نے اُس کی کوکھ پر لات ماری ہے تو نے ایسا کیوں کیا۔ موسی مجھے اِس کا جواب دے۔"

"ارے جا جا تجھ جرا سے کو پال پوس کر جوان کیا ہے اِس کی کوئی بات نہیں جرا سا ہاتھ مار دیا تیری جورو کو تو، تو اتنا سور (شور) مچا رہا

ہے۔“

”ہاتھ مارنے کی بات مت کر موسی، تو نے اس کی کوکھ پر لات ماری ہے۔“

”ہاں ہاں ماری ہے، بگاڑ لے تو میرا کچھ اگر بگاڑ سکتا ہے تو۔“

”نہیں موسی یہ بات ایسی نہیں ہے کہ میں چپ ہو جاؤں، تو یہ بتا دے کہ تو چاہتی کیا ہے۔“

”ارے میں کیا چاہوں گی تجھ سے، تجھ جیسے نکمے نکھٹو سے کوئی کیا چاہے گا۔“

”ارے او نخسو تو کیوں بک بک کئے جا رہا ہے ماں سے اپنی جورو سے بھی تو پوچھ، دو برتن دھونے بیٹھی تھی چھ گھنٹے لگا دیئے۔ کام نہیں کرے گی تو کھائے گی کیا۔“ ایک مردانہ آواز سنائی دی۔

”تیرے باپ کا کچھ کھاتی ہے، حمایتی بن کر آیا ہے ماں کا، آ

سامنے آجا تجھے بھی دیکھ لوں۔"

"ہاں ہاں دیکھ لے، اچھی طرح دیکھ لے، ایسے ہی مارے گی ماں، اگر وہ کوئی ایسی حرکت کرے گی۔"

"اور اِس کے بعد وہ ہنگامہ ہوا کہ خدا کی پناہ۔ بخشو لاٹھی نکال کر اس پر پل پڑا تھا، دونوں طرف لاٹھیاں چلیں، شدید لڑائی ہوئی، لیکن کوئی زخمی نہیں ہوا۔ بہر صورت لوگوں نے بیچ بچاؤ کرادیا۔ پوری بستی اس ہنگامے کو دیکھنے کے لئے اُمڈ آئی۔ لوگوں میں طرح طرح کی چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں، رات گئے تک یہ ہنگامہ جاری رہا اور مسز درانی دلچسپی اور سکون سے یہ تماشہ دیکھتی رہی۔ اِسے اِس تماشے میں خاصا لُطف محسوس ہوا تھا۔ کم از کم اور کچھ تو نہ سہی لیکن سہیل کو اتنا سا جواب ضرور دے دے کہ ان لوگوں میں قتل و غارت گری کرادے۔ اس طرح سہیل کو ذرا سا احساس تو ہو گا کہ مسز درانی بذاتِ خود بھی کچھ

ہے۔

موسی اور اس کے بیٹوں میں اور بخشو میں ٹھن گئی تھی لوگوں نے بیٹھ کر مصالحت کرائی، پھر موسی مسز درانی کے پاس آئی اور اسے گلے لگا کر خوب روئی اور اپنی غلطی کی معافی مانگ کر چلی گئی۔ تب کہیں بخشو اس کے پاس پہنچا تھا۔

مسز درانی جو پُر اطمینان انداز میں اس سارے ڈرامے کو دیکھ رہی تھی، بخشو کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر کسی قدر اُلجھ گئی۔

''اب یہ شوہرِ نامدار کیا فرمائیں گے۔'' وہ سوچ رہی تھی۔ بخشو اس کے لئے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر آیا تھا، ساتھ میں دودھ کا گلاس بھی تھا۔ قدرے صاف ستھرا گلاس تھا، اس کے علاوہ جو چیزیں تھیں وہ پھل فروٹ کی قسم میں سے تھیں، اس لئے مسز درانی نے انہیں رغبت سے کھالیا، اب تک بھوکی تھی یہ پھل کھا کر اسے کچھ

تسکین ہوئی تھی۔ دودھ وغیرہ پینے کے بعد وہ خاصی مطمئن اور شکم سیر ہوگئی۔ تب بخشو نے پیار بھرے انداز میں اس سے کہا۔

"اری سُن جنت اب معا پھ (معاف) کردے موسی کو، آئندی وہ تیرے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گی۔"

"بخشو۔" مسز درانی ناز بھرے لہجے میں بولی۔

"ہاں ہاں بول میری جنت، کیا بات ہے۔"

"بخشو اب میں یہاں نہیں رہوں گی۔"

"ایں یہاں بستی میں نہیں رہے گی تو پھر کہاں جائے گی۔"

"شہر چلیں گے بخشو ہم۔"

"ارے کون سے شہر چلے گی۔"

"کسی بھی شہر میں۔ بس میں چاہتی ہوں کہ ہم لوگ کسی شہر میں رہیں۔"

''سہر میں چل کر رہیں، پر جنت اپنی جات (ذات) برادری کو چھوڑ کر سہر میں کون جا کر پڑے گا اور پھر ہم تو بنجارے ہیں، ہمارا کوئی سہر کہاں ہے، یہ لوگ ہی ہمارے سب کچھ ہوتے ہیں، اِن کو چھوڑ کر تو ہم اپنی جات کو بھی بھول بیٹھیں گے۔ سہروں میں ہمارا کہاں ٹھکانہ۔''

''دیکھ بخشو میں تیرے لئے سب کچھ کروں گی، شہر میں ہم اپنا ٹھکانہ بنائیں گے اپنا گھر بنائیں گے، آرام سے رہیں گے، تو محنت مزدوری کرے گا، میں بھی تیرا ہاتھ بٹاؤں گی، ہم بڑی عزت سے گزار لیں گے۔ پر تو اپنی ضد چھوڑ دے، اِس بستی کو چھوڑ کر شہر چل میں تیرے ساتھ ہوں۔''

''نا جنت نا۔ یہ بہت مسکل کام ہے۔ یہ میں نہیں کر سکتا۔ پرکھوں سے ہم لوگ ساتھ رہتے چلے آئے ہیں، یہ سب ہمارے رشتے ناطے دار ہی تو پھیلے ہوئے ہیں، چھوٹی موٹی بات کہاں نہیں ہوتی۔ اور پھر تو

بھی جنت محنت مجوری کیا کر، اِس سے ہاتھ پاؤں بھی چلتے رہتے ہیں اور گھر کے سارے کام بھی ہو جاتے ہیں، اب دیکھنا گھر والی کا کام اِس کے سوا ہے کیا کہ وہ گھر کا کام کاج کرے اور جندگی گجار دے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے بخشو مگر یہ لوگ۔"

"چل چل اب بے کار باتیں مت کر۔" بخشو نے بڑی گرم جوشی سے اِس کا ہاتھ دبایا اور مسز درانی کے بدن میں پھریری دوڑ گئی۔

بالوں بھرا یہ چوڑا ہاتھ اُسے اپنی خوبصورت کلائی پر عجیب سا محسوس ہوا تھا، ایک لمحہ کے لئے اُس کے ذہن میں سناٹے در آئے اور آنکھوں میں ایک عجیب سی نشہ آوری کیفیت پیدا ہو گئی۔

اِس نے پہلی بار بھرپور نگاہوں سے بخشو کو دیکھا بلاشبہ بخشو قابلِ فخر جوان تھا۔ یہ چوڑی گردن، بھرے بھرے شانے، ٹھیک ہے شکل و صورت اچھی نہیں تھی، مونچھیں بھی لمبی لمبی اور نوکیلی تھیں، آنکھیں

لال لال، سر بہت بڑا لیکن گردن، شانے اور سینہ یہ سب کچھ ایسا تھا کہ کوئی بھی اِس پر فخر کر سکتا تھا۔

مسز درانی کی ذہنی کیفیت ایک دم بدل گئی۔ اِس نے عجیب سی نگاہوں سے بخشو کو دیکھا اور بخشو ہنس پڑا۔

کیا دیکھ رہی ہے ری۔" اِس نے شرارت آمیز لہجے میں کہا۔ اور مسز درانی نے گردن جھکالی۔ بخشو اِس کی طرف بڑھ گیا تھا۔

دوسری صبح مسز درانی دل ہی دل میں سہیل پر قہقہے لگا رہی تھی۔ وہ بڑے خوشگوار انداز میں سوچ رہی تھی کہ سہیل میاں اپنی دانست میں تم نے مجھے جو سزا دی تھی وہ تو میرے لئے بہت بڑا انعام بن گئی۔ بخشو جیسے شخص کی معیت میں تو زندگی کی آخری سانس بھی گزاری جا سکتی ہے اور پھر عزیز از جان سہیل تم نے تو میرے لئے ایک عجیب چیلنج مہیا کیا ہے۔ میں نے ساری زندگی عجیب وغریب حالات میں گزاری

ہے، اِن لوگوں کے ساتھ جو مجھے اپنا زر خرید سمجھتے تھے۔

پھر تنہا ایک خود مختار انسان کی حیثیت سے جس کی زندگی میں بے شمار مرد آئے اور میں نے اِن سے کھیلنا ایک معمولی بات سمجھی، لیکن در حقیقت اِس تمام زندگی میں، میں نے خود کو کبھی عورت نہیں سمجھا۔

عورت کا مفہوم اب میری سمجھ میں آیا ہے سہیل اور یہ سب تمہاری عنایت ہے۔ پسینے اور بدبو سے لتھڑے ہوئے چوڑے محافظ بدن کی حفاظت میں عورت اپنی زندگی کا آخری لمحہ بھی گزار سکتی ہے، تمہارا شکریہ سہیل، تمہارا شکریہ۔

تنویر کا جادو سر چڑھ کر بول رہا تھا، شیکی اور جہاں پناہ دونوں ہی گدھے بن گئے تھے اور غالباً نوشاب کو وہ بھول گئے تھے۔

لیکن تنویر بڑی مشکلات کا شکار ہو گئی تھی، عموماً یوں ہوتا کہ شیکی اور

جہانگیر ایک ہی جگہ اکٹھا ہو جاتے اور تنویر کو اپنی جان بچانا مشکل ہو جاتی، ویسے شیکی ابھی تک مستقل سب کے مذاق کا نشانہ بنا ہوا تھا، داڑھی اور بال غائب ہو جانے کی وجہ سے وہ آدھا غائب ہو چکا تھا، اگر دلربا بھی اس کے گلے سے اُتر جاتی تو اِس کے بعد وہ کسی مزار کا مجاور معلوم ہوتا لیکن دلربا ابھی تک اس کے گلے کی زینت تھی البتہ وہ اپنا ننھا سا منہ چھپائے چھپائے پھرتا تھا۔

لیکن تنویر نے اِس کی بڑی ہمت افزائی کی تھی وہ اکثر اِس سے کہتی۔

"اوہ شیکی ڈیئر تم تصور نہیں کر سکتے کہ تم کتنے اسمارٹ لگ رہے ہو، بالکل مصوری کے ایک عظیم شاہکار۔"

"اوہ تو کیا۔ تو تم سچ کہہ رہی ہو تنویر۔" شیکی نے تنویر کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

''شیکی میں تمہارے سامنے جھوٹ بولنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔'' تنویر نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

''بہت بہت شکریہ تنویر تم ہمیشہ میری ڈھارس بندھا دیتی ہو، ورنہ یہ سب لوگ تو مجھے ایسی نگاہ سے دیکھتے ہیں جیسے میں، میں نجانے کیا چیز ہوں۔ کارٹون سمجھتے ہیں مجھے اور تنویر ڈارلنگ جب میں آئینے کے سامنے ہوتا ہوں تو مجھے خود بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آئینہ میرا مذاق اُڑا رہا ہو۔''

''یہ سب تمہارے شاعرانہ خیالات ہیں شیکی، اِن بالوں سے تمہیں اتنی محبت ہو گئی تھی کہ اِن کی غیر موجودگی میں تم یہ تمام باتیں محسوس کرتے ہو، حالانکہ اب تم جس قدر اسمارٹ نظر آتے ہو، اِس سے پہلے کبھی نہ تھے۔''

''شکریہ۔ شکریہ۔ ویسے تنویر ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔''

"ہاں ہاں کہو۔"

"یہ جہانگیر تمہارے پیچھے کیوں لگا رہتا ہے۔"

"کیا بتاؤں شکیلی یہ شخص بھی عجیب ہے۔"

"کیوں ہوا کیا۔"؟

"بس اس سے پہلے اسے نوشاب سے صرف اس لئے محبت تھی کہ تم نوشاب کو چاہتے تھے۔ اور اب جب سے اسے یہ احساس ہوا ہے کہ میں تمہیں چاہنے لگی ہوں اور تم بھی میری طرف متوجہ ہو تو بس یہ مجھے ورغلاتا رہتا ہے۔"

"ورغلاتا رہتا ہے۔" شکیلی اُچھل کر کھڑا ہو گیا۔

"ہاں۔"

"کیا کہتا ہے۔"

"بس یہی کہ تنویر تمہارے دم سے یہ کوٹھی روشن ہے، تم

چودھویں کے چاند کی طرح خوبصورت ہو اور تمہیں دیکھ میرا سو جانے کو جی چاہتا ہے۔"

"سو جانے کو جی چاہتا ہے۔" شکی نے دلربا پر ہاتھ مارا۔

"ہاں۔کوئی غزل بھی کہی ہے انہوں نے میری شان میں۔" تنویر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا غزل بھی کہی ہے تمہاری شان میں۔" شکی دلربا کے تاروں کو تیزی سے چھیڑنے لگا۔

"ہاں۔"

"کیا غزل ہے۔"

"بس مجھے تو سنائی نہیں ابھی تک، غالباً کسی سے کہہ رہے تھے۔"

"اوہ۔اوہ کس سے کہہ رہا تھا کم بخت"

"شاید صفدر بھائی سے۔"

''ہوں۔تنویر یہ شخص۔ مجھے اب اِس کے خلاف کچھ کرنا پڑے گا،یہ ایسے باز آنے والوں میں سے نہیں ہے۔''

''تو پھر کرو نہ جلدی سے کچھ،خواہ مخواہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے۔''

''تم فکر نہ کرو تنویر میں۔میں اِس کا کوئی بندوبست کرلوں گا۔''

''کیا کروگے۔''؟

''میں۔میں اِس کا سر توڑ دوں گا۔''

''ہاں یہ بہتر ہے اور مناسب فیصلہ ہے تمہارا۔تو کب توڑ رہے ہو۔''تنویر نے پوچھا۔

''ابھی اور اِسی وقت۔''

''بسم اللہ۔پھر جاؤ اپنا کام کرو۔''

''جارہا ہوں۔''شیکی نے دلربا کے تاروں کو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''ہاں ہاں جاؤ۔''تنویر نے کہا۔اب وہ اِس چکر سے بُری طرح

بے زار آ گئی تھی، چاہتی تھی کہ کوئی ایسی ہی بات ہو جائے۔ چنانچہ شیکی غصے میں ڈوبا ہوا باہر نکل آیا۔

عالم پناہ پائیں باغ میں سنگِ مرمر کے سفید حوض کے کنارے بیٹھے پانی میں ہاتھ ڈال کر کچھ گنگنا رہے تھے۔ شیکی عقب سے اِن کے نزدیک پہنچ گیا۔

اوپر کی کھڑکی سے تنویر یہ دلچسپ منظر دیکھ رہی تھی۔ اِس وقت اور کوئی تو دستیاب نہیں ہو سکا تھا، لیکن وہ جانتی تھی کہ اگر دوسرے لوگوں کی تلاش میں چل پڑی تو اِس دلچسپ منظر سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔

شیکی عالم پناہ کے عقب میں پہنچ گیا تھا، اِس نے دلربا گلے سے اُتاری اور اِسے اپنے دونوں ہاتھوں میں بلند کر لیا، تنویر نے دانتوں میں زبان دبالی تھی۔ اگر دلربا سچ مچ عالم پناہ کے سر پر ٹوٹ گئی تو شاید عالم پناہ کا سر بھی محفوظ نہ رہ سکے۔ شیکی نے تین بار دلربا کو عالم پناہ کے

سر پر مارنے کی بھی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔

دوسری جانب عالم پناہ پانی میں اس کا عکس دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔تیسری بار شیکی نے دلربا کے تاروں پر ہاتھ مارا تھا۔

''ہاں ہاں مارا کیوں نہیں اسے میرے سر پر۔''

''تت تت تمہیں۔تمہیں کیسے معلوم۔''شیکی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''میں ہزار آنکھیں رکھتا ہوں شفیع الدین شیکی ،اچھی طرح دیکھ رہا ہوں تجھے،تو ہر جگہ میرا دشمن ثابت ہوا ہے،ہمیشہ تو نے میری راہ میں آنے کی کوشش کی ہے۔میں سوچتا ہوں فیصلہ کر ہی ڈالوں۔''عالم پناہ مڑ کر بولے۔

''کیا فیصلہ۔''شیکی اُچھل کر حوض کی منڈیر پر چڑھ گیا۔

''کوئی ایسا فیصلہ جو میرے اور تیرے درمیان آخری فیصلہ ہو۔''

"ٹھیک ہے میں بھی چاہتا ہوں۔" ہشکی نے کہا۔

"تم ڈوئل بھی لڑ چکے ہو اور موسیقی میں بھی تم مجھ سے مقابلہ کر چکے ہو، اب تم ہی فیصلہ کرو کہ ہم آپس میں کس طرح تصفیہ کریں۔"

"یہ واقعی سوچنے کی بات ہے۔ لیکن کیا تم میرا فیصلہ مان لو گے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"ہاں مان لوں گا۔"

"وعدہ کرتے ہو۔"

"ہاں وعدہ کرتا ہوں۔" ہشکی نے کہا اور عالم پناہ نے مسکرا کر گردن ہلا دی۔

"تب ہاتھ ملاؤ میرے دوست۔" عالم پناہ نے کہا اور ہشکی نے اس سے ہاتھ ملایا۔

"بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

''تم اِس حوض میں ڈوب مرو۔'' عالم پناہ نے نہایت اطمینان سے کہا اور شیکی اُچھل کر منڈیر سے نیچے اُتر آیا۔

''کک، کیا بکواس ہے۔''

''پانی ٹھنڈا نہیں ہے یار۔ میں ہاتھ ڈال کر دیکھ چکا ہوں۔''

''تو اِس سے کیا فرق پڑتا ہے۔''

''میرا مطلب ہے کہ اگر تم اِس میں ڈوب کر مرنے کی کوشش کرو گے تو تمہیں کوئی خاص مشکل پیش نہیں آئے گی، تم ایک دس پندرہ منٹ تک پانی میں یونہی پڑے رہنا پانی تمہارے پیٹ میں بھر جائے گا اور ہوا نہ ملنے کی وجہ سے تمہارا دم نکل جائے گا، میں اِس دوران یہاں کھڑا ہوں، کسی نے اگر تمہیں نکالنے کی کوشش کی تو بالکل بے فکر رہو نہیں نکال سکے گا۔ اول تو کسی کو پتہ ہی نہ چل سکے گا کہ تم نے ایسا قدم اُٹھایا ہے۔''

"جہانگیر بھائی، جہانگیر بھائی، یوں لگتا ہے جیسے تمہارا دماغ بالکل اُلٹ گیا ہے، اگر میں تم سے یہ بات کہوں کہ تم اِس حوض میں ڈوب مرو تو کیا تم میری بات مان لو گے۔"

"نہیں میں نہیں مانوں گا۔"

"تو پھر میں کیوں مانوں۔"

"اِس لئے کہ میں تم سے زیادہ طاقتور ہوں، تنویر پر میرا حق ہے۔"

"ہرگز نہیں تنویر پر میرا حق ہے۔" شیکی بولا۔

"میں نے کہا نا کہ اگر تم خود نا اِس حوض میں ڈوب مرے تو میں تمہیں اُٹھا کر اِس حوض میں پھینک دوں گا۔"

"ارے واہ کیسے پھینک دو گے۔" شیکی نے کہا اور وہ چھلانگ لگا کر پیچھے ہٹ گیا۔

میں فیصلہ کر لینا چاہتا ہوں شیکی۔"

"کر لینا کر لینا ابھی اتنی جلدی نہیں ہے۔" شیکی نے کہا اور ایک طرف دوڑ لگادی۔

"تنویر ہنستے ہنستے بے حال ہوئی جا رہی تھی۔ لیکن اب اسے یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں واقعی کوئی چکر نہ چل جائے شیکی اور عالم پناہ دونوں بے وقوف تھے، دونوں ایک دوسرے کی جان کے دشمن بن سکتے تھے۔ چنانچہ صفدر کا مذاق اگر کوئی سنگین نوعیت اختیار کر گیا تو خواہ مخواہ اس پر بھی بات آئے گی۔ لوگ یہ تو سوچیں گے نہیں کہ یہ سب مل کر تفریں کر رہے تھے، بس تنویر خود ہی نشانہ بن جائے گی۔ چنانچہ اُس نے اِس سلسلے میں ڈراپ سین کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ البتہ ابھی وہ اِس فیصلے پر عمل درآمد کے لئے کوئی مناسب کاروائی نہیں سوچ سکی تھی، اِس نے سوچا تھا کہ کسی کو بتائے بغیر وہ اِس تصفیے کو نمٹا دی گے۔

خواہ مخواہ شکی اور عالم پناہ اِس کے لئے احمق بن رہے ہیں۔

''نہیں نہیں، بزرگوں کو یہ بات معلوم ہو گی تو کیا سوچیں گے وہ میرے بارے میں۔ میری پوزیشن سخت خراب ہو جائے گی۔'' تنویر نے سوچا۔ اور آخری فیصلہ کر کے کھڑکی کے پاس سے ہٹ آئی۔

☆

سہیل نے آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر ٹائی کی باندھی ناٹ درست کی اور پھر پیشانی پر جھول آنے والے بالوں کی ایک لٹ کو سنوارتا ہوا آئینے کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اِس کے بدن سے ایک انتہائی نفیس اور بھینی بھینی خوشبو اُٹھ رہی تھی۔ جو سوٹ اِس نے پہنا ہوا تھا وہ اِس طرح اس کے بدن پر سج رہا تھا جیسے اِس کے بدن کے لئے خصوصی طور پر تیار کیا گیا ہو۔

اتنا حُسن اتنا مکمل اور متناسب حُسن بہت کم دیکھنے کو ملتا ہے۔

جب وہ پلٹا تو نوشاب کھڑی مبہوت نگاہوں سے اِسے دیکھ رہی تھی۔

''ارے نوشی آپ۔'' اِس نے خفیف سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا لیکن نوشاب کی محویت نہ ٹوٹی۔

''آیئے اندر آیئے، مجھ سے کوئی کام ہے۔'' سہیل نے کہا اور نوشاب چونک پڑی۔ اِس نے ایک گہری سانس لی اور نثار ہو جانے والی نظروں سے سر سے پاؤں تک سہیل کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''بے حد خوبصورت لگ رہے ہیں آپ۔''

''اوہ۔ اوہ۔'' سہیل ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔ ''اب اِس تعریف کا شکریہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔''

''نہیں سہیل خدا کی قسم آپ بے حد حسین ہیں۔''

''بہتر۔ ایک بار پھر شکریہ۔''

''آپ کہیں جا رہے ہیں۔'' نوشاب نے پوچھا۔

”جارہا تھا، اگر آپ کا حکم نہ ہو تو نہ جاؤں۔“

”بہت ضروری کام ہے۔“نوشاب کی آواز میں خمار چھلک رہا تھا۔

”عرض کیا نا، کتنا ہی ضروری کام ہو آپ کے لئے ختم کیا جاسکتا ہے۔“

”اگر کوئی بہت ہی ضروری کام ہو تو آپ ضرور جایئے، میں آپ کو نہ روکوں گی، لیکن اگر ایسی بات نہ ہو یعنی آپ کا نہ جانا آپ کے لئے نقصان دہ نہ ہو تو پلیز آپ نہ جایئے۔“

”بہت بہتر سرکار نہیں جاتے۔“سہیل نے جواب دیا۔

”بہت بہت شکریہ، لیکن یہاں نہیں بیٹھیں گے۔“

”پھر۔“؟سہیل نے سوال کیا۔

”باغ کا گوشہ خالی ہے وہاں چلتے ہیں۔“

''بہت بہتر۔لباس تبدیل کرلوں یا نہیں۔''

''لباس تبدیل نہ کریں، آپ اس لباس میں بے حد حسین لگ رہے ہیں۔''

''بہت بہتر چلیئے۔اگر ہم اسی وقت آپ کی تعریف بھی کرنا شروع کردیں کہ نوشاب اِس سیاہ لبادے میں آپ کسی اپسرا سے کم نہیں معلوم ہورہیں، یوں لگتا ہے جیسے راجہ اندر کے اکھاڑے سے کوئی اپسرا اُتر آئی ہوتو آپ سمجھیں گی کہ یہ تعریف اِس لئے ہورہی ہے کہ آپ نے ہماری تعریف کردی ہے۔صحیح معنوں میں اگر اپنے آپ کو دیکھنا چاہیں تو ہماری آنکھوں میں جھانک کر دیکھ لیں۔'' سہیل نے کہا اور نوشاب کا چہرہ گلابی ہوگیا۔

''آیئے۔'' اُس نے شرمگیں لہجے میں کہا اور سہیل اُس کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔

پائیں باغ کے سب سے حسین گوشہ میں پہنچ کر وہ رُک گئے۔
یہاں سے اُسے دیکھا جانا ممکن نہیں تھا۔ نوشاب سرسبز گھاس پر بیٹھ گئی اور اُس نے سہیل کا ہاتھ پکڑ کر ہنستے ہوئے اپنے ساتھ بٹھالیا۔

"آپ کا سوٹ تو خراب ہو جائے گا، لیکن یہ میرے لئے ہے۔"
نوشاب نے مسکرا کر کہا۔

"بہت بہتر، تسلیم کیا۔" سہیل مسکرا کر بولا۔

"سہیل صاحب۔"

"جی۔" سہیل نے سادہ سے لہجے میں کہا۔

"میں، میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"فرمائیے۔ فرمائیے۔ اب تک آپ نے جو کچھ کہا ہے اس پر اعتراض کیا ہم نے۔" سہیل ہنستا ہوا بولا۔

"پلیز سہیل صاحب مذاق نہ کریں۔"

''جی بہت بہتر۔ قطعی مذاق نہیں کیا جائے گا۔''

''سہیل صاحب میں دراصل۔ میں مغربی ماحول کو قطعی پسند نہیں کرتی، میں نے ملک سے باہر رہ کر بھی خود کو مشرقی ماحول میں ہی ڈھالنے کی کوشش کی حالانکہ وہاں مجھے اپنی زندگی اجنبی اجنبی محسوس ہوتی تھی، خود میرے ابو کا بھی یہی خیال تھا کہ مجھے اِس ماحول میں ایڈجسٹ ہو جانا چاہیے۔ میں اِس زندگی کو اپنا لوں۔ لیکن سہیل صاحب مجھے اپنے وطن کی روایتوں سے پیار تھا۔ نجانے میں کیوں ہمیشہ اپنے ہی وطن کے خواب دیکھتی تھی، یوں لگتا تھا سہیل صاحب جیسے کوئی پُراسرار قوت میری رہنمائی کر رہی ہو، وہ مجھے میری ہی آبادی میں لانا چاہتی ہو، اور یہاں آ کر مجھے احساس ہوا کہ یہ سب میرے ذہن پر کیوں مسلط تھا۔''

''کیوں مسلط تھا محترمہ۔'' سہیل نے سوال کیا۔

''اِس لئے کہ یہاں آپ تھے۔''

''بات ذرا کچھ گول مول رہی۔'' سہیل شرارتاً مسکراتا ہوا بولا۔

''بس اِس سے زیادہ میں کچھ نہیں کہتی۔''

''ارے واہ آپ نے کچھ کہا، میری سمجھ میں نہیں آیا اور آپ نے ختم بھی کر دیا۔ آخر میری یہاں موجودگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔'' سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سہیل آپ پلیز آپ مجھے وہ کچھ کہنے پر مجبور نہ کریں، جو ایک عورت کی امانت ہوتی ہے۔''

''بی بی ابھی آپ عورت ہیں کہاں ابھی تو آپ بہت چھوٹی ہیں۔''

''مذاق نہ کریں۔ دیکھئے میرا خیال ہے اِس کے بعد میں شاید اِس قدر جرأت نہ کرسکوں۔''

"تو آپ نے ابھی جرأت کی کہاں ہے۔" سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آپ سہیل آپ باز نہیں آئیں گے۔" نوشاب شرما کر بولی تھی۔

"بھئی کمال ہے، یعنی اتنی شرافت سے آپ سے گفتگو کی جارہی ہے۔ آپ کی کسی بات میں آپ کو ٹوکا نہیں جارہا اور آپ کہتی ہیں کہ باز نہیں آئیں گے۔ جو بات ہے براہِ کرم فرما تو دیں۔"

"سہیل میں۔ میں آپ کی زندگی بھر کی ساتھی بننا چاہتی ہوں۔" نوشاب نے کہا اور سہیل ہنس پڑا۔

"زندگی بھر کی ساتھی۔ تو پھر۔" اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ دفعتاً اِس کے بدن میں گرم گرم لہریں دوڑنے لگیں۔ پورے بدن پر یوں محسوس ہوا تھا جیسے کوئی خوفناک دھماکہ ہوا ہو اور عضو عضو ٹوٹ پھوٹ گیا ہو۔ اِس

کے بدن میں چنگاریاں سی بھڑکنے لگی تھیں، ایک لمحے میں اس کی کیفیت تبدیل ہوگئی تھی۔ وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گیا تھا، جب کہ نوشاب کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔

سہیل کے پورے بدن پر تشنج طاری ہو گیا۔ اِس وقت اگر نوشاب اِس کی صورت دیکھ لیتی تو متحیر ہو جاتی۔ حسین سہیل اتنا بھیانک محسوس ہو رہا تھا کہ اِس کی چیخ نکل جاتی اور شاید وہ ایک لمحے کے لئے بھی اس کے پاس رُک نہیں پاتی۔ سہیل کا خوف ناک چہرہ یقیناً اِس کے قابلِ برداشت نہ ہوتا۔ اِس کی وحشت زدہ سُرخ سُرخ آنکھیں، اُوپر کو مُڑے ہوئے ہونٹ، باہر کو جھانکتے ہوئے دانت اور سُرخ رنگ کسی بھی انسان کو دہشت زدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔

لیکن نوشاب اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ نہ دیکھ سکی۔ اور سہیل نے اپنی کیفیت چھپانے کے لئے رُخ بدل لیا۔ اب اِس کا ذہن اس کے

قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

"آپ نے جواب نہیں دیا سہیل۔" نوشاب نے کہا اور دوسرے لمحے وہ دہشت سے اُچھل پڑی۔ ایک بہت ہی خوفناک آواز اُبھری تھی۔

"شٹ اپ۔" اس شٹ اپ کو اتنا کھینچا گیا تھا کہ سہیل کی آواز پھٹ گئی تھی۔

وہ دوڑتا ہوا وہاں سے چلا گیا اور چند ہی لمحات کے بعد وہ کوٹھی کے کسی حصے میں روپوش ہو گیا تھا۔

اِس خوفناک بازگشت سے نوشاب سہم گئی تھی اِس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہوا۔ سہیل کی بھیانک آواز اِس وقت بھی اِس کے کانوں میں اُبھر رہی تھی لیکن وہ اِس پر یقین کرنے کو تیار نہ تھی۔

"کون سی ایسی بات ہو گئی۔" اس نے سہیل سے کیا کہہ دیا، سہیل

تو بہت ہی خوشگوار موڈ میں تھا اور اِس کی پذیرائی بھی کر رہا تھا۔ لیکن یہ
شٹ اپ کتنی وحشت تھی اِس آواز میں، کتنی خوفناک آواز تھی۔ کیا یہ
سہیل ہی کی آواز تھی۔ لیکن لیکن یہ سب کیا تھا۔

کوئی مذاق۔ کوئی شرارت۔ لیکن ایسی خوفناک شرارت کا سہیل
جیسے شخص سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا وہ ہمیشہ انتہائی نرم آواز میں
نوشاب سے پیش آتا تھا۔ اِس نے کوئی بھی ایسی حرکت تو نہیں کی تھی
جس سے نوشاب کی ذرا بھی دل شکنی ہوتی۔ پھر یہ آواز۔ تو کیا سہیل۔
کیا سہیل اِسے اِس حیثیت سے قبول نہیں کرتا، کیا وہ صرف اخلاق و
مروت کے تقاضے پورے کر رہا تھا، کیا اِس کی نگاہ میں کوئی اور ہے،
یقیناً ایسی ہی بات ہے۔ لیکن یہ کیسے ممکن ہو سکتا ہے۔ سہیل کی نگاہ کا
ایک ایک مفہوم اِس کی سمجھ میں آ تا رہا تھا اور ایک بار بھی اِس نے نہیں
سوچا تھا کہ سہیل اِس سے کسی طور پر منہ موڑ سکتا ہے، لیکن اِس وقت،

اِس وقت وہ تھر تھر کانپ رہی تھی اور سہمی ہوئی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھی کہ کہیں کسی نے اِسے دیکھ تو نہیں لیا ہے۔ کسی نے اِس کی اِس بپتا کو محسوس تو نہیں کرلیا ہے۔ یہ سب کیا ہوا۔ یہ سب کیا ہوا۔؟

پریشان ذہن اس کا جواب نہیں دے سکا تو لڑکھڑاتے قدموں سے واپس کوٹھی کی جانب چل پڑی۔ اِس کے اعصاب جواب دے رہے تھے اور وہ خود کو انتہائی وحشت ناک حالات کا شکار پا رہی تھی، آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہ اپنے کمرے میں پہنچ گئی۔

زمین و آسمان گھوم رہے تھے، ایک انوکھا جنون ذہن پر طاری تھا، آنکھیں گہری سُرخ ہو رہی تھیں، چند لمحات قبل جو چہرہ مردانہ وجاہت کی ایک مثال نظر آ رہا تھا۔ اِس وقت وہ بے حد بھیانک اور کرخت بن گیا تھا۔

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا بیٹھا۔ آئینے میں دیر تک اپنی شکل دیکھتا رہا۔ پھر اس کے حلق سے ایک بھیانک قہقہہ نکل گیا۔

"عشق، محبت، پیار، مرد۔ عورت۔ عورت مرد۔ لڑکا لڑکی، مگر میں کون ہوں۔ میں کون ہوں۔ کون ہوں میں۔؟" اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

مرد، عورت۔ لڑکی۔ لڑکا۔ ہا۔ ہا۔ میں کون ہوں۔ کیوں ہوں، کچھ نہیں ہوں، بہت کچھ ہوں، ہاں میں جو نہیں ہوں وہ ہوں، جو ہوں وہ میں نہیں ہوں۔ میں مردی ہوں اللہ جی۔ میں تو، ہائے میری آپا۔ آئے موئے مرد مسٹنڈے کیا بیٹھا بیٹھا گھور رہا ہے۔ اے تیرا ستیا ناس۔ ہٹ آنکھیں بند کر لے، ہمیں شرم لگے ہے اوئی بہنا۔ اے جھاڑو پھرے اس شکل پر۔ شکل تو ٹھیک کر لے کنواری۔ ہائے ہائے۔" وہ لچکتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ باتھ روم میں داخل ہو کر اس

نے الیکٹرک شیو اُٹھایا اور گالوں پر پھیرنے لگا۔ خوب باریکی سے
اِس نے شیو کی اور پھر ایک مخصوص لوشن گالوں اور مونچھوں پر تھوپ
لیا۔ وہ ہر کام لچک لچک کر کر رہا تھا۔ آنکھوں میں بے پناہ شرارت
تھی۔ چہرے کا مکروہ پن اب ختم ہو گیا تھا۔ اور اِس کی جگہ حسین نرمی
نے لے لی تھی۔ اِس کے منہ سے گنگناہٹیں نکل رہی تھیں۔

مجھے بڑا بھروسہ ہے تیرا۔ اللہ میرے کریو کرم کا پھیرا۔

باتھ روم سے باہر آ کر اِس نے ایک نفیس ساڑھی نکالی بالوں کی
وِگ اور میک اپ کا دوسرا سامان۔ پھر دوبارہ باتھ روم جا کر لوشن
چہرے سے صاف کیا۔ اب شیو کی نیلاہٹ بھی دور ہو گئی تھی اور اِس
کی جگہ چکنی شفاف جلد نکل آئی تھی۔

اِس نے ڈریسنگ ٹیبل کی نچلی دراز کھولی اور اِس سے زنانہ میک
اپ کا سامان نکالنے لگا۔ اور تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک ایسی حسین

شکل سامنے آئی کہ دیکھنے والا کلیجہ پکڑ کر رہ جائے۔

حسین ترین نسوانی چہرہ، ہاتھ میں پرس، خوبصورت اسٹائل کی ساڑھی باندھے وہ باہر نکل آیا۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ سہیل ہے۔

اِس نے سامنے کی راہداری کی بجائے باہر جانے کے لئے عقبی راہداری استعمال کی تھی۔ اب یہ جہاں پناہ کی شامت تھی کہ وہ راہداری کی سیڑھیوں کے پاس تنویر کا انتظار کر رہے تھے۔

ایک حسین خوشبو اِن کی ناک سے ٹکرائی تو وہ چونک پڑے۔ تیز روشنی میں انہوں نے ایک آسمانی مخلوق کو دیکھا اور دیکھتے رہ گئے۔ اِن کی آنکھوں کی گویا جان ہی نکل گئی تھی۔

"ہیلو۔" ایک حسین آواز اِن کے کانوں سے ٹکرائی۔

"ہالم۔ ہالم پاناہ۔ جج۔ جی ہاں گیر۔ مم۔ میرا مطلب ہے ہالم۔"

"اللہ کیسی دلکش آواز ہے آپ کی۔" سہیل نے پرس جھلاتے

ہوئے کہا۔

"جھی۔جھی کھیا کھ رہی ہیں ہاپ۔" عالم پناہ کے دل کی حرکت بند ہوئی جا رہی تھی۔

"مردانہ حسن کا شاہکار۔ خوابوں کے انسان۔ آہ میری آنکھوں میں مغلیہ دور گھوم رہا ہے۔" سہیل کے حلق سے دلکش نسوانی آواز نکل رہی تھی۔

"مغ۔مغربیہ۔میرا مطلب ہے ملغیہ دور۔" عالم پناہ رونے والی آواز میں بولے۔

"شہزادے۔آپ کے ہاتھوں میں پھول نہیں ہے۔"

"فول۔جی ہاں۔نہیں ہے۔"

"پھر آپ کیسے شہزادے ہیں۔"

"پپ پتہ نہیں۔" عالم پناہ کی کھوپڑی سے بھیجہ نکل بھاگا تھا۔

"ہائے آپ کو پتہ نہیں ہے۔"

"خدا کے لئے۔ خدا کے لئے مجھے سہارا دیجئے میں گر پڑوں گا۔ خدا کے لئے۔" انہوں نے ہاتھ پھیلا دیا اور سہیل نے جلدی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

خود کو سنبھالئے عالم پناہ۔ کیا ہو رہا ہے آپ کو۔ اللہ خود کو سنبھالئے۔" سہیل تشویش زدہ آواز میں بولا۔

"آہ۔ آپ کو دیکھ کر۔ آپ کو دیکھ کر ہمیں نہ جانے کیا ہو گیا ہے۔"

عالم پناہ۔" سہیل مخمور آواز میں بولا۔ "ہم نے ہمیشہ آپ کے ہاتھ میں پھول دیکھا ہے، آج آپ ادھورے نظر آ رہے ہیں مجھے۔"

"بھاگ کر لے آئیں۔" عالم پناہ بولے۔

"رہنے دیں پھر سہی۔"

"مگر۔۔۔آپ کون ہیں۔۔۔کون ہیں آپ۔۔۔"؟

"ایں۔" سہیل حیرت سے بولا۔ "یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔"؟

"تو۔۔۔کک کیا ہم آپ کو جانتے ہیں۔"

"عالم پناہ کیا ہو گیا ہے آپ کو۔؟ آپ کون ہیں۔"؟

"جہانگیر۔"

"شہزادہ حضور۔ یہ آپ کی نور جہاں ہے۔ آپ کی خادمہ آپ کی غلام۔"

"نور جہاں۔" عالم پناہ حیرت سے بولے۔

"آپ کی نور جہاں۔"

"قسم کھائیں۔" عالم پناہ شرماتے ہوئے بولے۔

"آہ۔ ہم نے تو ساری زندگی آپ کے پیار کی قسمیں کھائی ہیں عالم پناہ۔ کیا آپ بھول گئے عالم پناہ۔ ہم نے تو ہمیشہ۔ آیئے یہاں

سے چلیں یہ جگہ محبت بھری باتوں کے لئے مناسب نہیں ہے آیئے۔"
اس نے عالم پناہ کا ہاتھ پکڑا۔ اور عالم پناہ اس کے ساتھ کھنچے چلے گئے۔

وہ تنویر کو بھول گئے تھے۔ تنویر تو اس حسین لڑکی کے قدموں کی دھول بھی نہیں تھی۔ کہاں تنویر۔ اور کہاں یہ۔ مگر یہ کون ہے آہ۔ کتنی حسین ہے۔ کیسی انوکھی، کیسی دلکش۔

وہ انہیں لئے ہوئے کوٹھی کے ایک مخصوص گوشے میں پہنچ گئی۔ جہاں ایک گیراج تھا جس میں ایک کار کھڑی ہوئی تھی۔ سہیل نے گیراج سے کار نکالی اور جہاں پناہ اس کے ساتھ بیٹھ گئے۔

سہیل نے کار اسٹارٹ کر کے آگے بڑھادی وہ کوٹھی کے دوسرے بڑے گیٹ سے باہر گیا تھا جہاں چوکیدار موجود نہیں تھا۔
آپ کون ہیں میرا مطلب ہے مس نور جہاں۔ اس سے پہلے

آپ کو نہیں دیکھا۔"

"آپ مذاق کر رہے ہیں۔" سہیل ہنس کر بولا۔

"ب بخدا۔ ن نجانے یہ کیا راز ہے۔" جہاں پناہ کی سانس پھر پھولنے لگی۔

"کوئی راز نہیں ہے۔ بس وقت کی گرد آپ کے ذہن پر پڑی ہوئی ہے۔ اِس گرد کو جھاڑ دیں آپ کو سب کچھ یاد آ جائے گا۔"

"کیسے جھاڑیں۔"؟

"یہ ہینڈ بریک کے پاس کپڑا رکھا ہوا ہے۔"؟

"ہاں۔"

"لے لیں۔ یہی لے لیں۔" سہیل نے کہا اور جہاں پناہ نے بدل نخواستہ کپڑا اُٹھالیا جو گاڑی صاف کرنے کا کپڑا تھا۔ عالم پناہ اِس سے سر جھاڑنے لگے۔ سہیل نے اپنا چہرہ دور کر لیا تھا۔

"بس کافی ہے۔"

"بہتر۔" جہاں پناہ نے کہا۔ اور کپڑا رکھ دیا۔

"کچھ یاد آیا۔"

"جی ہاں۔ جی ہاں اب یاد آ رہا ہے۔" عالم پناہ نے گہری سانس لے کر کہا۔

"بتایئے آپ کون ہیں۔؟"

"جہانگیر۔"

"آپ کے والد کون تھے۔؟"

"حکیم الدین جمی۔ عرف جمن میاں۔"

"شہزادہ حضور۔ مذاق چھوڑ دیں آپ اکبرِ اعظم کے بیٹے ہیں۔"

"ایں۔ وہ۔ وہ دوسرا جہانگیر تھا۔" عالم پناہ نے کسی قدر بوکھلائے

ہوئے انداز میں کہا۔

"نہیں عالم پناہ۔ نور جہاں سے آپ کا یہ جھوٹ نہیں چل سکتا۔ بس اب مذاق ختم کر دیں۔"

"یہ آپ کہاں جا رہی ہیں۔"؟ کار کو شہر سے باہر نکلتے دیکھ کر عالم پناہ نے پوچھا۔

"یادگار کی طرف۔"

"کس کی یادگار کی طرف۔"؟

"اپنی محبت کی یادگار۔ آپ بھول گئے اِسے بھی۔"

"ہاں۔ دراصل میں نے طویل عرصہ افریقہ میں گزارا ہے۔"

"افریقہ میں۔" سہیل ہنس پڑا۔

"ہاں۔ وہیں مگر اِس وقت رات ہو چکی ہے۔ سڑکوں پر اندھیرا پھیلا ہوا ہے یادگار کہاں ہے۔"

"بس تھوڑی دور۔" سہیل نے جواب دیا اور جہانگیر عالم پناہ تھوک نگل کر رہ گئے۔ عقل اس طرح خبط ہوئی تھی کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ اجنبی لڑکی جس کا نام بھی نور جہاں تھا۔ پہلی بار نظر آئی تھی۔ کتنی حسین کیسی بے تکلف لیکن کون ہے یہ اور کہاں لے جا رہی ہے۔"

"جہانگیر۔" سہیل کی آواز اُبھری۔

"ہوں۔"

"خاموش کیوں ہو۔"؟

"پریشان ہوں ایک بات پر۔"

"کیا بات ہے۔"؟

"آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"کیسی غلط فہمی۔"؟

''میں وہ جہانگیر نہیں ہوں۔ میں تو حکیم الدین کا بیٹا ہوں۔''

سہیل ہنس پڑا۔ ''میں آپ کی ظریف طبیعت سے واقف

ہوں، مگر ایسی باتیں نہ کیا کریں، مہابلی سنیں گے تو کیا کہیں گے۔''

اس نے کہا۔

''کون بلی۔''؟

''مہابلی۔ شہنشاہ اکبر۔''

''تو کیا وہ ابھی زندہ ہیں۔''؟ عالم پناہ نے بوکھلا کر پوچھا۔ اور اپنا

سر ونڈ اسکرین سے ٹکرانے سے بچانے کے لئے دونوں ہاتھوں

کا سہارا لیا۔

سامنے ہی کھنڈرات نظر آ رہے تھے۔ تاریکی میں ڈوبے ہوئے

کھنڈرات جنہیں دیکھ کر جہانگیر کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے۔

سہیل انجن بند کر کے نیچے اتر آ گیا۔

''آؤ جہانگیر۔'' وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

''مگر یہاں تو اندھیرا ہے۔''

''ابھی یہاں ہمارے پیار کی روشنی پھیل جائے گی۔ تم تو سب کچھ بھول گئے۔''

لیکن جہانگیر کو بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ اِن کے بدن میں اب تھرتھری سی پیدا ہو گئی تھی۔ بہر حال نیچے تو اُترنا ہی پڑا تھا۔ سہیل اطمینان سے اِن کا ہاتھ پکڑے اندر داخل ہو گیا۔

کھنڈرات واقعی تاریک تھے لیکن شاید وہ سہیل کے جانے پہچانے تھے۔ جہانگیر کی آنکھوں میں موت ناچ رہی تھی۔ اِس وقت انہیں بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔ لیکن۔

''اِس جگہ کو پہچانتے ہو عالم پناہ۔''

''نہیں پہلی بار آیا ہوں۔''

''ابے جھوٹ بولتا ہے شرم نہیں آتی۔'' سہیل مردانہ آواز میں بولا۔اور عالم پناہ اُچھل پڑے۔وہ چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔

''یہ کون بولا۔'' اُس نے ڈری ڈری آواز میں کہا۔

''میں بول رہا ہوں۔'' سہیل چھاتی پر ہاتھ مار کر بولا۔

''ارے باپ رے۔تمہاری آواز۔ارے باپ رے۔'' جہانگیر عالم پناہ کی گھگھی بندھ گئی۔سہیل نے نہ جانے کہاں سے ایک کوڑا نکال لیا۔وہ اب چابک پھٹپھٹا رہا تھا۔

''بول بھوتنی والے۔اِس جگہ کو پہچانتا ہے۔'' سہیل اب مسلسل مردانہ آواز میں بول رہا تھا۔

''مم۔مم۔مم معاف کردو۔سیّد صاحب۔معاف کردو بھول ہو گئی۔ارے باپ رے تم لڑکی ہو کر مردانہ آواز میں بول رہی ہو۔''

''اب تو پھنس ہی گئے ہو جانِ من زندگی چاہتے ہو یا موت۔بولو

جواب دو۔'' سہیل نے اِس بار ایک تیسری آواز حلق سے نکالی تھی۔

اِس کی اپنی کیفیت بھی عجیب ہی تھی۔ ''بولو کیا چاہتے ہو۔''؟

''زندگی زندگی۔''

''تو پھر۔ یوں کرو اُوپری لباس اُتار دو۔''

''ایں۔ اوہ۔ اوہ نہیں نہیں۔ رحم کرو، خدا کے لئے رحم کرو۔ تم کون ہو آخر۔ کون ہو تم۔''؟

''نور جہاں کی روح۔ جو تمہاری تلاش میں بھٹک رہی تھی۔''

''روح۔ کیا واقعی۔''؟ عالم پناہ کی جان نکل گئی۔

''ہاں روح۔ تم خود کو جہانگیر عالم پناہ کہلواتے ہو نا۔''؟

''ہاں۔''

''کیوں۔ تم نے شہنشاہ جہانگیر کا نام اختیار کرنے کی کوشش کیوں کی۔''؟

''غغ۔ غلطی ہوگئی۔معاف کردو۔بس ایک بار معاف کردو۔''

عالم پناہ بُری طرح کانپ رہے تھے۔

''اُوپری لباس اُتار دو۔''

''رحم کرو۔خدا کے لئے رحم کرو۔''

''ہوں۔ایک شرط پر تمہیں معاف کیا جا سکتا ہے۔''

''کیا شرط ہے۔''؟عالم پناہ نے پوچھا۔

''لو یہ ہنٹر سنبھالو۔لو۔'' اِس نے ہنٹر عالم پناہ کی طرف اُچھالا اور عالم پناہ نے اِسے لپک لیا۔''مارو مجھے۔اگر تم مجھے مارنے میں کامیاب ہوگئے تو خود زندہ بچ جاؤ گے ورنہ۔'' سہیل کی آواز خوف ناک تھی۔

''تمہیں ماروں۔''؟عالم پناہ پھر اُچھل پڑے۔

''جلدی کرو۔جلدی کرو۔کہیں میں بے قابو نہ ہو جاؤں جلدی

کرو۔ ذلیل انسان ورنہ سہیل نے دونوں ہاتھ باندھ لئے اِس کے حلق سے سی سی کی آوازیں نکل رہی تھیں اور عالم پناہ کو حیرت تھی کہ وہ پاگل کیوں نہیں ہوئے جا رہے۔

بہر حال انہوں نے ڈرتے ڈرتے ایک چابک آہستہ سے اس کے رسید کر دیا۔ اتنی حسین لڑکی کو مارنا بھی تو مشکل کام تھا۔ ایسی لڑکی جو چھو جانے سے میلی ہو۔

''باز آ جاؤ جہانگیر۔ بدن کی پوری قوت سے مارو۔''

''مگر۔ مگر کیوں۔''؟ عالم پناہ نے پریشانی سے کہا۔ اور دوسرے لمحے سہیل نے آگے بڑھ کر ہنٹر ان کے ہاتھ سے چھین لیا۔ دوسرے لمحے عالم پناہ کے حلق سے دہاڑ نکلی۔ ہنٹر نے اِن کی کھال چھیل دی تھی۔

''اندازہ ہوا۔''

"معاف کردو۔ خدا کے لئے معاف کردو۔"

"یہ سنبھالو ہنٹر۔ چلو مارو مجھے۔ مارو زندگی بچانے کے لئے مارو۔ ورنہ کل صبح ان کھنڈرات سے تمہاری لاش برآمد ہوگی۔" سہیل نے ہنٹر پھر ان کی طرف اُچھال دیا۔

عالم پناہ کے ہونٹ بھنچ گئے۔ درحقیقت ذہنی قوتیں ان واقعات نے زائل کردی تھیں اور اب وہ عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے۔ انہوں نے پوری قوت سے ہنٹر گھمایا جو سہیل کے بدن پر پڑا تھا۔

"عالم پناہ۔ زندہ باد۔ اور مارو۔" اور عالم پناہ نے دوبارہ ہنٹر گھمایا۔ شڑاک کی آواز ہوئی تھی اور عالم پناہ ہل کر رہ گئے تھے۔

"جیو میری جان۔ اب مرد لگ رہے ہو۔ وحشی بن جاؤ، زمانہ قدیم کے وحشی بن جاؤ۔ مار مار کر کھال گرادو میری۔ مارو جلدی کرو

میرا نشہ اُکھڑ رہا ہے۔"

عالم پناہ اِس پر ہنٹر برسانے لگے۔ اب اِن کی کھوپڑی بالکل ہی بے قابو ہو گئی تھی۔ وہ دیوانہ وار ہنٹر برسانے لگے۔ اور سہیل بل کھانے لگا۔ اِس کے حلق سے سسکیاں نکل رہی تھیں۔ سہیل اب منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا ہنٹروں سے اس کی قیمتی ساڑھی جگہ جگہ سے تباہ ہو گئی تھی۔ میک اپ بگڑ گیا تھا۔ لیکن عالم پناہ جنون کے عالم میں ہنٹر برسائے جا رہے تھے۔

"بس کرو۔ بس کرو۔ ہائے میں مر گئی۔ ہائے بس کرو۔" بالآخر اس نے کہا۔ اور عالم پناہ گر پڑے۔ اِن کے حواس پر تاریکی چھا گئی تھی۔ سہیل اب عالم پناہ کو بھول گیا تھا۔ اِس کی آنکھوں میں شرابیوں کی سی کیفیت تھی۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر کار کی طرف چل پڑا۔ اِس کے حلق سے

بڑبڑاہٹیں نکل رہی تھیں۔ ''وہ مجھے چاہتی ہے، کہتی ہے سہیل۔ زبان کھول رہی ہوں۔ تمہیں۔ زندگی بھر کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ مجھے سہیل کو۔ نصیبو کو۔ اِس بدنما وجود کو۔ جس کی تشخیص بھی نہیں ہوسکی۔

ہائے ظالم کھال اُدھیڑ دی، زندہ رہے تو ہزاروں برس۔''

اِس نے اسٹیئرنگ پر بیٹھ کر کار اسٹارٹ کردی۔ آنکھیں بند ہوئی جارہی تھیں۔ منہ سے سسکاریاں نکل رہی تھیں۔ کسی لمحہ حادثہ ہوسکتا تھا لیکن۔ وہ مستعدی سے کار چلا رہا تھا۔ اور کار کا رُخ شہر کی بجائے کسی اور طرف تھا۔ اِس کی رفتار بے حد تیز تھی۔ نہ جانے وہ کہاں کا سفر کررہی تھی۔

تقریباً دو گھنٹے تک وہ مسلسل سفر کرتا رہا۔ پھر ایک بستی میں داخل ہوگیا۔ بستی نیم تاریک تھی۔ مکانات کچے پکے تھے۔ گلیاں غلیظ اور تعفن آمیز تھیں۔ گھروں میں چراغ جل رہے تھے۔ یہاں بجلی نہیں

تھی۔

سہیل نے ایک جگہ گاڑی روک کر انجن بند کر دیا۔ اور پھر لڑکھڑاتا ہوا نیچے اُتر آیا۔ اب وہ ایک پتلی سی گلی سے گزر رہا تھا۔ جس میں جا بجا غلاظت بہہ رہی تھی۔ اُنہی غلیظ راستوں سے گزرتا ہوا وہ ایک مکان کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اِس نے دروازے کی زنجیر کھٹکھٹائی اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھُل گیا۔

''اے کون ہے بھیّا۔''

''دلربا۔ میں ہوں۔'' سہیل نے مُردہ سی آواز میں کہا تھا۔

''کون۔ نصیبو۔ ہائے میری میّا۔ اری ماں۔ او ماں ذری دیکھ تو کون آیا ہے۔''

''کون ہے ری۔'' اندر سے ایک بوڑھی مردانہ آواز سنائی دی۔

''اری اماں۔ اُٹھ کے تو آ۔ لالٹین لیتی آئیو دیکھے گی تو خوش ہو

جائے گی۔ آجا نصیبو وہاں کیوں کھڑی ہے اللہ ماری۔ اری آجا اندر کو چھنال۔"

مردنما عورت یا عورت نما مرد نے سہیل کی کلائی پکڑلی۔ اور اِسے اندر گھسیٹ لے گئی۔ ایک موٹی بوڑھی عورت جس کی شیو بڑھی ہوئی تھی اور مونچھیں بھی خاصی نکل آئی تھیں گھاگھرا اور بلاؤز پہنے باہر آگئی۔ اِس کے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ جسے اس نے سہیل کے چہرے کے برابر کر کے اِس کو دیکھا۔

دوسرے لمحے اِس کے حلق سے ایک آواز اُبھری۔

"اری میری نصیبن۔ ارے تو مرے خدا کرکے اتنے دن کے بعد ہائے۔ آنکھیں ترسا دیں۔" بوڑھی یا بوڑھے نے سہیل سے لپٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ دہاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ روتے روتے اُس نے کہا۔

''ہائے ہائے۔ دلربا۔ لالٹین تو پکڑ لے رذیل۔ ہائے مجھے مت روکو۔ مجھے رونے دو۔'' بوڑھا گانے لگا۔

''چُپ ہو جاؤ میا۔ چُپ ہو جاؤ۔'' سہیل اِس سے لپٹا ہوا رو رہا تھا۔

''اماں پلنگ اُٹھا لاؤں باہر۔'' دلربا نے پوچھا۔

''ہائے ہائے کم بخت۔ اوس میں بٹھائے گی میری بچی کو، ہائے نصیبن تو نے ہمیں کہیں کا نہ چھوڑا۔'' بوڑھا روتے روتے ہدایت بھی دیتا جا رہا تھا۔

''چلو اندر چلو نصیبو۔'' دلربا نے کہا۔ اور دونوں سہیل کو سنبھالے ہوئے اندر پہنچ گئے۔

''اے میری میا۔ اِس کی ساڑھی میں تو خون لگا ہوا ہے۔'' دفعتاً دلربا نے کہا۔

"خون۔" بوڑھے نے چونک کر کہا۔ اور سہیل کو ٹٹولنے لگا۔ سہیل

کسی ننھے سے بچے کی مانند اِس کے سینے سے لگا ہوا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد دو تین زنجے اور آ گئے اور سہیل ان کے

درمیان گھر گیا۔ پوری بستی انہیں لوگوں کی تھی۔ سہیل کی نہ جانے

یہاں کیا حیثیت تھی۔ بوڑھے کی ہدایت پر سہیل کا لباس تبدیل

کیا گیا۔ ہنٹروں سے پڑنے والے زخموں پر کوئی خاص دوا لگائی گئی۔

اور اِس کے بعد بوڑھے کی ہدایت پر سب اِس کے پاس سے ہٹ

گئے۔

بوڑھا جسے کوئی ابا کہتا تھا اور کوئی اماں، خود سہیل کے سرہانے بیٹھا

ہوا تھا۔

"کتنی بار کہا ہے کہ اپنوں میں آ جاؤ ہاں رہے گا تو، تو انہی

پریشانیوں میں گھرا رہے گا۔ یہاں سکون ہے، تشخیص ہے، زندگی ہے

میری بچی جو لکھ گئی سو لکھ گئی۔"

سہیل خاموشی سے بیٹھا رہا۔ اسے بے حد سکون کا احساس ہو رہا تھا۔ پھر وہ گہری نیند سو گیا۔

دوسری صبح اس کی کیفیت بہتر تھی۔ بہت سے زخمی جمع ہو گئے تھے۔ سب کے سب سہیل سے ہنسی مذاق بھی کر رہے تھے۔

"نصیبو اللہ ماری۔ تو تو خوبصورت سے خوبصورت ہوتی جا رہی ہے۔"

"لونڈیاں ماند پڑ جاتی ہیں تیرے سامنے۔"

"بس اب نہ جائیو۔"

دوپہر کو اماں نے کہا۔ "نصیبو۔ گانے چلے گی۔"

"کہاں اتا۔"؟

"بس ایسے ہی تیرا دل بہلے گا۔"

"ابا ایک خاص جگہ چلنا ہے۔"

"کہاں ری۔"؟

"میں بتا دوں گا۔ گاڑی سے چلیں گے۔ بنجاروں کی ایک بستی ہے۔ کچھ ملے نہ ملے چلنا ضرور ہے۔"

"تو ٹھیک ہے۔ تو کہتی ہے تو چلیں گے۔"

"زخموں کا کیا حال ہے۔"؟

"ارے زخموں کی پرواہ کسے ہے۔ اِن زخموں کی کسک میں جو مزا ہے کسی اور چیز میں کہا۔"؟ سہیل نے ہنس کر کہا۔ اور دوسرے بھی ہنسنے لگے۔

"تب چل میں تیرا میک اپ کروں۔" دلربا نے کہا۔

"چلو۔" نصیبو یا سہیل بولا۔ اور سب اسے لے کر چل پڑے۔

ایک خوبصورت شلوار سوٹ پہنا گیا۔ اور ایسا میک اپ کیا گیا کہ بس

دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔

تھوڑی دیر کے بعد سہیل کی شاندار کار ایک نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔ نصیبو خود ڈرائیونگ کر رہا تھا اور اس کے ارد گرد بہت سی عجیب مخلوق بیٹھی ہوئی تھی۔

☆

زاہد ظفر کی ساری غزلوں کا مفہوم اُلٹ گیا تھا۔ بھتنی بیگم نے حقِ زوجیت وصول کر لیا تھا اور مسلسل اِس پر مسلط تھیں، نام اِس پری زاد کا حسینہ تھا۔ چار بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔ اور چاروں کی آنکھوں کی کہکشاں۔ اسے تارہ کہنا کسی طور مناسب نہیں تھا۔

دوسرے دن خاتون نے فرمایا۔ ''غفورے۔''؟

''جانِ غفورے۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''ہائے اللہ۔ تو تو بہت اچھا ہو گیا۔''

"اللہ میرے گناہ معاف کرے۔ کیسے اندازہ ہوا آپ کو اس بات کا۔"؟

"تو اب پیار سے باتیں کرے ہے ہم سے۔"

"یہ تو میری ڈیوٹی ہے محترمہ۔"

"کیا ہے۔"؟

"ڈیوٹی۔"

"یہ کیا ہوتی ہے۔"؟

"ہوتی ہے ایک چیز۔ اب کیا عرض کروں۔"

"ایک بات کہوں غفورے۔"؟

"جی جی۔ ارشاد۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"ایں۔ کہاں ہے ارشاد۔ مجھے تو نظر نہیں آ رہا۔"

"آئے گا بھی نہیں، آئے گا بھی نہیں بڑی خفیہ چیز ہے۔" ہاں تو

آپ کیا فرما رہی تھیں۔

''تو بُرا تو نہیں مانے گا۔''؟

''ارے مجال ہے میری۔ چار پہلوانوں سے لڑنے کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا۔'' زاہد ظفر نے کان پکڑتے ہوئے کہا۔

''شادی کو چھ ماہ ہو چکے ہیں ہماری۔'' حسینہ بلکہ حسینان نے شرماتے ہوئے کہا۔

''اور بچہ نہیں ہوا ابھی تک یہی نا۔''

''ہٹ۔ کیسی باتیں کرے ہے۔'' حسینہ اور شرما گئی۔

''خداوند۔ خداوند۔ اور کیا سُننے کو ملے گا۔'' زاہد نے مظلومانہ انداز میں آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا کہہ رہا ہے۔''؟

''آپ کی درازی عمر کی دعا کر رہا ہوں۔''

"بات سنے گا نہیں اپنی کہے جائے گا۔"

"جی جی سنایئے۔ کوئی اور بات ہے۔"

"تو اب کوئی کام کر۔"

"کام۔" زاہد ظفر تھوک نگل کر بولا۔ "کوئی اور کام بھی باقی ہے میرے لئے۔"

"لے تو کر ہی کیا رہا ہے۔ دن رات کھاتا ہے اور اینڈتا ہے مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"پھر کیا حکم ہے۔"؟

"کام شروع کر دے اپنا۔"

"آپ نے اِس قابل چھوڑا ہے مجھے۔"؟ زاہد ظفر بولا۔

"لے میں نے کیا کیا۔" حسینہ کو یہ بات ناگوار گزری تھی۔

"میرا مطلب ہے آپ کی محبت نے مجھے اِس قابل کہاں

چھوڑا ہے۔ ایک لمحے کے لئے دل نہیں چاہتا آپ کے پاس سے ہٹنے کے لئے۔"

"ہائے میں مر جاؤں۔" حسینہ نے دوہرے ہونے کی کوشش کی۔ لیکن یہ ان کے بس کی بات نہیں تھی۔ البتہ زاہد ظفر کی "آمین" وہ نہ سن سکی تھیں۔

بہرحال دوہرے ہونے کی کوشش میں ناکام رہنے کے بعد وہ پھر بولیں۔ "لوگ کہیں ہیں کہ میرا غفورا نکھٹو ہے۔"

"سبحان اللہ کیا صحیح تجزیہ ہے اِن کا۔"

"تو بس آج ہی سے کام شروع کردے۔"

"گویا آپ میرا کام تمام کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ بسروچشم کیا سزا تجویز کی گئی ہے میرے لئے۔ میرا مطلب ہے کیا کام کرنا ہوگا مجھے۔" اِس نے پوچھا۔

”وہی اپنا پُرانا کام۔“

”افسوس۔ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔“

”پانی بھرا کر۔ تیری مشک بھی سوکھ کر رہ گئی ہے۔“

”یا اللہ۔ یا اللہ تو منصف ہے گویا مابدولت سقّے ہیں۔“ لیکن پھر وزنی مشک یاد کرکے اِس کی ریڑھ کی ہڈی میں درد ہونے لگا۔!

”حسینہ بی بی۔“

”جی۔“

”آپ دوسری شادی کریں گی۔“

”ایں۔ کیوں۔“؟ اِس کا منہ کسی غار کی طرح کھل گیا۔

”آخری وقت آگیا ہے میرا۔“

”آخر کیوں۔“؟

”مشک میں کتنا وزن ہوتا ہے۔“؟

”تو پھر۔“؟

”اُٹھ نہ سکے گی۔“

”چل مذاق مت کر۔ بس آج سے تو کام شروع کر دے میں
مشک نکال دیتی ہوں تیری۔“

”بی بی۔ ایک بات بتاؤ۔ شکل وصورت سے معصوم ہی لگتی ہو، تم
اس غلط فہمی کا شکار کیسے ہوئیں۔“

”کس غلط فہمی کا شکار۔“

”یہی کہ میں غفورے سقّہ ہوں۔“

”تو کیا نہیں ہے۔“

”اگر مشک اُٹھانی پڑی تو بے شک نہیں ہوں خواہ کچھ بھی ہو
جائے۔“ زاہد ظفر نے کہا۔ لیکن خاتون کی سمجھ میں نہ جانے کیا آیا اِن
کی ناک سے شوں شوں اور پھر حلق سے بھوں بھوں کی آوازیں بلند ہو

گئیں۔ اور زاہد اُچھل پڑا۔

"ارے ارے۔ یہ سرکاری بھونپوں کیوں بجنے لگا۔ الٰہی خیر۔ الٰہی خیر۔" زاہد ظفر نے اس کا منہ بند کرنے کی کوشش کی۔ کیونکہ باہر سے ان چاروں پہلوانوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

لیکن یہ کوشش بعد از وقت تھی۔ چاروں دیوزاد اندر گھس آئے۔ منہ بند کرنے کی کوشش کو وہ نہ جانے کیا سمجھے۔

"کیا ہو رہا ہے یہ۔"؟ اِن میں سے ایک دہاڑا اور زاہد ظفر اُچھل پڑا۔

"ایک نئے قسم کا عشق۔ آپ لوگ فکر نہ کریں۔"

"غوں غوں۔ غاں۔ ای۔ غاں۔" حسینہ نے زاہد ظفر کا ہاتھ منہ سے ہٹا دیا۔

"کیا بات ہے باجی۔"؟ کڑک دار آواز اُبھری۔

"یہ میری کوئی بات نہیں مانتا۔کوئی کام میرے کہنے سے نہیں کرتا۔جو کچھ میں کہتی ہوں اسے مذاق میں اُڑا دیتا ہے۔"

"کیوں۔"؟ چاروں کی خونی آوازیں اُبھریں۔

"کمال ہے بھئی۔اب دیکھو تمہاری بہن مذاق کا بھی بُرا مان جاتی ہے۔ہنسی ہنسی میں ناراض ہو جاتی ہے ٹھیک ہے ان سے آئندہ مذاق نہیں کیا جائے گا۔"

"تو مذاق کر رہا تھا۔"؟

"تو اور کیا۔"؟

"کام کرے گا آج سے۔"

"آج سے نہیں ابھی سے۔" زاہد ظفر نے سینہ پھُلا کر کہا۔اور روتی ہوئی حسینہ ہنس پڑی۔

"بس تم جاؤ۔سب ٹھیک ہے۔" اِس نے کہا اور وہ چاروں باہر

نکل گئے۔

"سوکھی ہوئی مشک تازہ کی گئی۔ حسینہ اسے ساتھ لے کر کنوئیں پر گئی۔ ڈول سے پانی کھینچ کر مشک بھری گئی اور چاروں طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

"غفورے کام پر آگیا۔ غفورے دو مشکیں ہمارے ہاں، ایک مشک ہمارے ہاں۔" بیس پچیس آرڈر بیک وقت مل گئے۔ اور زاہد ظفر کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیکن کوئی چارہ کار نہیں تھا اس کے علاوہ کہ کام کرے۔ اس نے مشک کندھے پر اُٹھالی اور لڑکھڑاتا ہوا ایک گھر کی طرف چل پڑا۔

ایک مشک پانی کے دو پیسے ملے تھے اِسے۔ ٹھنڈی سانس لے کر اس نے یہ دو پیسے جیب میں ڈالے اور پھر دوبارہ کنوئیں کی طرف چل پڑا۔

☆

ٹائیگر چارلس اکثر آپس میں سر جوڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔ گولیور نے اپنی آمد کا اعلان کر دیا تھا۔ اور پولیس سخت تفتیش کر رہی تھی۔ لاتعداد گرفتاریاں ہوئی تھیں۔ لیکن ایک بھی آدمی ایسا نہیں پکڑا گیا تھا جس سے کوئی خطرہ ہوتا۔

لیکن اِن دونوں کے خیال میں گولیور غلط راستوں پر پڑ گیا تھا۔ وہ جس کام سے آیا تھا اِسے پسِ پشت ڈال کر نصیبو کے چکر میں اُلجھ گیا تھا۔ اور نصیبو کا چکر بہر حال اچھا نہیں ہوتا۔

اِس وقت بھی دونوں یہی گفتگو کر رہے تھے۔ ''آخر وہ ہے کہاں۔''؟ ٹائیگر نے کہا۔

''کون گولیور۔''

''ہاں۔''؟

''خدا جانے ویسے وہ اِس شہر سے پوری طرح واقف ہے اور کسی اُلجھن میں نہیں پڑے گا۔''

''ہاں یہ تو درست ہے۔ ہمارے علاوہ اس کے اپنے ساتھی بھی تو اس کے ساتھ ہیں۔''

''تمہارا کیا خیال ہے کیا وہ نصیبو پر قابو پا لے گا۔''؟

''کوئی فیصلہ کُن بات نہیں کہی جا سکتی۔ ویسے اِس میں اور نصیبو میں ایک نمایاں فرق ہے۔''

''وہ کیا۔''؟ ٹائیگر نے پوچھا۔

''نصیبو ایک مقامی غنڈہ ہے اور گولیور ایک بین الاقوامی بدمعاش، بے شک نصیبو بھی چالاک ہے اور اس نے اپنی چالاکی اور دلیری سے شہر کے غنڈوں کو تنگ کر کے اپنا فرمانبردار بنا لیا ہے لیکن گولیور کی بات دوسری ہے۔ وہ دنیا کی پولیس کو چکر دیتا رہا ہے۔ اِس

لحاظ سے صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے وہ نصیبو کو کسی طریقے سے پھانس لے۔"

"ہاں امکانات ہیں اِس بات کے۔"

"اوہ دیکھو شاید کوئی آ رہا ہے۔" چارلس چونک پڑا۔

تھوڑی دیر کے بعد گولیور مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا تھا اِس کے چہرے کی پُرسکون مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ وہ اپنے اردگرد کے ماحول سے مطمئن ہے اور اِسے کوئی ذہنی پریشانی نہیں ہے۔

"ہوں تو تم دونوں یہاں موجود ہو۔" اُس نے اِن دونوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"جناب عالی۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔" ٹائیگر نے جواب دیا۔

"ویسے ابھی تم چھٹی کرو، مجھے تم سے کوئی کام نہیں ہے کیونکہ تم

لوگوں نے مجھے جس راستے پر ڈال دیا ہے ابھی میں اس کے بارے میں پوری طرح موثر کاروائی نہیں کر سکا ہوں۔"

"ہمیں کچھ کہنے کی اجازت دیں باس۔" ٹائیگر نے کہا۔

"ہوں ہوں، کہو۔" گولیور ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔

"باس بجائے اس کے کہ ہم لوگ اپنا کام کرتے آپ بلاوجہ ایک اُلجھن میں پھنس گئے ہیں، آخر کیا فائدہ آپ کو اس الجھن میں پھنسنے کا، نصیبو کیا حیثیت رکھتا ہے، یوں بھی آپ مستقل تو یہاں رہنے کا پروگرام نہیں رکھتے، بس اپنا کام کریں گے اور چلے جائیں گے، آپ کو کیا مطلب نصیبو وغیرہ سے۔"

"یہی تو بات ہے جسے تم لوگ نہیں جانتے۔" گولیور مسکراتا ہوا بولا۔

"ہم جاننا چاہتے ہیں باس۔"

”گولیور کی ہابی ہے۔ جس جگہ وہ ہوتا ہے وہاں اس سے بڑا مجرم نہیں ہوتا۔ جرائم کی زندگی سے متعلق جتنے افراد اس ملک یا اس شہر میں ہوتے ہیں وہ سب گولیور کے مطیع ہوتے ہیں اور اس کے لئے کام کرتے ہیں۔ میں کسی ایسے آدمی کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتا جو مجھ سے منحرف ہو۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن۔“

”بس بس تم بہت زیادہ ہمدردی جتانے کی کوشش مت کرو، تمہارے معاوضے تمہیں ملتے رہیں گے اِس وقت تک جب تک میں نصیبو کو اپنے شکنجے میں نہ جکڑ لوں۔“

”معاوضے کی بات نہیں ہے باس، ہمیں بس آپ کی فکر تھی۔“

”میں جانتا ہوں، میں جانتا ہوں کہ تم لوگ میرے لئے کس قدر فکر مند رہتے ہو، بہر صورت میں نے تھوڑی بہت کارروائی کی ہے،

میرا خیال ہے اس کا نتیجہ جلد ہی معلوم ہو جائے گا۔“

”اوہ، کیا آپ۔۔“؟

”ہاں میں نے اس کے گھریلو حالات معلوم کر لئے ہیں اور اس کے گھر کو بھی دیکھ چکا ہوں، اور اِس کے اِن ٹھکانوں کو بھی جہاں اس کا قیام رہتا ہے۔“

”اوہ بہت بڑی بات ہے باس۔“

”بہت بڑی بات تو اب ہونے والی ہے، تم بس تماشہ دیکھتے جاؤ۔“ گولیور نے کہا اور چارلس اور ٹائیگر ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے۔

”پھر ہم لوگ جائیں باس۔“

”ہاں تم لوگ جاؤ آرام کرو اور اس وقت کا انتظار کرو جب میں تمھیں کوئی چونکا دینے والی خبر سناؤں۔“

''شاید۔'' چارلس نے آہستہ سے کہا جسے گولیور نہ سن سکا تھا۔ اور دونوں خاموشی سے باہر نکل آئے۔

راستے میں چارلس نے کہا۔ ''وہ بہت مطمئن نظر آ رہا تھا۔''

''ہاں وہ بے حد خطرناک ہے۔'' ٹائیگر آہستہ سے بولا۔

☆

عالم پناہ دوسرے دن شام کو گھر پہنچے تھے۔ کوٹھی میں کھلبلی مچی ہوئی تھی، بچہ بچہ انہیں تلاش کرتا پھر رہا تھا نواب تمیز الدین بھی پریشان تھے۔ لیکن بہر حال عالم پناہ پہنچ گئے۔

وہ بے حد نڈھال تھے۔ ویسے راستے میں انہوں نے ایک کہانی سوچ لی تھی۔ سچی بات کسی کو بتانا ممکن نہیں تھی۔

سارا گھر اِن کے گرد جمع ہو گیا تھا۔ ''کہاں سے تشریف لا رہے ہیں صاحبزادے، کیا افریقہ واپس چلے گئے تھے۔'' تمیز الدین

صاحب نے پوچھا۔

"جی نہیں۔ میں ایک حادثے کا شکار ہو گیا تھا۔"

"نظر تو نہیں آ رہے۔" تمیز الدین صاحب نے طنزیہ کہا۔

"بھئی تمیز الدین یہ زیادتی ہے اس کی حالت خراب ہے اور تم اس سے اس طرح گفتگو کر رہے ہو۔ جاؤ میاں نہاؤ دھوؤ کھاؤ پیو۔ پھر تفصیل بتانا۔ جاؤ شاباش۔ ویسے زخمی تو نہیں ہو۔ عزیز الدین خان صاحب نے مداخلت کی۔

"نہیں ٹھیک ہوں۔" عالم پناہ مردہ سی آواز میں بولے اور اپنے کمرے کی طرف چل پڑے۔

"لڑکے اور لڑکیوں نے ان کا تعاقب کرنے کی کوشش کی تو عزیز الدین خان نے مداخلت کی۔ "نہیں بچو۔ اسے تنہا چھوڑ دو اور آرام کرنے دو، کوئی اسے پریشان نہ کرے۔" اور مجبوراً صفدر وغیرہ

رک گئے۔ بہر حال نواب صاحب فیصلہ کن لہجے میں جو بات کہتے تھے اِس میں وزن ہوتا تھا۔ البتہ شام کو کھانے کی میز پر بڑا سسپنس تھا۔ کیونکہ اس وقت عالم پناہ کی کہانی سُنی جانے والی تھی۔

شیکی اس دوران البتہ ٹھنڈی سانسیں بھرتا رہا تھا۔ صفدر نے اس کا انٹرویو لے ڈالا۔ ''آپ کے کیا تاثرات ہیں مسٹر شیکی۔''؟

''کس سلسلے میں۔''؟

''میرا خیال تھا کہ عالم پناہ کی گم شدگی سے آپ بھی پریشان تھے۔'' صفدر بولا۔

''ہاں۔ یہ حقیقت ہے۔''

''کیا احساس تھا آپ کے دل میں۔''؟

''آہ نہ پوچھو۔'' شیکی نے کہا۔

''بتا دیں تو عنایت ہوگی۔'' صفدر نے عاجزی سے کہا۔

''مجھے یہ خوف تھا کہ وہ واپس نہ آ جائے۔ اس کی گم شدگی کے حسین لمحات میری زندگی کا سرمایہ تھے۔'' شیکی نے جواب دیا تھا۔ اور اس وقت اس کا چہرہ تھکا ہوا تھا۔ گردن عالم پناہ کی بھی جھکی ہوئی تھی۔

کھانا خاموشی سے کھایا گیا۔ بڑی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ اور پھر کھانے کے بعد عزیز الدین نے پوچھا۔ ''ہاں میاں کہاں چلے گئے تھے تم۔''

''وہ پھوپھا جان۔ مجھے ایک جن لے گیا تھا۔'' عالم پناہ نے جواب دیا اور سب چونک پڑے۔

''جن۔''؟ تمیز الدین نے چونک کر کہا۔

''جی ہاں۔''

''کہاں لے گیا تھا۔''؟

''کھنڈرات میں۔''

''ارے بھائی کیسے لے گیا تھا۔اور اگر لے گیا تھا تو پھر اس نے تمہیں چھوڑ کیوں دیا۔''؟

''اس کی مرضی۔بس میں باغ میں کھڑا تھا کہ ہوا سی آئی اور جب میں نے اس تیز ہوا سے بچنے کے لئے آنکھوں پر ہاتھ رکھا تو مجھے محسوس ہوا۔جیسے میں ہوا میں اُڑ رہا ہوں۔آنکھوں سے ہاتھ اُٹھائے تو وہ میرے سامنے کھڑا تھا۔''

''اور تم کہاں تھے۔''؟

''اسی کھنڈر میں۔''

''پھر کیا ہوا۔''؟

''بس وہ مجھ سے باتیں کرتا رہا۔اِس نے بتایا کہ وہ جن ہے اور مجھے اُٹھا کر لے آیا ہے۔''

''کمال ہے، کیسے اُٹھایا ہوگا اس نے آپ کو، میرا مطلب ہے آپ تو بہت وزنی ہیں۔'' صفدر بولے بغیر نہ رہ سکا۔ اور پھر عزیز الدین خان اِسے گھورنے لگے۔ صفدر نے جلدی سے گردن جھکالی تھی، تب نواب صاحب نے کہا۔

''خاموش رہو صفدر پوری بات سننے دو۔''

''جی بہتر۔'' صفدر نے گردن جھکائے کہا۔

''ہاں میاں پھر کیا ہوا۔ اس نے تمہیں بتایا کہ وہ جن ہے۔''

''جی ہاں۔''

''کیا چاہتا تھا وہ تم سے۔''؟

''جی کچھ نہیں، ویسے تو اس نے کچھ نہیں چاہا مجھ سے۔'' عالم پناہ بولے۔

''نام کیا تھا اس کا۔'' نواب عزیز الدین خان متحیرانہ انداز میں

بولے۔

"نام۔ میرا خیال ہے میرا خیال ہے، پرویز تھا۔" عالم پناہ بول پڑے۔ اور تقریباً سب لڑکیوں کی ہنسی چھوٹ پڑی۔ نواب صاحب بھی مسکرانے لگے تھے۔

"یہ پرویز تو خاصا موڈرن نام ہے، میرا خیال ہے جنوں نے بھی اپنے ناموں میں تبدیلیاں کر لی ہیں، نزہت کہنے لگی اور نواب عزیز الدین نے گھور کر اسے دیکھا۔

"تم لوگ بات کو مذاق میں اُڑانے کی کوشش مت کرو، وہ جھوٹ نہیں بول رہا، بس اصل واقعہ کیا ہے یہ معلوم کرنا پڑے گا۔"

"بس پھوپھا جان وہ مجھ سے نجانے کیسی کیسی باتیں کرتا رہا، اور اس کے بعد میں پٹ سے گرا اور بے ہوش ہو گیا۔"

"اوہ اِس کا مقصد ہے اِس نے بڑی گندی گندی باتیں کی ہوں

گی۔" کسی طرف سے آواز آئی۔ اور نواب عزیز الدین خان نوجوان پارٹی کو گھورنے لگے، لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا تھا کہ کون بولا تھا، تب نواب تمیز الدین نے کہا۔

"بیٹے پہلی بار جھوٹ بولنے کی کوشش کی ہے تم نے، لیکن بالکل کچے ہو اور اپنی حرکت میں ناکام رہے ہو، سیدھے سیدھے بتاؤ کہاں تھے تم۔"؟

"وہ۔ وہ۔ پھو۔ پھو۔ پھوپھا جان۔ خو۔ خو خدا کی قسم۔"

"آں آں۔ قسم کھا کر میرے سامنے کوئی بات مت کرنا ورنہ تم میری عادت جانتے ہو۔"

"ارے بھئی تمیز الدین کیا ہو گیا ہے آخر تمہیں، یوں لگتا ہے جیسے تم ان بچوں کے دشمن ہو گئے ہو، کوئی نہ کوئی بات تو ضرور ہو گی، اس کا حلیہ دیکھا تھا تم نے جس وقت وہ آیا تھا۔"

''جی ہاں دیکھا تھا، کیا کر کے آئے ہیں اس کا پتہ تو بعد میں ہی چلے گا، لیکن ان لوگوں کے کردار میں ہمیشہ مشکوک رہا ہوں، سیدھی سیدھی طرح سے اُگل دو کہاں غائب رہے تھے، تھانے میں بند تھے یا کوئی چکر چل گیا تھا۔ ورنہ اگر حقیقتِ حال معلوم ہو گئی تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا۔''

''پھوپھا جان میں سچ کہہ رہا ہوں، ان کھنڈرات میں میں اپنا نام لکھ آیا ہوں صرف اس لئے کہ اگر آپ لوگوں کو یقین نہ آئے میری بات پر تو آپ لوگ وہاں میرا نام دیکھ لیں۔'' عالم پناہ نے مسمّی سی شکل بنا کر کہا اور تمیز الدین خان گردن جھٹک کر خاموش ہو گئے۔

''اِس نے تمہیں کوئی نقصان تو نہیں پہنچایا جہانگیر۔''

''جی نہیں۔ بس باتیں کرتا رہا کہنے لگا کہ مجھے بس یونہی تفریحاً اُٹھا لایا ہے۔''

"تو بتفریحاً اُٹھانے کے لئے تم ہی ملے تھے اسے۔" ایک آواز پھر سنائی دی اور عزیزالدین خان مسکراہٹ دبا کر اِس طرف دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی، لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ جملہ کس نے کہا تھا۔

بزرگوں نے اس بات پر یقین کیا یا نہیں کیا۔ بہر حال تھوڑی دیر کے بعد کھانے کے کمرے سے عالم پناہ کی جان چھوٹ گئی۔

لیکن اصل شامت تو اب آئی تھی۔ لڑکے اور لڑکیاں ایک جلوس کی شکل میں اُنہیں لے گئے تھے اور کوٹھی کے دوسرے حصے میں لے گئے تھے تاکہ بزرگوں سے محفوظ رہیں۔

"اب کُھل جاؤ عالم پناہ۔" صفدر نے کہا۔

"صفدر بھائی ایک عرض ہے۔" عالم پناہ مدہم لہجے میں بولے

"فرمایئے۔"؟

''مجھے عالم پناہ نہ کہیں۔''

''ایں۔''؟ سب حیرت سے اُچھل پڑے۔ شیکی بھی چونک کر انہیں دیکھنے لگا۔

''ہاں۔ مجھے عالم پناہ نہ کہیں۔ میرا نام۔ ارے باپ رے، مجھے اپنا نام بھی بدلنا پڑے گا۔''

''خدا خیر کرے۔ آثار تو اچھے نہیں ہیں۔'' صفدر تشویش زدہ لہجے میں بولا۔ پھر کہنے لگا۔ ''نام کیوں بدلیں گے آپ۔''

''بس بدلنا پڑے گا۔ اور آپ لوگ مجھے کسی اور نام سے پکارا کریں۔ جہانگیر نام ٹھیک نہیں ہے۔ یہ ایک مغل بادشاہ کا نام تھا نا۔''؟

''ہاں تو پھر۔''

''بس اس نام سے نور جہاں ہو جاتی ہے۔'' عالم پناہ بے اختیار

بول پڑے۔

''اوہ۔تو آپ کو نور جہاں ہوگئی تھی۔'' صفدر نے کہا اور قہقہوں کا طوفان اُمڈ پڑا۔

''کیا آپ لوگ صرف کسی کا مذاق اُڑا سکتے ہیں ہمدردی سے کسی کی حالت پر غور نہیں کر سکتے۔''؟ عالم پناہ نے کہا۔ اور سب چونک کر خاموش ہوگئے۔

''میں نے اپنا نام بدل دیا ہے، اپنی فطرت بدل دی ہے، آپ لوگ میرا مذاق نہ اُڑائیں۔''

''نیا نام کیا ہے آپ کا۔''؟

''یہ بعد میں فیصلہ کرلیا جائے گا۔ بہر حال اب میں جہانگیر نہیں ہوں۔ اور۔ بی بی ذراہٹ کر بیٹھیں اب مجھے لڑکیوں سے وحشت ہونے لگی ہے۔'' عالم پناہ نے نزہت سے کہا جوان کے قریب بیٹھی

ہوئی تھی اور نزہت جھینپ کر پیچھے ہٹ گئی۔ لیکن شیکی کا چہرہ مسرت سے کھل اُٹھا تھا۔

''اماں واقعی جہانگیر بھائی۔''؟ وہ مسرت سے بولے۔

''ہاں۔ میں سچ بول رہا ہوں۔''

''کمال ہے۔ کمال ہے۔'' سب نے بیک وقت کہا۔

''تو اب نوشاب کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔''؟ صفدر نے سوال کیا۔

''میں نے اس بے چاری کا ہمیشہ مذاق بنوایا ہے۔ حالانکہ وہ میری بہن ہے۔ خدا مجھے معاف کرے۔''

''اور تنویر۔'' شیکی جلدی سے پوچھا اور پھر زبان دبالی۔

''تنویر بھی میری بہن ہے۔'' جہانگیر عالم پناہ نے کہا اور شیکی شدتِ جذبات سے بے قابو ہو کر عالم پناہ سے لپٹ گیا۔

’’میں تمہاری شان میں ایک نغمہ گانا چاہتا ہوں جہانگیر۔ دوستو
مجھے اجازت دو۔‘‘

’’اگر زیادہ گڑبڑ کی شکی صاحب تو آپ کو آپ کی دلربا کے ساتھ
اُٹھا کر باہر پھینک دیا جائے گا خاموشی سے بیٹھیں۔‘‘

’’اوہ۔ میں تو اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔‘‘

’’آپ۔‘‘؟ صفدر نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

’’جی۔ آپ لوگ تو جمعہ جمعہ آٹھ دن سے جہانگیر کو جانتے
ہیں۔ میرا اور اس کا بچپن کا ساتھ ہے۔‘‘

’’اوہ اچھا۔ اور اِس سے قبل آپ کیا فرما رہے تھے۔ آپ کو خوف
تھا کہ یہ واپس نہ آ جائیں۔‘‘ صفدر نے کہا۔

’’مم۔ مذاق نہ کیا کریں ہر وقت صفدر بھائی۔ پلیز ایسی باتیں نہ
کریں۔‘‘

''تو پھر خاموش بیٹھو۔''

''تو میں کیا کہہ رہا ہوں۔'' شیکی نے کہا۔ اِسے جذبات پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔ عالم پناہ اب تنویر کو بہن سمجھتا ہے یہ بات بڑی دل خوش کن تھی۔ اور شیکی اس مسرت کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔ بہر صورت شیطانوں کی ٹولی میں تھا اس لئے اسے خاموش بیٹھنا پڑا۔ بہر صورت اس کی درزیدہ نگاہیں بار بار تنویر کی جانب اُٹھ جاتی تھیں، تنویر نے البتہ اِس دوران ایک بار بھی اُس کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ سب کے سب عالم پناہ کی جانب متوجہ تھے۔

''تو عالم پناہ۔ مم.... میرا مطلب ہے جہانگیر صاحب آپ ہمیں بھی بچی بات نہیں بتائیں گے۔''

''کیا مطلب۔''؟

''میرا مطلب ہے کہ ہم تو کم از کم اِس بات کو نہیں مان سکتے کہ

کوئی جن آپ کو اُٹھا کر لے گیا تھا۔"

"تو آپ لوگ نہ مانئے۔ میں کیا کر سکتا ہوں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"وہ کھنڈرات کہاں ہیں جن پر آپ اپنا نام لکھ آئے ہیں۔" کسی نے پوچھا۔

"میں اُس جگہ کا نام تو نہیں بتا سکتا، البتہ آپ کو اُس جگہ تک لے جا سکتا ہوں۔"

"تو اِن کھنڈرات میں آپ رات بھر بے ہوش پڑے رہے۔"

"جی ہاں۔"

"پھر اِس کے بعد۔"

"بس اِس کے بعد کیا ہونا تھا۔ جب میں ہوش میں آیا تو میری حالت بے حد خراب تھی۔ وہاں سے آنے کے لئے کوئی سواری بھی

نہیں مل سکی، چنانچہ میں پیدل چل پڑا۔ پیدل چلتا ہوا میں ایک چھوٹی سی بستی میں پہنچ گیا۔ جو میرے لئے اجنبی تھی۔ بستی میں پہنچ کر مجھے پتہ چلا کہ میں نے غلط رُخ اختیار کیا ہے شہر تو دوسری جانب ہے۔ چنانچہ میں نے پھر واپسی کا سفر شروع کیا اور پیدل چلتا ہوا گھر تک پہنچ گیا۔"

"اُفوہ۔ گویا آپ یہاں تک پیدل آئے تھے۔" صفدر نے پوچھا۔

"جی ہاں۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"اور جن صاحب سے آپ کی کیا کیا باتیں ہوئیں۔" صفدر نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہوئیں، لیکن جن صاحب نے ایک بات اور کہی تھی۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"وہ کیا۔"؟

"وہ یہ کہ اُن کے اور میرے درمیان کی گفتگو کسی غیر کو نہ بتائی جائے۔ ورنہ مجھے نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔" عالم پناہ نے کہا اور صفدر نے معنی خیز انداز میں گردن ہلائی۔

"زندگی میں پہلی بار آپ نے کوئی عقل کا کام کیا ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"میرا مطلب ہے کہ آپ کے یہ الفاظ ذہانت سے بھرپور ہیں۔" صفدر نے کہا۔

"بس اب مجھے اجازت دیں۔ آرام کرنا چاہتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ میری ذات سے کسی کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔" عالم پناہ بولے اور پھر ان سب روکنے کے باوجود وہ نہ رُکے اور سیدھے اپنے کمرے میں پہنچ گئے۔

درحقیقت ان کی طبیعت پر بے حد خوف طاری تھا۔نور جہاں
کے نام سے جو شخصیت ان پر مسلط ہو گئی تھی وہ بے حد خوف ناک تھی
یاد کرتے تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔وہ کبھی مردانہ آواز میں بولتی
تو کبھی زنانہ آواز میں،نجانے کیا چیز تھی وہ،اور وہ خود نجانے کیسے
خوفناک حالات کا شکار ہو گئے تھے۔بہر صورت یہ انہوں نے سوچ لیا
تھا کہ عورت کا چکر ہی غلط ہے نہ اس عورت کو دیکھ کر وہ بے وقوف بنتے
اور نہ ہی ان کی یہ حالت ہوتی،اگر ان کھنڈرات میں اُنہیں قتل بھی کر
دیا جاتا تو شاید کسی کو پتہ بھی نہ چلتا۔چنانچہ لعنت بھیجی تھی انہوں نے
عورت پرستی پر اور اب صحیح معنوں میں وہ ایک اچھے انسان بننے کی
کوششوں میں مصروف تھے۔پھر دروازے پر دستک سنائی دی تو وہ
چونک کر دروازے کی طرف دیکھنے لگے۔

''میں تنہائی چاہتا ہوں براہِ کرم مجھے پریشان نہ کریں۔''

''جہانگیر بھائی دروازہ تو کھولو، میں تمہارا دوست ہوں شیکی۔''

شیکی نے کہا اور جہانگیر نے مجبوراً دروازہ کھول دیا۔

شیکی ہمدردانہ شکل بنائے اندر داخل ہوگیا۔ ''جہانگیر بھائی میں تمہارے لئے بہت غمزدہ ہوں۔''

''بس بس بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو، میں تمہارے اندرونی جذبات کو بخوبی جانتا ہوں۔'' جہانگیر عالم پناہ نے کہا۔

''آپ بلاوجہ میری طرف سے بدظن ہیں، حالانکہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔''

''کوئی خاص کام ہے اِس وقت۔''

''نہیں بس عیادت کو آ گیا تھا۔'' ''آپ نے تو تنویر کو بھی نہیں بتایا۔''

''ہاں اب تمہیں آزادی ہے بس اس سے زیادہ میں اور کچھ نہیں

کہوں گا۔" عالم پناہ نے کہا اور شیکی مسرت سے مسکرانے لگا۔

دوسری طرف لڑکے اور لڑکیاں آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔ بالآخر ایسی کون سی بات ہوئی کہ عالم پناہ کے مزاج ٹھکانے آگئے۔ جو کچھ اس نے کہا ہے وہ سچ تو نہیں ہے۔ صفدر کہہ رہا تھا۔

"میرا خیال ہے اس یار وہ بڑے سلیقے سے جھوٹ بول رہا ہے۔ لیکن اس سے حقیقت اُگلوانا پڑے گی۔"

"اور یہ کام تنویر کر سکتی ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟ تنویر اُچھل پڑی۔

"ارے کیا تمہارے اوپر قیامت نہیں ٹوٹ پڑی، یہ سن کر اس نے تمہیں بہن بنا لیا ہے۔" صفدر آنکھیں نکال کر بولا۔

"خدا نہ کرے۔ لعنت ہے اس پر۔"

"نہیں تنویر۔ تم بہت افسردہ ہو۔ تم اس سے کہو گی کہ تم خودکشی کر

لوگی تم اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں تنویر۔''

''صفدر بھائی زبان کو لگام دیں۔'' تنویر غرائی۔

''بس تو پھر کھیل ختم کرو۔اور آرام کرو۔میں ان حالات سے دستبردار ہوتا ہوں۔''

''یہ نہیں ہو سکتا۔تنویر کو قربانی دینا پڑے گی۔''

''تو کروں گی کیا میں آخر۔''؟ تنویر جھلا کر بولی۔

''اب تم کھلم کھلا عالم پناہ سے پیار کرو گی اور شکی سے نفرت۔!'' صفدر نے کہا۔

''اب یہ ڈرامہ ہوگا۔''؟

''جی ہاں۔ضروری ہے۔'' صفدر نے فیصلہ کن انداز میں گردن ہلا دی۔

زندگی کا لطف آ گیا تھا۔ زاہد ظفر نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ وہ سقے کا
کام بھی کرے گا۔ لیکن چار بھائی نگراں تھے۔ ایک سے زیادہ ایک
خونخوار تھا۔ اور زاہد اس بُرے وقت سے گزر رہا تھا۔ کندھے ٹوٹ
گئے تھے مشک اُٹھا اُٹھا کر۔ پوری بستی کا پانی بھرنا پڑتا تھا اور اس کے
عوض دو تین روپے جمع ہو جاتے تھے۔ جنہیں وہ اپنی پیاری بھینس
کے ہاتھوں میں رکھتا تو وہ خوشی سے پھولی نہ سماتی۔

سینکڑوں ترکیبیں سوچی تھیں۔ اور پھر ایک دن اِس نے اس
تجویز پر عمل بھی کیا۔

"حسینہ۔" وہ پیار بھرے لہجے میں بولا۔

"کیا ہے۔"؟

"مجھے افسوس ہے حسینہ کہ میں تمہارے لئے کچھ نہیں کرسکتا،
میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمہارے لئے زیورات بنواؤں، عمدہ عمدہ

کپڑے پہنا کر تمہیں شہزادی بنا دوں۔''

''کیا اب میں شہزادی نہیں لگتی کیا۔''؟

''تم ملکہ لگتی ہو۔ مگر بس یہ میرا خیال ہے۔''

''ٹھیک ہے سب۔ مجھے بس تیری ضرورت ہے غفورے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر میرے دل میں ایک اور خیال ہے۔''

''کیا۔''؟

''میں شہر جا کر نوکری کروں۔''

''مجھے چھوڑ جائے گا۔''؟

''ارے نہیں۔ ہم دونوں شہر چلیں گے۔ ایک عمدہ سا گھر لیں گے اور۔''

''نہیں نہیں۔ میں یہ بستی نہیں چھوڑوں گی۔ میں اپنے بھائیوں کو نہیں چھوڑوں گی۔'' وہ بولی۔

''تو پھر تم اجازت دو تو میں شہر چلا جاؤں۔''

''وہاں جا کر بہت ساری دولت کماؤں گا، تمہارے لئے عمدہ عمدہ زیور بنواؤں گا تھوڑے دنوں کے بعد پھر واپس آ جاؤں گا۔'' زاہد ظفر نے کہا اور موٹی حسینہ کے گالوں پر آنسو لڑھکنے لگے۔

''نہیں نہیں تو ہی میرا زیور ہے۔ تو ہی میرا گہنا ہے۔ بس تو میرے ساتھ رہ، میرے لئے یہی کافی ہے، تو یہاں جو کچھ کما کر مجھے دیتا ہے میں اسی میں خوش ہوں۔ مجھے کچھ اور نہیں چاہیئے۔''

''لعنت ہے تجھ پر۔'' زاہد ظفر دل ہی دل میں بڑبڑانے لگا۔ لیکن حسینہ بدستور روتی رہی۔

''میں تجھے نہیں جانے دوں گی، میں تجھے کبھی نہیں جانے دوں گی غفورے۔''

''حسینہ تو نے میری کبھی تسلی نہیں کی، تو نے یہ بات مجھے کبھی نہیں

بتائی کہ تیری اور غفورے کی شادی آخر کس طرح ہوئی اور یہ غفورے کم بخت کون تھا اور کہاں مر گیا۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"ایں، کیا کہہ رہا ہے تو۔"؟

"اری کچھ نہیں، بس ایسے ہی خود سے باتیں کرنے لگتا ہوں، ٹھیک ہے میں جا رہا ہوں، کاکا دینو کے ہاں پانی ڈالنا ہے۔" زاہد ظفر نے اپنی یہ کوشش ناکام دیکھ کر کہا اور مشک لے کر خود کو کوستا ہوا باہر نکل گیا۔

بہت دور ایک مجمع لگا ہوا تھا جہاں سے ڈھول بجنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ یہ مجمع بستی کے آخری سرے پر تھا۔ نجانے کیوں اس کا دل چاہا کہ جا کر دیکھے کہ اس مجمع میں کیا ہو رہا ہے۔ اُس طرف زاہد ظفر کبھی نہیں گیا تھا۔ بہر صورت اُس وقت تک اُس پر کوئی پابندی نہیں تھی۔ جب تک کہ وہ اس بستی کی سرحد سے باہر نکلنے کی

کوشش نہ کرتا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اس مجمع سے نزدیک پہنچ گیا۔ خاصا طویل فاصلہ تھا لیکن اُسے اندازہ ہو گیا کہ کوئی کھیل تماشہ ہو رہا ہے۔ نہایت ہی بھونڈے انداز میں اُسے گانے کی آواز سنائی دے رہی تھی،
بہر صورت وہ آہستہ آہستہ بڑھتا ہوا اُس جگہ تک پہنچ گیا جہاں مجمع لگا ہوا تھا۔

مجمع میں ہنسی مذاق اور قہقہے اُبھر رہے تھے اور اندر سے ایک بھونڈی آواز سنائی دے رہی تھی جس میں ایک فلمی گانے کا ستیاناس کیا جا رہا تھا۔

اس نے آگے بڑھ کر اپنے لئے جگہ بنا لی اور رقص کرنے والوں کو دیکھنے لگا وہ زنخے تھے، زنانہ لباس پہنے ہوئے تھرک رہے تھے۔ دو تین تھے۔ لیکن پھر ایک زنخے پر زاہد ظفر کی نگاہ پڑی اور وہ بُری طرح

اُچھل پڑا۔ اُسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا اور وہ پھٹی پھٹی
نگاہوں سے اس حیرت ناک منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کا اندازہ غلط
نہیں تھا تو یہ نصیبو تھا۔ ہاں وہی نصیبو، وہی خطرناک شخص جو بہت بڑا
بلیک میلر تھا۔ لیکن اس وقت وہ زنخوں کے گروہ میں اُن کے ساتھ ناچ
گا رہا تھا وہ ڈھول بجا رہا تھا اور اس کے قریب ایک زنخہ ناچ رہا تھا۔

زاہد ظفر احمقوں کی طرح کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ دفعتاً کسی نے اُس
کے بازو میں چٹکی لی اور وہ سسکی سی لے کر اُچھل پڑا۔ اُسے یہی
احساس ہوا تھا کہ شاید حسینہ یہاں آ گئی۔ پلٹ کر اس نے چٹکی لینے
والے کو دیکھا اور ایک بار پھر اس کے ذہن کو ایک شدید جھٹکا لگا۔

یہ مسز درانی تھی، سو فیصدی مسز درانی جو خانہ بدوشوں کے لباس
میں تھی اور اُس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات تھے۔

"تم۔"؟ زاہد ظفر کے منہ سے نکلا۔

''اور تم۔''؟ مسز درانی سرگوشی کے انداز میں بولی۔

''تم یہاں کہاں۔''؟

''یہی سوال میں تم سے بھی کر سکتی ہوں۔''

''جواب میں۔ میں تمہیں طویل کہانی سناؤں گا۔''

''اوہ، اس کا موقع نہیں ہے۔''

''مگر تم، مسز درانی تم۔''؟ زاہد ظفر بوکھلائے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔

''تمہیں دیکھ کر بھی اتنی ہی حیرت ہوئی ہے زاہد۔ مجھ پر جو بیتی ہے تم تصور نہیں کر سکتے۔''

''یہ دیکھو۔'' زاہد ظفر نے مشک اس کے سامنے کر دی۔

''ارے۔ یہ کیا ہے۔''؟

''مشک۔''

”کیا مطلب۔“؟

”اِس وقت میں غفور سے سقہ ہوں۔“

”کیا۔“؟ مسز درانی بے اختیار ہنس پڑی۔

”اور پورے ایک ٹن وزنی عورت کا شوہر ہوں۔“

”خدا کی پناہ۔ سنو زاہد۔ اسے دیکھ رہے ہو۔“

”ہاں اسے ہی دیکھ رہا تھا۔ کیا وہ سہیل نہیں ہے۔“

”لاکھوں میں پہچان سکتی ہوں میں۔ اور زاہد میری نند اسی طرف آرہی ہے۔ سنو جلدی سے کہیں ملنے کا وعدہ کرو۔ میں پہنچوں گی کیا تم بھی اسی بستی میں ہو۔“

”ہاں۔“

”کس جگہ۔“؟

”اِس کے آخری سرے پر۔“

"آہ زاہد کچھ کرو، ورنہ میں تو مر جاؤں گی۔ سنو وہ پیپل کا درخت دیکھ رہے ہو۔"

"کون سا۔"؟

"وہ جو اینٹوں کے بھٹے کے پاس ہے۔"

"ہاں۔"

"رات کو بارہ بجے کے بعد کسی بھی وقت۔ ساری رات انتظار کرنا زاہد۔ میں ضرور آؤں گی خواہ مجھے کشت وخون کیوں نہ کرنا پڑے۔"

"او کے۔ میں بھی پہنچوں گا! اور پھر وہ دونوں نصیبو کو دیکھنے لگے۔ جو لہک لہک کر ڈھول بجا رہا تھا۔ اِس کی یہاں موجودگی بھی معمولی بات نہیں تھی۔ انہوں نے یہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا۔ اب وہ وہاں سے ہٹ گئے۔ لیکن دونوں کی بُری حالت تھی۔ زاہد ظفر

پاگلوں کے انداز میں سوچ رہا تھا۔ ذہین انسان تھا اور کافی چست و چالاک بھی تھا۔ وہ تو حالات اور واقعات نے دماغ کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں۔ ورنہ اس قدر بدحواس نہ ہوتا۔

دن بھر وہ پانی بھرتا رہا۔ اس کا دل رات کے تصور سے دھڑکنے لگا تھا۔ مسز درانی کو اس نے جس حال میں دیکھا تھا وہ عجوبہ تھا اور پھر نصیبو بھی یہاں موجود تھا۔

"نصیبو۔۔۔" اس نے گہری سانس لے کر سوچا۔ تم ہماری توقع سے بہت آگے ہو استاد۔ غلطی ہو گئی کہ مسز درانی کی باتوں میں آ گئے۔ بہرحال اگر اس بار جاں بخشی ہو گئی تو آئندہ تم سے انحراف نہیں کریں گے اس نے آخری فیصلہ کر دیا۔

رات ہو گئی۔ پہاڑی بلا اس پر مسلط تھی۔ اس کا موٹا ہاتھ کسی درخت کی شاخ کی مانند زاہد ظفر کی گردن سے لپٹا ہوا تھا۔ اور وہ

خوفناک خراٹے لے رہی تھی۔

زاہد ظفر دن میں تیاریاں کر چکا تھا۔ اِس نے باہر کی آوازیں سنیں۔ رات خوب گہری ہو گئی تھی اور بستی نیند کی آغوش میں پہنچ چکی تھی۔

اِس نے شاخ کو آہستہ سے گردن سے ہٹایا اور وہ جاگ گئی۔ ''کیا ہے رے۔'' اِس نے پوچھا۔

''وہ ذرا۔''

''کیا ذرا۔ چین نہیں ہے تجھے بھی۔''

''بس ابھی آیا۔ ذرا کونے میں جا رہا ہوں۔'' زاہد ظفر نے کہا۔ اور شاخ اس کی گردن سے ہٹ گئی۔ لیکن یہ حل نہیں تھا۔ چند لمحات کے بعد ہی وہ ہنگامہ کر دے گی اور اس ہنگامے سے نمٹنا مشکل ہو جائے گا۔ چاروں پہلوان اس کی تلاش میں دوڑ پڑیں گے۔ اِس لئے

وہ کاروائی ضروری تھی جو اس نے دن میں سوچ رکھی تھی۔ چنانچہ حسینہ کی پشت پر پہنچ کر اس نے کپڑ دھونے کی موگری اُٹھالی اور خاصی قوت سے اس کے سر پر دے ماری تھی۔

''ارے میرے مولا۔'' ایک دھاڑ نکلی، لیکن زاہد ظفر اس کے لئے تیار تھا۔ اس نے پھرتی سے اس کا منہ بھینچ لیا۔ اور اب وہ اس تو دے پر چڑھ بیٹھا تھا۔ دوسری موگری نے اس کی مشکل حل کر دی۔ تو دے نے دو تین ہاتھ مارے اور ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے بعد زاہد ظفر دوسرے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ اس نے رسی سے اس دیونی کو کس کر باندھا۔ بڑی مشکل سے حلق چیر کر اس میں دوپٹہ ٹھونسا۔ اس دوران وہ بُری طرح ہانپ گیا تھا۔

لیکن رہائی کے تصور سے اسے خوشی بھی تھی۔ بشرطیکہ اس وقت تقدیر ساتھ دے جائے۔ اپنے کام سے فارغ ہو کر اس نے موگری

اُٹھائی۔ اسے وہ احتیاط کے ساتھ لے کر باہر نکل آیا۔ یہ موگری اس وقت اس کے لیے ہتھیار کی حیثیت رکھتی تھی اور بہت قیمتی شہ تھی۔

جھونپڑے کے عقب میں پہلوان خراٹے لے رہے تھے۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے زاہد ظفر کے دل میں پنکھے لگ گئے تھے۔ لیکن تقدیر آج اس پر مہربان تھی۔ وہ ان کے درمیان سے نکل آیا۔ اور جب وہ اس جگہ سے کافی دور نکل آیا تو اس کی ہمت بڑھ گئی۔ پھر جو سرپٹ دوڑا تو پیپل کے درخت کے پاس ہی جا کر دم لیا۔

مسز درانی وہاں موجود تھی۔ ''زاہد۔'' اس نے آواز دی۔

''میں ہی ہوں۔'' زاہد ظفر سرگوشی کے انداز میں بولا۔

''کیا خیال ہے زاہد۔''

''کیا مطلب۔''؟

''فرار ہونے کی ہمت ہے۔''

''میں کشتیاں جلا کر آیا ہوں۔''

''میں نہیں سمجھی۔''؟

''سمجھانے کے لئے طویل وقت درکار ہے اس وقت یہاں سے نکل چلو۔ مگر راستے کا کوئی تعین ہے۔''؟

''کوئی نہیں۔''

''بہر حال اللہ مالک ہے۔ اس بستی کے کسی بھی دوسرے رُخ پر نکل چلو، بعد میں جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔!'' زاہد ظفر نے کہا۔ اور دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ بس ایک رُخ اختیار کر لیا تھا۔ اور کسی سمت کا کوئی تعین نہیں تھا۔

دونوں خاموشی سے چلتے رہے۔ اور پھر دونوں کو ایک ساتھ ہی خیال آیا اور انہوں نے ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر دوڑنا شروع

کر دیا۔ زاہد ظفر اور مسز درانی اچھے خاصے لوگ تھے۔ لیکن اس وقت وہ جس حُلیئے میں تھے اور جس انداز میں دوڑ رہے تھے وہ بہت مضحکہ خیز تھا، بہر صورت وہ اس وقت تک دوڑتے رہے جب تک ان میں دوڑنے کی ہمت رہی، کیونکہ جانتے تھے کہ ذرا سی لغزش انہیں ایک بار پھر اس مصیبت میں پھنسا سکتی ہے۔ اس لئے جان توڑ کر دوڑ رہے تھے اور جلد از جلد بستی سے نکل جانا چاہتے تھے۔ جس علاقہ میں وہ دوڑ رہے تھے وہ چٹیل علاقہ تھا نیچے سنگلاخ پہاڑی میدان دکھائی دیتا تھا۔ اور اُن کے پاؤں پتھروں سے زخمی ہوئے جا رہے تھے۔ دونوں ہی ننگے پاؤں تھے کیونکہ جوتوں کا یہاں کوئی تصور نہیں تھا۔ دفعتاً زاہد ظفر نے مسز درانی سے کہا۔

"تمہاری رفتار کچھ سست ہو رہی ہے۔"

"آہ چلتے رہو، چلتے رہو تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اُسے تو برداشت

کرنا ہی ہوگا۔''مسز درانی نے کراہتے ہوئے کہا۔

''میرا خیال ہے ہم کافی دور نکل آئے ہیں۔''

''ہاں۔وہ سامنے درختوں کے جھنڈ نظر آرہے ہیں۔غالباً جنگل ہے۔''مسز درانی نے کہا۔

''تو کیا جنگل میں داخل ہو جاؤ گے۔''؟

''میرا خیال ہے خطرناک ہوگا، کیونکہ ہمیں نہیں معلوم کہ یہ علاقہ کون سا ہے۔''؟

''تو پھر یوں کرتے ہیں کہ بائیں سمت اختیار کر لیتے ہیں اب جب تقدیر پر بھروسہ کیا ہی ہے تو پھر تقدیر جہاں کہیں بھی لے جائے، میں تو ساری کشتیاں جلا کر آئی ہوں۔شاید میرے ہاتھوں سے خون بھی ہو گیا ہے۔''مسز درانی نے کہا۔

''خون۔''؟ زاہد ظفر چونک کر بولا۔

"ہاں۔ میرا خیال ہے کہ میں نے خون کر دیا ہے۔"

"کس کا۔"؟

"اپنے شوہر کا۔" مسز درانی نے کہا اور ہنس پڑی۔ زاہد ظفر سر کھجانے لگا تھا۔ اور پھر اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"گویا اس نے تمہارا ابھی پورا پورا خیال رکھا تھا۔ ویسے مسز درانی مجھے ایک خدشہ اور ہے کہیں نصیبو اس وقت بھی ہمارے پیچھے نہ ہو۔ ہم ان لوگوں کی نگاہوں سے تو بچ سکتے ہیں۔ لیکن نصیبو۔ جب کہ وہ ہمارے قریب موجود ہے۔"

"خدا کے لئے اس بھوت کا نام نہ لو۔ وہ ہماری زندگیوں سے چمٹ گیا ہے۔ اور ہماری جان لئے بغیر نہ چھوڑے گا۔ چلتے رہو اور اگر وہ مجھے مل جائے تو ہم۔۔۔ زندگی میں آخری بار خلوصِ دل سے معافی مانگ لیں گے اس سے۔" مسز درانی نے کہا۔

"کمال ہے۔ میرے اور تمہارے خیالات کس قدر ملتے جلتے ہیں۔"

"تم بھی یہی سوچ رہے تھے۔"

"ہاں۔" زاہد ظفر نے کہا۔ دونوں پھر خاموش ہو گئے۔ وہ اب بھی دوڑ رہے تھے لیکن دونوں کے سانس بُری طرح پھول رہے تھے۔ پھر مسز درانی کی رفتار سُست ہو گئی۔ ابھی درختوں کے جھنڈ ان کے پاس ہی تھے۔

"اب نہیں دوڑا جاتا۔" مسز درانی نے کہا۔

"درخت پر چڑھنا جانتی ہو۔"؟

"نہیں۔"

"میں سہارا دوں گا کوشش کرو۔ ہم زمین پر آرام نہیں کر سکتے۔ کسی درخت کو تلاش کر کے اس پر رات بسر کر دیں گے۔ بلکہ دن بھی

بسر کریں گے تاکہ ان خانہ بدوشوں کی سرگرمیاں کم ہو جائیں۔"

"ٹھیک ہے۔" مسز درانی نے گہری سانس لے کر کہا۔ اور زاہد ظفر جنگلوں میں داخل ہو گیا۔ تھوڑی ہی دور انہیں ایک درخت مل گیا۔ اور چند لمحات کے بعد وہ اس کی موٹی شاخوں پر بیٹھے اپنی سانسیں درست کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

اس کام میں انہیں کافی دیر لگی تھی! اس کے بعد مسز درانی نے اس خاموشی کو توڑا۔

"تم صبح کو کس حلیے میں تھے زاہد۔"؟

"غفورے سقّے کے حلئے میں۔ اس بستی کے گھروں میں پانی بھرنا میرا کاروبار تھا۔"! زاہد ظفر نے کہا اور مسز درانی بے اختیار ہنس پڑی۔

"تم ہنس رہی ہو میری اس دُرگت پر۔"؟

”کوئی بیوی تو نہیں تھی تمہاری۔“؟

”خدا کے لئے اس قہر خداوندی کو یاد نہ دلاؤ، میں اس درخت سے نیچے گر پڑوں گا۔“ زاہد ظفر نے کہا۔ اور مسز درانی آنکھیں بند کئے کئے ہنسنے لگی۔

”کون تھی وہ۔“؟

”ڈیڑھ من وزنی حسینہ۔“ زاہد نے کہا اور اپنی کہانی دوہرا دی۔ مسز درانی مسلسل ہنستی رہی تھی۔ زاہد کے خاموش ہونے کے بعد اس نے بخشو کے بارے میں بتایا اور بولی۔

”تمہیں نہ دیکھتی زاہد۔ تو پھر شاید کچھ عرصہ کے بعد خود کو بھول جاتی۔ مجھے اس زندگی سے سکون مل رہا تھا۔ لیکن یہ خیال بھی میرے دل میں تھا کہ یہ زندگی بھی عارضی تھی۔ کیونکہ ہمارے سروں پر ایک بھوت مسلط ہے۔ نصیبو۔ نصیبو۔ نصیبو۔!! درختوں کی پتیاں سرسرا رہی

تھیں اور تاریکی میں ایک ہی آواز اُبھر رہی تھی۔ نصیبو۔"

☆

دونوں کے دل خوف و دہشت سے لرز رہے تھے۔ ہواؤں کی سرگوشیاں ان کے بدن میں کپکپی پیدا کر رہی تھیں، انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ نصیبو ہزار آنکھوں سے ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ زاہد ظفر کا چہرہ بھی خشک ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کا خوف مسز درانی کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ نہ رہ سکا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے لیکن ایسے عالم میں جیسے ان کی نگاہیں یہاں ہوں اور خیالات دور کہیں۔ آنکھوں کے سامنے بس ایک چہرہ تھا۔ ایک حسین اور معصوم چہرہ جسے دیکھ کر بس پیار کرنے کو جی چاہتا تھا۔ کوئی بھی اس چہرے کو دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کے پسِ پردہ کوئی بھیانک شخصیت ہو گی۔ مسز درانی نے جرائم کی زندگی میں ایک عمر گزاری تھی۔ لیکن یہاں وہ محسوس کر رہی تھی

کہ ساری زندگی گھاس کھودی ہے اور اسے انسانوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔

خاموشی طویل ہو گئی تو دونوں بیک وقت چونکے۔ ایک دوسرے کو محسوس کیا اور پھر ایک خوفزدہ سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر پھیل گئی۔

"کیا سوچ رہے ہو زاہد۔"؟ مسز درانی نے سوال کیا۔

"میرے اندر ایک خوبی یا خرابی ہے مسز درانی۔" زاہد ظفر نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا۔"؟

"ساری زندگی اپنے سوا کسی کو تسلیم نہیں کیا۔ اگر کیا تو پھر خود کو اس سے کم تر سمجھا نہیں اس کی خوبیوں کا احترام کیا اور شاید ایسی کوئی شخصیت اس سے قبل میری زندگی میں نہیں آئی۔ نصیبو ایک آئیڈیل ہے۔"

"اوہ زاہد! اس بے باکی سے اس کا نام نہ لو۔ اس نام کو سن کر بدن میں پھریریاں دوڑ جاتی ہیں۔" مسز درانی کپکپائی ہوئی آواز میں بولی۔ "میں دوسری بار اس کی سزا کا شکار ہوئی ہوں۔"

"دوسری بار۔۔۔"؟ زاہد سوالیہ انداز میں بولا۔

"ہاں دوسری بار۔" مسز درانی نے گہری سانس لے کر کہا۔ اس کی آنکھیں خیالات میں ڈوب گئی تھیں۔ اسے پہلی۔۔۔ سزا یاد آ رہی تھی اور زاہد ظفر سوالیہ انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔

"پہلی بار کیا سزا ملی تھی مسز درانی۔"؟

"بہت خوفناک۔ شدید ترین ذہنی بحران کا شکار کر دیا تھا اس نے مجھے۔ آہ۔ وہ خوفناک لمحات میں کبھی نہ بھول سکوں گی۔ جب میں شدید بے بسی کا شکار تھی۔ وہ خوفناک انسان، میں انہیں مرد یا عورت نہیں کہوں گی، البتہ انسان کہنا پڑے گا انہیں۔ یہ دونوں خوفناک

انسان ناچ رہے تھے، گا رہے تھے اور وہ بیٹھا ڈھول بجا رہا تھا۔ یہ لوگ ساری رات ہنگامے کرتے رہے اور انہوں نے مجھے سونے نہ دیا۔ تم اس اذیت ناک رات کا تصور بھی نہیں کر سکتے ظفر۔ خدا کی قسم موت اس سے بدرجہا بہتر تھی۔ میں سونا چاہتی تھی۔ مجھے سخت نیند آ رہی تھی۔ لیکن ڈھول بج رہا تھا اور وہ اپنی بھونڈی آواز میں گا رہے تھے اور ڈھول بج رہا تھا۔

اور اس کے بعد میری ملاقات ایسے لوگوں سے ہوئی جو بدمعاش تھے۔ قاتل تھے۔ لیکن اس کے ہاتھوں بے بس تھے اور اس کی غلامی کے لئے مجبور تھے۔ وہ شیطان ہے زاہد۔ وہ مکمل شیطان ہے۔''

زاہد ظفر منہ پھاڑے سن رہا تھا۔ پھر اس نے گھمبیر آواز میں کہا۔

''اس کے باوجود تم نے مجھے بھی اس کے جال میں پھنسا دیا۔''

''کیا تم اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے۔''؟

”کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔“ زاہد ظفر نے کہا۔

”کیوں۔۔۔ آخر کیوں وہ تمہیں بلیک میل کر رہا تھا۔“؟

”مسز درانی۔ میں بس ذرا پاگل قسم کا آدمی ہوں۔ ہنگاموں سے دور رہتا ہوں۔ کسی سے دشمنی مجھے بالکل پسند نہیں ہے۔“

”حالانکہ تمہارے بارے میں مجھے جو رپورٹیں ملی ہیں وہ کچھ اور ہیں۔“ مسز درانی نے کہا۔

”مثلاً۔“ زاہد ظفر نے طنز سے پوچھا۔

”یہی کہ زاہد ظفر لومڑی کی طرح چالاک، شیر کی نڈر اور چیتے کی طرح پھرتیلا ہے۔“ مسز درانی بولی۔

”دشمنوں کی افواہ ہے۔ میں شاعر قسم کا آدمی ہوں۔ میں بعض اوقات کچھ ایسے حالات کا شکار ضرور ہوا کہ دشمن کی موت ہی آ گئی مگر ایسا زندگی میں دو چار بار ہی ہوا ہے۔“

''بہر حال میں پھر ناکام رہی اور اب اس کے سوا چارہ کار نہیں ہے کہ خودکشی کرلوں۔ جن حالات کا میں شکار ہوں، ان میں میرے لئے زندہ رہنا مشکل ہے۔ میں اس منحوس سے بے پناہ نفرت کرتی ہوں زاہد۔ اتنی نفرت کہ روئے زمین کے کسی انسان سے مجھے نہیں ہے۔ وہ میری زندگی کے لئے ایک ناسور بن گیا ہے۔'' مسز درانی کرب زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی اور زاہد ظفر اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''مگر بی بی مجھے اس کرب کا شکار بنانے والی صرف آپ ہیں۔''

''ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔ میں ہر اس شخص سے کام لینے کی ہمت کر سکتی ہوں جو کسی بھی طور اس کے خلاف اپنے دل میں نفرت رکھتا ہو۔ اور زاہد ظفر، تمہاری طرف متوجہ ہونے کی یہی ایک وجہ تھی۔ میں نے تمہیں ایک چالاک اور شاطر انسان پایا تھا۔ بہر صورت اب شکوے

شکایات کا مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ہمیں آئندہ کیا کرنا چاہئے۔"

"میں تو اپنے بارے میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" زاہد ظفر بولا۔

"کیا فیصلہ کر چکے ہو۔۔۔"؟

"یہی کہ جو کچھ اسے ادا کرتا ہوں، ادا کرتا رہوں گا۔ پہلی غلطی ہے میری، اس سے معافی مانگ لوں گا۔ خدا کی پناہ وہ ٹینکر میری بیوی کی حیثیت سے مجھ پر مسلط تھا۔ اس کی موٹی موٹی ادائیں مجھے برداشت کرنا پڑتی تھیں۔ تم تصور نہیں کر سکتیں مسز درانی کہ میری کیا کیفیت ہو جاتی تھی، آہ میرا تمام ذوق لطیف غارت ہو جاتا تھا اور مجھے اب یوں محسوس ہوتا ہے کہ میرے دماغ میں شاعری کا کوئی جرثومہ رہا ہی نہیں

(جاری ہے)

بانگڑو
(قسط نمبر ۸)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

ایسا لگتا ہے کہ اب مجھے اپنے دماغ کی اوورہالنگ کرانی پڑے گی۔ تم سوچ بھی نہیں سکتیں مسز درانی کہ اس بدنما عورت کی بدنما ادائیں مجھے اپنے وجود پر دڑوں کی مانند لگتی تھیں۔ میں اس سے اظہارِ محبت کے لئے مجبور تھا۔ میری زندگی تباہ ہوگئی مسز درانی! میری زندگی تباہ ہوگئی اور اس کی ذمہ دار تم ہو۔" زاہد ظفر گہری گہری سانسیں لیتا ہوا بولا اور مسز درانی ہنس پڑی۔

"بہر صورت میری کیفیت اس سے مختلف ہے۔" وہ بولی۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ جس شخص کو میرے اوپر مسلط کیا گیا تھا اس کے قرب میں مجھے زندگی کے ایک نئے تجربے سے روشناس ہونا پڑا۔ دراصل زاہد ظفر، انسان بڑی انوکھی چیز ہے۔ بعض چیزیں اس کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں اور وہ ان سے نفرت کرنے لگتا ہے انہیں

جانے بغیر۔ اِن کی اصلیت جانے بغیر۔ میں نے بدنما لباسوں کے نیچے خوش نما بدن دیکھے ہیں اور پہلی بار یہ سوچنے پر مجبور ہوئی ہوں کہ انسان جتنا نفیس ہوتا ہے اتنا ہی کمزور بھی ہوتا ہے۔"

"خیر، یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے، نہ مجھے اِن سے کوئی دلچسپی ہے اور نہ میں انہیں سننے کا خواہش مند ہوں۔ یہ بتاؤ اب کیا پرگرام ہے۔۔۔"؟

"کیا پروگرام ہے، مصیبت سے نکل کر بھاگے ہیں، اگر یہاں سے نکلنا چاہتے ہو تو نکل چلو۔"

"تم بھی چلو گی۔۔۔"؟ زاہد ظفر نے پوچھا۔

"اس بات کا کیا مطلب ہوا۔۔۔"؟

"میرا مطلب ہے تم یہاں خوش ہو۔"

"جل رہے ہو۔۔۔" مسز درانی نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا

کر بولی اور زاہد ظفر آسمان کی طرف منہ کر کے کھانسنے لگا۔ انداز مضحکہ اُڑانے کا سا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''اگر تم یہ محسوس کر رہی ہو تو چلو۔ کوئی حرج نہیں ہے۔ میں کسی کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ بہر صورت یہ ساری باتیں ہم بعد میں کر لیں گے، پہلے یہاں سے تو نکل چلو۔ پتہ نہیں کون سی جگہ ہے۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''ہاں یہ تو میں بھی نہیں جانتی۔ تم نے اس کم بخت کو دیکھا تھا۔ کیسا زنخوں کی طرح کمر لچکا لچکا کر ناچ رہا تھا۔ کیا اس شخص کے بارے میں تم کوئی تجزیہ کر سکتے ہو۔۔۔؟''

''ہرگز نہیں، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں۔'' زاہد ظفر نے جواب دیا۔

دونوں وہاں سے آگے بڑھ گئے۔ سمتوں کا واقعی کوئی تعین نہیں

کیا جاسکتا تھا۔رات کا وقت تھا۔چاروں طرف چاندنی پھیل گئی تھی۔ماحول بڑا پُر اسرار لگ رہا تھا۔دونوں سفر کرتے رہے کسی نامعلوم منزل کی طرف،انہوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ کہیں بھی جائیں،لیکن اس بستی سے دور نکل جائیں،بھلا غفورے ستے کی حیثیت سے زاہد ظفر اور بخشو کی بیوی کی حیثیت سے مسز درانی کیسے زندگی گزار سکتے تھے۔

رات کا سفر خاصی تیزی سے طے کیا گیا،انہیں اندازہ تھا کہ ان کی تلاش میں بنجارے دوڑ پڑیں گے۔چار پہلوان بھائیوں کا تصور کر کے زاہد ظفر کی جان بھی نکلی جارہی تھی۔کافی دیر تک وہ خاموشی سے چلتے رہے پھر زاہد ظفر بولا۔

''مسز درانی،میری بیگم صاحبہ یعنی زبردستی کی بیگم صاحبہ چار مسٹنڈے بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے۔چاروں بھائی ان پر جان

چھڑ کتے ہیں، چاروں کا وزن کم بخت دوسو چالیس اور دوسو پینتالیس پونڈ سے کم نہیں ہے۔ دن رات ورزش کرتے ہیں۔ کھلا دودھ پیتے ہیں۔ اگر وہ ہمیں تلاش کے لئے نکل کھڑے ہوئے تو پھر کیا ہوگا۔"؟

"بُری حالت ہو جائے گی۔" مسز درانی ہنستے ہوئے بولیں۔

"یعنی آپ ہنس رہی ہیں۔"؟

"ہاں۔ رونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔" مسز درانی نے بدستور ہنستے ہوئے کہا۔

"لیکن صورتِ حال آپ کے لئے بھی خطرناک ہے۔"

"میرے لئے۔۔۔ لیکن کیوں۔"؟ مسز درانی متعجب لہجے میں بولیں۔

"ظاہر ہے آپ میرے ساتھ ہیں۔ وہ یہی سوچیں گے کہ وہ آپ ہی ہیں جوان کے بہنوئی کو بھگا کر لے جا رہی ہیں۔"

''بہنوئی۔''مسز درانی پھر ہنس پڑیں۔

''ہنستی رہیے، ہنستی رہیے۔ مجھے ہنسی اچھی لگتی ہے آپ کی لیکن ممکن ہے رونے کا وقت بھی آجائے۔۔۔''

''ایسا وقت اب نہیں آئے گا، لیکن وہ بھی مجھے تلاش کرنے کے لئے......نکلے گا۔''

''آپ کے شوہر نامدار۔''؟

''جی ہاں۔ بڑا اکڑیل جوان ہے۔ یقین کرو، بڑی انوکھی شخصیت کا مالک ہے وہ، اگر جاہل اور بے وقوف نہ ہوتا تو نہ جانے کیا ہوتا۔''

''ضرور۔۔۔ضرور۔۔۔آپ مجھے خواہ مخواہ کسی احساس کا شکار دیکھنا چاہتی ہیں، لیکن یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بڑا سرد اور بدنما آدمی ہوں۔'' زاہد ظفر نے کہا اور مسز درانی خاموش ہو گئیں۔

دونوں سفر کرتے رہے۔ اگر ان حالات کا شکار نہ ہوتے تو پھر اس طور سفر کرنا اِن دونوں کے بس کی بات نہیں تھی۔ بہر طور وہ چلتے رہے۔

ساری رات گزر گئی۔ دوسرا دن طلوع ہوا تو وہ جنگل ہی میں تھے۔ چاروں طرف بے آب وگیاہ پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ کہیں کہیں نخلستان سے نظر آجاتے تھے۔ لیکن قریب سے دیکھنے پر وہ بھی جھاڑ جھنکاڑ سے محسوس ہوتے تھے۔ پانی یا خوراک کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ اس وقت شاید دن کا ایک بجا تھا جب انہوں نے دھوپ سے بچنے کے لئے ایک چٹان کے سائے تلے پناہ لی۔

زبانیں باہر نکلی ہوئی تھیں۔ بھوک کے مارے بُرا حال تھا۔ دونوں کی حالت غیر ہوتی جا رہی تھی۔ زاہد ظفر چٹان سے ٹیک لگائے اس طرح بیٹھا ہوا تھا جیسے اس کے ہاتھ پیروں کی جان نکل گئی

ہو۔خود مسز درانی کے ذہن میں سناٹے در آئے تھے۔اِس کی سوچنے سمجھنے کی قوتیں زائل ہوتی جارہی تھیں۔وہ کراہ کر بیٹھ گئی۔اس نے آنکھیں بند کرلی تھیں۔

کافی دیر وہ اسی طرح بیٹھی رہی۔زاہد ظفر بھی اپنے حال میں مست تھا۔کچھ دیر کے بعد زاہد ظفر نے نقاہت آمیز انداز میں پکارا۔

"مسز درانی، کیا آپ کو نیند آگئی۔؟"

"ہاں شاید، میں موت کا انتظار کررہی ہوں۔"مسز درانی نے جواب دیا۔

"اس قدر دل ہارنا بھی مناسب نہیں ہے۔"زاہد ظفر بولا۔

"پھر کیا کروں۔؟"

"خود کو سنبھالنے کی کوشش کیجئے مسز درانی، ہم لوگ چوہے نہیں

ہیں بلکہ بن گئے ہیں۔"

"تم بھی بے کار آدمی نکلے زاہد۔ میں نے جس شخص کو اس کے مقابلے کے لئے ٹرائی کیا وہ بس مجھے یوں ہی لگا۔ کوئی بھی اس قابل نہیں نکلتا جو اس کم بخت کو فنا کر دے۔"

"جی ہاں میں بے کار آدمی ہوں۔ دراصل میں اس فلسفے پر غور کر رہا تھا کہ عورت نے ارسطو کو واقعی گھوڑا بنا دیا تھا۔ ارسطو جیسی شخصیت جب اس کے جال میں پھنس کر نہ نکل سکی تو پھر میں کیا اور میری حیثیت کیا۔"

"کیا مطلب ہوا اس بات کا۔"؟ مسز درانی کو طرارہ آ گیا۔"

"مطلب یہ ہوا مسز درانی کہ عمدگی سے اپنا ہوٹل چلا رہا تھا کوئی خاص پریشانی نہیں تھی، اس کم بخت کو ایک چھوٹی سی رقم ادا کرنا ہوتی تھی جو میرے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی اسی لئے میں اس

میں کھوٹ تھا۔ آپ نے سوچا کہ میرا سہارا لے کر نصیبو کا شکار کریں۔ بس حماقت میری تھی کہ میں آپ کی باتوں میں آ گیا۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''تو کیوں آئے تھے میری باتوں میں۔ آخر مرد ہو۔ مردوں کے انداز میں سوچتے۔ ایک عورت کے جال میں کیوں پھنس گئے۔''؟

''یہی تو عرض کر رہا تھا کہ ارسطو جیسا شخص باز نہ رہ سکا تو میں کیا اور میری حیثیت کیا۔''

''دیکھو زاہد! میں دوسری قسم کی انسان ہوں، جب تک کسی کی عزت کرتی ہوں کرتی ہوں اور جب اُتار کر رکھتی ہوں تو پھر اسے دو کوڑی کا نہیں سمجھتی۔''

''ارے تو تمہیں دو کوڑی کا کون سمجھتا ہے۔ کیا سمجھتی ہو تم خود کو، کیا اس جہانِ فانی میں تم ایک تنہا حور ہو جو میری زندگی میں داخل

ہو کر میری زندگی کی سب سے بڑی خواہش بن گئیں۔ مسز درانی میں بھی دوسری قسم کا آدمی ہوں۔ میں ہر قسم کی عورت کو ہضم کر لیتا ہوں، حالانکہ میری یہ حماقت کئی بار مجھے مصیبتوں کا شکار بنا چکی ہے، انسانوں کے انتخاب میں میں ذرا عقل سے کام نہیں لیتا۔"

"ہونہہ، عقل ہو تو کام لو۔ جب عقل ہی نہیں ہے تو عقل سے کیا کام لو گے۔"؟

"اچھا اچھا فضول بکواس بند کرو۔ میں خاموشی چاہتا ہوں۔"

"میں تمہاری محکوم نہیں ہوں، کیوں خاموش رہوں۔"؟ مسز درانی نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"ارے بابا تو پھر بکتی رہو۔ میں یہاں سے ہٹ کر دور بیٹھ جاتا ہوں۔"

"بیٹھ جاؤ، بلکہ میرا خیال ہے ہم دونوں کو اپنے اپنے راستے الگ

کر لینے چاہئیں ۔ میں ایک بار پھر حماقت کا شکار ہو گئی ہوں تمہارے جال میں پھنس کر ۔ اچھی خاصی زندگی گزار رہی تھی بلکہ میں نے اپنے آپ کو ایڈجسٹ کر لیا تھا ان لوگوں میں، زندگی میں ایک تبدیلی تو تھی ۔ کیا فرق پڑتا تھا اس سے، میں نے ساری زندگی عیش و عشرت میں گزاری ہے ۔ کبھی کوئی دقت پیش نہیں آئی مجھے، سوائے اس کے کہ اپنی فطرت کے خلاف ایک ایسے شخص کی آلہء کار بن گئی تھی جو مجھے باس کی حیثیت سے قبول نہیں تھا ۔ بس یہ تردّد تھا میرے ذہن میں ۔ باقی زندگی کو مختلف انداز میں دیکھنا میرے لئے کافی دلکش حیثیت رکھتا تھا ۔ تم مل گئے تو میں پھر ایک بار بہک گئی ۔ ۔ ۔ ٹھیک ہے زاہد ظفر تم واپس جاؤ، میں اپنے لئے وہی جگہ تلاش کر لیتی ہوں ۔ وہاں ایک ایسا شخص تھا جو مجھ سے بے پناہ محبت کرتا تھا، جاہل، گنوار، بدبودار بدن کا مالک، لیکن ...... کڑیل جوان ۔ ایسا جوان جس کے سینے میں چھپ

کر زندگی کی وسعتیں سمٹ آتی ہیں۔کائنات اس کے چوڑے بازوؤں میں محدود ہو جاتی ہے۔وہ واقعی مجھے چاہتا ہے۔مجھ سے بڑی غلطی ہوگئی۔"

زاہد ظفر جلتی نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔پھر اس نے سوچا کی اس عورت کے منہ لگنا بے کار ہے۔اگر اسے مار پیٹ کر درست کر بھی لیا جائے تو کیا فائدہ ہوگا۔سوائے اس کے کہ ایک مصیبت اپنی ذات پر مسلط رہے گی،لیکن ان ویرانوں کی تنہائی بھی تو برداشت نہ ہوگی۔ ٹھیک ہے خاموشی ہی اختیار کرلی جائے،اگر یہ عورت کسی مشکل کا شکار ہو جاتی ہے تو اس کی مدد کرنے والا کم از کم زاہد ظفر نہیں ہوگا۔

اس نے آنکھیں بند کر کے رُخ بدل لیا۔مسز درانی بھی خاموش ہوگئی تھی۔لیکن چند لمحات کے بعد وہ چونک پڑے۔

دوڑتے ہوئے گھوڑوں کے قدموں کی آوازیں ان کے کانوں

میں گونجی تھیں اور دونوں نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ان کی آنکھوں میں ایک عجیب سی دہشت سمٹ آئی تھی۔

نوشاب بیمار ہوگئی تھی۔بخار میں مبتلا تھی۔وہ اور تمیز الدین صاحب بے حد پریشان تھے۔نوشاب گھر کے لوگوں سے کسی قدر الگ تھلگ رہتی تھی۔کبھی کبھی نوجوانوں کے گروہ میں اس کا گزر ہو جاتا تھا لیکن کوئی بھی اس سے ذہنی طور پر ہم آہنگ نہیں ہوسکا تھا۔۔۔ وہ عجیب وغریب کیفیات کا شکار تھی۔سہیل اس کی زندگی میں رچ بس گیا تھا اور اس کے خدوخال نوشاب کے ذہن کے انتہائی گوشوں میں جذب ہوکر رہ گئے تھے۔نوشاب اس کی ایک ایک ادا کی دیوانی ہو کر رہ گئی تھی۔حالانکہ اس سے قبل وہ صرف ان لوگوں میں رہی تھی جنہیں چاہا جاتا ہے جن کی اپنی چاہت کسی ایک کے لئے نہیں ہوتی،

بس جسے نواز دیا ہو نہال ہو گیا۔لیکن سہیل کے لئے اس کے جذبات میں ایک عجیب سی تبدیلی پیدا ہوئی تھی۔اس نے پہلی بار محبت کی روح کو پرکھا تھا۔اور وہ محبت کی دیوانی ہو گئی تھی۔اس کے خوابوں اور خیالوں میں صرف سہیل بسا ہوا تھا۔شروع ہی سے جب سے سہیل سے ملاقات ہوئی تھی وہ اس سے متاثر تھی اوران لمحات کی خواہاں جن میں وہ سہیل سے دل کی بات کہہ سکے،البتہ کسی قدر جھجکنے والی لڑکیوں میں سے تھی۔بڑی مشکل سے خودکواس کے لئے تیار کیا کہ کس طرح اپنے دل کا راز سہیل کے سامنے عیاں کر دے۔منتظر رہی اس بات کی کہ جب تنہائی نصیب ہو اور سہیل کے انداز میں کوئی ایسی بات محسوس کرے تو اسے اس بات کا موقع دے کہ سہیل اس کے سامنے خود ہی کھل جائے۔لیکن دو تین ملاقاتیں تنہائیوں میں ہو چکی تھیں ، ان ملاقاتوں میں یہ تو لگتا تھی کہ سہیل اس کی جانب مائل ہے۔اسے دیکھتا

ہے۔کئی بار اس کی نگاہوں میں نوشاب نے اپنے لئے پیار کی جھلک پائی تھی، لیکن کم بخت کی زبان نہیں کھلتی تھی۔ ممکن ہے بہت زیادہ جھجکنے والا انسان ہو۔کم از کم اس کے دل کا حال تو سامنے آجائے، اس کے بعد جو ہوگا دیکھا جائے گا۔اسے یقین تھا کہ بزرگ طویل عرصے کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہیں۔اپنے اپنے اختلافات بھول کر ان دونوں کو یکجا کرنے میں بخل سے کام نہیں لیں گے اور یقینی طور پر سہیل اس کی زندگی میں شامل ہو جائے گا۔لیکن اس مرحلے کو حل کرنے کے لئے اسے کوئی موقع نہیں مل رہا تھا۔بالآخر اس نے یہی فیصلہ کیا کہ یہ جھجک کہیں زندگی میں کوئی گہرا گڑھا نہ کھود دے۔چنانچہ اسے بالائے طاق رکھ کر سہیل سے دل کی بات کہہ دی جائے تو بہتر ہے۔چنانچہ اس نے اس بات کا انتخاب کیا تھا، لیکن اس کا نتیجہ، اس کا نتیجہ اس کی توقع کے بالکل برخلاف تھا۔نہ جانے اچانک سہیل کو

کیا ہو گیا تھا۔ ایک جنون کی سی کیفیت طاری ہو گئی تھی اس پر آخر کیوں۔۔۔؟ آخر کیوں۔۔۔؟ اور اسی کیوں نے نوشاب کو بیماری میں مبتلا کر دیا تھا، درحقیقت جسمانی بخار کی بجائے یہ ذہنی بخار تھا جو اس کی ذات پر مسلط ہو گیا تھا مجبوری تو یہ تھی کہ وہ اس سلسلے میں کسی سے کوئی بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ سخت پریشانی کے عالم میں تھی اور یہی پریشانی اسے بستر سے اُٹھنے بھی نہ دے رہی تھی جب کہ نواب تمیز الدین صاحب بے حد پریشان تھے۔

اس وقت بھی وہ اور عزیز الدین نوشاب کے گرد بیٹھے ہوئے تھے اور نوشاب ہی کے بارے میں بات کر رہے تھے۔

"کہیں یوں تو نہیں ہے بھائی جان کہ نوشاب کو یہاں کی آب وہوا راس نہ آئی ہو، اور اس پر اثر انداز ہوئی ہو۔"

"بھئی ممکن تو نہیں ہے، کیونکہ اتنے عرصے سے تو وہ یہیں تھی

اور بالکل ٹھیک تھی۔ کیوں بیٹے نوشاب، کیا تم یہاں رہ کر طبیعت پر کچھ گرانی محسوس کر رہی ہو۔۔۔؟"

"نہیں تایا جان، ایسی کوئی بات نہیں ہے، میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں، آپ لوگ بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں۔ بس یہ موسمی بخار ہے، جو درست ہو جائے گا۔"

"بھئی تمہاری صحت درست رہنی چاہئے۔ ویسے ہی دھان پان سی بچی ہو۔ میں تو بڑا پریشان ہو گیا ہوں۔" تمیز الدین صاحب نے کہا۔

"ابو، بلاوجہ پریشان ہو رہے ہیں آپ۔ کیا کوئی انسان کبھی زندگی میں بیمار نہیں ہوتا، اور کوئی ایسی سنجیدہ بیماری بھی نہیں ہے ایک ہلکا سا بخار ہے جسے آپ لوگوں نے تماشہ بنا لیا ہے۔ پلیز اس پر غور نہ کریں۔"

"کمال کی بات ہے غور نہ کریں، تم ٹھیک ہو جاؤ تم ہم بالکل غور

نہ کریں گے۔" تمیزالدین نے کہا۔

" خدا کے لئے آپ لوگ ایسی باتیں نہ کریں۔ میں ٹھیک ہو جاؤں گی، بالکل ٹھیک ہو جاؤں گی۔ آپ پریشان نہ ہوں۔"

" جانا چاہتی ہو۔"؟

" جی نہیں، قطعی نہیں۔ میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔" نوشاب نے جواب دیا۔ اور تمیزالدین خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

" اگر یہ بات ہے بھئی تو تمہیں کون بے وقوف لے جا رہا ہے، چلو ٹھیک ہے آرام کرو۔ میرے ذہن میں یہی بات تھی کہ کہیں تمہارا دل تو نہیں گھبرا رہا۔ اگر گھبرا رہا ہے تو تمہیں یہاں سے لے جایا جائے۔"

" نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، معمولی سا بخار ہے، دو چار دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اور کمزور جو ہو جاؤ گی۔۔۔"؟

"وہ تو ہونا ہی ہے ابو، میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔" نوشاب نے کہا اور تمیز الدین نے گردن ہلا دی۔ دونوں بزرگ کمرے سے باہر نکل آئے اور اپنی نشست گاہ میں پہنچ گئے۔

"تمیز الدین تمہیں اتنی زیادہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہارے چہرے پر پریشانی کے آثار نہیں دیکھ سکتا۔" نواب عزیز الدین نے کہا۔

"بھائی صاحب نوشاب میری اکلوتی بچی ہے۔ اس کی زندگی میرے لئے انتہائی قیمتی ہے۔ آپ اس بات کو سمجھتے ہوں گے۔" تمیز الدین صاحب نے متفکر لہجے میں کہا۔

"کون بے وقوف نہیں سمجھتا، لیکن اتنی پریشانی کی ضرورت بھی تو نہیں ہے۔ معمولی سا بخار ہے ٹھیک ہو جائے گا۔ بلاوجہ ہم نے اس

بچی سے یہ ساری باتیں کہہ کر اس کے ذہن میں تکدّر پیدا کیا۔"

"نہیں خیر، اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔بس میں اپنے حالات کی طرف سے فکرمند سا ہوگیا ہوں۔"

"کیوں۔؟"

"بس یونہی۔ابھی تک کوئی کام کی بات نہیں ہوسکی۔میرا پروگرام تھا کہ یہاں اپنے لئے ایک نئی زندگی کا آغاز کروں،تو ابھی تک تو اس سلسلے میں ہم نے کچھ سوچا بھی نہیں ہے۔"

"بہت زیادہ سوچنا بھی ضروری نہیں ہے۔نئی زندگی کا آغاز کرنے سے تمہاری کیا مراد ہے۔؟ بھئی تنہا بچی کے باپ ہو،کون سے ایسے مسائل ہیں تمہارے سامنے، جو کچھ بھی چھوٹا موٹا کروگے وہ اپنی بقیہ زندگی کے لئے کروگے،یا اپنی ساکھ بحال رکھنے کے لئے۔ ورنہ خدا کا احسان ہے۔تمہیں کس چیز کی ضرورت ہے،اور جہاں تک

کاروبار کا مسئلہ ہے اتنا سارا بکھیڑا پھیلا ہوا ہے اس میں سے کچھ بھی سنبھال لو، کون تمہیں روکے گا اور اگر نہیں سنبھالنا چاہتے ہو تو بھائی خرید لو ان میں سے کوئی چیز۔ بنا بنایا مسئلہ ہو گا، میں تمہارے سامنے اپنے سارے معاملات پیش کر دوں گا۔ جو سیکشن بھی تمہیں پسند آئے تم اسے اپنے لئے منتخب کر لو۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ اگر تم اپنی پوزیشن بحال رکھنا چاہتے ہو اور میرا احسان نہیں لینا چاہتے تو مجھ سے وہ کاروبار خرید لینا اور اس کی ادائیگی کر دینا اور وہ بھی اس شکل میں کہ جب بھی تمہارا دل چاہے، لیکن آئندہ تم اپنے آپ کو پریشان یا بے کار محسوس نہیں کرو گے۔"

"بھائی جان، آپ میرے لئے بہت بڑی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ پیش کش۔۔۔ میرے خیال میں اس کے بعد مزید کوئی گنجائش تو نہیں رہ جاتی، تاہم میں کچھ نہ کچھ تو کرنا چاہتا ہوں۔ اس

سلسلے میں بھی کوئی مناسب فیصلہ کرلیں گے۔"

"ہاں بالکل۔" نواب عزیزالدین صاحب نے کہا۔

بھائی صاحب، سہیل اور نوشاب کا معاملہ ابھی تک جوں کا توں ہے، کیا خیال ہے کیوں نہ زندگی میں کچھ تبدیلیاں پیدا کرنے کے لئے ہم اس مسئلے سے نمٹ لیں۔" تمیزالدین خان نے کہا۔ اور عزیزالدین خان کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے۔ تمیزالدن خان انہیں بغور دیکھ رہے تھے۔

"کیوں، کیا بات ہے بھائی صاحب، آپ کس سوچ میں ڈوب گئے۔"

نواب عزیزالدین صاحب ملول و افسردہ نظر آنے لگے تھے۔ بات اب اس حد تک آگے بڑھ گئی تھی کہ تمیزالدین غلط فہمیوں کا شکار ہوسکتے تھے۔ بیٹی کا باپ اپنی زبان سے اس قسم کی باتیں نہیں کرتا،

لیکن تمیز الدین خان صاحب نے یہ تکلف نہیں رکھا تھا اور اس کے پسِ پردہ یہی سوچ ہو سکتی تھی کہ کسی غیر کی بات نہیں ہے اپنے بھائی کے سامنے ہیں جن سے وہ عرصے تک جدا رہے تھے۔ اور جوان کے لئے باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ عزیز الدین خان صاحب کو اس بات کا شدید احساس تھا کہ تمیز الدین جب حقیقت سے آشنا ہوگا تو اس کے دل پر کیا گزرے گی لیکن اب وہ بھائی کو اس حقیقت سے بے بہرہ نہیں رکھنا چاہتے تھے۔۔۔ چنانچہ وہ گہری سانس لے کر بولے۔

"تمیز الدین، تم میرے بھائی ہو نا۔۔۔"

"یہ بھی کوئی سوال ہے بھائی صاحب۔۔۔"

"نہیں تمیز الدین میں یہ سمجھتا ہوں کہ اب اس کائنات میں تمہارے سوا میرا کوئی ہمدرد نہیں ہے اور تم سے زیادہ میرے لئے کوئی

نہیں ہے۔ کیا تم میری اس بات پر یقین کرو گے۔"؟

"بے شک بھائی جان، آنکھیں بند کر کے۔" تمیز الدین خان نے پورے اعتماد سے جواب دیا۔

"تو تمیز الدین میں تم سے اس بات کا خواہش مند بھی ہوں کہ تم یہ احساس صرف اپنے دل میں رکھو گے، اور زبان پر نہ لاؤ گے، ہاں اگر کوئی حل نکل سکتا ہے تو تم اس میں میری مدد کرو گے۔ میں بڑا بدنصیب ہوں تمیز الدین۔ بہت ہی بڑی بدنصیبی کا شکار۔ اتنی بڑی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔"

"ارے ایسی کیا بات ہے بھائی صاحب۔" تمیز الدین خان نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"سہیل کا نام تم جب بھی لیتے ہو میرا دل خوف و دہشت سے لرز جاتا ہے۔"

"کیوں۔"؟ تمیز الدین عجیب لہجے میں بولے۔

"بس تم اسے ہماری بدقسمتی کہہ سکتے ہو۔ بے اولاد رہے اور اولاد کے لئے ترستے رہے۔ کیا کیا جتن نہ کرلئے اس کے لئے۔ لیکن تقدیر نے پھر مذاق کیا۔ اولاد مل گئی، سہیل پیدا ہوا تو اس وقت وہ ایک نارمل بچہ تھا۔ بیگم صاحبہ بیٹی کی خواہش مند تھیں اور میں بیٹے کا۔ ہم دونوں کے درمیان یہ ذہنی کش مکش طویل عرصے تک رہی۔ اور شاید قدرت کو ہماری یہ ناسپاسی پسند نہ آئی۔ سہیل کے اندر عجیب سی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ وہ خود کو لڑکی سمجھنے لگا۔ سال ڈیڑھ سال تک وہ لڑکیوں کے انداز میں سوچتا رہا اور ہم نے کوئی توجہ نہ دی پھر ہم نے اسے احساس دلایا کہ وہ لڑکا ہے اور وہ اُلجھن کا شکار ہو گیا۔ اس نے لڑکوں کے سے انداز میں بولنا شروع کر دیا اور اس کے بعد اس کی کیفیت بگڑتی چلی گئی۔ کبھی وہ لڑکے کے لہجے میں بولتا اور کبھی

لڑکی کے لہجے میں۔اس کے اندر اس تبدیلی کو ہم نے سنجیدگی سے محسوس نہیں کیا اور وہ عمر کی منازل طے کرتا گیا۔

کافی عرصہ اسی طرح گزر گیا۔پھر اس کے بعد سہیل کو دورے پڑنے لگے۔بس اس کے اندر ایک جنون کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔وہ کبھی زنانہ لباس کے لیئے ضد کرنے لگتا اور کبھی مردانہ کپڑے پہن کر باہر نکل جاتا۔سات یا آٹھ سال کی عمر ہو گی اس کی، جب وہ تین چار دن کے لیئے گھر سے غائب ہو گیا۔خود ہی واپس آیا تھا حالانکہ میں نے اس کے لیئے کیا کیا جتن نہ کر لیئے تھے۔لیکن بہر صورت وہ واپس آیا تو لڑکی کے لباس میں تھا۔چہرے پر وہی شرمگیں مسکراہٹ گفتگو کا انداز بھی وہی جیسا کہ مہذب بچی کا ہونا چاہیئے۔پھر تقریباً چھ ماہ تک وہ لڑکی بنا رہا۔ہم نے اسے ماہرِ نفسیات کو دکھایا اور وہ بھی کوئی صحیح فیصلہ نہ کر پائے سوائے اس کے کہ وہ ذہنی

طور پر اُلجھا ہوا ہے، پھر مزید ڈاکٹرز سے رابطہ قائم کیا گیا اور ایک
بہت اچھے ڈاکٹر نے اس کا مکمل معائنہ کرنے کے بعد بتایا کہ وہ ایک
مکمل مرد نہیں ہے۔ نہ صرف اس کے ذہن میں بلکہ اس کی جسمانی
ساخت میں بھی نمایاں تبدیلی ہے۔ اس جسمانی ساخت کو نہ ایک مکمل
لڑکی کہا جا سکتا ہے اور نہ مرد۔ میں نے اس قسم کے کیسز پر توجہ دی
جس میں یہ سنا گیا تھا کہ جنس تبدیل ہو جایا کرتی ہے۔ چنانچہ میں اِن
لائنز پر ڈاکٹروں سے ملا۔ لیکن مشترکہ میڈیکل بورڈ کا ایک ہی فیصلہ تھا
کہ سہیل کے اندر تبدیلی جنس کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ بس وہ اس
تیسری قسم میں سے ہے جو نہ مرد کہلاتی ہے نہ عورت۔

تمیز الدین تم تصور نہیں کر سکتے کہ میری دلی کیفیت کیا ہے۔
یقین کرو میرا دل گل چکا ہے۔ تم اگر میرا سینہ چیر کر دیکھو گے تو
تمہیں دل کی جگہ ایک سیاہ لوتھڑا نظر آئے گا جس میں زندگی کے کوئی

آثار نہیں ہوں گے۔ میرا اکلوتا بیٹا اور ان حالات کا شکار، میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، خفیہ طور پر میں نے اس کے بہت سے علاج کئے اور نہ جانے کتنی دولت اس پر خرچ کی باہر بھی لے گیا۔ وہاں بھی میں نے اس کا چیک اپ کرایا۔ لیکن اس کی حالت بگڑتی چلی گئی۔ ڈاکٹروں نے کوئی صحیح مشورہ نہیں دیا۔ ان کا خیال تھا کہ وہ بس اسی حیثیت سے زندگی گزار سکتا ہے اور اگر کسی مرحلے پر اس کے کسی بھی قسم کے احساسات جاگ اٹھیں یعنی اگر وہ خود کو مکمل عورت محسوس کرے تو وہ عورت بن سکتا ہے جب کہ مرد تو وہ ہے ہی۔ البتہ یہ بات بھی ڈاکٹر نے کہی کہ اسے مکمل عورت بنانے کے لئے تین بڑے آپریشن کرنا ہوں گے لیکن یہ اسی شکل میں ممکن ہے جب کہ وہ خود کو ایک مکمل عورت تسلیم کر لے اور اس کے انداز میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہو جائیں۔ یہ ہے میری درد بھری کہانی تمیز الدین۔

اور یہی وہ شدید اُلجھن ہے جس میں میں تمہیں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔لیکن میں نے سوچا کہ کہیں تم اس مسئلے میں میری ٹال مٹول کو کوئی دوسرا رنگ نہ دے ڈالو۔اس لئے میں نے تمہارے سامنے اپنا حال کھول کر رکھ دیا ہے۔"

نواب تمیز الدین حیرت سے گنگ بیٹھے ہوئے تھے۔پھر ان کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور انہوں نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بھائی صاحب، مجھے احساس ہے آپ کی حرماں نصیبی کا، کاش ایسا نہ ہوتا۔آپ یقین کریں میرا دل بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا ہے۔ اس تصور کے ساتھ نہیں کہ سہیل میرا داماد نہیں بن سکے گا، بلکہ اس خیال کے ساتھ کہ آپ کتنی شدید کوفت کا شکار ہیں۔" نواب عزیز الدین خان کی آنکھوں سے آنسو لڑھکنے لگے۔نواب تمیز الدین خان انہیں تسلیاں دے رہے تھے۔

"بہر صورت فکر مند نہ ہوں بھائی صاحب، تقدیر میں جو کچھ لکھا ہوتا ہے وہ تو پورا ہوتا ہی ہے لیکن ہمیں مایوس نہیں ہونا چاہیے، ہم اپنے طور پر اس قسم کی کوششیں جاری رکھیں گے کہ سہیل کسی بہتر فارم میں واپس آ سکے، بھائی صاحب، آپ مایوس نہ ہوں بالکل، ورنہ مجھے انتہائی دکھ ہوگا۔"

"میں کچھ اور سوچ رہا ہوں تمیز الدین۔" نواب عزیز الدین خان بولے۔

"وہ کیا۔"؟

"نوشاب کہیں سہیل کی وجہ سے بیمار تو نہیں ہوئی۔"

"یہ کیسے کہہ سکتے ہیں آپ۔"؟

"میرا خیال ہے تمیز الدین۔ بہر صورت اس بچی پر نگاہ رکھنا ضروری ہے۔ کہیں وہ ہم بزرگوں کی حماقت کا شکار نہ ہو جائے۔"

"وہ آپ کی بچی ہے بھائی صاحب، جس طرح چاہیں اس پر نظر رکھیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا اور اگر اس کے لئے کوئی بہتر ذریعہ آپ پسند فرمائیں گے تو میں اس پر بھی انکار نہیں کروں گا، آپ کی ہاں، میری ہاں ہے۔" نواب تمیز الدین نے کہا اور نواب عزیز الدین گردن ہلانے لگے۔

☆

عالم پناہ ایک سہمے ہوئے خرگوش کی مانند نظر آنے لگے تھے۔ جس کے کان کسی آہٹ اور کسی خوف پر ہمیشہ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی گھسے رہتے تھے۔ اور پچھلے دو دنوں سے نوجوان ان تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے تھے۔

انہوں نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ کیا تھا اور کھانا اور ناشتہ وغیرہ بھی اپنے کمرے میں ہی طلب کیا کرتے تھے دلچسپیاں ادھوری رہ گئی

تھیں۔ مزے کی بات یہ تھی کہ شیکی بھی ان کے لئے پریشان تھا۔ کئی بار انہوں نے اسے اپنے گٹار پر المیہ دھنیں بجاتے دیکھا تھا۔ صفدر تنویر کی جان کو اٹکا ہوا تھا اور تنویر پریشان نظر آنے لگی تھی۔

"صفدر بھائی، آپ نے فیصلہ کرلیا ہے کہ مجھے کسی نہ کسی عذاب کا شکار بنا کر رہیں گے۔"

"تمہارے نخرے کچھ زیادہ ہو گئے ہیں تنویر، میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ یہ سارا کھیل پبلک کی دلچسپی کے لئے ہے۔ اگر تم سب لوگ ہی اس میں دلچسپی نہیں لیتے تو مجھے کیا پڑی ہے۔ اپنے طور پر میں بھی خاموش ہو جاتا ہوں۔ اور لعنت بھیج دوں گا ان تمام تفریحات پر۔"

"مگر دیکھئے نا ان تفریحات کا نشانہ مجھے ہی کیوں بنایا جا رہا ہے۔ اور بھی تو لڑکیاں ہیں۔"

"جی ہاں، اگر تمام لڑکیاں تم جیسی صلاحیتیں رکھتیں تو پھر تمہاری

خوشامد کون کرتا۔''؟

''اچھا اچھا۔ مجھے بے وقوف بنا رہے ہیں۔ میں بھلا کیا صلاحیت رکھتی ہوں۔''

''تنویر، آخری بار کہہ رہا ہوں۔ اگر اس سلسلے میں کوئی دلچسپی لینی ہے تو لو، ورنہ آج کے بعد اس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا۔'' صفدر نے غصیلے لہجے میں کہا۔

''آخر مجھے کرنا کیا ہے، اب یہ بتائیں آپ۔''؟

''وہ شخص کمرہ نشین ہوگیا ہے۔ اسے کمرے سے باہر نکالنا ہے، پھر سے میدانِ عمل میں لانا ہے۔ نہ جانے بد بخت کے ساتھ ہوا کیا ہے کھُل کر کچھ بتاتا بھی تو نہیں ہے۔''

''جو کچھ بتا چکا ہے میرا خیال ہے اس کے علاوہ اور کچھ بھی تو نہ ہوگا۔''

”کیا بتایا ہے اس نے سوائے احمقانہ باتوں کے جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہم لوگوں سے کچھ چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔“

”تو میں اس سلسلے میں کیا کروں۔“؟

”اس سے ملو، اس کے پاس جاؤ اور معلومات حاصل کرو کہ کیا ہوا ہے۔“

”مگر وہ تو کمرے سے نکلتے ہی نہیں۔“

”نکالو، کوشش کر کے نکالو۔ تم یہ کام بآسانی کر سکتی ہو۔“ صفدر نے کہا۔

”دوپہر کا کھانا اس کے لئے اس کمرے میں جائے گا نا۔“؟

”ہاں۔۔۔“

”تو وہ تم لے جانا۔“

”میں۔۔۔!“ تنویر چونک پڑی۔

''ہاں بھئی، معمولی سی بات ہے۔ حرج ہی کیا ہے اس میں، تم اس طرح ملازم تو نہیں کہلاؤ گی۔ بس یہ تو تمہاری محبت ہے بے پایاں محبت۔''

''صفدر بھائی وہ مجھے بہن کہہ چکا ہے۔''

''ہوں۔ ایسے لوگوں کے قول و فعل کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہوتا۔ یہ وقتی بحران ہے جو اس کے دماغ پر چھایا ہوا ہے۔ بس یہی تو معلوم کرنا ہے کہ آخر دنیا بھر کی لڑکیاں اس کی بہنیں کیسے بن گئیں۔'' صفدر نے کہا اور تنویر ہنس پڑی۔

''صفدر بھائی، آپ کون سی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔''؟

''اس سلسلے میں میری معلومات بڑی محدود ہیں۔ تم چاہو تو مجھے کھرچ کر دیکھ سکتی ہو۔ مٹی کا تجزیہ تم خود کر لینا۔ لیکن جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔''

”ٹھیک ہے میں دوپہر کا کھانا لے جاؤں گی۔“ تنویر نے کہا۔

”ویری گڈ۔“ صفدر نے کہا اور عالم پناہ کے بارے میں تنویر کو مزید ہدایات دیتا رہا۔۔۔ دوپہر کو جب عالم پناہ کے کمرے میں کھانے کی ٹرے لے کر ملازم جانے لگا تو تنویر نے اس سے ٹرے لے لی۔

”یہ مجھے دے دو اور تم جاؤ۔“

”جی بی بی جی۔“ ملازم نے جواب دیا اور تنویر کھانے کی ٹرے لے کر عالم پناہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دروازے پر اس نے دستک دی تو اندر سے عالم پناہ کی خوفزدہ سی آواز سنائی دی۔

”کون ہے۔“؟

”کھانا۔۔۔“ تنویر نے مردانہ آواز بنانے کی کوشش کرتے

ہوئے کہا اور چند ساعت کے بعد دروازہ کھل گیا۔

عالم پناہ دروازے کے سامنے کھڑے تھے لیکن ان کی ہیئت قابلِ دید تھی۔ داڑھی بڑھی ہوئی، لباس ملگجا، بال پریشان، آنکھیں اُداس۔ تنویر کو دیکھ کر وہ جلدی سے دو قدم پیچھے ہٹ گئے۔

''تت تو۔۔۔تم۔۔۔تم۔۔۔''؟

''کھانا لائی ہوں آپ کے لئے۔''

''مم مگر۔۔۔ملازم۔۔۔ملازم۔۔۔''؟

''ملازم چھٹی پر ہیں۔''

''اوہو ہو۔۔۔تو پھر ٹرے رکھ دو۔ میں اُٹھا لوں گا۔'' عالم پناہ نے کہا اور تنویر نے اندر داخل ہو کر پاؤں سے دروازہ بند کر دیا۔ پھر اس نے ٹرے میز پر رکھی اور مڑ کر دروازے کی چٹخنی لگا دی۔

''اررر رے، ارے باپ رے، کک، کیا مطلب ہے، مس۔۔۔

مس تنویر۔۔۔''؟ عالم پناہ نے کہا اور تنویر دروازے سے ٹک کر انہیں دیکھنے لگی۔ اس نے بہترین اداکاری شروع کر دی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غم واندوہ کے تاثرات جھلکنے لگے تھے۔ اور عالم پناہ تھوک نگلتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔

''کیا ہو گیا ہے آپ کو۔''؟ تنویر درد بھرے لہجے میں بولی۔

''کک۔ کچھ نہیں۔۔۔ خدا کی قسم کچھ نہیں۔ مم میں بالکل ٹھیک ہوں۔ بب بس بیماری کا تو بہانہ کر دیا ہے۔'' عالم پناہ نے جواب دیا۔

''کیوں بہانہ کیا ہے آپ نے۔''؟

''بب بس کیا بتاؤں تھوڑا سا سکون چاہتا ہوں۔ تنہائی اور خاموشی کا خواہش مند ہوں۔ آپ محسوس نہ کریں مس تنویر۔۔۔ براہِ کرم آپ باہر چلی جایئے۔''

''جج جی نہیں۔۔۔'' تنویر دانت نکال کر بولی۔

"کک کیوں، خیریت تو ہے۔"؟

"دراصل میں آپ سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں عالم پناہ۔"

"عالم پناہ۔۔۔ ارے باپ رے عالم پناہ نہیں۔ میں نے آپ سے درخواست کی تھی کہ مجھے عالم پناہ نہ کہا جائے۔"

"پھر کیا کہا جائے آپ کو۔۔۔؟ جہانگیر۔۔۔" تنویر نے سوال کیا۔

"نن نہیں۔۔۔ میرا نام بدل دیا جائے تو بہتر ہے۔۔۔ مم میں پھوپھا جان سے اس سلسلے میں درخواست کرنے والا ہوں کہ میرا نام تبدیل کر دیا جائے۔"

"ٹھیک ہے۔ آپ کا جو دل چاہے کریں لیکن میں آپ سے ان ساری حماقتوں کی وجہ ضرور معلوم کروں گی۔" تنویر نے کہا۔۔۔ اور پھر کھانے کی ٹرے کی جانب مڑ کر بولی۔۔۔ "پہلے آپ کھانا

کھائیے۔"

"نن نہیں کھاسکوں گا۔۔۔" عالم پناہ گھبرائے ہوئے لہجے میں بولے۔ "کیوں نہیں کھاسکیں گے۔"؟

"بب بس آپ یہاں سے چلی جائیے۔"

"ٹھیک ہے میں چلی جاؤں گی، میں بھی آپ کے سر پڑنے کے لئے نہیں آئی، لیکن مجھے یہ بتایا جائے کہ میری اس بے پایاں محبت کا مذاق کیوں اُڑایا جارہا ہے۔ مجھے ذلیل وخوار کرنے کے بعد مجھ سے منہ کیوں موڑا جارہا ہے۔ آپ کو یہ بتانا پڑے گا جہانگیر صاحب، آپ کو یہ بتانا پڑے گا۔۔۔" تنویر نے سخت لہجے میں کہا اور جہانگیر عالم پناہ کے چہرے پر ہوائیاں اُڑنے لگیں۔

"کک کیا بتاؤں میں، کیا بتاؤں، بس میرے ہوش وحواس جواب دے چکے ہیں۔"

’’آخر کیوں۔؟اس کی وجہ۔‘‘؟

’’وجہ بھی تو نہیں بتا سکتا۔نہ جانے کیا ہو جائے۔‘‘

’’کیا ہو جائے گا۔‘‘؟

’’تنویر صاحب،خدا کے لئے مجھے معاف کردیں،میری جاں بخشی کردیں ورنہ۔۔۔ورنہ میں۔۔۔‘‘

’’جی نہیں،ایسا نہیں ہوسکتا۔آپ کو بتانا پڑے گا جہانگیر صاحب۔آپ کو بتانا پڑے گا۔آخر آپ کی یہ کیفیت کیوں ہوگئی ہے۔‘‘؟

’’اور اگر میں مارا گیا تو۔۔۔‘‘؟

’’کیوں مارے جائیں گے۔؟کون مارے گا آپ کو۔‘‘؟

’’ایک روح۔ایک بدروح جو اچانک میرے حواس پر مسلط ہوگئی ہے۔‘‘بدروح۔۔۔!‘‘

''ب۔۔۔بد۔۔۔بدتو نہیں کہہ سکتا۔۔۔اوہ۔۔۔اوہ ارے باپ رے، مس تنویر، اسی لئے تو کہتا ہوں کہ خدا کے لئے میری جان بخش دیں، کہیں کوئی غلط بات میرے منہ سے نہ نکل جائے۔اور اگر ایسا ہو گیا تو مجھے اس کا بھی خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔''

''تو آپ کسی روح کا شکار ہو گئے ہیں۔''؟

''ہاں۔۔۔''عالم پناہ اداس لہجے میں بولے۔

''پورا واقعہ کیا ہے۔مجھے بتایئے۔۔۔لیکن ٹھہریئے۔پہلے کھانا کھایئے۔میں آپ کو بھوکا نہیں دیکھ سکتی۔''

''کک۔کھانا۔۔۔اچھا۔۔۔''عالم پناہ کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔چنانچہ وہ کھانے کی میز پر آ بیٹھے اور پھر یتیموں کے سے انداز میں کھانا کھاتے رہے۔انہوں نے تنویر سے کھانا کھانے کے لئے بھی نہیں پوچھا تھا۔۔۔تنویر ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر انہیں کھانا کھاتے

دیکھتی رہی۔ روح کا خیال اب بھی اس کے ذہن میں تھا لیکن وہ اس کا انتظار کر رہی تھی کہ عالم پناہ سکون سے کھانا کھا لیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ کھانے سے فارغ ہو گئے اور پھر تنویر کی طرف دیکھ کر چونک پڑے۔

''اوہو، دیکھئے نا کس قدر بدحواس ہو گیا ہوں۔ لاحول ولاقوۃ آپ کو کھانے کے لئے بھی نہیں پوچھا۔''

''کوئی بات نہیں ہے، جب دل سے کسی کی عزت اور قدر ہی نکل جاتی ہے تو پھر یہی سب کچھ ہوتا ہے۔''

''نہیں تنویر صاحبہ نہیں، ایسا نہ کہیئے۔ میں۔ میں اب بھی آپ کی بے پناہ عزت کرتا ہوں۔ آپ نے میرے ٹوٹے ہوئے دل کو سہارا دیا تھا، لیکن میں خود ہی بدنصیب ہوں۔''

''میں آپ کی اس بدنصیبی کے واقعے کو جاننا چاہتی ہوں۔'' تنویر

نے کہا۔

”اور اور اگر مجھے کوئی نقصان پہنچ گیا تو۔۔۔“؟

”تو کوئی بات نہیں، میں صبر کر لوں گی۔“ تنویر نے کہا اور عالم پناہ کھوپڑی سہلاتے ہوئے اسے دیکھنے لگے۔

”یعنی اگر مجھے کچھ ہو جائے تو آپ صرف صبر کر لیں گی۔“

”اس کے سوا چارہ بھی کیا ہے۔“؟

”مم۔مگر میں۔۔۔میں۔۔۔“ عالم پناہ خوفزدہ لہجے میں بولے۔ ”کیا میں میں لگا رکھی ہے آپ نے، مجھے بتائیں، کیا واقعہ ہوا تھا۔آہ مس تنویر۔آپ اس طرح سے نہ چھوڑیں گی مجھے۔سنیئے اس دن، میرا مطلب ہے جس دن میں غائب ہوا تھا تو میں خود ہی عجیب و غریب حالات کا شکار ہو گیا تھا۔“

”کیا حالات تھے وہ۔“؟

”میں کھڑا ہوا تھا۔ انتظار کر رہا تھا آپ کا، کہ میں نے ایک حسینہ نازک اندام کو دیکھا۔ وہ دلربا حسینہ مسکراتی ہوئی میرے نزدیک آئی اور مجھے اس طرح دیکھنے لگی جیسے قربان ہوگئی ہو مجھ پر۔ پھر اس نے مجھے میرے نام سے پکارا اور میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

”نجانے کیا سحر تھا نجانے کیا کشش تھی، میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہوگیا تھا، تب میں آہستہ آہستہ اس کے پیچھے چل پڑا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر کار میں بٹھا کر چل پڑی۔“

”کار میں بٹھا کر۔۔۔“ تنویر نے ہنسی روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں کار میں بٹھا کر۔۔۔ وہ خود ہی کار ڈرائیو بھی کر رہی تھی۔ اور اس کے بدن سے جو مہک اُٹھ رہی تھی وہ میرے ہوش وحواس کو چھینے لے جا رہی تھی مجھ سے۔“

''ہوں پھر کیا ہوا۔''؟

''پھر وہ مجھے کھنڈرات میں لے گئی، انوکھے کھنڈرات تھے، وہاں پہنچ کر اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا میں جہانگیر عالم پناہ ہوں جواب میں نے اثبات میں ہی دیا تھا، تب اس نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ وہ نور جہاں ہے۔''

''نور جہاں۔'' تنویر نے ہنس کر کہا اور ہنس پڑی۔

''تم ہنس رہی ہو تنویر، میری جان پر بنی ہوئی ہے ان واقعات کو یاد کر کے اور تم ہنس رہی ہو۔ ہاں وہ نور جہاں تھی، سو فیصدی نور جہاں اور مجھے شہنشاہ اکبر کا بیٹا سمجھ بیٹھی تھی وہ۔''

''ارے۔'' تنویر ہنسی سے لوٹ پوٹ ہو گئی۔

''دیکھو تنویر اگر ہنسو گی تو میں آگے کے واقعات نہیں سناؤں گا۔۔۔'' عالم پناہ نے کہا اور تنویر نے بمشکل اپنے آپ کو قابو میں کیا،

پھر بولی۔

’’پھر کیا ہوا۔‘‘؟

’’بس ہونا کیا تھا، عجیب وغریب حالات کا شکار ہوگیا تھا میں، اچھی خاصی باتیں کرتے کرتے وہ ایک دم مردانہ آواز میں بولنے لگی۔

’’نور جہاں۔‘‘ تنویر نے کہا اور منہ پر ہاتھ رکھ لیا۔

’’ہاں کبھی وہ مردانہ آواز میں بولتی اور کبھی زنانہ آواز میں، پھر اس نے ایک ہنٹر نکال لیا اور مجھے مارنے کے لئے تیار ہوگئی، میری بُری حالت ہوگئی تھی۔‘‘

’’پھر کیا ہوا۔‘‘؟ تنویر نے اب صبر کرلیا تھا۔ ہنسی روکنے کی کوشش ناکام ہورہی تھی لیکن عالم پناہ سے سب کچھ اُگلوانے کے لئے ضروری تھا کہ وہ صبر وسکون سے گفتگو سُنے۔

”بس پھر کیا ہوا وہ میری پٹائی کے لئے تیار ہوگئی اور پھر اس بات پر سمجھوتہ ہوا کہ یا تو مجھ سے پٹے یا پھر میں اس سے۔“

”ہوں۔اس نے یہ کہا کہ وہ آپ سے پٹنا چاہتی ہے۔“

”ہاں۔ہنٹر بھی کم بخت نے میرے ہاتھ میں دے دیا۔۔۔

ارے توبہ دیکھو ایک بار پھر میرے منہ سے غلط بات نکل گئی،روحوں کے بارے میں اس انداز میں نہیں بولنا چاہیئے۔“

”ہاں ہاں ٹھیک ہے آپ خود پر کنٹرول رکھیں۔پھر اس کے بعد۔“

”بس تنویر پھر میں پاگل ہوگیا،میں نے ہنٹر مار مار کر اسے لہو لہان کر دیا۔اتنا مارا اسے کہ اس کے کپڑے تک پھٹ گئے اور اس کے بعد میں بے ہوش ہوگیا۔پھر جب مجھے ہوش آیا تو وہ غائب تھی،بمشکل تمام میں گھر تک پہنچا۔“ عالم پناہ نے کہا۔

"ہوں تو یہ واقعات تھے۔"

"ہاں تنویر۔۔۔اب تم ہی بتاؤ، میں کیا کروں۔ میں تو لڑ کیوں سے بے حد خوفزدہ ہو گیا ہوں، اب تو ان کے سائے سے بھی مجھے وحشت سی ہونے لگی ہے۔"

"جہانگیر صاحب اس جھوٹی کہانی کا کوئی خاص مقصد۔"؟

"جھوٹی کہانی۔" عالم پناہ تعجب سے بولے۔

"ظاہر ہے ایسی احمقانہ کہانیاں سچی نہیں ہوتیں۔"

"تنویر، تنویر تم یقین کرو میں جھوٹ نہیں بول سکتا۔ بخدا میں جھوٹ نہیں بول رہا۔"

"یقین کرنے کی کوئی بات ہو تو یقین کیا جائے، کیسی بے تکی کہانی سنائی ہے آپ نے، آپ کو تو کہانی سنانا بھی نہیں آتی، ایک روح جو عورت کی شکل میں آپ کو کھنڈرات لے گئی، پھر اس نے آپ کو

مارنے کے لئے کہا،کبھی وہ مردانہ آواز میں بولتی تھی اور کبھی زنانہ آواز میں، اوراس کے بعد آپ نے اس کی پٹائی کی وہ زخمی ہوگئی اور آپ بے ہوش ہوگئے، بھلا کیا بات بنی۔"

"بات سمجھ میں آجاتی تو میں خود سمجھ جاتا، میں تو دن رات یہی سوچ سوچ کر حیران ہوتا رہتاہوں کہ یہ سب کیا چکر تھااور یہاں آ کر میں کیسی کیسی مشکلات کا شکار ہوگیا ہوں۔"

"تو آپ مجھے ٹالنا چاہتے ہیں۔"

"نہیں تنویر نہیں۔"

"ٹھیک ہے عالم پناہ ایک بات سن لیجئے۔میں آپ سے محبت کرتی رہوں گی اور جب برداشت نہ ہوسکے گا تو جان دے دوں گی۔"

"تنویر۔تنویر۔تنویر۔۔۔خو۔۔۔خدا کے لئے۔خدا کے لئے۔"

''نہیں عالم پناہ آپ مرد ہیں اب سے پہلے آپ نوشاب کو چاہتے تھے اس کے بعد آپ نے خود ہی میری طرف قدم بڑھایا پھر آپ کسی خوبصورت روح کی طرف چل پڑے ، آپ مرد ہیں اور مردوں کی یہی فطرت ہوتی ہے۔''

''بخدا میں ایسا مرد نہیں ہوں۔'' عالم پناہ کراہ کر بولے۔

''میں نہیں مانتی ، آپ نے مجھے محبت کا فریب دیا اور پھر ٹھکرا دیا ، اور اب مجھ سے جان بچانے کے لئے آپ بہانے گھڑ رہے ہیں۔''

''تنویر میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ یہ بہانہ نہیں ہے۔''

''یقین خود بخود آجائے گا آپ فکر نہ کریں۔ میں دیکھوں گی کہ آپ مجھ سے کس طرح جان بچاتے ہیں۔'' تنویر غصیلے انداز میں دروازے کی جانب بڑھی۔

''ارے ارے سنو تو سہی سنو تو سہی۔''

"میں کچھ سننا نہیں چاہتی۔" تنویر نے کہا اور دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ نور جہاں کی کہانی وہ دوسروں کو سنانے کے لئے بے چین تھی۔

اور دوسرے بھی اس کی تاک میں تھے۔ ایک دور دراز کمرے میں محفل جمی ہوئی تھی۔ جونہی تنویر اندر داخل ہوئی اسے ایک آواز سنائی دی۔ "باادب باملاحظہ ہوشیار۔"

"تنویر خاتون کمرے میں تشریف لاتی ہیں۔"

"خاموش گستاخی نہ ہو۔"

"ہر شخص ہوشیار ہو جائے۔۔۔" تنویر جھینپی جھینپی نگاہوں سے سب کو دیکھتی ہوئی اندر آ گئی۔

"آپ لوگ بھی بس شیطان سے کم نہیں ہیں۔"

"اے اللہ میں مر جاؤں۔" رحمان لچک کر بولا۔

”آپ کو کیسے معلوم کہ میں یہاں آ رہی ہوں۔“

”اب تم یہ سوال کرو گی کہ ہمیں کیسے معلوم کہ تم عالم پناہ کے کمرے سے آ رہی ہو۔“

”ہوں تو جاسوسی ہوتی ہے میری۔“ تنویر نے ہنستے ہوئے کہا۔

”جوان جہان بچیوں پر نگاہ رکھنا ضروری ہوتی ہے یہ تو ہمارا فرض ہے بے بی۔“

”بہتر ہے۔ کرتے رہیں جاسوسی۔“

”کیا حال ہے ہمارے اس مٹی کے شیر کا۔“؟

”بے حال ہے بے چارہ۔“

”کوئی خاص بات معلوم ہو سکی۔ یا ابھی تک وہ جن ہی چل رہا ہے۔“ صفدر نے پوچھا۔

”کہانی بدلی ہے تھوڑی سی۔“

”او ہو ہو۔ سچ تھی یا گپ۔“؟ آصف بولا۔

”فیصلہ مشکل ہو رہا ہے۔“ تنویر نے پُر خیال انداز میں گردن کھجاتے ہوئے کہا۔

”ہاں ہاں۔ اپنے نازک سے ذہن پر زور نہ دو بچی۔ تم کہاں پریشان ہو گی اس غور و خوض کے چکر میں۔ چلو کہانی سناؤ۔“ صفدر نے کہا اور تنویر مسکرانے لگی۔

☆

آٹھ گھوڑے سوار تھے۔ فوجی قسم کی وردیاں پہنے ہوئے تھے۔ چہروں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔ پرانی طرز کی بندوقوں سے مسلح تھے اور گردن میں کارتوسوں کی پیٹیاں لٹکی ہوئی تھیں۔ کمر میں بندھی ہوئی پیٹیوں میں پستول بھی لٹکے ہوئے تھے۔

آٹھوں گھوڑے آن کی آن میں ان کے سروں پر پہنچ گئے اور پھر

بڑے وحشیانہ انداز میں ان کے گرد چکرانے لگے۔ان کے قدموں کی دھمک سے گونج پیدا ہو رہی تھی اور ننھی ننھی کنکریاں اڑ رہی تھیں۔

دونوں بُری طرح خوفزدہ ہو گئے تھے۔اور آنکھیں پھاڑے اس وحشت ناک منظر کو دیکھ رہے تھے۔تھوڑی دیر یہی کیفیت رہی اور پھر گھوڑے رک گئے۔

''کون ہو رے تم دونوں۔کھڑے ہو جاؤ۔'' ان میں سے ایک نے کرخت لہجے میں کہا۔

''زاہد ظفر نے سہارا لے کر مسز درانی دونوں کو اُٹھایا اور دونوں کھڑے ہو گئے۔

''ارے واہ رے واہ۔بڑی ناج برداریاں ہو رہی ہیں۔ان پہاڑوں میں، پر سروں تم ہو کون۔''؟

''مصیبت زدہ ہیں جناب بقول شاعر۔'' زاہد ظفر نے خشک

ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"بکول ساعر۔ یہ کیا نام ہوا رے۔" اس نے کہا اور ہنس پڑا۔

"بکول اس سسرے کا نام ہوگا اور ساعر اس حرام جادی کا۔"

دوسرے نے تبصرہ کیا۔

"تہذیب کا دامن ہاتھ نہ چھوڑیں جناب۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہے۔"

"ارے رے فقیرا۔ یہ سسرا کون سی زبان بول رہا ہے کہتا رے ہاتھ نہ چھوڑیں۔ کا نا چھوڑیں اسے۔ ہمارے ہاتھ میں تو بندوک ہے۔" پہلے نے کہا اور سب ہنس پڑے۔ ان کے وحشت خیز چہرے دیکھ کر نہ صرف مسز درانی بلکہ زاہد ظفر کے بھی اوسان خطا ہوئے جا رہے تھے۔

"ارے او سسرو بولو گے نہیں تم لوگ کہ کون ہو۔ یا پھر ہم تمہاری

جبان کھلوانے کے لئے کچھ اور کریں۔"

"ہم عرض کر چکے ہیں کہ مصیبت زدہ ہیں۔"

"تو یہاں کیوں آمرے یہ مصیبت کا ٹوکرا لے کر۔ کیا ہے تمہاری جیبوں میں۔"؟

"بھوک اور فاقہ کشی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ بھوک سے ہماری جان نکلی جا رہی ہے۔" زاہد ظفر بولا۔

"نکلی جا رہی ہے۔۔۔؟ نکلتی کیوں نہیں اٹکی کیوں ہوئی ہے سسری اگر دقت ہو رہی ہو تو ہم کوشش کریں۔"

"رحم کرو ہمارے اوپر۔ معاف کر دو ہمیں۔" مسز درانی ہراساں لہجے میں بولی۔

"ارے۔ واہ ری واہ۔ رحم کریں تم لوگوں پر۔ اور پھر تم واپس جا کر اپنے باپوں کو بتا دو کہ گھاتو کا گروہ ان پہاڑوں میں رہتا ہے۔"

’’گھاتو۔۔۔‘‘زاہد ظفر نے کہا۔

’’بنو مت سسرو نہیں تو جان نکال لیں گے تمہاری۔ گھاتو خان کو نہیں جانتے تم لوگ۔‘‘

’’افسوس نہیں جانتے۔‘‘

’’تو پھر فقیرا۔ لے چلو انہیں وہ خود جنوا دے گا سب کچھ۔ چلو رے اٹھو۔‘‘

’’باندھ لوں انہیں۔‘‘ فقیرا نے پوچھا۔

’’ارے کیا جرورت ہے۔ بھاگیں گے تو ہم لوگ ان کا پیٹ گولیوں سے بھر دیں گے۔ چلو بے۔ آگے بڑھو۔‘‘

’’کک......کہاں چلنا ہے۔‘‘ زاہد ظفر گھبرا کر بولا۔

’’سسرال۔ اور کہاں۔ چلو یا اب باجا بجائیں تمہارے پیچھے۔‘‘ گھوڑے پر سوار وحشی نے کہا۔ اور ان کے عقب میں آ گیا۔

"کتنی دور چلنا ہے۔"؟ زاہد ظفر نے پوچھا۔

"اور دوسرے لمحے اس کی پشت پر ایک لات پڑی۔ وہ اوندھے منہ گرتے گرتے بچا تھا۔ اس نے ہراساں نگاہوں سے انہیں دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھ گیا۔ مسز درانی کے اس وقت خوف و دہشت سے دانت پڑ رہے تھے۔ وہ خود بھی بہت تیزی سے آگے بڑھ رہی تھی۔

"جلدی جلدی چلو۔ تیز قدم بڑھاؤ۔" پیچھے سے آواز سنائی دی۔ اور انہوں نے رفتار تیز کر دی۔ دونوں تقدیر کو رو رہے تھے۔ ان لوگوں کے بارے میں انہیں کس قدر اندازہ ہو گیا تھا۔ یقیناً یہ ڈاکو تھے۔ شکلوں سے خطرناک اور بے رحم نظر آ رہے تھے۔

"اب کیا ہوگا۔"؟ ایک ہی سوال دونوں کے ذہن میں چکرا رہا تھا۔

تقریباً آدھا گھنٹا ہو گیا تھا چلتے ہوئے۔ دونوں کے قدم لڑکھڑا رہے تھے اور انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چند قدم اور چلنے کے بعد گر پڑیں گے۔ زاہد ظفر نے بڑی عاجزی سے کہا۔

"سنو! رک جاؤ ایک منٹ کے لئے۔ ہمیں ایک گھوڑا دے دو۔ ہمیں یقین ہے تمہارا سردار ہمارے بارے میں مطمئن ہو جائے گا۔ ہم اسے مطمئن کر دیں گے ہمارا وعدہ ہے۔"

"گھوڑا لو گے۔"؟ اس خونخوار شخص نے کہا۔

"ہاں تمہاری مہربانی ہوگی۔ ہم ایک ہی گھوڑے پر بیٹھ جائیں گے۔" زاہد ظفر بولا۔

"سواری کر لو گے گھوڑے پر۔"

"ضرور کر لیں گے۔"

"سن رہا ہے رے فقیرا۔ چل دے دے انہیں ایک گھوڑا۔ لو یہ۔

گھوڑا لے لو۔" اس نے کہا اور اپنے گھوڑے سے اُتر گیا۔ اس نے گھوڑے کی لگام زاہد ظفر کے ہاتھ میں تھما دی۔ زاہد ظفر گھوڑے کی سواری جانتا تھا لیکن جونہی اس نے گھوڑے کی گردن پر ہاتھ رکھا۔ گھوڑا دونوں ٹانگوں پر کھڑا ہو گیا۔ اس نے اپنی دونوں ٹاپیں ظفر کے سر پر مارنے کی کوشش کی تھی۔

ظفر نے کانٹی دی اور گھوڑے کی پشت پر سوار ہو گیا۔ لیکن دوسرے لمحے گھوڑے نے اُچھل کود کر اسے نیچے پھینک دیا۔ ظفر اپنی ہر کوشش کر کے ہار گیا۔ لیکن گھوڑے نے اسے اپنی پشت پر ٹکنے نہیں دیا تھا۔

"ارے کتنی دیر میں سوار ہو گا تو گھوڑے پر۔ جلدی کر بے اور کتنی دیر انتظار کریں۔"

"یہ گھوڑا سرکش ہے۔"

”تو بھینس منگا دیں تیرے لئے۔ بھینس پر بیٹھے گا سرے۔“ گھوڑے کے مالک نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور پھر گھوڑے کی لگام اس کے ہاتھ سے لے لی۔

”چل اب دیر نہ کر۔ نہیں تو تجھے بھگانے کی دوسری ترکیب کریں گے ہم۔“ وہ بولا۔

اور یہ لوگ پھر چلنے لگے۔ جان پر آبنی تھی۔ اور اب زاہد ظفر دل ہی دل میں مسز درنی سے شدید نفرت محسوس کر رہا تھا۔۔۔ اسی کم بخت کی وجہ سے اس عذاب میں گرفتار ہوا تھا۔ اور اب زندگی مسلسل دکھ بن گئی تھی۔

اس وقت جب وہ دونوں چلتے چلتے بے ہوش ہونے کے قریب تھے کہ ان کی منزل آگئی۔ ایک بلند و بالا پہاڑ کے دامن میں ڈاکوؤں کی رہائش گاہ تھی۔ ایک انتہائی کشادہ دہانے میں وہ سب گھوڑوں

سمیت داخل ہو گئے اور کافی دور تک ایک تاریک سرنگ میں سفر کرتے رہے۔ پھر ایک کشادہ غار میں پہنچ گئے جہاں دیواروں میں بہت سے دروازے بنے ہوئے تھے۔

"بند کردو ان بھنگیوں کو۔ شام کو سردار کے سامنے پیش کریں گے۔" ان میں سے ایک نے کہا اور دونوں کو ایک دروازہ کھول کر اندر دھکیل دیا گیا۔

یہ بھی غار تھا۔ لیکن انسانی ہاتھوں کی تشکیل معلوم ہوتا تھا۔ ایک بانوں سے بنی چارپائی پڑی ہوئی تھی ایک مٹکا رکھا ہوا تھا جس پر ناریل کے خول سے بنا ہوا ایک ڈونگا رکھا ہوا تھا۔

دروازہ باہر سے بند کردیا گیا۔ چھت کے قریب بنے ہوئے روشن دان سے روشنی اندر آ رہی تھی۔ دونوں خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہے تھے۔ پھر زاہد ظفر اس مٹکے کے پاس پہنچا اور اس سے پانی

نکال کر پینے لگا۔

"مجھے بھی پانی دو ظفر۔۔۔مسز درانی اس کے پاس پہنچ گئی۔زاہد ظفر نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔اور خود کئی ڈونگے پانی پینے کے بعد ڈونگا اس کی طرف بڑھا دیا۔

مسز درانی نے ٹھنڈی سانس لے کر مٹکے سے پانی نکالا اور پینے لگی۔پھر وہ تھکے تھکے انداز میں زمین پر بیٹھ گئی زاہد ظفر اس سے کچھ فاصلے پر پڑی ہوئی چار پائی پر جا بیٹھا تھا۔

دیر تک خاموشی چھائی رہی۔پھر مسز درانی نے ہی سلسلہ گفتگو شروع کیا۔"زاہد۔۔۔ناراض ہو مجھ سے۔"؟

"نہیں ڈارلنگ۔ایسی کوئی بات نہیں ہے۔میری تو خوشیوں کی انتہا تمہیں ہو۔یوں محسوس ہو رہا ہے۔جیسے تمہیں رخصت کر کے لایا ہوں اور حجلہ عروسی میں ہوں۔"

''مجھ پر ناراض کیوں ہو رہے ہو۔''

''خود پر ناراض ہو رہا ہوں آخر میں اتنا الو کا پٹھا کیوں ہوں۔''

زاہد ظفر نے کہا۔

''حماقت میری ہی ہے ظفر۔ مجھے اعتراف ہے۔''

''کمال ہے۔ کسی عورت کی زبان سے میں یہ پہلی بار سن رہا ہوں۔''

''مجھے واقعی افسوس ہے۔''

''کس بات پر۔۔۔؟''

''تم بھی میری وجہ سے ہی اس مصیبت کا شکار ہوئے ہو۔''

''اتنی جلدی یہ احساس ہو گیا۔ تھوڑی دیر قبل تو تم میرے بارے میں گہر افشانی کر رہی تھیں۔''

''میں اس سے ٹکرانے کے قابل نہیں تھی۔ نہ جانے کم بخت کس

مصیبت خانے میں چھوڑ گیا ہمیں۔"

"اب کفِ افسوس ملنے سے کچھ نہیں ملے گا مسز درانی۔ جو ہونا تھا

ہو چکا۔ اور بہت بُرا ہوا ہے۔"

"مجھے احساس ہے۔"

"نہ بھی ہوتا تو اس سے کیا فرق پڑتا۔ مجھے تمہارے اس احساس

سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

"مان جاؤ زاہد۔۔۔ یہاں ہم دونوں کے سوا کون ہے ایک

دوسرے سے ہی بگڑے رہیں گے تو مر جائیں گے۔"

"ویسے بھی موت مقدر ہے۔ کچھ بھی کر لیں اب زندگی ممکن نہیں

ہے۔ مجھے یقین ہے اور تمہیں بھی اس بات کا یقین کر لینا چاہئے۔"

زاہد ظفر نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"زاہد۔ پلیز۔ پلیز زاہد۔۔۔ جو ہونا ہے وہ تو ہو ہی جائے گا۔

لیکن ایسی دل ہلانے والی باتیں تو نہ کرو۔"

"اچھا تمہارا دل بھی ہلتا ہے۔"

"زاہد۔۔۔" مسز درانی روہانسی آواز میں بولی۔اور پھر وہ منہ ڈھک کر سسکیاں لینے لگی۔زاہد خاموشی سے گردن جھکائے بیٹھا رہا۔ اسے مسز درانی کی سسکیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

پانی پینے سے طبیعت اور خراب ہوگئی تھی۔زاہد لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔کافی وقت گزر گیا۔مسز درانی بھی اب خاموش ہوگئی تھی۔

غالباً شام کا وقت تھا۔روشندان سے آنے والی روشنی مدھم پڑ گئی تھی اور غار کی تاریکی میں اور اضافہ ہوگیا تھا۔غار کا دروازہ کھلا اور ایک بوڑھی عورت اندر داخل ہوگئی۔اس کے ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔جو اس نے زمین پر رکھ دی۔

''لو کھالو۔ اس کے بعد کل صبح ہی کچھ ملے گا۔'' اس نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''سنو امّاں! تم یہاں رہتی ہو''؟ زاہد نے پوچھا۔

''تو اور کیا۔ آسمان سے اُتری ہوں۔''

''یہ کون سی جگہ ہے۔''

''جہنم کا تیسرا در۔۔۔'' بڑی بی نے جواب دیا۔

''سبحان اللہ۔ آپ بھی شاعرہ معلوم ہوتی ہیں۔ بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ بڑے گناہ کیے ہوں گے آپ نے زندگی میں۔۔۔'' زاہد ظفر کی رگِ ظرافت پھڑک اُٹھی تھی۔

''کیا مطلب ہے تمہارا۔''؟

''جہنم میں آپ کی موجودگی پر غور کر رہا ہوں۔''

''اپنی کہو میاں۔ تم نے کون کون سے گناہ کیے ہیں۔''؟ بڑی بی

اس عمر میں بھی ہری مرچ معلوم ہوتی تھی۔

''یوں تو عزیزہ بہت سے گناہ کیے۔لیکن یہ آخری گناہ جہنم میں لے آیا اور اس مثال کی تصدیق ہو گئی کہ عورت جہنم تک پہنچانے کا موثر ذریعہ ہوتی ہے۔میں یہاں اسی سلسلے میں آیا ہوں۔''

''جو کیا ہے بھگتو مجھ سے کیا کہہ رہے ہو۔'' بڑی بی واپسی کے لئے مڑتی ہوئی بولیں۔

''سنیئے تو سہی عزیزہ سنیئے تو سہی۔ایک سوال اور رہ گیا ہے براہ کرم اس کا جواب اور عنایت فرما دیں۔''

''پوچھو جلدی سے۔''

''داروغہ جہنم کون ہے۔''؟

''مل لو گے اس سے بھی،ایسی جلدی کیوں کر رہے ہو۔''

''نام تو بتا دو اس کا۔''

''گھاتو خان! باقی باتیں وہ خود تمہیں بتا دے گا۔''

''یہ ڈاکو ہیں۔'' زاہد نے سوال کیا۔

''نہیں۔۔۔فرشتے ہیں۔لیکن جہنم کے۔'' بڑی بی نے جواب دیا اور باہر نکل گئی۔

''بڑی ظریف الطبع خاتون معلوم ہوتی ہیں۔اس عمر میں یہ حال ہے تو نوجوانی کیا ہوگی۔'' زاہد نے خاصی بلند آواز میں کہا۔بوڑھی شاید دروازہ بند کررہی تھی۔اس کی بات سن کر اندر داخل ہوگئی۔

''اس عمر سے تمہاری کیا مراد ہے۔''؟ اس نے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا۔اور زاہد ظفر چونک پڑا۔

''اوہو۔آپ ابھی یہاں تشریف رکھتی ہیں۔میں سمجھا آپ باہر نکل گئیں۔'' زاہد ظفر جلدی سے بولا۔

''میرے کان بہت بڑے ہیں سمجھے تم۔۔۔کیا سمجھتے ہو میری عمر

کو۔ابھی صرف بتیس سال کی ہوں۔وہ تو پریشانیوں نے یہ حال کردیا۔ورنہ دیکھنے کے دیکھتے رہ جاتے تم کسی زمانے میں۔"

"اس میں کوئی شک نہیں۔زمانہ قدیم میں بھی لوگ کافی دل پھینک ہوتے تھے۔یوں بھی اندھیرا ہے۔یہاں آپ کی شکل واضح نظر نہیں آرہی۔بس اندھیرے میں آپ بوڑھی لگ رہی ہیں۔"

"دن میں آؤں گی پھر بات کرنا۔"

"میں انتظار کروں گا!ضرور آئیے گا۔"زاہد ظفر نے دانت نکال کر کہا۔بوڑھی دروازہ بند کرکے چلی گئی۔مسز درانی اسی انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔

"کچھ کھائیے مسز درانی۔آپ کو شدید بھوک لگ رہی تھی۔"

"اور تمہیں۔"

"ہاں بھوک تو مجھے بھی لگ رہی تھی۔بلکہ لگ رہی ہے۔لیکن اس

کے باوجود میں ایک مہذب انسان ہوں۔"

"اور میں جیسے بالکل جاہل۔۔۔" مسز درانی بولی۔

"اب میں کیا عرض کروں اس بارے میں ۔ لیجئے نوش فرمایئے۔" بھنا ہوا لذیذ گوشت پھل دار روٹیاں تھیں۔ مقدار بھی اچھی خاصی تھی۔ دونوں شکم سیر ہو گئے تھے۔

کھانے کے بعد مسز درانی نے پانی لاکر زاہد ظفر کو دیا۔ وہ کافی نرم نظر آ رہی تھی۔ زاہد نے پانی پیا۔ اور اس کے بعد دوبارہ چارپائی پر جالیٹا۔ مسز درانی زمین پر لیٹ گئی تھی۔

رات خوب گہری ہو گئی۔ اندھیرا چھا گیا۔ اور کسی قدر سردی بھی ہو گئی۔ دونوں کے پاس سردی دور کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ خاص طور سے ٹھنڈی زمین پر مسز درانی کو کافی سردی لگ رہی تھی۔ پھر اس نے زاہد کو آواز دی۔

’’کیا سو گئے۔‘‘

’’کوشش کر رہا ہوں۔‘‘

’’سردی نہیں لگ رہی۔‘‘

’’جی نہیں۔‘‘

’’مجھے لگ رہی ہے۔‘‘مسز درانی نے کہا۔

’’اوہ مجھے افسوس ہے۔‘‘

’’زمین بہت ٹھنڈی ہے۔‘‘مسز درانی ناز بھرے لہجے میں بولی۔

’’یقیناً ہو گی۔ افسوس اس سلسلے میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔‘‘

’’تمہارے پاس آ جاؤں۔‘‘

’’جی نہیں۔۔۔ ویسے اگر آپ اس چارپائی پر قبضہ جمانا چاہتی ہیں تو مجھے اعتراض نہیں ہے۔ میں نیچے سو جاؤں گا۔‘‘

’’مرے رہو وہیں۔ میں اتنی کمزور بھی نہیں ہوں۔‘‘مسز درانی کو

بھی طرارہ آ گیا۔ اوراس کے بعد وہ زمین پر کروٹ بدل کرسونے کی کوشش کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد اسے نیند آ گئی۔ زاہد ظفر بھی شاید سو گیا تھا۔ وہ مسز درانی سے بُری طرح چڑ گیا تھا۔ ورنہ شاید اتنا خشک نہ ہوتا اس کے سلسلے میں بہر حال دونوں نیند سو گئے تھے۔

پھر صبح کو اس وقت جاگے جب روشندان سے دھوپ اندر آنے لگی۔ غار میں کافی روشنی ہو گئی تھی۔ پہلے مسز درانی ہی جاگی تھی۔ ٹھنڈی زمین پر سونے سے کمر بُری طرح دکھ گئی تھی۔ اس نے اُٹھنے کی کوشش کی تو اُٹھ نہ سکی۔

"ظفر۔۔۔" اس نے آواز دی۔ اورزاہد ظفر کروٹ بدل کر اسے دیکھنے لگا۔

"فرمایئے۔"؟

"تمہارا موڈ ابھی تک خراب ہے۔"

''دیکھئے مسز درانی! آپ مجھ سے احمقانہ گفتگو کرنے سے پرہیز فرمائیے۔ میرے خیال میں میرے اور آپ کے درمیان اب زیادہ خوشگوار تعلقات نہیں رہے۔ کیا فائدہ میں آپ سے کوئی اُلٹی سیدھی بات کہہ دوں۔''

''مسلسل کہہ رہے ہو اور کیا کہو گے۔ اگر ایسی ہی بات تھی تو مجھے وہاں سے کیوں لائے تھے۔ وہاں کیا میں بُری تھی۔''

''سبحان اللہ! یوں لگتا ہے جیسے میں آپ کو بھگا کر لایا ہوں۔'' زاہد ظفر نے کہا۔۔۔ اور اس سے قبل کہ وہ دوسری باتیں کرتے۔ دفعتاً باہر دروازہ پر آہٹ ہوئی۔ اندر آنے والی وہی بوڑھی عورت تھی۔ عمر چالیس سے اوپر ہی ہوگی۔ لیکن چہرے پر جوانی تھی۔ تھی نہیں تو میک اپ کے ذریعہ لانے کی کوشش کی گئی تھی۔ آنکھوں میں سرمے کی لکیریں گالوں پر غازہ، کوئی عطر وغیرہ بھی استعمال کرنے کی کوشش کی

گئی تھی۔ ہاتھوں میں کھانے کی ٹرے تھی۔

''ناشتہ لائی ہوں تمہارے لئے۔'' اس نے کہا۔

''آہ۔ آپ وہی رات والی ہیں۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''اندھے ہو بالکل۔ آواز بھی نہیں پہچان رہے۔'' بڑی بی مسکرا کر بولیں۔

''آواز تو رات بھر میرے کانوں میں گونجتی رہی ہے۔ اس آواز کو نہیں پہچان سکوں گا۔'' زاہد ظفر نے رومانی لہجے میں کہا۔

''ہٹو بے شرم کہیں کے۔ یہ تمہاری کون ہے۔''؟ بڑی بی شرماتے ہوئے بولی۔

''شامت۔'' زاہد ظفر گہری سانس لے کر بولا۔ اور مسز درانی کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ نفرت بھرے انداز میں زاہد ظفر کو دیکھنے لگی تھی۔

”کیا مطلب۔“؟ بوڑھی نے پوچھا۔

”مطلب میں بتاتی ہوں۔ یہ آوارہ انسان میرا شوہر ہے مگر اتنا خودغرض اور ذلیل فطرت۔ دنیا کی ہر عورت اس کے لئے صرف عورت ہوتی ہے۔ ابوالہوس کہیں کا۔“ اس نے کہا۔

”تم بتاؤ لڑکی۔ اگر دنیا کی ہر عورت کو عورت نہ سمجھا جائے تو کیا سمجھا جائے۔ کیا مرد۔۔۔“؟ زاہد ظفر نے کہا۔

بوڑھی تو اس کے منہ سے لڑکی کا نام سن کر ہی مست ہو گئی تھی۔ اس نے کڑی نگاہوں سے مسز درانی کو دیکھا اور بولی۔

”یہ تمہارا شوہر ہے۔“؟

”ہاں یہ ذلیل میرا شوہر ہے۔“

”اگر یہ بات ہے تو میں تمہیں اسی وقت طلاق دیتا ہوں۔ میری طرف سے تمہیں تین بار طلاق۔“

''ارے۔ارے۔یہ کیا ہونے لگا۔''بوڑھی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

''کوئی خاص بات نہیں ہے بے بی۔سوائے اس کے کہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔یہ بس سر پڑنے والوں میں سے ہے۔کسی سڑک چلتے ہوئے کو بھی شوہر کہہ دیتی ہے۔تمہیں مجھ سے بدظن کرنے کے لئے یہ بکواس کر رہی ہے۔''

''ہوں۔میں بھی سمجھ رہی ہوں اچھی طرح۔تم فکر مت کرو۔آؤ میرے ساتھ میں تمہیں اس کے ساتھ نہ رہنے دوں گی۔آؤ۔۔۔! ناشتہ بھی الگ دوں گی تمہیں۔ذلیل کہیں کی۔''

بوڑھی نے کہا۔زاہد ظفر تیار ہو گیا۔مسز درانی کھا جانے والی نگاہوں سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔بوڑھی زاہد کو ساتھ لئے ہوئے اس غار سے باہر نکل گئی۔

گولیور پر بھی شاید بھوت ہی سوار ہو گیا تھا۔ چارلس، ٹائیگر اور دوسرے لوگ پریشان ہو گئے تھے۔ حالانکہ گولیور ایک سنجیدہ اور خطرناک انسان تھا۔ اور اس کے پروگرام انوکھے ہوتے تھے۔۔۔ قتل و غارت گری ڈاکہ زنی سارے کام کر لیتا تھا۔ اور اس کے ساتھی اچھے خاصے دولت مند ہو جاتے تھے اس کے پروگراموں سے۔ لیکن اس بار وہ یہ راستہ بھٹک گیا تھا۔

اس نے آتے ہی صرف ایک کام کیا تھا۔ ایک غیر ملکی سفارت خانے میں اس نے سخت تباہی مچائی تھی لیکن۔ اس کے بعد اس نے سارے کام روک دیئے تھے۔ اور نہ جانے کیوں خاموش ہو کر بیٹھ گیا تھا۔

چارلس اور ٹائیگر نے اس سے ملاقات کا فیصلہ کیا اور اس سے

وقت لے کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ گولیور نے مسکراتے ہوئے ان کا استقبال کیا تھا۔ ''ہیلو فرینڈس! کیا بات ہے۔''

''کچھ کہنا چاہتے ہیں جناب۔''

''ضرور کہو۔ گولیور اپنے دوستوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے۔''

''ہمیں یقین ہے جناب۔ لیکن۔''؟

''لیکن کیا۔''؟

''اس بار ابھی تک خاموشی ہے۔''

''تم اسے خاموشی نہیں کہہ سکتے۔ میں کام کر رہا ہوں۔''

''کیا کام کر رہے ہیں جناب۔''؟

''اس بار دراصل میں ایک اور کام کر رہا ہوں۔ ایک اہم کام۔ جس کے لئے مجھے طویل تیاریاں کرنی ہیں۔ بہت طویل پروگرام

ہے۔شاید چھ ماہ لگ جائیں یہاں۔خیر اور لوگوں کو بھی آنا ہے۔ان کے آنے کے بعد بڑی کاروائی شروع ہو گی۔"

"یقیناً عمدہ پروگرام ہو گا آپ کے ذہن میں۔لیکن اس دوران کیا بالکل خاموشی رہے گی۔"؟

"تم لوگوں نے خود ہی معذوری کا اظہار کیا ہے۔میں کیا کروں۔"

"معذوری۔"

"ہاں نصیبو کے معاملے میں۔"

"نصیبو اتنی اہم شخصیت نہیں ہے جناب۔کسی نہ کسی مرحلے پر ہم اسے پھانس ہی لیں گے۔اس دوران خاموش کیوں رہیں۔"

"تم میں سے کون اسے پکڑ کر میرے پاس لائے گا۔"؟ گولیور نے پوچھا۔

''اوہ جناب! یہ مشکل ہے۔''

''تو پہلے میں اسی مشکل کو حل کرنا چاہتا ہوں۔ تم میری فطرت جانتے ہو۔ میں نے کبھی کسی کو اپنے مقابل نہیں سمجھا۔ پھر بھلا ایک ایسا دشمن میرے لئے قابلِ توجہ کیوں نہ ہو۔ جس سے میرے اہم ساتھی ڈرتے ہیں۔''

''ڈرنے کی بات دوسری ہے جناب۔''

''وہ مجھے بتاؤ۔''

''وہ کسی لومڑی کی طرح مکار ہے۔''

''مجھ سے زیادہ۔''؟ گولیور نے پوچھا۔

''چالاکی اور مکاری میں فرق ہوتا ہے۔ مسٹر گولیور۔''

''میں الفاظ کے کھیل سے ناواقف ہوں۔''

''آپ شیر کی طرح نڈر ہیں اور وہ لومڑی کی طرح چالاک۔''

''میں لومڑی سے زیادہ چالاک ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آدھی دنیا کو بے وقوف نہ بنا چکا ہوتا۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے جناب۔ بہر حال۔ ہم آپ کے پاس اسی لئے حاضر ہوئے ہیں۔''

''پہلے نصیبو۔ پھر کوئی اور کام۔'' گولیور نے کہا۔

''تو پھر اس سلسلے میں ہی کوئی کام ہمارے سپرد کر دیں۔''

''ہاں اس کی ضرورت پیش آسکتی ہے۔ لیکن ابھی نہیں۔ تم لوگ انتظار کرو۔ ویسے نصیبو کے بارے میں میں بھی بہت سی معلومات حاصل کر چکا ہوں۔ میں خاموش نہیں بیٹھا۔''

''یقیناً کیا معلومات ہیں وہ۔''؟ چارلس نے کہا۔

''بے حد خوبصورت۔! اتنا کہ نوجوان لڑکیاں اسے کے خواب دیکھتی ہیں۔ کیا یہ غلط ہے۔''؟

''نہیں جناب بالکل ٹھیک ہے۔''

''بالکل نوجوان ،خوش لباس ،پُرکشش ،شہر میں اس کے تین اڈے ہیں۔ جن پر منشیات فروشی ہوتی ہے۔اس کے علاوہ بدمعاشوں کے چھ اڈے ہیں۔ جوانہیں کے نام سے چلتے ہیں۔لیکن انہیں نصیبو کی سرپرستی حاصل ہے۔نواب عزیز الدین خان کا بیٹا ہے۔اورنواب صاحب ہوم سیکرٹری تک براہِ راست پہنچ رکھتے ہیں۔ ٹھیک ہے نا سب کچھ۔۔۔''؟

''بے شک۔''

''اور یہ اس کی تصویر ہے۔'' گولیور نے جیب سے ایک تصویر نکال کر ان کے سامنے ڈال دی۔

''یہ سہیل کی تصویر ہے نا۔۔۔''؟ اس نے پوچھا۔

''سو فیصدی اسی کی ہے۔''

''آج کل وہ شہر میں نہیں ہے۔ کہاں گیا ہے یہ ابھی معلوم نہیں ہو سکا۔ لیکن واپس آتے ہی وہ زبردست مصیبتوں میں گھر جائے گا۔ ایسی مصیبتوں میں کہ وہ تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اور اس کے بعد اس کا باپ بھی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ میں نے ایک اور خاص کام کیا ہے۔''

''وہ کیا جناب۔''؟

''اس بار ایک پولیس آفیسر سے دوستی کی ہے میں نے۔ وہ مجھے ایک بزنس مین کی حیثیت سے جانتا ہے۔ لیکن میں اس سے نصیبو کے سلسلے میں کام لوں گا۔ غور کرو ایک اتنا بڑا پولیس آفیسر اگر نصیبو کے خلاف کام کرنے پر آجائے تو نصیبو کہاں کہاں جان بچا سکتا ہے۔''

''جی۔۔۔'' چارلس اور ٹائیگر بولے۔

''کیا تم ان کاروائیوں سے غیر مطمئن ہو۔''؟

"نہیں جناب! آپ جو کچھ کر رہے ہیں وہ کم نہ ہوگا۔بس ہمیں یہی فکر تھی۔"

"فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔تم لوگ فی الحال عیش کرو۔ممکن ہے جلد ہی مجھے تمہاری ضرورت پیش آجائے۔"

"بہتر جناب ۔اجازت۔" چارلس نے کہا۔اور گولیور سے اجازت لے کر دونوں باہر نکل آئے۔باہر نکل کر وہ ایک ہی کار میں آ بیٹھے۔ٹائیگر نے کار آگے بڑھتے ہی کہا۔

"یہ گولیور کو کیا ہوگیا ہے۔"؟

"کیا مطلب۔۔۔"؟ چارلس نے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تم اس کی باتوں میں پختگی محسوس کر رہے ہو۔"؟

"تم نے کیا محسوس کیا۔۔۔"؟ چارلس نے مسکراتے ہوئے ٹائیگر سے پوچھا۔

''دیکھو چارلس اتنا تو تم جانتے ہو کہ ہم دلی طور پر گولیور سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور اس کے مفادات کے لئے کام کرنے کو تیار رہتے ہیں، لیکن ہمارا مسئلہ دوسرا ہے۔''

''یعنی۔۔۔''؟ چارلس نے پوچھا۔

''بھئی تم خود سمجھدار ہو۔ خواہ مخواہ مجھ سے کیوں وہ سب کچھ کہلوانا چاہتے ہو۔''

''کہتے رہو ٹائیگر جو کچھ تم کہو گے وہ صرف میرے اور تمہارے درمیان محفوظ رہے گا۔''

''وعدہ کرتے ہو۔''؟

''ہاں یقیناً۔'' چارلس نے بھرپور اعتماد کے ساتھ کہا۔

''میرے خیال میں اس بار گولیور راستہ بھٹک گیا ہے۔''

''کس طرح۔۔۔''؟

''بھئی دیکھو نا، وہ اپنا کام دھندا چھوڑ کر نصیبو کے چکر میں پڑ گیا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ نصیبو اس سے بہتر ہے یا برتر ہے۔ یقینی طور پر گولیور اور نصیبو میں فرق ہے۔ نصیبو، مقامی لوگوں سے ہنگامہ آراء ایک شخص ہے۔ جو ذرا مختلف کیفیات کا مالک ضرور ہے لیکن بہر صورت اس کے اپنے وسائل گولیور کے برابر نہیں ہیں، جب کہ گولیور ایک بین الاقوامی مجرم ہے۔ نصیبو اور گولیور کا کوئی موازنہ نہیں ہے، لیکن گولیور کو یہ کیا سوجھی کہ وہ نصیبو کے چکر میں پڑ گیا۔ اگر ایک نصیبو اس کے ساتھ نہیں ہے تو کون سی مصیبت ٹوٹ پڑی ہے اس پر، وہ خواہ مخواہ اس مسئلے میں اپنی انرجی ضائع کر رہا ہے اور وہ اس طرح اپنا کام ادھورا چھوڑ دے گا۔''

''دیکھو دوست کام ادھورا چھوڑنے کا مسئلہ جہاں تک ہے تو ہمیں یہ بات بھی نہیں معلوم کہ اس کا کام کیا ہے اور اس بار وہ کس

منصوبے کے تحت یہاں تک آیا ہے، ویسے چھ ماہ کا عرصہ جو اس نے
بتایا ہے وہ بہت زیادہ ہے، تمہارا کیا خیال ہے، کیا گولیور چھ ماہ تک
جرائم کرنے کے باوجود یہاں کی پولیس سے بچا رہے گا۔''؟

''ممکن ہے وہ چھ ماہ تک جرائم نہ کرتا رہے بلکہ کسی جرم کی پلاننگ
کرتا رہے۔''

''ایسا کون سا جرم ہو سکتا ہے۔''؟

''کوئی بھی ہو ہمیں اس سے غرض نہیں ہونی چاہئے۔ ہم بات
اس کی موجودہ کیفیت کی کر رہے تھے۔''

''ہاں ہاں بے شک۔''

''تو میں کہہ رہا تھا کہ اس بار گولیور نے جو طریقہء کار اختیار کیا
ہے۔ وہ ہمارے نزدیک مناسب نہیں ہے، وہ تو بہر صورت کچھ نہ کچھ
کر کے یہاں سے چلا جائے گا۔ لیکن ہمیں تو اسی ملک میں زندگی

گزارنی ہے، کیا وہ ہمارے لئے راستہ تنگ نہ کر جائے گا۔"

"وہ کس طرح۔"؟

"بھئی دیکھو نصیبو کو ختم کرنا میں نہیں کہہ سکتا کتنا آسان یا مشکل ہوگا گولیور کے لئے، جو معلومات اس نے حاصل کی ہیں۔ اس کے لئے تو ہم اسے پہلے ہی آگاہ کر چکے ہیں، یہ کون سا نیا کام کیا ہے اس نے۔ جو بات ہم نے اسے بتائی، اسی کے بارے میں اس نے معلومات حاصل کر لیں۔"

"یہی میں بھی سوچ رہا تھا۔ اس وقت، اگر اس سے زیادہ کچھ معلومات حاصل کرتا وہ تو الگ بات تھی، بس اس نے اڈوں وغیرہ کے بارے میں معلوم کر لیا، لیکن یہ بات تم جانتے ہو کہ ان اڈوں سے براہِ راست نصیبو کا کوئی تعلق نہیں ہے وہ اپنے طور پر کچھ خفیہ اڈے بھی رکھتا ہے۔ جن کی گولیور نے کوئی بات نہیں کی اور میں بھی اس لئے

خاموش تھا کہ خواہ مخواہ کوئی مصیبت اپنے سر نہ لگاؤ، نصیبو سے بھڑنا ذرا مشکل کام معلوم ہوتا ہے۔"

"ٹھیک ہے میں تم سے سو فیصدی متفق ہوں۔ لیکن اب یہ بتاؤ کریں کیا۔"؟

"یار میری مانو تو کچھ عرصے کے لئے گہری نیند سو جاؤ۔"

"کیا مطلب۔"؟

"میرا مطلب ہے یہاں سے فرار ہو جاؤ۔"

"اپنا سارا کاروبار چھوڑ کر۔" چارلس حیرت سے بولا۔

"ہاں۔۔۔"

"یہ نصیبو اور گولیور کا معاملہ میرا دل کھٹک رہا ہے، چارلس تم سوچ لو، کہیں یوں نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں۔ اس بار اس نے کسی پولیس آفیسر سے بھی دوستی کر لی ہے۔ اب بھلا بتاؤ، پولیس آفیسر کہاں

تک پہنچ رکھتا ہوگا، اور اگر گولیور اس سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو کیا اس سلسلے میں اسے کوئی خاطر خواہ کامیابی نصیب ہو سکتی ہے۔"؟

"نہیں نہیں تمہارا یہ خیال بالکل درست ہے، نصیبو اتنا چوہا بھی نہیں ہے۔ اس نے جو کچھ کیا ہے اور جو کچھ کر رہا ہے، اس کے بارے میں گولیور کو شاید صحیح اندازہ نہیں ہے یا ہے تو وہ اپنے آپ میں مست ہے۔ لیکن اس سے ہمیں ضرور نقصان پہنچ سکتا ہے۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔"

"دوسرا خیال بھی ذرا مشکل ہی ہے ٹائیگر، ہمارا اپنا کاروبار بھی اتنا مختصر نہیں ہے اور ہم منہ چھپا کر کتنے عرصے باہر رہ سکتے ہیں۔ ممکن ہے گولیور کو ہی کامیابی نصیب ہو جائے۔ اس کے بعد وہ ہماری تلاش ضرور کرے گا۔"

''ہاں! یہ الجھن بھی ہے۔''

''تو پھر۔۔۔''؟

''میرا خیال ہے بس حالات کو دیکھتے رہو، نصیبو کے مسئلے میں جہاں بھی کوئی گڑبڑ ہو وہاں اپنے آپ کو محتاط رکھو، اور اگر دیکھو کہ گولیو اس سے مار کھا رہا ہے۔ تو پھر خاموشی سے اس سے دور ہو جاؤ۔''

''اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس وقت تک محتاط رہنا ہوگا۔ جب تک یہ شخص نصیبو کا معاملہ نمٹا لے۔''

''او کے، لیکن دوست یہ بات ہمارے اور تمہارے درمیان رہے گی۔''

''مشترکہ مفاد کے لئے ضروری ہے۔'' دونوں نے ہاتھ ملایا۔ اور ان کے درمیان بات طے پا گئی۔

☆

زاہد ظفر بوڑھی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ مسز درانی سے وہ واقعی بُری طرح جل گیا تھا۔ اس کم بخت کی وجہ سے اسے یہ دن دیکھنا نصیب ہوا تھا۔ اور اس کے باوجود وہ اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ زاہد کو اس بات پر شدید غصہ آ گیا تھا۔ اس کے علاوہ وہ بوڑھی سے کچھ فائدے بھی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

بوڑھی اسے دور دراز کے ایک غار میں لے آئی۔ یہ ایک چھوٹا سا غار تھا۔ ''یہ میری رہائش گاہ ہے۔''

''بہت خوبصورت ہے۔'' زاہد ظفر نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''خاک خوبصورت ہے۔ میرے قابل ہے کہیں۔''

''ہرگز نہیں۔ کاش میں تمہارے شایانِ شان جگہ مہیا کرسکتا۔ نام

کیا ہے تمہارا۔‘‘؟

’’رشیدہ۔‘‘

’’افوہ۔رشیدہ۔کیایاد دلا دیا تم نے۔‘‘ زاہد سینے پر ہاتھ رکھ کر بولا۔

’’کیوں کیایاد آ گیا۔‘‘

’’ایک بھولی بسری کہانی۔جس کا تعلق بچپن سے ہے۔‘‘

’’بچپن سے۔‘‘؟

’’ہاں۔وہ ناک سڑکتی ہوئی میرے پاس آجاتی تھی۔گھنٹوں ہم ایک دوسرے کے ساتھ کھیلتے تھے۔اور کھیل ہی کھیل میں ہم جوانی کی حدود میں داخل ہو گئے۔جوانی اتنے چپکے سے آ گئی تھی کہ ہمیں احساس بھی نہیں ہوا۔‘‘

’’پھر۔۔۔‘‘؟بوڑھی نے پوچھا۔

''بس پھر کچھ نہیں۔ اس کی شادی ہوگئی اور اب اس کے چھ بچے ہیں۔ بڑے کا نام گوندو ہے۔ اس سے چھوٹے کا نام بھوندو۔ اور اس سے چھوٹے۔''

''بس بس۔ مجھے اس کے بچوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

''پھر تمہیں کس سے دلچسپی ہے محبوبِ عالم۔''

''تم سے۔۔۔'' بوڑھی نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

''اللہ اکبر۔۔۔ اللہ اکبر۔'' زاہد کی آواز رو دینے والی ہوگئی اور بوڑھی چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کیا ہوگیا۔۔۔'' اس نے کہا۔

''اللہ کی بڑائی کا اعتراف کرلیا۔ وہ جسے چاہے عزت دے۔ جسے چاہے ذلت۔ جو حشر کرے وہ اپنے بندے کا وہ ٹھیک ہے، ہر انسان کو اپنے گناہوں کی سزا ملتی ہے۔''

''پتہ نہیں کیا کیا بکواس کرتے رہتے ہو۔کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی تمہاری۔اب بولو کیا کھاؤ گے۔''

''یہ بھی میں بتاؤں۔''

''ہاں بتاؤ۔''

''جو بھی کھلا دو اب تمہارے رحم و کرم پر ہوں۔''

''یہاں بیٹھ جاؤ۔ باہر مت نکلنا مصیبت میں پھنس جاؤ گے۔ تمہارے بھلے کے لئے کہہ رہی ہوں۔میرا کچھ نہیں بگڑے گا۔''

''ارے اب تمہارے پاس ہوں۔ تمہیں چھوڑ کر کہاں جاؤں گا۔!'' زاہد نے کہا اور بوڑھی عورت باہر چلی گئی۔

اپنی جگہ سے ہلنے کا ارادہ بھی نہیں تھا اس کا جانتا تھا۔ کہ ڈاکوؤں کے نرغے میں ہے اور جن راستوں سے گزر کر آیا ہے وہاں سے واپسی اتنی آسان نہیں ہے۔خاموش بیٹھا رہا۔

پھر جب بوڑھی غار میں داخل ہوئی تو چائے کی خوشبو دور سے ہی اس کے نتھنوں سے آ ٹکرائی۔ ناشتہ دیکھ کر وہ خوشی سے اُچھل پڑا۔ نہ جانے کب سے اسے قاعدے کی چائے نہیں نصیب ہوئی تھی۔ انڈے توس مکھن۔ اور چائے تھی۔ جو بوڑھی نے اس کے سامنے رکھ دی۔

''چلو ناشتہ کرو۔''

''تم بھی آ جاؤ۔'' زاہد ظفر نے عاشقانہ انداز میں کہا۔

''نہیں میں بعد میں کر لوں گی۔ تم کرو۔''

''حرام ہے مجھ پر جو ایک نوالہ بھی لوں تمہارے بغیر۔'' زاہد بولا۔

''ارے۔ ارے کیوں۔''؟

''بس، رشیدہ! دل چاہتا ہے تمہارے ساتھ ناشتہ کرنے کو۔''

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔ میں بھی کر رہی ہوں۔'' بوڑھی نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئی یہ دوسری بات ہے کہ زاہد کی تیز رفتاری نے بہت کم چیزیں بوڑھی کے ہاتھ میں لگنے دی تھیں۔ بوڑھی مسکراتی رہی۔ زاہد اس کی فطرت کا اندازہ لگا چکا تھا۔ کہ وہ کس قسم کی عورت ہے۔ اس لئے بوڑھی کو شیشے میں اُتارنے کے لئے یہ حرکات ضرور تھیں۔

دونوں نے ناشتہ کیا اور پھر بوڑھی برتن واپس لے گئی تھوڑی دیر بعد وہ واپس آ گئی تھی۔ وہ زاہد ظفر سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گئی۔

''تمہارا نام کیا ہے۔''؟

''ظفر۔''

''وہ عورت کون ہے۔''؟

''بس ایک اوباش عورت ہے۔ خواہ مخواہ میری جان کو اٹک گئی

ہے۔اسی کی وجہ سے میں اس مصیبت میں پھنسا ہوں۔"

"تم پولیس کے لوگ ہو۔ مجھے سچ سچ بتا دو۔"؟

"تمہاری جان کی قسم میرا پولیس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"ہوں ۔ مجھے یقین ہے پولیس والے ایسے نہیں ہوتے ۔ لیکن اب تم یہاں سے نہیں جاسکو گے۔"

"کیوں۔"

"بس راگھو کسی کو جانے نہیں دیتا۔وہ ایسے خطرات مول لینے کا عادی نہیں ہے۔ بہت چوکس رہتا ہے۔ میں پھر کہتی ہوں بھاگنے کی کوشش کبھی نہ کرنا ورنہ کسی چٹان کے پیچھے سے گولی نکلے گی اور تمہیں چھید دے گی۔"

"لعنت ہے اس طرح بھاگنے والے پر۔ مگر تم مجھے راگھو کے اور اپنے بارے میں بھی کچھ تو بتاؤ۔"

”پوچھو۔ کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“؟

”راگھو کون ہے۔“؟

”ڈاکو ہے۔ ڈاکے مارتا ہے۔ بڑا نام ہے ان علاقوں میں اس کا۔“

”اور یہ علاقے کون سے ہیں۔“؟

”ترائی کے علاقے کہلاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بستیاں اور شہر پھیلے ہوئے ہیں ان کے بیچ۔“

”اوہ۔ یہ ترائی کا علاقہ ہے۔ کمال ہے۔“

”اس میں کمال کی کیا بات ہے۔“

”بس ایسے ہی مجھے معلوم نہیں تھا ان کے بارے میں۔ تم کون ہو۔“؟

”رشیدہ۔!“

''میرا مطلب ہے یہاں کیا کرتی ہو۔''؟

''کوئی ذمہ داری نہیں ہے میری۔ جو دل چاہتا ہے کرتی ہوں۔ راگھو پندرہ سال پہلے مجھے اغوا کر کے لایا تھا۔اس وقت سے آج تک یہاں ہوں،اب تو سب مر کھپ گئے ہوں گے میرے اپنے۔ بھول گئی ہوں سب کو۔''

''اوہ۔تمہیں اغوا کر کے لایا گیا تھا۔''

''ہاں۔آٹھ بھائیوں کی ایک بہن تھی۔کوئی تلاش نہ کر سکا مجھے۔''

''کیا نام تھا تمہاری بستی کا۔''؟

''جنیدں۔سب یاد ہے۔مگر اب سب بھول گئی ہوں۔''

''تم مجھے یہاں سے نکال لائیں،کوئی تم سے باز پرس نہیں کرے گا۔''

"اب کوئی نہیں کرتا۔ رشیدہ کو سب جانتے ہیں۔"

"کچھ کام کرنا پڑتا ہے یہاں۔"

"ہاں، جو دل چاہتا ہے کرتی ہوں۔ کوئی مجبور نہیں کر سکتا مجھے۔"

"میرے ساتھ اب کیا سلوک ہوگا۔"؟

"یہ میں نہیں کہہ سکتی۔ شاید ایک دو دن میں تمہیں راگھو کے سامنے پیش کیا جائے۔"

"اور اگر راگھو نے میرے ساتھ کوئی بُرا سلوک کیا تو۔"

"کوئی کچھ نہیں کر سکے گا۔ مجبوری ہے۔"

"تم بھی نہیں۔"

"ہاں میں بھی نہیں۔ بس جو بھی اس کے دماغ میں سما جائے۔ وہی کرے گا وہ۔"

"تب پھر تم سے دل لگانے سے کیا فائدہ۔"؟ تمہیں میری مدد

کرنی چاہیئے۔ جانِ من۔ میں تمہاری ہر خواہش پوری کروں گا۔"

"کیا خواہش پوری کرو گے۔"؟ اس نے سوال کیا اور زاہد ظفر نے ہاتھ بڑھا کر اسے آغوش میں لے لیا۔ دوسرے لمحے بوڑھی نے اس کے سینے پر دونوں ہاتھ رکھ کر اسے دور دھکیل دیا۔

"کمینے۔ مکار۔ ذلیل۔ دھوکہ دے رہا ہے مجھے۔ بے وقوف بنا رہا ہے۔ اظہارِ محبت کر رہا ہے مجھ سے۔ پاگل سمجھتا ہے مجھے۔ میں پاگل نہیں ہوں سمجھا تو۔ جوانی بیت گئی۔ اب بڑھاپے میں تو مجھے یہ دھوکہ دے رہا ہے۔ کیا میں اس قابل ہوں۔ بول۔"

وہ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میں تو مر چکی ہوں کبھی کی۔ اپنی لاش کو گھسیٹے پھرتی ہوں۔ ماضی کے خواب میری آنکھوں میں جاگتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں کہ ابھی میری عمر ہی کیا ہے۔ میں نے پندرہ سال ان غاروں میں گزار

دیئے۔ میں ان سالوں پر یقین نہیں رکھتی۔ بس انہی کو جھٹلانے میں لگی رہتی ہوں۔ مگر سال جھوٹ نہیں ہوتے۔ سمجھا تو۔ نکل جا یہاں سے۔ مجھے بے وقوف بنا کر تجھے کیا ملے گا۔ کمینے۔"

وہ روتی رہی۔ زاہد ظفر کھوپڑی سہلا رہا تھا۔ اس کی کھوپڑی اس کا ساتھ چھوڑے دے رہی تھی۔

بوڑھی روتی رہی۔ پھر خود ہی باہر نکل گئی۔ زاہد ظفر میں اب اتنی ہمت بھی نہ تھی کہ وہ باہر نکل جائے۔ ویسے اسے یقین تھا کہ ان غاروں سے نکلنا ناممکن ہے۔

بوڑھی کافی دیر تک نہیں آئی۔ ہاں دوپہر کو دو آدمی اس کے پاس آئے اور ان میں سے ایک نے اکھڑ لہجے میں کہا۔

"کیا نام ہے تیرا۔"

"ظفر۔"

"چل سردار کے سامنے پیشی ہے۔اور زاہد کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔وہ سوچ رہا تھا کہ اب شامت زیادہ دور نہیں ہے۔ غار پیچ در پیچ پھیلے ہوئے تھے۔کئی سرنگوں سے گزرتے ہوئے وہ ایک ہال میں پہنچے۔یہاں راگھو خان موجود تھا۔

روایتی ڈاکوؤں کی مانند۔پہاڑی انسان تھا۔انتہائی مضبوط ہاتھ پاؤں کا مالک۔گھنی داڑھی اور لمبی لمبی مونچھیں، آنکھوں میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔

دوسری طرف مسز درانی کو بھی لے آیا گیا تھا۔دونوں ساتھ ساتھ اس بڑے ہال میں داخل ہوئے تھے، جو درحقیقت ایک وسیع غار ہی تھا۔اعلیٰ درجے کی چیزوں سے آراستہ تھا۔سیاہ رنگ کی ایک کرسی پر راگھو بیٹھا ہوا تھا۔

"آؤ جاسوس جی آؤ۔"راگھو کی تلاش میں آئے تھے۔میں ہی

راگھو خان ہوں۔۔۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

زاہد ظفر خاموش کھڑا تھا۔

"کون سے پولیس ناکے سے آئے ہو۔ جاسوس جی۔"

"میں جاسوس نہیں ہوں راگھو خان۔ ایک پریشان حال آدمی ہوں۔ جسے بنجارے اغوا کر لائے تھے۔ ان کی قید سے بھاگا ہوں۔"

"بنجاروں کی قید سے بھاگے ہو۔"

"ہاں تم چاہو تو معلوم کر سکتے ہو۔"

"ارے راگھو کو اتنی فرصت کہاں ہے۔ جو ایک ایک کے بارے میں معلوم کرتا پھرے۔ یہ سسری کون ہے۔"؟

"میں نہیں جانتا اسے۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"تو جانتی ہے ری اسے۔"؟

"اچھی طرح جانتی ہوں راگھو خان۔ یہ ایک پولیس افسر ہے اور

تمہاری تلاش میں یہاں آیا ہے۔" مسز درانی نے کہا اور زاہد ظفر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ اس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا۔ کہ مسز درانی اس قدر آؤٹ ہو جائے گی۔ اور اس بُری طرح اسے پھنسائے گی۔ لیکن وہ اس کی ذہنی کیفیت اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔

"لے بھائی کھل گئی بات۔ اور جھوٹ بول راگھو سے۔ پر تو کون ہے ری۔ اپنے بارے میں تو بتا۔" راگھو ہنستا ہوا بولا۔

"میں بس اس کی شکار ہوں۔ دھوکہ دے کر اس علاقے میں لے آیا۔ میری عزت لوٹتا رہا۔ اور سبز باغ دکھاتا رہا۔ اور پھر۔ اور پھر۔"

"ارے۔ ارے بھائی۔ یہ علاقہ تو بڑا بنجر ہے۔ یہاں کون سا باغ نظر آیا تجھے۔ ہیں رے بھائی۔ کون سا باغ دکھایا تو نے۔"؟

"تم خود ہی سوچ لو سردار راگھو خان۔ اس کی سچائی تمہیں معلوم ہو جائے گی۔ تمہارے خیال میں اس کی عمر کیا ہو گی۔۔۔" زاہد ظفر کو

موقع مل گیا۔

"ارے ہوگی سسری تیس چالیس سال کی۔"

"تیس چالیس سال کی عمر میں کوئی معصوم لڑکی دیکھی ہے تم نے۔"؟

"ارے نا بھائی نا۔ یہ سسریاں تو پیدا ہی چتر ہوتی ہیں۔"

"یہ عورت خود مجھے بھگا کر لائی ہے سردار۔ میں ایک معصوم آدمی ہوں۔ بالکل معصوم۔ میں نے اس سے کہا کہ اس نے مجھے مصیبت میں پھنسا دیا ہے تو یہ ناراض ہوگئی۔ اور اب مجھے پولیس والا کہہ کر چاہتی ہے کہ تمہارے ہاتھوں مروا دے۔" زاہد ظفر بولا۔

"ایک عورت کے کہے پر تو ہم کسی کو نا ماریں گے۔ چاہے تو پولیس والا ہی کیوں نہ ہو۔ پر سسرے تو یہاں سے نکل نہیں سکے گا۔ ارے گھمی او گھمی۔" اس نے کسی کو آواز دی۔ اور ایک شخص آگے بڑھ

آیا۔

"جی سردار۔۔۔"؟

"لے جا رے اسے اصطبل میں لگا دے۔ گھوڑوں کی مالش کرے گا سسرا۔ آرام کے لئے جگہ دے دیجئو۔"

"جی سردار۔"

"اس حرام جادی کو باورچی خانے میں لگا دو۔ روٹیاں پکواؤ صبح سے شام تک۔ چلو فیصلہ ہو گیا۔ بھاگ جاؤ اب۔"

اور دونوں کی تقدیر کا فیصلہ ہو گیا۔ زاہد ظفر کو گھوڑوں کی مالش کرنا پڑتی تھی۔ اور مسز درانی کو روٹیاں پکانی پڑتی تھیں۔ منوں آٹے کی روٹیاں جنہیں پکاتے پکاتے دوپہر اور پھر شام ہو جاتی تھی۔ دونوں ہی تقدیر کو روتے رہتے تھے۔

یوں تقریباً پندرہ دن گزر گئے۔ اس دوران ایک بار بھی ان کی

ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ حالانکہ غاروں کے عظیم الشان سلسلے میں انہیں کہیں بھی آنے جانے کی آزادی تھی۔ لیکن دونوں ہی تھکن سے اس قدر چور ہو جاتے تھے کہ پھر انہیں کہیں آنے جانے کی ضرورت نہیں رہتی تھی۔ زاہد ظفر کو بھی رہائش کے لئے ایک چھوٹا سا غار مل گیا تھا۔ اور یہی کیفیت مسز درانی کی تھی۔۔۔

صبح اندھیرے اُٹھنا پڑتا تھا۔ نہ اُٹھتی تو اس کے ساتھ کام کرنے والی دوسری عورتیں اسے جگا دیتی تھیں اور اس کے بعد بڑی بڑی ناندوں میں آٹا گندھنا شروع ہو جاتا، چولہے جل جاتے اور پھر روٹیاں پکتی رہتیں، اتنے سارے افراد کے لئے روٹیاں پکانی ہوتی تھیں۔ چنانچہ دوپہر ہو جاتی۔۔۔ دوپہر کو کھانا کھانے کا تھوڑا سا موقع ملتا۔ اور اس کے بعد شام کی تیاریاں ہو جاتیں اور پھر شام تک یہ سلسلہ جاری رہتا۔

رات کو لیٹنے کے بعد بدن میں اتنی سکت نہیں رہتی تھی کہ کہیں بھی ہلا جا سکے اور دماغ اس قدر تھک جاتا تھا کہ کچھ سوچنے کی صلاحیت ہی نہیں رہتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے روٹیاں پکاتے پکاتے زندگی ختم ہو جائے گی۔

یہی کیفیت زاہد ظفر کی تھی۔ تندرست و توانا گھوڑوں کی مالش آسان کام نہیں تھا۔ مالش کرنے کے طریقے اسے مسلسل بتائے جاتے رہتے تھے۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ کوئی گھوڑا اس سے مطمئن نہ ہوتا، تو ہنہناتا اور لاتیں مارنے کی کوشش کرتا۔ گویا وہ زاہد ظفر سے صحیح کام لینا چاہتا تھا۔ بہر صورت دونوں تن بہ تقدیر تھے۔ کہ اتفاقیہ طور پر ایک دن ان کی ملاقات پھر ہو گئی۔

دونوں ایک دوسرے کے سامنے آ گئے تھے۔ زاہد ظفر نے مسز درانی کو دیکھا اور حیرت سے منہ پھاڑ کر رہ گیا۔ مسز درانی کے چہرے

کی شگفتگی غائب ہوگئی تھی۔ بال بکھرے ہوئے تھے۔ اور غالباً چولہوں کی تپش سے اس کی رنگت تپ گئی تھی۔ مسز درانی نے بھی اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں خون اُبل آیا۔

"ہیلو مسز درانی۔" زاہد نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

"کیا حال ہے شاعرِ اعظم۔" مسز درانی دانت بھینچ کر طنزیہ انداز میں بولی۔

"بس آج کل گھوڑوں پر اشعار کہہ رہا ہوں۔" زاہد ظفر مسکرا کر بولا۔

"کاش تم کچھ بھی نہ کہہ سکتے۔"

"ٹھیک ہے، مجھے یقین ہے کہ تمہارے دل میں اب میرے لئے بددعاؤں کے سوا کچھ نہیں رہ گیا، لیکن میرا قصور سرکارِ محترم۔"؟

"قصور۔" مسز درانی نے زمین پر تھوک دیا۔ "کمال ہے یعنی یہ

معصومانہ ادائیں ابھی جاری ہیں ان حالات میں بھی، زاہد ظفر ہوش میں آؤ ہوش میں۔" مسز درانی نے نفرت سے کہا۔

"ویسے آپ مرجھا گئی ہیں مسز درانی۔"

"میں آپ سے بات نہیں کرنا چاہتی۔"

"نہ کریں سرکار۔ ہم تو صرف اتفاق سے آپ کے سامنے آ گئے ہیں، ورنہ یہاں تو ہم خود زندگی سے بےزار ہیں اور یہ بات کبھی نہیں بھولیں گے کہ زندگی کا یہ روگ ہم نے آپ کی وجہ سے پالا ہے۔ صرف آپ کی وجہ سے۔"

"مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ تم اس قدر ناکارہ اور نکمّے انسان ہو۔"

"ہاں ہاں، اب آپ ہمیں چڑھانے کی کوشش نہ کریں ہمارے جسم میں جو خون تھا وہ پانی بنتا جا رہا ہے، چنانچہ اس میں گرمی آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، ایک دفعہ آپ کے چڑھانے سے

جوش میں آئے تھے اور ان حالات کو پہنچ گئے اب مزید کوئی ایسی کوشش نہ کریں گے۔۔۔ یہاں سے نکلنا موت کے بعد ہی ممکن ہے چنانچہ ہم تو موت کا انتظار کر رہے ہیں۔"

"تم جیسے لوگ اور کیا کر سکتے ہیں۔"

"آپ کیا کر رہی ہیں حضور۔" زاہد ظفر نے پوچھا۔

"کچھ نہیں۔ میں تم سے کسی بھی سلسلے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔" مسز درانی نے کہا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

گھوڑے کسی کام سے ایک جگہ جمع کر دیئے گئے تھے۔ ماش صبح ہی صبح ہو چکی تھی اور شاید ان لوگوں کا کہیں ڈاکے پر جانے پروگرام تھا، یہ صرف زاہد ظفر کا خیال تھا، ورنہ اسے اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہیں ہوئی تھیں۔ ویسے ان دنوں اس نے ایک بار بھی ان لوگوں کو غاروں سے باہر جاتے نہیں دیکھا تھا، بس نگرانی کے لئے چند

گھوڑے اِدھر اُدھر دوڑتے رہتے تھے، ویسے یہاں کا ماحول بے حد عجیب تھا۔ زاہد ظفر کو یہ تمام معلومات حاصل کر کے خاصی دلچسپی محسوس ہو رہی تھی۔

اسی شام جب سردار راگھو خان ایک بڑے غار میں اپنے لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعتاً کسی نے کسی کے آنے کی اطلاع دی اور راگھو خان چونک پڑا۔

"سچ کہہ رہے ہو۔ دیکھ لیا ہے تم نے۔"

"جی سردار۔"

"تو پھر جاؤ بلا کر لاؤ اپنے یار کو، واہ مزہ آ گیا۔ وہ جب بھی آتا ہے اپنی طبیعت خوش ہو جاتی ہے۔ بلا کر لاؤ، بلا کر لاؤ۔"

"آ رہا ہے سردار، وہ ہمارے نزدیک پہنچ جائے تو ہم اسے آپ کے پاس لے آئیں گے۔"

”ٹھیک ہے۔“

زاہد ظفر وہیں کھڑا ہوا تھا، دفعتاً اسے عقب سے مسز درانی کی آواز سنائی دی۔

”تم یہاں بھی موجود ہو۔“

”ارے تم یہاں کیسے آ گئیں۔ تمہیں اتنی گھاس کس نے ڈال دی۔“

”فضول بکواس مت کرو، مجھے سردار کے پاس بلایا گیا ہے۔“

”کوئی خاص کام۔“

”پتہ نہیں، بس مجھے اطلاع ملی تھی کہ سردار نے مجھے طلب کیا ہے۔“ مسز درانی بولی۔

”زاہد ظفر ہنسنے لگا۔

راگھو خان کے چہرے سے کچھ ایسی دلچسپی ظاہر ہو رہی تھی جیسے

آنے والی شخصیت اس کے لئے بہت اہمیت رکھتی ہو۔ وہ دلچسپی سے باہر سے آنے والے راستے کو دیکھ رہا تھا۔ اور پھر کوئی اندر آ گیا۔ تین چار آدمی اس کے پیچھے تھے۔ لیکن اسے دیکھ کر زاہد کا چہرہ تاریک ہو گیا۔ مسز درانی کے حلق سے سسکی سی نکل گئی۔ یہ سہیل تھا۔ سو فیصدی سہیل۔

☆

تمام لوگ حیرت و دلچسپی سے یہ کہانی سن رہے تھے۔ پھر صفدر نے کہا۔۔ "کیا تمہارے خیال میں یہ کہانی درست ہے۔"

"ہاں ۔میرے خیال میں عالم پناہ اس خوبصورتی سے جھوٹ بولنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔"

"ہوں۔" صفدر پُر خیال انداز میں بولا۔

"اس میں اس قدر تبدیلی کی کوئی ایسی ہی وجہ ہو سکتی ہے صفدر

بھائی، کوئی اور بات اس قدر اثر انداز نہیں ہو سکتی اس پر۔''

''ہاں یہ بات تو ہے مگر۔''

''مگر کیا صفدر بھائی۔''؟

''یہ نور جہاں کون تھی۔ بات کچھ عجیب نہیں ہے۔''

''ایک خیال بار بار ذہن میں اُبھر رہا ہے۔''

''کیا۔''؟

''سہیل بھائی۔'' آصف بولا اور سب چونک پڑے۔

''کیا مطلب۔''؟

''میرا خیال ہے وہ کسی طور سہیل بھائی کا نشانہ بن گیا ہے ان کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔''

''مگر سہیل بھائی نے ایسا کیوں کیا۔''؟

''اب اس بات کا اندازہ مشکل ہے۔''

"اوہ۔ میں سمجھ گیا۔ ممکن ہے وہ دورے کی کیفیت میں ہوں۔"

صفدر بولا۔ اور دوسرے لوگ سنجیدہ سے ہو گئے۔ پھر دفعتاً تنویر ہنس پڑی۔

"اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو پھر یہ خوش نصیب انسان بال بال بچ گیا۔ دورے کے عالم میں سہیل بھائی اس کے ساتھ کوئی بھی سلوک کر سکتے تھے۔"

"بے شک۔"

"بہر حال ان باتوں کو چھوڑو اب یہ بتاؤ کہ ان معاملات کو آگے کیسے بڑھایا جا سکتا ہے۔"؟

"صفدر بھائی ایک بات کہوں۔"؟ تنویر بولی۔

"ہاں ہاں کہو۔"

"کیوں نہ ان بے چاروں کو معاف کر دیا جائے۔"

"ارے واہ! کیوں معاف کر دیں۔ پاگل ہیں کیا ہم۔۔۔ اور تنویر صاحب آپ ان سے ہمدردی کا اس قدر اظہار نہ کیا کریں خواہ مخواہ بدنام ہو جائیں گی۔ کھسر پھسر کرنے لگیں گے ہم لوگ آپ کے بارے میں۔" صفدر نے کہا اور سب ہنس پڑے۔

"اچھا اچھا۔ اب یہ میری ہی گھسائی شروع ہو گئی۔"

"تو پھر تم ایسی گندی باتیں کیوں کر رہی ہو۔ اس کھیل کو جاری رہنا چاہئے۔ اگر انہیں چھوڑ دیا جائے تو کفرانِ نعمت نہ ہو گا۔"

"کفرانِ نعمت۔"

"تو اور کیا۔ ایسے بے وقوف بھی خدا کی نعمت ہوتے ہیں جو کبھی کبھی ملتے ہیں ہمیں اس سے پورا پورا فائدہ اُٹھانا چاہئے۔"

"اللہ صفدر بھائی۔ شیطان سے آپ کا بہت قریبی تعلق معلوم ہوتا ہے ایک لمحے کے لئے بھی جو آپ کا ذہن شرارت سے چوکتا ہو۔ کوئی

نہ کوئی سوچتے ہی رہتے ہیں۔"

"تو کیا کیا جائے بھئی۔ زندگی کے ہی چار دن ہیں۔ اگر ان کو بھی ضائع کر دیا جائے تو کیا فائدہ۔"

"تو اب کیا پروگرام ہے۔"؟

"واہ۔ شہزادہ جہانگیر عالم پناہ۔ اور نور جہاں، میرے خیال میں نور جہاں کو ان سے ملتے رہنا چاہئے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"بس نور جہاں ان سے دوبارہ ملاقات کرے گی۔"

"نور جہاں۔"

"سو فیصدی نور جہاں۔"

"مگر کیسے۔"؟

"یہ کون سا مشکل کام ہے۔"

''اپنی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔'' تنویر نے کہا۔ ''نور جہاں کون ہو گی۔''؟

''نور جہاں۔۔۔نور جہاں۔'' صفدر کان کھجا کر بولا۔۔۔''نور جہاں ہو گی صوفیہ۔'' اس نے کہا اور صوفیہ اُچھل پڑی۔

''میں۔۔۔''؟ اس نے چیختی ہوئی آواز میں کہا۔

''سو فیصدی تم۔''

''اوہ۔ اللہ صفدر بھائی مجھے اس کڑے امتحان میں نہ ڈالیں اور پھر اگر وہ سہیل بھائی آ گئے تو پھر۔''

''اس میں کوئی مشکل نہیں ہو گی صوفیہ۔ نور جہاں نقاب ڈال کر شہزادہ جہانگیر سے ملاقات کرے گی۔ زیرِ نگرانی صفدر علی خان۔ تم فکر مت کرو۔ میں تمہیں ریہرسل کرا دوں گا۔''

''سنیئے صفدر بھائی۔ اگر صوفیہ اپنے کردار کے لئے تیار نہیں ہوئی

تو پھر میں بھی کچھ نہیں کروں گی۔" تنویر نے کہا۔

"ہم میں سے ہر شخص کو ان نیک کاموں کے لئے تیار رہنا چاہئے۔"

"تو میں کب منع کر رہی ہوں۔" صوفیہ بولی۔

"زندہ باد۔۔۔یہ بات ہوئی۔۔۔پھر آج شام۔"

"شام نہیں رات۔۔۔آج یوں بھی چاندنی رات ہے۔"

"ارے ہاں۔ میں تو بھول ہی گیا۔ پھر یہ چاندنی رات کا کھیل رہا۔"

"بالکل رہا۔"

"صوفیہ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں آئندہ ہدایات دیئے دیتا ہوں۔"

"چلئے۔" صوفیہ ہنستی ہوئی کھڑی ہو گئی۔ صفدر اور صوفیہ چلے گئے

تھے باقی لوگ وہیں کھڑے حالات پر غور کر رہے تھے۔

''یہ صفدر دی گریٹ سونے میں تولے جانے کے قابل ہے۔ اگر یہ ہمارے درمیان نہ ہوتا تو ہم صحرا میں بھٹکتے ہوئے، بھٹکتے ہوئے۔ کیا ہوتے۔ کیا جملہ موزوں ہے اس وقت۔''؟ آصف نے کہا۔

''الّو۔'' تنویر جلدی سے بولی۔

''ہاں تو ہم صحراؤں میں بھٹکتے ہوئے الّو ہوتے۔۔۔'' آصف نے جملہ پورا کیا اور پھر چونک کر تنویر کی طرف دیکھنے لگا۔'' کیا کہا۔ الّو۔'' اور سب قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''بہرصورت اس طرح کم از کم ایک فائدہ تو ہو رہا ہے آصف بھائی۔'' فاروق بولا۔

''کیا۔!؟ کیا فائدہ۔؟

''کم از کم بچے اور بچیوں کو عشق و محبت کی مناسب تربیت مل رہی

ہے۔ بھئی دیکھیں نا یہ چیزیں آگے چل کر ہمارے لئے کتنی فائدہ مند ثابت ہوں گی۔"

"بے شک۔ لیکن آپ میں سے کوئی عالم پناہ اور شیکی جیسی خوبیاں تو پیدا کرے، آپ لوگ تو بس سیدھے سادے سپاٹ سے نوجوان ہیں، آپ کی طرف تو نگاہ اُٹھا کر دیکھنے سے آنکھوں میں رتوند آنے لگتی ہے۔" ایک لڑکی بولی اور تمام لڑکیوں کے قہقہے گونج اُٹھے۔

"اچھا جی یہ معاملہ ہے، ارے ہاں شیکی کہاں غائب ہے آج کل، بالکل ہی آوٹ آف مارکیٹ ہو گیا ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے جب سے جہانگیر صاحب گوشہ نشین ہوئے ہیں شیکی بھی کچھ بُجھا بُجھا سا نظر آتا ہے۔" فاروق نے کہا۔

''تلاش کرو بھئی تلاش کرو اس مٹی کے مادھو کو یہ تو خواہ مخواہ میں ہاتھ سے جا رہا ہے۔''

''میں دیکھتی ہوں۔۔۔'' تنویر بولی۔

''دیکھئے، دیکھئے ضرور دیکھئے، آپ ہی کو تو دیکھنے کے سارے مواقع مل گئے ہیں، ضرور دیکھئے۔'' پیچھے سے آواز آئی اور تنویر ہنستی ہوئی باہر نکل گئی۔

اب اسے شکی کی تلاش تھی۔ صفدر نے جو ہنگامہ خیزیاں کر رکھی تھیں وہ سب ہی کے لئے باعثِ دلچسپی تھیں اس طرح تعلیم کے بعد جو موقع ملتا تھا، وہ ان سب کے لئے انتہائی خوشگوار ہوتا تھا، یوں بھی تمیز الدین خان کے یہاں آنے سے بلاشبہ گھر کی رونقیں دوبالا ہوگئی تھیں، گھر پر بھی شرارتیں ہوتی رہتی تھیں کوئی نہ کوئی حرکت کوئی نہ کوئی شرارت۔ لیکن تختہ مشق کوئی نہیں تھا۔ لیکن اب عالم پناہ اور شفیع الدین

شیکی تختۂ مشق بن گئے تھے۔

تنویر آگے بڑھتی رہی۔شیکی کی تلاش میں وہ نجانے کہاں سے کہاں بڑھ گئی۔پھر اتفاق سے اسے شیکی نظر آ گیا۔لیکن شیکی کے ساتھ جو کوئی تھا اسے دیکھ کر تنویر حیران رہ گئی۔

یہ نوشاب تھی۔

شیکی نوشاب کے سامنے کھڑا ہوا تھا،باغ کا ایک پُرسکون گوشہ تھا،تنویر کو بے حد حیرت ہوئی۔شیکی اور نوشاب کے ساتھ،ایک انہونی بات تھی،وہ بے چین ہو گئی کہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سُنے،نوشاب بے چاری بیمار رہ چکی تھی لیکن اب اس کی حالت بہتر تھی اور وہ ٹہلتی ہوئی باہر نکل آئی تھی کہ شیکی اس کے قریب پہنچ گیا۔

تنویر ایسی جگہ تلاش کرنے لگی جہاں سے ان دونوں کی گفتگو سُنی جا سکے۔اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پھولوں کے ایک کُنج کے پیچھے گئی۔

تنویر نے کوشش کی تھی کہ اس کے کپڑوں کی سرسراہٹ تک پیدا نہ ہو پائے۔شیکی نوشاب کے سامنے دست بستہ کھڑا ہوا تھا۔ اس کی حالت عجیب سی تھی ، وہ بالکل کسی ایسے غلام کی مانند نظر آرہا تھا جو اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہو۔تب تنویر نے سُنا۔شیکی کہہ رہا تھا۔

"کیا عرض کروں بس کیا عرض کروں۔"

"کیا بات ہے شیکی بھائی۔آپ کچھ پریشان نظر آرہے ہیں۔" نوشاب نے کہا۔

"ہاں یہاں کا ماحول واقعی پریشان کن ہے۔میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اب کیا کرنا چاہیے ،نوشاب کیا تم لوگ یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔" شیکی کہہ رہا تھا۔

"نہیں ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے اور پھر سچی بات تو یہ ہے کہ افریقہ کی فضاؤں سے کہیں زیادہ حسین تو ہمارے وطن کی فضائیں

ہیں، افریقہ کی زندگی سے تو میں اُکتا گئی تھی بس یوں محسوس ہوتا تھا شیکی صاحب کہ جیسے ہم دیارِ غیر میں زندگی بسر کر رہے ہوں، اپنا وطن اپنا ہی وطن ہوتا ہے۔"

"گویا گویا پھوپھا جان اب یہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔"

"ہاں بالکل وہ تو تایا جان بھی انہیں گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دے رہے۔ ان کی خواہش ہے کہ ابھی ڈیڈی آرام کریں، اس لئے کچھ نہیں کیا، ورنہ ڈیڈی یہیں کاروبار کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے بعد تمام دولت افریقہ سے یہاں منتقل ہو جائے گی۔"

"صرف دولت۔" شیکی نے سوال کیا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"

"مم میرا مطلب ہے دولت کے ساتھ خاندان۔"

”خاندان بھی ظاہر ہے وہیں ہوگا جہاں ہم لوگ ہوں گے۔“

نوشاب نے جواب دیا۔

”گویا میرے والد صاحب بھی افریقہ سے واپس آجائیں گے۔“شکی نے پوچھا۔

”کیوں تمہیں ان سے خوف محسوس ہوتا ہے۔۔۔“؟ نوشاب مسکرا کر بولی۔

”ہاں، باپ ہمیشہ ڈرنے کی چیز ہے۔“

”لیکن بقول تمہارے پھوپھا جان بھی تو تمہارے لئے باپ ہی کی حیثیت رکھتے ہیں۔“

”تو ان سے کیا میں نہیں ڈرتا۔“شکی نے سوال کیا۔

”ہاں ڈرتے ہو۔“

”نوشاب آپ یہاں کیسی زندگی گزار رہی ہیں۔“

”بہت خوشگوار بہت دلچسپ۔“ نوشاب مسکرا کر بولی۔

”خوش ہیں آپ یہاں۔“؟

”بہت خوش ہوں۔“ نوشاب بولی۔

”ان خوشیوں میں آپ ہمیں تو بھول گئی ہیں۔“

”نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ لوگ مجھے یاد ہیں بس آپ کی تفریحات سے مجھے دلچسپی نہیں ہے۔“

”حالانکہ یہ تفریحات ہی زندگی ہیں۔“

”کمال ہے شیکی بھائی۔ آپ تو بڑی سنجیدہ گفتگو کرنے لگے ہیں۔“

”ہاں بہت سے احساسات جاگنے لگے ہیں ذہن میں۔“

”یہ اس دیس کی آب و ہوا کا کمال ہے۔“

”ممکن ہے ایسا ہی ہو۔۔۔ بہر حال میں آپ سے صلح کرنا چاہتا

ہوں۔''

''صُلح۔ہمارے آپ کے درمیان جنگ کہاں ہے۔''

''ہے۔اس سے انکار نہ کرو۔''

''نہیں شیکی بھائی۔کوئی جنگ نہیں ہے۔بس آپ دونوں کی احمقانہ باتیں پسند نہیں تھیں۔''

''کون سی احمقانہ باتیں۔''

''جو آپ کرتے رہے ہیں۔یہاں بھی آپ لوگوں نے مجھے بدنام کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

''مجھے احساس ہوگیا ہے نوشاب۔''

''اس احساس کا کوئی نتیجہ بھی نکلا۔''نوشاب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں نکلا ہے۔''

”کیا۔“؟

”یہی کہ اب ......اب میں نے وہ خیال ذہن سے نکال دیا ہے۔“

”اور جہانگیر بھائی نے۔“

”اس کے حالات بھی بہتر نہیں ہیں۔وہ گوشہ نشین ہو گیا ہے۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہے اس کی۔“

”اس کی وجہ۔“؟

”خدا جانے۔ویسے نوشاب میں اپنی حماقتوں کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ میں تمہارے لئے کچھ کروں۔“

”کیا کرنا چاہتے ہیں آپ میرے لئے۔“

”جو تم چاہو۔“

”میں تو ہر طرح خوش اور مطمئن ہوں۔میرے خیال میں مجھے

کسی چیز کی طلب نہیں ہے۔"

"ایک سوال کروں نوشاب۔"؟

"کہیے۔"

"ناراض تو نہیں ہوگی۔"؟

"چلیے وعدہ۔ نہیں ہوں گی۔"

"تم سہیل سے پیار کرنے لگی ہو۔"؟ شیکی نے سوال کیا اور نوشاب خاموش ہوگئی۔ پھر چند ساعت کے بعد اس نے کہا۔

"ہاں۔"

"میرے خیال میں تمہاری شادی میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔ اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو بتاؤ۔"

"آپ خدمت کریں گے میری۔"

"دل و جان سے۔ تمہیں میرے خلوص پر یقین رکھنا چاہیے۔"

شیکی نے کہا اور نوشاب اب سنجیدگی سے اس کی شکل دیکھنے لگی۔

"اور آپ نے اگر اپنی نادانی سے مجھے مزید بدنام کر دیا تب۔!"

"تم مجھے قتل کر دینا۔"

"خیر ایسا تو میں کبھی نہیں کر سکتی لیکن۔اس کے باوجود میں آپ پر بھروسہ کرتی ہوں۔"

"اس بھروسہ کے لئے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

"آپ سہیل صاحب کے بارے میں معلومات حاصل کریں شیکی بھائی۔"

"کس قسم کی معلومات۔"؟

"ان کے مشاغل کے بارے میں۔وہ کہاں کہاں جاتے ہیں کیا کرتے ہیں کوئی اور لڑکی تو ان کی زندگی میں داخل نہیں ہے۔"

"اوہ۔کیا تمہیں اس کا شبہ ہے۔"؟

”نہیں۔لیکن بس عجیب سی فطرت کے مالک ہیں وہ۔کوئی انوکھا پن ہے ان کی فطرت میں۔میں اس انوکھے پن کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔“

شیکی کسی سوچ میں ڈوب گیا تھا۔پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔”ٹھیک ہے یہ میری ذمہ داری۔“

”بہت بہت شکریہ۔“نوشاب نے کہا۔

”آج میرے ذہن سے بوجھ ہٹ گیا ہے۔اور میرا خیال ہے اب میرے اور جہانگیر کے اختلافات بھی ختم ہو گئے۔“

”احمقانہ اختلافات تھے۔“نوشاب نے کہا۔

”اچھا نوشاب چلتا ہوں۔“شیکی نے کہا اور نوشاب نے گردن ہلا دی۔تنویر نے بھی اپنی جگہ چھوڑ دی۔وہ شدید حیرت کا شکار تھی۔یہ اچانک ان دونوں کو کیا ہو گیا تھا۔کیا واقعی یہاں کی آب و ہوا نے ان

کے ذہنوں پر بُرا اثر ڈالا تھا۔ دونوں ہی سمجھ داری کی باتیں کرنے لگے تھے۔ نوشاب بھی کھل گئی تھی۔

بہر حال وہ ایک جگہ شیکی کے سامنے آ گئی اور شیکی اسے دیکھ کر چونک پڑا۔

''مس تنویر۔۔۔ مس تنویر۔''

''ہیلو شیکی۔''

''ہیلو۔ کہاں ہیں آپ۔''؟

''یہی سوال میں آپ سے کرتی ہوں۔''

''میں تو یہیں ہوں تنویر۔ بس میرے خیال میں آپ نے میرے چہرے اور سر سے یہ جھاڑ جھنکاڑ ہٹا کر میرے اوپر بڑا احسان کر ڈالا ہے۔''

''کیسا احسان۔''؟

”زمانے کا رنگ ہی بدل گیا ہے میری نگاہوں میں۔“

”اوہو ہو۔ ایسا ہی لگ رہا ہے شیکی صاحب۔ مگر یہ واردات کیسے رونما ہوئی۔“

”مجھے خود نہیں معلوم۔“

”بہت کم نظر آتے ہیں آپ۔ کہاں رہتے ہیں۔“؟

”گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے میں نے۔ زمانہ مجھے اپنے درمیان پسند نہیں کرتا شاید۔“

”یہ اندازہ کیسے لگایا آپ نے۔“؟

”بس یوں سمجھیں عقل آ گئی ہے کچھ۔“

”بہت افسوس ہوا یہ سن کر۔ عالم پناہ کا کیا حال ہے۔“؟

”خدا جانے۔ میں اس کے لئے افسردہ ہوں۔“ شیکی نے کہا۔

”دلربا بھی خاموش ہے ان دنوں۔“

"ہاں۔یہ بھی اداس ہے۔"شیکی نے دلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

"اس اداسی کی کوئی وجہ ضرور ہوگی۔"

"وجہ تلاش کر رہا ہوں۔ابھی اس میں ناکام ہوں۔"شیکی نے جواب دیا۔اور تنویر ٹھنڈی سانس لے کر گردن ہلانے لگی۔

شام کو تنویر نے صفدر کو رپورٹ دی۔اور صفدر کے چہرے پر مضحکہ خیز سنجیدگی چھا گئی۔

"یہ نہیں ہوسکتا۔ہرگز نہیں ہوسکتا۔یہ افریقی لوگ یہاں آ کر عقل مند نہیں ہوسکتے کچھ کرنا پڑے گا۔کوئی گہری کاروائی کرنا ہوگی۔کوئی ایسا عمل کہ یہ پھر سے کام کے لوگ بن جائیں۔"

"انوکھی کایا پلٹ ہوئی ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے۔بہر حال کچھ سوچیں گے۔تم

لوگ پریشان نہ ہو۔" صفدر نے کہا۔

"نور جہاں کا ڈرامہ کب ہو رہا ہے۔"؟

"آج رات۔ اور اس ڈرامے کے سلسلے میں مختلف کرداروں کا انتخاب کیا گیا ہے۔ آج رات ایک دلچسپ ڈرامہ باغ ہو رہا ہے۔"

"باغ ہو رہا ہے۔"

"یہاں اسٹیج نہیں باغ ہو رہا ہے۔ کیونکہ یہ ڈرامہ باغ میں ہوگا اور اس میں کئی کردار کام کر رہے ہیں۔ حضرات آپ کی خدمت میں نور جہاں۔۔۔ صفدر نے کہا اور تالیاں گونجنے لگیں۔

سہیل ایک شاندار سوٹ میں ملبوس تھا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔ اور ہال میں موجود دوسرے سب لوگ بھی سنجیدہ تھے۔ راگھو خان عجیب سی نگاہوں سے سہیل کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے

بدن پر سجے ہوئے ہتھیار اُتار اُتار کر نیچے رکھ دیئے اور عجیب سی نگاہوں سے سہیل کو دیکھتا ہوا کھڑا ہو گیا۔

"آ گیا رے بانگڑو، بہت دنوں کے بعد آیا ہے تو۔۔۔" اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"ہاں۔لیکن جوں کا توں ہو۔۔۔" سہیل بولا۔

"پتہ چل جائے گا۔آ جا میدان میں۔" راگھو خان بولا۔اور اس کے تمام ساتھی پیچھے ہٹ گئے،وہ پیچھے ہٹتے ہوئے دیواروں سے چپک گئے تھے، زاہد ظفر اور مسز درانی دونوں متحیرانہ انداز میں ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔۔۔سہیل کے چہرے پر بھی مکمل سنجیدگی کے آثار تھے، پھر اس نے کوٹ کے بٹن کھولے اور کوٹ اُتار کر ایک طرف بڑھا دیا۔فوراً ہی راگھو خان کے ایک آدمی نے کوٹ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔سہیل کی پینٹ میں

چمڑے کی چوڑی بیلٹ بندھی ہوئی تھی، اس پر کافی خوبصورت نقش و نگار نظر آ رہے تھے۔

راگھو خان اپنے ہتھیار اُتارنے کے بعد آہستہ سے اپنی جگہ سے اُٹھا اور سہیل کے مقابل آ کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک نظر آ رہی تھی۔ سہیل کے ہونٹ بھینچے ہوئے تھے نجانے یہ کیسی ملاقات تھی یہ دونوں دوست تھے یا دشمن، اس کا کوئی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

تب راگھو خان ہنستا ہوا پیچھے ہٹا، سہیل بدستور سنجیدہ تھا راگھو خان عجیب سے انداز میں سہیل کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

”ویسے کا ویسا ہے تو بانگڑو، پر تیرے آنے سے ہمیں جو خوشی ہوتی ہے وہ بتا نہیں سکتے ہم تجھے۔“ اس نے اپنی کمر میں بندھی ہوئی چوڑی بیلٹ کھولی اور اس کا ایک سرا ہاتھوں میں لپیٹنے لگا۔

سہیل نے بھی اپنی کمر سے بیلٹ اُتار لی تھی اور اب وہ دونوں مقابلہ کرنے کے لئے تیار نظر آرہے تھے۔

مسز درانی اور زاہد ظفر کی آنکھیں حیرت سے پھٹی جارہی تھیں ان کی عقل نے کام چھوڑ دیا تھا، کیا سہیل کے اور راگھو خان کے درمیان جنگ ہوگی۔؟ وہ سوچ رہے تھے۔ لیکن سہیل یہاں کیوں آیا ہے۔؟ اگر یہ اس کے دشمنوں کی کچھار ہے تو کیا یہاں آکر وہ زندہ واپس نکل سکتا ہے۔؟ ان کے ذہنوں میں متعدد خیالات تھے

"راگھو خان اور سہیل دونوں نے بیلٹوں کے سرے اپنے ہاتھوں پر اس طرح کس لئے تھے کہ اب اس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہ گئی تھی کہ وہ لوگ آپس میں جنگ کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ کیسی انوکھی جنگ تھی یہ۔

بہرصورت وہ دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے، پھر راگھو

خان کے حلق سے ایک دہاڑ نکلی اور اس نے پلٹ کر سہیل کے بدن پر بیلٹ کا وار کر دیا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہی اسے سہیل کی بیلٹ بھی برداشت کرنا پڑی تھی۔ وہ لڑکھڑا کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا اور اس بار پھر وہ دونوں پینترے بدل رہے تھے۔

راگھو خان نے اس بار پھر سہیل پر وار کیا اور بیلٹ شواپ سے سہیل کے بدن پر پڑی۔ سہیل کی قمیض پھٹ گئی تھی، اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ بیلٹ کی قوت کس قدر تھی، لیکن جوابی حملہ بھی اتنا ہی خوفناک تھا۔ سہیل کی بیلٹ راگھو خان کے شانے پر پڑی اور راگھو خان ایک لمحے کے لئے زمین پر گر گیا، لیکن دوسرے لمحے وہ دونوں پیروں سے سرکتا ہوا پیچھے ہٹا۔۔۔ سہیل نے پے در پے اس کے پیروں پر وار کئے تھے اور راگھو خان کے حلق سے دہاڑیں نکل رہی تھیں۔ لیکن وہ سنبھل گیا۔ اس بار پھر اس نے دیوانہ وار سہیل پر حملے کئے، بیلٹیں سہیل

کے مختلف جسم کے حصوں پر پڑ رہی تھیں اور اس کے بدن سے جگہ جگہ
سے خون رس رہا تھا، لیکن سہیل کے انداز میں بڑی وارفتگی سی پیدا ہوتی
جا رہی تھی، اُسے جوں جوں مار پڑ رہی تھی وہ توں توں چاق و چوبند
ہوتا جا رہا تھا اور سہیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلتی جا رہی تھی، جب
کہ دوسری طرف راگھو خان کی بُری حالت تھی۔ سہیل کا ہر وار اس کے
لئے کربناک تھا اور وہ چیخ چیخ پڑتا تھا، عجیب خوفناک جنگ تھی دونوں
ایک دوسرے کو وحشیوں کی طرح مار لگا رہے تھے اور اس قدر مار
کھانے کے باوجود دونوں کے انداز میں کوئی سستی نہیں تھی۔ ان کے
منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکل رہی تھیں۔ کافی دیر تک یہ جنگ
جاری رہی۔ سہیل کے خوبصورت بدن کا تصور کر کے یہ محسوس ہوتا تھا
کہ ان کا یہ سڈول بدن اذیت برداشت کرنے کے قابل نہیں ہے
لیکن مسز درانی کو چکر آ رہے تھے کیونکہ اس قدر زخمی ہونے کے باوجود

سہیل پوری طرح سے چاق و چوبند تھا اور اس میں کسی قسم کی تھکن کے آثار نہیں تھے۔

پھر راگھو خان نے بیلٹ پھینک دی اور سہیل کو دیکھنے لگا سہیل نے خود بھی بیلٹ پھینک دی تھی۔ لیکن یہ صُلح جوئی کا انداز نہیں تھا۔ وہ دونوں ایک بار پھر آمنے سامنے آ گئے۔ اس بار بھی راگھو خان نے حملہ کرنے میں پہل کی تھی اس نے اُچھل کر دونوں لاتیں سہیل کے سینے پر ماریں لیکن سہیل نے بل کھا کر ایک داؤ لگایا اور راگھو خان کی ایک ٹانگ اس کی بغل میں آ گئی۔ اس نے راگھو خان کو رگید کر رکھ دیا تھا۔ دونوں خون ریز جنگ لڑ رہے تھے۔

پھر دونوں ہی تھک گئے اور پھر لڑائی رک گئی۔ راگھو خان کھڑا ہو گیا۔ پھر اس نے مسکرا کر دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

''گلے لگ جا یار۔ تو واقعی نصیبو ہے۔'' دونوں گلے لگ گئے اب

یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان سے گہرا دوست روئے زمین پر نہ ہو
راگھو خان کے آدمیوں میں بھی زندگی دوڑ گئی۔ سب کے سب قہقہے لگا
رہے تھے راگھو خان بھی ہنسنے لگا تھا۔

"جشن مناؤ رے میرے یار کے آنے کی خوشی میں۔ بہت دنوں
کے بعد آیا ہے پٹولا اور جیسے کا تیسا ہے۔ جاؤ تیاریاں کرو۔" اور لوگ
منتشر ہو گئے۔

مسز درانی بھی چکرائے ہوئے ذہن کے ساتھ باہر نکل آئی۔ اور
زاہد ظفر بھی۔ اتفاق سے دونوں کا آمنا سامنا ہو گیا۔ اور مسز درانی بے
اختیار زاہد کے پاس پہنچ گئی۔

"زاہد ظفر۔ ایک منٹ کے لئے میری بات سُن لو۔ پلیز یہ میری
درخواست ہے۔"

"کہو کیا بات ہے۔"؟
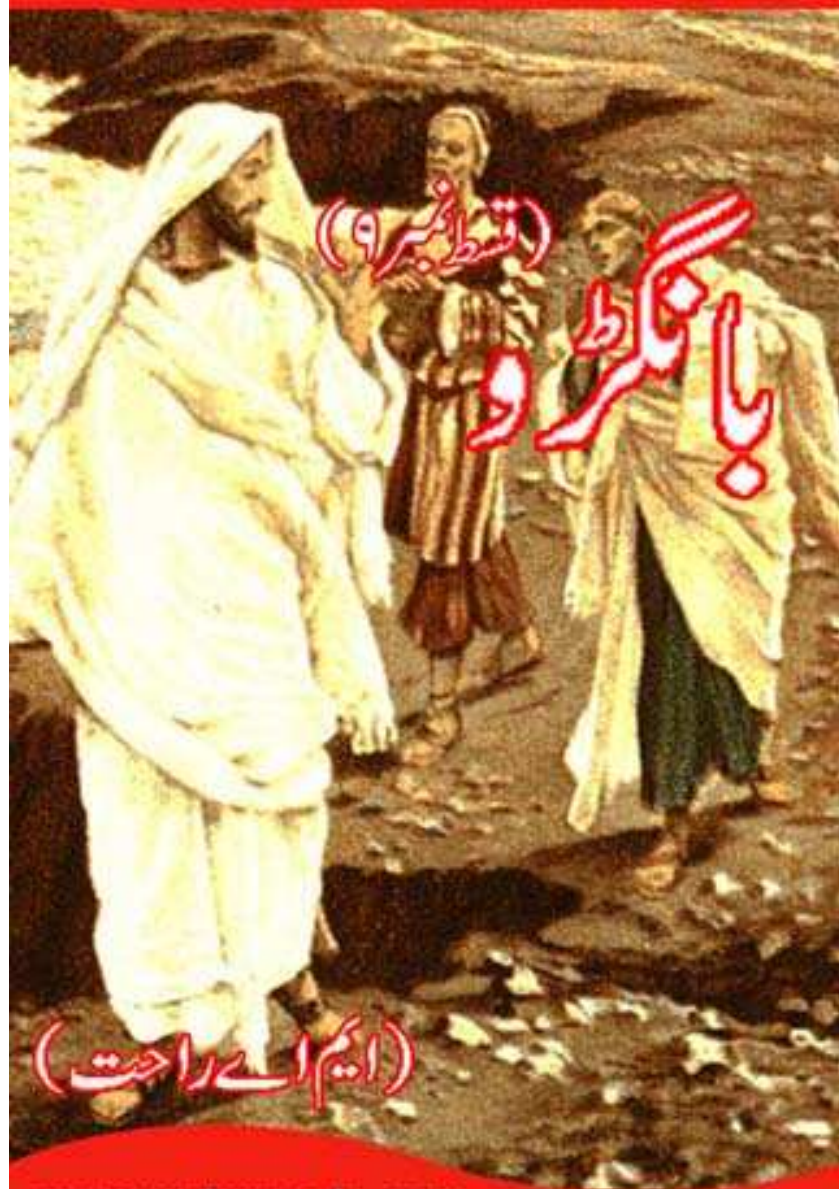
بانگڑو
(قسط نمبر۹)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

"کیا ہم مصلحتاً کچھ عرصہ کے لئے صُلح نہیں کر سکتے۔"؟

"اس کی ضرورت۔"

"وہ کم بخت یہاں بھی آ گیا ہے ہمیں پاگل کرنے کے لئے۔ تم نے دیکھا نہیں کیسی انوکھی ملاقات ہے یہ۔"

"ظاہر ہے میں اندھا نہیں ہوں۔" زاہد نے جواب دیا۔

"کیا ہم اس موقع سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ دیکھو زاہد جو کچھ ہو چکا ہے وہ اپنی جگہ ہے۔ ان وحشیوں کے درمیان ہم زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہ سکیں گے اگر فی الوقت اپنی دشمنی کو بھول کر متحد ہو جائیں تو کیا حرج ہے اپنے معاملات ہم یہاں سے نکلنے کے بعد بھی نمٹا سکتے ہیں کیا خیال ہے۔"

"یہاں سے نکلنے کے بعد۔"

"ہاں۔"

”مگر یہاں سے نکلیں گے کیسے۔“؟

”اسی سلسلے میں غور کرنا ہے۔میرے خیال میں ہم سہیل سے معافی مانگ لیں اگر ہم اس کوشش میں کامیاب ہو گئے تو میرا خیال ہے یہاں سے نکلنے میں دقت نہ ہوگی۔“

”وہ معاف کر دے گا۔“؟

”کوشش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔لیکن یہ کوشش مشترکہ ہونی چاہئے۔“

”ایک شرط پر۔“ زاہد ظفر بولا۔

”کیا شرط ہے۔“؟

”تم اس کے سامنے خود میری پوزیشن صاف کرو گی۔اور اس سے کہو گی کہ تم نے ہی مجھے بہکایا تھا۔“ زاہد ظفر نے کہا۔۔۔اور مسز درانی کے چہرے پر خوف کے آثار نظر آنے لگے۔

''نہیں زاہد۔ یہ ذمہ داری تمہیں لینی ہوگی۔ میں یہ تیسری غلطی کر چکی ہوں۔ مجھے معافی نہیں ملے گی جب کہ تمہاری یہ پہلی غلطی ہوگی۔ مان لو زاہد۔ تمہاری وجہ سے میری زندگی بچ جائے گی۔'' مسز درانی نے التجا بھرے لہجے میں کہا اور زاہد ظفر سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''چلو ٹھیک ہے کوشش کیے لیتے ہیں۔''

سیٹھ کانجی والا نہ صرف شہر بلکہ ملک کی مقتدر ہستیوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس کا کاروبار ملک میں ہی نہیں بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک میں پھیلا ہوا تھا اور غیر ممالک میں بھی اس کے بے شمار دوست تھے۔ محنت بے شک خوشحالی لاتی ہے۔ لیکن دولت کی ہوس آہستہ آہستہ انسان کو ان راستوں پر لے جاتی ہے جو بہر حال نیکی اور شرافت کے راستے

نہیں ہوتے۔ کانجی والا کسی زمانے میں ایک صاف ستھرے کاروبار کا مالک تھا۔ لیکن پھر اِسے دولت کی ہوس لگی اور صورتِ حال بگڑتی چلی گئی۔ اور اب وہ بے شمار ناجائز کاروبار کرنے لگا۔ غلط کاریوں کے ساتھی غلط لوگ ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ وہ ایسے بے شمار لوگوں کا دوست بن گیا جو جرائم پیشہ تھے۔ یہاں تک کہ وہ ان میں سے بعض لوگوں کے چنگل میں بُری طرح پھنس گیا۔ انہی میں گولیور بھی تھا۔

ایک بین الاقوامی مجرم جو بے حد خطرناک تھا اور جو اِس کے بہت سے بُرے کاموں سے واقف تھا۔ ایک طرح سے کانجی والا گولیور کے چنگل میں پھنسا ہوا تھا لیکن بظاہر گولیور سے اس کی دوستی تھی۔ اِن دنوں وہ بڑے سکون سے زندگی گزار رہا تھا۔ کہ اِس کی زندگی کا سکون درہم برہم ہو گیا۔ ایک منحوس صبح اِسے ایک فون موصول ہوا۔ اور اِس نے بڑی رعونت کے ساتھ فون کا ریسیور اُٹھا کر کانوں سے لگا لیا۔

''ہیلو۔۔۔کون ہے۔'' اس نے کہا۔

''سیٹھ کانجی والا سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''کوئی کاروباری معاملہ ہے۔'' کانجی والا نے پوچھا۔

''نہیں صرف دوستانہ۔'' دوسری طرف سے کہا گیا۔

''کون بول رہا ہے۔نام بتاؤ۔'' کانجی والا نے کہا۔

''خادم کو گولیور کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔اور فون کا ریسیور کانجی والا کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچا۔ایک لمحے تک اس کے کان جھنجھناتے رہے۔اِس نام نے اِس کے اعصاب کو سکتے میں تبدیل کر دیا تھا۔بمشکل تمام اِس نے خود کو سنبھالا اور متحیرانہ انداز میں بولا۔

''گولیور۔تم کہاں سے بول رہے ہو۔''؟

''تمہارے ملک میں۔تمہارے شہر میں۔'' گولیور نے جواب

دیا۔

"کب آئے یہاں۔کوئی خاص بات ہے میرا مطلب ہے کیا کسی خاص کام سے آئے تھے۔"

"میں کسی عام کام سے کہیں نہیں جاتا۔لیکن اس بار مجھے کچھ دلچسپ تجربات سے گزرنا پڑ رہا ہے۔"

"کیسے تجربات۔"سیٹھ کانجی والا نے پوچھا۔

"بس اس سلسلے میں کوئی تفصیل نہیں بتائی جاسکتی۔تمہارے کیسے مزاج ہیں کانجی والا۔"؟

"ٹھیک ہوں۔تمہاری آمد سے سخت حیران ہوں۔"

"صرف حیران رہو۔فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" گولیور نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اوہ۔بہت بہت شکریہ گولیور۔یقین کرو میں خود بھی اِن دنوں

پریشانیوں اور اُلجھنوں کا شکار ہوں۔"

"ممکن ہے میں تمہاری کوئی مدد کرسکوں۔ سُنا ہے کہ کل کوئی تقریب کررہے ہو۔"؟

"ہاں۔وہ بیٹی کی سالگرہ تھی۔"

"کیا وقت ہوگا۔"؟

"شام چھ بجے گولیور۔میں۔"

"میں اِس سالگرہ میں شرکت کررہا ہوں۔یقیناً تمہارے شہر کے معززین اِس میں شرکت کریں گے۔"

"ہاں تقریباً تمام ہی بڑے بزنس مین اور سرکاری افسران۔" کانجی والا نے جواب دیا۔

"اوکے کانجی والا۔کل ملاقات ہوگی۔" گولیور کی آواز سُنائی دی اور فون بند ہوگیا۔

سیٹھ کانجی والا دیر تک ریسیور ہاتھ میں لئے بیٹھا رہا تھا۔ پھر جب اس کی اکلوتی بیٹی اندر گھس آئی تو اس نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر ریسیور رکھ دیا۔

''کیا بات ہے ڈیڈی۔''؟ شمّی نے غور سے کانجی والا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ایں۔کوئی خاص بات نہیں ایک دوست کا فون تھا۔'' کانجی والا اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا اور شمّی کے ساتھ باہر نکل آیا۔ بیٹی کی خوشیوں میں وہ کوئی رخنہ اندازی نہیں کرنا چاہتا تھا۔لیکن گولیور کے نام کو سن کر ذہن پر قابو رکھنا آسان کام نہیں تھا۔

عالم پناہ کی کیفیت میں واقعی نمایاں تبدیلی پیدا ہو گئی تھی۔عموماً وہ کمرے میں بند ہی رہتے تھے۔بس دل پر وحشت بیٹھ گئی تھی۔جن

عجیب وغریب حالات سے وہ گزرے تھے۔انہوں نے ان کے ذہن پر بُرا اثر ڈالا تھا۔کلاسیک پسند انسان تھے۔اس لئے ذہن نے نہ جانے کیا کیا فیصلے کئے تھے۔بعض اوقات وہ گہری سوچ میں ڈوب جاتے تھے۔

دوسری طرف تفریح پسند حضرات ان کے لئے سخت مشقت کر رہے تھے اور دن رات نئی نئی ترکیبیں سوچی جا رہی تھیں۔اس پورے ڈرامے کا ہدایت کار صفدر تھا۔اور اب ایک کردار بدل گیا تھا۔یعنی صوفیہ۔صوفیہ تنویر کی نسبت زیادہ بہتر تھی ۔یہ دوسری بات تھی کہ وہ ایسے معاملات میں ذرا محتاط رہتی تھی۔لیکن شیطان صفت صفدر نے بہر حال اس معاملے میں اسے گھسیٹ ہی لیا تھا۔

اور اب وہ خود بھی اس کے لئے تیار ہو گئی تھی۔دو دن تک صرف تیاریاں کی گئیں۔ایک مخصوص لباس تیار کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ بھی

کچھ اور کام کئے گئے تھے۔

بالآخر اس کھیل کا آغاز ہو گیا۔ تیسرے دن ایک پوسٹ مین نے ایک پارسل لا کر دیا جو جہانگیر صاحب کے نام تھا۔ پارسل جہانگیر صاحب کو پہنچایا گیا اور وہ حیران رہ گئے۔

اُنہوں نے پارسل کی مہر دیکھی، کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ کہاں سے آیا یہ پارسل، یہاں کون اِن کا رفیق تھا۔ پارسل سے خوشبو مہک رہی تھی۔ کھولا گیا تو ایک کتاب برآمد ہوئی اور کتاب کا عنوان دیکھ کر وہ چونک پڑے۔ کتاب کا نام تھا نور جہاں، عالم پناہ حیران رہ گئے تھے۔

کتاب کھولی تو قدیم طرز کی تحریر میں ایک پرچہ ملا۔ جس میں لکھا تھا کہ۔

”جہانگیر عہدِ وفا یہ تو نہ تھا۔ تمہارے وعدے

یوں تو نہ تھے۔ زمانے کی گرد نے تمہیں اتنا دھندلا دیا
کہ اپنی نور جہاں کو بھول گئے۔ میری راتیں تنہا ہیں
میرا وجود تنہا ہے۔ اور تم۔ مجھ سے اس قدر گریزاں
مجھے تم سے یہ اُمید نہ تھی۔ میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں
جہانگیر۔ انتظار کروں گی۔

تمہاری نور جہاں۔"

"کک......کیا بکواس ہے۔" عالم پناہ نے خوفزدہ انداز میں کہا۔ اور کتاب جلدی سے ایک طرف رکھ دی۔ وہ آنکھیں پھاڑے اِسے گھور رہے تھے۔

"مذاق کیا ہے کسی نے۔ لیکن کس نے۔ تنویر کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ اِسی نے یہ کہانی سنی تھی۔ لیکن تنویر۔" کوئی بات اُن کی سمجھ میں نہیں آسکی۔

دوپہر کے کھانے کے بعد جب واپس آئے تو کمرے میں مسہری

کے عین نزدیک ایک اور پرچہ رکھا ہوا تھا۔ کاغذ پُرانا تھا۔ لکھا تھا۔

"رات کو ایک بجے۔ بائیں باغ میں بطخ

کے مجسمے کے قریب انتظار کروں گی۔"

نور جہاں

عالم پناہ کا دل دھک سے رہ گیا۔ گزری ہوئی کہانیاں انہیں یاد

آنے لگیں۔ اور وہ خوف کے عالم میں سکڑ کر رہ گئے۔ "نہیں نہیں،

میں نہیں جاؤں گا۔" اُنہوں نے دہشت کے عالم میں کہا۔ لیکن اس

کے بعد کا وقت شدید پریشانیوں کا وقت تھا۔ نہ جانے کیا کیا سوچتے

رہے۔ پھر شام ہوگئی۔

رات کا کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا گیا تھا۔ کمرے میں گھستے

ہوئے خوف محسوس ہو رہا تھا۔ لیکن دل کی بات کسی سے کہہ بھی تو نہیں

سکتے تھے۔خاموشی سے بستر پر لیٹ گئے۔دیوار گیر گھڑی نے گیارہ بجائے۔وہ دماغ سے سارے خیالات نکال کر سونے کی کوشش کرتے رہے۔لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔آخر کتاب کس نے بھیجی ہے۔اور وہ تحریر۔رات کو ایک بجے۔

بارہ بجے اور پھر ایک کا گھنٹہ بج گیا۔گھڑی نے جونہی ایک بجایا۔دفعتاً موسیقی کی ایک آواز اِن کے کانوں میں گونجی ۔یوں لگتا تھا جیسے کسی نے پیانوں کے سُروں پر اُنگلیاں پھیر دی ہوں۔وہ اُچھل پڑے۔یہ آواز کیا صرف سماعت کا واہمہ ہے۔اگر نہیں تو کہاں سے آئی۔وہ اُٹھ کر مسہری پر بیٹھ گئے اور وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگے۔

دفعتاً ان کے عقب سے ایک سرگوشی اُبھری۔"شہزادہ حضور۔" اور وہ مسہری سے نیچے گر پڑے۔لیکن پھر فوراً ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

"کون ہے۔کون ہے۔" انہوں نے گھگھیائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"نور جہاں۔"

"کک.....کیا بکواس ہے۔کہاں ہو تم۔"؟ وہ چاروں طرف دیکھنے لگے۔مسہری کے نیچے جھانک کر دیکھا۔کوئی نہ تھا۔اِس مختصر سے کمرے میں کوئی ایسی جگہ بھی نہیں تھی جہاں کوئی چھپ جاتا۔

"مجھے بکواس کہہ رہے ہو جہانگیر۔" آواز دوبارہ سنائی دی۔اور عالم پناہ کو پسینہ آگیا۔آواز سرگوشی کے انداز میں تھی لیکن صاف سنائی۔۔۔دے رہی تھی۔

"تم کہاں ہو۔سامنے آؤ۔"؟

"میں نے تمہیں بتایا تھا۔آ جاؤ جہانگیر،میں انتظار کر رہی ہوں۔"؟

"نہیں نہیں،میں کہیں نہیں آؤں گا،تم۔تم فراڈ ہو،کوئی عقل کی

بات ہے۔ میں بس جہانگیر ہوں۔'' اور سسکیاں اُبھرنے لگی ،کوئی رو رہا تھا۔ہاں رونے کی آواز صاف تھی۔

''یہ تم کہہ رہے ہو جہانگیر۔کیا یہ واقعی تم کہہ رہے ہو۔تم جو مجھ سے پیار کے بلند و بانگ دعوے کرتے تھے۔''

جہانگیر عالم پناہ تھوک نگلتے رہے۔آواز نجانے کہاں سے آ رہی تھی۔اِن کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا۔آہستہ آہستہ سسکیاں خاموش ہو گئیں۔وقت گزرتا رہا اور عالم پناہ پریشانی کے انداز میں بیٹھے رہے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد پھر وہی آواز اُبھری۔''میں انتظار کر رہی ہوں جہانگیر۔''

''سونے نہیں دو گی مجھے۔''

''میں جاگ رہی ہوں۔اور تم سوؤ گے۔نیند آئے گی تمہیں۔''؟

عجیب سے لہجے میں پوچھا گیا۔

”اگر تم یہی سب کچھ کرتی رہیں تو نیند کیسے آئے گی۔“

”آ جاؤ جہانگیر میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔میں آتا ہوں۔“ عالم پناہ ہمت کر کے بولے۔ انہوں نے سوچا تھا کہ نیند تو یوں بھی نہیں آ رہی ہے دیکھا جائے کیا معاملہ ہے۔لباس تبدیل کر کے وہ چل پڑے اور تھوڑی دیر کے بعد وہ پائیں باغ میں تھے۔

چاندنی چٹکی ہوئی تھی۔پُر اسرار خاموشی ماحول پر مسلط تھی۔وہ وحشت زدہ نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔اِسی وقت ایک درخت کے پیچھے سے آہٹ سنائی دی۔اور وہ اُچھل پڑے۔ایک عجیب سی خوشبو فضا میں پھیل گئی تھی۔اور پھر ایک قدیم لباس میں ملبوس ہیولا اِن کے سامنے آ گیا۔

پیکرِ حسن و جمال مرمریں بدن، لیکن چہرے پر سفید نقاب پڑی ہوئی تھی اور اس کے نیچے خدو خال واضح نہیں تھے۔ اور وہ ششدر نگاہوں سے اسے دیکھتے رہے۔

"وہ اِن سے چند گز کے فاصلے پر آ کر رُک گئی۔" "جہانگیر۔" اِس کی آواز اُبھری۔

"آپ۔ آپ کون ہیں خدا کے واسطے بتا دیں آپ کون ہیں۔" عالم پناہ کی پھٹی پھٹی آواز اُبھری۔

"نور جہاں۔"

"کون نور جہاں، میں کسی نور جہاں کو نہیں جانتا۔ تم ایک بار مجھے دھوکہ دے چکی ہو۔ میں دوبارہ تمہارے دھوکے میں نہیں آؤں گا۔!" عالم پناہ نے کہا۔

"دھوکہ۔"؟

"ہاں کھنڈرات میں کیا ہوا تھا۔"؟

"آہ۔ وہ ہمارے دشمنوں کا کھیل تھا۔"

"دشمنوں کا۔ کون سے دشمن۔"

"تم شیر افگن کو نہیں جانتے جہانگیر۔ وہ بے حد سازشی انسان ہے اور ہماری محبت سے واقف ہے۔" آواز نے کہا۔

"ششش...... شیر افگن۔"؟ عالم پناہ خوفزدہ انداز میں بولے۔

"آہ جہانگیر۔۔۔ اپنے ذہن پر پڑی ہوئی گرد صاف کرو۔ تم شیر افگن کو بھی بھول گئے۔"؟

"نہیں۔ مگر میرا اِس سے کیا تعلق۔"؟

"تم تو سب کچھ بھول گئے ہو جہانگیر۔ آہ اس دن شیر افگن کی سازش نے تمہیں مجھ سے بدظن کر دیا۔ ورنہ۔ اور پھر وہ تو ہمیشہ ہی ہمارے تعاقب میں لگا رہا ہے۔ یہ کون سی نئی بات تھی۔"

"مرد کی آواز میں شیر افگن بول رہا تھا۔" عالم پناہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہاں وہ اسی کی آواز تھی۔"

"اور کوڑے کس نے کھائے تھے۔"؟

"وہ میری طرف سے شیر افگن کے لئے سزا تھی۔"

"میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔ آخر تم نور جہاں کہاں سے ہو گئیں۔"

"تم جہانگیر نہیں ہو۔"؟

"وہ والا نہیں ہوں جو تم سمجھ رہی ہو۔"

"آہ یہی تو غلط فہمی ہے تمہیں۔ تمہاری آنکھیں ابھی بند ہیں جہانگیر۔"

"اس طرح تو میں کبھی کا مر چکا ہوں۔ کیا میں خود کو مُردہ تصور

کروں۔"

"نہیں جہانگیر پیار کرنے والے کبھی نہیں مرتے وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔تم بھی زندہ ہو، میں بھی زندہ ہوں۔"

"افسوس اب میں تم سے محبت نہیں کر سکتا۔"

"کیوں۔آخر کیوں۔"؟

"اس لئے کہ میں اکبر والا جہانگیر نہیں ہوں بلکہ۔بلکہ۔"

"تم وہی ہو۔یہ میں تم سے زیادہ جانتی ہوں۔بیٹھ جاؤ۔کھڑے کھڑے تھک گئے ہوگے۔"

عالم پناہ پریشانی سے اسے دیکھتے رہے۔ابھی تک وہ مرد کی آواز میں نہیں بولی تھی۔ہنٹر بھی نہیں تھا اس کے ہاتھ میں۔اور کوئی خاص بات نہیں ہوئی تھی۔اس کا لہجہ اس قدر محبت سے بھرا تھا کہ عالم پناہ کا دل ڈانوا ڈول ہو رہا تھا۔اس محبت بھرے لہجے کو کیسے ٹھکرا دیں۔وہ

پریشانی کے عالم میں بیٹھ گئے۔نور جہاں بھی اِن سے کچھ دور ایک گھاس کے قطع پر بیٹھ گئی تھی۔اِس کی حسین آنکھیں عالم پناہ پر جمی ہوئی تھیں۔اِن آنکھوں میں ایسی محبت ایسی وارفتگی تھی کہ عالم پناہ کو شرم آنے لگی۔

''اب کچھ باتیں کرو۔''وہ بولے۔''تمہاری خاموشی پر غور کر رہی ہوں۔تم اِس قدر خاموش کیوں ہو۔''؟

''کوئی بات میری عقل میں نہیں آرہی۔''

''مجھ پر یقین کرلو سب ٹھیک ہوجائے گا۔زندگی کی سب سے بڑی حقیقت یقین ہے۔صرف یقین۔یقین میں عقل شامل ہوجائے تو اس کی موت ہوجاتی ہے۔''

''اوہ۔تو۔مگر میں تو۔وہ جہانگیر نہیں ہوں۔''

''وہی ہو۔میں جانتی ہوں۔یہ بات تم بھول گئے ہو لیکن مجھے یاد

ہے مجھے اچھی طرح یاد ہے۔''

''پھر مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔''؟

''محبت۔صرف محبت۔''جواب ملا۔

''لوگ کیا کہیں گے۔''

''کور باطن ہیں۔حقیقت کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے۔ وہ تمہارے مرتبے تک کیسے پہنچ سکتے ہیں۔ایک عام انسان میں اور شہنشاہ ہندوستان میں کوئی فرق تو ہونا چاہئے۔''

''میں عام آدمی نہیں ہوں۔''؟

''ہرگز نہیں۔''نورجہاں نے جواب دیا۔اور عالم پناہ کے دل میں خوشی اور مسرت کا طوفان اُٹھنے لگا۔اِن کے انداز میں اب تبدیلی پیدا ہوتی جارہی تھی۔وہ اِس کے قرب سے مسحور ہوتے جارہے تھے۔ پھر انہوں نے کہا۔

”تم نے مجھے پریشان کردیا ہے نور جہاں۔میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔اپنے چہرے سے یہ نقاب ہٹادو۔“

”آہ نہیں جہانگیر۔پہلی غلطی مجھ سے ہی ہوئی تھی۔اِس وقت میں تمہارے سامنے بے نقاب آگئی تھی۔ہمارے دشمنوں کو موقع مل گیا تھا اورانہوں نے تمہیں مجھ سے بدظن کردیا۔“

”دشمن۔“؟جہاں پناہ بولے۔

”ہاں جہانگیر ہزاروں دشمن ہیں ہمارے۔تم نے زندگی کا طویل عرصہ یہاں سے دوررہ کر گزارا ہے،تم بہت کچھ بھول گئے ہو آہستہ آہستہ تمہیں یادآجائے گا۔سب کچھ یادآجائے گا۔“

”تعجب ہے۔“عالم پناہ گردن کھجاتے رہے۔

”رات بہت ہوچکی ہے جہانگیر اب آرام کرو۔کل آؤ گے۔“؟

”تم بتاؤ۔“

''تمہارے دل میں اگر میری محبت دوبارہ جاگ اُٹھے تو ضرور آنا۔ میں انتظار کروں گی اب جاؤ۔''

''تم کہاں جاؤ گی۔'' عالم پناہ نے پوچھا۔

''رات کے تاریک سناٹوں میں میرا بسیرا ہے۔ ویرانے میری پناہ گاہ ہیں، بس وہیں جاؤں گی اور دوسری رات کا انتظار کروں گی۔ اچھا خدا حافظ۔ رات بہت گزر چکی ہے۔'' عالم پناہ گردن ہلاتے ہوئے وہاں سے چل پڑے۔ چند قدم چل کر انہوں نے پلٹ کر دیکھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑی تھی۔ لیکن جب انہوں نے دوسری بار پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا۔

وہ واپس اپنی خواب گاہ میں آ گئے۔ لیکن اب نیند کہاں تھی جوں جوں اس بارے میں سوچ رہے تھے کھوپڑی آؤٹ ہوتی جا رہی تھی۔ وہ اپنے بارے میں غور کر رہے تھے۔ اپنے ماضی کے بارے میں سوچ

رہے تھے۔بچپن سے آج تک ایک ایک عہد یاد کررہے تھے۔ وہ
شہزادہ اور پھر شہنشاہ کیسے ہوگئے اور نور جہاں اُسے تو مرے ہوئے
بھی طویل عرصہ گزر گیا تھا۔ پھر یہ تاریخ زندہ کیسے ہوگئی۔تو کیا وہ
نور جہاں کی روح ہے، کیا واقعی وہ نور جہاں کی روح ہے۔؟

روح کے تصور سے ان کے دل میں خوف کی لہریں پھیلنے لگیں،
ایک روح سے عشق کا تصور بھی خوفناک تھا لیکن وہ کتنی حسین تھی۔کیسی
عجیب کیسی دلکش۔

پھر اُن کے ذہن میں ایک اور خیال آیا۔وہ آوازیں وہ سرگوشیاں
جو اُنہیں اس کمرے میں سنائی دی تھیں حقیقی تھیں، یا اور اس یا کے تصور
کے ساتھ اُن کے ذہن نے کام کرنا شروع کردیا۔تمام روشنیاں جلا
کر انہوں نے کمرے کی ایک ایک چیز کھنگال ڈالی باریک بینی سے ہر
جگہ کا جائزہ لیا، لیکن اِن چالبازوں سے نمٹنا اِن کے بس کی بات نہیں

تھی جو اس پورے کھیل کے پیچھے تھے وہ تمام چیزیں تو اُسی وقت ہٹا دی گئی تھیں جب وہ کمرے سے نکل کر باغ میں پہنچے تھے۔

☆

دونوں سہیل کے سامنے پہنچ گئے۔ سہیل دلچسپ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ راگھو خان بھی اُس کے پاس موجود تھا۔

''یہ کون ہے۔'' نصیبو یا سہیل نے زاہد ظفر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

''کون ہے رے تو۔''؟ راگھو خان بولا۔

''زاہد ظفر ہوں جناب۔''

''کیا کرتا ہے یہ تمہارے پاس راگھو خان۔''

''اصطبل میں گھوڑے ملتا ہے۔''

''اور یہ عورت کون ہے۔''؟

''باورچن ہے، روٹیاں پکاتی ہے۔''

''کیا چاہتے ہو تم دونوں مجھ سے۔''

''چند لمحات کی تنہائی جناب۔'' زاہد ظفر نے کہا۔

''راگھو خان میرا دوست ہے۔ میری کوئی بات اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔'' سہیل نے کہا۔

''تو پھر تمہیں ہماری اہمیت بھی معلوم ہوگی۔''

''معلوم ہے، اِسی لئے تو اُس نے تم دونوں کو تمہاری اوقات پر پہنچا دیا ہے۔'' سہیل نے جواب دیا۔

''زیادہ کچھ نہ کہوں گا جناب سوائے ایک بات کے اگر ممکن ہو سکے تو ہم دونوں کو ایک بار اور معاف کر دیں، اِس کے بعد ہم آپ سے معافی نہیں مانگیں گے، اگر آپ کے خلاف کوئی بات ذہن میں آئی تو یا تو کامیابی سے اِسے پورا کریں گے یا اگر ناکام رہے تو پھر سزا

خواہ وہ موت ہی کیوں نہ ہو قبول کرلیں گے۔'' زاہد ظفر نے کہا۔ اور سہیل ہنس پڑا۔ پھر اُس نے گردن ہلا کر کہا۔

''چلو ٹھیک ہے معاف کیا تمہیں۔ میرے ساتھ واپس چلنے کے لئے تیار ہو۔''

''دونوں کے منہ حیرت سے کھل گئے تھے۔ اِس کے بعد کوئی آواز اِن کے منہ سے نہیں نکلی۔ اور پھر وہ واپس چلے آئے۔ اِس وقت دونوں کو ایک ہی جگہ چھوڑ دیا گیا تھا۔ دونوں سکوت کے سے عالم میں تھے۔ انہیں اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ وہ واقعی یقین نہیں کر پا رہے تھے کہ نصیبو نے انہیں معاف کر دیا ہے۔

''پتھریلے غار کے اِس حصے میں وہ خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ پھر جب یہ خاموشی طویل ہو گئی تو زاہد ظفر نے مسز درانی کو مخاطب کر کے کہا۔'' اب زندگی بھر خاموش رہو گی کیا۔''؟

"ایں۔" مسز درانی چونک کر بولی۔

"کس خیال میں گم ہو۔"؟

مسز درانی نے گہری سانس لی اور پھر زاہد ظفر کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "کیا تمہیں یقین ہے ظفر کہ جو کچھ اس نے کہا ہے وہی کرے گا۔ کیا یہ اُس کا کوئی اور مذاق نہیں ہے ہمارے ساتھ۔"؟

"یہ بات تو تم بتاؤ گی مسز درانی، میرا تو اِس سے واسطہ بہت ہی کم پڑا ہے۔ تم اِس کی شخصیت سے اچھی طرح واقف ہو۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"میں کچھ نہیں کہہ سکتی ظفر، میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتی ظفر، وہ عجیب وغریب شخصیت کا مالک ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں وہ جھوٹ بول رہا ہے کہاں وہ سچ بول رہا ہے، اس کے ذہن میں کیا ہے، یہ کوئی بھی نہیں بتا سکتا۔ وہ پاگل کر دینے والی شخصیت ہے میں نہیں کہہ سکتی کہ

اِس نے کس انداز میں ہمیں رہائی کی خبر سنائی ہے، ممکن ہے وہ ہمارا مضحکہ اُڑا رہا ہو۔"

"میرا خیال اِس سے مختلف ہے۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ جو کچھ اِس نے کہا ہے وہ بالکل درست ہے اور وہ ویسا ہی کرے گا۔"

"اتنے وثوق سے یہ بات کہہ رہے ہو۔" مسز درانی نے کہا۔

"ہاں اِس کی شخصیت کا اندازہ لگا چکا ہوں۔ مسز درانی تم یقین کرو کہ یہ صرف تم تھیں جس نے اتنے عرصے تک مجھے معتوب کرایا اور میں زندگی سے اتنا دور چلا گیا کہ زندگی خود پر بوجھ محسوس ہونے لگی، ورنہ شاید اس کی نوبت کبھی نہیں آتی۔ میں اِس کی شخصیت کو بخوبی سمجھ رہا ہوں، وہ طاقتور ہے اور ہر طاقتور، انسان فراخ دل اور

کشادہ ذہن کا مالک ہوتا ہے۔اِس کا کام کچھ بھی ہے لیکن میں اِس کی شخصیت پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں۔"

"تو کرتے رہو، مجھے کیوں سنا رہے ہو۔" مسز درانی نے جلے بھُنے لہجے میں کہا۔

"تو پھر تمہارا کیا خیال ہے۔"

"خیال۔۔۔میرا خیال ہے کہ تم آئندہ مجھ سے مت ملنا۔" مسز درانی نے تیکھے لہجے میں کہا۔

"نہیں مسز درانی ہم ایک ہی آدمی کے ماتحت ہیں، ملاقاتیں تو یقیناً ضرور ہوں گی۔اِس لئے تمہارے یہ جملے غیر ضروری ہیں۔"

"ضروری نہیں ہے کہ ہم ملاقاتیں کرنے کے لئے مجبور ہوں۔" مسز درانی نے کہا۔

"اوہو ہو ہو۔پھر بہکنے لگیں مسز درانی، ابھی تو تم اِس کی قید سے

نکل بھی نہیں پائیں۔ ویسے مجھے ایک بات بتاؤ۔ یہاں سے نکلنے کے بعد پھر کسی شخص کو پھانسنے کی کوشش کرو گی اس سلسلے میں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"؟

"میرا مطلب یہ ہے کہ تم یقینی طور پر نصیبو کو دل سے قبول نہیں کرو گی اور اپنی شخصیت کو برقرار رکھنا چاہو گی۔ کیا تم اِس کے بعد کسی اور ذریعے سے اِسے ختم کرنے کی کوشش کرو گی۔"

"اِس بات کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتی۔"

"شاید اِس لئے کہ میں نصیبو کو دل سے مانتا ہوں۔" زاہد نے کہا۔

"دیکھو زاہد ظفر مجھ سے فضول باتیں مت کرو، میں تمہیں منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔ اور وہ تمہاری بوڑھی محبوبہ کہاں ہے کیا تم اِسے اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے۔" مسز درانی نے کہا اور زاہد ظفر ہنسنے لگا۔

"اِس کی توہین نہ کرو مسز درانی، بڑی مظلوم شخصیت ہے بے چاری، اِس کی شخصیت اِس بُری طرح مجروح ہوئی ہے کہ اِس پر دکھ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کیا جاسکتا۔"

"خوب تو اِس کی بھی کوئی شخصیت ہے۔"

"ہاں مسز درانی، میں شاعر قسم کا آدمی ہوں، انسان کو سمجھتا ہوں تم کیا جانو انسان کون کون سی شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ اِسے نوجوانی کی عمر میں یہاں اُٹھالایا گیا تھا اور پھر وقت اِس پر ٹھہر گیا۔ وہ باہر کی دنیا سے محروم ہوگئی۔ اِس کی عمر آگے بڑھ گئی۔ لیکن فطرت اسی جگہ قائم ہے۔ وہ ایک بھٹکے ہوئے ذہن کی مالک ہے۔ اسے یہ احساس نہیں ہے کہ اِس کی عمر آگے نکل گئی ہے۔ وہ اپنی منزل کو اِس جگہ سے تلاش کرنا چاہتی ہے جہاں سے وہ راستے سے ہٹی تھی۔"

"بس بس بس، تم یہ اپنی ساری شاعری اِسے سُنا چکے ہو تو بس

اب خاموش ہو جاؤ۔ مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" مسز درانی نے کہا اور زاہد ظفر گہری سانس لے کر مسکرانے لگا۔

رات ہو گئی تھی، وہ لوگ کھانا کھا کر سونے کے لئے لیٹ گئے۔

اب اِس بات کا انتظار تھا کہ نصیبو کب یہاں سے واپسی کا فیصلہ کرتا ہے۔اپنی دنیا دیکھنے کے لئے اِن کی آنکھیں ترس رہی تھیں۔بہر صورت انہیں نیند آ گئی اور وہ گہری نیند سو گئے۔

مسز درانی سوتے میں بھی مہذب دنیا کے خواب دیکھتی رہی تھی۔ پھر جب اِس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک طویل انگڑائی لے کر آنکھیں مسلنے لگی۔اِس کے ذہن میں نصیبو آ گیا تھا، کسی طرح یہ معلوم ہو کہ وہ کب یہاں سے روانہ ہونے والا ہے۔اِس نے سوچا اور پلٹ کر زاہد ظفر کو دیکھنے لگی۔لیکن زاہد ظفر وہاں موجود نہیں تھا۔اور وہ جگہ.....

دفعتاً اس کے بدن میں سرد لہریں دوڑنے لگیں، یہ جگہ وہ غار تو

نہیں ہے جہاں وہ سوئی تھی۔ پتھریلا تنگ و تاریک غار بلکہ یہ جگہ تو کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔ یہ دیوار مینٹل پیس مینٹل پیس پر رکھی ہوئی خوبصورت گھڑی اور۔ اور اِس سے اوپر دیوار پر۔ ہاں ہاں یہ اسی کی تصویر تو تھی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر اُٹھ گئی۔

بے شک یہ اِس کی تصویر تھی اور اس کی خواب گاہ میں لگی ہوئی تھی۔ اور یہ مینٹل پیس، یہ خواب گاہ میں ہی تو تھا۔ اِس نے وحشت بھری نگاہوں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ سو فیصدی، اگر وہ خواب نہیں دیکھ رہی تو یہ اس کی خواب گاہ ہی ہے، اِس کے بدن کے نیچے اِس کی مسہری تھی جس کا اِسے پہلی بار احساس ہوا تھا بے اختیار وہ مسہری سے نیچے کود آئی۔ وہ جاننا چاہتی تھی کہ کیا یہ سب کچھ عالمِ حقیقت میں ہوا ہے۔ دروازہ کھول کر اس نے بے اختیار اپنے ملازموں کو آوازیں دینا شروع کر دیں اور چند ہی لمحات کے بعد اِس کے تمام ملازم اِس کے

سامنے جمع تھے۔

شیکی سہیل کے سامنے پہنچ گیا۔ سہیل نے چونک کر اسے دیکھا تھا۔ وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھا ایک موٹی سی کتاب کی ورق گردانی کر رہا تھا، خوبصورت سلیپنگ سوٹ میں وہ بے حد وجیہہ نظر آ رہا تھا۔ شیکی اس کے سامنے جا کھڑا ہوا اور سہیل معصوم نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔

"میں شفیع الدین شیکی ہوں۔"

"اوہو ہو اچھا اچھا۔۔۔ آپ جنگل سے کب واپس آئے مسٹر شیکی۔" سہیل نے پوچھا۔

"ہاں میرا خیال ہے میں نے آپ کو جھاڑ جھنکاروں کے درمیان دیکھا تھا، لیکن اب آپ بالکل بدلے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔" سہیل

مسکرا کر بولا۔

''سمجھ گیا سمجھ گیا۔ بالکل سمجھ گیا آپ میرے سر کے بال اور داڑھی کے متعلق کہہ رہے ہیں۔''

''اوہ ہاں۔ دراصل بھول جاتا ہوں میں کچھ باتیں۔ بس ذہن میں اِن کی شبیہ رہ جاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے آپ جھاڑیوں میں اُگے ہوئے گوبھی کے پھول ہوں۔ لیکن اب مجھے یاد آیا کہ وہ جھاڑیاں نہیں تھیں اور آپ گوبھی بھی نہیں تھے۔ آپ کا چہرہ جھاڑ جھنکار کے درمیان نظر آتا تھا۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے آپ جو کچھ بھی کہیں وہ درست ہے۔ میں آپ کے پاس ایک مقصد سے حاضر ہوا ہوں۔'' شیکی نے کہا اور بے اختیار اِس کی اُنگلیاں گٹار پر پہنچ گئیں۔ سہیل کے ہونٹوں پر ایک شرارت آمیز مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ وہ پُر خیال نظروں سے شیکی کو

دیکھ رہا تھا۔ نجانے کیا خیال آ گیا تھا اس کے ذہن میں شیکی بے چارہ اِس سے ناواقف تھا، وہ تو خلوص سے اپنا ایک فرض پورا کرنے کے لئے آیا تھا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں سہیل بھائی۔"

"ہاں ہاں کہو کہو۔ بیٹھ جاؤ۔ مگر تمہارا یہ تان پورہ تمہیں بیٹھنے دے گا۔"

"تن تن پوری نہیں یہ گٹار ہے گٹار۔"

"چلو ٹھیک ہے جو کچھ بھی کہہ لیں آپ اِسے، سارے ساز یکساں ہی ہوتے ہیں، بجتے ہیں خواہ انہیں کوئی بھی نام دے دیا جائے۔"

"مگر گٹار کی بات مختلف ہوتی ہے۔" شیکی بولا۔

"ہوتی ہوگی مگر آپ کس مقصد کے تحت آئے۔ یہ بتایئے۔"

”میں فریادِ محبت لایا ہوں۔“

”کیا لائے ہیں۔“؟ سہیل نے بھنویں اُچکا کر پوچھا۔

”ایک عاشق کے دل کی صدا۔!“

”کہاں ہے دکھایئے۔“ سہیل نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

”اوہ۔ وہ دکھانے کی چیز نہیں ہوتی۔“

”پھر۔۔۔“

”محبت تو ایک پوشیدہ جذبہ ہے سہیل صاحب۔ جو دلوں کی گہرائیوں میں رہتا ہے۔“ شکی نے ایک دم پوز بنالیا اور گٹار سیدھا کرلیا۔

”گویا گویا اب گا کے مجھے محبت کے نغمے سنائیں گے۔“

”ایں۔ نن نہیں۔ سس سوری ہم میں سنجیدہ ہوں۔“

”سنجیدہ ہی رہیں تو اچھی بات ہے ورنہ خواہ مخواہ آپ کا حلیہ بچھ

اور بگڑ جائے گا۔"

"نن، ناراض مت ہوں سہیل بھائی میں واقعی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔"

"گویا اب تک آپ خاموش ہیں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے ٹوٹے ہوئے دل کی صدا۔ اور وہ کیا کہتے ہیں، محبت کا صدآفرین نغمہ ہائے جانفزا۔ اور نجانے کیا کہا گیا۔"

"ایسا کریں، ذرا اٹھیں۔ اپنی جگہ سے۔" سہیل نے کہا اور شیکی کھڑا ہو گیا۔

"دروازہ کھولیں ذرا۔" سہیل نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا اور شیکی نے معصومیت سے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔

"باہر نکل جائیے دو قدم۔" سہیل بولا اور شیکی دو قدم باہر نکل گیا۔

''اب کیا کروں۔'' اس نے باہر کھڑے ہو کر پوچھا۔

''بس اب دروازہ بند کر دیں۔'' سہیل نے کہا اور دوبارہ کتاب کھول لی۔

''شیکی نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا تھا۔ سہیل نے جب یہ محسوس کیا کہ دروازہ بند ہو گیا ہے اور شیکی کمرے میں ہی موجود ہے تو ایک بار پھر اس نے کتاب بند کر دی اور گہری نگاہوں سے شیکی کو دیکھنے لگا۔

''کیا چاہتے ہیں آپ شیکی صاحب۔ خواہ مخواہ خطرات مول نہ لیں جو کہنا چاہتے ہیں جلدی سے بیان فرما دیں، ورنہ کیا فائدہ کہ آپ کو آپ کی اس دلربا کے ساتھ اُٹھا کر میں دروازہ سے باہر پھینک دوں۔''

''نن نہیں سہیل بھائی، مجھے آپ سے بہت ضروری بات کہنی

ہے۔'' شیکی بولا۔

''کہیں گئے نہیں۔'' سہیل نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔

''وہ نوشاب نوشاب۔''؟

''ہاں ہاں، کیا ہو گیا نوشاب کو۔''؟

''غمزدہ ہے، آزردہ ہے، دل فگار ہے، سینہ چاک ہے، ہائے وہ کیا ہے۔ میں کیسے کہوں۔'' شیکی کی ڈربا پھر منمنانے لگی۔ اب سہیل کو اپنی جگہ سے کھڑا ہونا پڑا تھا۔

''شیکی بھائی، ایک بار پھر مشورہ دیتا ہوں کہ اپنی بکواس کے درمیان ان تاروں کو نہ چھیڑیے، ورنہ خواہ مخواہ مجھے کچھ کرنا پڑے گا۔''

''ارے بھول جاتا ہوں سہیل بھائی۔ معاف کر دیجئے۔ میں نوشاب کی بات کرنے آیا تھا۔''

”کیا کرنے آئے تھے، ابھی تک آپ نے کوئی بات نہیں کی بس فضول باتیں کئے جا رہے ہیں۔“

”وہ تمہیں چاہتی ہے۔“

”نوشابہ۔“ سہیل نے پوچھا۔

”ہاں، اسی کی بات کر رہا ہوں۔“

”تو آپ نے اُسے سزا کیوں نہیں دی اِس بات کی۔“

”کک..... کیا مطلب۔“؟

”مطلب یہ کہ آپ بھی تو اِسے چاہتے ہیں۔“

”چاہتا ہوں نہیں چاہتا تھا۔“

”اب نہیں چاہتے۔“؟

”نہیں۔“

”کیوں۔“؟

”مم میں تمہارے حق میں ہوں، مم میرا مطلب ہے اس کے حق میں دستبردار ہوگیا ہوں، یعنی میرا مطلب ہے جہاں پناہ یعنی جہانگیر اور میں اب نوشاب کے راستے سے ہٹ چکے ہیں۔“

سہیل دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر شرارت آمیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی چند لمحات وہ شیکی کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”آپ نے یہ فیصلہ کس طرح کیا شیکی صاحب۔“

”حالات کا تقاضا یہی ہے۔“

”وہ آپ کو چاہتی ہے، چنانچہ ہم لوگ اس کے ذہن پر بار کیوں بنیں۔“

”وہ بے وقوف ہے۔“ سہیل نے کہا۔

”کون نوشاب۔“؟

”ہاں اسی کے بارے میں کہہ رہا ہوں، اُسے سمجھاؤ، اگر وہ مجھے

چاہتی ہے تو اِس میں میرا قصور نہیں ہے۔ اِس کی حماقت ہے۔ میں اِسے اِس چاہت کے جواب میں کچھ نہیں دے سکوں گا۔''

''کیا مطلب۔؟ آپ اِسے نہیں چاہتے۔''؟

''نہیں۔'' سہیل کی آواز میں غراہٹ اُبھر آئی تھی۔

''یہ نہیں ہو سکتا، تم ایک حسین لڑکی کا دل نہیں توڑ سکتے، میں اپنی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں ہونے دوں گا، تمہیں نوشاب کو چاہنا ہوگا سہیل بھائی۔ اگر تم نوشاب کے نہ ہو سکے تو کسی کے بھی نہ ہو سکو گے۔ وہ معصوم ہے، بھولی ہے اور نجانے کیا کیا ہے۔''

''مجبوری ہے شکی۔'' سہیل نے خود کو سنبھالا۔

''میں اِس مجبوری کو ''بوری'' بنا دوں گا۔''

''کیا بنا دیں گے۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

''بوری، بوری، غلط ہے تو غلط ہی سہی، تمہیں اِس سے عشق کرنا ہو

گا۔ آخر وہ کون ہے جسے تم اِس سے زیادہ چاہتے ہو۔''

''اوہ، ہاں۔ یہ سوال کیا ہے آپ نے شاندار۔ اِسے دیکھنا چاہتے ہیں آپ۔'' سہیل کی آنکھوں میں شرارت اُبھر رہی تھی۔

''غور سے دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''میرے ساتھ چلنا ہوگا آپ کو۔''؟

''چلوں گا، نوشاب کے لئے جہنم تک جانے کو تیار ہوں، دیکھیں تو سہی وہ کون ہے جس نے نوشاب کے سہاگ پر ڈاکہ ڈالا ہے۔ چلو مجھے وہاں لے چلو، میں اِس سے نوشاب کی محبت کی بھیک مانگ لوں گا۔ چلو میں تیار ہوں۔''

شکی بہت جذباتی نظر آ رہا تھا۔ سہیل دلچسپ نگاہوں سے اُسے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے گردن ہلا کر اپنی جگہ چھوڑ دی۔

''تم دو منٹ رکو، میں ذرا لباس تبدیل کرلوں۔'' اُس نے کہا

اور شیکی ایک طرف رُخ کر کے بیٹھ گیا۔ سہیل نے پتلون اور قمیض پہنی، بال سنوارے اور پھر وہ شیکی کے ساتھ باہر نکل آیا۔

شیکی گٹار گلے میں ڈالے سینہ پھلائے سہیل کے ساتھ چل رہا تھا اِس کے دماغ میں اِس وقت نجانے کیا کیا خیالات تھے، وہ اپنی محبت کی قربانی دینے جا رہا تھا، ایک سچے عاشق کی طرح وہ نوشاب کے پیار کو کامیاب کرنے کا خواہش مند تھا۔ اور اُس کے لئے اپنی زندگی کا سب سے بڑا ایثار کر رہا تھا۔ آنے والی نسلیں اِسے بھی اِنہیں ایثار پسندوں کی طرح یاد کریں گی، جنہوں نے اپنی جانیں دے کر اپنے پیار کو زندہ رکھا، زندہ باد اے محبت زندہ باد، اے محبت زندہ باد۔"

دفعتاً اِس کے منہ سے نکلا اور سہیل چونک کر اِسے دیکھنے لگا۔

"کیا کہا تم نے۔"؟

"کچھ نہیں، کچھ نہیں، چلو میرے قدموں میں لغزش نہیں ہے۔
میں مردِ میدان ہوں، میں محبت کا پُجاری ہوں، محبت کا پُجاری زندہ
باد۔"

"زندہ باد۔" سہیل نے بھی اس کے ساتھ آہستہ سے نعرہ لگایا۔
اوراپنی کار میں بیٹھ گیا۔ کار اسٹارٹ ہو کر چل پڑی تھی، دلربا پچھلی
سیٹ پر محوِ استراحت تھی اور شیکی سہیل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اُس
کا ذہن اب بھی مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ اُس لڑکی
کو دیکھنا چاہتا تھا جو سہیل کے دل پر حکمراں تھی اور سہیل پُرسکون انداز
میں ڈرائیونگ کرر ہا تھا۔ خاصی دیر کے بعد اُس نے ایک خوبصورت
طرز کی عمارت کے پاس کار روک دی۔ ہارن دیا اور چوکیدار نے
جلدی سے گیٹ کھول دیا۔

دل ہی دل میں شیکی نے سوچا کہ عمارت تو بہت شاندار ہے یقیناً

کسی امیرزادی کی ہوگی، بہرصورت وہ خاموش بیٹھا رہا۔

کار گیٹ سے گزر کر پورچ میں جا کھڑی ہوئی اور سہیل نیچے اُتر گیا۔ شیکی دلربا کو ساتھ لینا نہیں بھولا تھا۔ وہ صدر دروازے سے اندر داخل ہوگئے اور پھر چند لمحات کے بعد شیکی ایک بہت بڑے گراؤنڈ ہال میں موجود تھا۔

دیکھنے کے قابل جگہ تھی، انتہائی پیرائے پر آراستہ، آنکھیں چکا چوند ہوتی تھیں، یہاں آکر ایسے ایسے ڈیکوریشن پیس اور مجسمے رکھے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی تھیں۔

سہیل نے اِسے ایک صوفے پر بٹھا دیا۔ ”یہ کون سی جگہ ہے۔“ شیکی نے پوچھا۔

”کوچہ جاناں۔“ سہیل نے جواب دیا۔

”اوہو ہو، اچھی جگہ ہے۔“

”تم بیٹھو چند منٹ، میں ابھی آیا۔“ سہیل بولا اور ایک پردے کو اُٹھا کر اندر چلا گیا، شیکی عجیب سی نگاہوں سے اس پورے ماحول کو دیکھ رہا تھا۔ درحقیقت بعض لوگ محبتوں کے معاملے میں بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں، سہیل نوشاب کا محبوب تھا اِس حسین نوشاب کا جسے چاہتے ہوئے شیکی اور عالم پناہ کی آدھی زندگی گزر گئی تھی اور جس کی چاہت کو حاصل کرنے کے لئے انہوں نے نجانے کیا کیا جتن کر ڈالے تھے، لیکن دونوں ہی ناکام رہے تھے، خود شیکی بھی اور عالم پناہ بھی، اُن کی تمام تر کوششوں کے باوجود نوشاب نے انہیں گھاس نہیں ڈالی تھی۔ اور وہ اِس کے محبت کے حصول میں ناکام رہے تھے۔

لیکن سہیل بے پناہ خوش نصیب تھا۔ اسے دوہری محبتیں حاصل تھیں، ایک اِس کی اپنی محبوبہ۔ جو یقیناً اسے بے پناہ چاہتی ہوگی اور پھر نوشاب۔

بے اختیار شیکی کے ہاتھ گٹار کے تاروں پر چلے گئے۔ اور تاروں سے ایک المیہ دُھن نکلنے لگی۔ شیکی کا دل دکھا ہوا تھا۔ وہ تو نوشاب کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کہ دفعتاً ایک اور پردہ ہلا وہ پردہ جس سے سہیل اندر داخل ہوا تھا جوں کا توں تھا۔ اِس پردے سے جو کوئی داخل ہوا اسے دیکھ کر شیکی ایک لمحے کے لئے پریشان سا ہو گیا۔

یہ ایک قوی ہیکل عورت تھی، عورت تھی بھی یا نہیں، یہ کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا ہر دانہ چہرہ تھا، بس زنانہ لباس ہونے کی وجہ سے اِسے عورت کہا جا سکتا تھا۔ شیو صاف تھا اور مونچھیں مونڈی ہوئی تھیں، لیکن چہرے پر ہلکی ہلکی نیلاہٹ یہ ظاہر کر رہی تھی، کہ وہاں مونچھیں وغیرہ ضرور ہوں گی۔

''یہ کیا چکر ہے۔'' شیکی نے دل ہی دل میں سوچا، عورت یا آدمی مسکراتا ہوا اندر آ گیا تھا۔

"اے اللہ تم کون ہو تم۔" اس نے لجکتے ہوئے کہا اور شیکی
بوکھلائے ہوئے انداز میں کھڑا ہو گیا۔

"سہیل الدین شفیع بھائی۔" اس نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔

"سہیل الدین شفیع بھائی یہ تمہارا پورا نام ہے، عجیب نام ہے۔"
آنے والا اسی انداز میں بولا۔

"نن نہیں۔ میرا مطلب ہے سہیل بھائی مجھے یہاں لائے ہیں
اور میرا نام شفیع الدین شیکی ہے۔"

"ہائے اللہ شیکی اور یہ گٹار۔ شاید شے تم ہو اور کی یہ ہے۔" آنے
والا یا آنے والی نے آگے بڑھ کر شیکی کی گردن میں بانہیں ڈال
دیں۔

"ارے۔ بب باپ رے، یہ کک، کیا کر رہے ہو۔"

"کر رہے ہو نہیں، کر رہی ہوں، ہائے تمہاری آنکھیں بھی کمزور

لگتی ہیں مجھے کر رہے ہو کر رہے ہو۔ اے میں تو کر رہی ہوں مجھے تم۔'' وہ شفیع الدین کو لئے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اِس کے بدن سے خوشبوؤں کی لپٹیں اُٹھ رہی تھیں۔ لباس خالص زنانہ تھا، اِس نے اپنا رخسار شیکی کے گال سے رگڑا اور شیکی کو اپنے داہنے گال میں داڑھی کی ٹھنٹھیاں چبھتی ہوئی محسوس ہوئیں، وہ صوفے پر بُری طرح پھیل گیا تھا، لیکن آنے والے نے اِسے سنبھال لیا۔

''کیا ہو گیا ہے تمہیں، اتنے بدحواس کیوں ہو، ایسے بدشکل تو نہیں ہیں ہم اللہ قسم۔''

''ب بھئی دیکھو میرا مقصد یہ۔ یہ۔ یہ کیا مذاق ہے۔'' شیکی نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ہم مذاق ہیں اللہ قسم، یہ مذاق ہے تو آسمان سے اُترا ہے، مگر یہ گٹار تمہارے گلے میں کیوں ہے۔ کیا تمہیں گانے بجانے سے کوئی

دلچسپی ہے۔"

"ہم میں میرا مطلب ہے سہیل بھائی۔"

"اونہہ۔ کیا سہیل بھائی سہیل بھائی لگا رکھی ہے۔ اب ایسے بُرے بھی نہیں ہیں ہم کہ تم ہمیں نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھو۔"

"دو دیکھو تم چلے جاؤ یہاں سے ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔"

"اچھا ہوگا بہت اچھا ہوگا۔ تم آ گئے ہو ہمارے درمیان ہماری جان تم پر نثار۔ اُٹھاؤ یہ گٹار اور چھیڑ دو دل کے تار۔" اُس نے سینے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ اور شیکی نے صوفے سے چھلانگ لگا دی۔ وہ قالین پر گرتے گرتے بچا تھا۔ اُس نے خوفزدہ نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھا۔

دروازہ بند تھا۔ شیکی آہستہ آہستہ دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ خون خوار بلا بھی آہستہ آہستہ کھڑی ہو گئی اور مسکراتی ہوئی اس کی

جانب بڑھ رہی تھی۔

''دروازہ باہر سے بند ہے جانِ من۔''

''کک کیوں۔''؟شکی نے ہکلا کر پوچھا۔

''بس جانِ من یہاں جو کوئی آ جاتا ہے نکلنا آسان نہیں ہوتا۔ اِس کے لئے یہ ہماری قلمرو ہے۔او مجیدن ہائے مجیدن۔'' اُس نے ایک ہانک لگائی اور ایک ویسی ہی شخصیت اندر داخل ہوگئی۔

لباس زنانہ ،حرکات مردانہ۔ہونٹوں پر مستی اور مسکراہٹ۔ چہرے پر شیطنت،اب وہ دو ہو گئے تھے۔اور شکی بھاڑ سا منہ کھولے اِن دونوں کو دیکھ رہا تھا۔اِس کے ہوش وحواس غائب ہو گئے۔کوئی بات جو اس کی سمجھ میں آ رہی ہو۔یہاں وہ سہیل کے ساتھ آیا تھا۔

لیکن سہیل کہاں گیا اور یہ مصیبتیں اُس پر کہاں سے نازل ہوگئی تھیں۔

"سہیل بھائی۔" اس نے کسی بکری کے بچے کی طرح ممیاتے ہوئے کہا۔

"اے اے کیا ہوا"؟ دوسرے آدمی نے جسے مجیدن کہہ کر آواز دی گئی تھی پہلے سے پوچھا۔

"اللہ قسم میں نہ جانوں، نجانے کیا ہو گیا ہے نگوڑ مارے کو سہیل سہیل چلائے جا رہا ہے۔"

"سہیل کون ہے بھیا، ہمیں بھی بتا دو۔" دوسرے والے نے کہا۔

"اے ہو گا کوئی ہمیں اِس سے کیا۔ یہ آ گیا ہے ہمارے پاس بس ہمیں اور کیا چاہیے۔"

"میں نہیں آیا لایا گیا ہوں اور جانا چاہتا ہوں۔"

"کیا کرو گے جا کر ہمارے پاس رہو، ہم بُرے ہیں کیا۔۔۔"؟ مجیدن بھی آگے آ گئی تھی۔

”دیکھو دیکھو مجھ سے بدتمیزی مت کرو، تم آخر ہو کیا بلا۔“؟

”بلا ہیں ہم۔ چلو اگر بلا ہیں تو تم سے چمٹ جائیں گے۔ کہ پھر نہ ہٹیں گے، دل نہ توڑو، ورنہ غم سے مر جائیں گے ہم دونوں کے دونوں۔“

”دونوں۔“ شیکی نے انہیں گھورتے ہوئے کہا۔

”ہاں، ہم دونوں جڑواں بہنیں ہیں۔“ مجیدن نے جواب دیا۔

”بب بہنیں مم مگر تم تو، بھائی نظر آتے ہو مجھے۔“

”یہی سمجھ لو، بہنیں سمجھ لو، بھائی سمجھ لو، ہیں جُڑواں ہم دونوں، ہمارے دل ایک ساتھ دھڑکتے ہیں۔ دھڑ ۔ دھڑ۔ دھڑ۔“ اُنہوں نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اور شیکی کے نزدیک پہنچ گئے تھے۔

شیکی ایک بار پھر صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔

”بس اب گٹار اُتار دو جانِ من۔“

''مم۔میں یہاں سے جانا چاہتا ہوں۔خدا کے لئے سہیل بھائی کو بُلوا دو۔''

''پھر وہی سہیل بھائی۔یہاں کوئی سہیل بھائی نہیں رہتے۔''

''جھوٹ بولتے ہو تم،وہ میرے ساتھ آئے ہیں۔''

''آئے ہوں گے ہمیں کیا،ہم نے تو بس تمہیں دیکھا ہے تمہیں چاہا اُنہیں بھول گئے۔'' وہ دونوں مٹکنے لگے اور اِسی وقت اندر سے بہت ساری بے ہنگم آوازیں سنائی دیں۔پھر ایک پورا غول اندر آ گیا۔سب کے سب زنخے تھے۔ڈھول ،مٹکے اور ہارمونیم اِن کے ہاتھوں میں تھے،چنانچہ محفل جم گئی اور انہوں نے بے سُری آواز میں گانا شروع کر دیا۔

شکی کے ہوش اُڑے ہوئے تھے،اِس کے وہم وگمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ ایسی مصیبت میں پھنس جائے گا۔وہ سہیل ہی کے

ساتھ یہاں آیا تھا۔ لیکن سہیل کہاں رہ گیا۔ کہاں مر گیا وہ۔ کیا ہوا اسے۔ یہ کیا ہوا۔ کیا ہوا یہ سب کچھ۔

بھونڈی آواز میں ناچ گانا شروع ہو گیا تھا اور شیکی ایک صوفے پر بیٹھا اپنی گٹار کو سینے سے بھینچے اِس ہنگامے کو دیکھ رہا تھا۔ اِس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ کہاں جائے یہاں سے اب وہ۔

☆

معزز مہمان آ چکے تھے، خوب ہنگامہ برپا تھا۔ چاروں طرف بیرے ٹرالیاں لئے گردش کر رہے تھے۔ لیکن کانجی والا کی نگاہیں دروازے پر گڑی ہوئی تھیں، وہ اِس ہنگامے میں بھی گولیور کو فراموش نہیں کر سکا تھا۔ کافی دیر کے بعد اسے ایک نیلے رنگ کی خوبصورت کار اندر داخل ہوتی نظر آئی، کھلی چھت کی کار تھی جسے گولیور خود ڈرائیو کرتا ہوا اندر آیا تھا۔ کانجی والا نے اِسے پہچان لیا تھا،

ایک لمحے کے لئے اس کا بدن کپکپا کر رہ گیا۔

گولیور شیطان تھا اور اس شیطان کو کانجی والا سے اچھی طرح اور کوئی نہیں جانتا تھا۔ بہرصورت کانجی والا نے خود کو سنبھالا اور اِس کے استقبال کے لئے اِس کے پاس پہنچ گیا۔

گولیور مسکراتا ہوا گاڑی سے نیچے اُترا تھا۔ وہ دراز قامت اور خوش لباس انسان تھا۔ اِس کی شخصیت اثر چھوڑتی تھی۔ اِس کی پُر وقار مسکراہٹ دیکھ کر کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ مجرم ہوگا اور اس کے نام سے بہت سے ممالک کی پولیس کانپتی ہے۔ بہرصورت اِس نے آگے بڑھ کر گولیور سے ہاتھ ملایا۔

''ہیلو کانجی والا کیسے ہو تم۔'' گولیور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بالکل ٹھیک ہوں گولیور، لیکن آپ کو دیکھ کر شدید حیران ہوں۔''

''ہاں میری زندگی میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں رہ گیا ہے۔ لوگ مجھے دیکھ کر حیران ہی ہوتے ہیں یا پھر خوفزدہ۔ان دونوں چیزوں کے علاوہ میری زندگی میں کچھ نہیں ہے۔'' گولیور نے جواب دیا۔

''مجھے فخر ہے کہ مجھے آپ کی دوستی حاصل ہے۔'' کانجی والا نے کہا۔

''ہاں لیکن تم میری فطرت کو اچھی طرح جانتے ہو۔میری دوستی صرف ایک لمحے میں دشمنی میں تبدیل ہو جاتی ہے، کیا تمہیں یہ بات یاد ہے۔''

''اچھی طرح۔'' کانجی والا نے جواب دیا۔

''تو پھر خیال رکھنا ان تمام چیزوں کا۔''

''میں حاضر ہوں ہر طرح سے حاضر ہوں۔'' کانجی والا نے کہا۔

''میں شاید تمہاری اس پارٹی میں شریک نہ ہوتا اور تمہیں ذہنی طور پر پریشان نہ کرتا، لیکن مجھے ایک ایسے پولیس آفیسر کی تلاش ہے جو ہمارے کام کا ثابت ہو سکے، تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا۔'' گولیور نے کہا۔

''ہاں سمجھ رہا ہوں۔'' کانجی والا پُر خیال انداز میں بولا۔

''میں نے صحیح معنوں میں اِسی لئے آج کی تمہاری یہ نشست اٹینڈ کی ہے۔'' گولیور نے کہا۔

''ویسے بھی جناب اگر مجھے آپ کے بارے میں علم ہو جاتا تو میری خواہش یہی ہوتی کہ آپ تھوڑا سا وقت مجھے بھی دے دیں۔'' کانجی والا نے خود کو پوری طرح سنبھال لیا تھا۔ گولیور کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''کانجی والا میں دوستانہ طور پر یہاں آیا ہوں۔ ایسی باتیں مت

کرو کہ مجھے کوئی غلط احساس ہو جائے، میں جانتا ہوں کہ اگر تمہیں

پہلے سے یہ علم ہو جاتا کہ میں یہاں آ رہا ہوں تو شاید تم کچھ عرصے کے

لئے یہ شہر ہی چھوڑ دیتے۔ چنانچہ یہ مت کہو کہ تم میرے آنے سے

خوش ہو۔" گولیور نے کہا اور کانجی والا ایک گہری سانس لے کر

خاموش ہو گیا۔ وہ اِس سلسلے میں گولیور سے بحث نہیں کر سکتا تھا کیونکہ

یہ حقیقت تھی۔

وہ گولیور کے ساتھ لان پر آ گیا۔ وہاں جہاں دوسرے تمام مہمان

بیٹھے ہوئے تھے۔ تقریب کی تفریحات جاری تھیں سالگرہ ہو چکی تھی۔

اور کانجی والا کی بیٹی اپنے دوستوں میں خوش و خرم نظر آ رہی تھی۔

کانجی والا کو یہ خوشیاں برقرار رکھنی تھیں، چنانچہ وہ کوئی ایسی رخنہ

اندازی نہیں چاہتا تھا جو اِس کے لئے پریشانی کا سبب بن جائے۔"

"تو پھر میرے لئے کس شخص کا انتخاب کیا۔" گولیور نے تھوڑی

دیر کے بعد کہا۔

”میرا خیال ہے کہ آپ مسٹر جوشی سے مل لیں۔ جوشی بہت بڑے پولیس آفیسر ہیں اور میرے خاص دوستوں میں۔“

”ہوں ٹھیک ہے، تم بس میری ملاقات کرادو اِن سے باقی معاملات میں خود سنبھال لوں گا۔“ گولیور نے کہا۔

”کس نام سے آپ کو متعارف کراؤں۔“

”اے کے ڈائیر۔“ گولیور نے جواب دیا اور کانجی والا نے گردن ہلا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گفتگو کرتے ہوئے مسٹر جوشی کے پاس پہنچ گئے۔

تندرست وتوانا شخص خاصا اسمارٹ معلوم ہوتا تھا۔ کانجی والا نے اسے مخاطب کیا اور جوشی اِس کے قریب آ گیا۔

”میں خاص طور سے تمہیں اپنے دوست مسٹر ڈائیر سے ملوانا چاہتا

ہوں۔"

"اوہو۔میری خوش بختی ہے۔" جوشی نے پر مسرت انداز میں گولیور کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔"مجھے یو ایس جوشی کہتے ہیں۔" اس نے جواب دیا۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر خاص طور سے کانجی والا کے دوستوں کے ذوق سے میں بے حد متاثر ہوں۔" گولیور نے جواب دیا۔

"آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں مسٹر ڈائیر۔" یو،ایس جوشی نے پوچھا۔

"بس آوارہ گرد ہوں ،یورپ گردی کرتا رہا ہوں اور اب ایشیا میں آیا ہوں۔"

"پہلی بار۔" جوشی نے پوچھا۔

''نہیں ،اس سے قبل بھی آتا رہا ہوں۔مسٹر کانجی والا میرے پُرانے واقف کار ہیں۔''

خوب۔ہم آپ کو اپنے ملک میں خوش آمدید کہتے ہیں۔''

''صرف خوش آمدید کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا مسٹر جوشی ،آپ کے بارے میں کانجی والا نے بتایا تھا کہ آپ کا تعلق پولیس کے ڈیپارٹمنٹ سے ہے اور خاصی بڑی حیثیت کے مالک ہیں آپ چنانچہ کچھ عملی کام بھی ہونا چاہیے۔''

''اوہو ہو۔کانجی والا کے دوستوں کے لئے کچھ کر کے مجھے دلی مسرت ہوگی۔'' جوشی نے جواب دیا۔

''تب پھر آپ سے تفصیلی ملاقات ہونی چاہئے۔''

''ضرور۔ضرور۔''

''کہاں مل سکتے ہیں آپ۔''؟

"جہاں آپ پسند کریں۔"

"ویسے فی الوقت تو میں یہاں موجود ہوں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں، میرا خیال ہے ہم یہاں سے ہٹ کر کوئی جگہ مقرر کر لیں جہاں ہماری اور آپ کی تفصیلی بات ہو۔"

"کوئی کام ہے مجھ سے۔" جوشی نے پوچھا۔

"بہت ہی اہم کام ہے مسٹر جوشی۔ اتنا اہم کام کہ آپ تصور نہیں کر سکتے۔"

"اچھا اچھا۔ اگر ایسی بات ہے تو میں حاضرِ خدمت ہوں۔" جوشی نے جواب دیا اور کانجی والا کی طرف دیکھ کر ایک آنکھ دبا دی۔

کافی دیر تک وہ اور گولیور گفتگو کرتے رہے۔ کانجی والا اب ان کے درمیان سے ہٹ گیا تھا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد گولیور نے کانجی والا سے مل کر واپسی کی اجازت چاہی۔

''کام ہو گیا تمہارا۔''؟ کانجی والا نے پوچھا۔

''ہاں۔ بہت بہت شکریہ مسٹر کانجی والا، آپ کے اِس دوستانہ طرزِ عمل کو میں یاد رکھوں گا۔''

''واقعی۔'' کانجی والا نے پوچھا۔

''ہاں ہاں کسی قسم کی فکر مت کرو۔ سب ٹھیک ٹھاک ہے۔''

دوسرے دن شام کو ساڑھے چار بجے مسٹر جوشی اور گولیور کی ملاقات رین بو ہوٹل میں ہوئی۔ جگہ کا انتخاب پہلے سے کر لیا گیا تھا۔ گولیور ایک خوبصورت سوٹ میں ملبوس وہاں موجود تھا۔ جوشی کے ہونٹوں پر بھی مسکراہٹ نظر آ رہی تھی۔ تب جوشی نے کہا۔

''ہیلو مسٹر ڈائیر۔'' اس نے گولیور کی جانب ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

''ہیلو، یقینی طور پر آپ کی ملاقات مسٹر کانجی والا سے ہوئی ہو

گی۔" گولیور نے جواب دیا۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ مجھ سے ملنے کے بعد آپ نے کانجی والا سے میرے بارے میں پوچھا ہوگا۔"

"ہاں یہ حقیقت ہے۔" جوشی نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اور کانجی والا نے میرے بارے میں آپ کو بہت کچھ بتایا ہوگا جناب۔"

"نہیں، البتہ ایک پولیس آفیسر ہونے کے ناطے سے میری آنکھوں نے خود ہی اُس کا جائزہ لیا۔"

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ وہ آپ سے بہت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے مسٹر ڈائیر۔"

”بے وقوف آدمی ہے، بلاوجہ خوفزدہ ہوتا ہے۔“

”اور کیا کیا بتایا اِس نے آپ کو میرے بارے میں۔“

”میں نے کہانا کہ کوئی خاص بات نہیں۔“

”دیکھیے مسٹر جوشی میں دوستوں سے دوستی کا قائل ہوں۔ دوستوں کے درمیان کوئی فریب رکھنے کا قائل نہیں ہوں۔“

”میں نے کہانا مسٹر ڈایئر کہ وہ بہت کچھ بتا دیتا اگر اِسے آپ کا خوف نہ ہوتا۔ لیکن میری باریک بین نگاہوں نے اِس کا جائزہ لیا ہے کہ وہ آپ سے ڈرا ہوا ہے۔“

”خیر میں اِس سلسلے میں کچھ نہیں کہوں گا، البتہ مسٹر جوشی مجھے آپ سے بہت ہی ضروری کام ہے۔ اور بغیر کسی تکلف کے میں آپ سے عرض کردوں کہ میرے لئے کام کرنے والے فائدے میں رہتے ہیں۔“

"یہ فائدہ کس نوعیت کا ہوتا ہے مسٹر ڈائیر۔ جوشی نے پوچھا۔

"دنیا کا سب سے بڑا مسئلہ دولت ہے اور انسان اگر فائدے کا تصور کرتا ہے تو اس کے ذہن میں صرف کرنسی آتی ہے۔ چنانچہ میرا کوئی کام کرنے سے قبل صرف اِس گفتگو کے لئے آپ یہ قبول فرمایئے۔" گولیور نے نوٹوں کی ایک گڈی نکال کر جوشی کے سامنے ڈال دی۔ اور جوشی کے بدن میں ایک لمحے کے لئے تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی۔ صرف گفتگو کے لئے اِتنی بڑی رقم اِس کے تصور سے بھی دور کی چیز تھی۔

اِس نے گولیور کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر ڈائیر میں آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"تو یہ قبول فرمایئے۔"

"شکریہ۔۔۔" جوشی نے نوٹ لے کر جیب میں ڈال لئے۔

”میں آپ کو صرف چند ہدایات دوں گا مجھے یقین ہے کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں ہوگی جو آپ کے لئے پریشان کن ثابت ہو۔ میرا مطلب ہے کہ آپ بآسانی وہ کام کرسکیں گے جو میں آپ کو سونپوں گا، کیونکہ وہ کام آپ کے اپنے دائرہ کار میں ہی ہوگا۔“

”یہ اور اچھی بات ہے۔“ جوشی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن اب مجھے کام بتادیں۔“

”خلوصِ دل سے مسٹر جوشی یہ بتایئے کہ کیا آپ میرے لئے تمام کام کرنے کو تیار ہیں۔“

”جی ہاں۔ خلوصِ دل سے۔“ جوشی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو پھر مجھے ایک معلومات فراہم کریں۔“

”فرمایئے۔“

”نواب عزیز الدین کو جانتے ہیں۔“

”جی ہاں یہ نام سنا ہوا ہے۔ہاں ہاں مجھے یاد آ گیا۔ٹھیک ہے میں نواب صاحب کو جانتا ہوں۔“

”اِن کے بیٹے سہیل کو بھی۔“

”ہاں غالباً اِن کے کسی بیٹے کا نام بھی سُنا ہے میں نے۔لیکن ملاقات نہیں ہوئی۔“

”مجھے اِس شخص کے بارے میں شبہات ہیں۔“

”کیسے۔“؟

”یہی کہ یہ جرائم پیشہ اور بلیک میلر ٹائپ کا آدمی ہے۔“گولیور نے کہا۔

”نواب عزیز الدین کا بیٹا۔“

”جی ہاں۔“

”تعجب کی بات ہے مسٹر ڈائیر،لیکن آپ کو یہ معلومات کہاں سے

فراہم ہوئیں۔" جوشی نے پوچھا۔

"ذرائع کے بارے میں مت پوچھیئے۔ مسٹر جوشی وہ چیزیں جو میں کسی کو نہیں بتا سکتا انہیں اپنے ہی تک محدود رکھتا ہوں، مجھے اُمید ہے کہ آپ مجھے بہت سے ایسے سوالات کے جوابات دینے پر مجبور نہیں کریں گے۔"

"ہاں جہاں آپ مجبور ہوں وہاں میرے پاس سے کچھ حقیر تحائف قبول فرماتے رہا کریں۔"

"اوہو، میں سمجھ رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں، بہر صورت تعجب خیز بات ہے۔ اور اِس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ نواب عزیزالدین خان خود بے حد دولت مند آدمی ہیں، سہیل جیسا کہ آپ نے فرمایا اِن کا بیٹا ہے اور میں اِس سے اجنبیت کا اظہار یوں کر رہا ہوں کہ میں نے آج تک اِس سے ملاقات نہیں کی۔ نا ہی اِس خاندان کے بارے میں

میری معلومات زیادہ وسیع ہیں لیکن اگر وہ بلیک میلر ہے تو اِسی لئے یہ بات میرے لئے باعثِ حیرت ہے۔"

"بہر صورت میری معلومات غلط نہیں ہیں، یہ شخص بلیک میلنگ کرتا ہے اور میں اس کے ایک شکار کی نشاندہی کرسکتا ہوں آپ اگر زیادہ گہرائی میں نہ جائیں مسٹر جوشی تو ایسے کام کرلیں جن سے آپ کو زیادہ معلومات بھی فراہم ہوسکیں۔"

"ہاں یقیناً میں تیار ہوں۔"

"اِس کے لئے آپ کو نہایت ذہانت سے کام کرنا ہوگا۔"

"بے شک بے شک۔"

"تو پھر آپ سیٹھ پونجی والا سے ملاقات کریں۔"

"سیٹھ پونجی والا۔"؟

"ہاں۔ وہاج الدین پونجی والا۔"

''یہ کون ہیں۔''؟ جوشی نے پوچھا۔

''ایک کاروباری آدمی ہے، برائٹ روڈ پر اس کا دفتر موجود ہے۔ وہاج الدین پونجی والا سہیل کی بلیک میلنگ کا شکار ہے۔ اور ہر ماہ اسے اچھی خاصی رقم ادا کرتا ہے۔ میرا خیال ہے۔ آپ اپنی تصدیق کے لئے سیٹھ پونجی والا سے ملاقات کریں اور اگر سیٹھ پونجی والا آپ کو کچھ مواد فراہم کر سکے تو میرا خیال ہے آپ سہیل کو بآسانی گرفتار کر سکتے ہیں۔''

''ہوں، تو آپ نواب عزیز الدین کے بیٹے سہیل کو بلیک میلنگ کے جرم میں گرفتار کرانا چاہتے ہیں۔''

''ہاں۔''

''اِس کی وجہ۔''؟

''یہ نہیں بتائی جا سکتی۔''

''اوہ۔ٹھیک ہے۔''جوشی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''میں چاہتا ہوں مسٹر جوشی کہ آپ اِسے گرفتار کریں اور اِس طرح اپنی تحویل میں رکھیں کہ عام لوگوں کو اِس کے بارے میں معلومات حاصل نہ ہوسکیں۔میرا مطلب ہے کہ ہم اِسے رہا کرنا چاہیں تو بآسانی کراسکیں اوراس میں کوئی قانونی گڑبڑ نہ ہونے پائے۔''گولیور نے کہا۔

''میں سمجھ رہاہوں مسٹر ڈائیر ٹھیک ہے۔''جوشی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔اس کے چہرے پر کسی قدر تفکر کے آثار تھے۔

''اِس میں کچھ پیچ محسوس کررہے ہیں آپ۔''؟گولیور نے پوچھا۔

''ہاں،صرف ایک۔''

''وہ کیا۔''؟

’’یہ کہ عزیز الدین صاحب بذاتِ خود بہت بڑے آدمی ہیں اِن کے تعلقات مجھ سے بھی اعلیٰ افسران سے ہیں، چنانچہ اس شکل میں ذرا سی یہ اُلجھن پیش آسکتی ہے کہ مجھے اوپر سے احکامات مل سکتے ہیں۔‘‘

’’ہوں، لیکن مسٹر جوشی، کیا ضروری ہے کہ آپ سہیل کو اِس کے گھر سے گرفتار کریں، اگر آپ چاہیں تو یہ معاملہ اِس کے گھر تک نہ پہنچنے دیں، ہاں دوسرے کسی اسٹیج پر ہم اس کی اصلیت بھی پیش کرسکیں گے، کوئی ایسا مرحلہ اگر درپیش آگیا کہ بات اس کے گھر تک پہنچانی پڑے تو پھر ہم اُسے ایک مضبوط گرفت میں لے کر اس مسئلہ کو آگے بڑھائیں گے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، آپ مطمئن رہیں مسٹر ڈائیر، آپ ہمارے مہمان ہیں اور آپ کی خدمت کرنا ہمارا فرض ہے چنانچہ ان معاملات کو آپ

ہم پر ہی چھوڑ دیں۔"

"لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس کا خیال رکھا جائے انتہائی کوشش یہ ہونی چاہئے کہ سہیل کے معاملے کو بہت آگے نہ بڑھایا جائے اور معاملات ہماری گرفت میں ہی رہیں۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ آپ بالکل مطمئن رہیں، یہ کام میں جلد ہی کر لوں گا۔"

"لیکن انداز وہی ہونا چاہئے۔ مسٹر جوشی کہ پہلے آپ سیٹھ پونجی والا سے مل لیں اور اس کے بعد جس طرح بھی آپ مناسب سمجھیں اس کی زبان کھلوائیں اور پھر یہ قدم آگے بڑھائیں۔"

"سیٹھ پونجی والا۔" جوشی نے پُر خیال انداز میں کہا۔

کسی پولیس افسر کی آمد سیٹھ پونجی والا کے لئے تعجب خیز تھی، ذرا

ڈرپوک قسم کا آدمی تھا، کاروباری تھا لیکن اپنے کاروبار کو صاف ستھرا رکھنا چاہتا تھا، کم از کم عام نگاہوں میں۔ درپردہ جو کچھ تھا وہ تو تھا ہی۔ بہرصورت اِس نے اپنے دفتر میں اِس سے قبل کسی پولیس آفیسر کو خوش آمدید نہیں کہا تھا۔ یہ پہلا موقع تھا۔ اِس نے جوشی کا سرد مہری سے استقبال کیا۔ جوشی نے اپنا کارڈ اِس کے سامنے رکھ دیا تھا۔

"جی جناب، مجھے بتایا گیا تھا کہ آپ آئے ہیں۔" پونجی والا نے کہا۔

"ہاں۔ اور یقیناً میری آمد پر آپ کو حیرت ہوئی ہو گی مسٹر پونجی والا۔"

"جی صاحب، اِس لئے کہ ہم صاف ستھرے کاروباری لوگ ہیں اور پولیس کو وردی میں اپنے دفتر میں آتے دیکھنا پسند نہیں کرتے۔"

"خیر آپ کا کہنا بھی کسی حد تک درست ہے مسٹر پونجی والا، لیکن

میں اِس وقت آپ کے خلاف کوئی تحقیقات کرنے نہیں آیا ہوں بلکہ یوں سمجھیں کہ میں آپ کی مدد کرنے آیا ہوں۔" جوشی نے کہا۔

"مدد۔"

"ہاں مدد۔"

"کیسی مدد صاحب۔"

"مسٹر پونجی والا بہت اہم معاملہ ہے، آپ کو پولیس سے سب کچھ صاف صاف کہنا ہوگا، میری گفتگو کے دوران آپ اِس کا اندازہ کرلیں گے کہ پولیس آپ کے خلاف کوئی عمل کرنے کا ارادہ نہیں رکھتی بلکہ وہ صرف آپ کی مدد کرنا چاہتی ہے۔ میں آپ سے کچھ سوال کروں گا آپ کوشش کریں کہ مجھے اِن کے صحیح جوابات دیں۔"

"سوال کیجئے جناب۔" پونجی والا نے کہا۔

"کیا آپ کو بلیک میل کیا جارہا ہے۔"؟ جوشی نے سوال کیا۔ اور

پونجی والا کے چہرے پر ایک لمحے کے لئے پریشانی کے آثار پھیل گئے۔ وہ خاموشی سے جوشی کو دیکھتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بھلا مجھے کیوں بلیک میل کیا جاتا، میں نے کون سا جرم کیا ہے جس میں کوئی مجھے بلیک میل کرے گا۔"

"سیٹھ پونجی والا، میں نے آپ سے پہلے بھی کہا تھا کہ پولیس آپ کی مدد کرنا چاہتی ہے، لیکن شرط یہی ہے کہ آپ پولیس کو صحیح جوابات دیں۔"

"ارے بابا تو کیا بلاوجہ ہی یہ بات کہہ دوں کہ کوئی مجھے بلیک میل کر رہا ہے۔ کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو۔" پونجی والا نے کسی قدر بگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہمیں اس بات کا ثبوت مل چکا ہے مسٹر پونجی والا، کہ آپ بلیک

میلنگ کا شکار رہیں۔ اور اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ ہماری مدد حاصل نہ کریں تو پھر پولیس وہ کرے گی جو اِس کا اپنا فرض ہوتا ہے۔"

"ایں، کیا فرض ہوتا ہے۔"

"یہی کہ بلیک میلنگ کا وہ مواد جو پولیس کے ہاتھ لگا ہے آگے بڑھا دیا جائے اور آپ کے خلاف کاروائی کی جائے۔" جوشی نے اندھیرے میں تیر پھینکا۔ اور پونجی والا کے چہرے پر زردی پھیل گئی۔ وہ خوفزدہ نگاہوں سے پولیس افسر کو دیکھنے لگا۔ اور پھر گھبرائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"اِس کا مقصد ہے اِس کا مقصد ہے کہ پولیس مجھے پھانسنا چاہتی ہے۔"

"آپ جو بھی سمجھ لیں۔ لیکن آپ کی اطلاع کے لئے یہ عرض کردوں کہ آپ کے خلاف پولیس کو بہت ساری معلومات حاصل ہو

چکی ہیں۔ مسٹر پونجی والا میں ذاتی طور پر آپ کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں، لیکن یہ اسی شکل میں ممکن تھا کہ آپ پولیس کو اِس سلسلے میں صحیح معلومات فراہم کر دیتے۔"

"مم مگر۔ میرا مطلب ہے مگر۔" پونجی والا اب بے حد پریشان نظر آنے لگا تھا۔

"آپ بالکل مطمئن رہیں پونجی والا، ہم ہر طرح سے آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں۔ سرکاری طور پر بھی اور غیر سرکاری طور پر بھی۔ اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو اس بلیک میلنگ سے نجات دلائی جائے تو آپ پولیس کی مدد کر سکتے ہیں اور اگر آپ پولیس کی مدد حاصل نہ کرنا چاہیں تو میری ذاتی مدد اور ذاتی کوششیں آپ کے لئے حاضر ہیں، میں اِس بلیک میلر سے آپ کو نجات دلا سکتا ہوں اور اِس سلسلے میں آپ کے ساتھ کوئی قانونی کاروائی نہیں ہو گی۔"

''اوہ۔۔۔ گویا گویا آپ۔''

''ہاں صرف ذاتی طور پر۔'' جوشی نے جواب دیا۔ اور پونجی والا تعجب خیز نگاہوں سے اسے دیکھنے لگے۔

''لیکن اگر میرے خلاف کوئی چیز پولیس کو حاصل ہو چکی ہے تو قانون مجھے کیسے چھوڑے گا۔''

''ہوں، سوال درست ہے، لیکن اگر قانون آپ کے ساتھ خود ہی تعاون کرنے پر آمادہ ہو تو۔۔۔'' جوشی نے پونجی والا کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''میں۔۔۔ اگر ایسا ہو جائے تو۔ میں۔ میں۔'' پونجی والا گھبرائے ہوئے انداز میں بولا۔

''آپ اس بلیک میلر سے خوفزدہ ہیں۔''

''ہاں۔''

''کیوں۔''؟

''وہ بہت خطرناک ہے۔اگر میں نے آپ کو کچھ بتا دیا تو نجانے کیا سلوک کرے میرے ساتھ۔''

''مسٹر پونجی والا ہم آپ کی پشت پر ہیں، قانون آپ کی مدد کرے گا۔اور اگر آپ کسی مجرمانہ کاروائی کے سلسلے میں بلیک میل ہو رہے ہیں، تب بھی میں ذاتی طور پر آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کا معاملہ پولیس کے اعلیٰ حکام تک پہنچنے نہیں دیا جائے گا، بلکہ ہم اسے خود ہی ختم کرلیں گے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے، مگر بلیک میلر۔''

''میں نے کہا نا اس بلیک میلر سے آپ کی حفاظت کی جائے گی۔'' جوشی نے کہا۔

''پھر مجھے کیا کرنا چاہئے۔'' پونجی والا نے کہا۔

"آپ اس کے بارے میں مکمل معلومات فراہم کریں۔"

"کیا معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں آپ۔"

"آپ اس بلیک میلر کو جانتے ہیں۔"

"ہاں۔"

"کون ہے وہ۔"؟

"اس کا نام نصیبو ہے۔"

"نصیبو۔" پولیس آفیسر نے تعجب خیز لہجے میں پوچھا۔

"ہاں۔ نصیبو کے نام ہی سے وہ اپنا اس قسم کا کام کرتا ہے۔ اس کا اصل نام کچھ اور ہے۔"

"اصل نام کیا ہے وہی آپ مجھے بتا دیں۔"

"سہیل۔۔۔ نواب عزیز الدین کا بیٹا سہیل۔" پونجی والا نے بتایا اور پولیس آفیسر کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”اوہ، اتنے بڑے آدمی کا بیٹا بلیک میلر۔“

”ہاں وہ بلیک میلر ہے۔“

”آپ کو یقین ہے مسٹر پونجی والا۔“

”ہاں بالکل یقین ہے۔ میں اس سے کئی بار مل چکا ہوں وہ نصیبو کے نام سے بدمعاشوں کی دنیا میں مشہور ہے، عام حالات میں وہ نصیبو کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔“

”ہوں آپ مجھے تحریری طور پر یہ بات لکھ کر دے سکتے ہیں کیا۔!“

”تت تحریر طور پر۔ لیکن کیوں۔“

”دیکھئے مسٹر پونجی والا میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ میں آپ کی مدد کر رہا ہوں، آپ کو میری ہدایات پر عمل کرنا چاہئے۔ آپ مجھے ایک تحریر دے دیں جس میں یہ تمام تفصیلات لکھ دیں۔ میں آپ سے

وعدہ کرتا ہوں کہ کبھی آپ سے یہ معلوم نہیں کروں گا کہ آپ کو کیوں بلیک میل کیا جا رہا ہے۔ بس ایک بلیک میلر پر ہاتھ ڈالنا میرا کام ہے۔ میں خود بھی آپ سے پورے وثوق سے یہ بات کہہ سکتا ہوں کہ میں آپ کے ساتھ ہوں۔"

"مجھے۔ مجھے اس سلسلے میں کیا پیش کرنا ہوگا۔" پونجی والا نے پوچھا۔

"یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔" جوشی نے جواب دیا۔ اور پونجی والا گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ پھر اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کیا کروں، ایک طرف پولیس افسر ہے، دوسری طرف بلیک میلر۔ وہ پوشیدہ ہے اور آپ ظاہر، لیکن وہ بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اگر اسے یہ بات معلوم ہوگئی کہ میں نے

آپ سے اِس کے بارے میں کچھ کہا ہے تو وہ مجھے بدترین سزا دے گا۔"

"ٹھیک ہے آپ کو یہ سب کچھ تو برداشت کرنا ہی ہوگا، لیکن ہم کوشش کریں گے کہ ایسی کوئی بات نہ ہونے پائے اور اس سے آپ کا پورا پورا تحفظ کیا جاسکے۔ لیکن اگر آپ نے پولیس کے ساتھ تعاون نہیں کیا تو قانون آپ کو نہیں چھوڑے گا۔"

"میں تیار ہوں۔" پونجی والا نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تب پھر آپ ہمیں تحریر لکھ کر دے دیں۔" اور جوشی کے بتائے ہوئے الفاظ میں پونجی والا نے سہیل کے خلاف ایک تحریر لکھ کر اِس کے حوالے کردی۔ پھر اِس نے ایک خاص آدمی کو بُلا کر کچھ رقم طلب کی اور خاموشی سے جوشی کے حوالے کردی، جوشی نے گنے بغیر وہ رقم جیب میں رکھ لی تھی۔ پھر اس نے کہا۔

''آپ بالکل مطمئن رہیں پونجی والا۔یہ ساری کاروائی اِس بلیک میلر کے خلاف ہے آپ کے خلاف نہیں ۔آپ کو اس سلسلے میں ذرا بھی پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔''

''ٹھیک ہے افسر صاحب ،میں آپ پر پورا پورا بھروسہ کر رہا ہوں ،اور میں نے آپ سے بھر پور تعاون کیا ہے۔''

''میں نے کہا نا آپ بالکل فکر نہ کریں۔'' جوشی نے جواب دیا اور وہاں سے اُٹھ گیا۔پونجی والا متفکرانہ نگاہوں سے اِسے جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اِس کے دماغ میں سناٹا سا پھیل گیا تھا۔سہیل کو وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ ایک خطرناک آدمی ہے نصیبو کے نام سے بڑے بڑے بدمعاش کانپتے تھے۔سیٹھ پونجی والا خود بھی بے وقوف آدمی نہیں تھا۔جب سہیل نے اِسے بلیک میل کرنا شروع کیا تو سیٹھ پونجی والا نے بڑے ہاتھ پاؤں مارے تھے۔کافی رقم خرچ کر کے اِس نے

بڑے بڑے بدمعاشوں کو اس کے پیچھے لگایا تھا۔ لیکن تھوڑے ہی دن کے بعد نتیجہ سامنے ہی نکل آیا تھا۔ اِن سب بدمعاشوں نے پونجی والا کے خلاف کام کرنا شروع کر دیا تھا اور اِسے دھمکیاں دی تھیں کہ اگر اس نے نصیبو کے خلاف کوئی کاروائی کی تو اچھا نہیں ہو گا۔ اِن حالات میں یہ پولیس افسر نصیبو پر نجانے کس حد تک قابو پا سکے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ لینے کے دینے پڑ جائیں جو رقم پولیس افسر کو دی تھی وہ تو کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی تھی۔ لیکن اگر بلیک میلر بگڑ گیا تو۔ تو۔ سیٹھ پونجی والا کے بدن نے پسینہ چھوڑ دیا، وہ بڑی پریشانی کے عالم میں سر پکڑے بیٹھا ہوا تھا۔ کافی دیر تک غور وخوض کرنے کے بعد بالآخر اس نے ایک فیصلہ کر لیا، یہ جو کچھ اِس پر پڑی تھی، ناگہانی ہی پڑی تھی، بلیک میلر کو اِس سلسلے میں آگاہ کر دینا زیادہ مناسب ہو گا کہیں یوں نہ ہو کہ پولیس افسر اس پر حاوی نہ ہو پائے اور بلیک میلر اِس کی گردن پکڑ

لے۔

چنانچہ کافی دیر تک سوچنے کے بعد اِس نے اپنی میز کی دراز سے ایک چھوٹی سی ڈائری نکالی، اِس میں بلیک میلر کا نمبر لکھا ہوا تھا۔ جو اس نے خصوصی اوقات میں رابطہ قائم کرنے کے لئے دیا تھا۔ چند لمحات کے بعد پونجی والا نے ایک ٹیلی فون پر وہ نمبر ڈائل کیا اور ریسیور کان سے لگالیا۔

''کون ہے اے بھیا۔'' دوسری طرف سے لہکدار آواز سنائی دی۔

''نصیبو سے ملنا ہے۔''

''اے نصیبو بھیا تو یہاں موجود ہیں نہیں، مجھ سے کہہ دو جو کچھ کہنا ہے۔'' عجیب وغریب آواز سنائی دی۔

''سنو، نصیبو ہی سے کام ہے، اگر اس سے رابطہ قائم ہو سکے تو اِس

سے کہو کہ سیٹھ پونجی والا سے گفتگو کرے۔"

"اچھا بھیا کہہ دیں گے۔ اے لو وہ نصیبو بھیا آ گئے چلو تم خود ہی بات کرلو۔" دوسری طرف سے کہا گیا اور چند لمحات کے بعد ٹیلی فون پر سہیل کی آواز سنائی دی۔

"سیٹھ پونجی والا۔"

"ہاں میں ہی بول رہا ہوں نصیبو بھائی۔"

"کیا بات ہے۔؟"

"ایک گڑبڑ ہو گئی ہے نصیبو بھائی۔ بڑی عجیب و غریب گڑبڑ۔"

"کیا ہے مجھے بتاؤ۔"

"ابھی تھوڑی دیر قبل ایک پولیس افسر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔"

"ہوں، کس سلسلے میں۔"

"تمہارے سلسلے میں۔"

"کیا کہہ رہا تھا۔" دوسری طرف سے آنے والی آواز بالکل پُر سکون تھی۔

"تمہارے بارے میں معلومات حاصل کر رہا تھا۔"

"کیسی معلومات۔؟"

"نصیبو بھیا، دیکھو میں نے ہمیشہ تم سے تعاون کیا ہے، لیکن میں ذرا امن پسند آدمی ہوں پولیس وغیرہ کے جھگڑے سے بھاگنے والا۔ تمہیں اس بات کا علم ہے۔"

"آگے بڑھو۔ آگے بڑھو۔" دوسری طرف سے سخت لہجے میں کہا گیا اور پونجی والا نے خود کو سنبھال کر کہا۔

"بھیا وہ پولیس افسر میرے سر پر پہنچ گیا اور مجھ سے کہنے لگا کہ تمہیں بلیک میل کیا جا رہا ہے۔"

''اچھا۔ پھر۔''

''میں نے اِس سے بڑے ہاتھ پاؤں مارے، لیکن اِس نے کہا کہ وہ سارا مواد اِس کے ہاتھ لگ چکا ہے جس سے مجھے بلیک میل کیا جارہا ہے اور پھر نصیبو بھیا کیا تم یقین کرو گے اِس بات پر کہ اِس نے تمہارا نام لیا کہ تم مجھے بلیک میل کر رہے ہو۔''

''پولیس افسر کا نام۔''

''جوشی بتایا تھا اِس نے، کارڈ پر بھی یہی نام تھا، بلکہ کارڈ میرے ہی پاس چھوڑ گیا ہے وہ۔''

''ہوں ہوں۔ اچھا تو پھر۔''

''بس بھیا اِس نے مجھے دھمکیاں دینی شروع کر دیں اور بالآخر مجھ سے اُگلوا ہی لیا۔''

''گڈ گڈ۔ اور تم نے اُگل دیا پونجی والا۔''

’’ہاں بھیا میں۔یقین کرو میں انتہائی مجبور ہو گیا تھا۔‘‘

’’خیر خیر۔ مجھے اِس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ تم کس طرح مجبور ہو گئے تھے۔پھر کیا ہوا۔‘‘؟

’’اِس نے تمہارے خلاف مجھ سے ایک تحریر لے لی۔‘‘

’’تحریر میں کیا لکھا تھا۔‘‘سہیل نے پوچھا اور پونجی والا نے وہ تمام متن اِسے سنا دیا۔

’’ہوں اِس طرح تو سیٹھ پونجی والا تم نے اپنے اور میرے دونوں کے پاؤں پر کلہاڑی ماردی۔‘‘

’’بھیا یقین کرو میں بالکل مجبور ہو گیا تھا۔اگر ایسی بات نہ ہوتی تو میں خاموش ہو جاتا۔میرا مقصد ہے کہ اگر میں اپنی مرضی سے کوئی بات بتاتا تو میں اِس کے بارے میں تمہیں کبھی نہ بتاتا،تمہیں آگاہ کرنے کا مقصد یہی ہے کہ میرا دل تمہاری طرف سے صاف ہے۔

اور میں تم سے کسی قسم کا جھگڑا نہیں چاہتا۔ میں نے تمہیں اِس بات سے آگاہ کر دیا ہے۔ اگر تم اسے میری غلطی سمجھتے ہو تو پھر جیسے تمہاری مرضی۔"

"ہوں ہوں، دلیل معقول ہے پونجی والا، لیکن یہ پولیس افسر میرے پیچھے لگا کیسے۔"؟

"نصیبو بھیا، مجھے بالکل نہیں معلوم۔" پونجی والا نے نصیبو سے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے پونجی والا، تم نے مجھے اِس بات سے آگاہ کر دیا، اِس سے میں نے تمہاری اس دلیل کو تسلیم کر لیا کہ تمہیں مجبور کیا گیا تھا، تم بالکل مطمئن رہو، میری طرف سے تم پر کوئی سختی نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ میں انسان کی مجبوریاں سمجھتا ہوں۔"

"واقعی۔" پونجی والا کا منہ خوشی سے کھل گیا۔

”ہاں پونجی والا، بعض اوقات حالات ایسے بھی ہو جاتے ہیں اور کوئی خاص بات۔“

”نہیں نصیبو بھیا، بس میں نے تمہیں اِس بارے میں آگاہ کر دیا اور میرا اپنا فرض پورا ہو گیا۔“

”پولیس افسر تم سے دوبارہ کب ملاقات کرے گا۔“

”میں نہیں جانتا، وہ اِس سلسلے میں کوئی بات نہیں کہہ گیا ہے۔ بس اُس نے یہی کہا ہے کہ وہ مجھے اِس بلیک میلر سے نجات دلانے کی کوشش کرے گا۔“

”جوشی نام بتایا تھا تم نے اِس کا۔“

”ہاں، میں کارڈ کی تحریر دوہراتا ہوں۔ اگر تم چاہو تو کارڈ بھی تمہارے پاس پہنچا دوں۔“

”نہیں نہیں اِس کی ضرورت نہیں ہے، تم صرف اِس کی تفصیل

مجھے بتا دو۔'' سہیل نے کہا اور پونجی والا نے پولیس افسر کے کارڈ سے تحریر پڑھ کر اُسے سنادی۔

''اور کوئی خاص بات تو نہیں پونجی والا۔''

''نہیں بھیا، بس اتنا ہی بتانا تھا۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔ اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔ پونجی والا ریسیور رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا تھا۔ رقم تو گئی ہی تھی لیکن اس طرح اسے تھوڑا سا سکون حاصل ہو گیا تھا۔ پولیس سے بھی نہیں ٹکرا سکتا تھا اور پھر جیسا کہ پولیس افسر نے کہا کہ بلیک میلنگ کا مواد بھی اس کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ پونجی والا دونوں میں سے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن نصیبو کو ٹیلی فون کرنے سے اِسے خاصا سکون ملا تھا۔ خاص طور سے اس لئے کہ نصیبو نے اِس کی مجبوری قبول کر لی تھی۔ اگر نصیبو کے ذہن میں کوئی خاص بات نہیں ہے، تو اِس کا مقصد ہے کہ کم از کم وہ

نصیبو سے محفوظ ہے، اب باقی رہا نصیبو اور پولیس کا مسئلہ تو دونوں آپس میں نمٹ لیں گے۔

"پونجی والا غم واندوہ کے عالم میں کرسی کی پشت سے ٹک کر بیٹھ گیا۔ یہ بلیک میلنگ اِس کے لئے سوہانِ روح تھی لیکن بہرصورت زندگی بچانے کے لئے انسان کو نجانے کیا کچھ کرنا ہوتا ہے۔

☆

نور جہاں سے مسلسل ملاقاتیں ہورہی تھیں۔ اُس نے عالم پناہ کو یقین دلا دیا تھا کہ وہ جہانگیر ہی ہے۔ مغل شہنشاہ جہانگیر۔ کچھ ایسے دلائل پیش کئے تھے نور جہاں نے جن کی رو سے عالم پناہ کے کلاسیکل ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ وقت بعض اوقات اپنی شبیہات چھوڑ کر جاتا ہے۔ وہ آواگون کے قائل تو نہیں تھے لیکن نور جہاں کے دلائل نے انہیں اِس بات پر یقین کرنے پر آمادہ کرلیا تھا کہ درحقیقت

وہ موجودہ دور کے جہانگیر ہیں۔عالم پناہ کے انداز میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں۔

صوفیہ تنویر کی بہ نسبت واقعی بہت تیز نکلی اُس نے ایسا رنگ جمایا تھا عالم پناہ پر کہ عالم پناہ کی سٹی گُم ہو کر رہ گئی۔وہ زیادہ چرب زبان تھی اور اپنے کام میں بے حد مشاق، عالم پناہ کو جہانگیر ثابت کرنے کے لئے اُسے بہت سی مشکلوں سے گزرنا پڑا تھا۔وہ بآسانی تمام مراحل طے کر گئی تھی اور اب عالم پناہ کے انداز میں ایک عجیب سی نخوت پیدا ہوگئی تھی۔

اِس وقت بھی وہ نور جہاں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، ہاتھ میں گلاب کی کلی تھی، لباس گو عام ہی تھا لیکن انداز میں شہزادوں کی سی شان تھی۔دفعتاً انہوں نے چونک کر پوچھا۔

"نور جہاں ہم کس دور سے گزر رہے ہیں۔"

"میں سمجھی نہیں عالم پناہ۔۔۔نور جہاں نے پیار بھرے انداز میں کہا۔

"میرا مطلب ہے کیا ہم شہنشاہ بن چکے ہیں۔"

"ابھی نہیں۔ابھی کہاں، ابھی تو آپ شہزادہ ہیں شہنشاہ بننے میں کچھ وقت باقی ہے۔"

"ویسے بات بڑی تعجب خیز ہے نور جہاں۔"

"کون سی بات عالم پناہ۔"

"تمہاری موجودگی اور تمہارے دلائل یہ بات تو ثابت کر دیتے ہیں کہ واقعی ہم ٹھہرے ہوئے وقت سے باہر آ گئے ہیں، لیکن موجودہ حالات ہمیں اُلجھا دیتے ہیں۔"

"وہ کیا عالم پناہ۔"

"بھئی تم دیکھو نا یہ عمارت۔۔۔یہ عمارت نواب عزیز الدین

خان صاحب کی ہے اور ہمارے پھوپھا جان نواب تمیز الدین خان نہایت سخت گیر فطرت کے مالک ہیں، انہیں ہم جلال الدین اکبر تو نہیں کہہ سکتے لیکن حالات بے حد خراب ہیں، اب تم دیکھو کہ ہمیں تختِ شاہی نہیں مل سکتا۔ اکبر کا کہیں پتہ نہیں ہے اور مغلیہ حکومت بھی کی ختم ہو چکی ہے، تو اِس موجودہ ماحول میں ہم اپنی حیثیت کیسے برقرار رکھ سکیں گے۔"

"شہزادہ حضور صورتِ حال ذرا مختلف ہے۔" نور جہاں نے کہا۔

اور عالم پناہ چونک پڑے۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ حکومتیں تبدیل ہو چکی ہیں، ریاستیں چھن چکی ہیں، مغلیہ دور ختم ہو چکا ہے، لیکن ہماری محبت زندہ ہے۔ اور یہ ہماری محبت ہی ہے جو ابدی اور لازوال ہے تاریخ فنا ہو جاتی ہے، شہزادہ حضور لیکن

محبت فنا نہیں ہوتی، شہنشاہیت کے قصے لاتعداد ہوتے ہیں، محبت کا قصہ صرف ایک ہوتا ہے اور محبت کی داستان ازل سے ابد تک جاری رہے گی، چنانچہ آپ حکومتوں کو ذہن میں نہ لایئے، شہنشاہوں کا جلال اور طرزِ حکومت یاد مت کیجئے۔ کیونکہ اگر آپ محبت کے راستے تلاش کریں گے تو وہ آج بھی آپ کو اُسی انداز میں ملیں گے، اُن راستوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔''نور جہاں نے جواب دیا۔ اور عالم پناہ گردن ہلانے لگے۔

واقعی اِس حد تک یہ بات قابلِ قبول تھی کہ دور ختم ہوگیا ہے۔ حکومت تبدیل ہوگئی ہے، ریاستیں چھن چکی ہیں۔ اور جمہوری طرزِ حکومت قائم ہے، نواب عزیز الدین خان کی کوٹھی جوں کی توں موجود ہے۔ بس محبت ویسی ہی ہے جیسے پہلے کبھی تھی اور یہ صرف محبت ہی ہے جو نور جہاں کو اُن قدیم وادیوں سے یہاں گھسیٹ لائی ہے۔ اور

جہانگیر یہاں موجود ہے۔

چند ساعت خاموشی رہی پھر نور جہاں کہنے لگی۔ ''لیکن عالم پناہ آپ کا اپنا مقام وہی ہے، آپ کا عدل وانصاف جوں کا توں جاری ہے، انسان اپنی فطرت میں کبھی نہیں مرتا۔ جو کچھ آپ کی ذات سے منسوب ہے وہ آپ کی ذات میں آج بھی جوں کا توں موجود ہے۔ البتہ اس کے لئے گنجائش نہیں ہے، ہاں اگر آپ چاہیں تو گنجائش نکال سکتے ہیں۔'' نور جہاں نے کہا۔

''کیا مطلب۔''؟

''کوٹھی کا دوسرا حصہ بالکل ویران پڑا ہوا ہے۔''

''اوہ، وہ حصہ ہاں، یقیناً شاید وہاں کوئی نہیں ہے۔ کیوں۔''؟

''یہ تو آپ ہی بتائیے۔

''ہم، میں نہیں جانتا۔ ویسے ایک بار میں وہاں بند ہو چکا ہوں۔''

"کیوں عالم پناہ۔"؟

"بس کچھ لوگوں کی شرارت تھی، میرا کوئی قصور نہیں تھا اس میں۔"

"خیر، تو آپ نے وہ جگہ دیکھی ہے۔"

"ہاں۔"

"تو پھر ہم اپنی قدیم زندگی کی صحیح تصویر وہیں کیوں نہ دیکھ لیں۔"

"میں نہیں سمجھا نور جہاں۔"

"پائیں باغ کے اس حصے میں ہماری ملاقاتیں مشکوک بھی ہو سکتی ہیں، کسی کی بھی نگاہ ہم پر پڑ سکتی ہے، وہ جگہ بہت ہی خوبصورت ہے، ہمیں تو ایسی ہی جگہیں پسند ہیں۔"

"تو پھر ٹھیک ہے، ہم وہاں بندوبست کر لیتے ہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"کیا بندوبست کریں گے آپ۔"؟

"جو تم کہو۔"

"وہی ماحول ہونا چاہیئے، وہی انداز ہونا چاہیئے، ایک زنجیرِ عدل ہو جو لٹکی ہو اور اُسے فریادی بجا کر ہم تک پہنچ سکیں۔ میرا دل آپ کو اسی انداز میں دیکھنا چاہتا ہے۔ اور پھر لباس کا مسئلہ رہ جاتا ہے، کیا یہ ممکن ہے عالم پناہ کہ آپ اپنے لئے ایک شاہی لباس تیار کروالیں۔"

"شش.....شاہی لباس۔" جہانگیر عالم پناہ نے کسی قدر پریشان لہجے میں کہا۔

"ہاں کیوں۔ کیا آپ ایسے ہی قلاش ہو چکے ہیں۔"

"ارے نہیں پیسے تو ہمارے پاس بہت ہیں مگر شاہی لباس کون تیار کرے گا۔"

"آپ کوشش کر سکتے ہیں، آج کل یہ کون سا مشکل کام ہے، لاتعداد ڈراموں اور فلموں کے لئے ایسے لباس تیار ہوتے ہیں، اُن کی

دکانیں ضرور ہوں گی۔ آپ وہاں سے اپنے لئے کوئی شاہی لباس تیار کراسکتے ہیں۔ اب مجھے دیکھئے نا میں اپنے اِس قدیم لباس میں آپ کے سامنے آئی ہوں، لیکن آپ جدید جہانگیر معلوم ہوتے ہیں۔"

"ہاں، بات تو تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

"تو پھر کب تک انتظام کرلیں گے لباس کا۔"؟

"دو چار دن تک میں خود اِس کی تلاش میں جاؤں گا اور یقیناً کوئی انتظام کرلوں گا لیکن یہ زنجیرِ عدل والا مسئلہ کیا ہوگا۔" عالم پناہ نے پریشانی سے پوچھا۔

"یہ آپ کا اپنا مسئلہ ہے عالم پناہ، آپ اگر چاہیں تو اِس کو بھی بآسانی کرسکتے ہیں۔"

"مگر اس زنجیر کا ہوگا کیا۔"؟

"بس مجھے یوں محسوس ہوگا جیسے میرا دور پھر سے زندہ ہوگیا۔"

نور جہاں نے جواب دیا۔

”کوئی فریادی تو وہاں نہیں آئے گا۔“ عالم پناہ بولے۔

”ممکن ہے آہی جائے، اور اگر نہ بھی آئے تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میں آپ کو جس روپ میں دیکھنا چاہتی ہوں وہ روپ تو میرے سامنے ہوگا۔“ نور جہاں نے کہا۔ اور عالم پناہ سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر انہوں نے گردن ہلا کر کہا۔

”ٹھیک ہے میں تمہاری اس خواہش کی تکمیل بھی یقیناً کروں گا۔ خواہ کچھ ہو جائے۔“

بے چارے عالم پناہ عجیب سی کیفیات کا شکار تھے اُن کا ذہن مختلف خیالات کی آماجگاہ بنا رہتا تھا جب تک نور جہاں کے ساتھ رہتے اُن کا ذہن قدیم مغلیہ فضاؤں میں بھٹکتا رہتا وہ اپنے اندر ایک خاص تمکنت ایک خاص غرور محسوس کرنے لگے تھے۔ اُن کا دل چاہتا

تھا کہ وہ تختِ شاہی پر بیٹھ جائیں اور اُن کے سامنے لاتعداد خدام ہوں جو اُن کے احکامات کی تعمیل میں مصروف رہیں۔ نور جہاں کے لئے وہ نہ جانے کیا کچھ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی فطرت یکسر بدل کر رہ گئی تھی۔ درحقیقت وہ قدیم ہندوستان کی روایتوں سے بے حد متاثر تھے۔ افریقہ میں رہ کر بھی ایشیا کے بارے میں طرح طرح کی باتیں پڑھتے اور سنتے رہتے تھے۔ انہوں نے بارہا خود کو ایشیا کی قدیم روایتوں کا ہیرو پایا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ اُن کا لباس اُن کی چال ڈھال اور شکل وصورت پر ایشیائی انداز زیادہ غالب تھا۔ جب کہ شیکی ان کے برعکس تھا۔ لیکن موجودہ ڈرامہ ان کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، اُن کی دبی ہوئی خواہش کو ہوا ملی تھی جنہیں شاید دوسرے ؟ داز میں کبھی نہ اُبھرنے کا موقع ملتا۔ اب اُن کی چال ڈھال میں بھی ایک عجیب سا غرور پیدا ہو گیا تھا۔

صفدر، تنویر اور دوسری چنڈال چوکڑی نے عام حالات میں بھی
اِسی طرح چلتے پھرتے دیکھا اور انہیں ہنسی دبانا مشکل ہو جاتی، ویسے
ابھی تک کسی نے عالم پناہ کو نہیں چھیڑا تھا۔ وہ انہیں تمام کام مکمل
کر لینے دینا چاہتے تھے جو پروگرام میں شامل تھے، اِس کے بعد عالم
پناہ سے تفریح لی جاتی۔

☆

دوسری جانب شیکی بے چارہ عجیب وغریب حالات کا شکار ہو جاتا
تھا اُسے اُس دن نجانے کتنے گھنٹے وہاں رہنا پڑا ناچ گانا سنتا رہا تھا
اور سر دُھنتا رہا تھا، اُن لوگوں نے اسے زچ کر کے رکھ دیا تھا۔ پھر
شام ہوگئی، شیکی نے بارہا اُن سے درخواست کی کہ اُسے واپس جانے
دیا جائے اور سہیل بھائی کہاں ہیں لیکن وہاں اُن لوگوں نے کسی سہیل
بھائی کا وجود ہی تسلیم نہیں کیا تھا وہ کہتے تھے کہ یہاں سہیل نامی کوئی

چیز ہے ہی نہیں۔

بہرحال شیکی کی جان پر بن آئی تھی۔ شام کی چائے میں اُسے کوئی نشہ آور چیز دے دی گئی اور رات کو جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ اپنے بیڈروم میں موجود تھا۔ اُس کی کیفیت بھی بہتر نہیں تھی۔ رات بھر جاگتا رہا اور اُن حالات کے بارے میں سوچتا رہا ہمت نہیں پڑتی تھی کہ دوبارہ سہیل کو تلاش کرنے جائے۔ دل چاہ رہا تھا کہ گھر والوں سے ہی سہیل کی شکایت کرے، لیکن پھر عجیب وغریب حالات اُس کا دماغ اُلجھا کر رکھ دیتے تھے۔ آخر کیا کہے گا لوگوں سے، کون اس کی بات پر یقین کرے گا۔

دوسرے دن وہ صبح ہی صبح سہیل کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گیا۔ اُس نے ہمت کر ڈالی تھی، کسی اور سے نہ سہی کم از کم سہیل سے ہی اس سلسلے میں بات کرے، نوشاب کے لئے وہ انتہائی سنجیدہ ہو گیا

تھا اور اس کی محبت کو کامیاب بنانا چاہتا تھا۔ لیکن اِس کی پہلی کوشش کا نتیجہ جو کچھ ہوا تھا اُس نے شیکی کے حوصلے پست کر ڈالے تھے۔ تاہم سہیل کے دروازے پر اس نے دستک دی اور دروازہ کھلا پا کر اندر داخل ہو گیا۔

سہیل ایک مسہری پر دراز آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ اِس نے چونک کر شیکی کو دیکھا اور اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

''آپ ۔ آپ کیسے تشریف لائے۔'' اس نے بھاری لہجے میں پوچھا۔

''ہوں پوچھ رہے ہو کیسے تشریف لائے۔'' شیکی نے آنکھیں عجیب سے انداز میں مٹکا کر کہا۔

''کیا نام ہے آپ کا۔''؟ سہیل نے سوال کیا۔

''اچھا اب نام بھی بھول گئے۔ میں شیکی ہوں، شفیع الدین شیکی،

جناب۔“

”خوب، میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔“

”یہ بتاؤ کل تم نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا تھا۔“

”جی۔“ سہیل نے متحیرانہ انداز میں پوچھا۔

”میں کہتا ہوں وہ لوگ کون تھے۔“؟

”شیکی صاحب، کیا آپ نے کوئی افریقی نشہ کیا ہے یا مقامی طور پر ہی کوئی شراب وراب پی لی ہے۔“

”دیکھو میں ایسی کوئی حرکت نہیں کرتا سہیل بھائی، میرے ساتھ ایسی باتیں مت کریں۔“

”میں آپ سے پھر یہ سوال کرتا ہوں کہ میں آپ کی کیا خدمت کرسکتا ہوں۔“

”پہلے تو مجھے یہ بتاؤ کہ کل مجھے کہاں لے گئے تھے۔“؟

''میں آپ کو لے گیا تھا۔''

''تو پھر۔ کیا اب اس بات کو بھی ماننے سے انکار کر دو گے۔''

''بہتر یہ ہے کہ آپ یہاں سے باہر جائیں۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ بیٹھیں۔ میں باہر آ کر آپ سے بات کیے لیتا ہوں، میں نہیں جانتا کہ اس بار یہ نزلہ مجھ پر کیوں گر رہا ہے۔''

''سہیل بھائی میں آپ کا رشتہ دار ہوں، کچھ نہ کچھ تو لگتا ہی ہوں آپ کا۔ میرے ساتھ آپ نے جو کیا ہے وہ اچھا تو نہیں تھا، میں نے تو آپ سے ایک پیار کی تکمیل کی بھیک مانگی تھی۔ میں نے آپ کے سامنے جھولی پھیلائی تھی کہ آپ نوشاب کا دامن پیار سے بھر دیں۔ لیکن آپ نے میرا مضحکہ اُڑایا، مجھے اِن سروں کے حوالے کر دیا جو نجانے کیا چیز تھے۔ ارے باپ رے کمال کی چیز تھے۔ وہ عورتیں تھیں یا مرد۔ میں نہیں سمجھ سکا سہیل بھائی۔''

’’سمجھ تو میں بھی آپ کو نہیں سکا ہوں شیکی بھائی، لیکن میں آپ سے اتنا عرض کر دوں کہ میں ذہن کو اُلجھانے کا قائل نہیں ہوں، آپ لوگوں کے معاملات سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ براہِ کرم مجھے تنہا چھوڑ دیں۔‘‘

’’ارے ارے تم تو واقعی ایسے بن رہے ہو جیسے کل میری اور تمہاری ملاقات ہی نہ ہوئی ہو۔‘‘

’’میری اور آپ کی ملاقات طویل عرصے سے نہیں ہوئی ہے شیکی صاحب، اور اگر آپ نے میرے سامنے کسی قسم کا کوئی ڈھونگ رچایا۔ تو میں ٹیڑھا آدمی ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے بزرگوں سے یہ بات معلوم کر لیں۔‘‘

’’تعجب کی بات ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا، یہ نہیں ہو سکتا کوئی میں پاگل تھوڑی ہوں۔‘‘

"مجھے تو آپ پاگلوں سے بھی بدتر لگتے ہیں۔"

"دیکھو دیکھو میری توہین مت کرو، ورنہ۔"

"ورنہ کیا"؟ سہیل نے مسکرا کر پوچھا۔

"ورنہ میں۔۔۔ورنہ میں یہ گھر چھوڑ دوں گا۔"

"خیر مجھے اس سے دلچسپی نہیں ہے کہ آپ یہ گھر چھوڑیں یا نہ چھوڑیں۔لیکن میں آپ کے ساتھ زیادہ وقت ضائع نہیں کر سکتا۔ پلیز گیٹ آؤٹ۔" سہیل نے غرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ اور شیکی بوکھلا کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر وہ گردن کھجاتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ شیکی نے صورتِ حال بھانپ لی تھی۔ اِس نے محسوس کر لیا تھا کہ اگر اِس نے سہیل کی بات نہ مانی تو سہیل اِس کے ساتھ کوئی سلوک بھی کر ڈالے گا۔

لیکن کوئی عقل کی بات تھی، یہ کیسے ممکن تھا، یہ کیسے ہو سکتا ہے، وہ

پریشان سا سہیل کے کمرے سے نکل کر اپنی خواب گاہ کی جانب بڑھنے لگا۔ تب ہی اسے نوشاب نظر آ گئی اور نوشاب کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ نوشاب مکمل طور پر سنجیدہ اور پر سکون تھی۔

''مم میں تمہارے ساتھ، میرا مطلب ہے تم سے گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔'' شیکی نے کہا۔

''تشریف لائیے۔ اب تو آپ میرے، بہت ہی قریبی ساتھی بن گئے ہیں۔'' نوشاب نے مسکرا کر کہا۔ اور شیکی نوشاب کے ساتھ اس کے کمرے میں داخل ہو گیا۔

''جی فرمائیے۔''

''عجیب واقعہ ہوا ہے، بہت ہی عجیب و غریب۔''

''کیوں خیریت کیا ہوا۔''؟

''مم........ میں سہیل سے بات چیت کرنے گیا تھا۔''

”کب۔“؟

”کل۔“

”اچھا پھر۔“

”وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور پھر ایک ایسی جگہ مجھے پھنسا دیا، نوشاب جواب تک میری سمجھ میں نہیں آئی۔ رات کو میں بے ہوشی کے عالم میں اپنے کمرے میں موجود تھا۔ لیکن ابھی میں نے سہیل سے بات کی تو اس نے انتہائی سختی سے اس بات کی تردید کردی کہ میری اور اس کی کل کوئی ملاقات ہوئی ہے۔“

”تمہیں یقین ہے شیکی کہ تم کل سہیل صاحب سے ملے تھے۔ اور تم نے ان سے بات چیت کی تھی۔“

”نوشاب میں تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا۔ میں پورے ہوش وحواس میں کہہ رہا ہوں کہ ایسا ہی ہوا تھا۔“ شیکی نے کہا۔

"وہ جگہ کون سی تھی۔"؟

"میں نہیں جانتا۔میں یہاں کے تمام علاقوں سے ناواقف ہوں، بہت ہی عمدہ عمارت تھی،کوئی سوچ بھی نہیں سکتا کہ اُس عمارت میں ایسے بے ہودہ لوگ مجھے ملیں گے۔"

"سہیل صاحب دوبارہ اس عمارت میں نظر نہیں آئے تھے۔"

"نہیں، بالکل نہیں۔"

"وہ لوگ کیسے تھے۔"؟

"بس وہ مرد تھے لیکن عورتوں کے لباس میں ملبوس ،گا بجا رہے تھے کم بخت ،ایسی بھونڈی آوازیں تھیں کہ بس۔فنِ موسیقی کو تباہ کر کے رکھ دیا تھا انھوں نے ،ڈھول بجا رہے تھے اور اُچھل کود کر رہے تھے۔میں تمھیں کیا بتاؤں نوشاب کہ میں کن حالات سے گزرا ہوں اُن لوگوں کے ساتھ اور پھر ایک وقت میں نہیں مسلسل کئی گھنٹے تک،

ایک کے بعد ایک جوڑا کھڑا ہو جاتا تھا اور مجھے ان لوگوں نے بولنے تک نہیں دیا تھا۔"

"تعجب کی بات ہے، ایسی کسی جگہ سے سہیل صاحب کا کیا تعلق۔" نوشاب پریشان لہجے میں بولی۔

"میں خود بھی اتنا ہی پریشان ہوں، اب مجھے بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہئیے۔"

"کچھ نہیں شکی صاحب، اب آپ آرام کریں، بلاوجہ اس جھگڑے میں آپ پڑ گئے، اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کر، میرے خیال میں یہ معاملات میں خود سنبھال لوں گی آپ مطمئن رہیں۔"

"تم سنبھال لوگی تم۔" شکی نے متعجبانہ انداز میں کہا۔

"ہاں شکی صاحب، میں اِس سلسلے میں آپ کو اپنا رازدار نہیں بنا سکتی۔ کچھ ایسی باتیں میرے علم میں آئی ہیں جن پر مجھے شدید

حیرت ہے۔ لیکن زندگی میں پہلی بار میرے دل میں ایک عزم بھی جاگا ہے۔ ''نوشاب نے کہا۔

''کیسا عزم۔ ''؟

''یہی کہ ان حالات پر مجھے خود قابو پانا ہوگا، سہیل کو انسان بنانا اب میری ذمہ داری ہے۔ میں حرماں نصیبوں کی طرح آہیں نہیں بھروں گی بلکہ اپنی زندگی بنانے کے لئے عملی اقدامات کروں گی۔''

''مگر وہ اقدامات کیا ہوں گے۔''؟

''میں نے کہا نا ابھی، میرا ذہن خود اِس سلسلے میں صاف نہیں ہے، دیکھوں گی کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے۔''

''اونٹ۔''؟ شکی نے چونک کر اِدھر اُدھر دیکھا اور پھر نوشاب مسکرانے لگی۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میری مراد کچھ اور تھی، آپ آرام

کریں۔" اور شیکی مغموم انداز میں گردن ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا

☆

رین بو کلب میں اب سہیل باقاعدہ نہیں آتا تھا، لیکن اس کی ممبر شپ برابر جاری تھی، جب بھی اُسے فرصت ہوتی وہ اپنی اس پرانی جگہ ضرور پہنچتا۔ آج بھی جب وہ رین بو میں داخل ہوا تو بے شمار نگاہیں اُس کی جانب اُٹھ گئیں، بہت سی آوازیں اُس کے کانوں سے ٹکرائیں۔ مادام زیب نے گہری سانس بھر کر کہا۔

"آہ، یہ کم بخت جب بھی آتا ہے سارے چراغ گل ہو جاتے ہیں۔"

"چراغ۔" مادام زیب کے نزدیک بیٹھی ہوئی مسز ڈومی نیک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"ہوں مسز ڈومی نیک آپ کا کیا خیال ہے اِس شخص کے بارے

میں۔"

"بس ایک خوبصورت نوجوان ہے،اور کیا خاص بات ہے اس میں۔"

"یہ آپ کہہ رہی ہیں مسز ڈومی نیک۔"مسز زیب نے حیرانی سے کہا۔

"کیا مطلب ہوا اس بات کا،آپ جو اِس سلسلے میں خاصی شہرت پا چکی ہیں۔"مسز زیب بولیں۔

"شہرت سے آپ کی کیا مراد ہے مسز زیب،براہ کرم ذرا تفصیلی روشنی ڈالیں۔"

"اوہ سوری،اگر آپ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں تو پھر یاددہانی آپ کے لئے ناخوشگوار ہوگی۔"

"میں چھچھوری باتوں کو زیادہ پسند نہیں کرتی۔"مسز ڈومی نیک

نے کہا۔

"بہت خوب، گویا جو چیز انسان کو حاصل نہ ہو اور جہاں وہ ناکامیوں سے دوچار ہو تو پھر اس کا تذکرہ چھچھوری بات ہو جاتی ہے۔ بہر صورت میں آپ سے کوئی اختلاف نہیں کرنا چاہتی، بس یونہی برسبیل تذکرہ بات نکل آئی تھی، مجھے نہیں معلوم تھا کہ آپ اس طرح چڑ جائیں گی۔"

"پاگل ہوں نا میں جو چڑ جاؤں، تم نے بات ہی بدتمیزی کی کی تھی۔"

"دیکھئے مسز ڈومی نیک میں ذرا ٹیڑھی قسم کی آدمی ہوں، اس وقت تک خیال کرتی ہوں انسان کا، جب تک وہ شرافت کے موڈ میں رہے۔"

"بات میں نے غلط نہیں کہی ہے، جو کچھ سنا ہے آپ کے بارے

میں اور جو حالات یہاں موجود تمام لوگوں کو معلوم ہیں۔ انہیں کا تذکرہ نکل آیا تھا۔ لیکن اس میں ایسی کوئی بات نہ تھی جس سے آپ کی ہتک منظور ہوتی۔"

"تم فضول عورت ہو، میں تم سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔"

مسز ڈومی نیک کرسی کھسکا کر کھڑی ہوگئی۔

مسز زیب نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ غصہ تو اسے بہت آیا تھا لیکن خون کے گھونٹ پی کر رہ گئی، مسز ڈومی نیک جیسی رنگی سیار عورتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھی، ویسے سچی بات تو یہ تھی کہ مسز زیب سہیل کے چکر میں خود بھی تھیں۔ لیکن وہ کم بخت کسی کے ہاتھ آنے والی چیز کہاں تھا۔

بہرصورت سہیل ان تمام باتوں سے بے نیاز اپنی جگہ پر جا بیٹھا اِس کی میز اِس کی غیر موجودگی میں بالکل خالی رہتی تھی، پھر اِس کی نگاہ

ایک سمت اُٹھ گئی۔ مسز درانی بیٹھی تھیں۔

مسز درانی کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ خاصی نڈھال نڈھال اور کمزور نظر آ رہی تھی۔ چہرے پر بھی کچھ تبدیلیاں پیدا ہوگئی تھیں۔ یقیناً صعوبتوں سے گزری تھی اور یہ صعوبتیں اس پر اثر انداز ہوئی تھیں۔ سہیل کے علاوہ اور کون اُس کی ان تمام کیفیتوں سے واقف ہوسکتا تھا سہیل جانتا تھا کہ خانہ بدوشوں میں وہ ایک اعلیٰ زندگی گزار چکی ہے اور اس کے بعد راگھو خان کے گروہ میں رہی ہے، ظاہر ہے اُس کی جو حالت بھی نہ ہوتی کم تھی۔ بہر حال سہیل اِس شاطر عورت سے اب بھی ہوشیار تھا۔ اور کسی طور اس بات پر یقین کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ اب وہ مخلص ہوگئی ہوگی۔ ایسی عورتوں سے وہ بخوبی واقفیت رکھتا تھا۔ البتہ زاہد ظفر کی شخصیت اِسے پسند آئی تھی۔

اُسے علم ہو گیا تھا کہ مسز درانی نے زاہد ظفر کو شیشے میں اُتارنے کی کوشش کی تھی اور وہ بے چارہ بھی اُس کے ساتھ ہی عتاب کا شکار ہوا تھا، ورنہ دوسرے انداز میں وہ بہتر انسان تھا اور سہیل اس کے بارے میں کئی باتیں سن چکا تھا۔

ایک ویٹر کو اشارہ کر کے اُس نے اپنے لئے کافی منگوائی اور کافی آنے کے بعد اُس کے چھوٹے چھوٹے سِپ لینے لگا پھر اس نے کلب کے ہال میں ایک شخص کو دیکھا جو ایک خوبصورت لباس میں ملبوس کلب میں داخل ہوا تھا۔ یہ شخصیت سہیل کی جانی پہچانی تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ کبھی ان میں باقاعدہ تعارف نہیں ہوا تھا۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے سے متعارف نہیں تھے لیکن سہیل نے ایک لمحے میں یہ محسوس کر لیا کہ وہ شخص اُس کی جانب آ رہا ہے۔

اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ سہیل پُر اطمینان نگاہوں سے

اُس شخص کو دیکھتا رہا اور وہ شخص اُس کے قریب پہنچ گیا۔

"مسٹر سہیل۔" اس نے تھوڑا سا جھک کر کہا۔

"میرا نام یوالیس جوشی ہے۔"

"جی۔" سہیل پھر اُسی انداز میں بولا۔

"آپ کا کچھ وقت لینا چاہتا ہوں۔"

"تشریف رکھیے۔" سہیل آہستہ سے بولا اور جوشی کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

"بدقسمتی سے میرا تعلق پولیس سے ہے اور اگر کوئی پولیس افسر کسی سے خصوصی تعارف حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اِس کا کچھ مطلب ہوتا ہے۔" جوشی نے کہا۔

"ویٹر۔" سہیل نے ویٹر کو آواز دی اور ویٹر قریب آ گیا۔

"شکریہ۔ میں کچھ نہیں پیوں گا۔" جوشی نے کہا۔ لیکن سہیل نے

اس کی بات پر غور نہیں کیا تھا بلکہ اس نے اپنے لئے ہی کچھ اور چیزیں طلب کی تھیں۔ اس بداخلاقی پر جوشی نے بڑی سبکی محسوس کی تھی۔ لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا۔

”یوں لگتا ہے جیسے آپ مجھ سے واقف ہیں مسٹر سہیل کیا میرا یہ خیال درست ہے۔“ جوشی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا یہ تعجب خیز بات ہے۔“؟

”نہیں بس یہ مجھے اپنی عزت افزائی محسوس ہوتی ہے۔ ویسے مجھے افسوس ہے کہ کچھ دیر کے بعد ہمارے یہ تعلقات خوشگوار نہ رہ سکیں گے۔“

”آپ کسی خاص مقصد کے تحت میرے پاس آئے ہیں۔“؟

”ہاں۔“

”بہتر یہ ہے کہ اس موضوع پر بات کریں اور اس کے بعد آپ

میرے دوسرے دوستوں کو موقع دیں۔"

"اوہ۔ضرور۔میں خود دیکھ رہا ہوں کہ بہت سے حسین چہرے آپ کی طرف متوجہ ہیں۔"

"آفیسر۔میں زیادہ با اخلاق انسان نہیں ہوں۔" سہیل نے کسی قدر ناخوشگوار لہجے میں کہا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔ویسے لوگ میرے بارے میں بھی زیادہ اچھے خیالات نہیں رکھتے، لوگوں کا خیال ہے کہ میں جس کے پیچھے پڑ جاتا ہوں اس کے لئے خاصی مشکلات پیدا کر دیتا ہوں۔آپ کو یہ سن کر شاید حیرت ہو مسٹر سہیل کہ میں آپ کی دوسری شخصیت سے بھی واقف ہو چکا ہوں۔"

"صرف دوسری۔"؟ اس کے ہونٹوں پر اچانک مسکراہٹ پھیل گئی۔" ایک اچھے پولیس آفیسر کی حیثیت سے تو آپ کو میری تمام

شخصیتوں سے واقف ہونا چاہیے تھا۔

''ہو جاؤں گا۔'' جوشی نے کہا۔

''بات وہیں کی وہیں ہے۔''

''آپ نصیبو کے نام سے بھی ایک خاص حلقے میں روشناس ہیں۔''

''کریمو اور بخشو کے نام سے بھی جانا جاتا ہوں۔'' سہیل نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''فی الحال میں صرف نصیبو کی بات کروں گا۔ نصیبو جو ایک بلیک میلر ہے۔'' جوشی نے کہا۔

''چلیں بات کریں۔''

''کیا یہ بات درست ہے۔''؟ جوشی نے پوچھا۔

''آپ تحقیقات کرنے آئے ہیں۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

”یہی سمجھو۔“

”یہ کلب ہے اور آپ وردی میں نہیں ہیں۔ ممکن ہے آپ فراڈ ہوں اور جھوٹ بول رہے ہوں اس بارے میں۔“

”ثبوت کے طور پر میں ابھی چند لوگوں کو طلب کروں گا اور انہیں ہدایت دوں گا کہ وہ آپ کو گرفتار کر لیں اور لے جا کر لاک اپ میں بند کر دیں۔ اِس کے بعد میں ایک مصروف آدمی ہوں نہ جانے کتنے دن کے بعد آپ سے ملاقات کروں۔“

”کیا واقعی آپ ایسا کر سکتے ہیں۔“؟ سہیل نے پوچھا۔

”سو فیصدی۔ میرے لئے یہ مشکل نہیں ہے۔“

”تو مسٹر جوشی، اِس کے بعد آپ تین دن سے زیادہ نوکری قائم نہ رکھ سکیں گے۔ معطل ہو جائیں گے۔ اور اس کے بعد آپ کی زندگی میں ایک نئی کہانی شروع ہو جائے گی۔ ایک بالکل انوکھی کہانی اور آپ

زندگی بھر یہ کوشش کرتے رہیں گے کہ کسی طور میں آپ کو معاف کردوں۔"

جوشی کا چہرہ سُرخ ہو گیا تھا۔ چند لمحات وہ سہیل کو گھورتا رہا پھر بولا۔ "میں آپ کا یہ چیلنج ضرور قبول کر لیتا مسٹر سہیل، لیکن گفتگو دوسرا رُخ اختیار کر گئی ہے یہ کام ہو گا لیکن ابھی نہیں۔ میں آپ کے لئے ایک مضبوط جال تیار کروں گا۔ اور پھر۔۔۔ ہم فیصلہ کریں گے آپس میں۔"

"تو اِس وقت آپ یہاں کیوں آئے ہیں۔"؟

"صرف آپ سے ملاقات کرنے۔ آپ کو بتانے کہ نصیبو اب بد نصیبو ہو جائے گا۔ میں نے پونجی والا کا کیس اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

"اوہ۔ پونجی والا۔ اِس نے آپ کو میری طرف متوجہ کیا ہے۔"

"یہ پوشیدہ بات ہے۔"

"بہر حال میں آپ کو اپنے خلاف تحقیقات کرنے سے منع نہیں کروں گا۔ لیکن آفیسر آپ شدید مشکلات میں پھنسنے والے ہیں۔"

"دیکھوں گا نوجوان بچے، بچے ہوا بھی۔ میرا نام جوشی ہے۔ یاد رکھنا اس بات کو۔"

"سہیل آہستہ سے ہنس پڑا۔ جوشی اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر وہ ہال میں نہیں رکا۔ سہیل پرسکون نگاہوں سے اسے جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ اِس کے ہونٹوں پر گہری مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ پھر اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک خوبصورت لائٹر نکال لیا۔ سگریٹ کا پیکٹ بھی تھا اِس کے ساتھ۔ لیکن اِس نے سگریٹ نہیں نکالا بلکہ صرف لائٹر کو میز پر رکھ لیا۔ اور اس کے ایک بٹن کو دبا دیا۔ چند لمحات وہ اسی طرح دیکھتا رہا پھر اس بٹن کو دبا کر دوسرا بٹن آن کر دیا۔

"دفعتاً لائٹر سے ایک آواز بلند ہونے لگی۔ یہ جوشی کی آواز تھی۔ جو کچھ گفتگو ان دونوں کے درمیان ہوئی تھی۔ وہ اِس لائٹر نما ٹیپ ریکارڈر میں ریکارڈ ہو گئی تھی۔

سہیل نے دو تین بار اس ریکارڈ کو سنا اور پھر لائٹر بند کر کے جیب میں ڈال لیا۔ وہ کافی مسرور نظر آ رہا تھا۔ دفعتاً اس کی نگاہ پھر مسز درانی کی طرف اُٹھ گئی۔ مسز درانی اسی طرف دیکھ رہی تھی۔ سہیل نے اِسے اشارہ کیا اور مسز درانی جلدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ گئی۔ چند لمحات کے بعد وہ اس کے پاس تھی۔

"بیٹھیے مسز درانی۔" سہیل نرم لہجے میں بولا۔

"شکریہ جناب۔"

"کیسی ہیں آپ۔"؟

"ٹھیک ہوں۔"

"آبادیوں سے دور اِن غیر مہذب بنجاروں کے درمیان کی زندگی کیسی پائی آپ نے۔"؟

"اِس موضوع پر گفتگو ضروری ہے۔" مسز درانی نے کہا۔

"اگر آپ نہیں پسند کرتیں تو ٹھیک ہے، میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا۔"

"میرا مضحکہ اُڑاؤ گے۔"؟

"معاف کر چکا ہوں، اِس لئے نہیں۔" سہیل نے جواب دیا۔

"اِس کے لئے شکر گزار ہوں۔ سچ بات بتاؤں، اِس زندگی نے دل میں ایک ہوک سی پیدا کر دی ہے۔"

"کیسی ہوک۔"؟

"بس سہیل۔ میں کیا بتاؤں تمہیں اپنے بارے میں، ذہنی طور پر بھٹکی ہوئی ایک ناکارہ سی شخصیت ہوں، صرف ایک بات کہنا چاہتی

ہوں تم سے۔''مسز درانی نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

''کہو۔''؟

''ہار مان لی ہے میں نے سہیل، آخری بار بھروسہ کرلو، اپنا اعتماد دے دو، تنہا ہوں اس دنیا میں اور اس کا یقین کر چکی ہوں کہ کچھ نہیں ہوں۔''

''یہ صرف وقتی اثر ہے مسز درانی تھوڑے دن کے بعد پھر بھٹک جاؤ گی اور نصیبو کے قتل کی سازشیں کرتی پھرو گی۔''

مسز درانی بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ پھر گردن جھکا کر بولی۔''اور کوئی ذریعہ نہیں ہے تمہیں اعتماد دلانے کا۔''

''میرے خلاف کیوں تھیں۔''

''ضد تھی بس، بُری نہیں تھی، مجبوریاں بُرائی کے راستوں پر لائی تھیں اور جب بُری بنی تو بہت بُری بن گئی۔ شرافت کے تمام راستے

چھوڑ دیئے سوچا کہ اب بہت بُری ہوں اور بہت بڑی ہوں اور جب یہ بڑائی مجروح ہوئی تو تمہاری دشمن بن گئی۔ بار بار تمہارے سامنے بے بس ہوئی اور احساس ہوا کہ اتنی بڑی نہیں جتنی سمجھتی رہی ہوں۔ میں ہار مان چکی ہوں آہیل کچھ بھی نہیں ہوں اب وہیں ہوں جہاں سے ابتداء کی تھی۔''

مسز درانی کی آواز بھرا گئی۔''کوئی کردار نہیں ہے میرا اِن فاحشاؤں کی مانند ہوں جن پر عورت کی چھاپ مذاق لگتی ہے۔ جو شرماتی ہیں تو ہنسی آتی ہے کہ شرم سے ان کا کیا تعلق جن کی آنکھوں میں کہیں سے بھولی بھٹکی محبت چلی آتی ہے تو بے اختیار جیبوں پر ہاتھ پہنچ جاتے ہیں کہ کہیں نگاہوں سے جیب نہ کتر لیں کیا کروں نصیبو بتاؤ۔ کیا کروں میں، بزدل ہوں مر نہیں سکتی کیسے جیوں۔''

''بہت جذباتی ہو رہی ہو مسز درانی ،اس ماحول میں خود کو

سنبھالو۔"

"کہاں تک سنبھالوں سہیل، تم نے مجھ سے میری بُرائی بھی چھین لی۔ میں کچھ بھی نہیں ہوں سہیل۔ کچھ بھی نہیں ہوں۔"

"اِس دنیا میں کوئی کچھ نہیں ہے مسز درانی۔ خود کو کچھ بھی سمجھ لو۔ درحقیقت کچھ بھی نہیں ہو۔ آؤ اُٹھیں یہاں سے آؤ۔" سہیل نے کہا اور مسز درانی خاموشی سے اُٹھ گئیں۔

تھوڑی دیر کے بعد سہیل کی کار برق رفتاری سے ساحل کی طرف دوڑ رہی تھی۔ اِس کے چہرے پر خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اور مسز درانی کو اِس کا یہ روپ عجیب عجیب سا لگ رہا تھا۔

ساحل پر سہیل نے گاڑی روک دی۔ دونوں نیچے اُتر آئے تھے اور مسز درانی اس کے ساتھ آگے بڑھتی رہیں۔ "کیا بننا چاہتی ہو۔"؟ طویل خاموشی کے بعد سہیل نے پوچھا۔

''میں نہیں سمجھی۔''

''کیا بننا چاہتی ہو۔''؟

''کچھ نہیں۔ اب کچھ بھی نہیں، سارے دروازے بند کرچکی ہوں، صرف ایک خواہش ہے دل میں نہ پوری ہوئی تو۔تو جان دے دوں گی، آخری فیصلہ ہے۔''مسز درانی نے کہا۔

''کیا خواہش ہے۔''؟

''تم آخری بار مجھے خلوصِ دل سے معاف کردو۔اپنے ہم رازوں میں، اپنے خاص ساتھیوں میں شامل کرلو۔میں تمہارا دوسرا حصہ بن جاؤں، بس جو کچھ ہو چکا ہے اسے فراموش کردو۔میں بڑی نہیں ہوں، ایک بڑے ساتھی کا بننا چاہتی ہوں، میں جانتی ہوں کہ اب میری تشنہ خواہشات اسی طرح پوری ہوں گی، اِس میں کوئی شک وشبہ نہیں کرو سہیل۔''

”ٹھیک ہے مسز درانی، میں نے تمہارے سچ کو تسلیم کر لیا ہے لیکن آخری بار، اِس کے بعد اگر تم نے مجھے کوئی دھوکہ دیا تو۔ میں تمہیں اذیت سے قتل کروں گا اس طرح ماروں گا مسز درانی کہ موت بھی کانپ جائے گی۔“

”مجھے منظور ہے۔“ مسز درانی نے کہا۔

”چلو چھوڑو اِن باتوں کو۔ اب تم مطمئن ہو۔“

”بہت زیادہ۔“

”ابھی ایک پولیس افسر نے مجھ سے ملاقات کی تھی۔“

”ہاں، میں اِسے جانتی ہوں۔“

”گڈ۔ کب سے۔“؟

”طویل عرصہ سے۔“

”وہ خود بھی تمہیں جانتا ہے۔“

"نہیں۔"

"یہ عمدہ بات ہے۔ بہر حال یہ پہلا موقع ہے کہ کوئی پولیس افسر اِس طرح میرے پاس پہنچا ہے۔ اِس نے مجھے مسٹر پونجی والا کا حوالہ دیا ہے، لیکن سیٹھ پونجی والا مجھے فون کر کے پہلے ہی مجھے اِس کے بارے میں ہدایات دے چکا ہے اِس کا مقصد ہے کہ اس کی ڈور کہیں اور سے ہلائی رہی ہے۔ کوئی اور اس کی پشت پر موجود ہے۔"

"ممکن ہے سہیل۔" مسز درانی نے کہا۔

"اِس کے بارے میں پتہ لگانا پڑے گا۔ اِسے مٹھی میں لینا بہت ضروری ہے۔" سہیل پُر خیال انداز میں بولا۔

"آ جائے گا سہیل۔ اِس کی فکر مت کرو۔"

"کیا مطلب۔"؟

"بہت جلد ایک آدھ دن میں، میں کچھ کام کروں گی۔ یہ شخص

تمہارے لئے مشکل نہیں بنے گا۔''

''کوئی خاص خیال ہے ذہن میں۔''؟

''ہاں۔''

''بتاؤ گی نہیں۔''

''اس کی ایک دکھتی رگ میں جانتی ہوں،فوزیہ ڈینہام میری گہری دوست ہے اور اس کی مالک۔ یہ اپنی زندگی کا تمام حساب کتاب اس کے پاس کھتا ہے۔اور فوزیہ۔وہ مجھے سارے کھاتے دکھائے گی۔''

''ویری گڈ مسز درانی۔ آج ہی۔''

''ہاں آج ہی۔''

''مگر اس کا مجھ تک پہنچنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔''

''مجھے کچھ اعتراضات بھی ہیں سہیل۔''

”کیسے اعتراضات۔“؟

”تمہاری اپنی ایک حیثیت ہے،تم نے ایک مقام بنایا ہے اپنا بے شک تم بہت ذہین ہو اعلیٰ مقام رکھتے ہو،تمہارے ہاتھ اتنی دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں کہ ان کی وسعت کا اندازہ لگانا مشکل ہے لیکن سہیل یقین کرو ایک بات میں نے بارہا تمہارے بارے میں سوچی ہے۔“

”کیا۔“؟

”تم نے اپنا نام بدلا ہے،اپنی شخصیت پوشیدہ نہیں رکھی جب کہ وہ نہ صرف تمہارے بلکہ تمہارے اہلِ خاندان کے لئے بھی شدید نقصان دہ ہو سکتی ہے۔“

”کس طرح۔“؟ سہیل نے پوچھا۔

”کچھ لوگ نصیبو کا شکار ہو کر سہیل کے گھر پر حملہ کر سکتے ہیں،

کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سہیل اور نصیبو ایک ہی ہیں۔"

سہیل کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا۔ پھر اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "بہت معمولی سی بات ہے، بہت معمولی بات۔"

"کیوں۔"؟

"کوئی ساری زندگی یہ ثابت کر سکے گا کہ سہیل اور نصیبو ایک ہی ہیں۔ کبھی ثابت نہ کر سکے گا۔"

"وہ کیسے۔"؟

"یہی تو نصیبو کا کھیل ہو گا، تمہاری اس نشاندہی کا شکریہ۔ اچھی بات بتائی ہے۔ لیکن سمجھو یہ کبھی نہ ہو گا اِس سلسلے میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"تم ضرور کچھ کر لو گے مجھے یقین ہے۔ لیکن سہیل تم آخر کیا ہو، میں تمہارے بارے میں ہمیشہ اُلجھن میں رہوں گی، کبھی کچھ نہ جان

سکوں گی تمہارے بارے میں، کچھ تو بتاؤ سہیل۔"

"کیا پوچھنا چاہتی ہو۔"؟

"تم نصیبو کیوں ہو۔"؟

"اس لئے کہ میں نصیبو نہیں ہوں، اس لئے کہ میں سہیل نہیں ہوں، اِس لئے کہ میں کچھ نہیں ہوں، اِس لئے کہ اِس کائنات میں میرا تیسرا نمبر ہے، نہ میں مکمل مرد ہوں نہ عورت ہوں۔ اِن دونوں صفتوں میں سے میری صفت کچھ نہیں ہے تو پھر میں کیا ہوں، بتاؤ مجھے، میری ماں مجھے نہیں بتا سکی، میرا باپ مجھے نہیں بتا سکا اور لاتعداد ڈاکٹر نہیں بتا سکے، پھر کون بتائے گا تو پھر میں خود کو کیا سمجھوں، میں اپنے آپ کو محسوس کرتا ہوں، میں خود جانتا ہوں میں ایک قوی ہیکل مرد ہوں، ایک خوش شکل عورت ہوں، میں اِن قوتوں کو آزماتا ہوں تو خود کو مکمل پاتا ہوں پھر میں نامکمل کیوں ہوں، جواب دو میری

ہمدرد، میں مکمل ہو کر نامکمل کیوں ہوں، میں اِس فلسفے کو جھٹلاتا ہوں، کائنات میں، سماج میں، انسانوں میں میرا کوئی مقام نہیں ہے تو میں نے خود اپنا مقام بنایا ہے، میں نے خود کو منوایا ہے میں بہت کچھ ہوں۔ بہت کچھ۔''

''اور یہی میری انا ہے۔ اسی میں میری زندگی ہے۔''

مسز درانی عجیب سی نگاہوں سے اِسے دیکھ رہی تھیں اس کی آنکھوں میں ہمدردی کے آثار نظر آرہے تھے۔ پھر اس نے کہا۔

''ڈاکٹروں سے رجوع ہونے سے بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔''

''نہیں مسز درانی تم نے مجھے جان لیا۔ اِس کے بعد میرے سلسلے میں سلسلۂ گفتگو ختم۔ آؤ واپس چلیں۔''

''اوکے۔'' مسز درانی نے کہا۔ اور دونوں خاموشی سے کار میں بیٹھ کر واپس چل پڑے۔

''کہاں جاؤ گی۔'' سہیل نے پوچھا۔

''مجھے رین بو کے پاس اُتار دو، میری کار وہاں موجود ہے۔'' مسز درانی نے کہا۔ اور پھر رین بو کے پاس اُترتے ہوئے اِس نے کہا۔ ''کہاں فون کروں۔''؟

سہیل نے اسے ایک نمبر دے دیا تھا۔ اِس کے بعد اِس نے اپنی کار آگے بڑھا دی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بالکل اجنبی عمارت میں داخل ہوا تھا۔ جہاں چند افراد موجود تھے۔ وہ سب سہیل کے سامنے مودب نظر آرہے تھے۔

سہیل ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک آرامدہ خواب گاہ تھی جس میں ضرورتِ زندگی کے سارے لوازمات موجود تھے۔ سہیل جوتے وغیرہ اُتار کر مسہری پر دراز ہو گیا۔ اور پھر وقت گزرتا رہا۔ تقریباً گیارہ بجے ٹیلی فون کی گھنٹی بج اُٹھی اور سہیل نے ریسیور اُٹھا لیا۔

بانگڑو
(قسط نمبر ۱۰)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

”ہیلو۔“

”مسز درانی بول رہی ہے۔“

”کام ہو گیا مسز درانی۔“؟

”ہاں نصیبو۔ بہت شاندار کام ہو گیا ہے، ایسا کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔“ مسز درانی نے کہا۔ اور سہیل دلچسپی سے دوسری طرف کی گفتگو سننے لگا۔

☆

مسز درانی کی زبانی تھوڑی دیر تک تفصیل سننے کے بعد سہیل نے کہا۔

”بس باقی گفتگو سامنے بیٹھ کر ہو گی۔ کوئی ضروری مصروفیت ہے تمہیں۔“؟

”نہیں جناب، میں آپ کی خادمہ ہوں، حکم دیں۔“ مسز درانی

کی آواز اُبھری۔ اور سہیل کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کیا بات ہے مسز درانی۔ ضرورت سے زیادہ مہذب ہوتی جا رہی ہو۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف چند لمحات خاموشی چھائی رہی پھر مسز درانی کی آواز سنائی دی۔

”اس بات کو جانے دیں سہیل۔“

”خیر، آ جاؤ بالمشافہ بات چیت ہو گی۔“

”کہاں پہنچوں۔“؟

”اٹھارہ رینک لائن۔ دیکھا ہے یہ علاقہ۔“

”بہت اچھی طرح۔ آ رہی ہوں۔ اٹھارہ بتایا ہے نا۔“؟

”ہاں۔“

”او کے، میں پہنچ رہی ہوں۔“ مسز درانی نے کہا اور فون بند کر دیا۔ سہیل بھی ریسیور رکھ کر مسز درانی کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے

نزدیک رکھے انٹر کام کا بٹن آن کیا اور دوسری طرف سے آواز اُبھری۔

"یس سر۔۔۔"؟

"مسز درانی آ رہی ہیں۔ اسے احترام سے میرے پاس پہنچا دو۔"

"بہت بہتر جناب۔" دوسری جانب سے جواب ملا، اور سہیل انٹر کام کا بٹن آف کر کے پھر اسی انداز میں کرسی پر دراز ہو گیا۔ اس کی آنکھیں گہری سوچ میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ اس وقت تک مکمل خاموشی طاری رہی جب تک مسز درانی وہاں نہ پہنچ گئی۔

اندر داخل ہوئی تو حیران سی تھی۔ سہیل کو دیکھ کر اس کے چہرے پر کسی قدر شگفتگی نظر آئی۔

"ہیلو مسز درانی۔۔۔"

"ہیلو۔!" مسز درانی نے کہا۔ سہیل نے اسے بیٹھنے کی پیش کش کی اور مسز درانی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔ پھر آہستگی سے بولی۔ "یہ عمارت سہیل۔؟ یہ عمارت۔"؟

"کیوں کوئی خاص بات ہے۔۔۔"؟

"ایک یاد۔۔۔ تقریباً سات سال قبل کی بات ہے، مجھے اس عمارت میں لایا گیا تھا۔"

"سات سال قبل یہ میرے پاس نہیں تھی۔"

"اب تمہاری ملکیت ہے۔"؟

"ہاں، کیا پیو گی۔۔۔"؟

"اگر مل سکے تو کافی پلا دو۔ اس عمارت میں دوبارہ داخل ہو کر ایک عجیب سی ذہنی تھکن کا شکار ہو گئی ہوں۔" سہیل نے ایک نزدیکی بٹن دبایا اور کافی کے لئے کہہ دیا۔

''تمہاری گفتگو بڑی تجسس آمیز تھی۔میں نے سوچا فون نہ استعمال کیا جائے۔'' سہیل نے فوراً گفتگو کا آغاز کر دیا۔

''ہاں، جوشی کے بارے میں، میں نے فوزیہ سے بہت کچھ معلوم کیا ہے۔''

''ذرا اس فوزیہ کی تفصیل معلوم ہو جائے۔''

''اپنے قبیلے کی عورت ہے۔میرا مطلب ہے میری اس وقت کی ساتھی جب ہم ایک ساتھ شکار کرکے نکلتے تھے اور ایک ساتھ اسے حلال کرتے تھے۔میں نے زندگی کا رُخ بدلا تو اس نے بھی بدل دیا۔ لیکن طویل عرصہ تک ہم دونوں کی ملاقات نہیں ہو سکی تھی۔''

''خوب، پھر۔۔۔''؟

''بس اچانک ملاقات ہو گئی۔لیکن وہ میرے راستوں پر نہیں چل سکی۔مجھ میں اور اس میں فرق تھا۔''

''یعنی بلیک میلنگ۔''

''ہاں سہیل، میری ذہنی کیفیت مختلف تھی۔''

''جوشی سے اس کا کیا تعلق ہے۔''؟

''بس۔ داشتہ ہے اس کی لیکن جوشی کی زندگی اس کے سامنے کھلی کتاب کی مانند ہے۔ شراب کے سرور میں ڈوب کر وہ فوزیہ کو یاد کرتا ہے، اور اپنی ساری کیفیت اس کے سامنے عریاں کر دیتا ہے۔''

''ویری گڈ۔۔۔بہر حال تم نے کیا معلومات حاصل کیں۔''؟

''جوشی کے بارے میں۔۔۔''؟

''ہاں۔''

''بہت شاندار سہیل۔ نوٹ کرو۔'' مسز درانی نے کہا، اور پھر دھیمی آواز میں سہیل کو کچھ بتانے لگی۔ سہیل کی آنکھوں میں دلچسپی کی چمک نمایاں تھی۔

پھر جب مسز درانی خاموش ہوگئی تو اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''بلاشبہ، عمدہ معلومات ہیں۔ لیکن میں حیران ہوں۔''

''کس بات پر۔''؟

''فوزیہ سے تمہاری اتنی گہری دوستی ہے کہ۔''

''نہیں سہیل۔ یہ بات نہیں ہے۔''

''پھر یہ معلومات۔''؟

''وہ میرے چنگل میں ہے۔ جوشی اسے ایک دوسری حیثیت سے جانتا ہے۔ ایک نوابی خاندان کی لڑکی جو اقدارِ زمانہ کے ساتھ رُلتی ہوئی بالآخر اس منزل تک پہنچ گئی۔ جوشی نے اسے بڑا سہارا دیا ہے، سوائے اس سے شادی کرنے کے۔''

''اوہ۔'' سہیل مسکرا پڑا۔ ''گویا وہ تمہاری شکار ہے۔''؟

”نہیں، پرانے رشتوں کے تحت میں نے اس سے کبھی کوئی سودے بازی نہیں کی۔ وہ خود ہی مجھے تحائف بھجواتی رہتی ہے۔“

”اس نے آسانی سے زبان کھول دی۔“

”جوشی کے بارے میں۔“؟

”ہاں۔“

”نہیں آسانی سے نہیں۔ میں نے ذہانت سے پھر جبر سے کام لیا، لیکن اسے بددل نہیں ہونے دیا۔“

”وہ جوشی کو تو آگاہ نہیں کرے گی۔“؟

”ہرگز نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد اس کی زندگی بھی عذاب بن جائے گی۔“ مسز درانی نے کہا۔ اور سہیل ہنس دیا۔ کافی آگئی تھی، دونوں نے کافی کی دو دو پیالیاں معدے میں اُتاریں پھر سہیل نے کہا۔

”شکریہ مسز درانی، تمہاری فراہم کردہ معلومات قیمتی ہیں۔ آرام کرو، میں بھی اب جاؤں گا۔!“ اور مسز درانی اُٹھ گئی۔ سہیل اسے باہر تک چھوڑنے آیا تھا۔

☆

عالم پناہ کی چال ڈھال ہی بدل گئی تھی۔ پہلے بھی کلاسیکل قسم کے لباس استعمال کرتے تھے، اب یہ لباس کچھ اور کلاسیکل ہو گئے تھے۔ مغلیہ تاریخ کھنگالی جا رہی تھی۔ اور اس میں سے اہم نکات نوٹ کیے جا رہے تھے۔

بزرگوں کو ابھی تک اس نئی واردات کی اطلاع نہیں ملی تھی، لیکن بہر حال وہ ان دونوں کی نگرانی ضرور کرتے تھے، خاص طور سے تمیز الدین خان صاحب۔

ویسے بھی اب ان لوگوں کو یہاں آئے ہوئے طویل عرصہ گزر چکا

تھا اور تمیز الدین خان آخری فیصلہ کر چکے تھے کہ اب واپس افریقہ نہیں جائیں گے۔ چنانچہ ان دنوں وہ کاروبار کے بارے میں غور کر رہے تھے، اور بہت سے معاملات ان کے سامنے تھے۔

ایک رات انہوں نے نواب عزیز الدین خان سے اس بارے میں مفصل گفتگو کی۔ کوٹھی کی اوپری منزل کے مخصوص کھلے ہوئے حصے میں دونوں بھائی بیٹھ گئے۔ تمیز الدین خان کی شکل دیکھ کر عزیز الدین خان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ ''کوئی خاص ہی بات ہے تمہارے ذہن میں ورنہ اتنی رات گئے تک جاگنا کیا معنی رکھتا ہے۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''پورا چاند مجھے ہمیشہ پسند ہے بھائی جان۔ بس اسی لئے نکل آیا ہوں۔ پھر محسوس کیا کہ آپ بھی جاگ رہے ہیں۔''

''ہاں بس نیند نہیں آئی تھی۔''

''کوئی خاص بات تو نہیں۔''؟

''بالکل نہیں، بھئی خدا کا شکر ہے۔''

''میرے ذہن میں کچھ تھا۔'' تمیز الدین نے کہا۔

''ہاں، کہو کیا بات ہے۔'' نواب عزیز الدین نے ہمہ تن گوش ہو کر کہا۔

''میرے بارے میں آپ نے کیا سوچا ہے۔ کافی عرصہ گزر چکا ہے مجھے آئے ہوئے۔''

''ہوں۔ میں سمجھ رہا ہوں۔ معاشی الجھن سوار ہے ذہن پر۔''؟ عزیز الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اس کے بغیر نہیں رہ سکتا بھائی صاحب۔ اور پھر کوئی مناسب قدم اُٹھا کر ان لوگوں کو بھی یہاں بلالوں جو وہاں پھنسے ہوئے ہیں۔ وہ الجھن میں ہوں گے۔''

''بولو، کیا سوچا ہے۔اور مجھ سے کیا چاہتے ہو۔''؟

''کوئی مناسب مشورہ۔''

''بھئی کاروبار میرا ابھی کافی پھیلا ہوا ہے۔کئی فیکٹریاں ہیں، دوملیں ہیں،ایکسپورٹ بھی خوب ہورہا ہے۔اگرکوئی جمی جمائی چیز چاہتے ہوتو ان میں سے جوچاہے لےلو۔اگر نئے سرے سے کچھ کرنے کے خواہش مند ہوتو۔''

''کارپٹ فیکٹری آپ میرے ہاتھ فروخت کردیں۔میں فی الحال اس انڈسٹری کوآگے بڑھاؤں گا۔''

''تمہاری ہوئی۔اور بولو۔''؟

''یہ برابروالی کوٹھی بھی خریدنا چاہتاہوں۔''

''کون سی۔''؟

''بائیں سمت والی۔''

''اوہو ہو۔ بڑی خوفناک بات کہہ ڈالی۔'' نواب صاحب ہنس پڑے۔

''کیوں۔''؟

''وہ کھٹنے نواب کی کوٹھی کی حیثیت سے مشہور ہے۔ نواب خیرات علی کہاں کے نواب ہیں یا تھے، اس بارے میں وہ کسی کو بتانا پسند نہیں کرتے، لیکن ہیں پکے نواب۔ دولت بھی خوب ہے۔ بہت سے بیٹے اور بیٹیاں ہیں۔ بڑے سخت گیر کہلاتے ہیں۔ میرے خیال میں کوٹھی کی خرید و فروخت کے ذکر پر دو چار گولیاں ضرور چلائیں گے، خواہ ہوائی فائر ہی کرنے پڑیں۔'' نواب عزیز الدین نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہم انہیں منہ مانگی قیمت دیں گے۔''

''مشکل ہے تمیز الدین۔ وہ کسی طور تیار نہ ہوگا۔''

”خیر دیکھا جائے گا، مجھے یہ عمارت بہت پسند ہے اس لئے کہہ رہا تھا۔بہر حال بھائی جان اب باقی زندگی آپ کے قدموں میں گزارنا چاہتا ہوں۔اور اس سلسلے میں آپ کو میری پوری پوری مدد کرنا ہوگی۔“

”خلوصِ دل سے یہ کوئی کہنے کی بات ہے، جس طرح تم چاہو گے، اسی طرح سب کچھ ہوتا رہے گا۔“

”بہت بہت شکریہ۔آپ نے میری الجھن دور کر دی۔“

”الجھن کیوں تھی۔“؟

”بس میں سوچ رہا تھا کہ کہیں میری اس بات پر آپ ناراض نہ ہوں۔“

”تم اپنی تسلی کے لئے جو دل چاہے کہتے اور کرتے رہو، تمیز الدین میں ہی اب کہاں تمہیں چھوڑنے والا ہوں۔رات اچھی

خاصی گزر چکی ہے۔اپنے ذہن کو خالی کر کے سکون کی نیند سو جاؤ۔"

"بہتر ہے۔" تمیز الدین صاحب اُٹھ گئے۔عزیز الدین بھی ان کے ساتھ ہی نیچے آئے تھے۔دفعتاً ان کی نگاہیں پائیں باغ کے ایک گوشے کی طرف اُٹھ گئی اور دونوں چونک پڑے۔وہاں کوئی تھا۔

تمیز الدین خان نے بڑے بھائی کا بازو دبایا۔

"میں دیکھ چکا ہوں۔" عزیز الدین خان سرگوشی کے انداز میں بولے۔

"کون ہو سکتا ہے۔"؟

"خدا جانے۔ممکن ہے کوئی چور وغیرہ۔آؤ میں رائفل لے لوں، خالی ہاتھ جانا ٹھیک نہیں۔" نواب عزیز الدین صاحب نے کہا۔

"میں یہاں اس کی نگرانی کر رہا ہوں، آپ جلدی واپس آ جائیں۔" تمیز الدین خان نے کہا۔اور پھر تھوڑی دیر کے بعد دونوں

بھائی دبے پاؤں باغ کے اس گوشے کی جانب چل پڑے جہاں وہ سایہ اب بھی موجود تھا۔

دونوں اس سائے کے سر پر پہنچ گئے۔نواب عزیزالدین نے رائفل کی نال اس کے سینے پر رکھ دی اور تمیزالدین خان نے اسے روشنی کے دائرے میں لے لیا۔

''جہانگیر۔۔۔''تمیزالدین خان کے منہ سے نکلا۔

''گستاخی ۔۔۔یہ کون بدتمیز ہے نورجہاں۔'' عالم پناہ کی آنکھیں بند ہوگئی تھیں۔ٹارچ کی تیز روشنی انہیں آنکھیں نہیں کھولنے دے رہی تھی۔

دوسری طرف نواب عزیزالدین اور تمیزالدین پریشانی سے جہانگیر کی شکل دیکھ رہے تھے۔عجیب حُلیہ بنا ہوا تھا۔قدیم مغل شہزادوں کے لباس میں ملبوس، گلے میں موتیوں کے ہار پڑے

ہوئے، ہاتھ میں گلاب کا پھول، سر پر عجیب وضع کی پگڑی جو نہ جانے کہاں سے حاصل کی گئی تھی۔

''نور جہاں، یہ کون گستاخ ہے۔میں کہتا ہوں روشنی آنکھوں سے ہٹاؤ۔نور جہاں، یہ کون گستاخ ہے۔؟میں کہتا ہوں، تمہیں اپنی موت کا خوف نہیں ہے۔''؟

''تمیز الدین خان نے ٹارچ کا رُخ گھما کر چاروں طرف دیکھا،لیکن قرب و جوار میں کوئی نہ تھا۔پھر انہوں نے آگے بڑھ کر جہانگیر کا گریبان پکڑ لیا۔

''ارے ارے ہائیں، کک کیا ہو رہا ہے یہ آخر۔ م میں کہتا ہوں یہ کیا ہو رہا ہے۔؟ کک کون ہو تم ۔ارے پھپ پھوپھا جان، آپ۔۔۔؟

''کیا کر رہے ہو یہاں۔''؟تمیز الدین نے سرد لہجے میں پوچھا۔

عالم پناہ احمقوں کی طرح چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں۔

"پھپ پھوپھا جان میں۔۔۔؟"

"اور کون تھا یہاں۔۔۔؟"

"ن نور جہاں۔ مم میرا مطلب ہے کوئی نہیں۔"

"اندر چلو۔" تمیز الدین خان نے ان کے گریبان کو جھٹکا دیا۔ اور عالم پناہ سرپٹ ہو گئے۔ اس معمولی سے دھکے سے وہ اتنی زور سے دوڑے کہ پھر ان کا سایہ بھی نظر نہیں آیا۔

تمیز الدین خان پریشانی سے تاریکی میں آنکھیں پھاڑ رہے تھے۔ پھر وہ گہری سانس لے کر بولے۔ "میرا خیال ہے یہ دونوں مکمل طور سے پاگل ہو گئے ہیں۔"

"ان کی طرف سے پریشان ہوں، بھائی جان۔ دونوں میری ہی

ذمہ داری ہیں۔ کیا کروں ان کا۔"؟

"میرا خیال ہے دونوں پر کوئی ذمہ داری ڈال دو۔ خود بخود ٹھیک ہو جائیں گے۔"

تمیزالدین خان پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگے تھے پھر بولے۔ "یہ اس پر نور جہاں کا بھوت کیوں سوار ہو گیا۔ میرے خیال میں تو یہاں اور کوئی نہیں تھا۔"

"کسی درخت کو نور جہاں کا نام دے دیا ہو گا۔ وہ کلاسکس کا مریض ہے۔" عزیزالدین خان نے ہنستے ہوئے کہا۔

"بہر حال میں سنجیدگی سے ان دونوں کے بارے میں کچھ سوچوں گا، سنبھالنا ہے انہیں ورنہ کوئی اور پریشانی نہ اُٹھ کھڑی ہو۔"

تمیزالدین خان بڑبڑاتے ہوئے اندر داخل ہو گئے۔ وہ درحقیقت ان دونوں کے بارے میں پریشان تھے۔

☆

''کباڑہ ہوگیا صفدر بھائی، کباڑہ ہوگیا، بے چارے جہانگیر کا۔!'' صوفیہ نے اطلاع دی۔

''کیوں خیریت۔''؟

''رات کو چھاپہ پڑ گیا۔ دونوں بزرگوں نے ہمیں دیکھ لیا۔''

''ارے کب، کہاں۔''؟ صفدر نے آنکھیں ملتے ہوئے کہا۔ اسے صبح ہی صبح جگا لیا گیا تھا۔

''بس، میں پائیں باغ میں نور جہاں کی حیثیت سے موجود تھی اور شہزادہ حضور مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے کہ اچانک میں نے دور سے ان دونوں کو آتے دیکھا۔ میں تو فوراً رفو چکر ہوگئی لیکن عالم پناہ پھنس گئے۔'' صوفیہ نے کہا اور ہنس پڑی۔

''بعد کی کیا رپورٹ ہے۔''؟

"ابھی تک کچھ نہیں۔ نہ جانے اونٹ کس کروٹ بیٹھے۔"

"اوہ، اچھا۔ بات خطرناک ہے۔ پتہ چلاؤ بعد میں کیا ہوا۔"

صفدر نے کہا۔ اس وقت تو خیر کیا پتہ چلتا البتہ ناشتے کے بعد خاصا ہنگامہ ہو گیا۔

نواب تمیز الدین خان صاحب نے ناشتہ تو بالکل خاموشی سے کیا تھا۔ لیکن ناشتے کے بعد وہ انتظار نہ کر سکے۔ انہوں نے تنہائی کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ ان کی کرخت آواز ابھری۔

"جہانگیر۔۔۔"؟

"ج ج، جی۔ پھوپھا حضور۔"

"رات کو پائیں باغ میں کیا کر رہے تھے تم۔۔۔"؟

"پھوپھا حضور۔۔۔" عالم پناہ جھجکتے ہوئے لہجے میں بولے۔

"میں جواب چاہتا ہوں۔"

’’خالص۔ مکمل ذاتی معاملہ ہے پھوپھا جان۔‘‘

’’کیا مطلب۔‘‘؟

’’میرا ماضی زندہ ہو گیا ہے۔ تاریخ خود کو دوہرا رہی ہے۔ آپ لوگ اس سے غرض نہ رکھیں۔‘‘ عالم پناہ نے کہا۔ اور تمیز الدین کا چہرہ غصے سے سُرخ ہو گیا۔ وہ عالم پناہ کو گھورنے لگے۔

’’میں نے تمہارے لئے ایک فیصلہ کیا ہے۔ بے شک تم دونوں میرے عزیز ہو لیکن تمہارے بزرگوں نے تمہیں ڈبونے کا کام میرے سپرد نہیں کیا۔ میں چاہتا ہوں کہ تم دونوں واپس چلے جاؤ۔‘‘

’’یہ ناممکن ہے پھوپھا جان۔‘‘ عالم پناہ میں نہ جانے کہاں سے یہ سب کچھ کہنے کی جرأت پیدا ہو گئی تھی۔

’’میں اسے ممکن بنا دوں گا۔ تمہیں اپنے اخراجات اب خود برداشت کرنا ہوں گے۔ تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔‘‘ تمیز الدین

خان بولے۔

''سنو تمیز الدین ۔سنو یوں نہ کہو۔ بلکہ یوں کرو کہ ان کی عملی زندگی کے آغاز میں ان کی مدد کرو۔ان سے پوچھو کہ یہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ یہ کوئی کاروبار کریں، کوئی پیشہ اختیار کریں یہ ان کے لئے بھی ضروری ہے، اور ہمارا بھی فرض ہے۔''عزیز الدین نے درمیان میں دخل دیا۔

''یہ کیا کریں گے ناکارہ کہیں کے۔''

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔انہیں ایک ہفتے کی مہلت دے دو۔سنو بھئی شفیع الدین اور جہانگیر! یہ بات جائز ہے کہ تمہیں عملی زندگی کے لئے کچھ کرنا چاہئیے۔تم کیا کروگے اس بارے میں فیصلہ کرلو۔اور ایک ہفتے کے اندر اندر ہمیں جواب دے دو۔''

عزیز الدین خان نے کہا۔اور دونوں نے گردن ہلادی۔

اس طرح گلو خلاصی ہو گئی۔ اور ناشتے کا کمرہ خالی ہو گیا۔ لیکن عالم پناہ اور شیکی کی گردنیں لٹکی ہوئی تھیں۔

"آخر اس میں پریشانی کی کیا بات ہے۔" صفدر نے ہمدردی سے کہا۔ اور دونوں بے چارگی کی نگاہ سے انہیں دیکھنے لگے۔

"ہم بھلا کیا کر سکیں گے صفدر بھائی۔" شیکی نے کہا۔

"تم لوگ کیا نہیں کر سکتے۔ ہزاروں صلاحیتیں ہیں تم دونوں میں، مگر افسوس تم انہیں استعمال نہیں کر سکتے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"افسوس تو یہ ہے کہ تم میرے خلوص پر بھروسہ نہیں کرو گے۔" صفدر مکاری سے بولا۔ کوئی نئی سوجھی تھی اسے۔

عالم پناہ اور شیکی بے چارگی سے ان کی شکلیں دیکھ رہے تھے۔ پھر عالم پناہ نے کہا۔

''اگر آپ اس بارے میں ہماری کوئی مدد کر دیں صفدر بھائی ،تو ہم احسان مند رہیں گے۔ دراصل یہاں کا ماحول ہمیں پسند ہے۔ افریقہ میں اپنے ہم مزاج لوگ نہیں ہوتے اور پھر وہاں عزیزوں اور رشتے داروں کی وہ چہل پہل نہیں ہے جو یہاں ہے۔اس لئے آپ ہماری مدد کریں۔ہاں اگر آپ لوگوں کو ہماری یہاں موجودگی پسند نہیں ہے تو دوسری بات ہے۔''

''ارے نہیں جہانگیر بھائی، جب سے آپ لوگ اس عمارت میں آئے ہیں، یہاں کی رونقیں بے مثال ہوگئی ہیں۔ہم آپ کو کسی قیمت پر نہیں جانے دیں گے۔''

''تو پھر بتایئے کوئی ترکیب۔''

''آیئے،تمام حضرات میرے کمرے میں چلیئے۔ایک بہت اہم مسئلہ طے ہونا ہے۔اس لئے محفوظ جگہ درکار ہوگی۔''صفدر نے کہا۔

اور چند لمحات کے بعد سب لوگ اس کے کمرے میں موجود تھے۔

''جو شرط آپ پر عائد کی گئی ہے آپ اسے قبول کیوں نہیں کر لیتے۔''؟ صفدر بولا۔

''ہم بے بس ہیں۔ لاچار ہیں۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''کمال ہے۔ اس قدر ہٹے کٹے ہو کر بھی۔ میں آپ سے صحیح بات عرض کروں جہانگیر بھائی، تو آپ بُرا مان جائیں گے۔''

''نہیں مانیں گے وعدہ۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''آپ لوگ خود آج تک ہمارے ساتھ مخلص نہیں ہوئے۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے صفدر بھائی۔''

''آپ نے کوئی ثبوت ہی نہیں دیا۔''

''جو ثبوت مانگیں حاضر ہے۔''

''تو ٹھیک ہے۔ آپ دونوں حضرات سے کچھ سوالات کئے

جائیں گے۔ان کے جواب دیں۔" صفدر نے کہا۔تمام لوگ دلچسپی سے صفدر کا یہ ڈرامہ دیکھ رہے تھے۔

"تیار ہیں آپ لوگ۔"؟ تنویر نے کہا۔

"ہاں ہاں ضرور۔"

"تو پھر ابتداء سے اپنے بارے میں بتایئے۔" صفدر نے کہا۔

"ہماری ابتداء کہاں سے ہوئی ہمیں یاد نہیں، ہاں اگر تاریخ تہذیب وانسانیت کے بارے میں کچھ معلوم کرنا چاہیں تو عرض کرسکتا ہوں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"نہیں تاریخ عشقِ نوشاب سے شروع کردیں۔اتنے پیچھے کہاں جائیں گے۔" صفدر نے کہا۔

"عشقِ نوشاب۔" شکیی بول پڑا۔

"ہاں مشکل مضمون ہے۔"؟ صفدر نے سوال کیا۔

’’اور سچ بولنا ضروری ہے۔‘‘ ؟دلربا کے تاروں کی ہم آہنگی میں کہا گیا۔

’’بے حد۔خلوص کے حصول کی پہلی قیمت۔‘‘

’’میں تیار ہوں۔لیکن عالم پناہ اس سچ کو نہ بول سکیں گے۔‘‘

’’کیوں نہیں بول سکوں گا،تم کسی بھی مرحلے پر مجھ سے بازی نہیں لے جاسکتے۔!‘‘عالم پناہ غصیلے لہجے میں بولے۔

’’ارے جاؤ،تمہاری وجہ سے میری مٹی بھی پلید ہوگئی۔میں ایک بے ضرر معصوم گویا۔دلربا کی دھن میں مست ہوکر دنیا کو بھول جانے والوں میں سے ایک۔اب بتاؤ،حرکتیں تم کررہے ہو اور تمہارے ساتھ نکالا میں جارہا ہوں۔‘‘

’’شکی۔‘‘عالم پناہ بڑے پیار سے کہا۔نہ جانے ان کا موڈ ایک دم کیوں بدل گیا تھا۔

"ہاں ہاں، کہو، کہہ ڈالو جو دل میں آئے۔"

"قبلہ پھوپھا جان ہمیں واپس افریقہ بھیجنا چاہتے ہیں۔ اگر وہ صرف مجھ سے کہیں تو کیا تم مجھے تنہا جانے دو گے۔"؟

"ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں جانتا ہوں وہاں تم ہیلن مارگریٹ، سوسی اور روولیتا پولو کے ساتھ صبح، دوپہر اور رات گزارو گے۔ اور میرے بارے میں نہ جانے کیا کیا افواہیں اُڑاتے پھرو گے۔ میں تمہیں تنہا ہرگز نہیں جانے دوں گا۔"

"سمجھے آپ لوگ۔"؟ عالم پناہ مسکراتے ہوئے بولے۔

"افسوس ہم نہیں سمجھے۔" نادر نے گردن ہلائی۔

"جس طرح انسان کی زندگی میں دوستی اہمیت رکھتی ہے اور اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کے اچھے دوست ہوں، اسی طرح ہر انسان کے لئے ایک دشمن بھی بے حد ضروری ہے۔ درحقیقت دشمنی

دوستی کی سب سے مضبوط قسم ہے۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''سبحان اللہ ،کیا فلسفہ بیان فرمایا ہے۔بہر حال یہاں عشقِ نوشاب کی بات ہو رہی ہے۔''

''میں اس کا کیا جواب دوں۔''

''یہ عشق آپ کے ذہن میں کب اور کیوں پیدا ہوا۔''؟

''جواب درست دینا ہے۔''

''سو فیصدی۔''

''تو پھر سن لیں صفدر بھائی ،وہ عشق نہیں ہوس تھی۔''

''وہ کیسے۔''؟

''نوشاب کو جیت کر بے اندازہ دولت کے حصول کی ہوس اور شیکی بھی اسی انداز میں سوچتا رہا ہے۔اس جذبے نے ہم دونوں کو رقیب بنا دیا ،ورنہ ہم گہرے دوست تھے۔''

’’اب کیا کیفیت ہے۔‘‘؟

’’حواس درست ہوگئے ہیں۔اور ہم میں سے کوئی اب اس کے لئے تیار نہیں ہے۔‘‘

’’شیکی کے بارے میں اتنے وثوق سے کیوں کہہ رہے ہیں آپ۔‘‘؟

’’اس لئے کہ ہمارے درمیان دشمنی کا رشتہ ہے۔اور ہم ایک دوسرے سے واقف رہتے ہیں۔‘‘

’’کیوں شیکی۔‘‘؟صفدر نے پوچھا۔

’’بات کسی حد تک درست ہے۔‘‘شیکی نے ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔جہاں کبھی داڑھی ہوا کرتی تھی۔

’’ٹھیک ہے۔موجودہ صورتِ حال کیا ہے۔‘‘؟

’’جو کچھ ہے سامنے ہے۔‘‘عالم پناہ نے جلدی سے کہا۔

”چالاکی سے کام لے رہے ہیں عالم پناہ۔نہیں چلے گی۔ جو کچھ کہیں خلوص سے کہیں۔“صفدر نے پوچھا۔

”کیا مطلب۔مم میں سمجھا نہیں۔“عالم پناہ نے بوکھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”رات کو کیا بات ہوئی تھی۔“؟

”مم،میں اب بھی نہیں سمجھا۔آپ کون سی بات کے بارے میں کہہ رہے ہیں۔“؟

”یہ آپ خلوص سے جواب دے رہے ہیں،عالم پناہ۔“؟

”صص،صفدر صاحب۔وہ ،میں آپ لوگ،یا تو آپ میری بات کو بکواس سمجھیں گے۔یا،یا پھر میرا مذاق اُڑائیں گے۔“عالم پناہ نے کہا۔

”اس بات کو آپ چھوڑ دیں۔“

’’ہوں، تو پھر سنیئے۔ میں ایک سحر کا شکار ہوں۔ اور اگر آپ لوگ مجھے پاگل نہیں سمجھتے تو پھر یہ بات تسلیم کرلیں کہ میں ماضی سے بھٹک کر حال میں آگیا ہوں۔‘‘

’’وہ کیسے۔‘‘؟

’’میں جہانگیر ہی ہوں۔ شہنشاہ اکبر کا بیٹا۔ کیوں ہوں۔ کیسے ہوں، یہ نہ میں خود سمجھ سکا ہوں نہ آپ لوگوں کو سمجھا سکتا ہوں۔ کاش میں آپ کو نور جہاں سے ملوا سکتا۔‘‘

’’نور جہاں۔‘‘ صفدر نے حیرت سے کہا۔

’’ہاں نور جہاں۔‘‘

’’گویا۔ گویا کمال ہے۔ آپ شہنشاہ جہانگیر ہیں۔‘‘؟

’’ہاں، میں ماضی کی شاہراہ سے گزرتا ہوا حال کی طرف آنکلا ہوں۔ اس میں میرے ارادے کو دخل نہیں تھا بس قدرت سمجھئے۔

”اوہ عالم پناہ۔نور جہاں سے آپ کی ملاقات ہوئی ہے۔“؟

”ساری گڑبڑ تو یہی ہوگئی۔“

”کیا مطلب۔“؟

”رات کو بھی وہ میرے پاس تھی۔دونوں بزرگوں نے دیکھ لیا،
اور معاملہ بگڑ گیا۔“

”نور جہاں تمہارے پاس تھی۔“؟

”خدارا کسی سلسلے میں اس کی توہین نہ کریں۔“ عالم پناہ نے لجاجت سے کہا۔”وہ اس سلسلے میں بے حد جذباتی ہے۔“

”کمال ہے،آپ اس سے کوئی مدد کیوں نہیں لیتے۔“؟

”اس بارے میں۔“؟

”ہاں۔“

”اوّل تو یہ شیوہ مردانگی نہیں ہے۔دوئم اس کے بعد اس سے

ملاقات بھی نہیں ہوئی اور وہ اس صورتِ حال سے ناواقف ہے۔"

"اور آپ اس سے کہنا پسند نہیں کریں گے۔"

"ہرگز نہیں۔ پھر میں کہاں کا شہنشاہ ہوا۔"

"ہاں یہ بات تو درست ہے۔ لیکن عالم پناہ نور جہاں سے آپ کا عشق جاری ہے۔ اگر کبھی شیر افگن سے واسطہ پڑ گیا پھر۔"؟

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ ہمیں اس وقت دوسرے حالات سے واسطہ ہے۔ اس سلسلے میں ہماری مدد کر سکتے ہیں تو کر دیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"نواب تمیز الدین صاحب چاہتے ہیں کہ آپ لوگ عملی زندگی میں آجائیں۔"

"ہاں۔"

"تو اب عملی زندگی کا آغاز کر دیں۔"

”مگر کس طرح ہمیں تو کچھ نہیں آتا۔“

”اوہ، یہ تمہاری بھول ہے۔ہم نے ، بلکہ ہم سب نے تمہیں بہت غور سے دیکھا ہے، عالم پناہ اور مسٹر شیکی ۔“ صفدر نے کہا۔

”کیا مطلب ۔“؟

”تم دونوں کو اپنی مخفی صلاحیتوں کا علم نہیں ہے۔میں تمہیں ایک اعلیٰ پائے کا کاروبار بتا سکتا ہوں۔شرط یہ ہے کہ منافع میں میرا حصہ بھی ہوگا۔“

”ہمیں منظور ہے۔“ دونوں بیک وقت بولے۔

”اچھی طرح سوچ لیں۔“ صفدر نے کہا۔

”صفدر بھائی۔للہ جلدی بتا دیں جو کچھ بتانا ہے۔“

”تو بس بزرگوں سے ایک دفتر طلب کرلیں جس میں فرنیچر ہو، ٹیلی فون ہو۔باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”لیکن یہ تو پتہ چلے کہ کاروبار کیا ہوگا۔!“شیکی نے کہا۔

”اس سلسلے میں تم ان لوگوں سے صرف یہ کہہ سکتے ہو کہ تمہاری صلاحیتوں پر بھروسہ کیا جائے۔“

”مان جائیں گے وہ لوگ۔“؟ عالم پناہ نے کہا۔

”میں کہوں گا تو مان جائیں گے۔“شیکی بے اختیار بول پڑا اور عالم پناہ چونک کر اسے دیکھنے لگے۔ پھر نتھنے پھلا کر بولے۔

”کیا مطلب ہوا اس بات کا۔“؟

”انہیں میری صلاحیتوں پر پورا بھروسہ ہے جب کہ تمہیں وہ خبط الحواس سمجھتے ہیں۔ تمہاری وجہ سے یہ مصیبت نازل ہو رہی ہے۔ ورنہ چین کا گٹار بجا رہے تھے۔“

”ہاں ہاں، یہ بالکل۔۔۔نہیں چلے گا۔ تمہیں باوقار دشمنی کرنی چاہئیے۔ اور پھر جو کاروبار تم دونوں کرو گے، اس میں اتفاق ضروری

ہے۔" صفدر نے کہا۔ عالم پناہ جو تھنے پھلانے لگے تھے اعتدال پر آ گئے تھے۔

"بس تم لوگ یہ کام کر لو۔ اس کے بعد میں تمہیں دوسری ترکیب بتاؤں گا۔"

"بہتر ہے۔" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔ ان کی گلوخلاصی ہو گئی تھی۔ لیکن دوسرے لوگ صفدر کے پیچھے پڑ گئے۔

"کیا کاروبار کریں گے دونوں بے چارے، کسی قابل تو نہیں ہیں۔ کیا سوچا ہے ان کے بارے میں۔"؟

"بھئی اس کھوپڑی پر بھروسہ کرو۔ ایک عمدہ ترکیب سوچی ہے۔ سنو گے تو خوش ہو جاؤ گے۔"

"تو پھر سناؤ نا۔"؟ آصف نے کہا۔

"قبل از وقت ہوگا۔ لیکن بہر حال تم سے کیا چھپانا، ظاہر ہے تم

سب ہی اس کاروبار میں ان دونوں بے چاروں کی مدد کرو گے۔ میں انہیں پرائیویٹ جاسوس بنا رہا ہوں۔ وہ ادارۂ جاسوسی کھولیں گے۔"
صفدر نے جواب دیا۔

ایک لمحے کے لئے سب خاموش رہے پھر صفدر پر دادو تحسین کے ڈونگرے برسنے لگے۔ آصف نے گہری سانس لے کر کہا۔ "گویا اب آپ انہیں سڑکوں گلیوں اور بازاروں میں بھی ذلیل کرائیں گے۔ ہائے ان بے چاروں کی قسمت غالب۔"

"بکواس مت کرو آصف۔ ہم سب کو اس کاروبار میں ان کی بھرپور مدد کرنی ہوگی، ورنہ بے چارے تنہا کیا کر سکیں گے۔"

"بسر و چشم، بسر و چشم۔" سب نے بیک وقت کہا، اور صفدر گردن ہلانے لگا۔

سہیل کو سیٹھ پونجی والا کا ٹیلی فون ملا، سہیل نے ہی فون ریسیو کیا تھا۔

"ہیلو بابا، سیٹھ پونجی والا بولتا پڑا، ابھی اپن کو ایک ٹیلی فون ملا ہے، اپن پہچان گیا تھا سہیل صاحب کہ یہ آپ کا آواز نہیں ہے، اسی لئے اپن فوری طور پر آپ سے دوسرے ٹیلی فون پر بات کرتا ہے۔"

"کیا بات ہے سیٹھ پونجی والا۔"

"سہیل صاحب جو ٹیلی فون ہمیں ملا ہے اس میں ہم سے بیس لاکھ روپیہ مانگا گیا ہے، اس نے اپنے آپ کو نصیبو ہی بتایا ہے، اپن سیٹھ پونجی والا جانتا ہے کہ وہ نصیبو نہیں ہے، سہیل صاحب اس نے بولا کہ اگر بیس لاکھ روپیہ اسے ادا نہ کیا گیا تو پرسوں شام کو ہمیں بہت بڑے نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا، اب تم بولو سہیل صاحب اپن کیا کرے۔" سیٹھ پونجی والا کافی پریشان نظر آتا تھا۔ پھر سہیل نے

پوچھا۔

''بیس لاکھ روپے کہاں اور کس جگہ مانگے گئے ہیں۔''؟

''ابھی یہ جگہ نہیں بولا صاحب، بس کہا ہے کہ اگر اپن راضی ہو تو رات کو وہ پھر ٹیلی فون کر کے معلوم کرلے گا۔''

''ہوں۔ اچھا سیٹھ پونجی والا تم ایک کام کرو۔ ابھی تم نے اس بارے میں کسی اور کو تو نہیں بتایا۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

''نہیں صاحب کسی اور کو نہیں بتایا۔''

''وہ پولیس آفیسر مسٹر جوشی تمہارے کام آسکتا ہے۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

''جی صاحب۔'' سیٹھ پونجی والا نے پریشان لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ ذاتی طور پر اس سے ملاقات کرو اور اسے بتاؤ کہ نصیبو نے تم سے بیس لاکھ روپے مانگے ہیں۔''

''ابی تمہارا نام لے دے صاحب، پر اپن کا تو خیال ہے کہ یہ بیس لاکھ روپیہ تم نے نہیں مانگا۔'' سیٹھ پونجی والا متحیر انہ انداز میں بولا۔

''پونجی والا جیسے کہ تم نے مجھے پہلے بھی جوشی کے بارے میں اطلاع دی تھی، اسی طرح اب بھی میرے ساتھ تعاون کرو، جیسا کہ میں کہہ رہا ہوں ویسا ہی کرو، تم مسٹر جوشی کو یہ اطلاع دے دو اور اس کے بعد حالات کا انتظار کرو۔''

''جیسا آپ بولے گا صاحب۔!''

''مجھے ٹیلی فون کر کے اطلاع دے دینا، لیکن نہایت ہوشیاری کے ساتھ، کسی کو معلوم نہ ہو۔''

''کسی کو معلوم نہیں ہوگا صاحب، پونجی والا اب اتنا بھی بے وقوف نہیں ہے۔'' دوسری طرف سے جواب ملا اور ٹیلی فون بند ہو گیا۔

سہیل نے چند لمحات ریسیور ہاتھ میں ہی اٹھائے رکھا غالباً وہ کسی

گہری سوچ میں تھا۔ پھر لائن ڈسکنکٹ کر کے دوسرا نمبر ڈائل کرنے لگا۔ اس بار وہ خاصی بھاری آواز میں بولا۔ ”ہیلو کون بول رہا ہے۔“؟

”نمبر چار سے فریڈی۔“ دوسری طرف سے جواب ملا۔

”فریڈی سیٹھ پونجی والا کو جانتے ہو۔“؟

”کیوں نہیں جناب۔“ دوسری طرف سے مؤدب لہجے میں کہا گیا۔

”چار آدمی اپنے ساتھ لے لو اور اسی وقت سے اس کی نگرانی شروع کر دو، دیکھو اس کی زندگی کو خطرہ بھی پیش آ سکتا ہے، ممکن ہے کوئی اس کی جان لینے کی کوشش کرے، تمہیں اگر اس کی کوٹھی میں بھی داخل ہونا پڑے تو بے دھڑک چلے جانا۔ میرا مطلب ہے کسی قسم کے تردد کی ضرورت نہیں، کوشش کرنا کہ دوسروں کی نگاہوں سے محفوظ

رہو، لیکن اگر سامنے آ جاؤ تو بھی پریشانی کی بات نہیں ہے، سیٹھ پونجی والا کو ہر قیمت پر بچانا ہے، یہ بات ذہن میں رکھنا۔''

''جناب عالی۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''اگر سیٹھ پونجی والا پر کوئی سختی ہو، تو تم منظرِ عام پر آ کر مدافعت کرنے کی بجائے ایسے حالات پیدا کرو گے جس سے سیٹھ پونجی والا کی زندگی بچ جائے اگر اسے اغواء کرنے کی کوشش کی جائے تو اسے بہر صورت ناکام بنانا ہے، سمجھ رہے ہو نا تم۔''؟

''جی جناب۔!''

''بس اسی وقت سے اپنا کام شروع کر دو اور مجھے اطلاع دیتے رہو۔''

''بہت بہتر جناب۔'' جواب ملا اور فون بند ہو گیا۔ سہیل نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا تھا۔

وہ چند لمحات کچھ سوچتا رہا، پھر اپنی جگہ سے اُٹھ گیا، اسے اس شخص کے بارے میں فکر لاحق ہوگئی تھی جو اس طرح اس کے پیچھے لگ گیا تھا۔

''کون ہے وہ، مسٹر جوشی سے اس بارے میں معلومات حاصل کرنا فی الوقت مشکل تھا اور سہیل خود بھی آگے بڑھ کر یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہتا تھا۔ جوشی اسے جو دھمکی دے گیا تھا سہیل نے سوچا تھا کہ اس دھمکی کو عملی جامہ پہنانے کا پورا پورا موقع دیا جائے اور اس کے بعد جوشی کی گردن گرفت میں لی جائے۔ چنانچہ وہ انتظار کر رہا تھا۔

لیکن یہ سب کچھ کیا تھا، سیٹھ پونجی والا کو جو ٹیلی فون کیا گیا تھا، ظاہر ہے اس کا تعلق سہیل سے نہیں تھا، وہ اس عمارت سے باہر نکل آیا اور اپنی خوبصورت کار میں بیٹھ کر چل پڑا جو انتہائی جدید ساخت کی تھی، بظاہر اس میں کوئی خاص بات نہیں تھی لیکن یہ سب کچھ سہیل ہی کو

معلوم تھا کہ اس میں کیا کچھ ہے۔ اس کار کے لئے کوئی ڈرائیور نہیں تھا۔ کار کوٹھی میں ہی کھڑی ہوتی تھی۔ لیکن سہیل کا جنون یہاں بھی منظرِ عام پر تھا، یعنی کسی کو یہ اجازت نہیں ہوتی تھی کہ کار کو اپنے ہاتھ سے صاف کر دے۔ سہیل کار کی صفائی بھی خود ہی کیا کرتا تھا، بہر صورت اس کے معاملات میں کوئی مداخلت نہیں ہوتی تھی۔

سہیل ڈرائیونگ کرتا ہوا آگے بڑھتا رہا تھا۔ ماحول پرسکون تھا، ائیر کنڈیشنر چل رہا تھا، کوئی ایسی خاص بات نہیں تھی، جلد ہی وہ کوٹھی کے نزدیک پہنچ گیا۔ گیٹ سے اندر داخل ہوتے ہوئے اسے نوشاب نظر آئی جو برآمدے میں کھڑی تھی۔ سہیل کے ذہن کو ایک جھٹکا سا لگا۔ لیکن دوسرے لمحے وہ پرسکون ہو گیا۔ وہ خوشگوار انداز میں گاڑی سے نیچے اُتر آیا اور نوشاب کے نزدیک پہنچ گیا۔

''ہیلو نوشاب۔!''

''ہیلو سہیل صاحب، بڑی بات ہے کہ کبھی آپ کے درشن ہو جائیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''دیکھو نوشاب یہ مصنوعی باتیں مجھے بڑی عجیب لگتی ہیں، بس یوں لگتا ہے جیسے تمہارے پاس مجھ سے گفتگو کرنے کے لئے الفاظ نہ ہوں لیکن الفاظ کا رشتہ قائم رکھ کر تم مجھے اجنبیت کا احساس بھی نہ ہونے دینا چاہتی ہو، گویا دھوکہ، فریب۔'' سہیل نے کہا اور نوشاب ہنس پڑی۔

''پتہ نہیں آپ کیا ہیں، سہیل صاحب، کبھی تو آپ ایسی منطق جھاڑنے لگتے ہیں اور کبھی آپ اتنے سادہ اور ذہین ہو جاتے ہیں کہ لگتا ہے کہ کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں۔''

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے۔'' سہیل نے نوشاب کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ ''میں بچہ نہیں ہوں، سب کچھ سمجھتا ہوں، اور

جو کچھ کہہ رہا ہوں اس میں حقیقت ہے اگر تم غور کرو گی تو سمجھ لو گی۔"

"ٹھیک ہے لیکن میں نے جو بات کہی اس میں مصنوعیت نہیں تھی۔"

"یعنی یہ کہ میرے درشن نہیں ہوتے۔"

"ہاں۔ میں آپ کو دیکھتے رہنا چاہتی ہوں، کتنی بار اس بات کا اظہار کر چکی ہوں۔"

"فائدہ۔۔۔" سہیل نے سوال کیا۔۔۔

"دیکھئے سہیل صاحب ممکن ہے آپ خون یا رشتوں کے قائل نہ ہوں لیکن میں افریقہ میں رہنے والی جاہل سی لڑکی وطن سے دور اپنوں کو بہت یاد کرتی رہی ہوں۔ ایک ایک کا خیال رہتا تھا میرے دل میں اور جب یہاں آ گئی ہوں تو سب کو دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔ آپ بھی تو میرے اپنے ہیں۔"

"اوہ یہ بات ہے۔تم یہاں خوش ہونوشاب۔۔۔"؟

"بہت زیادہ سہیل صاحب۔آپ یقین کریں کہ کبھی کبھی خواب دیکھتی ہوں کہ افریقہ واپس جانا پڑا ہے۔۔۔تو دہشت زدہ ہوجاتی ہوں۔"نوشاب نے جواب دیا۔

سہیل اس بات سے بہت متاثر ہوا تھا۔وہ نوشاب کے ساتھ اس کے کمرے میں چلا آیا تھا۔ممکن ہے دور سے دوسروں نے انہیں دیکھا ہو لیکن کسی نے ان کے نزدیک آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"تمہیں یہاں سے واپس نہیں جانا چاہئیے نوشاب۔"سہیل نے کہا۔

"اب ایسا ارادہ ہی نہیں ہے۔"نوشاب مسکرا کر بولی۔

"چچا جان یہیں کاروبار کرلیں۔انہیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"ہاں ارادہ یہی ہے۔۔۔لیکن۔۔۔"

''لیکن کیا۔''

''انہیں آپ کے تعاون کی ضرورت ہوگی۔''

''انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آئے گی یہ میرا وعدہ ہے۔''

''یہ اطمینان آپ ڈیڈی کو نہیں دلائیں گے سہیل۔''

''کیوں نہیں نوشاب۔۔۔لیکن۔۔۔دراصل۔۔۔لیکن سہیل کے ذہن میں بھنور پڑنے لگا۔

''ہاں لیکن۔۔۔''

''اس عمارت کی فضا عجیب ہے۔یہاں میرے لاتعداد ہمدرد ہیں۔بڑے مشفق بڑے محبت کرنے والے لیکن ان کی......محبتوں میں رحم کی آمیزش ہے۔ترس کھاتے ہیں۔یہ لوگ......مجھ پر۔۔۔سنا نوشاب۔یہ سب بلاوجہ مجھے قابلِ رحم سمجھتے ہیں۔کوئی وجہ نہیں ہے اس کی بس نہ جانے کیوں یہ خبط۔ان کے ذہن پر سوار ہے۔کہ میں

قابلِ رحم ہوں۔ میرے اندر کوئی ایسی کمی ہے کہ میں قابلِ رحم ہوں مجھ پر احسان کیا جانا ضروری ہے۔ لیکن نوشاب میری نگاہ میں یہ سب قابلِ رحم ہیں۔ میں انہیں خود سے بہت کم تر سمجھتا ہوں کیونکہ۔۔۔ کیونکہ یہ سب مجھ سے کم تر ہیں۔"

نوشاب پریشان نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔ "یہ واقعی لوگوں کی حماقت ہے۔ کہ جانے انہوں نے کس بنیاد پر یہ احساس آپ کے ذہن میں پیدا کیا ہے۔ لیکن سہیل اب تو آپ بڑے ہو گئے ہیں۔ اب اس احساس کو ذہن میں جگہ ہی نہ دیں۔"

"بچپن سے۔۔۔ نوشاب۔۔۔ بہت ہی چھوٹا تھا میں اس وقت جب سے یہ احساس میرے ذہن میں ٹھونس دیا ہے میں نفرت کرتا ہوں ان ہمدردی کرنے والوں سے۔ مجھے ان کے خلوص سے وحشت

ہوتی ہے۔"

"کاش میں آپ کی کوئی مدد کرسکتی۔" نوشاب نے کہا۔

"نوشاب۔۔۔" سہیل آہستہ سے بولا۔ "تم مجھ سے ناراض نہیں ہو۔"

"میں۔۔۔وہ کیوں۔۔۔؟" نوشاب مسکرا کر بولی۔

"ناراض نہیں ہو۔"

"ہرگز نہیں۔۔۔قطعی نہیں۔"؟

"نوشاب۔۔۔مجھے صرف ایک دوست تصور کرو۔۔۔صرف ایک دوست میں اچھا دوست ثابت ہوں گا۔"

"یہ میری خوش بختی ہوگی۔ میں آپ کی دوستی پر فخر کرتی ہوں۔" نوشاب نے کہا۔

"او کے نوشاب تفصیلی گفتگو پھر کسی وقت ہوگی۔ میں چلتا

ہوں۔''سہیل نے کہا۔اورنوشاب اسے دروازے تک.......
چھوڑنے آئی۔اس کے دل کی عجیب حالت ہورہی تھی۔یہ گفتگو
کرتے ہوئے سہیل اس قدر معصوم اس قدر دلکش لگ رہا تھا کہ اس
کے چہرے پر نگاہ جمانا مشکل ہوگیا تھا۔وہ دل پر ہاتھ رکھے اسے
حیرت سے دیکھتی رہی۔اور پھر ٹھنڈی سانس لے کر واپس مڑ گئی۔

☆

خود نواب تمیز الدین کو حیرت ہوئی تھی۔انہوں نے متعجبانہ انداز
میں بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔عزیز الدین مسکرا رہے تھے۔تب
نواب تمیز الدین نے پوچھا۔

''لیکن کوئی پروگرام تو ہوگا تمہارے ذہن میں۔''

''افسوس پھوپھا جان۔آپ لوگ بعض اوقات بزرگی سے ناجائز
فائدے اُٹھانے لگتے ہیں۔ہم آپ سے کوئی سرمایہ نہیں مانگ

رہے۔بس ایک جگہ درکار ہے۔لیکن اگر آپ اس سے انکار کردیں۔ تو کوئی حرج نہیں ہے۔ہم کسی فٹ پاتھ پر بھی کاروبار شروع کرسکتے ہیں۔"عالم پناہ نے کہا۔

"نہیں نہیں جہانگیر میاں۔۔۔یہ تمہارا حق ہے۔تمہارا جو رشتہ تمیزالدین سے ہے۔وہی مجھ سے بھی ہے بیٹے۔میں تمہیں ایک خوبصورت دفتر فراہم کردوں گا۔اس کے علاوہ بھی تمہیں کسی چیز کی ضرورت ہو۔وہ مجھے بتادینا۔"عزیزالدین خان بولے۔

"شکریہ پھوپھا جان۔!پھر یہ دفتر ہمیں مل جائے گا۔"؟شیکی نے سوال کیا۔

"چابی ابھی منگواسکتا ہوں۔باقی سامان جو تمہاری پسند کا ہو میرے آدمی کو بتادینا۔"

"بہتر ہے۔"اور دونوں اپنی جگہ سے اُٹھ گئے۔دونوں باہر نکل

آئے تھے۔۔۔اور اندر نواب تمیز الدین اب بھی متحیر نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھ رہے تھے۔پھر انہوں نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''اس کایا پلٹ کا یقین نہیں آتا۔''

''ہوتا ہے تمیز الدین۔ایسا ہوتا ہے۔انسان بزرگوں کے سامنے کچھ ہے لیکن۔''

''ارے ان لوگوں کو میں اچھی طرح جانتا ہوں بھائی صاحب بہر حال دیکھیں کیا تیر مارتے ہیں دفتر میں بیٹھ کر۔۔۔''

اس طرح عالم پناہ اور شیکی کو ایک خوب صورت دفتر مل گیا۔اعلیٰ درجے کا دفتر تھا۔انتہائی نفیس فرنیچر سے آراستہ،اس کی پوزیشن لینے کے بعد عالم پناہ نے چابی صفدر کے قدموں میں رکھ دی۔

''ارے ارے یہ کیا جہانگیر بھائی۔۔۔''؟ صفدر نے جلدی سے

کہا۔

"اب ہماری عزت آپ کے ہاتھ ہے صفدر بھائی۔ہم جس قابل ہیں۔آپ لوگوں کو معلوم ہے۔پھوپھا جان سے بچائے رکھیے۔"

"یہ بات تو ٹھیک ہے۔حضرات چلو دفتر کی ترتیب کریں۔" اور فرنیچر میں ردو بدل ہونے لگی شیکی کے لئے ایک حصہ الگ کیا گیا۔اور عالم پناہ دوسرے کیبن میں تھے۔ایک بڑا ہال اسٹاف کے لئے اور ایک مہمانوں کے لئے۔"

اس کے بعد کوٹھی میں میٹنگ ہوئی۔صفدر اس وقت.....سربراہ کی حیثیت رکھتا تھا۔

ان لوگوں نے جب سارے معاملات ہمارے سپرد کرہی دیئے ہیں۔تو پھر ہمارے سپرد بھی ذمہ داریاں عائد ہوگئی ہیں۔دوستو۔"

اس نے تقریر شروع کر دی۔

"بے شک بے شک۔"

"میں اس کاروبار کو چلانے کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ میں اور میرے تمام ساتھی ان دونوں کی بھرپور مدد کریں گے۔" صفدر نے اعلان کیا۔ اور اس کا خیر مقدم تالیاں بجا کر کیا گیا۔

"اچھا دوستو۔۔۔ یہ بتاؤ تم دونوں نے انگریزی فلمیں دیکھی ہیں۔"

صفدر نے پوچھا۔

"میں نے عظیم پریسلے کی تمام فلمیں دیکھی ہیں۔" شکی بولا۔

"میں نے صرف سیمسن ڈلائیلا دیکھی تھی۔"

"اوہو۔۔۔ میں جاسوسی فلموں کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں وہ نہیں دیکھیں۔"

''جاسوسی ناول بھی نہیں پڑھے ہوں گے۔''

''نہیں۔''

''ابے کچھ پڑھے لکھے ہو یا نہیں۔'' صفدر بگڑ کر بولا۔

''میں نے کلاسیکی ادب پڑھا ہے، تاریخ پڑھی ہے۔ تاریخ کے کسی بھی دور پر۔۔۔'' عالم پناہ بولے۔

''بس بس، اسی لئے شکل وصورت سے بھی آپ کلاسیکل لگتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کچھ عقل کی بات کرو یار۔ آصف ان لوگوں کی از سرِنو تربیت کرنی ہوگی۔ انہوں نے تو ابھی اس دنیا میں کچھ بھی نہیں دیکھا۔

''بلاشبہ، بلاشبہ۔'' آصف نے گردن ہلائی۔

''تم پھر تم یوں کرو آصف، انہیں بہت سے جاسوسی......ناول فراہم کرو۔ یہ دونوں حضرات دفتر میں بیٹھ کر پہلے جاسوسی......ناولوں

سے تربیت حاصل کریں۔اس کے بعد انہیں ان کا دوسرا کام بتایا

جائے گا۔"

"اوہ۔۔۔اور اسٹاف کا کیا ہوگا۔"شیکی نے سوال کیا۔

"میاں پہلے کام کے آدمی تو بن جاؤ،اس کے بعد اسٹاف کا بھی

دیکھا جائے گا۔جو کچھ تم سے کہا جارہا ہے،اس پر کان دبا کر عمل کرتے

رہو۔"

"ہاں ہاں ٹھیک ہے شیکی ،درمیان میں مت بولو،صفدر بھائی ایک

طرح سے ہمارے سربراہ ہیں۔ہمیں انہی کی ہدایات پر عمل کرنا

ہوگا۔۔۔"عالم پناہ نے کہا۔اور شیکی خاموش ہوگیا۔بہر طور صفدر کی

پلاننگ مکمل طور پر کامیاب ہوتی رہی۔

عالم پناہ اور شیکی اس شاندار دفتر میں اپنے اپنے کمروں میں گھسے

ہوئے جاسوسی ناول پڑھتے رہتے تھے۔بڑی توجہ سے وہ یہ لٹریچر پڑھ

رہے تھے۔ عالم پناہ تو بار بار صفدر سے اس بات کا اظہار کر چکے تھے کہ اب تک انہوں نے زندگی کے ایک اہم شعبے کو نظر انداز کر رکھا تھا۔ یہ لٹریچر تو واقعی بڑا عمدہ ہے۔ بزرگوں نے انہیں دفتر دینے کے بعد ان کی طرف توجہ ہی نہیں دی تھی۔ یہ بات نواب عزیز الدین صاحب نے نواب تمیز الدین سے کہی تھی۔ کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں۔ انہیں اس کے لئے پوری پوری آزادی دی جائے۔

حالانکہ تمیز الدین صاحب نے اس پر اعتراض بھی کیا تھا۔ اور کہا تھا۔

"بھائی جان اگر یہ دونوں بے وقوف کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے تو کیا ہوگا۔"؟

اس بات پر نواب عزیز الدین ہنس پڑے تھے۔ اور انہوں نے کہا تھا کہ۔ "بھئی کیا کریں گے۔ قتل و غارت گری کرنے والے

بچے تو ہیں نہیں، کوئی چھوٹا موٹا نقصان ہی کر دیں گے۔ زیادہ سے زیادہ۔ جو ہوگا۔ دیکھا جائے گا۔ تم ان لوگوں کی طرف سے توجہ ہٹالو، بس جو کچھ انہوں نے چاہا تھا۔ یا تم نے چاہا تھا وہ کرلیا گیا، اس کے بعد انہیں پریشان کرنا بے مقصد ہوگا۔''

''جیسی آپ کی مرضی۔۔۔'' نواب تمیز الدین نے کہا۔ بہر صورت جاسوسوں کی یہ ٹیم دو ہفتے کے اندر اندر مکمل طور پر تیار ہوگئی اور صفدر نے ان کی تربیت کے دوسرے دور کا آغاز کر دیا انہیں تعاقب کرنے کے طریقے، تنگ و تاریک گلیوں میں بلا جھجے اور ڈرے ہوئے سفر کرنا اور بعض جگہ دیواروں پر رسیوں وغیرہ سے چڑھنا سکھایا گیا، جس میں شیکی تو نہایت کامیابی سے اپنا کام کرتا رہا عالم پناہ کو البتہ کچھ دقت ہوئی تھی۔

بہر صورت عالم پناہ تندرست و توانا اور طاقت ور تھے۔ شیکی

پھرتیلا اور چاق و چوبند تھا۔ اس طرح ان دونوں جاسوسوں کی ٹیم کامیابی کے مراحل طے کرتی رہی۔

صفدر، آصف اور دوسرے افراد انہیں وہ طریقے بتاتے رہے جو جاسوسوں کو استعمال کرنا ہوتے ہیں۔ اس دوران نور جہاں بالکل ہی غائب ہوگئی تھی۔ اور دلچسپ بات یہ تھی کہ عالم پناہ کو بھی اس کا خیال نہیں آیا تھا۔ دو چار بار وہ ان درختوں کے قریب ضرور دیکھے گئے تھے۔ لیکن دن کے وقت، رات میں انہوں نے اس طرف جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اس دن سے جس دن نواب تمیزالدین نے انہیں رنگے ہاتھوں پکڑ لیا تھا۔ وہ تو اتفاق کی بات تھی۔ کہ نور جہاں بھاگ گئی۔ ورنہ شاید وہ بھی پکڑی جاتی، اکثر عالم پناہ سوچا کرتے تھے۔ کہ یہ نور جہاں کہاں غائب ہوگئی۔

بہر طور سیدھے سادے آدمی تھے۔ بہت زیادہ اس کے بارے

میں نہ سوچ سکے۔اور اپنے کام میں پوری طرح سے مصروف ہو گئے۔یوں اب ان کے دفتر میں صفدر،تنویر،صوفیہ وغیرہ۔۔۔آصف کے ساتھ آنے جانے لگے،لوگوں کو ابھی تک اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم تھا کہ یہ کیسا دفتر ہے۔حالانکہ خاصا اچھا دفتر تھا۔لیکن اس کا ابھی تک کوئی مقصد سامنے نہیں آیا تھا

بالآخر ایک شام وہاں عمدہ قسم کی پارٹی ہوئی جو شکیلی اور عالم پناہ نے اپنی جیب خاص سے دی تھی۔اس پارٹی میں اعلان کیا گیا۔کہ اب دفتر کی پبلسٹی شروع کر دی جائے۔صفدر نے اس سلسلے میں کچھ مضامین تیار کرائے اور انہیں اخبارات کے حوالے کر دیا۔اس نے اس بات کا پورا پورا خیال رکھا تھا۔کہ ان دونوں کو کوئی دقت نہ ہو، کیونکہ وہ خود بھی ان کی پشت پر تھا اور مکمل طور پر ان کی مدد کر رہا تھا۔۔۔"کون بول رہا ہے۔۔۔"؟

”استاد نصیبو سے بات کرنی ہے۔“

”تو کرو نا۔ میں تمہاری ماں بول رہی ہوں۔“ سہیل کی آواز اُبھری۔ کھوپڑی اُلٹی ہوگئی تھی۔ شاید زنانہ لباس میں تھا۔ بڑا سا پاندان سامنے رکھے پھسکڑا مارے بیٹھا تھا۔

”استاد سیٹھ پونجی والا قتل ہوگیا۔“

”اے خدا غارت کرے تمہیں۔ ڈھائی گھڑی کی موت آئے ہائے کیسا جوان مرد تھا۔ میں بدنصیب اس کی حفاظت بھی نہیں کرسکی۔ ارے تم کہاں مر گئے تھے موزیو۔“

”استاد اس کی کوٹھی سے باہر تو ہم پوری طرح چوکس رہے۔ کوئی خاص بات نہیں ہوئی لیکن بس رات کے کسی حصے میں ہمیں تو صبح کو پتہ چل سکا۔“

”مر دموزیو کیڑے پڑیں زبان میں اب کیا ہو رہا ہے۔“

''پولیس آچکی ہے۔''

''تم کیا کر رہے ہو۔''

''ابھی وہیں ہیں استاد۔''

''اب وہاں اپنی میاں کی سسرال والوں کا انتظار کر رہے ہو۔ ارے واپس چلے آؤ مردود وہاں سے، جو کام کیا تھا وہ تو نہ کر سکے اب وہاں کھڑے ہوئے ہیں۔'' سہیل نے فون بند کر دیا۔ اور پھر وہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

زنانہ لباس میں تھا۔ اور حسب معمول اپنی وحشت کا شکار تھا منہ میں پانی کی بڑی سی گلوری دبی ہوئی تھی۔ چند لمحات وہ اسی طرح بیٹھا پان چباتا رہا۔ پھر اس نے زور سے تالی بجائی۔ زنانہ لباس میں ملبوس دونوجوان، یا نوجوانیاں اندر داخل ہو گئے۔

''جاؤری جاؤ، ڈھول مجیرے لے آؤ۔ اور اس زیب النسا کو بھی

بُلا لانا۔'' اس نے کہا۔اور دونوں زنخے واپس چلے گئے۔تھوڑی دیر کے بعد وہاں راگ رنگ کی محفل جمی ہوئی تھی۔اور زیب النسا رقص کر رہی تھی۔فٹوں کے حساب سے چوڑی کمر قد تقریباً چھ فٹ ،چہرہ خونیوں جیسا،رنگ اُلٹے توے کی مانند جس پر میک اپ اس قدر زبردست جیسے لوقلعی کرنے والی کوچی سے کیا گیا ہو۔

انکھیوں کے جھروکے سے گا رہی تھی۔اور سہیل یا نصیبو عاشقانہ نگاہوں سے اس کی ایک ایک ادا کو دیکھ رہا تھا۔اس کے چہرے پر قربان ہو جانے والی کیفیت تھی۔

کافی دیر تک یہ طوفانِ بدتمیزی جاری رہا۔پھر اس نے ہاتھ اُٹھا کر اس ہنگامے کو بند کرنے کے لئے کہا۔اور خود اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ دوسرے کمرے میں جا کر اس نے لباس تبدیل کیا۔اور چند لمحات کے بعد اس کی کار کسی نامعلوم منزل کی طرف جا رہی تھی۔

شام کو پانچ بجے وہ ایک حسین لباس میں ملبوس رین بو کلب پہنچ گیا۔ چہرے پر معصومیت کے علاوہ کچھ نہیں تھا۔ لیکن چند لوگوں میں کھلبلی مچ گئی۔ فوری طور پر سادہ لباس والوں نے جوشی کو اطلاع دی۔ اور زیادی دیر نہیں گزری تھی کہ جوشی وہاں پہنچ گیا۔

سہیل اطمینان سے اپنی میز پر بیٹھا ہوا تھا۔ جوشی باقاعدہ وردی میں تھا۔ بہت سی نگاہیں اس کی طرف اُٹھ گئی تھیں۔ لیکن سہیل نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔ جوشی کرسی گھسیٹ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

”دیدہ دلیر انسان ہو۔ کم ازکم اس وقت تمہارے یہاں آنے کی توقع نہیں تھی۔“

”تم نے مجھ سے یہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں لی جوشی۔“ سہیل آہستہ سے بولا۔

”اوہ ضرورت نہیں سمجھی۔۔۔ اور مجھے عادت بھی نہیں ہے۔“

''کوئی بات نہیں۔ پہلی حرکت معاف کر دیتا ہوں۔۔۔ آئندہ خیال رکھنا۔'' سہیل نے کہا۔ اور جوشی ہنس پڑا۔

''بہت بہتر حضورِ والا۔ لیکن مجھے یقین ہے۔ عمل نہ کر سکوں گا۔ اور پھر آپ کے سلسلے میں آپ سے تو بڑی اپنائیت محسوس ہوتی ہے۔''

''لیکن تم مجھے ناپسند ہو جوشی۔ اس لئے میں تمہارے قرب کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکوں گا۔''

''میں تمہیں ایک بُری خبر سنانے آیا ہوں سہیل۔'' جوشی نے کہا۔

''خود بھی اچھے انسان نہیں ہو اچھی خبر کیا سناؤ گے۔ کہو کیا کہنا چاہتے ہو۔''

''مرنے سے قبل سیٹھ پونجی والا نے مجھ سے مدد مانگی تھی۔ اس نے باقاعدہ درخواست کی تھی۔ کہ میں اس کی جان بچاؤں تم سے۔'' جوشی نے الفاظ چبا چبا کر کہا۔

”اور تم نے اس کی کوئی مدد نہیں کی۔“ سہیل نے کہا۔

”مجھے اس بات کی امید نہیں تھی کہ تم۔“

”ایک بار میں نے پہلے بھی کہا تھا۔ جوشی کہ میرے چکر میں پڑ کر تم اپنی مٹی پلید کر لو گے۔ اب بھی یہی کہہ رہا ہوں۔“

”تمہیں جیل کی سلاخوں اور پھر پھانسی کے پھندے تک پہنچانا میری زندگی کا دلچسپ تجربہ ہو گا۔ سہیل۔ میں تمہیں پونجی والا کے قتل کے الزام میں گرفتار کرتا ہوں۔“ جوشی نے کہا۔ اور سہیل کے ہونٹوں پر دلآویز۔۔۔ مسکراہٹ پھیل گئی۔

”وارنٹ ہے مسٹر جوشی۔“

”میں خود وارنٹ ہوں۔“ جوشی نے غرا کر کہا۔

”گویا آپ نے قانون کے تقاضے مکمل نہیں کیے۔“

”میں نے کہا نا میں خود قانون ہوں۔“

”مسٹر جوشی میں ایک پڑھا لکھا شخص ہوں اور اس خاندان سے تعلق رکھتا ہوں جو خود بھی قانون کی برتری کو اہمیت دیتا ہے۔ ان حالات میں آپ نے اگر قانون شکنی کی باتیں کیں تو ظاہر ہے ہمارے لئے ناقابلِ برداشت ہوں گی۔ بغیر وارنٹ کے آپ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے، چلئے میں نے تسلیم کرلیا۔ کہ آپ خود وارنٹ ہیں۔ تو اس کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ آپ مجھے گرفتار کر کے لے جائیں، آپ کو اپنے مستقبل کا خیال نہیں ہے۔ مسٹر جوشی۔۔۔“

”آپ جانتے ہیں کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔“؟

”نہ میں جانتا ہوں نہ میں جاننا چاہتا ہوں، کچھ دیر تمہیں یہاں بیٹھنے کی مہلت دے رہا ہوں، اور اس کے بعد تم یہاں سے میرے ساتھ پولیس ہیڈ کوارٹر چلو گے۔“

”ہونے کو تو بہت کچھ ہوسکتا ہے مسٹر جوشی، مثلاً میں آپ کو شراب

کا ایک پیگ پلاؤں، خود بھی چند پیگ معدے میں اُتاروں۔ اس کے بعد اُٹھوں آپ کی وردی پھاڑ دوں، آپ کا پستول نکال کر آپ کا سر پھاڑ دوں۔ اور اس کے بعد کہہ دوں کہ میں نشے میں تھا۔ لیکن میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا۔ ٹھوس آدمی ہوں ٹھوس باتیں کرتا ہوں۔ آپ کو اس بات کا بھی یقین ہوگا۔ کہ نواب عزیز الدین خان کے تعلقات وزیر داخلہ سے بھی ہیں۔ اس کا علم ہے آپ کو۔۔۔"

"ہاں ہے۔ لیکن ایک قاتل کو اس کا باپ بھی نہیں بچا سکتا۔"

"یہ قتل آپ ثابت کریں گے۔" سہیل نے نہایت پرسکون انداز میں پوچھا۔

"ہاں ثابت کروں گا۔ میرے پاس سیٹھ پونجی والا کے بارے میں تفصیلی رپورٹ موجود ہے۔ بیس لاکھ روپے طلب کئے تھے تم نے اس سے اور عدم ادائیگی کی صورت میں اسے قتل کی دھمکی بھی دی

تھی۔"

"یہ اس کی تحریر رپورٹ ہے۔" سہیل نے پوچھا۔

"جو کچھ بھی ہے اس کے بارے میں عدالت کو جواب دوں گا۔"

"عدالت کو کیا جواب دو گے مسٹر جوشی، ہمارے تمہارے تھوڑے سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ مثلاً میں زیبرا کے بارے میں تم سے سوالات کروں تو یقینی طور پر تم ان کا کوئی بہتر جواب نہیں دے سکو گے۔ زیبرا مجرم ضرور تھا۔ لیکن عدالت نے اسے بری کر دیا تھا۔ پھر اُسے جس شخص نے قتل کیا وہ اتفاق سے میری تحویل میں ہے۔ اور اس کے پاس وہ پستول بھی ہے۔ جس کی گمشدگی کی رپورٹ تم نے درج کرائی تھی۔ چلو یہ بھی مان لیا جائے۔ جوشی کہ پستول۔۔۔ چوری ہو گیا۔ لیکن اس پرچے کو کیا کرو گے تم جو تم نے اس شخص کو زیبرا کے بارے میں دیا تھا۔ میرا مقصد ہے کہ زیبرا کے قتل کا الزام تم پر بھی آ

سکتا ہے۔ دیکھو نا اگر میں قاتل ہوں تو تم بھی قاتل ہو۔ چلو ااسی بہانے ہمارے تمہارے درمیان ایک چھوٹا سا رشتہ تو قائم ہوا۔ سہیل نے مسکرا کر کہا اور جوشی کی آنکھیں فرطِ حیرت سے پھیل گئیں۔

ایک لمحے کے لئے اس کا چہرہ دھواں دھواں ہو گیا تھا وہ۔۔۔ عجیب سی نگاہوں سے سہیل کو دیکھ رہا تھا۔ اور سہیل مسکرا رہا تھا۔

"کیا بکواس کر رہے ہو تم۔ تمہاری بکواس میری سمجھ میں بالکل نہیں آئی۔" جوشی نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا۔

"میں نے تم سے کہا ہی کیا ہے۔ مسٹر جوشی جو میری بات...... تمہاری سمجھ میں آئے۔ ہاں میں دلاور خان کے بارے میں تھوڑی سی معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ دلاور خان بھی خوب آدمی ہے۔ سنا ہے آج کل جیل میں ہے۔ بیس سال کی قید گزار رہا ہے، لیکن یہ بات بہت کم لوگ جانتے ہوں گے۔ کہ دلاور خان جیل میں نہیں

ہے۔ بلکہ اس کی ڈمی جیل میں سزا بھگت رہی ہے۔ اور اس سلسلے میں

مسٹر جوشی سب سے پیش پیش رہے ہیں۔ رشوت تو بہت لمبی لی گئی

ہے لیکن مسٹر جوشی کے ذریعے دوسرے لوگوں تک یہ رقومات پہنچی

ہیں۔ دلاور خان کو آزاد کر دیا گیا۔ اور اس وقت وہ ایک جعلی نام سے

اسمگلنگ کر رہا ہے۔ اور اس کی جگہ بیس سال کی سزا اس کا ایک آدمی

بھگت رہا ہے۔ اس کے میک اپ میں، اور اس راز سے ...... صرف

تین افراد واقف ہیں جن میں مسٹر جوشی سرفہرست ہیں۔"

"کک کیا بکواس کر رہے ہو۔ نہیں کیا بکواس کر رہے ہو۔"

جوشی کی آواز پھنسی پھنسی ہو گئی۔

"بس مسٹر جوشی کیا کہوں اب آپ سے، مسز فریڈس اگر پولیس

کو اطلاع دیں کہ مسٹر فریڈس ڈوبے نہیں تھے۔ بلکہ ڈبو دیئے گئے

تھے۔ ایک پولیس افسر نے سوئمنگ پول میں نیچے سے ان کی ٹانگیں

پکڑ کر گھسیٹ لیا تھا۔ اور پھر اس وقت تک انہیں سوئمنگ پول میں رکھا، جب تک مسٹر فرینڈس کا دم نہ نکل گیا۔ اس کے بعد انہیں چھوڑ دیا گیا۔ مسز فرینڈس وہاں موجود تھیں، اس پولیس افسر کو انہوں نے ایک بھاری رقم ادا کی اور بعد میں انہیں جب یہ احساس ہوا۔ کہ انہوں نے شوہر سے محروم ہو کر اچھا نہیں کیا، یعنی جس شخص کے لئے انہوں نے یہ سب کچھ کیا تھا۔ اس نے انہیں شدید دھوکہ دیا تو ان کے ذہن میں اس شخص کے خلاف شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ پولیس افسر کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے۔ کہ مسز فرینڈس نے اسے اس کے لئے آمادہ کیا تھا، وہ تو مسز فرینڈس کا دوست تھا۔ اور یہ دوستی جسمانی تعلقات پر قائم تھی۔ میرا مقصد ہے مسٹر جوشی اگر مسز فرینڈس اس پولیس افسر پر اپنے شوہر کے قتل کا الزام لگا دیں تو تم خود سوچو اس پولیس افسر کا کیا ہوگا۔''

"تم کہنا کیا چاہتے ہو۔" جوشی کے حواس جواب دیتے جا رہے تھے۔

"وہی مسٹر جوشی جو میں نے پہلے آپ سے کہا تھا آپ کو میری طرف دیکھتے ہوئے ذرا احتیاط رہنا چاہیئے۔۔۔ ورنہ آپ کی ملازمت بھی جا سکتی ہے۔ اور دوسرے مسائل میں بھی گرفتار ہو سکتے ہیں آپ، جن پریشانیوں کو آپ مول رہے ہیں۔ میری رائے ہے کہ انہیں مول نہ لیں۔ جو کچھ بدتمیزی آپ نے کی ہے۔ اس کے نتیجے میں ایک چھوٹی سی سزا آپ کو ضرور دی جائے گی۔"

سہیل کے لہجے میں بے پناہ اعتماد تھا۔ جوشی منہ پھاڑے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ کرسی کی پشت سے ٹک گیا۔

"تمہیں۔۔۔ تمہیں یہ سب کچھ کیسے معلوم ہوا۔" اس نے بھرائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"کھڑے ہو جاؤ جوشی مجھ سے بیٹھنے کی اجازت طلب کرو پھر بیٹھو۔" سہیل کی آواز میں عجیب سی غراہٹ تھی۔

"سہیل میں۔۔۔میں تھکن محسوس کر رہا ہوں۔"

"اُٹھ جاؤ جوشی۔ کھڑے ہو کر مجھ سے بیٹھنے کی اجازت طلب کرو۔" سہیل غرایا۔ اور جوشی با دل نخواستہ کھڑا ہو گیا۔ پھر اس کی مُردہ سی آواز اُبھری۔

"میں بیٹھ سکتا ہوں مسٹر سہیل۔"

"سوری مسٹر جوشی۔" اس وقت میں تفریحی موڈ میں ہوں۔ کوئی فضول بات نہ سن سکوں گا نہ کرسکوں گا آپ پھر کسی وقت مجھ سے ملاقات کریں۔"

"سہیل۔۔۔میں۔۔۔میں الجھن میں رہوں گا۔"

"آپ نے یہ الجھنیں خود خریدی ہیں مسٹر جوشی یہی نہیں آپ

ابھی ایک بہت بڑی الجھن میں پھنسنے والے ہیں۔"

"مجھے بیٹھنے تو دو۔" جوشی نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ آپ بیٹھے تو اچھا نہ ہوگا۔" سہیل نے کہا۔

"آج رات کو۔ ٹھیک دس بجے آپ کریم ہاؤس پہنچ جائیں۔
میں کریم کے کیبن نمبر بیس میں آپ کا انتظار کروں گا۔"

"کریم۔" جوشی نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ہاں۔ کیوں۔"

"اور رات کو دس بجے۔"

"ٹھیک دس بجے۔"

"سہیل وہاں کیا ضروری ہے۔ کوئی دوسری جگہ منتخب کر لو۔ وہ شہر سے دس میل دور ہے۔ اور پھر راستہ بھی مخدوش ہے۔ سنو وہیں کیا ضروری ہے۔ میں تمہیں رنگ محل میں دعوت دیتا ہوں۔"

''کریمر۔۔۔دس بجے۔۔۔'' سہیل نے جواب دیا۔ اور خود بھی کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جوشی سے مخاطب ہوئے بغیر ایک میز کی طرف بڑھ گیا۔ جہاں دو لڑکیاں بیٹھی ہوئی تھیں۔

جوشی جھینپے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ اور پھر وہ پلٹ کر برق رفتاری سے واپس نکل گیا۔ اس کی کیفیت عجیب تھی سہیل کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

اُسی رات ٹھیک دس بجے جوشی کریمر ہاؤس پہنچ گیا۔ کریمر ایک خوبصورت جھیل کے کنارے بنا ہوا ایک حسین ہوٹل تھا۔ کشتیوں کا ایک پل جھیل میں اُتار دیا گیا تھا۔ اور اس میں بیٹھنے کا حسین بندو بست کیا گیا تھا۔

کیبن نمبر بیس میں سہیل موجود تھا۔ جوشی اُترا ہوا چہرہ لئے کیبن میں داخل ہو گیا۔ سہیل نے مسکراتی نگاہوں سے اس کا استقبال کیا

تھا۔

"خدا کی پناہ۔۔۔راستہ کس قدر خراب ہے نجانے یہ کیسا ذوق ہے۔ یہ راستہ بن بھی سکتا ہے۔"

"اگر یہ راستہ بن جائے تو کریم کا حسن اُجڑ جائے جوشی۔"

"کیا مطلب۔"؟

"اسی ہموار راستے نے تو کریم کو اہمیت بخشی ہے ورنہ اس میں کیا جاذبیت رہتی۔"

"بیٹھ سکتا ہوں۔"؟ جوشی نے پوچھا۔

"تشریف رکھیئے آفیسر۔۔۔" سہیل بولا۔ اور جوشی بیٹھ گیا۔ وہ گہری نگاہوں سے سہیل کو دیکھ رہا تھا۔ "فرمایئے میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔" سہیل نے پوچھا۔

"سہیل۔۔۔تم کیا ہو۔"

”فدوی کو سہیل عزیز کہتے ہیں۔“

”نواب عزیز الدین تو بے حد دولت مند انسان ہے۔“

”پھر۔۔۔“

”اور تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو۔“

”مقصد بیان کرو جوشی اس سے کیا نتیجہ اخذ کرنا چاہتے ہو۔“

”بلیک میلنگ کیوں کرتے ہو۔“؟

”تمہارے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔“

”نہیں۔۔۔لیکن اطلاعات ہیں۔اور تمہارا دوسرا نام بھی جانتا ہوں۔“

”کون سا نام۔“

”نصیبو۔“ جوشی نے جواب دیا۔سہیل کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں ابھرا تھا۔چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے پوچھا۔

”یہ اطلاعات آپ کو کہاں سے فراہم ہوئیں مسٹر جوشی۔“

”میں خود بھی اس کا تجزیہ کر چکا ہوں اب تو۔ خدا کی پناہ۔ تم نے جو کچھ کہا ہے۔ اس کا ثبوت بھی رکھتے ہو سہیل۔“

”آئندہ ماہ کی تین تاریخ کو تم پہلی قسط ادا کر رہے ہو۔۔۔ صرف دس ہزار۔ یہ تعلقات کی بنا پر ہوگا۔ ورنہ میں پچیس ہزار بھی مانگ سکتا تھا۔ تم سے۔“

”کیا مطلب۔“

”مطلب ثبوت دیکھنے کے بعد معلوم کر لینا۔“

”نہیں نہیں سہیل۔۔۔ یہ نہیں ہوسکتا خواہ مجھے خودکشی کرنی پڑے۔ میں تمہیں ایک پائی بھی نہیں دوں گا۔“

”سودے کی شکل بدل بھی سکتی ہے۔“

”کیا مطلب۔“

"ہم دوستی بھی کر سکتے ہیں۔اور دوست بن جانے کے بعد آپ میرے تعلقات کی نگرانی کریں گے۔اور میں آپ کا خیال رکھوں گا۔"

"ہاں یہ بہتر رہے گا۔"

"تو پھر کیا خیال ہے۔"؟

"میں بخوشی تیار ہوں۔" جوشی نے کہا۔

"آپ بھی عجیب انسان ہیں مسٹر جوشی۔ذرا سی دیر میں اتنے اہم فیصلے کر لیتے ہیں۔غور کریں۔سوچیں، سمجھیں،اس کے بعد اطمینان سے فیصلہ کریں۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔کیونکہ اب سوچنے کی گنجائش نہیں ہے۔" جوشی نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ کو تفصیل بتانا ہوگی۔"

”تفصیل۔“؟

”ہاں وہ کون ہے جس نے آپ کو میرے پیچھے لگایا۔کون ہے وہ اور اس کا مقصد کیا ہے۔“سہیل نے پوچھا۔اور جوشی کی گردن جھک گئی۔

”تم بے حد ذہین ہو سہیل۔میں محسوس کرتا ہوں کہ تم سے دوستی کرنے میں ہی فائدہ ہے۔سہیل میں۔۔۔خلوصِ دل سے اب تمہارا دوست ہونے کا اعلان کرتا ہوں۔“اس نے کہا۔سہیل خاموشی سے اُسے دیکھ رہا تھا۔پھر جوشی بولا۔

”لیکن میں ساری زندگی اس بات پر حیران رہوں گا کہ تمہیں میرے بارے میں معلومات کس طرح حاصل ہوئیں۔“

”میرا سوال باقی ہے۔“سہیل نے کہا۔

”اوہ ہاں سہیل عجیب وغریب واقعات ہیں وہ ایک غیر ملکی ہے۔

ڈائیر کے نام سے جانا جاتا ہے۔"

"آگے چلئے مسٹر جوشی۔" سہیل نے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میری اس شخص سے ملاقات مسٹر کانجی والا کے گھر پر ہوئی ان کی بیٹی کی سالگرہ کی تقریب تھی جس میں مسٹر کانجی والا نے اس میرا تعارت کرایا تھا۔"

"سیٹھ کانجی والا۔" سہیل نے پرخیال لہجے میں کہا۔

"ہاں۔۔۔سیٹھ کانجی والا کی بیٹی کی سالگرہ کی اس تقریب میں مسٹر ڈائیر کو پہلی بار دیکھا تھا۔سیٹھ کانجی والا ان سے میرا تعارف کرانے کے بعد خود تقریب کی دیگر مصروفیات میں گم ہو گیا۔اور وہ شخص مجھ سے باتیں کرتا رہا، دراصل سہیل ان حالات کے بعد اب میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتا، مجھے یوں محسوس ہوتا ہے۔جیسے میں اپنے بارے میں جتنا جانتا ہوں، اتنا ہی تم میرے بارے میں جانتے

ہو۔"

"یہی تمہارے حق میں بہتر ہوگا۔مسٹر جوشی۔" سہیل نے سرد لہجے میں کہا۔

"لیکن آپ وعدہ کر چکے ہیں مسٹر سہیل کہ میری کسی بھی بات سے فائدی اُٹھا کر آپ مجھے نقصان نہیں پہنچائیں گے۔"

"ہاں میں وعدہ کر چکا ہوں۔"

"تو تفصیل یوں ہے، مجھے یوں محسوس ہوا جیسے کانجی والا نے اس شخص سے خاص طور سے مجھے متعارف کرایا۔اس شخص نے اس دن تو کوئی خاص بات نہ کی۔لیکن دوسری ملاقات......ہماری رین بو کلب میں ہوئی۔اس میں تمہارا مسئلہ زیرِ بحث آیا۔اس نے کہا۔نواب عزیزالدین کے بیٹے سہیل کو بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کرانا ہے۔اس کے لئے اس نے مجھے بہت ہی عمدہ پیش کش بھی کی۔"

''ویری گڈ۔'' سہیل دلچسپی سے بولا۔ ''اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس بلیک میلر سے یعنی مجھ سے اس کی کیا پرخاش ہے۔''؟

''خاصی پر اثر شخصیت کا مالک ہے۔ بات منوانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مجھے وہ کوئی معمولی شخصیت نہیں معلوم ہوتی سہیل۔ بہر حال اس نے یہ سب کچھ نہیں بتایا۔ لیکن تمہاری ذات سے اسے کیا دلچسپی ہے۔ یہ میں نہیں جانتا، اس نے کہا کہ میں کسی طور پر تمہیں بلیک میلنگ کے الزام میں گرفتار کروں۔ اور اپنی تحویل میں رکھوں۔ اس طرح کہ جس وقت وہ چاہے تمہیں آزاد کر دیا جائے۔''

اوہ۔'' سہیل نے دلچسپی سے کہا۔

''ہاں۔ اس کے لئے اس نے دس ہزار روپے پیش کئے تھے۔ پھر پونجی والا کو ہم نے اس سلسلے میں مجبور کیا۔ اور وہ ہم سے تعاون پر آمادہ ہو گیا۔''

’’اور تم نے اسے قتل کرا دیا۔‘‘

’’کیا کہہ رہے ہو سہیل۔‘‘؟

’’جوشی، یہ غیر سرکاری گفتگو ہے۔‘‘

’’تم نے پونجی والا سے بیس لاکھ کا مطالبہ کیا تھا۔‘‘؟

’’بکواس۔‘‘

’’اور، تم نے اسے قتل بھی نہیں کیا۔‘‘

’’نہیں جوشی اس بات پر بھروسہ رکھو۔‘‘

’’اوہ، اوہ تو پھر۔ پھر۔‘‘؟

’’اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔‘‘

’’خداہ کی پناہ، گویا، گویا اس نے مجھ سے بھی صحیح گفتگو نہیں کی تھی۔ کوئی گہری چال چل رہا ہے وہ۔‘‘

’’ہاں بہت ہی گہری چال اور اس کے لئے اس نے تمہارا سہارا

لیا تا کہ اس کی گرفت کرنے والا کوئی نہ رہے۔" سہیل نے جواب دیا، جوشی گردن جھکائے بیٹھا سوچتا رہا تھا، پھر اس نے آہستہ سے کہا۔

"سہیل یہ تو دوسرے لحاظ سے بھی بہت بُرا ہوا، تم یقیناً سچ کہہ رہے ہو، مجھے حالات کا یقین آتا جا رہا ہے، تمہارے سہارے وہ کچھ کرنا چاہتا ہے کیونکہ تمہاری شخصیت، میرا مطلب ہے نصیبو کی شخصیت ایک مجرم کی حیثیت سے اس کے سامنے ہے۔"

"بہر صورت، مسٹر جوشی اپنے معاملات میں خود نمٹا لیا کرتا ہوں، اب آپ بتائیے میں آپ کے ساتھ کیا سلوک کروں۔"؟

"سہیل جو کچھ ہو چکا ہے، میں اس کا سدِ باب نہیں کر سکتا اور نا ہی میں اس سلسلے میں کوئی اور دعویٰ کروں گا، یقین کرو میں یہ بات اس لئے نہیں کہہ رہا کہ میں اب تمہارے شکنجے میں پھنس چکا ہوں، بلکہ

بعض معاملات میں میرا ضمیر خود بھی مجرم ہے، اگر کوئی غیر ملکی ہمارے ہاں کوئی سازش کر رہا ہے تو اس سازش کی بیخ کنی ہونی چاہیئے، یہ مناسب نہیں ہے نجانے وہ کیا چکر چلا رہا ہے۔"

"مجھے تمہاری باتوں میں کوئی دلچسپی نہیں ہے مسٹر جوشی، میں اپنے معاملات خود دیکھنے کا عادی ہوں، تم قانون کے محافظ ہو، اگر تم قانون شکنی کر رہے ہو تو یہ تمہارا ذاتی مسئلہ ہے، جہاں تک میرا مسئلہ ہے میں بھی قانون دوست نہیں ہوں، اور کیوں نہیں ہوں اس کی وجہ تم جیسے آدمی کو بتانا ضروری نہیں سمجھتا، تاہم اس شخص نے جس کا نام تم نے ڈائیر لیا ہے اگر میرے لئے کوئی جال تیار کیا ہے تو میں اس جال میں پھنسنے کے لئے بخوشی تیار ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بھی اسے جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے، کیونکہ غیر ملکی پہلی بار میرا دشمن بنا ہے۔ اور مجھے اپنے اس دشمن سے بڑی دلچسپی ہے۔"

"تو پھر میں اس سلسلے میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں۔" جوشی بولا۔

"کانجی والا نے اسے تم سے متعارف کرایا تھا، اس کا مقصد ہے کہ کانجی والا اس کی شخصیت سے واقف ہوگا۔"؟

"ہاں۔لیکن کیا تم کانجی والا کو چیک کرو گے۔"؟

"تم یہ سوال کیوں کر رہے ہو، مسٹر جوشی۔"؟

"اس لئے کہ کانجی والا کی شخصیت معمولی نہیں ہے وہ بڑے بڑے وزراء سے تعلق رکھتا ہے۔"

"شخصیت تو تمہاری بھی معمولی نہیں ہے مسٹر جوشی۔" سہیل نے مسکرا کر کہا۔

"میری بات اور ہے نجانے کس طرح تم نے۔تم نے مجھے اپنے جال میں پھانس لیا۔" جوشی حسرت بھرے لہجے میں بولا۔سہیل

بدستور مسکرا رہا تھا۔ پھر اس نے کہا۔

''بہر حال ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ تعاون موجود ہے۔ عدم تعاون کی شکل میں مسٹر جوشی ہمارے درمیان دشمنی کا رشتہ دوبارہ قائم ہو جائے گا، اور وہ تمہارے لئے خطرناک ہوگا۔''

''جوشی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب سہیل نے دوبارہ پوچھا۔

''ڈائیر سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔''؟

''میں نہیں جانتا۔'' ''اب کیا پروگرام ہے تمہارا۔''؟

''اس سلسلے میں تم میری مدد کرو سہیل۔''

''پونجی والا کے قتل کی تفتیش کرو۔ ابھی میرا نام نہ لو بلکہ میرے خلاف ثبوت حاصل کرنے میں کوشاں رہو۔ اگر کسی طور ممکن ہو تو مجھے اس شخص کی رہائش گاہ یا فون نمبر کے بارے میں بتاؤ۔''

''وعدہ کرتا ہوں ایسا ہی کروں گا۔!''

''تو پھر ہماری یہ ملاقات ختم، جوشی۔''؟

''تم بھی چل رہے ہو سہیل۔ راستہ بے حد مخدوش ہے۔'' جوشی نے پوچھا۔

''سوری۔ میں ابھی یہاں رکوں گا۔'' سہیل نے جواب دیا اور جوشی گہری سانس لے کر اُٹھ گیا۔ سہیل مسکراتی نگاہوں سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔

دفتر جاسوسی قائم ہو چکا تھا۔ اخبارات میں مخصوص قسم کے اشتہارات دیئے جا رہے تھے۔ عزیز الدین خان صاحب نے دفتر ان کے حوالے کرنے کے بعد اس بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا، ویسے دونوں کی جاسوسی کی تربیت مکمل ہو گئی تھی، ان کا سربراہ صفدر تھا اور معاونین میں دوسرے تمام لوگوں کی بھی بلا معاوضہ خدمات شامل تھیں، لیکن ابھی تک کوئی کیس نہیں ملا تھا، یہ دفتر ان لوگوں کی

پرائیویٹ نشست گاہ بھی بن گیا تھا، یعنی فرصت کے اوقات میں وہاں ان کی باقاعدی میٹنگ ہوتی جس میں تمام افراد کسی نہ کسی طرح شامل ہو جاتے تھے، اس شام بھی تقریباً سب ہی دفتر کے کمرے میں جمع تھے اور موجودہ صورتِ حال پر بحث ہو رہی تھی۔ صفدر بہت غور و خوض کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن ہلا کر کہا۔

''کوئی بھی کام ابتداء میں مشکل طلب ہوتا ہے وہ ہو نہیں جاتا، بلکہ کیا جاتا ہے۔ میرے خیال میں اس دفتر کو آگے بڑھانے کے لئے ہمیں خود ہی کچھ عمل کرنا ہوگا۔''

''مثلاً''؟ آصف نے پوچھا۔

''مثلاً یہ لوگوں کے ساتھ کوئی مشکل نہیں ہے تو یہ مشکل پیدا کی جانی چاہئیے، مثلاً اب جیسے اس دفتر کے عقب میں یہ ایک حضرت جو رہتے ہیں، میرا مطلب ہے جن کا دفتر قائم ہے ان کے ہاں اکثر

خواتین آتی رہتی ہیں، بڑا پراسرار کاروبار ہے ان کا، معلوم یہ ہونا چاہیئے کہ کیا کاروبار ہے اور اگر ان حضرت کے لیئے ہی کوئی مشکل پیدا کر دی جائے اور بلا معاوضہ اس مشکل کا کوئی حل بھی ان کے سامنے آ جائے تو اس طرح بھی ہمارا کام بن سکتا ہے۔"

"بات تو ٹھیک ہے، لیکن کیا مشکل پیدا کی جا سکتی ہے ان کے لیئے۔"؟

"وہی تو سوچنا ہے۔" صفدر نے جواب دیا اور تمام گردنیں جھک گئیں، پھر صفدر چٹکی بجا کر بولا۔ "دفتر کے باہر کی عمارت میں جو ٹیلی فون بوتھ موجود ہے کیا وہ کام کرتا ہے۔"

"ہاں اکثر لوگ اس میں داخل ہو کر ٹیلی فون کرتے ہیں۔" شیکی نے جواب دیا۔

"بس تو شیکی کسی طرح ان صاحب کا نمبر معلوم کر کے آؤ۔"

"ابھی۔"؟

"ہاں ابھی کر آؤ، کوئی حرج نہیں ہے۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔"

"مگر کس طرح معلوم کرو گے۔"؟ صفدر نے پوچھا۔

"میرے خیال میں یہ زیادہ مشکل کام نہیں ہے میں ابھی آیا۔"
شکی نے جواب دیا، اور تھوڑی دیر کے بعد اس نے یہ نمبر آ کر بتا دیا۔

"دفتر کے مالک کا نام سی پی۔ ہارون گوٹا والا ہے۔"

"ویری گڈ۔ یہ ہوئی نا بات! اچھا میں ابھی آتا ہوں۔" صفدر نے کہا۔ اور نیچے اُتر گیا۔ اس نے ٹیلی فون بوتھ میں جا کر شکی کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔

"ہیلو، مسٹر ہارون سے بات کرنی ہے۔"!

"ہارون بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے پھٹی پھٹی آواز سنائی

دی۔

”مسٹر ہارون میں پولیس ہیڈ کوارٹر سے اے کے عارف بول رہا ہوں۔تمہارے خلاف ایک رپورٹ پیش کی گئی ہے۔“

”رپورٹ۔؟میرے خلاف۔“؟

”ہاں۔تمہارا کاروبار کیا ہے۔؟بتانا پسند کرو گے۔“؟

”صاحب میں امپورٹ ایکسپورٹ کرتا ہوں۔“

”لڑکیوں سے تمہارے آفس کا کیا تعلق ہے۔“؟

”لڑکیاں۔“؟

”ہاں۔اکثر تمہارے دفتر میں لڑکیاں آتی رہتی ہیں۔“؟

”وہ جی۔میری چھ بیٹیاں ہیں۔سب تعلیم حاصل کرتی ہیں، اور اکثر کالج سے میرے پاس دفتر آجاتی ہیں۔“

”ہوں۔بہر حال مسٹر ہارون ! یوں لگتا ہے جیسے کوئی تمہارے

کاروبار کو تمہارے دفتر کو بدنام کرنا چاہتا ہے۔ میں تمہارا ہمدرد ہوں، اس لئے تمہیں پہلے سے آگاہ کر رہا ہوں۔ اپنے اس دشمن کا پتہ چلاؤ، ورنہ حالات آگے بڑھ گئے تو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"میں کیسے پتہ لگاؤں۔؟ یہ تو پولیس کا کام ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم آ کر رپورٹ درج کراؤ! لیکن اس صورت میں خود تمہارے خلاف بھی تحقیقات ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اس بات کا امکان ہے کہ اپنے دشمن سے پہلے تم خود پھنس جاؤ۔"

"اوہ۔ جناب، میں بہت شریف انسان ہوں۔ آپ ہی اس کا کوئی حل بتائیں۔"

"آپ کا دفتر احسان چیمبر میں ہی ہے نا"؟

"جی ہاں۔"

"احسان چیمبر میں پرائیویٹ جاسوسی کا ایک ادارہ ہے۔ بہت

نیک نام لوگ ہیں یہ۔ کئی کیس حل کر چکے ہیں۔ لطف یہ ہے کہ قانونی طور پر کام کرتے ہیں اور ہمیشہ حق و انصاف کا ساتھ دیتے ہیں۔"

"اوہ۔ ہاں میں اشتہار پڑھ چکا ہوں۔"

"آپ ان لوگوں سے رجوع کریں۔ بڑے کام کے لوگ ثابت ہوں گے، بہر حال پولیس کی خدمات بھی حاضر ہیں۔ آپ کو جب بھی ضرورت ہو، ہیڈ کوارٹر میں عارف کو پوچھ لیں۔"

"شکریہ جناب۔ اس تعاون کے لئے شکر گزار ہوں۔" ہارون نے فون بند کر دیا۔ صفدر بھی جلدی سے دفتر آ گیا تھا۔ پھر اس نے دونوں کو صورت حال سمجھائی۔ باقی لوگ اس پہلے کیس کی آمد کے لئے جگہ خالی کرنے پر تیار ہو گئے۔ صرف صفدر وہاں رہ گیا تھا۔ اور اس نے عالم پناہ کو ہدایت کر دی تھی کہ گفتگو نہیں کرنی ہے۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد سی پی ہارون گوٹا والا نے دروازے پر

دستک دی۔ اور اجازت لے کر اندر آ گیا۔

"معذرت خواہ ہوں، مخل تو نہیں ہوا۔"

"نہیں تشریف لائیے۔ فرمائیے کیا خدمت کی جا سکتی ہے۔!"

"آپ تینوں۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کا تعلق۔"؟

"جی ہاں، جی ہاں۔"

"میں آپ کا پڑوسی ہوں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔" شکیل نے کہا۔

"آپ لوگوں کا اشتہار اکثر اخبارات میں نظر آتا ہے۔"

"جی ہاں۔ خدا کے فضل و کرم سے بہتر کاروبار کر رہے ہیں۔!"

"میں خود بھی ایک الجھن کا شکار ہوں۔ میں نے سوچا آپ سے مدد کیوں نہ لی جائے۔"

"ضرور۔ فرمائیے۔"

''میرے دشمن، میرے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ نہ جانے کیا چکر چلایا ہے انہوں نے میرے خلاف۔ میں آپ کی معرفت ان لوگوں کا پتہ چلانا چاہتا ہوں۔''

''اوہ۔ گویا آپ اپنے دشمن کی نشاندہی چاہتے ہیں۔''؟

''جی ہاں۔''

''فارم بھر دیں تاکہ اس کے بعد تفصیل ہو جائے۔'' شیکی نے کہا اور گوٹا والا نے فارم بھر دیا اس کے ساتھ دو سو بیس روپے فیس بھی اسے ادا کرنی پڑی تھی۔

''اب آپ مکمل کوائف بھی بتا دیں۔'' عالم پناہ بولے۔ صفدر کے پڑھائے ہوئے تھے، اس لئے سب کچھ ٹھیک ٹھاک بول رہے تھے۔ گوٹا والا نے پوری تفصیل بتا دی پھر بولا۔

''عجیب سا معاملہ ہے۔ میرا کوئی غیر قانونی کام نہیں ہے۔ نہ

جانے کون میرے پیچھے پڑ گیا ہے۔"

"اس کی تلاش ہمارا فرض ہے۔ لیکن اخراجات۔"؟

"وہ کتنے ہو جائیں گے۔"

"ہماری فیس دو ہزار ہے۔ اگر خصوصی اخراجات ہوئے تو وہ آپ کو ادا کرنے ہوں گے۔"

"میں تیار ہوں آپ کام شروع کریں۔"

"تو پھر پچاس فیصد ایڈوانس ادا کر دیں۔" ہشکی نے کہا۔

"میں چیک بھجوائے دیتا ہوں۔ آپ کام شروع کر دیں۔" گوٹا والا نے کہا، اور معاملات طے ہو گئے۔ گوٹا والا کے جاتے ہی سب لوگ بھڑ امار کر اندر گھس آئے تھے۔

"پہلے دو سو بیس روپے حلال کریں جناب۔ اس کے بعد کوئی دوسری بات ہو گی۔" صائمہ نے کہا۔ اور عالم پناہ دو افراد کے ساتھ

دوسوبیس روپے کا سامان لینے چل پڑے۔اس طرح شیکی اور عالم پناہ
کا کاروبار شروع ہوگیا،جس کا سربراہ صفدر تھا۔ابھی نہ جانے کون
سے گل کھلنے والے تھے۔۔۔

☆

جوشی کے ہوش اُڑ گئے تھے۔جوں جوں سوچتا تھا عقل خبط ہوتی
چلی جاتی تھی۔وہ پولیس افسر تھا،زندگی بھر دوسروں پر دھاک بٹھاتا
آیا تھا۔اوپر نیچے دیکھ کر چلنے کا عادی تھا اور ہاتھ میں آنے والی دولت
کو چھوڑنے کا قائل بھی نہیں تھا۔اس سلسلے میں اگر کسی "ضرورت
مند" کی مدد بھی ہو جائے تو کیا حرج ہے۔
لیکن خواب وخیال میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا کوئی ہمزاد بھی
ہے جو اس کے افعال سے اتنا ہی واقف ہے جتنا وہ خود۔
جوں جوں سوچتا تھا وحشت بڑھتی جاتی تھی۔وہ کم بخت اس کے

ایسے رازوں سے واقف ہے کہ سوچا بھی نہیں جا سکتا اگر یہ راز کسی طرح افسرانِ بالا تک پہنچ گئے تو۔۔۔تو۔۔۔جوشی کو یہ سوچ کر چکر آنے لگے تھے۔

پھر وہ ڈائیر کے بارے میں سوچنے لگا۔اس بدبخت غیر ملکی پر کیا مصیبت نازل ہوئی ہے آخر۔وہ کیوں اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا ہے۔دوسرے لمحے وہ خود چونک پڑا۔بات اب یہ نہیں رہی تھی۔اگر نصیبو کا کہنا درست ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سیٹھ پونجی والا کے قتل میں اسی غیر ملکی کا ہاتھ ہے۔کیا اس نے سیٹھ پونجی والا کو صرف اس لئے قتل کیا ہے کہ۔۔۔اس کے قتل کے الزام میں پھنس جائے۔

بہرطور۔۔۔یہ سب کچھ تو ہے۔لیکن اب مجھے کیا کرنا چاہئیے وہ سوچتا رہا۔ایک ہی کوشش کی جاسکتی تھی۔سیٹھ کانجی والا اگر اس سلسلے

میں کوئی مدد کرا لے تو۔۔۔لیکن سیٹھ کانجی والا کو اس کے لئے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔

جوشی سخت پریشان تھا۔بہر حال وہ بذاتِ خود سیٹھ کانجی والا کی کوٹھی پر پہنچ گیا۔کانجی والا سے اس کے مراسم ضرور تھے۔لیکن بہت زیادہ نہیں۔بس ایک پولیس افسر کی حیثیت سے کانجی والا اس سے متعارف تھا۔

کارڈ بھجوانے پر کانجی والا نے اسے اپنے ڈرائنگ روم میں بلا لیا۔وہ تنہا ہی تھا۔

"ہیلو مسٹر جوشی۔کیسے مزاج ہیں کیسے یاد آ گئے ہم۔"

"بس جناب۔خیریت ہے۔آپ سے کچھ اہم معلومات درکار تھیں۔آپ کو تکلیف دیئے بغیر چارہ نہیں تھا۔"

"معلومات۔"؟ کانجی والا نے تعجب سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"

"کچھ سرکاری نوعیت کی بات ہے۔"

"اگر آپ کے خلاف نہ جائے تو سرکاری نوعیت کی اور اگر کسی طرح آپ کے خلاف جائے تو ابھی اس کی حیثیت ذاتی ہے۔" جوشی نے رازداری سے کہا۔

"بڑی پُراسرار گفتگو کر رہے ہیں مسٹر جوشی۔" کانجی والا گہری نگاہوں سے جوشی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں نے عرض کیا نا۔ ابھی یہ قطعی نجی ہے۔"

"لیکن افسوس۔ میں پولیس افسروں سے نجی کام نہیں لیتا۔۔۔ میں ذرا سیدھا سادہ آدمی ہوں۔"

"مسٹر کانجی والا۔ میں نے اب تک آپ سے بالکل مخلصانہ گفتگو کی ہے لیکن آپ تعاون نہیں کر رہے۔"

”مجھے تمہاری گفتگو پر اعتراض ہے۔“

”میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی۔ ویسے معاف کیجئے آپ مجھ سے ایک نجی کام لے چکے ہیں۔“

”تم سے۔“؟ کانجی والا کے انداز میں تعجب تھا۔

”ہاں۔ لیکن چھوڑیں جانے دیں۔ بس دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے آیا ہوں۔ بہتر یہی ہے کہ یہی ماحول قائم رہے۔“

”مسٹر جوشی آپ جانتے ہیں کہ میں اس قسم کی گفتگو کا قائل نہیں ہوں۔ آپ نے اگر میری کوئی غیر قانونی حرکت پکڑی ہے تو اپنے افسرانِ بالا سے رپورٹ کیجئے یا میرے خلاف تفتیش شروع کر دیجئے۔ اگر قابلِ گرفتاری ہوں تو وارنٹ نکلوایئے اور مجھے گرفتار کر لیجئے۔ کیونکہ آپ پولیس افسر ہیں۔ اگر ان تمام باتوں میں سے کچھ نہیں ہے تو پھر آپ کو اپنے الفاظ پر نظر ثانی کرنا ہوگی۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ

وہ کون سی بات ہے جو اگر نجی نہ ہو تو اس کی نوعیت سرکاری ہو سکتی ہے۔"

"میں آپ سے پہلے ہی عرض کر چکا تھا سیٹھ کانجی والا کہ میں قطعی دوستانہ ماحول میں گفتگو کرنے حاضر ہوا ہوں، میں نہیں جانتا کہ کہاں میرا لہجہ خراب ہوا، اور آپ نے کوئی غلط بات محسوس کی۔ میں آپ کے اس حقیر لہجے سے بھی روشناس ہو چکا ہوں، جس میں ابھی آپ نے گفتگو فرمائی تھی۔ مسٹر کانجی والا بلاشبہ ایک سرمایہ دار کی حیثیت سے آپ اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔ لیکن حکومت قانون کے تحفظ کے لئے جو محکمے بناتی ہے وہ اتنے بھی غیر مؤثر نہیں ہوتے کہ ان پر بے جا اجارہ داری قائم کر لی جائے، ایک بار پھر عرض کر رہا ہوں سیٹھ کانجی والا کہ میں صرف آپ سے معلومات حاصل کرنے کا خواہش مند ہوں۔ میرا مقصد کسی طور پر یہ نہیں ہے کہ میں آپ پر کوئی شبہ کر رہا ہوں۔۔۔!"

"ٹھیک ہے۔ مسٹر جوشی فرمایئے کیا بات ہے ہم مزید تلخ گفتگو کرنے کی بجائے اگر فوری طور پر موضوع پر آ جائیں تو بہتر ہے۔"

"یقیناً میں خود بھی اس بات کا خواہش مند ہوں۔" جوشی نے جواب دیا۔

"تو پھر فرمایئے۔" کانجی والا بولا۔

"مسٹر کانجی والا آپ نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کے موقع پر میرا تعارف مسٹر ڈائیر سے کرایا تھا، میں جاننا چاہتا ہوں کہ مسٹر ڈائیر کون ہیں اور کہاں سے تعلق رکھتے ہیں نیز یہ کہ آپ سے ان کا تعارف کب سے ہے ان کا کاروبار کیا ہے اور وہ کب یہاں تشریف لائے ہیں۔" جوشی نے بغور سیٹھ کانجی والا کے چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تعجب کی بات ہے مسٹر جوشی مجھے تو یہ بھی یاد نہیں کہ مسٹر ڈائیر کون سے تھے اور میں نے کب ان سے آپ کا تعارف کروایا تھا۔"

''میں اس حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا مسٹر کانجی والا آپ کی اس تقریب میں میرا خیال ہے صرف چند ہی غیر ملکی تھے اور مسٹر ڈائیر آپ سے اتنے اجنبی نہیں نظر آتے تھے کہ آپ انہیں اس طرح بھول جائیں۔ نیز یہ کہ جب کسی سے کسی کا تعارف کروایا جاتا ہے تو وہ اتنا اجنبی نہیں ہوتا صرف چند لمحات کی ملاقات اس نوعیت کی حامل نہیں ہوتی کہ دوسرے لوگوں سے تعارف کرایا جائے۔''

''آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔'' مسٹر کانجی والا نے کسی قدر لہجہ بدل کر سوال کیا۔

''صرف یہ کانجی والا کہ آپ وہ بتائیں جو حقیقت ہے۔''

''آپ کے لہجے میں پھر پولیس افسروں والی بات پیدا ہوگئی ہے مسٹر جوشی اور آپ یقین کریں میں اس لہجے میں کی گئی بات کا جواب نہیں دیتا۔''

''مسٹر کانجی والا آپ عدم تعاون کر رہے ہیں اگر آپ میری بات کا جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہیں تو ٹھیک ہے میں آپ کو مجبور نہیں کروں گا، لیکن ان باتوں کا جواب مجھے بہر طور درکار ہو گا۔ اور آپ یقین کریں کہ میں اس کا جواب آپ ہی سے لوں گا۔''

''ٹھیک ہے مسٹر جوشی بھلا میں آپ کو اس سے کیسے روک سکتا ہوں۔ مجھے بس اس بات کا افسوس ہے کہ کسی بے نام سی بات پر ہمارے اور آپ کے تعلقات میں رخنہ اندازی پیدا ہو گئی۔''

''میں تو اسی جذبے کے ساتھ آیا تھا مسٹر کانجی والا کہ میں صرف آپ سے معلومات حاصل کر سکوں، میں نے اپنے خلوص کا اظہار اپنے الفاظ میں بھی کر دیا تھا۔ میں نے کہا تھا آپ سے کہ اگر آپ کے خلاف کوئی بات نہیں ہے تو میری تفتیش سرکاری ہے۔ اور اگر آپ پر آنچ آتی ہے تو میں یہ معلومات صرف اپنی ذات تک محدود رکھوں

گا۔" جوشی نرم لہجے میں بولا۔ سیٹھ کانجی والا عجیب سی نگاہوں سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا، پھر وہ گہری سانس لے کر بولا۔

"لیکن پھر بھی مسٹر جوشی آپ نے مجھ سے جو سوال کیا ہے اس کے بارے میں میں آپ کو کوئی جواب نہیں دے سکتا، ڈائیر نامی شخص میرے ذہن میں نہیں ہے۔ ممکن ہے میرے کسی غیر ملکی دوست نے اس نام کے کسی شخص سے میرا تعارف کرایا ہو اور یوں ہی رسمی طور پر میں نے اسے تم سے متعارف کرا دیا ہو۔"

"یقیناً۔ یقیناً اس بات کے امکانات ہیں میں آپ کی اس بات کو تسلیم کرتا ہوں مسٹر کانجی والا، لیکن کم از کم آپ مجھے ان غیر ملکی دوستوں کے بارے میں تو بتا ہی سکتے ہیں جنہوں نے اس شخص کا تعارف آپ سے کرایا ہوگا۔"

"اس دن میرے خیال میں بہت سے غیر ملکی موجود تھے کس کا

نام لوں سب کی فہرست بھی مہیا نہیں ہو سکتی، اور پھر میرے پاس ان الجھنوں میں پھنسنے کا وقت بھی نہیں ہے۔ سوری مسٹر جوشی براہِ کرم مجھ سے اس موضوع پر کوئی اور سوال نہ کریں اور اس کے بعد یہ فرمائیں کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔''

''شکریہ سیٹھ کانجی والا اس کے علاوہ مجھے آپ کی کسی اور مدد کی ضرورت نہیں ہے۔'' جوشی اپنی جگہ سے اُٹھا اور تیزی سے مڑ کر باہر نکل آیا۔ سیٹھ کانجی والا کی گفتگو اسے پسند نہیں آئی تھی۔

دو سو بیس روپے کی پارٹی بے حد شاندار رہی تھی خوب اچھی طرح کھانے پینے کے بعد اس مسئلے پر غور کیا جانے لگا کہ اب سی پی گوٹا والا کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔ آصف نے کہا۔

''مسٹر ہارون سے ملاقات کرنے کے بعد یہ اندازہ تو ہو چکا ہے

کہ اپنا بھائی کام کا ہے۔فوراً ہی دوہزار روپے دینے پر آمادہ ہوگیا۔ میرے خیال میں تھوڑی دیر کے بعد اس شخص سے ایک ہزار روپے کا چیک وصول کرلیا جائے۔"

"چیک تو وصول ہو جائے گا پارٹی بہتر معلوم ہوتی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اب اس معاملے کو آگے کیسے بڑھایا جائے۔"

"پیرومرشد ہی اس سلسلے میں رہنمائی کرسکیں گے۔" صائمہ صفدر کی جانب دیکھ کر بولی۔

"جی ہاں۔جی ہاں، پارٹیاں آپ لوگ اڑائیں برابر کے حصے دار ہوں لمبے ہاتھ ماریں اور جو الجھنیں پیش آئیں ان میں شامت پیرومرشد کی آئے یہ تو اچھی بات ہوئی۔"

"مگر پیرومرشد آپ کے بغیر کچھ ہونا بھی تو ممکن نہیں ہے اور پھر یہ بے چارے اپنے ہی تو بچے ہیں، اگر ان کا کاروبار صحیح طور پر نہ جم

سکا تو افریقہ بھیج دیئے جائیں گے۔ ہائے ہائے، ہائے یہ وہاں کے قابل بھی نہیں رہے، بے چارہ شیکی جب افریقہ پہنچے گا تو لوگ اس سے اس کی جھاڑیوں کے بارے میں سوالات کریں گے کیا جواب دے گا بے چارہ اور پھر عالم پناہ شہزادہ جہانگیر بھلا اب افریقہ کے جنگلوں میں کہاں بھٹکتے پھریں گے، نہیں پیرو مرشد نہیں رحم کریں ان پر رحم کریں۔" تنویر نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور بہت سے ہونٹوں پر مسکراہٹیں بکھر گئیں۔ لیکن صفدر اسی طرح سنجیدہ تھا۔ اس نے پُر خیال انداز میں ٹھوڑی کھجاتے ہوئے کہا۔

"اچھا اگر یہ بات ہے تو کچھ نہ کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ سنو آصف تم اس سلسلے میں ایک اہم کام انجام دو گے۔"

"بھئی میں، پیرو مرشد میں۔" آصف نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں تم۔''

''بھلا میں کیا کر سکتا ہوں پیرومرشد۔''

''تم بہت کچھ کر سکتے ہو آصف ان لوگوں کی مدد کے لئے میں نے تمہارا ہی انتخاب کیا ہے۔''

''فرمایئے پیرومرشد خادم کے لئے کیا حکم ہے۔'' آصف نے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے جھک کر کہا۔

''سیٹھ گوٹا والا کے بارے میں میری مراد سی پی ہارون سے ہے، یہ اندازہ تو بآسانی لگا لیا گیا ہے کہ نہایت ہی دلیر آدمی ہے ذرا سی دیر میں دو سو روپے ڈھیلے کر گیا اور دو ہزار دینے کا وعدہ کر گیا، ایسے آدمی سے لمبی رقوم حاصل کی جا سکتی ہیں اور اگر ہم اس دفتر میں رہے اور ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ اس کی مالی حیثیت کیا ہے تو وہ آئندہ ہمارا مستقل گاہک رہے گا لیکن فی الوقت چونکہ یہ بات ہمارے علم میں

آ چکی ہے کہ وہ چھ بیٹیوں کا باپ ہے اس لئے اسے دو ہزار دو سو بیس روپے سے زیادہ کی چوٹ نہیں دی جا سکتی، لیکن کوئی بھی شخص خواہ کتنا ہی بزدل کیوں نہ ہو کم از کم رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں بہادر ضرور ہوتا ہے وہ یہ معلوم کرنے کی کوشش کرے گا کہ آخر اس کے دشمن کون ہیں اور آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہارون گوٹا والا کا دشمن کون ہے۔"

"ہم، ہم بھلا کیا جانیں۔" تمام لوگ چونک کر بولے اور صفدر کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"میں بتاتا ہوں تمہیں آصف کے تم ہارون گوٹا والا کے دشمن ہو۔"

"میں۔" آصف اُچھل پڑا۔ "میں۔۔۔؟"

"ہاں تم۔۔۔"

"بھلا وہ کیسے۔۔۔؟"

''یہی بتا رہا ہوں مسٹر آصف ،صفدر نے کہا۔ پھر وہ آصف کو اپنا پروگرام بتانے لگا۔ پھر یہی طے پایا تھا کہ سیٹھ گوٹا والا کے دشمن کو مکمل طور پر اس کے سامنے لانے کے لئے ضروری ہے کہ آصف وقتاً فوقتاً اسے فون کرتا رہے اور فون پر دھمکیاں دیتا رہے۔ بالآخر ایک دن شیکی اور عالم پناہ آصف سے جنگ کریں اور آصف اس بات کا اقرار بھی کرلے کہ وہ آئندہ سیٹھ گوٹا والا کو پریشان نہیں کرے گا، یوں ہماری دھاک بھی بیٹھ جائے گی اور ممکن ہے کچھ اور کیسز بھی ہمیں مل جائیں۔''

''ویری گڈ۔۔۔ویری گڈ اس کا مطلب ہے ایک عمدہ ڈرامہ۔'' کئی لوگوں نے مسرور لہجے میں کہا۔'' لیکن صفدر بھائی دو ہزار روپے کے لئے اتنا لمبا چوڑا پروگرام مناسب رہے گا۔''؟ آصف نے سوال کیا۔

''پھر تم لوٹ مار شروع کردو قتل وغارگری پھیلاؤ ڈاکہ زنی کرو

ابھی اپنی کمائی شروع نہیں کی نا اس لئے ہزار دو ہزار بے حیثیت معلوم ہوتے ہیں اس لئے تو میں کہتا ہوں کہ کام شروع تو کرو اس کے بعد معاوضہ بھی بڑھا لینا۔" صفدر آنکھیں نکال کر بولا۔ اور آصف آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔ شیکی اور عالم پناہ بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ پھر شیکی نے مسرور لہجے میں کہا۔

"دو ہزار روپے کم تو نہیں ہوتے، اگر ہمیں ایک مہینے میں ایسے چار پانچ کیس مل جائیں تو ہم بڑے عیش سے گزار سکتے ہیں۔"

"جی ہاں گزار تو سکتے ہیں آپ بڑے عیش سے لیکن میں نے یہ سرپرستی صرف چند ہفتوں کے لئے قبول کی ہے۔ اس لئے محترم شیکی صاحب اور معظم عالم پناہ آپ کو کیس حاصل کرنے کے لئے خود ہی جدوجہد کرنا ہوگی۔ نمونہ آپ نے دیکھ لیا ہے باقی سب آپ کا کام ہے۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں صفدر بھائی ہم کافی جاسوسی ناول پڑھ چکے ہیں جاسوسی کرنا تو آ ہی گئی ہے، کیس حاصل کرنا بھی کوئی مشکل کام نہیں ہوگا، آپ کو اس سلسلے میں زیادہ تکلیف نہیں کرنا پڑے گی۔" شکی اور عالم پناہ بیک وقت بولے اور صفدر آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

☆

جوشی کے جانے کے بعد سیٹھ کانجی والا دیر تک پریشان سی شکل بنائے بیٹھا رہا۔ وہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ یک بیک چونک پڑا اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ دیوار پر لگے ہوئے بٹن پر اُنگلی رکھ کر وہ اپنی جگہ کھڑا کسی ملازم کی آمد کا انتظار کرتا رہا۔ ملازم کو اندر داخل ہونے میں ایک لمحہ بھی نہ لگا تھا۔ اُس نے اندر آ کر سلام کیا۔

''کیا وہ پولیس افسر چلا گیا۔''؟ سیٹھ کانجی والا نے پوچھا۔

''بہت دیر پہلے جناب۔''

''تمہیں یقین ہے۔''

''جی ہاں جناب۔'' ملازم تعجب سے بولا۔

''جاؤ ٹھیک ہے، یہی پوچھنے کے لئے تمہیں بلایا تھا۔'' سیٹھ کانجی والا نے سپاٹ لہجے میں کہا اور ملازم چلا گیا۔

سیٹھ کانجی والا اُس جگہ سے اُٹھ کر ایک اندرونی کمرے میں پہنچا۔ یہاں ایک خفیہ دراز میں ٹیلی فون رکھا ہوا تھا اِس ٹیلی فون کا تعلق تو ایکسچینج سے تھا لیکن یہ انتہائی چالاکی سے ایک دوسرے نمبر سے بدلوا کر یہاں لایا گیا تھا اور اُس پر کی جانے والی کال کسی اور ہی کے نام سے منسوب ہوتی تھی۔ کانجی والا نے ایک نمبر گھمایا اور ریسیور کو کان سے لگا لیا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔ لہجہ غیر ملکی تھی۔ ''ہیلو کانجی والا بول رہا ہوں۔''

''اوہ، سیٹھ کانجی والا۔''

''ہاں سیٹھ کانجی والا۔ کیا گولیور سے ملاقات ہوسکتی ہے۔''؟

''ابھی نہیں مسٹر کانجی والا۔ گولیور یہاں موجود نہیں ہے یا تو آپ تھوڑی دیر کے بعد رنگ کرلیں یا اپنا پیغام دے دیں، میں مسٹر گولیور کو پہنچا دوں گی۔''

''نہیں کوئی میسج نہیں، آپ مسٹر گولیور سے کہہ دیں کہ جس وقت بھی آئیں مجھے رنگ کرلیں۔ میں بے چینی سے ان کے ٹیلی فون کا انتظار کر رہا ہوں۔''

''اوکے مسٹر کانجی والا، میں آپ کا یہ پیغام مسٹر گولیور کو دے دوں گی۔''

"شکریہ۔" کانجی والا نے کہا اور ٹیلی فون بند کر دیا۔ وہ بے حد پریشان نظر آ رہا تھا۔ نجانے کیوں اُسے یہ احساس ہو رہا تھا کہ بات کچھ بگڑتی جا رہی ہے۔ دیر تک وہ خیالات میں ڈوبا رہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر بیرونی کمرے میں نکل آیا۔ اُس کی پریشانیاں بڑھتی ہی جا رہی تھیں، گولیور جیسے خطرناک انسان کو وہ اچھی طرح جانتا تھا اگر کوئی بات اس کی مرضی کے خلاف ہوگئی تو کانجی والا جانتا تھا کہ اُس کی زندگی تلخ ہو جائے گی۔ گولیور اسے پاتال میں بھی نہیں چھوڑے گا۔ اُس کے کچھ ایسے راز گولیور کے پاس موجود تھے جن کا افشاء سیٹھ کانجی والا کے تمام عزت و وقار کو خاک میں ملا سکتا تھا یا پھر اس کے عوض سیٹھ کانجی والا کو گولیور کے تمام مطالبات پورے کرنے پڑتے۔

حالانکہ اس معاہدے کے تحت اب گولیور اس بات سے دستبردار

ہو گیا تھا کہ وہ سیٹھ کانجی والا کو بلیک میل کرے گا۔سیٹھ کانجی والا نے اِس سلسلے میں اِسے لاکھوں روپیہ دیا تھا اور اِس کے کئی کام بھی کیئے تھے۔لیکن اس کے باوجود گولیور جب بھی چاہتا اِس پر مسلط ہو جاتا تھا۔اور اِس بار بھی سیٹھ کانجی والا کو اپنی پرسکون زندگی میں تلخیاں برداشت کرنا پڑیں۔جب اِسے گولیور کی آواز فون پر سنائی دی۔کم بخت پھر آمرا تھا اور اِسے مصیبت میں ڈال دیا تھا۔لیکن یہ جوشی گولیور یا مسٹر ڈائیر۔۔۔کے بارے میں معلومات کیوں حاصل کرتا پھر رہا ہے، حالانکہ گولیور نے اشارتاً یہ بات کہی تھی کہ جوشی اس کے کارکنوں میں شامل ہے اور کانجی والا کو اِس بات پر خاص حیرت نہیں ہوئی تھی۔

گولیور بے پناہ صلاحیتوں کا مالک تھا کسی کو اپنی مٹھی میں بند کر لینا اِس کے لئے کوئی خاص مشکل کام نہ تھا، جوشی بجائے اِس کے کہ

گولیور کے لئے کام کرے خود اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا۔ ''آخر کیوں۔''؟

دیر تک کانجی والا سوچتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد ایک ملازم دوڑتا ہوا باہر آیا۔ اور اس نے فون کی اطلاع دی۔ کانجی والا تیزی سے اندر دوڑ گیا تھا۔ اِس کی توقع کے مطابق فون پر گولیور ہی بول رہا تھا۔

''ہیلو۔''

''ہیلو کانجی والا بول رہا ہوں۔''

''کیا بات ہے کانجی والا۔ تم نے مجھے ٹیلی فون کیا تھا۔'' گولیور نے پوچھا۔

''جی ہاں جناب۔''

''خیریت۔''؟

''خیریت نہیں ہے مسٹر گولیور۔''

"اوہ کیا بات ہے پریشان محسوس ہورہے ہو۔"

"بہت زیادہ۔"

"وجہ۔"

"بس عجیب سی اُلجھنوں کا شکار ہوں۔"

"کانجی والا مجھے تمہید سے نفرت ہے۔" دوسری طرف سے گولیور کی سخت آواز سنائی دی۔

"جناب عالی پولیس افسر مسٹر جوشی یہاں آئے تھے۔"

"اوہ جوشی، خیریت۔"

"وہ مسٹر ڈائیر کے بارے میں مجھ سے معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔"

"کیا مطلب۔"؟

"بس یہی بات تھی جناب جو میں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔"

"تفصیل بتاؤ۔" گولیور نے کہا۔

"کیا تفصیل عرض کروں، بس مسٹر جوشی یہاں آئے، انداز ذرا سخت تھا۔ پوچھنے لگے کہ مسٹر ڈائیر۔۔۔ سے میری ملاقات کب سے ہے اور اِن سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔"

"ہوں، پھر۔"

"میں نے یہی کہا کہ میں مسٹر ڈائیر کو براہِ راست نہیں جانتا۔ ممکن ہے کسی غیر ملکی دوست کے ذریعے اِن سے تعارف ہوا ہو، جسے میں بھول چکا ہوں۔"

"پھر اِس کے جواب میں کیا کہا اِس شخص نے۔" گولیور کے لہجے میں غراہٹیں اُبھر آئی تھیں۔

"کچھ نہیں جناب، کچھ انداز ٹھیک نہیں تھا، وہ مجھے دھمکیاں دے کر گیا ہے کہ میں مسٹر ڈائیر کے بارے میں معلومات حاصل کر کے

اسے بتاؤں، ورنہ مجھے مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اوہ تمہیں۔"

"ہاں جناب۔ حالانکہ جوشی خود بھی میری پہنچ کو جانتا ہے۔ لیکن نجانے کس بل پر وہ اتنا سخت بول رہا تھا میں نہیں سمجھ سکا۔"

"سیٹھ کانجی والا، جوشی سے تو تمہاری دوستی ہے۔" گولیور کی آواز سنائی دی۔

"نہیں جنابِ عالی، آپ اسے دوستی نہیں کہہ سکتے بس ایک کاروباری تعلق ہے۔ یعنی میرے ہاں جو تقاریب ہوتی ہیں ان میں، میں بہت سے سرکاری افسران کو مدعو کرتا ہوں۔ خاص طور سے ان کو جن سے میرے کام نکلتے رہتے ہیں، جوشی بھی انہیں میں سے ایک ہے۔" کانجی والا نے کہا۔

"ہوں ٹھیک ہے پھر کسی حد تک تو دوستی تو ہوئی نا۔" گولیور بولا۔

گی۔" کانجی والا نے گولیور کی بات کے جواب میں کہا۔

"ہوں،تفصیلات زیادہ نہیں ہیں مسٹر کانجی والا میں نصیبو کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں۔"

"اوہ نصیبو۔!"

"ہاں۔تم یقیناً اِس کے بارے میں تفصیل جانتے ہو۔وہ کون ہے یہ بات بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور میرے لئے سخت تعجب خیز ہے،نواب عزیزالدین خان ایک شریف آدمی ہیں ایک معزز آدمی۔سہیل اُن کا بیٹا ہے،لیکن نصیبو کے نام سے ایک بہت بڑا بدمعاش بھی تصور کیا جاتا ہے۔سیٹھ کانجی والا میں نصیبو کو اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں اور اِسی لئے میں نے یہ جال بچھایا ہے۔اِس جال میں چارے کے طور پر مسٹر جوشی استعمال کئے جارہے ہیں اور میں اِس سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھا چکا ہوں،سیٹھ پونجی والا کے قتل

گی۔'' کانجی والا نے گولیور کی بات کے جواب میں کہا۔

''ہوں، تفصیلات زیادہ نہیں ہیں مسٹر کانجی والا میں نصیبو کے بارے میں معلومات حاصل کر رہا ہوں۔''

''اوہ نصیبو۔!''

''ہاں۔ تم یقیناً اس کے بارے میں تفصیل جانتے ہو۔ وہ کون ہے یہ بات بھی کسی سے چھپی ہوئی نہیں ہے اور میرے لئے سخت تعجب خیز ہے، نواب عزیز الدین خان ایک شریف آدمی ہیں ایک معزز آدمی۔ سہیل اُن کا بیٹا ہے، لیکن نصیبو کے نام سے ایک بہت بڑا بدمعاش بھی تصور کیا جاتا ہے۔ سیٹھ کانجی والا میں نصیبو کو اپنے قدموں میں دیکھنا چاہتا ہوں اور اِسی لئے میں نے یہ جال بچھایا ہے۔ اِس جال میں چارے کے طور پر مسٹر جوشی استعمال کئے جا رہے ہیں اور میں اِس سلسلے میں ایک قدم آگے بڑھا چکا ہوں، سیٹھ پونجی والا کے قتل

کے بارے میں تم نے اخبارات میں پڑھا ہوگا۔"

"اوہ جی ہاں جناب۔"

"سیٹھ پونجی والا کو نصیبو نے قتل کیا ہے سیٹھ کانجی والا، اور جوشی کو چاہئیے کہ وہ نصیبو یا سہیل کو سیٹھ پونجی والا کے قتل کے الزام میں گرفتار کرلے، میں نے کسی حد تک اس کے بارے میں ثبوت بھی مہیا کردیئے تھے، لیکن جوشی اسے گرفتار کرنے کی بجائے میرے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا ہے، یہ بات میرے لئے تعجب خیز ہے، بہرطور فی الوقت میں اس سے نہیں ملوں گا بلکہ میرے نمائندے کی حیثیت سے آپ کو کچھ کرنا ہوگا۔" گولیور نے کہا۔

"مجھے۔" کانجی والا شدتِ خوف سے لرزنے لگا۔

"ہاں کانجی والا۔"

"مجھے کیا کرنا ہوگا جناب۔"

''پونجی والا کو نصیبو نے قتل کیا ہے، سمجھے تم۔ تمہارے تعلقات اعلیٰ حکام سے ہیں، تم یہ بات اِن تک پہنچاؤ گے، سیٹھ پونجی والا سے تمہارے کاروباری مراسم تھے، بلکہ وہ تمہارا مقروض بھی تھا اور یہ قرض زبانی حاصل کیا گیا تھا یعنی اِس کی کوئی تفصیلات تمہارے پاس نہیں ہیں، بہرطور تم قرض معاف کرنے کے لئے تیار ہو، لیکن سیٹھ پونجی والا کے قتل کے سلسلے میں تم اِس بلیک میلر نصیبو کا نام ضرور لو گے اور پورے اعتماد کے ساتھ یہ بات کہو گے کہ چند روز قبل سیٹھ پونجی والا نے تم سے کچھ رقم مانگی تھی، یہ رقم تقریباً پندرہ لاکھ تھی، اِسے بیس لاکھ روپے کسی کو ادا کرنے تھے، جب تم نے اِس سے تفصیلات پوچھیں تو اِس نے اِس سلسلے میں نصیبو کا نام لیا، ایک بلیک میلر کا جس نے اس سے روپے مانگے تھے اور دوسری صورت میں اسے دھمکی دی تھی کہ اگر بیس لاکھ روپے اسے ادا نہ کئے گئے تو وہ سیٹھ پونجی والا کو قتل کر دے گا، تم اتنی

بڑی رقم مہیا نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ پہلے بھی تمہاری ایک بہت بڑی رقم سیٹھ پونجی والا کے اوپر تھی، اِن حالات میں سیٹھ پونجی والا قتل ہو گیا۔ اور اب تمہارا یہ فرض ہے کانجی والا کہ اِن حالات میں تم ایک انسان کی حیثیت سے پولیس کے اعلیٰ حکام کو ان حقائق سے آگاہ کرو، کیا سمجھے۔"

"جناب۔ جناب۔ اِس طرح۔ اِس طرح تو نصیبو میرا ابھی دشمن ہو جائے گا۔"

"اوہ کانجی والا دوسری شکل میں، میں تمہارا دشمن ہو جاؤں گا۔"

"دیکھیں مسٹر۔ مسٹر گولیور یہ ظلم ہے میرے ساتھ، یہ زیادتی ہے میرے ساتھ۔"

"حالات ہی ایسے ہیں ڈیئر کانجی والا، بعض اوقات انسان اس طرح مجبور ہو جاتا ہے، اگر میں یہ سب کچھ نہیں کروں گا تو پھر میں اِن

مظلوموں کی فہرست میں شامل ہو جاؤں گا۔ نصیبو کو ہر طرح سے ہر قیمت پر ہمارے جال میں پھنسنا چاہیئے۔ اور یہ جوشی، اسے تو میں اچھی طرح دیکھ لوں گا، اِسے میں نے اچھی خاصی رشوت دی ہے۔ تم سیٹھ کانجی والا اعلیٰ حکام سے بات چیت کرو، میں تمہیں دوبارہ فون کر کے تفصیلات معلوم کروں گا۔"

"اگر مجھے معاف ہی کر دیا جاتا تو بہتر تھا۔" کانجی والا گھگھیائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں مسٹر کانجی والا میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ تمہیں دو میں سے ایک دشمن کا انتخاب کرنا پڑے گا، سوچنا یہ ہے کہ نصیبو تمہارا خطرناک دشمن ثابت ہو سکتا ہے یا میں۔ اس بات کا تم خود فیصلہ کر لو گے۔ اچھا خدا حافظ۔" گولیور نے فون بند کر دیا۔

کانجی والا دیر تک اس ریسیور کو گھورتا رہا تھا اور اس کے چہرے پر

پیلا ہٹیں دوڑ رہی تھیں، کافی دیر تک وہ پریشان سا بیٹھا رہا، پھر اس نے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔

عالم پناہ اور شیکی ان حالات میں ایک دوسرے سے جس طرح مخلص ہو گئے تھے اِس سے قبل وہ ایسے کبھی اس طرح آپس میں یکجا نہیں ہوئے تھے، دونوں خود کو ایک ہی کشتی کا سوار محسوس کر رہے تھے، مصیبت میں گرفتار ہو گئے تھے چنانچہ ایک دوسرے کا ساتھ دے رہے تھے۔

اکثر اِس سلسلے میں اِن کے درمیان کچھ اِس انداز کی گفتگو ہوتی رہتی تھی۔

''شیکی تم میرے دوست ہو۔''

''دوست ہی نہیں جہانگیر بھائی، میں آپ کا بھائی بھی تو ہوں۔''

''اوہ ہاں، واقعی میں بھول گیا تھا لیکن شکیل تاریخ گواہ ہے کہ بھائی بھائی کا ساتھ نہیں دے سکا، لیکن دوست نے دوستی نبھا دی۔''

''میں تاریخ کے بارے میں زیادہ تفصیلات نہیں جانتا جہانگیر بھائی ٹھیک ہے۔ بہرطور ہم رشتہ داری سے زیادہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

''بے شک بے شک، ہمارے درمیان محبت کا رشتہ بھی تھا۔

''محبت کا رشتہ۔''

''ہاں ایک لڑکی سے محبت کا رشتہ، تم بھی نوشاب کو چاہتے تھے اور میں بھی نوشاب کو چاہتا تھا۔ اس طرح ہم دونوں بھی ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اگر تمہیں یقین نہ ہو تو حالات پر غور کرو اور تاریخ دوہراؤ۔''

''ہاں مجھے یاد آرہا ہے جہانگیر بھائی۔'' شکیل نے گٹار کے تاروں

پر ہاتھ پھیرتے ہوئے جواب دیا۔

"دیکھو شیکی تم جذباتی نہ ہوا کرو۔ دلربا میرے اور تمہارے درمیان ہمیشہ آڑے آجاتی ہے۔"

"دلربا۔" شیکی نے گٹار کے تاروں پر ہاتھ پھیرا۔ "نہیں عالم پناہ ایسا مت کہیئے، یہی تو میری زندگی کی ساتھی رہ گئی ہے۔ ورنہ باقی کیا رکھا ہے، ہائے نوشاب بھی میری زندگی سے نکل گئی اور اس کے بعد اب میں ناشاد ہی ناشاد رہ گیا ہوں، کوئی لطف نہیں ہے اب زندگی میں۔"

"یار کیا بکواس کررہے ہو، بھلا یہ گٹار تمہاری زندگی سے کیا تعلق رکھتا ہے۔"

"اوہو جہانگیر بھائی، میں نے کبھی آپ کی تاریخ کو بُرا نہیں کہا تو آپ میرے نغموں پر کیوں طنز کررہے ہیں۔"

''اچھا نہیں کر رہا بھائی، لیکن میں جو گفتگو کر رہا تھا اس سے تو نہ ہٹو۔''

''اچھا نہیں ہٹتا، لو اِدھر آ کھڑا ہوا میں۔'' شیکی اپنی جگہ سے ہٹ کر پھر اُس جگہ جا کھڑا ہوا جہاں چند لمحات قبل کھڑا ہوا تھا۔ عالم پناہ اُسے دیکھتے رہے پھر بولے۔

''تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ ہمیں ایک دوسرے کا گہرا دوست بننے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔''

''بے شک بے شک۔''

''اور اِس کے علاوہ ہم لوگ مشترکہ کاروباری بھی ہیں۔''

''ہاں ہاں۔'' شیکی نے جواب دیا۔

''تو شیکی اب مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔''

''کیا مطلب۔؟ ایک ہزار روپے ہمارے اکاؤنٹ میں جمع ہو

چکے ہیں اب پریشانی کی کیا بات ہے۔" شیکی بولا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہو شیکی۔"

"کیوں۔"؟

"بھائی ایک ہزار روپے بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں ہم نوابین کے درمیان ہیں ہر چند کہ ہم نے زندگی میں کبھی ایک ہزار روپے اکٹھا نہیں دیکھے اور یہ اِس وقت ہمارے بینک بیلنس میں موجود ہیں، لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے تم جانتے ہو ہمیں کیا کرنا ہے۔" عالم پناہ نے پوچھا۔

"نہیں۔" شیکی نے معصومیت سے گردن ہلا دی۔ اِس کا ہاتھ پھر دلربا کی جانب بڑھ گیا تھا اور چند آوازیں کمرے میں پھیل گئیں۔

"ہمیں اِن نوابوں کی ٹکر پر خود ہی ایک اعلیٰ پائے کا کاروباری بننا ہے۔"

"ہاں، ہاں بن جائیں گے۔ بن جائیں گے۔ اتنی جلدی کیا ہے آخر۔" شکی نے لاپرواہی سے کہا۔

"بن جائیں گے نہیں شکی، تم سمجھ رہے ہو یہ کام آسان ہے۔ آسان نہیں ہے۔"

"مگر پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے، ظاہر ہے فوراً تو ہم نواب بن نہیں سکتے۔"

"یہ ٹھیک ہے لیکن کوئی ایسا قدم۔ میرا مطلب یہ ہے شکی کہ ہمیں ان لوگوں کے دائرہ کار سے باہر نکلنا چاہیے۔"

"کا ہے سے نکلنا چاہیے۔" شکی نے حیرت سے پوچھا۔

"دائرہ کار، میرا مطلب ہے کہ ان کے اختیار سے باہر آنا چاہیے یہ لوگ ہم پر مسلط رہ کر ہم سے من مانی کرتے رہیں گے، میں جانتا ہوں کہ صفدر مخلص آدمی ہے باقی سب لوگ بھی ہمارے عزیز ہیں،

ہمارا بُرا نہیں چاہتے ہنستے بولتے رہتے ہیں یہ دوسری بات ہے لیکن پھر بھی کم از کم ہمیں ان کے سامنے اِس قدر ناکارہ بن کر پیش نہیں ہونا چاہئیے خود بھی کوئی ایسا قدم اُٹھانا چاہئیے جس سے اِن لوگوں کو احساس ہو جائے کہ ہم خود بھی کوئی حیثیت رکھتے ہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"ہاں اِس بات پر تو میں تم سے متفق ہوں۔"

"تو پھر سوچو، کچھ سوچو، کوئی ایسی بات سوچو جس سے ہم کچھ کر سکیں۔"

"اب سوچنے کی کیا ضرورت ہے، ہمارے پاس ایک شاندار دفتر ہے، ٹیلی فون ہے سب کچھ موجود ہے اور ہم جاسوس ہیں تم نہیں سمجھتے عالم پناہ، تم نہیں سمجھتے جاسوسوں کی کیا وقعت ہوتی ہے غیر ممالک میں تو باقاعدہ جاسوسی ادارے ہوتے ہیں اور جاسوس نہ جانے کون کون سے کارنامے انجام دیتے ہیں پولیس اِن کے نام سے کانپتی ہے

اور مجرم اِن کے نام سے خوفزدہ ہو جاتے ہیں۔ واہ چند روز کی بات ہے اِس کے بعد ہم بھی انہیں میں سے ایک ہوں گے جہانگیر بھائی تم یقین کرو جو کچھ ہوگا وہ تمہارے تصور سے باہر ہے۔ کم از کم صفدر کی اس بات کا میں دل سے قائل ہوں کہ انہوں نے ہمیں بالکل صحیح راستے پر لگایا ہے۔ ہم کوئی بھی کام کرتے ہمیں اُس میں اِس قدر آمدنی نہیں ہوسکتی تھی اِس میں کوئی خاص خرچ بھی نہیں ہے۔ نہ ہی ایسے اخراجات ہیں جو ہمیں اپنی جیب سے ادا کرنے پڑیں اور آمدنی، اب تم دیکھو نا چند روز میں ایک ہزار۔ کچھ دن کے بعد ایک ہزار اور مل جائیں گے۔ گویا دو ہزار ہمارے اکاؤنٹ میں جمع ہو جائیں گے ابھی ہمارا کوئی خرچ تو نہیں ہے اِس کے بعد مزید پیسے بڑھیں گے، میں خود بھی کوئی کیس تلاش کروں گا تم یقین کرو میں خود بھی کوئی کیس تلاش کروں گا۔"

’’کروں گا نہیں شکی تلاش کرو۔‘‘

’’بہتر ہے میں چلتا ہوں۔‘‘ شکی اپنی جگہ سے آگے بڑھ گیا۔

’’ارے ارے کہاں۔‘‘؟

’’بس جہانگیر بھائی کوئی کیس تلاش کر کے واپس آتا ہوں۔‘‘

’’سنو تو سہی، اب ایسے بھی سڑکوں پر کیس نہیں ملتے اِس کے لئے ہوشیاری سے کام کرنا ہوگا، تم مطمئن رہو، میں بالکل ہوشیار رہوں گا اور عقل سے کام کروں گا مگر یہ سیٹھ ہارون والا کا مسئلہ اِسے حل کرلیا تم نے ایک ہزار روپے ابھی اور بھی تو لینے ہیں اس سے۔‘‘

’’ابھی کیا حل کرلیا، اب دیکھو صفدر بھائی اِس سلسلے میں کیا کرتے ہیں، آصف بھی اس مسئلے میں ہمارے ساتھ شریک ہے۔‘‘

’’ہوں۔‘‘ شکی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا پھر بولا۔ ’’خیر کوئی بات نہیں ہے یہ مسئلہ تو ہوتا ہی رہے گا، میں چلتا ہوں۔‘‘ شکی نے

کہا۔

''کہاں۔''؟

''بس مجھے مت روکو، مجھے جانے دو۔''شیکی دلربا کے تاروں پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔اور دفتر کے دروازے سے باہر نکل آیا۔جہانگیر عالم پناہ تشویش ناک نگاہوں سے اُسے جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے اِن کے ذہن میں بے شمار خیالات رقصاں تھے بہت سے تصورات ان کے ذہن میں مچل رہے تھے نجانے کتنی دیر وہ اسی طرح کھلے ہوئے دروازے کو گھورتے رہے اور پھر دروازے میں کسی کا سایہ دیکھ کر چونک پڑے۔

''واپس آگئے شیکی۔''انہوں نے کہا لیکن دروازے سے داخل ہونے والا کوئی اور ہی تھا۔

ایک لمحہ کے لئے عالم پناہ اُلجھ سے گئے پھر وہ اپنی کرسی سے

کھڑے ہونے ہی والے تھے کہ وہ اندر داخل ہوگئی۔ سفید لباس میں ملبوس، دراز قامت، حسین ترین آنکھیں خوبصورت نقش ونگار عالم پناہ ایک لمحے کے لئے ساکت وجامد رہ گئے تھے۔ وہ ان آنکھوں میں کھو گئے تھے، اِن اُلجھے ہوئے بالوں کو دیکھ رہے تھے یہ حسین آنکھیں انہیں کچھ یاد دلا رہی تھیں، شاید نور جہاں کی یاد دلا رہی تھیں سو فیصدی ویسی ہی آنکھیں تھیں، بالکل ویسی ہی آنکھیں تھیں یا پھر انہیں ان دنوں ہر آنکھ نور جہاں کی آنکھ نظر آتی تھی۔

لڑکی نے اندر داخل ہوکر دروازہ بند کرلیا، اور عالم پناہ کی طرف آگے آنے لگی۔

"میں حاضر ہوسکتی ہوں۔"

"جی۔" عالم پناہ چونک پڑے۔

جی میرا مطلب ہے میں آسکتی ہوں۔"

”جی ہاں جی ہاں تشریف لائیے۔ تشریف لائیے۔“ عالم پناہ دوبارہ کرسی پر بیٹھ گئے، حالانکہ وہ لڑکی سے بیٹھنے کے لئے کہنا چاہتے تھے۔ لیکن بیٹھنے کا لفظ ان کے ذہن میں گونجا تو وہ خود ہی کرسی پر بیٹھ گئے تھے۔ پھر جلدی سے کھڑے ہو گئے۔ لڑکی ان کی میز کے پاس پہنچ گئی تھی۔

”تت......تشریف۔ تشریف۔“ عالم پناہ بمشکل تمام بولے اور لڑکی شکریہ ادا کر کے بیٹھ گئی۔

”میرا نام نادرہ ہے۔“

”جی۔“ عالم پناہ متحیرانہ انداز میں بولے۔

”جی نادرہ۔“

”نن نہیں یہ نہیں ہو سکتا۔“ انہوں نے سرسراتے ہوئے لہجے میں کہا۔

''جی، کیا مطلب۔''؟لڑکی نے پوچھا۔

''یہ نہیں ہوسکتا نور جہاں، یہ نہیں ہوسکتا۔'' عالم پناہ بے تکے انداز میں بولے۔

''نور جہاں۔'' لڑکی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

''ہاں۔تم نور جہاں ہو، میری نور جہاں اور میں۔میں عالم پناہ ہوں۔

''خدا کے لئے ایسا نہ کہو، ایسا نہ کہو، کب سے تمہیں مجسم دیکھنے کی جستجو میں سرگرداں تھا، آج سامنے آئی ہو تو خود کو چھپا کر تم نادرہ نہیں، نور جہاں، نور جہاں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں آپ، کیا آپ لوگ، آپ لوگ جاسوسی، جاسوسی یعنی، یعنی۔'' لڑکی کچھ بوکھلائی ہوئی نظر آنے لگی تھی۔

عالم پناہ چونک پڑے، ایک لمحہ کے لئے انہیں احساس ہوا کہ وہ

احمقانہ گفتگو کر رہے ہیں۔ پھر انہوں نے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی اور ایک گہری سانس لے کر بولے۔

"آپ کو یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ مذاق نہیں کر رہیں۔"

"نجانے آپ کون ہیں اور کیسی باتیں کر رہے ہیں، میں تو اُن حضرات سے ملنا چاہتی ہوں جو اِس دفتر میں......"

"ہاں ہاں وہ میں ہی ہوں، وہ میں ہی ہوں، میں اور میرا دوست شیکی، شیکی کسی کام سے باہر گیا ہوا ہے۔ مجھے جہانگیر کہتے ہیں، لوگ مجھے عالم پناہ کے خطاب سے بھی نوازتے ہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"جہانگیر۔" لڑکی نے کہا اور اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

"کیوں آپ جہانگیر کے نام پر مسکرانے کیوں لگیں۔"

"کچھ نہیں کوئی بات نہیں ہے۔"

''نہیں، کوئی خاص بات ہے یقیناً ہے۔ براہِ کرم آپ مجھے اس بارے میں بتایئے۔''

''میرا مطلب ہے آپ کا نام جہانگیر ہے اور آپ مجھے نور جہاں سمجھ رہے تھے۔''

''سمجھ نہیں رہا بلکہ حقیقتاً اس بات پر غور کر رہا ہوں کیا یہ سچ نہیں ہے۔''

''جی نہیں، میں آپ کو اپنا نام بتا چکی ہوں میرا نام نادرہ ہی ہے۔''

''یہ کاپی اُٹھایئے۔'' عالم پناہ نے ایک کاپی اُٹھا کر اُس کے سامنے رکھ دی اور لڑکی نے اُسے اپنے ہاتھ میں اُٹھالیا۔

''جی اِس میں کیا ہے۔''؟

''کچھ نہیں، آپ اسے اپنی ناک سے لگا لیجئے۔''

"جی۔" لڑکی تعجب سے بولی۔

"ناک، ناک ہی ہوتی ہے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"مم...... مگر کیا چیز ہے اس میں۔"

"بس آپ اِس سے اپنا چہرہ چھپا لیجئے۔ صرف ناک تک۔"

"کیوں۔" ؟

"براہِ کرم ایسا کیجئے۔ یہ میری دلی خواہش ہے۔"

"کمال کے لوگ ہیں آپ، میرا مطلب ہے صرف آپ۔ میں تو کسی کام سے آئی تھی یہاں آپ نے کوئی دوسرا ہی چکر چلا دیا۔"

لڑکی کسی قدر ناگواری سے بولی۔

"لہٰذا اسے ناک سے لگالو۔ لگالو۔" عالم پناہ پھر جذباتی ہونے لگے۔

بانگڑو
(قسط نمبر ۱۱)
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

اور لڑکی نے احمقانہ انداز میں کاپی اُٹھا کر ناک کے قریب کر لی تھی۔

"وہی آنکھیں خدا کی قسم وہی آنکھیں، میں لاکھوں میں اِن آنکھوں کو پہچان سکتا ہوں، نور جہاں تم مجھے دھوکہ نہیں دے سکتیں، نور جہاں خدا کے لیے تم مجھے دھوکہ نہ دو، تم نہیں جانتیں میں اِن حالات میں کس قدر پریشان ہو گیا ہوں۔

"کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔" لڑکی جھلا کر کرسی سے کھڑی ہو گئی اور عالم پناہ ایک بار پھر چونک پڑے۔

"تت.....تت تو کیا تم واقعی نور جہاں نہیں ہو، ارے ہاں تمہاری آواز تمہاری آواز۔"

"میں کسی صحیح الدماغ آدمی سے گفتگو کرنا چاہتی ہوں۔" لڑکی نے ناگواری سے کہا۔

"اب میں بالکل ٹھیک ہوں براہِ کرم تشریف رکھیئے نجانے مجھے

کیا ہو گیا تھا واقعی میں احمق بن کر رہ گیا تھا۔ پلیز۔ پلیز آپ تشریف رکھیئے، یقیناً آپ ہمارے ادارے سے کوئی کام لینا چاہتی ہیں۔"

"لعنت ہے آپ کے ادارے پر، آپ نے تو میرا دماغ ہی خراب کر کے رکھ دیا نور جہاں نور جہاں کی رٹ لگا کر۔" لڑکی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"مم..... معافی چاہتا ہوں، معافی چاہتا ہوں، براہِ کرم تشریف رکھیئے۔ بیٹھ جایئے پلیز۔" عالم پناہ اب ایک دم سنبھل گئے تھے۔ انہیں احساس ہو رہا تھا کہ اِس طرح تو وہ اپنے کاروبار کا ایک دم ستیاناس مار دیں گے۔ ہر لڑکی انہیں نور جہاں نظر نہیں آنی چاہئے۔ مگر اِن آنکھوں کا کیا کرتے، دراصل انہیں آنکھوں کی صحیح پہچان نہیں تھی۔ بس انہوں نے آج تک نور جہاں کی آنکھوں کو ہی دیکھا تھا اِس کا باقی چہرہ تو برقعہ کی نقاب میں چھپا رہتا تھا اِس لئے لڑکی کی آنکھیں انہیں

اِس وقت نور جہاں کی آنکھیں محسوس ہوئی تھیں چنانچہ وہ بہک گئے تھے لیکن اب انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔

لڑکی بوریت کا شکار نظر آ رہی تھی پھر اُس نے گردن کو ہلا کر کہا۔

''میں تو آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آئی تھی۔''

''جی، جی فرمایئے۔ لیکن سنیئے پلیز میں اپنی حرکتوں کی معافی چاہتا ہوں، دیکھیئے ویسے تو انسان ہے اِسے کبھی نہ کبھی غلط فہمی ضرور ہو جاتی ہے۔ میں آپ کی آنکھوں سے دھوکہ کھا گیا تھا اگر آپ سے میری دوبارہ ملاقات ہوئی اور آپ نے مناسب سمجھا تو میں آپ کو اِس بارے میں تفصیل سے بتا دوں گا، پھر آپ مجھے بے گناہ ہی سمجھیں گی لیکن اِس وقت آپ اپنے ذہن سے وہ بات نکال ہی دیجئے۔ جب تک حماقت طاری تھی میرے ذہن پر میں فضول باتیں کرتا رہا۔ لیکن اب آپ مجھے نارمل پائیں گی۔''

''جی میں بہت پریشان ہوں۔''

''اچھا کیوں پریشان ہیں آپ اور اگر پریشان ہیں تو اپنی پریشانی بتایئے، ہمارے پاس ہر پریشانی کا حل موجود ہے۔'' عالم پناہ نے کاروباری لہجہ اختیار کرلیا جو انہوں نے کافی دنوں کی مشق کے بعد سیکھا تھا۔

''یہ آپ کے دفتر کی پشت پر جو دفتر ہے۔ میری مراد سی پی ہارون گوٹا والا سے ہے۔''

''اوہ سی پی ہارون گوٹا والا ہاں پھر۔''؟

''یہ میرے ڈیڈی ہیں۔'' لڑکی نے جواب دیا اور عالم پناہ اُچھل پڑے۔

''اوہ۔ اچھا اچھا گویا آپ ہمارے پڑوسی کی صاحبزادی ہیں۔''

''جی ہاں۔''

"خیر ٹھیک ہے تو پھر فرمایئے، ہم آپ کی کیا خدمت کر سکتے ہیں۔"

"جناب عالی مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کا یہ ادارہ جاسوسی کا ادارہ ہے۔"

"جی ہاں جی ہاں، بالکل صحیح معلوم ہوا ہے آپ کو۔"

"میرے ڈیڈی اِن دنوں کچھ پریشان ہیں۔"

"ہاں ہاں یقیناً ہوں گے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"میرا مطلب ہے آپ جو کہہ رہی ہیں تو یقیناً پریشان ہوں گے وہ۔" عالم پناہ جلدی سے بولے۔

"میں اُن کی پریشانی کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔"

"کیا مطلب۔"؟

''میرا مطلب ہے کہ آپ مجھے اِن کی پریشانی کی وجہ معلوم کر کے بتائیں، دراصل ہم چھ بہنیں ہیں، ہماری ماں ہمارے درمیان نہیں ہے، ہم سب ڈیڈی کا خیال رکھتی ہیں اوران کی پریشانی ہم برداشت نہیں کرسکتیں۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے کرنی بھی نہیں چاہئے، واہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔ چھ چھ بیٹیوں کی موجودگی میں باپ پریشان ہے توبہ توبہ۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''کیسی باتیں کررہے ہیں آپ، آپ ہمیں ہماری پریشانیوں کا کوئی حل بتائیے۔''

''جی ہاں حل حل حل۔ جی ہاں حل، مگر سنیئے بات سنیئے حل اِس طرح تو نہیں بتایا جاسکتا۔''

''میں یہی معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ حل کس طرح بتایا جاسکتا

ہے۔"

"آپ یہ کیس ہمارے ہاں رجسٹرڈ کرادیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔" لڑکی بولی اور عالم پناہ نے جلدی سے ایک فارم نکال کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ اُن کے ذہن میں مسرتیں ناچ رہی تھیں، ایک ہی کیس میں دو دفعہ فیس مل رہی تھی۔ چنانچہ یہ خوش بختی کی بات تھی۔ انہوں نے فارم لڑکی کے سامنے رکھ دیا۔ اورلڑکی قلم کھول کر فارم بھرنے لگی۔ اُس نے فارم کی فیس دوسو روپے فوراً ہی ادا کردیئے تھے۔

"اِس کے علاوہ۔" عالم پناہ گہری سانس لے کر بولے۔" آپ کو اپنے ڈیڈی کے کسی بھی مسئلہ میں ہمیں استعمال کرنے کی فیس دو ہزار روپے دینا ہوگی۔"

"دو ہزار۔" لڑکی گہری سانس لے کر بولی۔ اُس کے چہرے پہ

غور و فکر کے آثار تھے پھر اُس نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ٹھیک ہے وہ میں آپ کو ادا کر دوں گی۔“

”کب تک۔“؟ عالم پناہ نے پوچھا۔

”جب آپ کہیں گے۔“

”اچھا خیر یہ تو مسئلہ طے ہوا، اب آپ یہ فرمایئے کہ آپ کے ڈیڈی کو پریشانی کیا ہے۔“

”بس وہ اِن دنوں بہت اُلجھے اُلجھے نظر آتے ہیں، دو دن قبل ایک فون انہیں ملا تھا اِس کے بعد سے اُن کی حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ راتوں کو سونا بھی چھوڑ دیا ہے انہوں نے۔“

”ہوں۔“ عالم پناہ نے گردن ہلائی۔ ”ٹھیک ہے مس نادرہ آپ کا کوئی ٹیلی فون نمبر ہے گھر کا۔“؟

”جی ہاں، یہ موجود ہے۔“ نادرہ نے کہا۔ اور ایک کارڈ نکال کر

جو اُس باپ کے نام کا تھا عالم پناہ کے سامنے رکھ دیا۔

""بہت بہتر مس نادرہ، بہت جلد ہم اِس مسئلے کا کوئی حل تلاش کر لیں گے اور آپ کو یہ بتائیں گے کہ آپ کے ڈیڈی کیوں پریشان ہیں پھر اس پریشانی کو دور کرنے میں بھی آپ ہماری خدمات حاصل کر سکتی ہیں۔"

""میں یہ چاہتی ہوں کہ ڈیڈی ہر اُلجھن سے نکل جائیں اور کوئی پریشانی اُن پر نہ رہے۔"

""ایسا ہی ہوگا۔ ایسا ہی ہوگا۔ ہماری موجودگی میں بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کے ڈیڈی پریشان رہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

""تو پھر کب تک میں آپ کے فون کی اُمید رکھوں۔"

""بہت جلد، بہت جلد، ہم فوری طور پر یہ معلومات حاصل کر کے آپ کو اطلاع دیں گے کہ آپ کے ڈیڈی کیوں پریشان ہیں لیکن

ایک بات کا آپ خیال رکھیں مس نادرہ۔''

''جی جی فرمایئے۔''

''مکمل رازداری شرط ہے۔آپ ہمارے ادارے اور اپنے درمیان ہونے والے معاملات کو اپنے ڈیڈی اور اپنی بہنوں تک سے خفیہ رکھیں گی۔'' عالم پناہ میں نجانے کہاں سے یہ چالاکی آ گئی تھی۔

''آپ بالکل مطمئن رہئیے ،ایسا ہی ہوگا۔'' نادرہ بولی اور عالم پناہ نے مطمئن انداز میں گردن ہلا دی۔چند لمحات کے بعد وہ اُٹھ گئی۔ چلتے چلتے پھر اُس نے پوچھا۔

''تو میں کب تک اُمید رکھوں آپ سے ۔اِس بات کی کہ آپ مجھے ڈیڈی کی پریشانی کے بارے میں معلوم کر کے بتائیں گے۔''

''میرا خیال ہے کہ آج شام تک یا زیادہ سے زیادہ کل صبح تک۔''

عالم پناہ نے کہا۔اور نادرہ اُن کا شکریہ ادا کر کے باہر نکل گئی۔عالم پناہ

کے ہونٹوں پر ایک مسرور مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ اگر اسی طرح کاروبار جاری رہا تو پھر تو لطف آ جائے گا۔

"چار ہزار چار سو چالیس روپے واہ واہ کیا بات ہے۔" چند ہی روز کے اندر یہ بزنس ہوا ہے اور وہ بھی ایک ہی پارٹی سے اب نادرہ ہارون گوٹا والا کو اِس بارے میں بتائے گی اور نہ ہارون گوٹا والا اپنی بیٹیوں سے اِس سلسلے میں رابطہ قائم کریں گے اور آصف ویری گڈ ویری گڈ۔ صفدر بھائی تمہارا ابھی جواب نہیں، کیا کاروبار شروع کرایا ہے اور جناب پھوپھا میاں اب آپ سمجھتے رہیں ہم لوگوں کو ناکارہ، کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم تو اپنے کاروبار کو چار چاند لگا کر دکھا دیں گے، عالم بناہ مسرت سے دیوانے ہوئے جا رہے تھے۔

جوشی نے سہیل کے بتائے ہوئے نمبر ڈائل کئے اور ریسیور کان

سے لگالیا لیکن دوسری طرف سے ایک عجیب وغریب آواز سن کر اُس کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ دوسری طرف سے بڑی بھونڈی آواز میں ہیلو کہا گیا۔

"کون بول رہا ہے۔"؟ جوشی متحیرانہ انداز میں بولا۔

"آپ کو کس سے بات کرنی ہے۔" وہ بھونڈی آواز سنائی دی۔

"نصیبو سے۔" جوشی نے جواب دیا۔

"میں نصیبو کی ممانی بول رہی ہوں۔" دوسری طرف سے وہی مردانہ آواز سنائی دی۔ اور ایک قہقہہ جوشی کے کانوں میں اُبھرا۔ انداز ہیجڑوں کا سا تھا۔ جوشی تعجب سے ریسیور کو گھورنے لگا اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ یہ کیا چکر ہے۔ وہ بھول کر بھی نہیں سوچ سکتا تھا کہ نصیبو نے اُسے غلط نمبر دیا ہوگا۔ پھر اُس نے بھاری لہجے میں کہا۔

"میں ایک پولیس افسر بول رہا ہوں اگر یہ نمبر غلط ہے تو مجھے بتاؤ

یہ فضول انداز کیوں اختیار کیا ہے تم نے۔"

"ابھی لو بھولے سائیں۔ابھی لو۔آرہے ہیں۔نصیبو بھیا۔"

اُسی لہجے میں کہا گیا اور چند لمحات کے بعد جوشی کو سہیل کی آواز سنائی

دی۔"ہیلو مسٹر جوشی بول رہے ہیں۔"

"ہاں سہیل یہ کون سی جگہ ہے جہاں کا تم نے مجھے نمبر دیا ہے۔"

جوشی نے اُلجھے ہوئے انداز میں کہا۔

"اِس کی فکر نہ کرو مسٹر جوشی اس جگہ کے بارے میں بھی تمہیں

معلوم ہو ہی جائے گا۔کہو کوئی خاص بات ہے۔"

"ہاں سہیل میں مسٹر کانجی والا سے ملا تھا۔"جوشی نے کہا۔

"اوہ۔کوئی کامیابی ہوئی۔"؟سہیل نے سوال کیا۔

"نہیں،سیٹھ کانجی والا اِس سلسلے میں خاصا سخت نظر آتا ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟سہیل نے پوچھا۔

''میں نے اُسے ہر طرح سے ٹٹولنے کی کوشش کی ،وہ کسی مسٹر ڈائیز سے شناسائی کا اظہار کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔میں نے اُسے تفصیلات بتائیں تو کہنے لگا کہ ممکن ہے کسی غیر ملکی دوست نے اِس نام کے کسی شخص کو مدعو کیا ہو اور مجھ سے ملا دیا ہو میں براہِ راست اِس سے واقف نہیں ہوں،بہر طور میرے اور اُس کے درمیان خاصی تلخ گفتگو ہوگئی ہے۔کانجی والا کسی طرح اِس بات پر آمادہ نہیں ہے کہ وہ کسی مسٹر ڈائیز کا پتہ بتائے۔''

''گویا گھی سیدھی انگلیوں سے نہیں نکلے گا۔'' سہیل کی آواز میں غراہٹ تھی۔

''ہاں یہی لگتا ہے سہیل ،وہ آسانی سے کچھ بتانے پر تیار نہیں ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے مسٹر جوشی تمہارا کام ختم اب تم آرام کرو۔لیکن اِس

سلسلے میں کوئی بھی خاص بات ہو تو مجھے مطلع کر دینا۔ سمجھ رہے ہو میری بات۔"

"ہاں سہیل سمجھ رہا ہوں اور تھوڑا سا پریشان بھی ہوں۔" جوشی نے کہا۔

"کیوں، پریشان کیوں ہو۔"؟

"میرا مقصد ہے کانجی والا سے جو گفتگو ہوئی ہے وہ خاصی تلخ ہے اگر بات اعلیٰ افسران تک پہنچ گئی تو میرے لئے مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔"

"جب کوئی ایسی مشکل پیش آجائے مسٹر جوشی جو تمہارے لئے ناگزیر ہو تو مجھ سے رابطہ قائم کر لینا۔" سہیل نے کہا اور پھر ٹیلی فون بند کر دیا۔ جوشی گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا تھا۔ وہ سہیل کی بات کے وزن پر غور کر رہا تھا۔ اُس نے محسوس کیا کہ سہیل نے جو کچھ

کہا ہے ٹھیک ہی کہا ہے۔اُس کی اپنی شخصیت بلاشبہ ایسی ہے کہ وہ اُلجھے ہوئے معاملات کو سنبھال لے۔بہر طور خود جوشی کی جان فی الوقت چھوٹ گئی تھی۔ہاں اگر ڈائیر اُسے اِس سلسلے میں پریشان کرے تو پھر وہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ حالات کہاں تک پہنچیں۔ویسے ڈائیر اُسے جو کچھ دے چکا تھا۔اُس کا کوئی ثبوت نہیں تھا البتہ آئندہ ڈائیر سے کچھ لینے میں مکمل طور پر احتیاط کی جائے۔ظاہر ہے کھیل ہی بدل گیا تھا۔نصیبو کو قابو میں کرنا جوشی کے بس کی بات نہیں تھی۔شام کے تقریباً سات بجے تھے کہ اُسے ایک ٹیلی فون موصول ہوا۔گھر پر تھا اور اپنے بال بچوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا وہ اُٹھ کر ٹیلی فون کے کمرے میں آ گیا اور ریسیور اُٹھا کر کان سے لگا لیا۔

''مسٹر جوشی۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور جوشی ڈائیر کی آواز کو پہچان گیا۔''ہیلو مسٹر ڈائیر۔'' اس نے کہا۔

''خوب تم مجھے پہچان گئے جوشی۔''

''جی ہاں مسٹر ڈائیر۔ آپ کی آواز تو میں ہزاروں میں پہچان لوں گا۔''

''شکریہ اس عزت افزائی کا لیکن آپ وعدہ خلافی کیوں کر رہے ہیں مسٹر جوشی۔''؟

''میں سمجھا نہیں...... مسٹر ڈائیر۔''

''حالانکہ ایسی بات نہیں آپ کو فوراً سمجھ لینا چاہیئے ہمارے اور آپ کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا تھا۔''

''اس سلسلے میں ٹیلی فون پر کیا گفتگو ہو سکتی ہے مسٹر ڈائیر۔'' جوشی بولا۔''........کیا مطلب........''؟ مطلب یہ کہ گفتگو آپ ریکارڈ بھی کر سکتے ہیں اس لئے بہتر یہ ہوگا کہ آپ براہِ راست بات کریں۔''

''اتنا محتاط ہونے کی ضرورت نہیں، میں آپ جیسے چھوٹے افسران کو اہمیت نہیں دیتا آپ غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔''

''ممکن ہے ایسا ہی ہو چھوٹا پولیس افسر کہنے کا اتنا بُرا نہیں مانوں گا کیونکہ ہوں ہی چھوٹا سا آدمی۔''

''جوشی میں بہت سخت آدمی ہوں وعدہ خلاف لوگوں کو ہرگز معاف نہیں کرتا، تم نے جس کام کی ذمہ داری قبول کی ہے اسے انجام دو، اس کے لیے تم مجھ سے رقم لے چکے ہو۔''

''شاید تمہارا دماغ خراب ہے میں تم سے کہہ چکا ہوں کہ فون پر کوئی گفتگو نہیں کروں گا.....'' جوشی نے کہا۔

''اچھا تو پھر ٹھیک ہے میں خود ہی تم سے رابطہ قائم کرلوں گا کہیں نہ کہیں۔۔۔'' دوسری طرف سے کہا گیا اور ٹیلی فون بند کردیا گیا۔

جوشی ایک بار پھر پریشان ہوگیا تھا اسے احساس ہورہا تھا کہ وہ دو

خطرناک دشمنوں کے درمیان پھنس گیا ہے کیا کرنا چاہئے کس طرح ان کے چنگل سے نکلا جائے صورتِ حال بہت خراب ہوگئی تھی اور وہ خطرہ محسوس کر رہا تھا۔ اگر ڈائیر کے لئے کچھ کرنے کی سوچتا تو نصیبو ٹیڑھی کھیر تھا اور نصیبو کے حق میں کام کرتا تو ڈائیر کی شخصیت واضح نہیں تھی چند لمحات کے لئے اس نے سوچا آفس سے چھٹی لے کر خاموشی سے کہیں نکل جائے لیکن یہ صورتِ حال بھی مناسب نہیں تھی کافی پریشان ہوگیا تھا وہ اسی پریشانی کے عالم میں اسے نصیبو کے الفاظ یاد آئے اور ایک بار پھر اس نے سہیل کے نمبر ڈائل کئے لیکن دوسری طرف سے رابطہ قائم نہ ہوسکا تھا اس نے ٹیلی فون ڈائریکٹری دیکھ کر نواب عزیز الدین خان کے نمبر بھی ڈائل کئے وہاں بھی سہیل موجود نہ تھا، مجبور ہو کر اس نے ریسیور رکھ دیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگا۔

کانجی والا کافی فکر مند تھا۔ گولیور کی شخصیت سے وہ اچھی طرح واقف تھا طویل عرصے بعد وہ گولیور کے جال پھنسا تھا لیکن آج تک اس کی جان سولی پر لٹکی ہوئی تھی اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ گولیور کے خلاف کیا کرے مجبوریاں اسے گولیور کا غلام بنائے ہوئے تھیں کسی پولیس افسر سے دشمنی لینا آسان کام نہیں تھا ہر چند کہ کانجی والا کے تعلقات اعلیٰ پولیس افسران سے تھے اور اگر وہ چاہتا تو ان پولیس افسران کے ذریعے جوشی جیسے لوگوں کو کم از کم اپنے خلاف کام نہ کرنے پر مجبور کر سکتا تھا۔ لیکن بہر طور گولیور کا معاملہ اس کے لئے الجھا ہوا تھا پورا دن گزر گیا رات کو بھی آرام سے نہ سو سکا دوسرے دن جب وہ حسب معمول اپنے کام میں مصروف تھا کہ تقریباً اسے ڈھائی بجے ایک ٹیلی فون موصول ہوا، آپریٹر نے اسے اس کی اطلاع دی تھی باہر

سے اہم کال تھی۔

"ہیلو کانجی والا بول رہا ہے۔"

"ہاں بھئی کانجی والا میں سیٹھ ظفر بول رہا ہوں، ظفر پہچان گئے نا......"

"ہاں سیٹھ ظفر خیریت تو ہے، کہاں سے بول رہے ہو......"

"ارے بھئی بہت ضروری کام ہے شام کو تم سے ملنا ہے، کہاں ملو گے۔"

"آپ کہیں باہر سے بول رہے ہیں سیٹھ ظفر۔" کانجی والا نے پوچھا۔

"ہاں ابھی اس کے بارے میں سوالات مت کرو بہت بڑا لفڑا پڑ گیا ہے میں شام کو پانچ بجے تک پہنچ جاؤں گا پانچ بجے کے بعد کہاں ملو گے یہ بتاؤ......؟"

"جہاں آپ کہیں سیٹھ ظفر۔" کانجی والا نے کہا۔

"نئیں بابا اپن لوگ گھر پر نہیں ملے گا، خفیہ جگہ ملنے کا ہے خفیہ، تم ایسا کرو ساحلِ سمندر پر کوٹھی نمبر بارہ میں آ جاؤ وہ اپنی ہی کوٹھی ہے ضروری کام ہے تم سے لاکھوں روپے کا معاملہ ہے۔ سمجھ گیا۔" سیٹھ ظفر نے کہا۔

"سمجھ گیا۔ سیٹھ ظفر میں پہنچ جاؤں گا۔"

"کس وقت پہنچو گے۔"؟

"جس وقت آپ کہیں گے......" کانجی والا نے کہا۔

"ٹھیک ہے سات بجے پہنچ جاؤ میں تمہارا انتظار کروں گا کوٹھی نمبر بارہ یاد رہے گی نا۔"؟

"یاد رہے گی سیٹھ ظفر۔" کانجی والا نے جواب دیا اور دوسری طرف سے ٹیلی فون بند ہو گیا، سیٹھ ظفر کانجی والا کا بعض معاملات میں

پارٹنر تھا دونوں نے بہت سے شیئرز خریدے ہوئے تھے اکثر باہر
دورے پر رہتا تھا اور کانجی والا کے لئے ایک مفید آدمی ثابت ہوا تھا،
تھوڑی دیر کے لئے کانجی والا اپنی ذہنی پریشانیاں بھول گیا اور سیٹھ ظفر
کے بارے میں سوچنے لگا۔ سیٹھ ظفر کچھ ایسے کاروبار بھی کر لیتا تھا
جو حکومت کی نگاہ میں جرم تصور کئے جاتے تھے لیکن چالاک آدمی تھا
کہ ابھی تک کسی مسئلہ میں نہیں پھنسا تھا اور اس کی وجہ سے کانجی والا کو
لاکھوں روپے کا فائدہ ہو چکا تھا چنانچہ وہ اس وقت بھی اسے نظر انداز
نہ کر سکا شام کو پانچ بجے وہ دفتر سے اُٹھ کر گھر پہنچا پونے چھ بجے گھر
سے نکل آیا عام لباس میں تھا عام سی گاڑی اس نے لی تھی تاکہ لوگ
اس کی طرف متوجہ نہ ہوں پھر وہ پرسکون انداز میں پر ہجوم سڑکوں کو
طے کرتا ہوا سمندر کی جانب چل دیا ساحلِ سمندر سے کچھ فاصلے پر
ایک خوبصورت آبادی تھی اس آبادی میں سیٹھ ظفر نے اسے بلایا تھا

جس وقت وہ سمندر کی اس ساحلی آبادی میں داخل ہوا تو سات بجنے میں صرف پانچ منٹ باقی تھے وہ سست روی سے گاڑی چلاتا ہوا بالآخر کوٹھی نمبر بارہ میں پہنچ گیا خوبصورت کوٹھی درختوں سے ڈھکی ہوئی تھی ،اور بالکل سنسان نظر آتی تھی البتہ گیٹ کے باہر ایک چوکیدار ضرور کھڑا ہوا تھا، کانجی والا نے گاڑی گیٹ کے قریب روک دی اور چوکیدار اس کے پاس پہنچ گیا۔

''جی صاحب کس سے ملنا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''سیٹھ ظفر سے کہو کانجی والا آگیا ہے۔'' کانجی والا نے آہستہ سے کہا۔

''سیٹھ صاحب آپ کا انتظار کرتا پڑا ہے آپ گاڑی ادھر ہی چھوڑو اور میرے ساتھ اندر آجاؤ۔'' چوکیدار نے کہا اور کانجی والا نے گردن ہلادی۔ اس نے گاڑی سائڈ کر کے انجن بند کر دیا، نیچے اُتر

کر دروازے لاک کئے اور پھر چوکیدار کے ساتھ گیٹ کے اندر داخل ہو گیا۔ چوکیدار ادب سے اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا ابھی کانجی والا نے دو ہی قدم بڑھائے تھے کہ چوکیدار کا چوڑا ہاتھ اس کی گردن پر پڑا اور پھر کلوروفارم کی بُو کانجی والا کے پھیپھڑوں میں اُترنے لگی چند ہی لمحات کے بعد وہ بے ہوش ہو گیا۔

سی پی ہارون گوٹا والا کی حالت واقعی خراب ہو گئی تھی چار پانچ ٹیلی فون مل چکے تھے اسے اور جو کوئی ٹیلی فون پر بات کرتا تھا آواز ہی سے کوئی خطرناک آدمی معلوم ہوتا تھا ہارون ابھی تک انتظار کر رہا تھا جاسوسوں کی کارکردگی کا جنہیں وہ ایک ہزار روپے ادا کر چکا تھا اور دو سو بیس روپے فیس رجسٹریشن کی دی تھی۔ ابھی تک تو ان کی طرف سے کوئی کاروائی نہیں ہوئی تھی اور دھمکیاں برابر جاری تھیں لیکن اس

وقت جو فون اسے موصول ہوا اس نے سیٹھ ہارون گوٹا والا کے چھکے چھڑا دیئے اب فون کی گھنٹی کی آواز ہی اسے خوفزدہ کر دیتی تھی اس وقت بھی گھنٹی کی آواز اُبھری تو ہارون گوٹا والا نے بڑی مشکل سے ریسیور اُٹھایا اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

''گو......گوٹا والا۔''

''میں تمہارا دوست بول رہا ہوں گوٹا والا۔'' دوسری طرف سے وہی خوفناک آواز سنائی دی۔

''ارے بابا اب کیا بولتا پڑا اب کیا بات ہے، کائے کو اب تم ہماری جان کو کھاتا ہے، کیا کرے بولو کیا کرے......اپن تو تنگ آگیا ہے بابا۔''

''ہارون گوٹا والا تم اچھی طرح سمجھ چکے ہو کہ میں کون ہوں میں اب تک صرف تمہیں ہوشیار ہی کرتا رہا ہوں اور اب سنو پانچ لاکھ

روپے کی رقم تیار کرلو......یہ رقم بارہ گھنٹے کے اندر اندر مجھے مل جانی چاہئے ورنہ میں تمہیں تمہارے اسی دفتر کے اندر قتل کردوں گا۔ سمجھے تم......بارہ گھنٹے کے اندر اندر یہ رقم مجھے پرانے گیسٹ ہاؤس کے برآمدے میں پہنچادی جائے......اگر تم نے بھول کر بھی پولیس کو ٹیلی فون کیا تو سمجھ لو میرے آدمی پورے ہیڈ آفس میں پھیلے ہوئے ہیں......مجھے یقیناً سب کچھ وہاں سے معلوم ہو جائے گا تم خاموشی سے پانچ لاکھ روپے لے کر وہاں پہنچ جاؤ۔“

ہارون گوٹا والا کی جان ہی نکل گئی تھی اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”پانچ لاکھ، تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے بابا پانچ لاکھ تو اپن نے پوری زندگی میں نہیں کمائے، تم اپن کو قتل کردو یا جو دل چاہے کرو پانچ لاکھ تمہیں کبھی نہیں ملیں گے......کبھی نہیں......“

دوسری طرف ایک ہلکے سے قہقہے کے ساتھ ریسیور رکھ دیا گیا تھا لیکن ہارون گوٹا والا کی حالت دیکھنے والی تھی چند ہی لمحات کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھا اور آندھی اور طوفان کی طرح اس دفتر کی طرف چل دیا جہاں وہ دونوں جاسوس بیٹھے تھے۔

دونوں ہی موجود تھے ہارون گوٹا والا کو دیکھ کر دونوں کے چہروں پر خیر مقدمی مسکراہٹ پھیل گئی......عالم پناہ نے کہا۔

"آیئے......آیئے ہارون گوٹا والا کہیئے کیسے قدم رنجہ فرمایا...... بڑی مسرت ہوئی آپ کو دیکھ کر۔"

"ارے بابا تم کو مسرت ہوئی اور ہماری جان جارہی ہے کچھ کرایا نہیں ہمارے لئے۔"

"ابھی تک کچھ نہیں کیا۔"

"اور وہ......وہ ہم سے پانچ لاکھ روپیہ مانگ رہا ہے۔" ہارون

گوٹا والا نے کراہتی ہوئی آواز میں کہا۔

"پانچ لاکھ روپے۔۔۔!"

"ہاں پانچ لاکھ۔ بابا اپن یہ دفتر بیچ دے اپنا گھر بیچ دے تب بھی پانچ لاکھ روپے نہیں کما سکتا کدھر سے دے اس کو پانچ لاکھ، اس نے بولا اگر پانچ لاکھ روپے اس کو نہیں ملا تو وہ اپن کو قتل کر دے گا۔" گوٹا والا نے ڈوبتی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہوں ...... گوٹا والا اگر یہ بات ہے تو یوں سمجھو کہ اب ہمارا اصل کام شروع ہو گیا۔"

"تمہارا اصل کام شروع ہوا اور اپنا کام خلاص ہو گیا، ابی بولو کیا کرے ہم...... تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا ہمارے لئے......" سیٹھ ہارون گوٹا والا نے جھلا کر کہا۔

"سیٹھ گوٹا والا فکر کیوں کرتے ہیں آپ۔" عالم پناہ مطمئن لہجے

میں بولے۔ ''میں آپ سے کہہ چکا ہوں کہ آپ کو اس خطرناک آدمی سے نجات دلا دوں گا...... ابھی ہم انتظار کر رہے تھے اس بات کا کہ وہ کوئی ایسا قدم اُٹھائے جو اس نے اب اٹھایا ہے، اب آپ مطمئن رہیں...... کس وقت پہنچنا ہے آپ کو پرانے گیسٹ ہاؤس۔''

''ارے تو کیا ہم اپنی ماں کا جنازہ لے کر پہنچے گا، کیا کرے گا ادھر جا کر پانچ لاکھ روپیہ کدھر ہے۔'' سیٹھ گوٹا والا غصے سے بولا۔

''واہ ہارون گوٹا والا آپ اتنی سی بات کرتے ہیں یہ کام اب آپ کا نہیں ہے، رقم جہاں سے مہیا ہوگی وہ بھی ہم آپ کو بتا دیں گے بس یوں سمجھیں کہ اب آخری وقت ہے آپ کے دشمن کا۔''

''تو کیا تم اسے قتل کر دے گا بابا''؟ گوٹا والا نے پوچھا۔

''نہیں...... ہم قتل و غارت گری نہیں کرتے سیٹھ گوٹا والا، بس ہم اسے مجبور کر دیں گے کہ وہ آپ سے معافی مانگے اور آئندہ آپ کی

طرف رُخ نہ کرے۔"

"اپنی سمجھ میں نہیں آتا بابا کہ اسے کیسے مجبور کرلے گا، بہر حال
اپن کو بولوائی اپن کیا کرے۔"

"بارہ گھنٹے کا وقت دیا ہے نا اس نے۔" شیکی نے پوچھا..... "ہاں
بارہ گھنٹے کا۔"

"تو یوں کرو گوٹا والا آپ دو گھنٹے کے بعد ہمارے پاس
آجائیں..... ہم آپ کو آخری بات بتا دیں گے۔"

"دو گھنٹے تو ابھی اپن، پر صاحب کچھ کرو خدا کے لئے کچھ کرو۔"

"آپ بالکل فکر نہ کریں گوٹا والا، ہم سب ٹھیک کرلیں گے۔"

عالم پناہ نے کہا اور گوٹا والا گردن ہلانے لگا۔ پھر بولا "...... دیکھو بابا
اپن تم سے دو ہزار کی بات کیا پر اپن تین ہزار دینے کو تیار ہے، ابی
ایک ہزار تمہارے کو دیا، دو ہزار اور دیں گا، پر اپن کی جان بچا دو.....

اگر ایسا نہیں ہوا تو اپن بے موت مارا جائے گا، اپن کے پاس پانچ لاکھ نام کا تو کوئی چیز ہے نہیں پر ابی تم ہماری جان بچاؤ، دعائیں الگ دے گا تمہیں۔"

"فکر مت کرو گوٹا والا۔ دو گھنٹے کے بعد ملاقات کرلو، سب ٹھیک ہو جائے گا۔" عالم پناہ نے کہا اور گوٹا والا انہیں سلام کر کے چلا گیا۔ شکی اور عالم پناہ ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے تھے۔ پھر شکی بولا۔

"اب کیا کریں جہانگیر بھائی۔"

"اسی سربراہ کو فون کرو، دیکھو وہ اب کیا گل کھلاتا ہے۔" عالم پناہ بولے اور شکی نے گردن ہلا دی۔ چند لمحات کے بعد وہ صفدر کے نمبر ڈائل کر رہا تھا۔

"دوسری طرف سے صائمہ نے ریسیور اٹھایا تھا، جہانگیر کی آواز سن کر وہ مسکرا پڑی۔

''کیا بات ہے جہانگیر بھائی۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''مم.....میں مسٹر صفدر۔۔۔صفدر۔''

''کوئی خاص بات ہے۔''؟

''ہاں.....کیا بات ہے مجھے بھی تو بتائیں۔''

''اس وقت بتانا تمہیں مناسب نہیں ہے، براہِ کرم صفدر بھائی کو بلا دو......اچھا انتظار کریں آپ۔'' صائمہ نے کہا اور چند لمحات کے بعد صفدر کی آواز سنائی دی۔

''کیا بات ہے عالم پناہ۔''؟

''صفدر بھائی صورتِ حال اچانک بگڑ گئی ہے۔''

''کیا ہو گیا۔''؟ صفدر نے پوچھا اور عالم پناہ اسے تفصیل بتانے لگے، چند لمحات خاموش رہنے کے بعد صفدر بولا۔

''ٹھیک ہے میں دفتر پہنچ رہا ہوں سارے انتظامات کر کے آؤں

گا، آپ کو بے فکر رہنا چاہیے۔" کیا واقعی صفدر بھائی۔"

"ہاں بھئی جب یہ ذمہ داری قبول کرلی ہے تو پھر سب کچھ کرنا پڑے گا۔ بہت بہت شکریہ میں انتظار کر رہا ہوں۔" عالم پناہ نے کہا اور فون بند کردیا۔ ایک گھنٹے کے بعد صفدر پہنچ گیا تھا اس کے ہاتھ میں ایک بریف کیس دبا ہوا تھا، اس نے بریف کیس عالم پناہ کے سامنے رکھ دیا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے انہیں دیکھا۔

"اس میں کیا ہے۔"؟ عالم پناہ نے پوچھا۔

"پانچ لاکھ روپے۔۔۔"

"کک کیا۔۔۔"؟ شیکی حیرت سے بولا۔ "مگر آپ یہ کہاں سے لائے صفدر بھائی۔" اس نے حیرت سے کہا۔

"فضول باتوں سے پرہیز کرو۔ اور غور سے میری تجویز سنو۔ پرانے گیسٹ ہاؤس کا پتہ معلوم ہے تمہیں۔ میں نے ایک پروگرام

ترتیب دیا ہے۔'' صفدر انہیں تفصیل بتانے لگا۔

☆

سیٹھ کانجی والا کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی دیر بے ہوش رہے، بہر حال ہوش آیا تو وہ ایک خوبصورت کمرے میں مسہری پر دراز تھے۔ کچھ دیر تو ان کے چہرے پر گردش چھائی رہی اور پھر واقعات یاد آنے پر وہ اچھل پڑے۔ ان کی آنکھوں میں خوف کے آثار تھے۔ دوسرے لمحے وہ مسہری سے نیچے اُتر آئے۔

فرش پر نرم اور موٹا قالین بچھا ہوا تھا۔ دیواروں پر خوبصورت تصاویر آویزاں تھیں۔ چھت پر فانوس لٹکا ہوا تھا۔ لیکن وہ ان تمام چیزوں کو نظر انداز کر کے دروازے کی طرف لپکے۔ اور۔۔۔ ان کا اندازہ درست ہی تھا۔ دروازہ باہر سے بند تھا۔

''دروازہ کھولو۔۔۔ دروازہ کھولو۔۔۔'' وہ زور زور سے دروازہ

پیٹنے لگے۔اور چند لمحات کے بعد دروازہ کھل گیا۔ایک عجیب وغریب شکل نے اندر جھانکا۔سیٹھ کانجی والا ایک دم پیچھے ہٹ گئے۔انہیں ایسی کسی شکل کی توقع نہیں تھی۔وہ زنانہ لباس میں ملبوس تھا عجیب بھونڈی سی شکل کا مرد۔سیٹھ کانجی والا کو دیکھ کر اس نے انگلیاں مروڑیں۔

''ہائے میں مر جاؤں چھنال۔کیسی سج رہی ہے۔''اس کی آواز اُبھری مخاطب سیٹھ کانجی والا ہی تھے۔

''کک۔کون ہو تم۔۔۔''وہ بوکھلائی آواز میں بولے۔

''شہزادی کہتے ہیں بندی کو۔ویسے تمہارا نام بھی ہمیں معلوم ہے۔''وہ لچکتا ہوا اندر گھس آیا۔سیٹھ کانجی والا کا سانس پھولنے لگا تھا۔اس عجیب وغریب مخلوق کے ملنے کی توقع نہیں تھی انہیں۔اور پھر حالات کو یاد کر کے بھی بُری طرح نروس ہوئے جا رہے تھے۔یہ

کون سی جگہ ہے اور۔اس ہیجڑے کی یہاں موجودگی کیا معنی رکھتی ہے۔

"آؤ۔منہ ہاتھ دھو لو۔کچھ کھا پی لو۔بھوکی ہوگی۔آ جاؤ۔" شہزادی نے کہا۔

"کون ہوتم۔کون ہو یہاں کیوں آ گئے۔" کانجی والا نے بڑی مشکل سے پوچھا۔

"آئے ہائے۔پردہ نشین بولو۔یہاں کیوں آ گئے۔ہم کوئی مردوے ہیں۔اے چلو استاد جی نے ہماری ڈیوٹی تمہارے اوپر ہی لگائی ہے،چلو کپڑے بدلو۔پھر ریاض کرنا ہے۔"

"کیا کرنا ہے۔"

"ریاض۔۔۔اری بن کیوں رہی ہے انارکلی۔جیسے کچھ جانتی ہی نہیں۔" ہیجڑے نے سیٹھ کانجی والا کا نام بھی رکھ لیا اور کانجی والا کے

ہوش بالکل غائب ہو گئے۔

''کک کیا بک رہے ہو۔ دماغ خراب ہو گیا ہے تمہارا۔ یہ کون سی جگہ ہے میں کہاں ہوں۔''

''شیش محل میں۔ ابھی شہزادہ سلیم آئیں گے اور تمہیں بغیر نکاح کے لے جائیں گے۔ ائی چل رہی ہے کہ لگاؤں ایک دھموکڑا۔'' ہیجڑا آگے بڑھا۔ سیٹھ کانجی والا بوکھلا کر پیچھے ہٹ گیا۔

''میں کہتا ہوں۔ میں کہتا ہوں۔''

''کہتی رہو جہنم میں جاؤ۔ جب کہہ کہہ کر خاموش ہو جاؤ گی تو میں آ جاؤں گی۔'' ہیجڑے نے ناک چڑھا کر کہا اور اسی طرح کمر لچکاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

کانجی والا کے بدن سے پسینے چھوٹ رہے تھے۔ عقل کھوپڑی سے کئی فٹ کی بلندی پر ناچ رہی تھی۔ یہ سب کیا ہے۔ وہ کوٹھی میں

گیا تھا جو سمندر کے کنارے پر تھی اور۔چوکیدار نے۔۔۔ چوکیدار نے۔۔۔اوہ تو وہ فون۔وہ سب کچھ فراڈ تھا۔لیکن کس نے کیا یہ فراڈ۔۔۔گولیور نے۔لیکن گولیور۔؟

یہ بات ذہن میں نہیں بیٹھ رہی تھی۔تو پھر۔تو پھر۔یہ سب کچھ۔ یہ سب کچھ۔ہیجرا نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔دروازہ کھلا ہوا تھا۔اس بار اسے بند نہیں کیا گیا تھا۔نہ جانے کیا ذہن میں آیا کہ سیٹھ کانجی والا کھلے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔اس نے باہر جھانک کر دیکھا۔چوڑی راہداری سامنے تھی۔سامنے ہی ایک دروازہ نظر آرہا تھا جس پر ٹوائیلٹ لکھا ہوا تھا۔کانجی والا نے راہداری میں دونوں طرف دیکھا۔راہداری خاموش تھی۔کوئی نہیں نظر آرہا تھا۔لیکن ابھی اسے چند لمحات ہی گزرے تھے کہ عقب سے قدموں کی آواز سنائی دی۔ کانجی والا کو اور تو کچھ نہ سوجھا اس نے جلدی سے ٹوائیلٹ کا دروازہ

کھولا اور غڑاپ سے اندر داخل ہو گیا۔

ٹوائیلٹ میں ایک ٹیوب روشن تھی۔ سامنے ہی بڑا سا آئینہ لگا ہوا تھا اور آئینے میں کسی کا عکس دیکھ کر وہ دم بخود رہ گیا۔۔۔ اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔

خدا کی پناہ۔۔۔ یہ تو۔۔۔ یہ تو میں ہی ہوں۔۔۔ یہ تو آہ۔۔۔ یہ تو میں ہی ہوں اس نے سوچا۔۔۔ آئینے میں اسے اپنا جو روپ نظر آیا اسے اور کوئی دیکھ لیتا تو پھر کانجی والا کے لئے خودکشی کے علاوہ اور کوئی چارہ کار نہیں رہ جاتا تھا۔ نارنجی رنگ کا بلاؤز گہرا سبز پینٹ کوٹ اس کے بدن پر تھا۔ چہرے پر گہرا میک اپ تھا۔ کلین شیو کر دیا گیا تھا جب کہ اس کے بالائی لب پر مونچھیں تھیں۔ لیکن اب ان مونچھوں کا نام ونشان نہیں تھا۔ سر پہ نقلی بالوں کی وگ لگا دی گئی تھی۔ اس طرح بے ہوش وحواس تھا وہ کہ ابھی تک ان تبدیلیوں کا اندازہ بھی نہیں لگا

سکا تھا۔

اب جو آئینے میں خود کو دیکھا تو دل و دماغ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا۔ وہ ہوا تھا جس کا تصور بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے آئینے میں خود کو گھورتا رہا۔ اسی وقت باہر سے آواز آئی۔

''انارکلی۔۔۔او انارکلی۔۔۔اری اب اندر ہی گھسی رہے گی باہر نکل آ اللہ ماری۔ تو نے ناک میں دم کر دیا سب کا۔ انارکلی۔ اری او۔''

وہ لوگ ٹوائیلٹ تک پہنچ گئے۔ کانجی والا کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا آئینے میں خود کو دیکھ کر تو وہ پاگل ہو گیا تھا۔ لیکن بے بسی کا شدید احساس اس کے رگ و پے میں دوڑ رہا تھا۔ ان حالات میں۔ اس حلیئے میں تو کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا تھا، لیکن یہ سب۔۔۔

''اے انارکلی۔۔۔'' اس بار دوسری آواز سنائی دی اور کانجی والا کے لئے اس کے علاوہ چارہ کار نہ رہا کہ وہ باہر نکل آئے۔ نہ جانے

کس طرح وہ باہر نکلا تھا۔

"نہائے گی کیا۔۔۔" سوال کیا گیا۔ کانجی والا دہشت زدہ نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اب ان کی تعداد چار تھی۔ ان میں ایک وہ تھا جو سب سے پہلے کانجی والا کو نظر آیا تھا۔ تین اجنبی تھے۔ چاروں زنانہ لباس میں ملبوس تھے اور انتہائی بھونڈی شکلوں کے مالک تھے۔

"بولتی نہیں۔۔۔ نہائے گی کیا۔۔۔"

"شرم توڑو اس کی۔۔۔"

"بات سنو۔۔۔ بات سنو۔۔۔ یہ سب کچھ کیا ہے۔۔۔ میں نہیں جانتا لیکن میں زیادہ دیر تک خود پر قابو نہ رکھ سکوں گا۔۔۔" کانجی والا نے بمشکل کہا۔ اور وہ چاروں ہنس پڑے۔ پھر ان میں سے ایک نے کمر پر ہاتھ رکھ کر ٹھمکتے ہوئے کہا۔

"اوئے میں دل پہ قابو نہ رکھ سکوں گا۔۔۔ ہائے ہائے۔۔۔ دل

بے قابو۔۔۔ہائے ہائے۔۔" دوسرے بولے۔" ارے دل بے قابو ہائے ہائے۔" کورس میں گانے اور ناچنے لگے۔۔۔!

کانجی والا بدحواس ہو کر راہداری کے دوسرے سرے کی طرف دوڑا اور ایک دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔اس نے جلدی سے دروازہ دوسری طرف سے بند کر لیا تھا۔

ان لوگوں نے شاید اس کا پیچھا ہی نہیں کیا تھا۔کانجی والا نے گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے اس جگہ نگاہ دوڑائی جہاں وہ آگیا تھا۔اچھا خاصا ہال تھا۔حسب معمول نہایت آراستہ و پیراستہ۔سامنے کرسی پر ایک بوڑھا ہیجڑا ساڑھی باندھے بیٹھا تھا۔اس کے چہرے پر سنجیدگی تھی۔

کانجی والا اسے دیکھ کر چونک پڑا اور پھر اس کے دانت بھینچ گئے۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔وہ بوڑھے ہیجڑے کے پاس پہنچ

گیا۔

''یہ کون سی جگہ ہے۔ مجھے بتاؤ ورنہ میں کسی کا خون کر دوں گا۔''

بوڑھے ہیجڑے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''نا نا بچی۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔ بھلا کس کا خون کرو گی۔ ہوش کی دوا کرو استاد نے سن لیا تو کھال کھینچ دے گا۔''

''کون استاد۔۔۔''؟ کانجی والا نے پوچھا۔

''اے ہے۔۔۔ استاد کو بھی نہیں جانتی بڑی بھولی ہے۔ منہ ہاتھ دو کچھ کھا پی۔ ہوش ٹھکانے آئیں گے ہوش کی باتیں کرے گی۔ چل وہ رہا غسل خانہ۔''

''میرے کپڑے کہاں ہیں۔۔۔'' کانجی والا نے پوچھا۔

''مل جائیں گے۔ ساڑھی باندھے گی یا غرارہ پہنے گی۔ بول کیا نکلوا دوں۔۔۔''؟

اس سوال پر کانجی والا کا دل اور خون ہو گیا تھا۔ کیا جواب دیتا۔ اس نے بالآخر فیصلہ کیا کہ دماغ ٹھنڈا رکھے اور صورتِ حال کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لے اس طرح گرم دماغ سے کوئی نتیجہ حاصل نہ ہو سکے گا۔ وہ ایک طرف پڑے چمڑے کے اسٹول کے پاس پہنچ گیا۔ اسٹول پر بیٹھ کر اس نے سر پکڑ لیا تھا۔

کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر جب اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے تو ایک بار پھر چونک پڑا۔ اب ہال میں اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ نہ جانے کب وہ بوڑھا ہیجڑا بھی کھسک گیا تھا۔ کانجی والا نے دوبارہ سر پکڑ لیا۔

تقریباً آدھا گھنٹہ اسی طرح گزر گیا۔ باہر ہال کے اندرونی دروازے پر دوبارہ آہٹ سنائی دی اور کانجی والا گردن اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس بار دو خطرناک ہیجڑے اندر داخل ہوئے تھے ان کے چہرے

وحشت ناک تھے۔ اور بدن پر کالی ساڑھیاں بندھی ہوئی تھیں۔

''اٹھو۔۔۔'' ان میں سے ایک نے سخت لہجے میں کہا۔

''کہا جانا ہے۔۔؟''

''مجرے میں۔'' جواب ملا۔

''کیا بکواس کر رہے ہو۔۔۔'' کانجی والا بولے۔ اور دوسرے لمحے اس کے گال پر ایک زناٹے دار تھپڑ پڑا۔ کانجی والا الٹ کر گرا تھا۔

''نازنین ہے میرا نام۔ یاد رکھنا۔ چلو۔۔۔!'' ہیجڑے نے اس کے بلاؤز کا گریبان پکڑ کر اسے کھڑا کر دیا۔ کانجی والا کو صورتِ حال کا بخوبی اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ اگر اس نے ان لوگوں کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو نتیجہ خطرناک بھی نکل سکتا ہے۔ چنانچہ اب اس کے سوا چارہ ہی نہیں تھا کہ وہ ان کے ہر حکم کی تعمیل کرے۔

چنانچہ اس بار وہ ان کے ساتھ چل پڑا۔

اس دروازے سے گزر کر وہ ایک اور دروازے میں داخل ہو گئے۔ پھر نازنین نے ایک الماری کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ''اس الماری میں ساڑھیاں بھی ہیں اور غرارے سوٹ بھی جو پسند ہو نکال کر پہن لو۔۔۔اور پھر میک اپ کر کے تیار ہو جاؤ۔''

''خدا کے واسطے۔۔۔خدا کی واسطے میری بات تو سن لو۔'' کانجی والا گھگھیا کر بولا۔

''بات سننے کی ڈیوٹی میری نند کی ہے۔میں بے چاری تو مجبور ہوں۔چلو جلدی کرو۔''

''مجھے یہ لباس پہننے نہیں آتے۔''

''اوہ۔اچھا تب کوئی بات نہیں ہے۔میں ابھی شہزادی کو بھیجتی ہوں وہ تمہیں تیار کرے گی۔اسی جگہ رکو۔'' وہ دونوں باہر نکل گئے۔

سیٹھ کانجی والا اپنی زندگی کے بدترین لمحات سے گزر رہا تھا۔ زندگی میں بڑے بڑے عجیب واقعات پیش آئے تھے۔ بڑے خطرناک لمحات سے گزرنا پڑا تھا۔ لیکن یہ سب کچھ۔ کبھی تصور میں بھی نہیں آسکتا تھا آخر یہ سب کیا ہے۔

وہی بدہیت ہیجڑا پھر آگیا جس سے سب سے پہلے ملاقات ہوئی تھی۔ ساڑھی باندھی اس نے اپنی پسند سے، غیرت کے مارے خودکشی کرنے کو دل چاہ رہا تھا کانجی والا کا۔ میک اپ بھی کیا گیا۔ اور پھر شہزادی اسے ایک اور ہال میں لے گئی۔ یہاں وہی بوڑھا ہیجڑا موجود تھا اس نے آنکھیں مچکا کر کانجی والا کو دیکھا آگے بڑھا اور خوب بلائیں لیں اس کی۔ ”واری جاؤں، صدقے جاؤں، سچ مچ انارکلی لگ رہی ہے چلو بیٹھ جاؤ۔ چائے پانی ہو جائے۔ اس کے بعد۔۔۔“

”تائی اماں۔ تصویر نہیں کھنچاؤ گی انارکلی کے ساتھ۔۔۔“ کسی

نے کہا۔اور بوڑھے ہیجڑے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”کیوں نہیں ۔۔۔کیوں نہیں ۔۔۔چل حسینہ کیمرہ لے آ!“

۔۔۔ہر بات سوہانِ روح تھی اب تصویریں بھی بنیں گی اور اگر یہ تصویریں کبھی منظرِ عام پر آگئیں تو۔۔۔تو۔۔۔خودکشی کے سوا کوئی چارہ نہیں رہے گا۔

لیکن سیٹھ کانجی والا کچھ نہیں کر سکا۔بوڑھی تائی اماں کے ساتھ، دوسرے ہیجڑوں کے ساتھ اس کی بہت سی تصویریں بنیں۔خوب عمدہ ناشتہ لگایا گیا۔طوعاً وکرہاً اس ناشتے میں بھی شریک ہونا پڑا تھا۔سیٹھ کانجی والا کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔لیکن وہ ان شیطانوں کے درمیان بے بس تھا۔

کھانے پینے کے بعد رقص وموسیقی کا دور شروع ہو گیا اور گلفام بڑھ چڑھ کر اس میں حصہ لینے لگے۔خوبصورت گانوں پر تباہی نازل

ہو رہی تھی۔ اُچھل کود وحشت خیزی کا بھیا نک دور جاری رہا پھر تائی

اماں نے کانجی والا سے فرمائش کی۔

”اِئی انار کلی۔ اللہ کی بندی تو بھی دو ٹھمکے لگا دے۔ مجھ بڑھیا کا

دل خوش ہو جائے گا۔“

”کک۔ کیا۔۔۔ میں۔۔۔“؟ کانجی والا رو دینے والی آواز

میں بولا۔

”تجھے میری قسم انار کلی۔“

”میں خون کر دوں گا تمہارا۔“

”بعد میں کر دیجیو۔“

”بکواس مت کرو۔۔۔ بکواس مت کرو۔۔۔ میں یہاں نہیں

رکوں گا۔ میں جا رہا ہوں۔ تم سے روکا جائے تو روک لو مجھے۔ میں اب

نہیں رکوں گا۔“ وہ اُٹھ کر ہال کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اس

پر جنون طاری ہو گیا تھا۔

ناچ گانا رک گیا۔ بوڑھے زنخے نے مسکرا کر نازنین اور مہ جبین کی طرف دیکھا اور دونوں نے گردنیں ہلا دیں۔ وہ دونوں جلدی سے اُٹھ کر باہر نکل گئے۔ پھر دونوں نے کانجی والا کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔

''انار کلی۔۔۔'' نازنین نے روتی ہوئی آواز میں کہا۔

''کہاں جاؤ گی انار کلی۔'' مہ جبین بولا اور اسی وقت اس نے آگے بڑھ کر سیٹھ کانجی والا کی کمر پر لات رسید کر دی۔ کانجی والا اُچھل کر اوندھے منہ جا پڑا تھا۔

''ہائے ہائے میری بچی۔ کیا ہو گیا تجھے۔ ارے چوٹ نہ لگ گئی ہو تجھے۔'' نازنین نے رونے کے سے انداز میں کہا اور جلدی سے کانجی والا کو اُٹھا لیا۔ لیکن اس طرح کہ کانجی والا کی ایک ٹانگ اس کے ہاتھ میں آ گئی تھی۔ اتنا طاقتور تھا نازنین کہ کانجی والا اُلٹا ہو گیا۔

”اِئے۔اِئے۔اِئے۔یہ انارکلی اُلٹی کیسے ہو گئی۔ارے سیدھا کرواسے۔“

”ہائے میری میّا۔اِئے بی بی۔میں بھی کیسی بے وقوف ہوں۔“ نازنین نے جلدی سے کانجی والا کو چھوڑ دیا اور کانجی والا بُری طرح گرا،وہ زخمی ہوگیا تھا۔

”گردن ٹیڑھی ہوگئی ہوگی میری بچی کی۔اسے سیدھی کردو۔“ مہ جبین بولا۔اور سیٹھ کانجی والا کا سر پکڑ کر بُری طرح رگڑ دیا۔کانجی والا اس سے زیادہ برداشت نہیں کرسکا تھا۔وہ بے ہوش ہوگیا۔۔۔

موت نہیں آئی تھی تو ہوش تو آنا ہی تھا۔دماغ جاگا۔لیکن دوبارہ بے ہوش ہوجانے کی شدید آرزو پیدا ہوگئی ہنگامہ برپا تھا۔ڈھول مجیرے اور دوسرے باجے بج رہے تھے۔کان پڑی آواز نہیں سنائی دے رہی تھی۔ہنسی،مذاق،قہقہے درمیان میں کوئی رقص کررہا تھا۔کانجی

والا نے اس کی شکل دیکھی اور تھوک نگل کر رہ گیا تھا۔ نوخیز اور حسین لڑکی تھی۔ لڑکی نہیں تھی نوجوان تھا۔ انہیں میں سے ایک۔ لیکن بے حد حسین۔ اگر شیو کی نیلاہٹ نہ ہوتی تو اسے لڑکی سمجھنے میں کوئی عار نہ تھی۔ ادائیں وہی زنخوں کی تھیں۔ لیکن لباس شاندار تھا اور رقص بھی خوب تھا۔

وہ کراہ کر اُٹھ بیٹھا۔۔۔ اور دوسرے لوگ چیخ پڑے۔ ''انار کلی بھی جاگ گئی۔ جوڑی ہو جائے جوڑی۔''

''آئے ہائے۔ یہ موٹی کلموہی میرے ساتھ کیا ناچے گی۔'' ناچنے والے نوجوان نے کہا۔

''ناچے گی نصیبو۔ ناچے گی تو موقع تو دے۔۔۔'' ایک ہیجڑے نے کہا اور سیٹھ کانجی والا کو اپنے کانوں پر یقین کرنا مشکل ہو گیا۔ نصیبو۔۔۔ یہ نام۔۔۔ یہ نام تو۔۔۔ گولیور کی زبانی سنا جا چکا ہے۔

اس نام کا تو سارا جھگڑا ہے لیکن نصیبو۔۔۔

کانجی والا آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر زنخے کو دیکھنے لگا۔ حسین ترین شکل جو بھونڈی اداؤں کے باوجود دلکش نظر آ رہی تھی۔

رقص جاری رہا اور پھر نصیبو تھک گیا۔ وہ بڑی ادا کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور دوسرے دو زنخے اس کے پیروں کے گھنگھروں کھولنے لگے۔

''ہائے میری ماں۔۔۔'' اس نے ایک انگڑائی لی اور کانجی والا کی طرف آنکھ مار کر مسکرانے لگا۔ پھر اس نے آواز لگائی۔

''تائی اماں۔۔۔''

''کیا ہے لونڈیا۔۔۔؟'' بوڑھے ہیجڑے نے پیار بھری آواز میں پوچھا۔

''یہ انارکلی کب ناچے گی۔۔؟''

"جب تو کہے۔"

"تو اسے سڑک پر لے جاؤ۔ کام شروع کراؤ مال زادی سے،
کب تک مفت کی کھائے گی۔"

"آج ہی سے نصیبو۔ میں آج ہی سے۔" بوڑھے زنجے نے کہا۔
اور کانجی والا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ پھر وہ پہلی بار ہمت
کر کے اپنی جگہ سے اٹھا اور نصیبو کے پاس پہنچ گیا۔

"میں تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ائے میں مر جاؤں، کیا بات کرو گی ہم سے۔۔۔"

"مجھے ایک بار موقع دو۔ سنو۔ تم جو کوئی بھی ہو مجھے بس ایک موقع
دو۔"

"تائی لتاں۔۔۔" نصیبو نے آواز لگائی۔ "یہ مر دُودا کیلے میں
کچھ کہے گی مجھ سے۔ تم سب کو یہاں سے لے جاؤ۔"

''چلو ری لڑکیو چلو یہاں سے ۔۔۔'' تائی اماں نے کہا اور تمام ''لڑکیاں'' ہنستی مسکراتی تالیاں بجاتی وہاں سے چلی گئیں۔ اب صرف کانجی والا اور نصیبو رہ گئے تھے۔ کانجی والا اس عجیب وغریب مخلوق کے پاس پہنچ گیا۔

''ابھی۔ تمہارا نام ،نصیبو لیا گیا تھا۔''

''ہاں۔''

''تم نصیبو ہو۔۔۔''؟

''کیا کہنا چاہتے ہو تم۔۔۔'' نصیبو کا لہجہ بدل گیا۔

''میں جاننا چاہتا ہوں کہ مجھے یہاں کیوں لایا گیا ہے۔ میرے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کیا جا رہا ہے۔''

''اتنی جلدی سیٹھ کانجی والا۔۔۔'' نصیبو مسکرا کر بولا۔

''مجھے میری بات کا جواب دو۔''

''ابھی آرام کرو کانجی والا۔ یہ ماحول بھی دیکھو۔ تمہیں زندگی کی یہ تبدیلی پسند آئی۔ تمہاری شکل ہی بدل گئی۔ یکسانیت سے نجات ملی ہے تمہیں۔ یہ سب کچھ چھوڑ کر بھاگنا چاہتے ہو۔۔۔''

''خدا کے لئے مجھے اس ماحول سے نجات دلا دو۔۔۔ ورنہ میں خودکشی کرلوں گا۔'' کانجی والا گھگھیا کر بولا۔

''میرا نام نصیبو ہے کانجی والا۔ اس سے قبل یہ نام سنا ہے کبھی۔۔۔''

''ہاں۔۔۔ ہاں سنا ہے۔''

''کس طرح۔۔۔ کہاں۔۔۔'' نصیبو نے پوچھا اور کانجی والا خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ اس کی آنکھوں سے خوف کے آثار جھانک رہے تھے۔

''مجھے یاد نہیں۔'' کانجی والا نے آہستہ سے کہا۔

''شہزادی ۔ اری او شہزادی ۔ انار کلی تیار ہو گئی ۔ اری چلو ڈھول باجے لے آؤ ۔ ۔ ۔ '' نصیبو نے آواز لگائی ۔ اور کانجی والا خوف سے لرز اُٹھا ۔

''رُک جاؤ ۔ خدا کے لئے رُک جاؤ ۔ میں اب یہ سب کچھ برداشت نہیں کر سکتا ۔''

''سیٹھ کانجی والا میں بھی فضول آدمیوں کو زیادہ دیر برداشت نہیں کر سکتا ۔ میں نے تمہیں اس لئے موقع دیا ہے کہ تم میری فہرست میں پہلی بار آئے ہو ، نصیبو کا نام سنا ہے تو اس کے بارے میں جانتے بھی ہو گے ۔ ۔ ۔ میں زیادہ صبر نہیں کر سکتا ، مجھے جواب دو اور پورے ہوش وحواس کے ساتھ جواب دو کہ تم نے نصیبو کا نام کہاں سنا ہے ۔ ۔ ۔ ''؟

''مگر ۔ ۔ ۔ مگر تم یہ کیوں معلوم کرنا چاہتے ہو نصیبو ۔''

''تفصیل میں جاؤ گے سیٹھ کانجی والا ۔ تو پھر سنو کچھ اور سوالات

بھی تمہارے لئے تیار ہو گئے ہیں، مثلاً اب تم مجھے یہ بھی بتاؤ گے کہ پونجی والا کو کس نے قتل کیا تم نے۔۔۔تمہارے کسی ساتھی نے۔۔۔یا اس نے۔۔۔"

"کک کس نے۔۔۔کس نے۔۔۔" کانجی والا کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھیل گئیں۔

"جس کے بارے میں تم مجھے ابھی تفصیل بتاؤ گے یا جس سے تم نے پولیس آفیسر مسٹر جوشی کی ملاقات کرائی تھی۔۔۔"

"اوہ تو جوشی اب تمہارے حق میں کام کر رہا ہے۔" کانجی والا نے کہا۔

"کانجی والا جس شکل وصورت اور حلیئے میں ہو اسی میں رہ کر بات کرو، اپنی اوقات سے آگے بڑھ کر کوئی بات کی تو تم تصور نہیں کر سکتے کہ تمہارے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔" نصیبو کے لہجے میں

غراہٹ پیدا ہوگئی اور کانجی والا کو یہ غراہٹ اتنی خوفناک محسوس ہوئی
کہ چند لمحات کے لئے اس کی آواز ہی بند ہوگئی۔!

نصیبو کا حسین چہرہ بگڑتا جارہا تھا اور اس میں ایک ایسی خوفناک
کرختگی پیدا ہوگئی تھی کہ کانجی والا اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، وہ سہمی
ہوئی نگاہوں سے نصیبو کو دیکھنے لگا۔

''مم میں۔۔۔معافی چاہتا ہوں۔۔۔''

''جوشی میرے لئے کیسے کام کرے گا وہ تو تمہارا مددگار ہے اور
شاید تمہارے لئے ہی کام کررہا ہے۔''

''میرے لئے نہیں، مجھ پر یہ الزام مت لگاؤ۔'' کانجی والا تڑپ
کر بولا۔

''کانجی والا ہم اس وقت تک غلط فہمیوں کا شکار رہیں گے، جب
تک تم مجھے تمام تر تفصیل نہیں بتا دیتے۔''

"میں کیا تفصیل بتاؤں تمہیں۔"؟

"اس دن سے شروع ہو جاؤ، جس دن تمہارے ہاں کوئی پارٹی تھی اور تم نے جوشی کو کسی مسٹر ڈائیر سے روشناس کرایا تھا۔۔۔"

"اوہ اب تم کہو گے کہ یہ بات بھی تمہیں جوشی نے نہیں بتائی۔۔۔"

"کانجی والا میں اپنے نام کو زندہ رکھے ہوئے ہوں۔ بے شمار دشمن ہیں میرے، ان سے نبرد آزما رہنا پڑتا ہے مجھے، ان چھوٹی چھوٹی سی باتوں کے لئے میں زیادہ وقت صرف نہیں کرتا میں دوسری فطرت کا آدمی ہوں، میرے کام کرنے کے انداز میں بھی ذرا تبدیلی ہے، میں جو کچھ کرتا ہوں، جو کچھ کرر ہا ہوں اسے اپنی ذات تک محدود رکھتا ہوں، تم مجھ سے کوئی سوال نہیں کرو گے صرف اور صرف جواب دو گے۔ اور اس کے بعد میں تمہیں کوئی مہلت بھی نہیں دوں گا۔۔۔"

کانجی والا عجیب سی نظروں سے اس شخص کو دیکھ رہا تھا جو شکل و صورت اور حلیئے کے اعتبار سے بالکل بے ضرر نظر آتا تھا لیکن بے ضرر شخص اندر سے کیا تھا اس کا اندازہ کانجی والا کو آہستہ آہستہ ہوتا جا رہا تھا۔۔۔

چند لمحات خاموشی سے گزر گئے، پھر کانجی والا نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

''تم نے مجھے مجبور کر دیا ہے نصیبو تو پھر ایک چھوٹی سی کہانی سن لو، میں تمہیں یہ نہیں بتاؤں گا کہ وہ خطرناک بلیک میلر مجھے کیوں بلیک میل کر رہا ہے، وہ میری کچھ کمزوریاں سمیٹ کر طویل عرصے سے مجھ سے فائدے اُٹھا تا رہا ہے، ہر چند کہ میرے اور اس کے تعلقات اب ختم ہو چکے ہیں، یعنی اب وہ مجھے وہ چیزیں واپس کر چکا ہے جن کے تحت وہ مجھے بلیک میل کر رہا تھا اور ان کے عوض وہ مجھ سے اتنی بھاری

رقمیں وصول کر چکا ہے کہ اگر وہ رقمیں میرے کاروبار سے نہ نکلتیں تو یقین کرو نصیبو میرا کاروبار بہت وسیع ہوتا، لیکن انسان اپنی زندگی میں اپنی ہی کسی غلطی کا شکار ہو جاتا ہے اگر وہ ایسی غلطی نہ کرے تو پھر وہ ترقی کے زینوں پر تیزی سے سفر کرتا رہے، مجھ سے ایک غلطی ہو گئی تھی اور اس کم بخت نے اس کا فائدہ اُٹھایا اور مجھ سے بڑی بھاری بھاری رقمیں وصول کرنے لگا بالآخر میرے اور اس کے درمیان ایک سودا طے پا گیا اور مجھے اس سے نجات مل گئی لیکن میں آج تک اس سے خوفزدہ ہوں اس کی شخصیت اتنی بھیانک ہے کہ میں کوشش کے باوجود اس سے نجات حاصل نہیں کر سکتا، کچھ عرصہ قبل وہ یہاں دوبارہ نظر آیا، میری بیٹی کی سالگرہ تھی، اس نے مجھ سے اس سالگرہ میں شرکت کا دعوت نامہ طلب کیا۔۔۔ میں بھلا کیسے انکار کر سکتا تھا، لیکن میں یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ سالگرہ میں کیوں شرکت کرنا چاہتا ہے، بہر طور

سالگرہ میں شرکت کرنے کے بعد اس نے مجھ سے فرمائش کی کہ میں کسی اچھے سے پولیس آفیسر سے اس کا تعارف کراؤں اور میں نے اس کا تعارف مسٹر جوشی سے کروادیا۔ اس کے بعد مجھے اس کے اور مسٹر جوشی کے درمیانی معاملات کا قطعی کوئی علم نہیں ہے، لیکن جب مسٹر جوشی اپنے کام میں ناکام ہوگئے تو انہوں نے مجھ سے رابطہ قائم کیا اور اس کے بارے میں تفصیلات معلوم کرنا چاہیں، اسی دوران میرے علم میں نصیبو کا نام آیا اور پھر میں نے اس شخص سے رابطہ قائم کیا۔ میں نے پوچھا کہ نصیبو سے اس کی کیا پرخاش ہے، تو اس نے بتایا کہ نصیبو ایک ایسا نام ہے جو اکثر اس کے ذہن پر ہتھوڑے لگاتا ہے، وہ نصیبو کو اپنے زیرِ تحت دیکھنا چاہتا ہے اور اس کے بعد ہی کوئی اور عمل کرے گا یہاں۔۔۔

تو یہ تھا مسئلہ مسٹر نصیبو، مسٹر جوشی نے معلومات حاصل کرنے کی

کوشش کی اس شخص کے بارے میں اور میں جانتا ہوں کہ انہیں کس نے مجبور کیا ہوگا۔۔۔میں تمہاری ذہنی قوتوں کو بھی تسلیم کرتا ہوں نصیبو کہ تم نے جوشی پر اس کا وار اُلٹ دیا لیکن یقین کرو اگر میں تمہیں اس شخص کے بارے میں بتا دیتا ہوں تو میری جو درگت تم نے بنائی ہے ممکن ہے اس سے بُری درگت وہ بنا دے۔۔۔''

سیٹھ کانجی والا کا بدن لرز رہا تھا اور نصیبو دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا پھر اس نے کہا۔

''مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کانجی والا کہ وہ تمہاری کیا درگت بناتا ہے، البتہ میں تم سے اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا ضروری سمجھتا ہوں، کیا نام ہے اس کا۔۔۔''؟

''گولیور۔۔۔وہ گولیور کے نام سے مشہور ہے، کچھ عرصہ قبل بھی اس ملک میں آیا تھا شاید گرفتار بھی ہو گیا تھا، لیکن پولیس کو چکمہ دے کر

صاف نکل گیا اور پولیس اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکی، ابھی کچھ عرصہ قبل وہ یہاں آیا ہے۔ یقینی طور پر وہ کوئی ایسا قدم اُٹھا چکا ہوگا کہ پولیس اس کی تلاش میں ہوگی لیکن اس کا نام ابھی تک منظرِ عام پر نہیں آیا اور شاید پولیس نے تمہارا نام سن لیا، وہ اسی قسم کا آدمی ہے، خود سے برتر کسی کو نہیں دیکھنا چاہتا چنانچہ اسی تگ و دو میں لگ گیا کہ تم کو اپنے زیرِ تحت لائے اور اس کے لئے اس نے مجھے اپنا آلہ کار بنایا ہے۔"

نصیبو دلچسپی سے یہ تفصیل سن رہا تھا، کانجی والا کے چہرے پر پھیلے ہوئے تاثرات سے اس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ کانجی والا نے کوئی غلط بات نہیں کہی ہے۔ چند لمحات خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"اور اس نے تمہیں اس سلسلے میں اپنا آلہ کار بنایا ہے۔"

"ہاں مسٹر جوشی کی حد تک۔۔۔"

"جانتے ہو مسٹر جوشی سے اس نے کیا کام لیا ہے۔"؟

"نہیں میں نہیں جانتا۔۔۔"

"اس نے مسٹر جوشی کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ مجھے گرفتار کرے، کانجی والا بے شمار لوگ مجھے ایک دوسرے نام سے بھی جانتے ہیں، تمہیں اس کے بارے میں بتانا بے مقصد ہی ہے، بہر طور میرا اپنا معاملہ ہے کہ میں کب اور کہاں کیا کر رہا ہوں، لیکن گولیور کو اس بات کی سزا ضرور ملنی چاہئے کہ اس نے نصیبو کے راستے میں آنے کی کوشش کی اور ممکن ہے اس کا ذریعہ بھی تمہیں ہی بننا پڑے۔"

"مجھے۔۔۔" سیٹھ کانجی والا کا چہرہ ہونق ہو گیا۔

"ہاں تمہیں۔۔۔ تمہیں ابھی اس کے بارے میں کچھ اور تفصیل بتانی ہے۔ سیٹھ کانجی والا، یہ بلیک میلر کون ہے اس سے پہلے کہاں رہتا تھا۔" کچھ اور تفصیل کانجی والا، کچھ اور تفصیل۔"

"دیکھو میں تمہیں اس کے بارے میں تفصیلات بتا دوں گا۔ مگر

خدا کے واسطے تم مجھے اس کے خلاف استعمال نہ کرو، میں ۔۔۔میں زندہ نہ رہ سکوں گا، میں نے جو کچھ کیا ہے۔اس میں براہِ راست تمہارے خلاف کوئی عمل نہیں تھا نصیبو، خدا کے لئے تم بھی میرے خلاف براہِ راست کوئی عمل نہ کرو۔"

"اں۔۔۔"نصیبو چند لمحات اس کی درخواست پر غور کرتا رہا پھر بولا۔۔۔"ایک شرط پر۔۔۔"

"ہاں بتاؤ جلدی بتاؤ، میں تمہاری ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں۔"

"تم ان واقعات کا تذکرہ گولیور سے نہیں کرو گے۔"؟

"وعدہ۔۔۔نہیں کروں گا۔"

"خواہ وہ تم سے کتنا ہی پوچھے۔"؟

"ہاں خواہ وہ مجھ سے کتنا ہی پوچھے۔"

”پونجی والا کے قتل کے بارے میں تمہیں بتاؤں، پونجی والا کو یقینی طور پر گولیور نے قتل کیا اور اس کے قتل کا الزام مجھ پر ڈالنے کی کوشش کی، یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔“

”ہاں مجھے اس کا افسوس ہے، بہرطور میں اس حد تک نہیں جا سکتا کہ قتل و غارت گری برداشت کروں اپنی زندگی کے لئے۔ خدا کی قسم مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم۔“

”ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں، بہرطور گولیور کے بارے میں مجھے تفصیل بتاؤ۔“؟

”کئی ممالک میں اس کا نام مشہور ہے۔ پولیس کے ریکارڈ میں وہ ایک بلیک میلر کی حیثیت سے خاص حیثیت رکھتا ہے اور پولیس اس کی تلاش میں اکثر سرگرداں رہتی ہے، یورپ ہی میں زیادہ تر اپنی کاروائیاں کرتا ہے اور کبھی کبھی وہاں موجود مشرقی باشندوں کی بھی

پھانس لیتا ہے، کئی افراد اس ملک میں بھی اس کا شکار ہیں۔ اور جب وہ کبھی اس ملک کا رخ کرتا ہے تو اپنے ان شکاروں کو بھی ضرور استعمال کرتا ہے، میں نہیں جانتا وہ اس بار یہاں کیوں آیا ہے۔ لیکن بہر طور وہ انتہائی خوفناک انسان ہے۔ صرف بلیک میلنگ ہی نہیں۔ وہ دنیا کا ہر کام کر لیتا ہے۔ قتل و غارت گری، خون ریزی جو کچھ بھی اس کے سپرد کیا جائے۔ رقم کے عوض وہ ہر کام کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، عجیب و غریب آدمی ہے۔ ویسے بے حد خوفناک بھی ہے، بے حد چالاک ہے۔ اور شاید خود پرست بھی۔ اسے یہاں آ کر یہ بات پسند نہیں آئی کہ یہاں۔۔۔ تمہارے نام کا ڈنکا بج رہا ہے۔ وہ جہاں جاتا ہے۔ اپنے آپ کو سب سے برتر و اعلیٰ دیکھنا پسند کرتا ہے۔"

"اور کچھ۔۔۔"

"بس اور کوئی خاص بات نہیں، اس کا اپنا نشان سورج ہے۔

چاندی کے سکوں پر اس نے سورج کی تصویریں ڈھال رکھی ہیں۔ یہ سکے اس کے شکار کے پاس اس کے نشان کے طور پر جاتے ہیں۔ اور لوگ سمجھ جاتے ہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔"

"او وہ کیا مطلب۔؟ سکوں سے تمہاری کیا مراد ہے۔"؟

"میں نے کہا نا اس کے نشان۔۔۔"

"گڈ تو یقینی طور پر تمہارے پاس بھی اس کا کوئی نشان موجود ہوگا سیٹھ کانجی والا۔"

"ہاں ہے۔"

"ویری گڈ۔۔۔ ویری گڈ۔۔۔ تو تم یہ نشان مجھے دے دو گے۔ اور اس کے بعد تمہاری گلوخلاصی ہو جاتی ہے۔"

"نن نشان۔۔۔" کانجی والا ہکلایا۔

"ہاں کیوں اس میں بھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچے گی۔"؟

''نہیں۔۔۔نہیں۔۔۔''

''پھر تم ہکلا کیوں رہے ہو۔''

''بس مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ کہیں وہ مجھ سے یہ نشان طلب نہ کرلے۔''

''تم کہہ سکتے ہو کہ وہ نشان تم سے کہیں کھو گیا ہے۔''

''ہاں کچھ نہ کچھ کہہ سکتا ہوں۔لیکن بس خوفزدہ ہوں۔''

''تم میری دی ہوئی مراعات سے ناجائز فائدہ اُٹھانے میں کوشاں ہو،کانجی والا،بہرطور تم جو کچھ بھی ہو،اعلیٰ حکام کے دل میں تمہارے لئے کیا خیالات ہیں یہ تمہارا ذاتی معاملہ ہے،مجھ سے جب بھی ٹکرانا چاہو ٹکرا جانا۔مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔بلکہ میری طرف سے اسے دعوت سمجھو،لیکن اگر اس سے بچنا چاہتے ہو تو پھر جو میں کہہ رہا ہوں وہی کرو،سورج کا نشان شام تک میرے پاس پہنچ جانا

چاہیے۔ میرا آدمی تمہیں تمہاری کوٹھی تک چھوڑنے جائے گا اور تم وہ نشان اسے دے دو گے، اس شخص کو اگر کسی قسم کا کوئی نقصان پہنچا کانجی والا تو یہ سمجھ لو کہ ساری زندگی افسوس کرتے رہو گے۔'' نصیبو کا لہجہ بے حد خوفناک تھا۔ کانجی والا آنکھیں بند کر کے گردن ہلانے لگا۔

''ٹھیک ہے میں تیار ہوں جو کچھ تم کہہ رہے ہو ایسا ہی ہوگا۔'' کانجی والا نے کہا اور نصیبو نے گردن ہلا دی۔

''اوکے۔۔۔ جاؤ ڈریسنگ روم میں جا کر لباس تبدیل کر لو۔ تمہارا لباس پڑا ہوا ہے۔ پھر ایک شخص تمہیں یہاں سے لے جائے گا۔''

نصیبو اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔ سامنے سے شہزادی آتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ وہ حسب معمول تالیاں پٹخاتا ہوا، بلائیں لیتا ہوا، مسکراتا ہوا۔۔۔ کانجی والا کے نزدیک پہنچا اور بولا۔

''چل ری انارکلی تجھے ڈریسنگ روم بتا دوں۔'' کانجی والا کا دل تو چاہا کہ آگے بڑھ کر اس شخص کا گلا گھونٹ دے لیکن صورتِ حال کو وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا، لیکن ابھی تک یہ بات اس کے ذہن میں نہیں سمائی تھی کہ آخر زنخوں کا یہ گروہ کیوں جمع کیا گیا ہے اور نصیبو کی موجودہ شکل ہی اصل ہے یا اس کے علاوہ بھی اس کی کوئی اور شکل ہے۔

بہرطور تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے اصلی لباس میں سڑک پر جا رہا تھا۔ ایک شخص اس کے ساتھ تھا، راستے میں اس نے ٹیکسی روکی۔ اور ٹیکسی میں بیٹھ کر سیٹھ کانجی والا نے ٹیکسی ڈرائیور کو اپنے گھر کا پتہ دیا۔

☆☆

ہارون گوٹا والا کے بدن میں تھرتھری پڑی ہوئی تھی۔۔۔ زندگی میں اس سے پہلے کبھی ایسے لمحات نہیں آئے تھے۔ پرانے گیسٹ ہاؤس کی عمارت شہر سے دور ایک ویرانے میں تھی۔ اس پُر ہول

سناٹے میں یہ کھنڈر نما عمارت بہت خوفناک لگ رہی تھی۔صرف دو افراد تھے۔گوٹا والا اور عالم پناہ۔

اور گوٹا والا بُری طرح کپکپا رہا تھا۔''ارے بپا رے گیا۔۔۔ جاسوس صاحب۔

''کک کیوں۔کیا بات ہے۔''؟ عالم پناہ نے پوچھا۔یہاں کی ویرانی اور سناٹے کو دیکھ کر حالت ان کی بھی خراب تھی۔لیکن چونکہ تمام صورتِ حال سے باخبر تھے اس لئے خود کو سنبھالے ہوئے تھے۔انہیں اطمینان تھا کہ تنہا ہونے کے باوجود وہ یہاں تنہا نہیں ہیں۔

صفدر کے شیطانی ذہن کا منصوبہ تھا۔کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ صفدر نے ساری تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔اسے اس بات پر بہت ہنسی آئی تھی۔کہ باپ تو باپ بیٹی بھی سبحان اللہ تھی۔۔۔سیٹھ گوٹا والا کی بیٹی نادرہ بھی خود ہی آ پھنسی تھی۔اب یہ دو ہزار دو سو بیس روپے خود

آرہے تھے تو پھر انہیں ٹھکرانا کفرانِ نعمت تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں بھی "چیف" یعنی صفدر نے ہدایات جاری کی تھیں۔۔۔نادرہ کو عالم پناہ نے فون کیا تھا۔

"ہیلو۔۔۔"

"کون بول رہا ہے۔"؟

"میں نعیمہ ہوں۔"

"مس نادرہ سے ملاقات ہو سکے گی۔"؟

"آپ کون ہیں۔"؟

"جہانگیر۔۔۔"

"شہزادہ سلیم۔۔۔"

"جی۔۔۔" عالم پناہ کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔ "آپ آپ کون ہیں۔"

"نور جہاں نہیں ہوں آپ کی سمجھے آپ۔۔۔ویسے باجی سے کیا کام ہے۔"؟

"باجی سے نہیں مجھے مس نادرہ سے بات کرنی ہے۔"

"اوہ وہ آپ کی نہیں میری باجی ہیں۔ایک منٹ رکیے میں بلاتی ہوں۔۔۔" دوسری طرف سے جواب ملا اور تھوڑی دیر کے بعد نادرہ کی آواز سنائی دی۔

"ہیلو نادرہ بول رہی ہوں۔"

"مس نادرہ میں جہانگیر ہوں۔"

"معاف کیجیے۔میں آپ کو نہیں پہچان سکی مسٹر جہانگیر۔۔۔"

"اوہ۔جاسوس نمبر ایک۔آپ نے ایک ذمہ داری میرے سپرد کی ہے۔"

"اُفوہ۔۔آپ۔۔۔سوری مسٹر جہانگیر۔آپ کا نام تو مجھے

معلوم ہی نہیں تھا۔ میں شرمندہ ہوں۔ فرمائیے۔۔۔"

"آپ نے ایک ذمہ داری میرے سپرد کی تھی۔"

"یقیناً۔۔کوئی خاص بات ہے اس سلسلے میں۔"؟ نادرہ نے پوچھا۔

"دراصل مس نادرہ ہم نے یہ کام نیا نیا شروع کیا ہے۔ اور ہم اپنی پوزیشن بہتر بنانے کی فکر میں ہیں، چنانچہ ہر کام ہم نہایت تیز رفتاری سے کر رہے ہیں، اس شخص کا پتہ لگالیا گیا ہے جو آپ کے ڈیڈی کے لئے باعثِ تشویش ہے۔"

"کیا کیا واقعی۔۔۔"؟ نادرہ نے اشتیاق سے پوچھا۔

"جی ہاں۔"؟

"آپ مجھے بتا سکیں گے مسٹر جہانگیر کہ وہ کون ہے اور ڈیڈی کو پریشان کرنے سے اس کا مقصد کیا ہے۔"؟

”بلیک میلنگ.......“

”کیا مطلب۔“؟

”جی ہاں بلیک میلنگ کا مطلب بلیک میلنگ ہی ہوتا ہے۔“ عالم پناہ نے جواب دیا۔

”لیکن وہ شخص ڈیڈی کو کیوں پریشان کر رہا ہے۔“

”اس کی وجہ ہم نہیں بتا سکتے، یقینی طور پر کوئی ایسا مسئلہ ہوگا۔ جس میں آپ کے ڈیڈی کا کوئی کمزور پہلو اس کے ہاتھ میں ہوگا۔“

”تو پھر آپ اس سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔“؟

”اس شخص کو گرفتار کرنا یا پھر اس کی سرکوبی کرنا، یہی ہمارا کام ہے جو ہم آپ کے لئے کریں گے، لیکن مس نادرہ ایک شرط ہے۔“

”وہ کیا۔۔۔“؟

”آپ ہمارے یہ معاملات اپنی ذات تک محدود رکھیں گی اور

اس سلسلے میں اپنے ڈیڈی کو بھی نہیں بتائیں گی، آپ ہمارے طریقہ کار سے اتفاق کرتی ہیں نا۔۔۔"

"آج شام کو پانچ بجے کے بعد آپ اپنی آنکھوں سے یہ تماشہ دیکھ لیں۔"

"کیا مطلب۔۔۔"؟

"ہاں ہمارا ایک کارکن میرا مطلب ہے میرا دوسرا ساتھی آپ کو اپنے ساتھ کہیں لے جائے گا۔اور جو کچھ تماشہ ہوگا اسے آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گی۔"

"مگر کہاں اور کیسے۔۔۔"؟

"مس نادرہ اس سلسلے میں آپ کو ہم پر اعتبار کرنا ہوگا،بغیر اعتبار کئے دنیا کا کوئی کام نہیں ہوتا۔"

"اوہ مگر مجھے جانا کہاں ہوگا۔"؟

"اس بارے میں آپ کو پہلے سے کچھ نہیں بتایا جا سکتا، اگر آپ نہ جانا پسند کریں تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد آپ کے ڈیڈی مطمئن نظر نہیں آئیں گے آپ کو۔"

"میں ۔۔۔ میں چلوں گی، آپ کا آدمی کس وقت پہنچے گا۔"؟ نادرہ نے پوچھا۔

"وہ ٹھیک چار بجے آپ کے پاس پہنچ جائے گا، جہاں بھی وہ آپ کو لے جائے آپ چلی جائیے، بالکل بے فکر ہو کر یہ سوچ کر کہ تمام تر ذمہ داریاں ہمارے کاندھوں پر ہیں۔"

"کیا میں کسی اور کو ساتھ لے سکتی ہوں۔"؟ نادرہ نے پوچھا۔

"ہرگز نہیں، آپ کا اپنا کام ہے، بجائے اس کے کہ آپ بہت سارے لوگوں کو اس سلسلے میں ملوث کریں۔ آپ خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔"

"جی بہتر ہے، آپ کے آدمی کا نام کیا ہوگا۔"؟

"شفیع الدین شیکی۔۔۔موسیقار قسم کا آدمی ہے لیکن آپ نہیں جانتیں۔جاسوسوں کے کتنے روپ ہوتے ہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔ وہ صفدر کی زبان بول رہے تھے۔خود ان کی سمجھ میں تو کوئی بات آتی ہی نہ تھی۔

بہر طور وقتِ مقررہ پر شام کو شیکی نادرہ کے پاس پہنچ گیا اور اسے لے کر چل پڑا، ایک ٹیکسی نے انہیں پرانے گیسٹ ہاؤس چھوڑ دیا تھا۔ ٹیکسی ڈرائیور مشتبہ نگاہوں سے انہیں دیکھتا ہوا واپس چلا گیا تھا، بہر طور شفیع الدین شیکی بہت خوش تھے، ایک تنہا لڑکی کے ساتھ ایک ویرانے میں وہ عجیب سا محسوس کر رہے تھے۔پرانے گیسٹ ہاؤس کی کھنڈر نما عمارت میں داخل ہوتے ہوئے نادرہ کے بدن میں کپکپی دوڑ گئی تھی۔

”یہ۔۔۔یہ آپ مجھے کہاں لے آئے ہیں۔“؟ اس نے شیکی سے پوچھا تھا۔

”مم محترمہ میں نن نہایت شریف آدمی ہوں۔آپ بب بالکل بے فکر رہیے۔“ حالات شیکی پر بھی اثر انداز ہو رہے تھے۔اس ویران ماحول میں شیکی کی حالت عجیب سی ہوتی جارہی تھی۔اگر کسی کونے کھدرے سے کوئی خوفناک شخصیت نکل کر اسے دبوچ لے تو کیا ہو گا۔۔۔بہر طور جاسوسی کرنے نکلے تھے۔کوئی معمولی بات نہیں تھی، اگر یہ سب کچھ نہ کرتے تو واپس افریقہ بھیج دیئے جاتے اور شیکی کے لئے اب افریقہ جانے کا تصور ہی بے حد خوفناک تھا۔اس کی دلی خواہش تھی کہ اس کیس کو پایہء تکمیل تک پہنچانے کے بعد مبلغ پانچ ہزار روپے جناب پھوپھا میاں کی خدمت میں پیش کردیئے جائیں اوران سے کہا جائے کہ کاروبار شروع کرنا اتنا مشکل کام نہیں تھا۔

انہیں ان کی صلاحیتوں پر اعتبار کرنا چاہیے تھا۔

بہر طور یہ تمام چیزیں شیکی کو سہارا دیئے ہوئے تھیں اور وہ نادرہ کے ساتھ اس مخصوص جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔ جہاں سے وہ تمام ڈرامہ دیکھ سکتے تھے۔ بات مزید دو ہزار روپے کی تھی۔ ورنہ شاید یہ خطرہ مول نہ لیا جاتا۔

دوسری جگہ عالم پناہ اپنا کام کر رہے تھے۔ وہ اس جگہ پہنچ گئے تھے۔ جہاں سے اس بلیک میلر کو پانچ لاکھ روپے کی ادائیگی ہونی تھی، یہ روپے انہیں صفدر نے مہیا کئے تھے۔ لیکن صفدر نے انہیں بتا دیا تھا۔ کہ اوپر اوپر ایک ایک نوٹ اصلی ہے۔ باقی کاغذ کی گڈیاں ہیں۔ جو نہایت صفائی سے تراشی گئی ہیں۔' یہ نوٹ بلیک میلر کو دینے ہیں اور عالم پناہ کو یہ بھی بتایا گیا تھا کہ آصف کے ساتھ کیا سلوک کرنا ہے، آصف ایک بلیک میلر کی حیثیت سے ان کھنڈرات میں عالم پناہ سے

ملنے والا تھا، عالم پناہ اور گوٹا والا انتظار کرنے لگے۔ اس وقت تقریباً
پانچ بج کر بیس منٹ ہوئے تھے۔ جب ایک پتھر کے گرنے کی آواز
سنائی دی اور وہ دونوں بُری طرح اُچھل پڑے۔

"اب، اب کیا کروں۔"؟ ہارون گوٹا والا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں، خاموش کھڑے رہیں۔" عالم پناہ نے کہا۔

"ارے پیارے بیا۔ میری تو جان نکلی جا رہی ہے بھائی جاسوس۔
بولو اب کیا کروں۔"؟

"میں کہتا ہوں خاموش کھڑے رہو۔ کرنا کیا ہے۔" عالم پناہ نے
کہا۔ اتنی دیر میں وہ شخص سامنے آ گیا۔ چیک کا لمبا اوورکوٹ پہنے
ہوئے تھا۔ چہرے پر نقاب لگی ہوئی تھی۔

آہستہ آہستہ وہ قریب آ گیا۔۔۔ پھر اس کی بھرائی ہوئی آواز
سنائی دی۔ "مسٹر ہارون گوٹا والا۔ تم سے تنہا آنے کے لئے کہا گیا

تھا۔''

''ارے ۔۔۔ہم ۔۔۔ہم تو۔۔۔ہم تو۔۔۔مارے گئے بھائی صاحب!''

''یہ کون ہے تمہارے ساتھ۔''؟

''بھائی ہے اپن کا۔۔۔کھدا کسم بھائی ہے بابا۔''

''رقم لائے ہو۔''؟

''ایں۔۔۔ہاں۔۔۔اپن بھائی۔۔۔ارے تم بھی تو بولو نا۔۔۔'' گوٹا والا نے عالم پناہ سے کہا۔

''رقم لے آیا ہوں۔۔۔دیکھ لو اسے۔۔۔'' عالم پناہ نے کہا اور سوٹ کیس کھول دیا۔نقاب پوش سوٹ کیس پر جھک گیا۔اور اسی لمحے عالم پناہ نے اس پر چھلانگ لگا دی۔وہ نقاب پوش کو رگیدتے ہوئے زمین پر آپڑے تھے۔

"ارے مرگیا۔۔۔تیرا ستیاناس گینڈے۔ہڈیاں پسلیاں توڑ دیں۔۔۔ابے میں کہتا ہوں ہٹ اوپر سے۔" نیچے سے آصف کی آواز سنائی دی۔

ہارون گوٹاوالا اس خوفناک جدوجہد میں یہاں نہ رُک سکتے تھے۔ وہ چیختے ہوئے بھاگے اور ایک پتھر کی آڑ میں جا چھپے۔ان کے بدن میں کپکپی دوڑ رہی تھی۔

دوسری طرف شیکی نادرہ سے کہہ رہا تھا۔"یہ طوفان میل کا بیٹا ہے۔جاسوس نمبر دو۔۔۔اور یہ وہ شخص ہے جو تمہارے ڈیڈی کو پریشان کر رہا تھا۔اس کا کام تمام۔۔۔"

"اوہ۔آپ لوگ۔۔۔آپ لوگ کس قدر ذہین ہیں۔میں ان صاحب کو جانتی ہوں۔کس بے جگری سے جنگ کر رہے ہیں۔کتنے دلیر ہیں وہ۔۔۔" نادرہ متاثر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"میرا شاگرد ہے آخر۔۔۔کوئی معمولی شخصیت نہیں ہے۔!"

شکی نے کہا۔

"آپ کا شاگرد۔۔۔"؟

"ہاں۔افریقہ میں ہم لوگ سیاہ فاموں کو جوڈو کراٹے کی تربیت

دیتے تھے۔میں گرانڈ ماسٹر ہوں۔"

"خوب۔۔۔"نادرہ متاثر لہجے میں بولی۔"حالانکہ آپ کا تن و

توش کوئی خاص نہیں ہے۔"

"مارشل آرٹس کے لئے تن وتوش ضروری نہیں ہے۔آپ نے

بروس لی کو دیکھا ہے۔"

"نہیں۔"

"دیکھنے کی چیز تھی۔بہر حال۔"شکی نے کہا۔دوسری طرف ابھی

تک جنگ جاری تھی۔اسے جنگ کہا جا سکتا تھا۔حالانکہ صورتِ حال

یہ تھی کہ عالم پناہ آصف کو زمین سے اُٹھانے کی کوشش کر رہے تھے اور آصف سے اُٹھا نہیں جا رہا تھا۔ عالم پناہ کے ٹنوں وزنی بدن نے اسے پیس کر رکھ دیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا۔

”لعنت ہے تم پر۔۔۔اس طرح کہا تھا۔“

”م۔مگر کیا ہوا آصف بھائی! میں نے تو۔۔۔“

”میں نے تو کے بچے۔۔۔پسلیاں ٹوٹ گئیں میری۔“

”کک کہاں سے۔“؟

”ہائے۔۔۔اب بھی کبھی اس طرح توڑو گے۔اُفوہ۔یہ صفدر کا بچہ۔۔۔خود تو بچ جاتا ہے۔اور دوسروں کو۔۔۔نمٹ لوں گا۔۔۔اس سے۔“

”اب میں کیا کروں آصف بھائی۔“

”جہنم میں جاؤ۔تمہارا ستیاناس۔“

''دیکھئے۔۔۔حوصلہ اختیار کیجئے۔اس طرح تو بات بگڑ جائے گی۔''

''بگڑ جائے۔میرا تو کباڑہ ہو گیا۔اٹھاؤ مجھے۔زمین سے تو اُٹھاؤ۔'' آصف کراہتا ہوا بولا۔اور عالم پناہ نے ایک جھٹکے سے اُٹھا کر کھڑا کر دیا۔

''اب کیا کروں۔''؟

''بس اب اپنا بریف کیس اُٹھا کر دفع ہو جاؤ۔۔۔ہائے میں مر گیا۔'' نقاب پوش کراہتا ہوا دوسری طرف مُڑ گیا۔وہ لنگڑا لنگڑا کر چل رہا تھا۔چند لمحات کے بعد وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

''میں آجاؤں۔۔۔'' گوٹا والا کی آواز سنائی دی۔

''آجائیے۔۔۔آجائیے۔'' عالم پناہ بولے اور ہارون گوٹا والا جلدی سے عالم پناہ کے پاس پہنچ گیا۔

"کمال کر دیا بھائی تم نے۔"

"ہمارا فرض تھا سیٹھ صاحب۔"

"اپن اب کیا ہوئیں گا۔ کیا وہ اپن کو دوبارہ پریشان نہیں کریں گا۔"

"بھول کر بھی آپ کی طرف رُخ نہیں کرے گا۔ وعدہ کر گیا ہے۔۔۔" عالم پناہ نے کہا۔

"کیا واقعی۔"؟

"ہاں۔ ہماری گارنٹی ہے۔ ہم اپنے کام کی گارنٹی دیتے ہیں۔ وہ اب آپ کی طرف رُخ نہیں کرے گا۔"

"ارے واہ جاسوس بھائی۔ تم لوگوں نے تو واقعی کمال کر دیا۔ اب چلیں یہاں سے۔"

"جی چلیئے۔۔۔" اور دونوں واپس چل پڑے۔ دوسری طرف

نادرہ بھی بہت خوش نظر آ رہی تھی۔

"یہ تو کمال ہو گیا۔۔۔" اس نے کہا۔ "ہم لوگ بھی چلیں۔"

"ابھی نہیں محترمہ۔ اور پھر ایسی جلدی بھی کیا ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ چلتے ہیں۔ اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ کو میری طبیعت اچھی نہیں لگتی۔"

"مجھے ان ویرانوں سے ڈر لگ رہا ہے۔ براہِ کرم چلیں یہاں سے۔" نادرہ بولی۔۔۔ اور شکی ٹھنڈی سانس لے کر چل پڑا۔ اسے اپنی کوششوں میں مایوسی ہوئی تھی۔ بہر صورت نادرہ کو اس نے اس جگہ چھوڑ دیا اور خود واپس دفتر کی طرف چل پڑا۔

دفتر میں عالم پناہ موجود تھے، صفدر، آصف، صائمہ اور تمام لوگ نجانے کس طرح وہاں آ گئے تھے اور زبردست ہنگامہ برپا تھا۔ عالم

پناہ کی گردن لٹکی ہوئی تھی اور آصف اب بھی بیٹھا ہوا درد سے کراہ رہا تھا۔اس کے بدن پر صرف پتلون تھی۔اور جاوید اس کے رگ پٹھوں کی مالش کر رہا تھا۔

''کیا ہوا۔کیا ہوا آصف بھائی۔'' شیکی نے متحیرانہ لہجے میں پوچھا۔۔۔

''بکواس بند کرو،ورنہ وہی تمہارا حشر کروں گا جو میرا ہوا ہے۔'' آصف نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ارے کوئی غلطی ہوگئی کیا۔''؟شیکی نے پوچھا۔

''غلطی ،ایسی غلطی ہوئی ہے کہ عالم پناہ کو پھانسی پر لٹکا دینا چاہئے۔''

''نن نہیں ایسا نہیں ہوتا۔''شیکی نے بے اختیار کہا۔اور سب ہنس پڑے،شیکی ایک ایک کی شکل دیکھ رہا تھا،پھر بولا۔۔۔''مگر ہوا

کیا۔۔۔"

"ارے ہوا کیا، اس ارنے بھینسے نے میری ہڈیاں توڑ دیں، کہا اس سے یہ گیا تھا کہ چھلانگ ضرور لگائے۔ مگر اس طرح کہ میرے اوپر نہ آپڑے۔ کم بخت کو اپنے اوپر قابو ہی نہ رہا۔"

"دیکھیں، دیکھیں جناب والا زبان خراب نہ کیجئے ہم بھی۔۔۔ صاحب عزت ہیں۔ جو کچھ ہوا صفدر بھائی کی ایماء پر ہوا ہم اس سلسلے میں قصور وار نہیں ہیں۔" عالم پناہ نے کہا اور ایک بار پھر قہقہوں کا طوفان اُمڈ پڑا، آصف کرسی کی پشت سے گردن ٹکا کر دراز ہو گیا تھا۔

"یار اب تمہاری حالت اتنی بھی خراب نہیں جتنی تم اداکاری کر رہے ہو۔۔۔" صفدر نے کہا۔

"صفدر کے بچے۔ سب تمہاری بدمعاشی ہے۔ آئندہ سہی، تم خود تو بچ جاتے ہو اور دوسروں کو پھنسا دیتے ہو۔"

''اوہ آصف غیر فطری باتیں مت کرو۔۔۔بدن کے مختلف اعضاء مختلف کام کرتے ہیں۔دماغ حکم دیتا ہے،ہاتھ پاؤں عمل کرتے ہیں،میں دماغ ہوں۔''صفدر نے کہا۔

''تمہارے دماغ کی ایسی کی تیسی۔میرا کباڑہ کردیا۔''

''اچھا خیر،اب تو جو ہونا تھا ہوگیا۔۔۔اب آگے کے پروگرام پر غور کرو۔آگے کیا کرنا ہے۔۔۔شیکی کیا ہارون نے رقم کی ادائیگی کردی۔''

''ابھی نہیں شاید کل کرے۔''

''اور یقیناً گوٹا والا بھی کل ہی ادائیگی کرے گا۔''

ہاں،اس بات کا امکان ہے۔''

''بہر حال کل ہی پہلی آمدنی کو نواب صاحبان کی خدمت میں پیش کردیا جائے گا۔آج انہیں اس کی اطلاع دے دی جائے گی تاکہ

انہیں سکون کی سانس لینے کا موقع ملے۔"

"اور ہمارا حصہ۔۔۔" دوسرے لوگ بول پڑے۔

"دوستو۔۔۔اس کے لئے عمر پڑی ہے۔آپ لوگوں کو ایک اور شاندار پارٹی دی جاسکتی ہے۔شیکی اور جہانگیر کو کامیابی سے روشناس کر دینا ہم سب کی ذمہ داری ہے۔اب تو یہ ادارہ ہم سب کا ہے۔اس کی معرفت ہم بھی خود کفیل ہو جائیں گے۔بہت جلد ہمارے اخراجات بھی یہی ادارہ پورے کرے گا۔آپ لوگ مطمئن رہیں۔"

بات سب کی سمجھ میں آ گئی تھی۔بہر حال اس بات سے سب متفق ہو گئے کہ رات کو نواب تمیز الدین اور عزیز الدین کو اس بارے میں تفصیلات بتا دی جائیں اور کل ان کے سامنے وہ رقم پیش کر دی جائے جو پہلے کیس کے سلسلے میں وصول ہوئی ہے اس سلسلے میں بھی صفدر کی ہدایات زیرِ عمل تھیں،اس نے شیکی اور عالم پناہ کو اچھی طرح

بڑھا دیا تھا کہ کہیں کباڑہ نہ ہو جائے اور پھر رات کے کھانے کے بعد عالم پناہ نے اس گفتگو کا آغاز کر دیا۔ جوان کے درمیان طے ہو چکی تھی ،نواب تمیز الدین اور عزیز الدین کھانے کے بعد حسب معمول چند لمحات ان لوگوں کے ساتھ گزارتے تھے۔اوران سب سے پُر لطف گفتگو کیا کرتے تھے،اسی گفتگو کے دوران عالم پناہ نے نواب تمیز الدین کے سامنے دست بستہ عرض کی۔

’’وہ پھوپھا جان میں کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔‘‘؟

’’اوہو،فرمایئے فرمایئے۔‘‘تمیز الدین صاحب نے طنزیہ انداز میں کہا۔

’’آپ نے ہم لوگوں سے یہ نہیں پوچھا کہ ہم اس دفتر میں بیٹھ کر کیا کر رہے ہیں۔‘‘

’’پوچھوں گا میاں ذرا اطمینان سے پوچھوں گا۔ابھی تو میں نے

تمہیں یہ موقع دیا ہے، ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے ہیں۔ تمہیں وہاں بیٹھے ہوئے۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تم کیا تیر مارو گے۔"

"پھوپھا جان ہم نے تیر اندازی شروع کر دی ہے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" تمیز الدین حیرت سے بولے۔

"ج جی ہاں، یعنی کاروبار۔۔۔" عالم پناہ نے کسی قدر ہکلاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب۔؟ کیا کاروبار شروع کیا ہے تم نے وہاں پر، کہیں دھنیا مرچ کی دوکان تو نہیں کھول لی۔ اس دفتر میں بیٹھ کر۔"

"بھئی تمیز الدین یہ تمہاری زیادتی ہے، میں اس کے خلاف احتجاج کرتا ہوں۔" نواب عزیز الدین نے درمیان میں مداخلت کی۔

''کیا بھائی صاحب۔''؟

''سُن تو لو بچے کیا کہہ رہے ہیں، ممکن ہے انہوں نے کچھ شروع ہی کر دیا ہو، تم نے دفتر لے کران کے حوالے کر دیا ہے، لیکن تم نے یہ معلوم کیا کہ وہ لوگ وہاں کیا کر رہے ہیں۔ اب جب کہ انہوں نے کچھ کرنے کا فیصلہ کیا ہے یا ممکن ہے انہوں نے ابتداء کر دی ہے تو تم انہیں اس طرح بددل کر رہے ہو۔''

''میں بددل نہیں کر رہا بھائی صاحب! مگر یہ بات آج بھی میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ یہ دونوں ناکارہ ہیں۔ کچھ نہیں کر سکتے اپنی زندگی میں، آپ کا حکم تھا۔ اس لئے میں نے اس کی تعمیل کی ہے۔ ورنہ۔۔۔''

''ناممکن۔ میں بھی دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔ یہ کیا بات ہوئی۔'' عزیز الدین خان بولے۔

''آپ ان کے سلسلے میں نہ جانے کس خوش فہمیوں کے شکار ہیں۔ بہر حال میں کیا عرض کر سکتا ہوں آپ کے سامنے۔ ہاں میاں کیا کاروبار شروع کیا ہے آپ نے۔''؟

''دفتر جاسوسی کھولا ہے ہم نے۔ لوگوں کی مشکلات حل کرتے ہیں مناسب معاوضے پر۔''

''سنا آپ نے بھائی صاحب! سن لیا۔۔۔ ارے یہ کسی مصیبت میں پھنسیں گے اور ہمیں بھی پھنسائیں گے۔ یہ لوگوں کی مشکلات دور کریں گے جو سب کے لئے مشکل بن گئے ہیں۔''

''یہ بات نہیں ہے عظیم پھوپھا جان۔ آپ ہمیں جس قدر ناکارہ سمجھتے ہیں۔ ہم اس قدر ناکارہ نہیں ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ بزرگوں کے سامنے بچہ بنے رہنے کو جی چاہتا ہے۔ ہم تو ایک کیس لے کر اسے حل بھی کر چکے ہیں۔''

"اوہ۔۔۔اوہ کون بدنصیب مارا گیا۔" تمیزالدین خان پھر اُچھل پڑے۔

"مارا نہیں گیا۔ ہم نے ایک شریف آدمی کو ایک بلیک میلر کے چنگل سے بچایا ہے اور اس کا معاوضہ لیا ہے پانچ ہزار۔۔۔یہ دو ہزار ایڈوانس ہاتھ میں۔ باقی رقم کل مل جائے گی۔" عالم پناہ نے دو ہزار روپے تمیزالدین خان کے سامنے رکھ دیئے۔

"رقم بھی لی ہے۔؟ افوہ کون ہے وہ۔۔۔کیا ہو گیا تھا اسے اب وہ مقدمہ کرے گا تمہارے اوپر۔"

"اس کا کام ہو چکا ہے پھوپھا جان۔ اور وہ بہت خوش ہے۔" عالم پناہ بولے۔

"کام تمام ہو چکا ہو گا بے چارے کا۔ ہائے بدنصیب اب دیکھو کیا ہوتا ہے۔"

"میاں جہانگیر تم اس فضول شخص کی باتوں سے پریشان نہ ہو میں تمہاری اس کوشش سے بہت خوش ہوں۔ بلکہ تم ہمارے لئے بھی ایک کام انجام دو اور اس کا معاوضہ بتا دو۔"

"جی فرمایئے بڑے پھوپھا جان۔۔۔" عالم پناہ بولے۔

"بغلی کوٹھی دیکھی ہے کبھی۔"؟

"کون سی کوٹھی۔"؟

"یہ جو برابر میں ہے۔"

"جی ہاں۔"

"اس کے مالک نواب خیرات علی ہیں۔ بے حد خطرناک، بات بات پر بندوق نکال لیتے ہیں۔ کھٹنے نواب کے نام سے مشہور ہیں۔ انہیں کسی طرح یہ کوٹھی فروخت کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ یہ کوٹھی فروخت ہو جائے۔ہم اسے خریدنا

چاہتے ہیں۔ پندرہ ہزار روپے معاوضہ ملے گا اور کوٹھی کی قیمت کا ایک فیصد کمیشن بھی۔''

''منظور۔۔۔منظور۔۔۔'' شیکی اور عالم پناہ بولے۔

''بھائی صاحب! آپ ان فضول لوگوں پر اعتبار کر رہے ہیں۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''پندرہ ہزار میں پانچ ہزار ایڈوانس دو ان کو۔ باقی دس ہزار کام ہونے کے بعد۔'' عزیز الدین بولے۔

''بالکل بالکل۔۔۔ایڈوانس ضروری ہے۔'' شیکی نے کہا۔

''دو سو بیس روپے رجسٹریشن فیس بھی عنایت فرما دیں۔'' عالم پناہ بولے۔

''رجسٹریشن فیس۔''

''جی ہاں۔ کل میں فارم لے آؤں گا۔'' عالم پناہ نے کہا۔

"چلو نکالو۔۔۔نکالو بھئی کنجوسی مت کرو۔" نواب عزیز الدین خان بولے۔اور تمیز الدین کو دو سو بیس روپے دینے ہی پڑے۔اس طرح ادارے کو یہ دوسرا کیس بھی مل گیا تھا۔

مسز درانی کے تمام کس بل نکل گئے تھے۔اس نے بالآخر تقدیر کے اس فیصلے کو قبول کر لیا تھا کہ اسے سہیل کی ماتحتی میں ہی کام کرنا ہے۔اور اب جب اس نے سہیل کی برتری قبول کر لی تھی تو اس نے اس کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔جوں جوں وہ سہیل کے بارے میں سوچتی تھی اسے شدید حیرت ہونے لگتی تھی۔اس نے ابتداء سے اب تک کے حالات پر نگاہ دوڑائی تھی اور اسے احساس ہو چکا تھا کہ وہ حماقت کرتی رہی ہے۔ورنہ سہیل یا نصیبو تو ہمیشہ سے سپر تھا اور اس سے مقابلے کا تصور حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا بھلا مسز

درانی کیا حیثیت رکھتی تھی۔نصیبو نے تو اچھے اچھوں کے حواس درست کر کے رکھ دیئے تھے۔

اس دوران وہ لوگ نہ جانے کہاں غائب ہو گئے تھے جو اس کے ساتھ نصیبو کے قید خانے سے رہا ہوئے تھے۔کئی بار مسز درانی کا دل چاہا کہ ان کے بارے میں پوچھے لیکن ہمت نہیں پڑی تھی۔سہیل یا نصیبو کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ وہ نہ جانے کب کس موڈ میں ہو۔بہر حال اب مسز درانی کے اندر غداری یا سہیل سے انحراف کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی تھی اور جب غداری کی گنجائش نہیں رہی تھی تو پھر وہ اس کی وفادار بن گئی تھی اور دل و جان سے اس کے لئے سب کچھ کرنے پر آمادہ تھی۔اس نے پوری دیانت داری سے اپنے فرائض کی انجام دہی شروع کر دی تھی اور سہیل نے جو ذمہ داریاں اس کے سپرد کی تھیں انہیں انجام دے رہی تھی۔سہیل نے اس

کے بعد ایک بار بھی اس سے کوئی باز پرس نہیں کی۔

اس شام بھی وہ اپنی کوٹھی کے باغ میں ایک بنچ پر بیٹھی تھی کہ اس نے زاہد ظفر کی کار اندر داخل ہوتے دیکھی۔ رہائی کے بعد سے آج زاہد ظفر نظر آیا تھا۔ مسز درانی دلچسپی سے اسے دیکھنے لگی اور پھر جب زاہد ظفر کار روک کر اُترا تو اس نے زور زور سے آوازیں دے کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا اور ظفر مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔

''ہیلو مسز درانی کیسے حال ہیں، خیریت سے تو ہو۔'' اس نے حسب عادت سوال کیا۔

''ہاں ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ۔''

''بالکل ٹھیک۔ ویسے میں عام طور سے ٹھیک رہنے والوں میں سے ہوں۔''

''اوہ۔ پھر اپنے مخصوص انداز میں گفتگو کرنے لگے۔ میرا خیال

ہے تھکن اُتر گئی ہے۔"

"تھکن۔"؟

"ہاں گھوڑوں کی مالش آسان کام تو نہیں ہوتا۔" مسز درانی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"خیر آسان کام تو روٹیاں پکانا بھی نہیں لیکن تم تروتازہ نظر آرہی ہو۔"

"میں نے کب انکار کیا ہے۔" مسز درانی نے مسکرا کر کہا اور پھر ظفر کو بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی۔ "اندر چلیں یا یہیں بیٹھیں۔"

"نہیں میرے خیال میں یہ وقت بند کمروں کا نہیں ہے یہاں کا ماحول حسین ہے۔" اور ظفر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"کیا پیو گے۔"؟

"کافی۔" اس نے بے تکلفی سے جواب دیا اور مسز درانی نے

ملازم کو بلا کر کافی کے لئے کہہ دیا۔ پھر وہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے ظفر کو دیکھنے کے بعد پھر مسکرا کر بولی۔

"تم بھی خوب انسان ہو۔"

"ایک عالم کو میری خوبیوں کا اعتراف ہے لیکن کبھی کبھی عورت کے دام میں پھنس کر احمق بن جاتا ہوں۔ لیکن یہ بھی کوئی ایسی بات نہیں ہے اپنے استادِ محترم بھی عورت کے جال میں پھنس کر گھوڑا بن گئے تھے۔"

"کون سے استادِ محترم کی بات کر رہے ہو۔"؟ مسز رانی نے پوچھا۔

"ارے وہی اپنے استادِ محترم حضرت ارسطو شاید تمہیں یہ واقعہ معلوم نہیں ہے۔"

"اوہ ، ارسطو کا نام تو سنا ہے میں نے لیکن لٹریچر سے کوئی دلچسپی

نہیں رہی ہے مجھے میں تو دوسری قسم ہی کا لٹریچر پڑھتی رہی ہوں۔"

"ویسے معاف کرنا مسز درانی تم بھی کم پُر اسرار شخصیت کی مالک نہیں ہو، تمہاری فطرت میں، میں نے صرف ایک عورت نہیں دیکھی بلکہ ایک عجیب عالم چھپا ہوا ہے میں نے تمہیں مختلف شکلوں میں دیکھا ہے اور یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں کہ تم عام نہیں ہو سکتیں۔"

"چلو بات برابر ہو گئی میں نے تمہاری تعریف کی تم نے میری۔"

مسز درانی آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی۔

"یہ بات نہیں ہے یقین کرو یہ بات نہیں ہے جھوٹی تعریفوں کا مسئلہ نہیں ہے ہر چند کہ تم اپنے بارے میں تھوڑی بہت تفصیلات بتا چکی ہو لیکن بات وہیں ختم نہیں ہو جاتی میں نے تمہیں دوسری شکلوں میں بھی عام انسانوں سے مختلف پایا ہے۔"

مسز درانی نے گہری سانس لی اور کہنے لگی۔"ہم جس شکل میں بھی

ہیں زاہد ظفر لیکن ہمارے سروں پر جو بری روح مسلط ہوگئی ہے ہم کسی طور اس سے انحراف کرنے کے قابل نہیں ہیں۔''

''بری روح تمہاری مراد نصیبو سے تو نہیں ہے۔''؟

''ہاں میں اسی کی بات کر رہی ہوں۔''

''میرا خیال ہے مسز درانی اگر تم روشن آنکھوں سے دیکھو اور روشن دماغ سے غور کرو تو وہ بری روح نہیں ہے بلکہ وہ ایک انتہائی شاطر اور چالاک شخصیت ہے جس کے ہاتھ اتنے لمبے ہیں کہ ہماری پہنچ وہاں تک نہیں ہو سکتی۔''

''یقین کرو زاہد ظفر میں نے بری روح کا لفظ پیار سے استعمال کیا ہے اس میں کوئی طنز یا نفرت چھپی ہوئی نہیں ہے میں نے بھی اس کی شخصیت پر غور کیا اور مجھے محسوس ہوا جیسے میں اب تک حماقتیں کرتی آ رہی ہوں وہ قابلِ نفرت نہیں بلکہ پیار کئے جانے کے قابل ہے تم

دیکھو تو اسے خود پر حالات پر ماحول پر کتنا عبور حاصل ہے وہ جہاں چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے خواہ وہ شہر کی پر ہجوم زندگی ہو یا پہاڑوں کا ویران ماحول تمہیں وہ لمحات یاد ہوں گے جب وہ راگھو خان سے لڑ رہا تھا خدا کی قسم ایک ایسا نرم و نازک انسان جسے لڑکیاں دیکھ کر اپنے حواس کھو بیٹھتی ہے اُسے دیکھ کر واقعی حواس پر قابو رکھنا مشکل ہو جاتا ہے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ ایک نوخیز چھوکرا ہو کسی کالج کا جو زندگی میں کچھ بھی نہ دیکھ پایا ہو بلکہ جس نے ابھی زندگی کی ابتداء کی ہو جب اس کے نرم و نازک بدن پر ہنٹروں کی بارش ہوتی ہے اور بیلٹوں سے وہ خوفناک جنگ لڑتا ہے تو یقین نہیں آتا کہ ہماری آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں وہ درست ہے، راگھو خان جیسا وحشی صفت انسان بلاوجہ ہی اس کے سامنے موم نہ ہوا ہوگا یقینی طور پر اس کی شخصیت میں اس نے کچھ نہ کچھ دیکھا ہوگا۔"

''ہاں اس میں کوئی شک نہیں ہے اس کے بارے میں جب تک باتیں کرتی رہو گی ایک نا ایک نئی بات سامنے آتی رہے گی لیکن مسز درانی کیا میں تم سے ایک سوال کر سکتا ہوں۔''؟

''ضرور پوچھو۔''

''کیا اب بھی تمہارے دل میں وہی کدروت وہی نفرت باقی ہے۔''

''سچ پوچھو تو نہیں بلکہ اب میں اس کی پرستش کرنے لگی ہوں مجھے احساس ہونے لگا ہے کہ میں خود سے بڑھ کر شخص کے تحت کام کر رہی ہوں وہ ایسی شخصیت نہیں ہے جو ہمارے ہاتھوں زیر ہو جائے جب ہم اس پر قابو نہیں پا سکتے تو اس سے اختلاف بھی چھوڑ دینا چاہیئے عام حالات میں وہ ہمارے لئے برا بھی نہیں ہے جہاں تک رہا اپنی مطلق العنانی کا مسئلہ ظفر تم دیکھو گے اس نے ہمارے کون سے معاملات

میں مداخلت کی ہے۔"

"اچھا اچھا بھئی، طے یہ پایا کہ نصیبو یا سہیل کی برتری ہم دونوں نے تسلیم کرلی میں تو پہلے بھی اس کے لئے تیار تھا مسز درانی لیکن کیا کروں تم نے مجھے بہکا دیا تھا۔"

"چلو فضول باتوں کو چھیڑنے سے کوئی فائدہ نہیں تم کسی خاص مقصد کے تحت آئے تھے یا یوں ہی چلے آئے۔"؟

"خاص ہی مقصد کے تحت آیا تھا۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"اوہ کہو کیا بات ہے۔ کیا معاملہ تھا۔" مسز درانی نے پوچھا۔

"بس تمہاری یہ حسین شکل نگاہوں سے اوجھل تھی آنکھوں کی روشنی کچھ کم ہونے لگی تھی سوچا بیٹری چارج کرآؤں۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"یعنی اسی لئے آئے تھے۔"؟

"کیا یہ کوئی کم معاملہ ہے بھئی مسیحائی کا سوال ہے اندھا ہو گیا تو سڑکوں پر ٹھوکریں کھاتا پھروں گا۔"

مسز درانی آنکھیں بند کر کے ہنسنے لگی۔ اسی اثناء میں ایک ملازم کافی کے برتن لے آیا اور اس نے لان پر ہی کافی سجادی اور مسز درانی زاہد ظفر کے لئے کافی بنانے لگی تھی۔

"تمہارا کاروبار کیسا چل رہا ہے۔"؟

"ٹھیک ہے میری اپنی ضرورت کے لئے بہت کافی۔" زاہد ظفر نے جواب دیا اور کافی پی جانے لگی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ ملازم نے واپس آ کر ٹیلی فون کی اطلاع دی۔

"کس کا فون ہے تم نے پوچھا۔"؟

"جی سرکار، کوئی نصیبو صاحب ہیں۔" ملازم نے جواب دیا اور مسز درانی نے ہاتھ سے کافی کی پیالی چھوٹتے چھوٹتے بچی اور اس

نے جلدی سے کافی کا برتن رکھ دیا اور اچھل کر کھڑی ہوگئی زاہد ظفر نے
اپنی پیالی کا گھونٹ بھرا اور وہ بھی مسز درانی کے ساتھ چل پڑا۔ مسز
درانی تقریباً دوڑتی ہوئی اندرونی حصوں کی جانب جا رہی تھی پھر اس
نے کمرے میں پہنچ کر ٹیلی فون کا ریسیور اٹھا لیا جو ملازم نے ٹیلی فون
کے برابر رکھ دیا تھا، زاہد ظفر خود بھی اس کے سر سے سر جوڑ کر بیٹھ گیا تھا
مسز درانی نے پھولے ہوئے سانس پر قابو پایا اور ٹیلی فون کے ماؤتھ
پیس میں بولی۔

''ہیلو مسز درانی بول رہی ہے۔''

''ارے تمہیں کیا ہوا مسز درانی تمہاری آواز کیسی ہو رہی ہے۔''

دوسری طرف سے نصیبو کی چہک سنائی دی۔

''مم، میں۔میں پائیں باغ میں تھی بس دوڑتی ہوئی آئی ہوں
آپ کے ٹیلی فون کی اطلاع سن کر۔''

"اوہ شکریہ ویسے اتنی جلدی بھی نہ تھی میں کچھ اور انتظار کر لیتا۔"

"نہیں جناب، میں آپ کی آواز سننے کے بعد خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔"

"ارے واہ۔ابھی تک تمہاری وہی کیفیت ہے مسز درانی۔" دوسری طرف سے کہا گیا۔

"کیا مطلب۔"؟ مسز درانی آہستہ سے بولی۔

"بھئی تم مجھے بہت پسند کرتی تھیں نا بلکہ ایک مرتبہ تو تم نے مجھے باقاعدہ اغوا کر ڈالا تھا یاد ہے ایک لڑکی بھی تھی تمہارے ساتھ۔تم نے اپنی دانست میں مجھے شراب پلا دی تھی اور مجھے مدہوش کر کے۔"

"سہیل براہِ کرم اب ان باتوں سے کیا حاصل۔"

"کیا مطلب میں تمہاری آواز میں مایوسی نہیں دیکھ سکتا۔"

"میرا مذاق اڑا رہے ہو۔" مسز درانی ناز بھرے لہجے میں بولی

اورزاہد ظفر اس کا شانہ تھپتھپانے لگا اس نے آنکھیں نکالی تھیں مسز درانی مسکرا پڑی۔

''خیر کیا کر رہی ہو یہ بتاؤ۔''؟

''کوئی خاص بات نہیں ہے وہ وہ۔''مسز درانی ہچکچائی۔

''مجھے علم ہے زاہد ظفر آئے ہیں نا تمہارے پاس۔'' نصیبو نے پوچھا اور مسز درانی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''بہت باخبر ہیں آپ۔''

''ہاں بھئی خطرناک لوگوں سے باخبر رہنا ہی ہوتا ہے اب تم دیکھو نا کیا کہا جا سکتا ہے کہ کب تمہارا ذہن گھوم جائے اور تم میرے لئے کوئی گڑھا کھود ڈالو۔'' دوسری طرف سے ہیل یا نصیبو کی آواز سنائی دی اور مسز درانی کچھ افسردہ سی ہو گئی۔ وہ چند لمحات کے لئے خاموش ہو گئی تھی تب دوسری طرف سے دوبارہ آواز اُبھری۔

''ہیلو مسز درانی۔''؟

''ہیلو۔'' مسز درانی نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ارے ارے تم شاید میری بات کا برا مان گئیں۔''

''نہیں برا کیا مانوں گی جو کچھ آپ کہہ رہے ہیں وہ ہو چکا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ اب اپنے تمام تر خلوص اور عقیدت کے باوجود وہ مقام کبھی حاصل نہ کرسکوں گی جو پہلے ہوسکتا تھا حالانکہ میرے اپنے ذہن میں بہت کچھ ہے آپ کے لئے۔''

''مسز درانی مذاق کی باتوں پر اتنا سنجیدہ نہیں ہوتے میں تو مذاق کررہا تھا اگر تم پر اعتماد نہ ہوتا تو میں یقیناً تمہیں اپنے گروہ میں شامل نہ رہنے دیتا۔''

''تو کیا تو کیا۔'' مسز درانی مسرور لہجے میں بولی۔

''ہاں میں اپنے معاملات میں تم پر مکمل بھروسہ کرتا ہوں ایسی

بات نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ انسان ٹھوکر کھانے کے بعد ٹھیک ہو ہی جاتا ہے اور میں اپنے پورے اعتماد کے ساتھ تمہیں اپنے دوستوں میں شمار کرسکتا ہوں۔"

"یہ میرے لئے بہت بڑی خوش خبری ہے جناب۔" مسز درانی نے کہا۔

"زاہد ظفر یقینی طور سے تمہارے سر سے سر جوڑے کھڑا ہوگا۔" ریسیور سے آواز آئی اور زاہد ظفر نے اپنی گردن جلدی سے مسز درانی کے پاس سے ہٹالی وہ آنکھیں پھاڑ کر چھت کو گھورنے لگا تھا مسز درانی ہنس کر بولی۔

"جی ہاں جناب وہ میرے قریب ہی ہے۔"

"اچھا تم دونوں قریب ہی بیٹھ جاؤ اور میری بات سنو۔ میں تمہیں ایک خاص سلسلے میں مصروف کردینا چاہتا ہوں۔"

”جی فرمایئے۔“

”کیا تمہیں ڈاکہ زنی سے دلچسپی ہے۔“ نصیبو نے سوال کیا اور مسز درانی کان سے ریسیور ہٹا کر اسے گھورنے لگی پھر اس نے ریسیور کان سے لگالیا۔

”میں نہیں سمجھی جناب۔“

”ڈاکہ زنی کا مطلب ڈاکہ زنی ہی ہوتا ہے۔“

”لیکن میں نے کبھی ڈاکہ تو نہیں......“

”اب ڈالو گی اور بہت اعلیٰ پیمانے پر ڈالو گی اور زاہد ظفر بھی تمہارے ساتھ ہوگا میں نے پہلے ہی اس کے بارے میں فیصلہ کرلیا تھا یہ اچھی بات ہے کہ وہ یہاں اس وقت موجود ہے۔“ نصیبو نے کہا۔

”مم مگر جناب کہاں ڈاکہ ڈالنا ہے۔“؟

"کسی ایک جگہ نہیں جگہ جگہ۔" نصیبو نے جواب دیا اور مسز درانی کا دل ہولنے لگا۔

"کیا آپ سنجیدگی سے یہ سب کچھ کہہ رہے ہیں جناب۔"

"مسز درانی کاروباری معاملات میں ،میں بالکل سنجیدہ ہوتا ہوں۔"

"مگر جناب یہ میری لائن نہیں ہے میں نے اس سے قبل کبھی یہ سب کچھ نہیں کیا۔"

"جو کام انسان نے نہیں کیا ہوتا وہ اُسے کرنا چاہئے تجربات تو زندگی کہلاتے ہیں اب دیکھو نا اخبارات میں تم روزانہ ہی خبریں پڑھتی ہو کہ فلاں جگہ پر یہ ہوا فلاں جگہ وہ ہوا یورپ میں تو خاص طور سے بینکوں کو ڈاکہ زنی کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور بڑے بڑے ماہرینِ فن یہ کام انجام دیتے ہیں بس تمہیں یہاں یہی سب کچھ کرنا

ہے۔"

"مم مگر یہ نیا کاروبار شروع کر رہے ہیں آپ۔"؟

"ہاں، کاروبار بھی نئے نئے شروع کرتے رہنا چاہیے۔"

"اگر آپ مجھے اس لائن کے لئے موزوں سمجھتے ہیں تو میں حاضر ہوں جو کچھ آپ کہیں گے اس پر عمل کرنا تو میرا فرض ہے جناب۔" مسز درانی نے کہا۔

"زاہد ظفر سے پوچھو کہ آج واپسی کا ارادہ تو نہیں ہے اس کا۔" نصیبو کی آواز سنائی دی اور مسز درانی ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کے زاہد ظفر کی طرف مڑی۔

"مسٹر نصیبو پوچھ رہے ہیں کہ تمہارا واپسی کا ارادہ تو نہیں ہے۔"؟

"نہیں بھئی کوئی ایسی بات نہیں ہے اتنا لمبا سفر طے کر کے آیا

ہوں کم از کم کل صبح تک تو رکوں گا۔" زاہد ظفر نے جواب دیا اور پھر مسز درانی نے اس کا جواب دہرا دیا۔

"ٹھیک ہے پھر یوں کرو مسز درانی کہ رات کا کھانا میرے لئے بھی تیار کراؤ اور رات کا کھانا میں تمہارے ساتھ ہی کھاؤں گا۔" نصیبو نے جواب دیا۔

"اوہ، کیا واقعی آپ آپ ہم پر اعتبار کریں گے مسٹر سہیل۔"

"ہاں یقیناً میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ مجھے تم لوگوں پر مکمل اعتبار ہے۔"

"تو بہت بہت شکریہ میں آپ کو رات کے کھانے کی دعوت دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے ساڑھے نو بجے پہنچ جاؤں گا۔" نصیبو نے کہا اور پھر ایک دو رسمی جملوں کے بعد دونوں طرف سے ٹیلی فون بند کر دیا گیا

مسز درانی ریسیور رکھ کر گہری گہری سانسیں لینے لگی تھی اس کا چہرہ اب بھی زرد ہو رہا تھا پھر اس نے لرزتی ہوئی آواز میں زاہد ظفر سے کہا۔

"سنا تم نے۔"؟

"ہاں سنا اور بڑے صبر و سکون سے سنا۔"

"مگر یہ کیا سوجھی نصیبو کو۔"

"نصیبو کو جو بھی سوجھ جائے کم ہے ویسے عمدہ کام ہے یہ بڑا یونیک آدمی ہے ہمیشہ نئی نئی سوچتا ہے واہ کیا مفید مشغلہ ہے کہ میں اور تم بینکوں میں ڈاکے ڈالتے پھریں گے اور خطرناک ڈاکوؤں کے نام سے مشہور ہو جائیں گے اخبارات میں تصویریں چھپیں گی پولیس مقابلے ہوں گے پکڑے جائیں گے یا تو گولی سے ہلاک ہو جائیں گے یا پھر پھانسی پر لٹکا دیئے جائیں گے واہ واہ واہ لطف آ گیا۔" زاہد ظفر نے گردن ہلا کر کہا۔

"تم درندے ہو مذاق اڑا رہے ہو میں تو اس تصور سے ہی خوفزدہ ہوں کہ مجھے بینکوں میں ڈاکے ڈالنے پڑیں گے یا عام لوگوں کو لوٹنا پڑے گا۔"

"لوٹتی تو تم رہی ہو مسز درانی لیکن اب طریقہ کار بدل جائے گا۔" زاہد ظفر نے کہا۔

"میں لعنت بھیجتی ہوں اس طریقہ کار پر اب بتاؤ ایک نئی پخ کھڑی کردی ہے اس نے کیسے صبر کروں اس کی نت نئی باتوں نے مجھے اور بھی خوفزدہ کردیا ہے میں جو کچھ کررہی تھی بس اسی پر اکتفا کرنا چاہتی تھی آخر وہ برا کاروبار تو نہیں ہے اب یہ ڈاکہ زنی کی کیوں سوجھی پتہ نہیں اسے مال و دولت کی ہوس ہے یا وہ پاگل ہے۔"

"پاگل تو ہے مسز درانی یہ بات تم اچھی طرح جانتی ہو۔"

"ہائے یہ پاگل پن ہمیں کیوں ڈبو رہا ہے۔" مسز درانی سر پکڑ

کر بیٹھ گئی۔

"ارے ارے تم تو واقعی پریشان ہو گئیں آؤ آؤ دیکھیں تو سہی رات وہ کو کیا کہتا ہے کیا سلسلہ ہے میرا خیال ہے کہ دولت کا معاملہ نہیں ہے کوئی اور تک بھی ہو سکتی ہے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے مسز درانی میں تمہارا یہ چوپٹ موڈ برداشت نہیں کر سکتا میں تو یہاں ہنسنے بولنے کے لئے آیا تھا سوچا تھا کہ کچھ اشعار سناؤں گا تمہیں اس طرح میری شاعری پر نکھار آ جائے گا۔"

"لعنت بھیجتی ہوں میں تمہاری شاعری پر۔ فضول باتیں کیں تو اچھا نہیں ہو گا اشعار سناؤ گے میرا دماغ تو ویسے ہی خراب ہو کر رہ گیا ہے کچھ صبر و سکون کی باتیں کرو کچھ تسلیاں دو اشعار سُنا سُنا کر اور پاگل بناؤ گے۔" مسز درانی نے کہا اور زاہد ظفر ہنسنے لگا۔

"اچھا اچھا اُٹھو یہاں سے باہر کی ہوا بہت مست کن ہے ہم

تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔" وہ مسز درانی کا بازو پکڑ کر کوٹھی کے بیرونی حصے کی جانب چل پڑا۔

عالم پناہ اور شیکی اپنے اس نئے کاروبار سے بے پناہ، خوش تھے، خاص طور سے انہیں اپنے پہلے ہی مرحلے پر شاندار کامیابی نصیب ہوئی تھی۔ اس کامیابی نے ان کے حوصلے اور بڑھا دیئے تھے وہ سوچ رہے تھے کہ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ بھی نواب بن جائیں گے اور پھر نواب تمیز الدین اور نواب عزیز الدین کے ہم پلہ کہلائیں گے، پھر وہ لوگ یہ بھی نہیں کہہ سکیں گے کہ انہوں نے ان کی مدد کی ہے، انسان اپنے بازوؤں سے کچھ بنے تو زیادہ لطف آتا ہے اسے، ہرچند کہ نواب عزیز الدین خان صاحب نے ان لوگوں کے ساتھ نہایت ہی محبت کا برتاؤ کرتے ہوئے یہ آفس انہیں دلوا دیا تھا، لیکن دونوں ہی

کامتفقہ فیصلہ تھا کہ خوش حال ہوتے ہی یا تو اس دفتر کی قیمت ادا کردی جائے گی یا اسے چھوڑ کر کوئی نیا شاندار آفس بنالیا جائے گا۔ دونوں کے دونوں اس بات پر متفق تھے اور خفیہ طور پر آپس میں گفتگو کرتے رہا کرتے تھے۔

شیکی اور عالم پناہ کو اللہ تعالیٰ نے شاید کچھ تمیز دے ہی ڈالی تھی۔ انہوں نے اپنے طور پر بہت سے فیصلے کیے تھے۔

آصف، صفدر، صائمہ، تنویر اور دوسرے لوگوں کی محبتیں اور عنائتیں ان لوگوں نے تسلیم کی تھیں، لیکن اس کے باوجود ایک خفیہ میٹنگ بھی ایک بار منعقد ہوچکی تھی اس میٹنگ میں صرف دو افراد شریک تھے، یعنی شیکی اور عالم پناہ۔ جہانگیر عالم پناہ ہی نے اس میٹنگ کی تجویز پیش کی تھی اور ایک دن چپکے سے شیکی کے کان میں کہا تھا۔

"شیکی آج رات کونو بجے میں اپنے بیڈروم میں تمہارا انتظار کروں گا۔"

شیکی اُچھل کر دو قدم پیچھے ہٹ گیا تھا، وہ سخت نگاہوں سے عالم پناہ کو گھور رہا تھا، پھر اس نے تیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب۔ کیا مطلب ہوا اس بات کا۔"؟

"ارے ارے میں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کی جس پر تم بدک جاؤ۔"

"تم آج کل بڑی گندی گفتگو کرنے لگے ہو، مطلب کیا ہے آخر تمہاری اس بکواس کا۔" شیکی نے غصے سے نتھنے پھلاتے ہوئے کہا۔

"او بے وقوف تیری عقل بھی گٹار کے ساتھ ہی چلی گئی ہے۔ میں تجھ سے کچھ ضروری گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" عالم پناہ کو بھی غصہ آنے لگا۔

"ضروری گفتگو۔" شیکی ایک دم ٹھنڈا پڑ گیا۔

"ہاں۔"

وہ کیا۔"؟

"ابے یہ ضروری گفتگو رات کو ہو گی۔ میں تیرا انتظار کروں گا۔"

عالم پناہ نے کہا اور آگے بڑھ گئے۔ بہرصورت شیکی بہت غور و خوض کرتا رہا تھا، اس کے بعد اِس نے عالم پناہ کے کمرے میں جانے کا فیصلہ کر لیا، حالانکی اس سے قبل وہ ہزاروں بار تنہا رہ چکے تھے لیکن نجانے کیوں شیکی کو عالم پناہ کی آج کی دعوت کچھ انوکھی لگی تھی۔ بہر طور وہ چوکنا ہو کر گیا تھا۔

عالم پناہ کسی غور و فکر میں ڈوبے ہوئے تھے انہوں نے شیکی کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور شیکی بیٹھ گیا۔

"تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے۔"؟

''نہیں میں نہیں جانتا۔ ویسے ایک عجیب سا انداز تھا تمہارا۔ میں تو ابھی تک پریشان ہوں۔'' شیکی نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

''فضول بکواس سے پرہیز کرو ہم لوگ اب وہ احمق شیکی اور جہانگیر نہیں رہے جو کچھ عرصہ قبل تھے، حالات کے تھپیڑوں نے ہمیں بہت کچھ سمجھایا ہے۔۔۔ کیا کبھی تم نے اپنی اور میری حالت پر غور کیا ہے شیکی۔''؟

''روزانہ ہی کرتا ہوں۔''

''اس طرح ہلکے پھلکے انداز میں غور کرنے سے کیا حاصل جو حقیقتیں ہیں ان کو سمجھو ان کو پرکھو اور محسوس کرو کہ ہم کیا تھے کیا ہو گئے ہیں۔''

''ہم کچھ نہیں تھے اور کچھ نہیں ہو گئے، نا ہی کبھی ہوں گے تم جہانگیر تھے میں شیکی تھا اور اب بھی تم جہانگیر ہو، میں شیکی ہوں۔''

شیکی نے فلسفہ بگھارا۔

"تم احمق ہو۔"

"ٹھیک ہے اگر میں احمق ہوں تو تم بھی اسی زمرے میں آتے ہو۔" شیکی نے جواب دیا۔

"دیکھو شیکی ہم ہمیشہ ہی لڑنے بھڑنے کی باتیں کرتے رہے ہیں لیکن آج میں تم سے کچھ سنجیدہ گفتگو کرنا چاہتا ہوں، پلیز تم بھی سنجیدہ ہو جاؤ۔"

"اچھا تو پھر ٹھیک ہے کرو۔" شیکی سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"تمہیں علم ہے شیکی کہ افریقہ میں ہم پھوپھا جان کے دستِ نگر رہے ہیں۔"

"وہ تو اب بھی ہیں، اس میں نئی کیا بات ہے۔" شیکی نے اپنا داہنہ گال کھجاتے ہوئے کہا۔

''اُفوہ ایک تو تم بات ختم ہونے سے پہلے بیچ میں بولا مت کرو، مجھے بہت غصہ آتا ہے۔''

''اوہ چلو اب نہیں بولوں گا، وعدہ۔'' شیکی نے جلدی سے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ ہم نے ہمیشہ ان کا دیا ہوا کھایا ہے۔ حالانکہ وہ ہمارے اچھے بزرگوں میں سے ہیں، ہمارا خیال کرتے ہیں اور ہم سے محبت کرتے ہیں اور ہم لوگوں کو خود سے الگ نہیں سمجھتے، لیکن اس کے باوجود شیکی جوان ہونے کے بعد انسان اگر کسی پر پڑا رہے تو بڑے افسوس کی بات ہے، بہر صورت نواب عزیز الدین خان نے ہمارے لئے ایک ذریعہ معاش تلاش کر دیا ہے میری مراد اس دفتر سے ہے اور ہم نے اس دفتر کا کام بھی شروع کر دیا ہے۔ لیکن شیکی میں تم سے ایک خاص بات کہنا چاہتا ہوں۔''

''گویا ابھی تک یہ تمام عام باتیں تھیں، ارے بھائی خاص ہی بات پہلے کہہ دو عام باتیں بعد میں کرتے رہنا۔'' شیکی نے جواب دیا۔

''شیکی یہ لوگ میرا مطلب ہے صفدر بھائی، آصف اور دوسرے تمام افراد سے ہے، بے شک ہمارے ہمدرد ہوتے ہیں انہوں نے آج تک ہمیں فائدہ ہی پہنچایا ہے لیکن کیا تم نے ایک بات محسوس نہیں کی۔''؟

''کون سی بات۔''؟

''یہ لوگ ہمیں اپنے لئے ایک تماشہ بنائے ہوئے ہیں، یہ لوگ ہم سے لطف لے رہے ہیں تفریح کرتے ہیں ہم سے اور اسی تفریح کے تحت انہوں نے ہماری موجودہ اعانت بھی قبول کی ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے مگر اس سے ہمارا نقصان کیا ہے۔''؟

''نقصان کچھ نہیں ہے، لیکن یہ سوچو کہ ہم کیوں ان کے تختۂ مشق بنے رہیں۔ ہم اپنے قدموں پر کھڑے ہونے کی کوشش کیوں نہ کریں۔''

''یہ فیصلہ تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔'' ہشیکی نے جواب دیا۔

''صرف فیصلے کرنے سے کام نہیں ہوتا، ان پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔''

''تو پھر کس انداز میں عمل کرنا چاہتے ہو۔''؟

''ابھی کوئی خاص بات نہیں ہے ان لوگوں کو اس وقت تک اپنا ہم نوا بنائے رکھو جب تک یہ ہمارا ساتھ دیں، جس وقت یہ ہماری مخالفت میں اُتریں تو ہمیں اپنے طور پر سنبھلنا چاہئے۔''

''مگر یہ ہماری مخالفت پر اُتریں گے ہی کیوں۔''؟

''بھئی امکانات ہوتے ہیں اور پھر یہ۔۔۔ بھی ممکن ہے کہ یہ

لوگ مصروف ہو جائیں انہیں فرصت ہی نہ ہو، تو پھر اس وقت ہم کیا کریں گے، کیا ہماری تمام تر پول نہ کھل جائے گی۔"؟

"یہ بات تو ہے جہانگیر، واقعی تم اس وقت سنجیدہ گفتگو کرنے کے موڈ میں ہو۔"

"قطعی، سو فیصدی، بالکل۔"

"تو پھر کیا کرنا چاہئے۔"؟

"اس سلسلے میں ہم پہلے ہی فیصلہ کر چکے ہیں۔"

"وہ کیا۔"؟

"ہمیں اپنے قدموں پر کھڑا ہونا چاہئے۔"

"یہ الفاظ تو میں بار بار سن چکا ہوں۔ مگر کیسے کھڑا ہونا چاہئے۔" شکیل نے کہا۔

"بھئی دیکھو جو طریقہ کار ہم نے اپنایا ہے، میرا مطلب ہے جو

کاروبار ہم نے شروع کیا ہے وہ بہترین ہے، مسئلہ یہی ہے کہ ہمیں مقدمات اور اس قسم کے کیسز ملتے رہیں، تاکہ ہماری دال روٹی جاری رہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہمیں زیادہ سے زیادہ کیسز ملنے چاہئیں اور ہماری زیادہ سے زیادہ آمدنی ہونی چاہیے۔"

"تو اس کے لئے ہمیں کیا کرنا ہوگا۔"؟

"اس سلسلے میں ہمیں ان لوگوں کا کم سے کم دستِ نگر رہنا چاہیے۔ میرا مقصد ہے صفدر بھائی وغیرہ۔ صفدر بھائی نے بلاشبہ ہماری سرپرستی قبول کی ہے، وہ چالاک انسان ہیں لیکن اس کے باوجود بھی مسئلہ یہی پیدا ہوتا ہے کہ اگر کبھی یہ لوگ ہم سے ہٹ گئے تو ہم کیا کریں گے۔"؟

"بات واقعی سوچنے کی ہے۔"

"نہیں سوچنے کی نہیں ہے تم ابتداء سے غور کرو، ہم یہاں آئے،

ان لوگوں نے ہمارے لئے مختلف پروگرام بنائے تفریحات
کرائیں، ہمارے ساتھ مہربانیاں ہی کرتے رہے،لیکن تمہارا کیا
خیال ہے کیاہماری شخصیت سے یہ لوگ مرعوب ہوئے ہیں، ہرگز نہیں
ہرگز نہیں شیکی، ان لوگوں نے ہمیں اپنی تفریح کاذریعہ بنایا ہے
اور قصوران کا بھی نہیں ہے ہم خود ہی اپنی عقل کو کسی طاق میں رکھ کر
بھول گئے ہیں۔ ہم ان کے آلہ کاری بنے رہے،نوشاب سے ہم
دونوں محبت کرتے تھے لیکن ہمیں شروع ہی میں یہ سوچ لینا چاہیے تھا
کہ ہم دونوں اس کے ہم پلہ نہیں ہیں،نوشاب اس کی بیٹی ہے جو ہمارا
سرپرست ہے اور ظاہر ہے ہمارا سرپرست یہ کب چاہے گا کہ ہم جو
اس کے ٹکڑوں پر پلے بڑھے ہیں اس کی بیٹی کے شوہر بنیں۔ میرا
مطلب ہے ہم میں سے ایک۔'' عالم پناہ نے جلدی سے کہا۔

''سمجھ رہا ہوں، سمجھ رہا ہوں کہتے رہو۔''

''اس کے بعد نوشاب کا جھکاؤ سہیل بھائی کی طرف ہوا سہیل بھائی واقعی نوشاب کے ہم پلہ ہیں، میرا مقصد ہے تم خود سمجھ رہے ہو گے اس بات کو، بھلا ان کی موجودگی میں ہمیں کہاں گھاس ڈالی جا سکتی ہے۔''

''یقیناً، یقیناً۔''

''تو پھر ہم بلاوجہ نوشاب کے چکر میں کیوں پڑے رہتے۔''

''ہاں اور کیا۔'' شکی نے فراخ دلی سے کہا۔

''مجھے احساس ہو رہا ہے کہ تم بھی اب اس کے لئے ذہن میں وہ جذبات نہیں رکھتے۔''

''ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔''

''اس کے علاوہ بھی شکی ہم یہاں مختلف الجھنوں کا شکار ہوتے رہے ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ اب ہم خود کو سنبھالیں اور مزید کسی

الجھن کا شکار نہ ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں تم سے متفق ہوں، مگر اب یہ بتاؤ مجھے کرنا کیا چاہئے۔''؟

''کیسز کی تلاش، اور یہ کہ جو کیس پھوپھا جان نے ہمارے حوالے کیا ہے اسے بھی حل کریں گے، بلکہ یوں سمجھو کہ یہ کیس تو ہماری ترقی کی راہ میں سنگِ میل ثابت ہوگا۔''

''بھلا وہ کیسے۔''

''بھئی اگر ہم اسے حل کرلیں گے، یہ کام ہم کرلیں گے تو ان لوگوں کی نگاہوں میں بھی ہماری وقعت ہوجائے گی اور پھر یہ سوچنے لگیں گے کہ ہم بھی کچھ کرسکتے ہیں۔''

''مگر عالم پناہ کرو گے کیسے اس سارے سلسلے کو۔'' شکی نے پوچھا۔

”بھئی اس سلسلے میں صفدر بھائی کی مدد تو لینا پڑے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ تم اپنے طور پر کام کرتے رہو شیکی اور میں اپنے طور پر، ہمیں کوئی نیا کیس تلاش کرنا چاہیے اور اس نئے کیس کی تلاش کے بعد ہم پہلی بار اپنے طور پر کوئی کارنامہ انجام دیں گے، اس طرح صفدر بھائی اور دوسرے لوگوں کو یہ پتہ چل جائے گا کہ ہمارے اندر جاسوسی کی صلاحیتیں ہیں اور ہم تنہا بھی کام کر سکتے ہیں وہ لوگ ہمیں احمق سمجھنا ختم کر دیں گے۔“

”ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔“

”بس اسی لئے میں نے تمہیں بلایا تھا۔“ عالم پناہ نے کہا اور شیکی تھوڑی دیر تک گفتگو کرنے کے بعد وہاں سے اُٹھ گیا۔ عالم پناہ بہت خوش اور مطمئن نظر آرہے تھے۔

دوسری صبح دفتر کے لئے جاتے وقت انہوں نے صفدر کے کان

میں سرگوشی کی۔

"صفدر بھائی میرا خیال ہے اس نئے کیس کے سلسلے میں ایک میٹنگ ہو جائے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ایک شرط ہوگی۔" صفدر نے کہا۔

"عرض کریں صفدر بھائی۔" عالم پناہ لجاجت سے بولے۔

"دوپہر کے کھانے کا بندوبست کرنا پڑے گا۔"

"کیا مطلب۔"؟

"تمہارے دفتر کے تھوڑے فاصلے پر بلیو مون ریسٹورنٹ ہے۔ تم بلیوں ریسورنٹ کو دوپہر کے کھانے کا آرڈر بک کرا دینا ہم سب دوپہر کے کھانے پر پہنچ جائیں گے۔"

"اچھا ٹھیک ہے۔" عالم پناہ نے جواب دیا پھر پوچھا۔"کون کون آئے گا۔"؟

”میرا خیال ہے تمام افراد۔ہم دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد ہی کوٹھی میں واپس آئیں گے۔“

”ٹھیک ہے آپ لوگ تشریف لے آئیں۔“ عالم پناہ نے کہا اور صفدر نے گردن ہلا دی۔ پھر بولا۔

”میں یہ خبر باقی لوگوں کو بھی سنا دیتا ہوں۔تم مطمئن رہو ہم سب دوپہر کو ایک بجے تمہارے پاس پہنچ جائیں گے۔“

”ٹھیک ہے صفدر بھائی۔“ عالم پناہ بولے اور صفدر آگے بڑھ گیا۔

”عالم پناہ کے چہرے پر پریشانی کے آثار نظر آنے لگے تھے۔ صفدر بہت مہنگا پڑتا تھا انہیں، بہر طور یہ کمائی بھی اسی کی وجہ سے ہو رہی تھی انہوں نے اور شیکی نے جو فیصلہ کیا تھا وہ اس پر عمل کرنے کے لئے پوری طرح تیار تھے۔یعنی ابتداء میں صفدر وغیرہ سے فائدہ اُٹھایا

جائے اور بعد میں سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لئے جائیں۔ شیکی کو انہوں نے تمام تفصیلات بتائیں شیکی گردن ہلانے لگا پھر بولا۔

"ٹھیک ہے عالم پناہ، ابھی تو ان لوگوں کو کھانا پلانا بہتر ہی رہے گا۔"

"دوپہر کو ٹھیک ایک بجے یہ تمام چنڈال چوکڑی شیکی اور عالم پناہ کے دفتر میں داخل ہوگئی، دونوں نے مکمل بندبست کر رکھا تھا۔ دو بڑی میزوں کو ملا کر ایک کرلیا گیا تھا اور اس کے گرد کرسیاں بچھا دی گئیں تھیں، میزوں پر چادریں بچھی ہوئی تھیں اور دفتر اچھا خاصا ڈائننگ روم بنا ہوا تھا۔ بلیو مون ریسٹورنٹ کو کھانے کا آرڈر دیا جا چکا تھا۔ چنانچہ سب سے پہلے صفدر نے پیٹ پر ہاتھ پھیرتے ہوئے مطالبہ کیا۔

''فوراً ٹیلی فون کر کے بلیومون والوں کو اطلاع دو کہ ہم لوگ پہنچ چکے ہیں اور کھانا بھجوا دیا جائے۔''

ابھی ٹیلی فون کرتا ہوں صفدر بھائی۔' شکی نے کہا اور ٹیلی فون کے قریب پہنچ کر بلیومون کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

''تھوڑی دیر کے بعد میز طرح طرح کے کھانوں سے سجی ہوئی تھی اور تمام لوگ قہقہے لگاتے ہوئے کھانا اڑا رہے تھے۔ دفتر اچھا خاصا ڈائننگ ہال بنا ہوا تھا اور سب لوگ اپنی اپنی سنا رہے تھے۔ کھانا واقعی بہت لذیز تھا۔

کھانے سے فارغ ہونے کے بعد مشروب کا دور چلا اور پھر یہ دور بھی ختم ہو گیا، ہوٹل کے بیرے جب تمام چیزیں واپس لے گئے تو میٹنگ کا آغاز ہوا۔

''ہاں بھئی بہت عمدہ کھانا تھا ہمیں پسند آیا چنانچہ اب ہم اپنی تمام

تر خدمات پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔'' صفدر نے کہا۔

''شکریہ صفدر بھائی۔ یہ سب آپ ہی کی جوتیوں کا طفیل تھا۔''

''کیا مطلب، کیا تم نے ہماری جوتیاں فروخت کر دیں۔'' صفدر نے جلدی سے نیچے جھکتے ہوئے کہا اور سب ہنس پڑے۔

''جی نہیں جوتیاں فروخت کر کے کھانا نہیں منگوایا گیا، بلکہ جو رقم اس کیس سے حاصل ہوئی تھی، یہ بل اس رقم میں سے ادا کیا جائے گا۔''

''ٹھیک ہے بھئی وہ رقم تمہاری ہے، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے، ہم تو بس یہی چاہتے ہیں کہ اکثر دعوتیں ایسی اڑاتے رہیں شکی تم جب چاہو۔ جب بھی تم لوگ کوئی میٹنگ کرنا چاہو تو بس ایک دعوت کا اہتمام کر لینا، یہ بات طے کر لو، اس کے علاوہ ہمیں تم سے کچھ اور نہیں چاہیے۔''

”نہیں صفدر بھائی سب کچھ آپ ہی کا ہے۔ جب بھی آپ کو جو کچھ بھی درکار ہو، ہم لوگ حاضر ہیں آپ ہی تو ہماری سرپرستی اور معاونت کررہے ہیں۔“

”واہ بھئی واہ تم لوگ تو بڑے سعادت مند ہوتے جارہے ہو اچھا ٹھیک ہے اب مسئلہ آتا ہے نواب خیرات علی کا۔“

”جی ہاں۔“ ہشکی بولا۔

”کیا تم نے نواب خیرات علی کو دیکھا ہے۔“؟ صفدر نے پوچھا۔

”نہیں میں نے نہیں دیکھا۔“

”برابر والی کوٹھی میں رہتا ہے، ہم لوگوں کو ایک دوبار زیارت نصیب ہوئی ہے، بڑا وحشی صفت آدمی ہے قدیم دور کا انسان معلوم ہوتا ہے، سنا ہے نواب تو کبھی نہیں تھا لیکن خود کو نواب کہلوانا پسند کرتا ہے اور جو لوگ اسے اس نام سے مخاطب نہیں کرتے ان کے

لئے خاصا پریشان کن ثابت ہوتا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے ہمارا کیا ہے، ہم اسے نواب کیا نواب صاحب کہنا شروع کر دیں گے۔" عالم پناہ نے جواب دیا۔

"نہیں اس کی ضرورت نہیں پیش آئے گی، مسئلہ یہ ہے کہ نواب خیرات علی کو کس طرح اس کوٹھی کو بیچنے کے لئے مجبور کیا جا سکتا ہے۔"

"ہاں یہی مسئلہ ہے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"لیکن یہ بھی کوئی معمولی بات نہیں ہے عالم پناہ۔"

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ویسے ایک بات اور ہے صفدر بھائی۔"

"وہ کیا۔"؟

"ظاہر ہے اس کوٹھی کی فروخت وغیرہ کے سلسلے میں کم وقت صرف نہیں ہوگا، طویل وقت چاہئے ہوگا۔۔۔ اس کام کے لئے، کیا

پھوپھا جان اس کی اجازت دیں گے۔"؟

"ہاں بھئی ظاہر ہے ایسے کام فوری طور پر تو نہیں ہوتے اس سلسلے میں ایک لمبا پروگرام ترتیب دیا جائے گا تاکہ نواب خیرات علی آہستہ آہستہ بددل ہو جائے اس کوٹھی سے اور اسے بیچنے پر مجبور ہو جائے۔"

"مگر کیسے ہوگا۔"؟ شکی نے پوچھا۔

"ہوگا اور ضرور ہوگا۔" صفدر نے سینہ ٹھونکتے ہوئے جواب دیا۔

"کوئی ترکیب ہے آپ کے ذہن میں۔"؟

"ہے تو نہیں، مگر تم نے اتنی عمدہ دعوت کی ہے ترکیب تو سوچنی پڑے گی۔" صفدر نے جواب دیا۔

"تو کب سوچیں گے۔"؟

"کل صبح تمہیں اس سلسلے میں مفصل رپورٹ پیش کر دی جائے گی کہ تمہیں کس انداز میں کام کرنا ہے۔"

"یقینی طور پر کیونکہ آپ تو ہماری اس فرم کے ڈائریکٹر ہیں۔"

شکی نے جواب دیا اور صفدر مسکرانے لگا۔ پھر بولا۔

"عالم پناہ بالکل ٹھیک ہے، آپ بے فکر رہیں، کام آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگا اور اب ہم لوگوں کو اجازت دی جائے، ورنہ گھر والے تشویش کا شکار ہو جائیں گے کہ ہم سب کہاں گئے۔!"

بہت بہتر تو ہمیں کل اس سلسلے میں جواب ملے گا۔" عالم پناہ نے پوچھا۔

"یقیناً۔ یقیناً۔" صفدر نے جواب دیا۔

واپسی میں صفدر، تنویر آصف، اور دوسرے لوگ انہی لوگوں کے بارے میں غور کر رہے تھے۔ "بھئی تم لوگوں نے محسوس کیا کہ یہ دونوں کے دونوں اب سمجھ دار ہوتے جا رہے ہیں۔"

"ہرگز نہیں صفدر بھائی آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔"

(قسط نمبر ۱۲)
بانگڑو
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

تنویر ہنس کر بولی۔

''کیوں۔''؟

''بھئی دیکھئے نا اگر سمجھ دار ہوتے تو اتنی قیمتی دعوت دے ڈالتے

ہم لوگوں کو۔''

''نہیں بھئی یہ بات مت کہو یہ ان کی فراخ دلی کی علامت ہے

اور ظاہر ہے ہم لوگ بھی ان کے کام آرہے ہیں، دعوت دے دینا کوئی

ایسی بات نہیں ہے، تم نے ان کی گفتگو محسوس کی ہوگی اور پھر وہ لوگ

اپنے کام کے سلسلے میں انتہائی سنجیدہ ہیں۔''

''کھائیں کمائیں گے اگر سنجیدہ ہیں تو۔''؟

''ہاں مگر صورتِ حال یہ ہونی چاہئے کہ ہمارا کاروبار چلتا رہے

کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ ہم سے ہی فرنٹ ہو جائیں۔'' صفدر نے

کہا۔

''آپ کو یہ احساس کیوں پیدا ہوا کہ یہ لوگ ہم سے فرنٹ ہو جائیں گے۔''

''بھئی اس لئے کہ اب یہ لوگ سمجھ دار ہوتے جا رہے ہیں۔'' صفدر نے کہا۔

''میں آپ کی بات سے اب بھی متفق نہیں ہوں صفدر بھائی۔'' تنویر نے کہا۔

''آخر کیوں۔''؟

''بھئی نا بھلا ان بے چاروں کو عقل کیسے آ سکتی ہے۔''؟

''اس کا تجربہ بھی کیا جا سکتا ہے۔'' صفدر نے کہا۔

''بھلا وہ کیسے۔''؟

''چلو عالم پناہ کی بات لے لو۔ میرا خیال ہے نور جہاں کو پھر عالم پناہ سے ملا دیا جائے، عالم پناہ کہاں تک پہنچے ہیں یہ پتہ چل جائے

گا۔" صفدر نے کہا۔

"خدا کی پناہ صفدر بھائی آپ تو کسی کو پنپتا ہوا دیکھ ہی نہیں سکتے۔"

"کیوں اس میں ایسی کیا بات ہے۔ بھئی سیدھی سی بات یہ ہے کہ ہم اپنا کام چلاتے رہنا چاہتے ہیں، اگر یہ لوگ ضرورت سے زیادہ عقل مند ہو گئے تو پھر ہمیں بھی تو مشکلات پیش آئیں گی، بے چارے کھا کما لیں گے، کچھ کما لیں گے تو عزت بن جائے گی، ہمارا کیا جائے گا۔" صائمہ نے کہا۔

"محترمہ نور جہاں آپ زیادہ باتیں نہ کیا کریں۔"

"اس کا مقصد ہے کہ پھر نزلہ میرے اوپر ہی گرے گا۔" صائمہ نے چلبلا کر کہا۔

"کیا مطلب۔"؟

''مطلب یہ کہ مجھے نور جہاں بننا پڑے گا۔''

''بنو گی نہیں، اتنی عمدہ دعوت اڑائی ہے نور جہاں بھی نہیں بن سکتیں تھوڑی دیر کے لئے۔'' صفدر آنکھیں نکال کر بولا اور صائمہ ہنسنے لگی۔

''صفدر بھائی خدا ہی سمجھے گا آپ سے، نجانے آپ کون سی مٹی کے بنے ہوئے ہیں۔''

''اچھا اچھا فضول بکواس بند، سربراہان سے ایسی گفتگو نہیں کرتے، تم لوگ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ میری وجہ سے یہ سب تفریحات ہو رہی ہیں، ابھی جا کر کہہ دوں گا کہ کیا صورتحال ہے تو سب کی شامت آجائے گی۔''

''ارے ارے آپ دھمکی کسے دے رہے ہیں، یہ تو ایک ٹیم ورک ہے، جو کام آپ اکیلے نہیں کر سکتے اس کے لئے ہم لوگوں کے مجبور

ہوتے ہیں۔ ورنہ آپ بھلا کہاں کسی کو گھاس ڈالیں۔"

"بھئی ہم تو آپس میں ہی لڑنے لگے، بالآخر ہم نے صفدر کی یہ حیثیت تسلیم کی ہے، شیطان بھی ایک حیثیت رکھتا ہے۔" آصف بولا۔

"اے اے آصف کے بچے میں بتاؤں تجھے شیطان کیا حیثیت رکھتا ہے۔"

"نہیں نہیں صفدر بھائی، بھلا میں آپ کا ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہوں۔" آصف ہنس کر بولا اور سب ہنسنے لگے، تب صفدر نے ہاتھ اُٹھا کر کہا۔

"سنجیدگی سنجیدگی، زیادہ دانت پھاڑنے سے حاصل کچھ نہ ہوگا۔ میں سنجیدگی سے اپنے پروگرام پر عمل کرنا چاہتا ہوں، صائمہ آج رات نور جہاں بن کر عالم پناہ سے ملے گی اور یہ رپورٹ حاصل کی جائے

گی کہ عالم پناہ کس حیثیت میں ہیں۔"

"ٹھیک ہے آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ میری شامت ہی آتی رہے، بہر طور مجبور ہوں۔" صائمہ نے جواب دیا اور صفدر اس کی پیٹھ ٹھونکنے لگا۔

"اچھی بچیاں ضد نہیں کرتیں جو کچھ ان سے کہا جاتا ہے اسی پر عمل کرتی ہیں۔ ہم بس یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کی ذہنی حالت واقعی بدلتی جا رہی ہے یا نہیں۔ اور اگر ایسا ہوا بھی تو ٹھیک جب تک وہ ہم سے تعاون کرتے رہیں گے عیش کریں گے، ورنہ اس کے بعد ان کے لئے مشکلات ہی مشکلات ہیں۔" صفدر نے کہا۔

"تو پھر پروگرام کیا ہے صفدر بھائی۔"؟

"کس سلسلے میں۔"؟ صفدر نے پوچھا۔

"میرا مطلب ہے رات کے سلسلے میں۔"

”بھئی رات کو صائمہ نور جہاں بن کر عالم پناہ سے ملے گی حسب معمول۔ اور تمہیں وہی کچھ کرنا ہوگا جو اس سے پہلے کرتی رہی ہو یعنی عالم پناہ کے کمرے میں وہ خفیہ ریسیور چھپانا ہوگا جس سے ہم ان سے گفتگو کر سکتے ہیں۔“

”ہوں اگر دیکھ لیا گیا تو۔“؟

”تو کیا بعد میں دیکھا جائے گا، اس کے لئے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ اب طریقہ کار کچھ تبدیل کر لو۔“

”وہ کیا۔“؟ کسی نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے ریسیور چھپانے کی بجائے روشندان میں لٹکا دو، روشندان کے نیچے ایک تصویر کا فریم لگا ہوا ہے فریم کے پیچھے ریسیور چھپ جائے گا اور وہاں سے ہم عالم پناہ سے گفتگو کریں گے اگر انہیں

شبہ ہوا تو ریسیور کھینچ لیا جائے گا انہیں پتہ تک نہیں چل سکے گا۔"

"اچھا ٹھیک ہے ایسا کئے لیتے ہیں، میرا خیال ہے یہ زیادہ موثر پروگرام ہے، اس میں بہت زیادہ دقت بھی نہیں ہوگی، بس ایک آدمی چھت پر چڑھ کر سارے معاملات کو ہینڈل کرتا رہے گا۔"

"اوکے اوکے یہ بات طے، مگر مسئلہ یہ پیدا ہوتا ہے صفدر بھائی کہ اس کیس کے سلسلے میں کیا کریں گے۔"؟

"کون سا کیس۔"؟

"نواب خیرات علی کا کیس۔" تنویر نے کہا۔

"اس سلسلے میں میں آج رات غور کروں گا اگر تم سب لوگ اس بات پر متفق ہوئے تو پھر عمل شروع کر دیا جائے گا۔" صفدر نے جواب دیا۔

کوٹھی قریب آ گئی تھی اس لئے وہ سب منتشر ہو گئے اور ایک ایک

کر کے کوٹھی میں داخل ہو گئے۔

کانجی والا کو بہر طور وہی کرنا پڑا تھا جو نصیبو نے کہا تھا، ہر چند کہ اس کی حالت بے حد خراب تھی وہ خود کو انتہائی غیر محفوظ تصور کر رہا تھا، اعلیٰ حکام سے بلاشبہ اس کے گہرے تعلقات تھے، وہ ایک عمدہ حیثیت کا مالک تھا۔ خود کو لیئے دیئے رکھتا تھا اور اس کوشش میں مصروف رہتا تھا کہ اس کے نام سے کوئی بدنامی وابستہ نہ ہو، حالانکہ اعلیٰ حکام سے اس کے بہترین تعلقات تھے لیکن اس نے کبھی اپنے مفاد کے لئے کوئی ایسا کام کرنے کی کوشش نہیں کی تھی جو حکومت کی نگاہوں میں قابلِ اعتراض ہوتا، زندگی میں کچھ لغزشیں تو ہر انسان سے ہوتی ہیں، اس سے بھی کچھ لغزشیں ہوئی تھیں جن کی وجہ سے وہ گولیور کے جال میں پھنس گیا تھا۔ بہر صورت یہ ایک ہی جال تھا اور اس سلسلے میں اس

نے گولیور کو اس کی منہ مانگی رقمیں دے کر اپنی جان چھڑانے کی کوشش کی تھی، لیکن گولیور جیسے خطرناک لوگ اتنی آسانی سے نہیں بخشتے۔ گولیور آج تک اس سے اپنے کام لے رہا تھا۔ لیکن اب یہ نئی مصیبت گلے پڑ گئی تھی۔

خدا کی پناہ جب بھی وہ اس بارے میں سوچتا اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ واقعی نصیبو کم بخت اسے سڑکوں پر لا سکتا تھا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ وہ بے حد خطرناک انسان تھا، لیکن زخموں کا نجانے کیا چکر تھا یہ بات کانجی والا کی سمجھ میں آج تک نہ آسکی تھی، اسے گولیور نے یہی بتایا تھا کہ نصیبو نواب عزیز الدین خان کا بیٹا سہیل ہے، لیکن اس نے نصیبو کو جس رنگ میں دیکھا تھا اس سے قطعی یہ اندازہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کسی نواب کا بیٹا ہے۔ حالانکہ کانجی والا کے نواب عزیز الدین خان سے بھی تعلقات تھے، لیکن کبھی اتنا اتفاق

نہیں ہوا تھا کہ وہ ان کے گھریلو معاملات معلوم کرتا، یہ پوچھتا کہ ان کے کتنے بچے ہیں یا سہیل کی اپنی کیا کیفیت ہے۔ یہ تمام چیزیں ان کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں لیکن اب وقت گزر چکا تھا، اب تو جو کچھ اس کے ساتھ پیش آ چکا تھا اس سے نمٹنا تھا۔

سہیل نے اسے واپس بھجوا دیا تھا اور کانجی والا نے اس کے آدمی کو سورج کا وہ نشان دے دیا تھا، لیکن اس نے درخواست کی تھی اس سے کہ اگر یہ نشان اس کے پاس موجود نہ ہوا تو اسے زندگی سے ہاتھ دھونا پڑیں گے۔ اس سلسلے میں اس نے سہیل سے گفتگو نہیں کی تھی لیکن منتظر تھا کہ سہیل اس بارے میں کچھ کہے۔

دوسری جانب سہیل اپنا پروگرام بنائے بیٹھا تھا۔ اسے یقین تھا کہ سیٹھ کانجی والا اس سے جو کچھ کہہ کر گیا ہے اب اس سے انحراف کی جرأت نہیں کرے گا، پھر جب اسے اپنے آدمی کے ہاتھوں سورج کا

وہ نشان ملا تو اس نے مطمئن انداز میں گردن ہلائی، اس کے ذہن میں ایک پروگرام تھا۔

سورج کا نشان اچھی طرح دیکھنے کے بعد اس نے ایک کیمرہ منگوا کر اس کی چند تصاویر بنوائیں اور اپنے ایک آدمی کو کہا کہ ان تصاویر کو فوراً ڈویلپ کر کے لے آئے، جب یہ کام ہو گیا تو اس نے سورج کا نشان ایک جیب میں رکھا اور تصاویر دوسری جیب میں رکھنے کے بعد اپنے چہرے میں تبدیلیاں کرنے لگا۔ اب وہ ایک مفلوک الحال سا نوجوان نظر آ رہا تھا، معمولی سی پتلون پہنے ہوئے معمولی سی قمیض پہنے ہوئے جو پتلون کے اوپر پڑی ہوئی تھی وہ اپنی رہائش گاہ سے باہر نکل آیا اور پیدل ایک طرف چل پڑا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک بس میں سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔

بس کنڈیکٹر سے اس نے ٹکٹ لیا، کسی کو گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا

کہ اس وقت کون اس بس میں سفر کر رہا ہے، بہر صورت تھوڑی دیر کے بعد وہ ایک اسٹاپ پر اُتر گیا۔ اسٹاپ پر اترنے کے بعد وہ پیدل ہی ایک سمت چل پڑا، اس کا رخ ایک گندے سے محلے کی جانب تھا۔

گلیاں در گلیاں طے کرتا ہوا وہ ایک مکان کے سامنے جا پہنچا۔ جس پر ٹاٹ کا پردہ پڑا ہوا تھا اور اندر سے ٹھوکا پیٹی کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔

اس نے پردہ ہٹا کر آواز لگائی۔ ”شمشاد چچا کیا آپ موجود ہیں۔“؟

”ارے کون ہے۔ اندر آ جاؤ۔“ اندر سے آواز سنائی دی اور سہیل پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔

اندر بھٹی لگی ہوئی تھی، ایک لڑکا بیٹھا ہوا پنکھا چلا رہا تھا اور ایک بوڑھا آدمی بھٹی میں تانبے اور پیتل کو گلا گلا کر کچھ چیزیں بنا رہا تھا۔

سہیل کو دیکھ کر بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ارے تو۔۔۔تو کہاں تھا اتنے دنوں سے۔خیریت تو ہے کیسے آنا ہوا میرے پاس۔"

"بس شمشاد چچا تمہارے پاس تو آدمی بس ضرورت ہی سے آ سکتا ہے۔"

"ارے کیا ضرورت پیش آ گئی میری۔"؟

"بس تم جیسا کاریگر یہاں اور کہاں ملتا ہے۔میں نے ایک ٹھیکہ لیا ہے شمشاد چچا تمہارے بل پر اور جس سے میں نے ٹھیکہ لیا ہے اس سے کہہ دیا ہے کہ میرے پاس ایک ایسا آدمی موجود ہے جس کا اس ملک میں کوئی جواب نہیں ہے۔"

"ارے بیٹا ایسی بات کیوں کہتا ہے لوگوں سے۔تجھے پتہ ہے کہ یہاں بڑے بڑے کاریگر ایسے ہی ٹوٹے پھوٹے مکانوں میں پڑے

ہوئے ہیں۔وہ جونجانے کیا سے کیا کر سکتے ہیں،لیکن انہیں پوچھتا کون ہے،ان کی آواز جو باہر نہیں جاتی،بس ہمارے ہاں تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے یہ ساری مشکلیں ہیں بیٹا اور پھر حکومت بھی ایسے کاریگروں کی سرپرستی نہیں کرتی۔بہرصورت تو کہہ کیا سلسلہ ہے کیا کام ہے۔‘‘؟

سہیل نے جیب سے سورج کا وہ نشان نکالا اور اسے شمشاد چچا کے سامنے رکھ دیا،شمشاد چچا اسے ہاتھ میں اُٹھا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا تھا،پھر بولا۔

’’کانسی کا بنا ہوا ہے اس میں بھرت ملا ہوا ہے۔‘‘

’’جو کچھ بھی ہے چچا اس کا اندازہ آپ ہی لگا سکتے ہیں یہ بنانا ہے۔‘‘

’’تو یہ کون سی بڑی بات ہے،بن جائے گا بیٹا۔‘‘

"چچا اگر یہ اس سے ذرا بھی مختلف ہوا تو یوں سمجھ لو کہ بس مصیبت آجائے گی۔"

"ارے مختلف ہو تو گولی مار دینا اپنے چچا کو، اس بھٹی میں جلا دینا میرے دونوں ہاتھ، کیسی باتیں کرتا ہے۔"

"مجھے یقین ہے چچا یہی بات تو میں نے اس سے کہی تھی تو پھر یوں کرو چچا کہ یہ پیسے رکھ لو، یہ دو ہزار روپے ہیں جس وقت کام ہو جائے گا تو تین ہزار روپے اور دوں گا۔"

"دو ہزار۔۔۔ کتنے بنوانے ہیں بیٹا۔" شمشاد چچا نے پوچھا۔

"بس یہی چالیس پچاس۔"

"چالیس پچاس کے لئے تو دو ہزار ہی کافی ہیں۔"

"نہیں چچا ایسی باتیں مت کرو، تمہارے فن کے لئے میں کبھی ہلکی قیمت نہیں لیتا، میں ان سے آٹھ ہزار روپے وصول کروں گا پانچ

ہزار تمہارے تین ہزار میرے۔"

"تو نے بات طے کر لی ہے۔"؟

"ہاں چچا۔"

"تعجب ہے ایسی کون سی بات ہے اس میں، خیر اب جب کہ تو نے بات طے کر ہی لی ہے تو جیسی تیری مرضی، میں آج ہی کام شروع کر دیتا ہوں۔ کب چاہئیں تجھے۔"؟

"جس قدر جلدی دے دیں۔!"

"تو پھر یوں کرو کہ پرسوں لے لینا۔"

"ٹھیک ہے چچا اس کا وزن کر لو۔"

"ارے شمشاد کے ہاتھ وزن کرتے ہیں بیٹا، تو اسے جیب میں رکھ لے اور پرسوں آ کر لے جانا۔ دو درجن بنا دوں یا تین درجن بنا دوں۔"

"تین درجن بنا دیں چچا۔" سہیل نے جواب دیا اور شمشاد نے گردن ہلا دی۔ بہر حال سہیل نے احتیاطاً وہ تصاویر شمشاد چچا کے حوالے کر دی تھیں جو اس نے سورج کے نشان کی بنائی تھیں۔

شمشاد چچا نے تصویریں لے کر حقارت سے ایک طرف ڈال دیں اور سہیل کو چائے پلائی، شیشے کے گلاس میں سستے سے ہوٹل کی چائے، سہیل بڑے مزے لے لے کر پیتا رہا۔ کوئی بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ کسی نواب کا بیٹا ہے یا اس کی شخصیت کیا ہے۔ سہیل کی شخصیت کے ہزاروں پہلو تھے جو سمجھ میں نہیں آتے تھے۔

چائے پینے کے بعد وہ وہاں سے اُٹھ گیا اور واپس اپنی رہائش گاہ پر پہنچ گیا، رہائش گاہ میں پہنچنے کے بعد اس نے اپنے اس آدمی کو طلب کیا جو سورج کا نشان لے کر آیا تھا اور اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا کہ یہ نشان پوری احتیاط کے ساتھ سیٹھ کانجی والا کو واپس کر دیا

جائے۔ جب اس کا آدمی یہ نشان لے کر چل پڑا تو اس نے ٹیلی فون پر سیٹھ کانجی والا کے نمبر ڈائل کیئے اور ریسیور کان سے لگا لیا۔ دوسری طرف کوئی اور بولا تھا، لیکن چند لمحات کے بعد سیٹھ کانجی والا سے رابطہ قائم ہو گیا۔

''ہیلو کانجی والا، کیسے مزاج ہیں۔''؟

''کون بول رہا ہے۔''؟

''اپنے نصیبو کو نہیں پہچانتے۔'' سہیل نے مسکرا کر کہا اور دوسری طرف ایک لمحے کے لئے کانجی والا کی آواز بند ہو گئی پھر اس نے گڑگڑاتی ہوئی آواز میں کہا۔

''نصیبو میرا پیغام تمہیں مل گیا ہوگا۔''؟

''ہاں مل گیا تھا۔''

''دیکھو نصیبو میں جو کچھ بھی ہوں لیکن اب تمہارے ساتھ تعاون

کرنے کا فیصلہ کر چکا ہوں، لیکن میں جس طرح دو طاقتوں کے درمیان پھنس گیا ہوں اس کا تمہیں اندازہ ہوگا۔ گولیور مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا، اس لئے میں نے تم سے درخواست کی تھی کہ وہ نشان واپس مجھے بجھوا دینا اور کسی طرح بھی گولیور کو یہ اندازہ نہ ہونے پائے کہ میں نے تمہیں اس کے بارے میں کچھ بتایا تھا۔"

"کانجی والا مجھ سے تعاون کر کے لوگ فائدے میں ہی رہتے ہیں، نشان واپس بھیجا جا چکا ہے، ابھی تھوڑی دیر کے بعد تمہیں مل جائے گا، لیکن جو کچھ میں نے کہا ہے اس پر بھی اسی طرح عمل درآمد ہونا چاہئے۔"

"تصیبو میں۔۔۔ میں کچھ دنوں کے لئے یہ ملک چھوڑ کر چلا جاؤں۔" کانجی والا نے پوچھا۔

"نہیں ہرگز نہیں۔"

''کیوں۔''؟

''کانجی والا گولیور تمہارا تعاقب کرے گا بلکہ اب جو کچھ اس کے ساتھ ہوگا اس میں وہ تمہارا ہی ہاتھ سمجھے گا۔''

''مگر نصیبو اگر میں یہاں رہا تو بھی مصیبتوں کا شکار رہوں گا۔''

''کیا چاہتے ہو۔''؟ سہیل نے پوچھا۔

''یہی کہ تم۔۔۔تم میری حفاظت کرو۔''

''ہوں اچھا سیٹھ کانجی والا، چلو یہ ذمہ داری بھی قبول کیے لیتا ہوں لیکن اب تمہیں میری ہدایت پر عمل کرنا ہوگا۔''

''ہاں کہو نصیبو جیسا تم کہو گے میں ویسا ہی کروں گا۔'' سیٹھ کانجی والا نے کہا۔

''میرے خلاف مہم کا آغاز کردو۔''

''میں نہیں سمجھا نصیبو، کیا مطلب ہوا اس بات کا۔'' سیٹھ کانجی

والا نے پوچھا۔

”گولیو تم سے یہی چاہتا ہے نا کہ تم اعلیٰ حکام کو میرے بارے میں اطلاع دو۔“

”ہاں۔!“

”تو ٹھیک ہے تم اعلیٰ حکام کو میرے بارے میں اطلاع دے دو اور ان سے کہو کہ نصیبو کے بارے میں تحقیقات کرائیں۔“

”لیکن نصیبو۔ نصیبو۔!“

”میں خود کو بھی آزمانا چاہتا ہوں سیٹھ کانجی والا۔ اس سلسلے میں اگر کوئی سرکاری مشکلات پیش آئیں تو تم ان سے نمٹ لو گے۔“

”ہاں وہ تو ٹھیک ہے لیکن کیا تم سنجیدگی سے یہ بات کہہ رہے ہو۔“؟

”ہاں بالکل سنجیدگی سے۔ ویسے سیٹھ کانجی والا تم نے میرے ہاں

غیر سنجیدگی کم دیکھی ہوگی۔"

"نصیبو میں تم سے بہت سی گفتگو کرنا چاہتا ہوں درحقیقت میں تم سے بہت زیادہ متاثر ہوگیا ہوں۔"

"ابھی نہیں سیٹھ کانجی والا ابھی تماشہ دیکھو پھر اس کے بعد مجھ سے گفتگو کرنا چاہو گے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔"

"لیکن نصیبو میرے تحفظ کا کیا ہوگا۔"؟

"کیسی باتیں کر رہے ہو کانجی والا۔ کیا عقل سے پیدل ہو گئے ہو۔؟ اگر تم گولیور کے اشاروں پر عمل کرتے رہو گے تو کم از کم گولیور تو تمہارا دشمن نہیں بنے گا۔ باقی رہی میری بات تو میں خود تم سے اس کا اظہار کر رہا ہوں یہ سب کچھ تمہارے تحفظ کے لئے ہی ہے۔"

"اوہ میں سمجھ گیا، سمجھ گیا۔" سیٹھ کانجی والا نے کہا۔

"دیر سے سمجھتے ہو کانجی والا، بہر طور اب تم اپنے طور پر کام شروع

کردو، میرا کام ختم ہو چکا ہے۔"

"ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ نصیبو، اس غیر ملکی کی بہ نسبت تم ہمارے ہم وطن ہو اور جو کچھ تم نے مجھ سے کہا ہے اس میں تمہاری صداقت جھلکتی ہے۔"

"سیٹھ کانجی والا، ابھی سے مکھن مت لگاؤ ابھی تماشہ دیکھتے رہو، تم کھل کر میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہو کر سکتے ہو، مجھے اعتراض نہ ہوگا۔" نصیبو نے جواب دیا اور فون بند کر دیا، اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی۔

عالم پناہ کو واقعی عقل آ رہی تھی، سنا ہے بارہ سال کے بعد گھوڑے کے دن بھی پھرتے ہیں، چنانچہ شاید ان لوگوں کے دن بھی پھرتے جا رہے تھے، اب تک وہ اپنی سادگی اور حماقت میں لوگوں کا تختہ مشق

بنتے رہے تھے، ان کے ذریعے سب کے سب تفریحات کرتے پھر رہے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ عالم پناہ کے ذہن میں یہ سوچ بے دار ہوتی جارہی تھی کہ یہ سب کچھ جو ہو رہا ہے اچھا نہیں ہے، انہیں بالکل ہی احمق سمجھ لیا گیا ہے۔ ہر چند کہ وہ سادہ دل انسان تھے۔ لیکن اب اس قدر احمق بھی نہیں تھے کہ کبھی عقل ہی نہ آتی۔

سارے ڈرامے سمجھ میں آرہے تھے، اس دن سہیل نے جو کچھ کیا تھا وہ بھی قابلِ غور تھا، سہیل کی شخصیت عالم پناہ کی نگاہوں میں پر اسرار تھی، وہ بستر پر لیٹے سہیل کے بارمیں سوچتے رہے۔

کمال کا انسان ہے، کبھی کچھ نظر آتا ہے کبھی کچھ، لیکن وہ کھنڈر والا واقعہ کیا تھا، آخر یہ سب کیسے ہوا، ساری باتیں ذہن میں دوڑائیں تو انہیں احساس ہوا کہ انہیں بے وقوف بنایا گیا تھا، لیکن سہیل نے یہ سب کچھ کیا کیسے اس کا پتہ چلانا پڑے گا، ذہن میں کچھ اور جاسوسی

ناول گردش کرنے لگے تو انہوں نے فیصلہ کیا کہ سہیل کے خلاف جاسوسی کریں گے۔ دیکھیں گے کہ اس کے مشاغل کیا ہیں۔ یوں بھی ان کا محکماتی کام ہی سہی لیکن کریں گے ضرور۔ پھر انہوں نے سوچا کہ اپنے ساتھ کچھ اپنے خفیہ جاسوسوں کو بھی شامل کرنا چاہیے جو ان کے اشارے پر کام کرتے رہیں وہ خود تو ابھی صفدر کے اشارے پر کام کر رہے تھے لیکن چاہتے تھے کہ کوئی ان کے اشارے پر بھی کام کرے تمام ہی جاسوس اپنے اسسٹنٹ ضرور رکھتے ہیں، شیکی کو اسسٹنٹ نہیں بنایا جا سکتا تھا کیونکہ شیکی تو خود ہی جاسوسوں میں تھا وہ کبھی عالم پناہ کی برتری تسلیم نہ کرتا اور عالم پناہ نہیں چاہتے تھے کہ ایک چھوٹی سی بات میں بگاڑ پیدا کیا جائے۔ کام نکالنے کے لئے تو ہر شخص سے تعاون کرنا ضروری ہوتا ہے خواہ وہ صفدر اور دوسرے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔

سوچتے سوچتے ان کے ذہن میں نورجہاں کا خیال آگیا
انہوں نے نورجہاں کی آنکھوں پر غور کیا۔غور کرتے رہے کرتے
رہے، پھر انہوں نے تمام لڑکیوں کی آنکھوں پر غور کرنا شروع کر دیا،
کہیں نورجہاں بھی تو انہیں میں سے کوئی نہیں ہے،انہوں نے سوچا
اور دفعتاً اُچھل پڑے۔

یقیناً یہ ہوسکتا ہے، یہ ہوسکتا ہے، اوہ اس کا مقصد ہے کہ انہیں اعلیٰ
پیمانے پر بے وقوف بنایا جاتا رہا ہے دل چاہا کہ ابھی دوڑ کر شیکی کے
کمرے میں جائیں اور اسے صورتِ حال سے آگاہ کریں۔لیکن شیکی
بے وقوف آدمی تھا، ممکن ہے وہ بہت زیادہ جذباتی ہو جاتا۔وہ جذباتی
آدمی ان لوگوں سے برا بھلا بھی کہہ سکتا تھا اس لئے آہستہ آہستہ اس
کے ذہن میں یہ بات بٹھائی ہوگی کہ ان لوگوں کے چنگل میں کسی طور
نہ آیا جائے۔انہی خیالات میں ڈوبے ہوئے تھے کہ دفعتاً کمرے میں

ایک سرگوشی گونجی۔

"عالم پناہ، سلیم کیا تم سو چکے ہو۔"؟ جہانگیر عالم پناہ اُچھل کر بیٹھ گئے، یہ سرگوشی، یہ سرگوشی نور جہاں کے علاوہ کسی کی نہیں ہو سکتی تھی۔انہوں نے ادھر اودھر دیکھا اور پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"کون ہے۔"؟

"تمہاری نور جہاں، کہاں کھو گئے ہو تم سلیم۔اتنے عرصے سے مجھ سے ملنے نہیں آئے، کیا تمہارے خیال میں میں تمہارے لئے بے قرار نہ ہوں گی۔"؟

عالم پناہ درزیدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتے رہے۔ان کے چہرے پر حیرت کی پرچھائیاں چھائی تھیں،انہوں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر چارپائی کے نیچے جھانکا اور پھر کونوں کھدروں میں جھانکنے لگے۔

”عالم پناہ کیا دیکھ رہے ہو۔ کیا سوچ رہے ہو۔“؟

”تم کہاں ہو۔ تم کہاں ہو نور جہاں۔“؟

”پائیں باغ میں میں تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔“ نور جہاں نے جواب دیا۔

”نور جہاں۔ میں۔ میں۔ دراصل.......“

”ہاں ہاں سلیم کہو۔ کیا تم اپنی نور جہاں کو بھول گئے۔“؟

”ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں۔ میں خوفزدہ ہوں اس ماحول سے۔“ عالم پناہ نے کہا........

”تمہیں خوفزدہ نہیں ہونا چاہیے سلیم۔ تم مستقبل کے شہنشاہ ہو تمہیں پوری ہمت سے کام لینا چاہیے۔ محبت کے لئے تو لوگ پہاڑوں سے ٹکرا جاتے ہیں، دودھ کی نہریں کھودلاتے ہیں۔ ویرانے اپنا لیتے ہیں تم اس ماحول سے گھبرا گئے۔“

''نہیں ہرگز نہیں، ہرگز نہیں۔''

''تو پھر آجاؤ کیا کر رہے ہو۔''؟

''مم میں سونے کی کوشش کر رہا تھا۔''

''اور میں صدیوں سے جاگ رہی ہوں، مجھے صدیوں سے نیند نہیں آئی۔''نور جہاں نے جواب دیا۔

''اچھا میں پہنچ رہا ہوں۔''

''جلدی پہنچو۔ میں بڑی شدت سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں۔''

''لیکن کہاں پہنچو۔''؟

''وہی جو ہماری مخصوص جگہ ہے۔''نور جہاں نے جواب دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے میں آرہا ہوں۔''عالم پناہ نے کہا اور کمرے میں اِدھر اُدھر نگاہیں دوڑاتے رہے، لیکن اس ریسیور پر ان کی نگاہ نہیں پڑی تھی جو روشندان سے لٹک رہا تھا اور اب آہستہ آہستہ اوپر

کھسکتا جا رہا تھا۔

آواز بند ہوگئی تھی، لیکن عالم پناہ کا تجسس بُری طرح جاگ اُٹھا تھا۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ انہوں نے ایک ایک کونے کی تلاشی لے ڈالی، لیکن کوئی چیز نہ ملی تب وہ خاموشی سے اُٹھے، لباس تبدیل کیا اور ننگے پاؤں شیکی کے کمرے کی جانب بڑھ گئے۔شیکی کو اٹھانے میں خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

بہر طور وہ جاگ گیا، جاگتے ہی اس نے دروازہ کھولا اور پیچھے ہٹ کر ڈر با کو لاٹھی کی طرح پکڑ لیا۔

"کون ہے، کون ہے۔ مار ڈالوں گا چھوڑوں گا نہیں۔"

"ارے کیا ہوا۔تمہیں، کیا کوئی خواب دیکھ رہے تھے۔" عالم پناہ غصیلے لہجے میں بولے اور شیکی ان کی آواز پہچان کر ایک طرف ہٹ

گیا۔ اس نے گٹھا ایک جگہ رکھ دیا اور گہری سانس لے کر بولا۔

"خیریت تو ہے، مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے تم کوئی خواب دیکھ کر مجھ تک دوڑے آئے ہو۔"

"شیکی اس وقت تمہاری اہم ضرورت پیش آگئی ہے۔"

"کیا بجا ہے اس وقت۔"؟

"وقت کو چھوڑو، ہمیں ہر وقت مستعد رہنا چاہئے۔" عالم پناہ نے کہا۔

"اوہو کوئی کاروباری مسئلہ ہے۔"؟

"نہیں۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے۔"؟

"تمہیں علم ہے شیکی کہ تم جاسوس ہو۔"

"ہاں علم ہے، اچھی طرح علم ہے۔"

''تم نے بے شمار جاسوسی کتابیں پڑھی ہیں، تمہیں یقیناً اس بات کا بھی اندازہ ہوگا کہ مجرمانہ کاروائی کرنے والے کسی وقت بھی کوئی کاروائی کرسکتے ہیں اور جاسوس کو ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے تم مجھے سبق نہ پڑھاؤ۔ ہاں بات بتاؤ کیا بات ہے۔''؟

''شیکی اس وقت تمہیں میرے لئے جاسوسی کرنا ہوگی۔''

''تمہارے لئے۔''؟

''ہاں۔''

''میں نہیں سمجھا جہانگیر بھائی۔ یوں لگتا ہے جیسے آپ نے واقعی کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ لیا ہے۔''

''نہیں شیکی میں تمہیں تھوڑی سی تفصیل بتاتا ہوں تمام باتیں اس وقت نہیں بتا سکتا کیونکہ تمہیں فوری طور پر عمل کرنا ہے۔''

"عالم پناہ نے کہا۔

"بتاؤ بتاؤ پھر جلدی سے بتاؤ۔"

"تمہیں علم ہے کہ نور جہاں میری زندگی میں شامل ہوگئی ہے۔"

"سبحان اللہ سبحان اللہ کس طرف سے داخل ہوئی ہے میں نے تو نہیں دیکھا۔" شیکی نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"میرا مذاق اڑا رہے ہو دوست، حالانکہ ہمارے درمیان یہ معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کا مذاق نہیں اُڑائے گا۔

"اچھی بات ہے چلو ٹھیک ہے تو نور جہاں تمہاری زندگی میں داخل ہوئی۔"

"ہاں، میں اس سے کئی ملاقاتیں کر چکا ہوں۔ وہ اپنا آدھا چہرہ ڈھکے ہوئے میرے سامنے آتی ہے اور مجھے طرح طرح کی باتیں

سناتی ہے۔وہ کہتی ہے میں شہزادہ سلیم ہوں، جہانگیر ہوں میں گزرے ہوئے وقت کو بھول گیا ہوں، میرے ذہن میں اس کے بارے میں اس سے قبل کبھی اتنا تجسس نہیں جاگا تھا شیکی، لیکن اب میں اس کی حقیقت معلوم کرنا چاہتا ہوں صرف اس خیال کے تحت کہ اب میں احمق نہیں ہوں بلکہ ہم دونوں ذہانت کی بلندیوں کی جانب پرواز کر رہے ہیں۔"

"سبحان اللہ دیکھو زیادہ اونچے مت جانا کہیں گر نہ پڑو۔" شیکی نے کہا۔

"تم پھر میرا مذاق اُڑانے لگے۔"؟

"توبہ توبہ جہانگیر بھائی میں مذاق نہیں اُڑا رہا، بس یوں ہی منہ سے جملے پھسل جاتے ہیں، تو پھر اب اس نور جہاں کا کیا کرنا ہے۔" شیکی نے سوال کیا۔

''میرا خیال ہے شیکی ،کوئی اس سلسلے میں بھی ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہا ہے۔''

''کون ہے وہ احمق جو ہمیں بے وقوف بنا رہا ہے۔''شیکی نے اکڑ کر کہا۔

''اسی کا پتہ لگانا ہے۔''

''مجھے۔''؟

''ہاں۔''

''بھلا میں کس طرح پتہ لگاؤں گا۔''؟

''وہ میں ابھی بتائے دیتا ہوں۔''جہانگیر نے کہا۔پھر بولا۔

''ابھی تھوڑی دیر قبل مجھے نور جہاں کی آواز سنائی دی تھی۔''

''خواب میں۔''؟

''نہیں جاگتے میں۔میں جاگ رہا تھا شیکی۔''

''اچھا تو کیا کہا تھا اس نے۔''؟شیکی نے سوال کیا۔

''مجھے بلایا ہے۔''

''کہاں۔''؟شیکی اشتیاق سے بولا۔

''پائیں باغ میں ایک مخصوص جگہ اور میں ابھی چند لمحات کے بعد وہیں جا رہا ہوں۔''

''نظر تو یہی آ رہا ہے کہ تم واقعی نور جہاں سے ملنے جا رہے ہو لیکن جہانگیر بھائی کیا یہ سچ مچ عقل مندی کی بات ہے۔''؟

''نہیں شیکی۔ اس سے قبل میں سنجیدگی سے بے وقوف بن رہا تھا لیکن آج میں کچھ اور سوچ رہا ہوں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ وہ کون ہے جو نور جہاں کے بھیس میں مجھ سے ملتی ہے اور مجھے بے وقوف بنا رہی ہے۔''

''کیا واقعی اس سے قبل بھی ملتی رہی ہے۔''؟شیکی نے سوال کیا۔

''ہاں شیکی کئی بار۔ میں ہمیشہ اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتا رہا ہوں لیکن آج میں بے وقوف بننا نہیں چاہتا۔''

''اچھا تو پھر مجھے بتاؤ، مجھے کیا کرنا چاہئے۔''؟

''بس تیار ہو جاؤ، میں یہاں سے نکل رہا ہوں، پائیں باغ جاؤں گا۔ وہ میرے پاس آئے گی، تم انتہائی مہارت سے میرے پیچھے پہنچ جانا اور اس کے بعد شیکی جب وہ وہاں سے جانے لگے تو تم پوری مہارت سے اس کا تعاقب کروگے کہ وہ کہاں جاتی ہے۔ کون ہے وہ۔''؟

''اوہ یہ تو واقعی بڑی زبردست جاسوسی ہوگئی لیکن جہانگیر بھائی اگر وہ واقعی نور جہاں کی روح ہوئی تو۔''؟

''کچھ نہیں ہوگا، ہمیں کم از کم یقین تو ہو جائے گا کہ ہم کس جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔''

''مم مگر مجھے ڈر جو لگے گا جہانگیر بھائی۔''

''شکی شکی تم جاسوس ہو اور جاسوسوں کا خوف سے کیا تعلق۔''؟

''اگر اجازت دو تو میں کپڑے بدل لوں۔''شکی نے سوال کیا۔

''ہاں تم کپڑے بدل لو، تمہارے کپڑے بدلنے کے بعد ہی میں نکلوں گا۔'' عالم پناہ نے کہا اور شکی جلدی جلدی تیاریاں کرنے لگا، جب وہ تیار ہو گیا تو عالم پناہ باہر نکل آئے۔ انہوں نے شکی کو پائیں باغ کے اس مخصوص گوشے کے بارے میں بتا دیا تھا جہاں وہ اسے مل سکتے تھے اور پھر وہ آہستہ آہستہ پائیں باغ کے اس گوشے کی جانب چل پڑے۔

فوارے کے پاس پڑی ہوئی سفید بنچ پر انہیں نور جہاں نظر آ گئی۔ وہ ایک انداز دلربائی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ڈھیلا ڈھالا سفید رنگ کا لبادہ جو سلک کا تھا، چہرے پر پڑی ہوئی باریک نقاب جس سے

صرف آنکھیں نمایاں نظر آتی تھیں۔ عالم پناہ کو دیکھ کر وہ بے قراری کے سے انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"جہانگیر۔ جہانگیر۔" اس نے سرگوشی کے انداز میں پکارا۔

"میں آگیا ہوں نور جہاں۔"

"میں تم سے ناراض ہو جہانگیر۔"

"کک کیوں نور جہاں۔"؟

"تم دنیا کے جھمیلوں میں پڑ کر مجھے بھولتے جا رہے ہو۔"

"نہیں نور جہاں، بھلا میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔"

"تو پھر کہاں تھے اتنے دنوں سے۔"؟

"بس کاروباری معاملات سر پر سوار تھے نور جہاں تم تو میری بڑی مدد کر سکتی ہو۔"

"کیا مطلب۔"؟

”میرا مطلب ہے تم تو ایک روح ہو نا نور جہاں۔“؟

”تم یہ سوال مجھ سے کر رہے ہو جہانگیر۔“؟

”ہاں! مجھے بتاؤ کیا تم عالمِ حقیقت میں ہو۔ کیا تم انسانی گوشت پوست میں ہو، اگر ہو تو میرے نزدیک آؤ اور مجھے خود کو چھونے کا موقع دو۔“

”نہیں جہانگیر تم مجھے نہیں چھو سکتے۔“

”نور جہاں یہ کیسی محبت ہے۔ جہانگیر تمہیں چاہتا ہے اور تم اس سے اس قدر اجتناب برت رہی ہو، اگر تم مجسم حقیقت ہو تو میرے نزدیک آؤ، مجھے اپنے وجود سے سرشار کرو۔ میں تمہارے بارے میں اکثر سوچتا رہتا ہوں۔ میں سوچتا ہوں کہ ہوا سے لڑنے سے کیا فائدہ۔ اگر محبت ہے تو پھر سامنے کیوں نہیں آتیں، مجھے جواب دو، کیا میں تمہیں چھو سکتا ہوں تمہیں سینے سے لگا سکتا ہوں۔“؟

''نہیں جہانگیر نہیں۔میں۔میں۔میں تمہارے قریب نہیں آ سکتی۔''نور جہاں کے لہجے میں ہلکی سی گھبراہٹ تھی۔

''کیوں آخر کیوں۔''؟جہانگیر نے پوچھا۔

''اس لئے کہ میں عالمِ حقیقت میں نہیں ہوں،میں صرف محبت ہوں جو تمہارے فراق میں نجانے کہاں کہاں کا سفر طے کر کے تم تک پہنچتی ہے۔''

''گویا تم روح ہو۔''

''ہاں جہانگیر میں روح ہوں۔''

''مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی نور جہاں،اگر تم روح ہو تو جہانگیر عالمِ حقیقت میں کیوں ہے۔میں تو ایک گوشت پوست کا انسان ہوں۔''

''بس یہ حوادثاتِ زمانہ ہے جہانگیر،نجانے کیا کچھ ہوتا ہے اس

دور میں، یہ سب ہماری سمجھ سے باہر کی بات ہے۔"

"نور جہاں اس طرح ہماری محبت کی کامیابی کا کیا امکان ہے۔"

عالم پناہ نے سوال کیا اور نور جہاں کی آنکھوں میں حیرت کے آثار نظر آنے لگے۔

"میں نہیں سمجھی جہانگیر۔!"

"میرا مطلب ہے ایک روح اور انسان کی محبت کیا حیثیت رکھتی ہے۔"؟

"محبت ہر حالت میں ایک حیثیت رکھتی ہے جہانگیر خواہ وہ زندگی میں ہو یا موت کے بعد۔ مجھے تم سے پیار تھا اس لئے میں مرنے کے بعد بھی تمہارے گرد منڈلاتی رہی ہوں اور بمشکل تمام تمہیں پانے میں کامیاب ہو سکی ہوں۔"

"مجھ سے کیا چاہتی ہو۔"؟

''کچھ نہیں جہانگیر کچھ نہیں۔میں۔......تو بس تمہیں پیار کرتے رہنا چاہتی ہوں،تمہاری دیوانی ہوں۔تمہیں دیکھتے رہنا چاہتی ہوں۔''نور جہاں نے جواب دیا۔

''نور جہاں تم عالمِ حقیقت میں نہیں ہوں، تمہیں مجھ پر فوقیت حاصل ہے،کیا تم میری کچھ مدد کرسکتی ہو۔''؟

''کہو کہو۔!''

''میں ایک اچھی حیثیت چاہتا ہوں،میں ایک پر وقار زندگی گزارنا چاہتا ہوں اس کے لئے میں نے ایک دفتر کھولا ہے جس میں جاسوسی کا ادارہ قائم کرلیا گیا ہے۔نور جہاں کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ تم میری رہنمائی کیا کرو۔''؟

''اوہ جہانگیر مشکل ہے۔میں عالمِ بالا سے یہاں تک آتے ہوئے خاصی تھک جاتی ہوں۔میں تمہاری اس دنیا میں تو نہیں رہ

سکتی۔"

"گویا تم میری کوئی مدد نہیں کر سکتیں۔"؟

"اس سلسلے میں میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی جہانگیر کوئی اور کام ہو تو بتاؤ۔"

"ٹھیک ہے نور جہاں اور کوئی کام نہیں ہے، میں اب اپنے پیروں پر کھڑا ہونا چاہتا ہوں اس لئے میری خواہش تھی کہ میری امداد کی جاتی۔ کیا یہ بھی ممکن نہیں ہو سکتا کہ مجھے کچھ رقم فراہم کر دو۔" عالم پناہ نے کہا۔

"رر۔ رقم۔" نور جہاں کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

"ہاں۔" جہانگیر نے جواب دیا۔

"کتنی رقم۔"؟

"یہی کوئی دس پندرہ لاکھ روپے۔ میں اپنی مالی حیثیت مستحکم کرنا

چاہتا ہوں۔"

"دس پندرہ لاکھ روپے۔"؟

"ہاں اس سے کم میں کام نہیں چلے گا نور جہاں۔"

"مگر یہ تو میرے لئے بہت مشکل ہوں گے۔"

"تعجب کی بات ہے۔تم روح ہو کر بھی دنیاوی چیزوں پر قادر نہیں ہو۔نور جہاں اگر تم مجھے یہ رقم مہیا کئے دیتی ہو تو میری اپنی ذہنی حالت بھی برقرار رہے گی۔ورنہ شاید میں تمہیں یاد نہ کر سکوں۔"

"جہانگیر تم اپنی اور میری محبت کو دولت میں تول رہے ہو۔" نور جہاں کسی قدر ناراضگی سے بولی۔

"ہاں نور جہاں اس وقت میں ایک شہزادہ تھا اور تم ایک درمیانہ درجے کی خاتون۔میں نے تمہارے لئے تخت و تاج دولت سب کچھ ٹھکرانے کا فیصلہ کیا تھا اور آج جب تم مجھ پر قادر ہو اور حالات اپنے

قابو میں رکھ سکتی ہوتو کیا میرے لئے اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتیں۔''؟

''جہانگیر جہانگیر میں کوشش کروں گی۔''

''کوشش نہیں نور جہاں تمہیں وعدہ کرنا ہوگا۔''

''ابھی نہیں جہانگیر۔ میں دوسری ملاقات پر تمہیں اس بارے میں بتاؤں گی۔''

''ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی۔'' عالم پناہ گردن لٹکا کر بولے۔ ویسے دل ہی دل میں وہ بے پناہ مسرور تھے۔انہوں نے نور جہاں کو چکر میں ڈال دیا تھا اور اس بات کا پوری طرح سے تجزیہ کر رہے تھے کہ ان باتوں سے نور جہاں کی کیا کیفیت ہو رہی ہے۔''

کافی دیر تک نور جہاں جہانگیر کے پاس بیٹھی رہی۔ویسے اب اس کے پاس بولنے کے لئے کچھ نہ تھا۔بس یوں ہی اکھڑی اکھڑی باتیں کرتی رہی اور تھوڑی ہی دیر کے بعد اس نے جانے کی اجازت

چاہی۔

”مجھے اجازت دو جہانگیر۔ میں چلتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے، پھر آئندہ کب ملاقات ہوگی۔“؟

”میں تمہیں اسی طرح آگاہ کردوں گی جس طرح میں نے آج تمہیں بتایا تھا۔“

”ٹھیک ہے میں بے چینی سے تمہارا انتظار کروں گا۔“ جہانگیر نے جواب دیا۔ پھر نور جہاں کہنے لگی۔

”اچھا جہانگیر خدا حافظ۔ تم جاؤ میں تمہارے جانے کے بعد ہی جاؤں گی۔“

”خدا حافظ۔“ جہانگیر نے کہا اور واپسی کے لئے مُڑ گیا۔ اسے یقین تھا کہ شیکی نور جہاں کے تعاقب میں ہوگا۔ وہ اپنے کمرے میں پہنچ گیا۔ اس نے پلٹ کر بھی نہیں دیکھا تھا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد شکی اس کے پاس پہنچا۔اس کا چہرہ مسرت سے سُرخ ہو رہا تھا۔جہانگیر اس کا انتظار کر رہا تھا۔دستک دینے پر اس نے دروازہ کھول دیا۔آنے والا شکی ہی تھا۔

”ویری گڈ۔ویری گڈ۔مجھے یقین ہے کہ تم ایک کامیاب جاسوس کی حیثیت سے واپس لوٹے ہوگے۔“

”جی ہاں میرا نام شفیع الدین شکی ہے۔جو کام کرتا ہوں کامیابی سے کرتا ہوں۔ہر چند کہ دنیا نے میری حقیقت نہیں پہچانی لیکن میں دنیا کی حقیقت پہچان چکا ہوں۔جہانگیر عالم پناہ اب آپ مجھ پر فوقیت کا رعب نہیں جھاڑ سکتے،بلاشبہ آپ مجھ سے زیادہ طاقتور ہیں لیکن ذہنی طور پر آپ مجھ سے زیادہ طاقتور نہیں ہو سکتے۔“

”بیٹھو بیٹھو،بڑی دور کی ہانک رہے ہو۔کیا خبر لائے ہو۔“؟عالم پناہ نے پوچھا۔

"نور جہاں پکڑی گئی عالم پناہ۔"

"کیا مطلب۔"؟

"یہ تمام لوگ ہمیں بے وقوف بنا رہے ہیں۔ پوری کی پوری ٹولی مل گئی ہے اور ان لوگوں نے ہماری کھچڑی پکا کر رکھ دی ہے۔"

"وہ کیسے۔"؟ عالم پناہ نے پوچھا۔

"نور جہاں دراصل صائمہ ہے۔ وہ پائیں باغ سے رخصت ہو کر سیدھی صفدر کے کمرے میں پہنچی۔ صفدر کے کمرے میں تمام لوگ جمع تھے اس نے وہاں بیٹھ کر تمام صورتِ حال بتائی ہے۔ کیا تم نے اس سے پندرہ لاکھ روپے طلب کئے ہیں۔"؟

"ہاں طلب کئے ہیں۔ اس کا مقصد ہے کہ وہ۔ وہ۔ وہ۔ دیکھا شیکی، غلط تو نہیں کہتا تھا میں۔"

"ہاں جہانگیر آج ان سب کی حقیقت ہم پر کھل گئی۔ انہوں نے

ہمیں طویل عرصے تک بے وقوف بنایا ہے۔میری داڑھی بھی صاف کرادی گئی ہے۔حالانکہ ہم لوگ اتنے احمق تو نہیں تھے۔"شیکی غصیلے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"نا ہم احمق تھے نا آئندہ احمق بنیں گے کیا سمجھے۔"

"اجی لعنت بھیجو اس گھر پر۔ہم یہاں سے نکل چلتے ہیں۔"شیکی نے جواب دیا۔

"ارے ارے اب تم حماقت کر رہے ہو۔تم سچ مچ احمق ہونے کا ثبوت دے رہے ہو شیکی۔"

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ اب یہاں سے نکلنا کیا معنی رکھتا ہے۔اب تو ہم اپنے پیروں پر کھڑے ہو رہے ہیں۔کیا خیال ہے اب کیوں نہ انہیں بے وقوف بنایا جائے۔"عالم پناہ نے کہا۔

''وہ کیسے۔''؟شیکی نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''خود احمق بن کر۔''

''دیکھو یار تم منطقی آدمی ہو، تاریخ سے ہٹ کر اب تم منطق پر آ گئے ہو۔ میں تمہارے منطق نہیں سمجھ پاتا۔ جو بات کہنی ہے صاف صاف لہجے میں کہو۔''شیکی نے عالم پناہ سے کہا اور عالم پناہ اسے سمجھانے لگے۔

''دیکھو شیکی ہم لوگ سادہ دل اور سادہ ذہن ضرور تھے لیکن یہ لوگ ہمیں مختلف طریقوں سے بے وقوف بناتے رہے ہیں یہ باتیں تو چل سکتی ہیں کہ یہ کسی سلسلے میں ہماری مدد کریں اور خود کو چالاک سمجھیں لیکن اگر یہ اتنی گہرائی سے ہمیں بے وقوف بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو پھر ہم یہ سب نہیں چلنے دیں گے، اب ہم خود ان کو بے وقوف بنائیں گے۔''

''مگر کس طرح میرے بھائی۔''؟شیکی نے پوچھا۔

''بس اس طرح کہ ہم ان کی نگاہوں میں بے وقوف بنے رہیں اور خود انہیں بے وقوف بناتے رہیں۔اس کے لئے میرے پاس ابھی کوئی لائحہ عمل نہیں ہے لیکن بہت جلد میں تمہیں ایک لائحہ عمل پیش کر دوں گا۔''شیکی پر خیال انداز میں گردن ہلا رہا تھا، پھر اس نے گہری سانس لے کر کہا۔

''اور کچھ کرنا ہے جہانگیر بھائی یا میں آرام کرلوں۔''

''تمہارا بہت بہت شکریہ دوست، ہم دونوں ہی ایک دوسرے کا ساتھ دے سکتے ہیں۔باقی تمام لوگ تو ہم سے لطف لینے والوں میں سے ہیں۔یہ آج تک ہمیں بے وقوف بناتے رہے ہیں اب ہمارا وقت شروع ہوا ہے۔''

''مجھے تو واقعی لطف آرہا ہے۔جہانگیر بھائی میں تمہارا ساتھ دینے

کے لئے تیار ہوں۔"

"نوشاب وغیرہ کا چکر تو ہم نے چھوڑ دیا ہے۔اب ہماری راہ میں کوئی دیوار نہیں ہے۔"

"بالکل۔"

"تو پھر طے۔" عالم پناہ نے کہا اور دونوں نے گرم جوشی سے مصافحہ کیا۔گویا انتقام کا فیصلہ ہو گیا تھا۔

☆

ٹھیک ساڑھے نو بجے سہیل کی کار مسز درانی کی کوٹھی پر رکی مسز درانی اور زاہد ظفر برآمدے ہی میں اس کا انتظار کر رہے تھے ساڑھے نو بجنے میں وقت دس منٹ باقی تھے جب وہ برآمدے میں پہنچ گئے تھے اور ان کی آنکھیں صدر گیٹ پر لگ گئی تھیں پھر سہیل کی کار اندر داخل ہوتی ہوئی دیکھی تو دونوں کے دل دھڑک اُٹھے دونوں

اپنے اپنے انداز میں سوچ رہے تھے زاہد ظفر کی آنکھوں میں دلچسپی
اور جستجو تھی وہ اسی قسم کا آدمی تھا حالانکہ سہیل یا نصیبو نے زاہد ظفر کا بھی
بُرا حال کر دیا تھا اسے بنجاروں کے ساتھ ایک بدترین عورت کے شوہر
کی حیثیت سے زندگی بسر کرنی پڑی تھی اور اس بدترین عورت نے
اس کی مٹی پلید کر دی تھی اس کی جمالیاتی حس کو اتنا شدید نقصان پہنچا
تھا کہ زاہد ظفر آج تک اپنے ذہن سے ان واقعات کو جھٹکنے میں ناکام
رہا تھا لیکن اُسے دلچسپی یہ تھی کہ سہیل جیسے آدمی نے اُس کی خوب
درگت بنائی تھی پھر اس نے راگھو خان کے ڈیرے پر سہیل اور راگھو
خان کی جنگ دیکھی تھی سہیل جیسا نرم و نازک آدمی جسے دیکھنے کے
بعد اس احساس کے سوا اور کوئی احساس نہیں ہوتا تھا کہ وہ ایک نرم
و نازک طالب علم ہے لیکن اس نے راگھو خان جیسے شخص کا جو حال
کیا تھا وہ ناقابلِ یقین تھا چنانچہ اس کی آنکھوں میں اس وقت تجسس

اور اشتیاق صرف اس لئے تھا کہ وہ اس خطرناک آدمی کو آج پہلی بار
اتنے قریب سے دیکھے گا اور اس کے ساتھ دوستانہ ماحول میں گفتگو
کرے گا، دوسری طرف مسز درانی تھی جس کا ذہن متضاد خیالات کا
حامل تھا سہیل کو ایک نوجوان چھوکرے کی حیثیت سے دیکھ کر اس کے
منہ سے رال ٹپک پڑی تھی اور اس نے رین بو کلب میں اس کے
حصول کی کوششیں کی تھیں اور ان کوششوں میں وہ بہت عامیانہ
حرکات پر اتر آئی تھی لیکن جب سہیل اس کی جانب مائل ہو گیا تو وہ
مسرت سے پھولی نہ سمائی اور پھر سہیل کے ساتھ بیٹھ کر وہ اپنے آپ
کو نجانے کیا محسوس کرنے لگی تھی۔ یہاں تک کہ وہ نوجوان لڑکی اس
سے ٹکرائی کیونکہ وہ خود بھی سہیل کو پیار کرتی تھی اور پھر سہیل کے
حصول کے لئے اس نے اس لڑکی کو انتہائی احمق بنایا اس کا جو نتیجہ نکلا
تھا وہ مسز درانی کے لئے بھی حیرت انگیز تھا بات وہیں تک رہتی تو کوئی

حرج نہ تھا لیکن اس کے بعد جو حالات پیش آئے تھے وہ مسز درانی کے لئے ناقابلِ یقین تھا اور وہ سخت حیران تھی کہ سہیل کیا چیز ہے پھر اسے سہیل سے نفرت ہوئی اور اس نے سہیل کے خلاف گرینگو کو آمادہ کیا۔ گرینگو کی شکست کے بعد جو حالات پیش آئے وہ مسز درانی کے لئے ناقابلِ یقین تھے۔ اس کے بعد سہیل کی ایک اور شخصیت اس کے سامنے آئی۔ مسز درانی کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ خطرناک اور نرم و نازک حسین نوجوان ایسی عجیب و غریب صفات کا مالک ہے وہ آج تک اسی کیفیت میں مبتلا تھی کہ سہیل جو کچھ بھی کہہ رہا ہے وہ حقیقت بھی ہے یا نہیں لیکن اس کا فیصلہ کون کرسکتا تھا سہیل تو اسے صحیح صورتِ حال بتانے سے رہا ان تمام ہنگاموں سے نمٹنے کے بعد وہ بنجاروں کی بستی میں پہنچ گئی سہیل نے سزا کے طور پر اسے اس بستی میں بھیجا تھا اور یہ سزا جتنی سخت تھی مسز درانی ہی جانتی تھی پھر اس نے فیصلہ کیا کہ

سہیل سے گلوخلاصی ممکن نہیں ہے اور اب تو وہ ایسے شخص کے جال
میں پھنس چکی ہے جو نہ صرف شاطر ہے بلکہ انتہائی خطرناک
اور طاقتور بھی ہے اور اس کی قوتوں سے ٹکرانا موت کے مترادف ہے
چنانچہ اس نے خلوص دل سے اپنی شکست تسلیم کرلی تھی اور سہیل سے
مکمل طور سے تعاون پر آمادہ تھی لیکن اُسے اس بات کا بھی یقین نہیں
تھا کہ سہیل اس کے خلوص پر یقین کرے گا لیکن آج وہ سہیل کو اپنے
خلوص کا یقین دلانا چاہتی تھی اور اسی لئے وہ اس کا انتظار کررہی تھی۔
پھر جب سہیل پورچ میں اپنی کار سے اُترا تو دونوں اسے دیکھتے رہ
گئے کم بخت اتنا اسمارٹ نظر آرہا تھا کہ دل بے اختیار اس کی طرف
کھنچنے لگا اس کے نہایت سلیقے سے ترشے ہوئے بال انتہائی حسین
تراش کا لباس جو یوں لگتا تھا جیسے اسی کے بدن کے لئے تراشا گیا ہو
کسی اور بدن پر وہ اس قدر نہ سجے گا چال بھی بے حد دلکش تھی اتنی

پُرکشش کہ آنکھیں بچھ جائیں اُس کی راہ میں۔ مسز درانی کے ہونٹوں پر ایک دل آویز مسکراہٹ پھیل گئی بہر طور وہ اپنی فطرت سے مجبور تھی دونوں نے چند قدم آگے بڑھ کر سہیل کا استقبال کیا اور اسے دیکھتے رہ گئے چہرے کی معصومیت بے پناہ تھی لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ زمانے سے آشنا نوجوان ہے بھولا بھالا سا۔ پرکشش آنکھوں والا۔

”معاف کیجئے گا مجھے دیر تو نہیں ہوگئی۔“ اس نے دل آویز انداز میں پوچھا۔

”نہیں پورے ساڑھے نو بج رہے ہیں۔“

”مجھے راستے بھر یہی خیال رہا کہ آپ کو زحمت نہ اُٹھانی پڑی ہو۔“ اس کی آواز میں اس قدر نرمی اس قدر لوچ تھا کہ مسز درانی دل مسوس کر رہ گئی زاہد ظفر بھی متاثر نظر آ رہا تھا۔

”تشریف لائیے ہم بے چینی سے آپ کے منتظر تھے۔“ اس نے

آگے بڑھ کر کہا۔

''اوہ زاہد ظفر صاحب۔'' سہیل نے کہا اور مصافحے کے لئے ہاتھ بڑھا دیا زاہد ظفر نے اس کے ساتھ بڑی گرم جوشی کے ساتھ مصافحہ کیا پھر وہ دونوں اُسے لئے ہوئے ڈرائنگ روم میں آ بیٹھے۔

''مسز درانی کا جمالیاتی ذوق قابلِ تحسین ہے۔ اس ڈرائنگ روم کی آرائشگی نے مجھے متاثر کیا ہے۔'' سہیل نے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''شکریہ سہیل صاحب۔ آپ کے ان الفاظ سے میرا دل بڑھ گیا ہے۔''

''مسز درانی ہم نے آپ کا دل بڑھانے کی ہمیشہ کوشش کی ہے۔ لیکن افسوس کہ آپ نے ہماری محبت قبول ہی نہیں کی۔'' سہیل نے انگلیاں مروڑتے ہوئے کہا۔

”سہیل صاحب آپ کی صفات درحقیقت ناقابلِ یقین ہیں
میں یہ اعتراف کرنے پر مجبور ہوں کہ میں نے اپنی زندگی میں آپ
جیسا کوئی شخص نہیں دیکھا۔“

”بیٹے بھی بنا رہی ہیں آپ مجھے۔“ سہیل لچک کر بولا اور زاہد ظفر
ہنسنے لگا۔

”بھئی سہیل صاحب آپ کو دیکھ کر مجھے وہ شخص یاد آجاتا ہے
جو راگھو خان کو چمڑے کی بیلٹ سے مار رہا تھا میں آپ دونوں
کا موازنہ کرتا ہوں اور میری کھوپڑی پر طبلہ بجنے لگتا ہے۔“

”کیا بجنے لگتا ہے۔“؟ سہیل نے چونک کر پوچھا۔

”طبلہ۔“

”اوہ۔ آپ نے کسی ڈاکٹر کو دکھایا۔“

”نہیں آج دکھانا چاہتا ہوں۔“ زاہد ظفر نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ دراصل یہ دھما کے طبلے کے نہیں ہوں گے بلکہ ممکن ہے کہ آپ کسی موذی مرض میں گرفتار ہیں۔"

"سہیل صاحب پلیز ہم آپ کی توصیف کرنا چاہتے ہیں ہمیں مذاق میں نہ اُڑائیے۔"

"ارے بھائی آپ لوگوں کو اس سے کیا ملے گا کام کی بات کریں۔" سہیل نے جواب دیا۔

"ابھی کوئی کام کی بات نہیں ہوگی سہیل صاحب پہلے کھانا کھا لیا جائے۔" مسز درانی نے ناز بھرے انداز میں کہا اور سہیل نے دونوں شانے ہلا دیئے۔

"جیسی آپ کی مرضی ہم بھلا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔" سہیل کے انداز میں ایک عجیب سی نسوانیت ایک عجیب سی لچک تھی جسے وہ دونوں بخوبی محسوس کر رہے تھے۔ یہ لچک اس کی شخصیت کو کچھ اور پر کشش

بنا رہی تھی۔ بہرطور وہ کھانے کی میز پر پہنچے۔ مسز درانی اپنے ہاتھوں سے سہیل کی خاطر و مدارت کرتی رہی۔ ایک بار سہیل نے اس سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اس میں سے کون سی چیز خواب آور ہے قاعدے سے تو آپ کو چاہیے تھا کہ ہمیں زہر دے دیتیں۔“

”سہیل میں اس کے جواب میں کچھ نہیں کہوں گی اگر آپ کو ہم پر اعتماد ہے تو یہ اعتماد دائمی ہونا چاہیے۔ میں آپ سے انتہائی معذرت کے ساتھ چند الفاظ ادا کرنا چاہتی ہوں۔ سہیل آپ کے مقابلے پر میں نے جتنی بار آنے کی کوشش کی اس میں مجھے شکست ہوئی میں نے ہر شخص کو آپ کے خلاف اُکسایا اور اس بات کا کھلے دل سے اعتراف کرتی ہوں کہ ہر بار اس کوشش میں ناکام رہی اور ان ناکامیوں نے مجھے بالآخر ایک سبق دیا وہ یہ کہ میں آپ کے ساتھ تعاون کر کے ہی

زندہ سلامت رہ سکتی ہوں چنانچہ سہیل میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب زندگی کے آخری لمحات تک آپ کے لئے کام کروں گی اور ان سے کبھی انحراف نہیں کروں گی اگر آپ کو ان باتوں پر یقین آتا ہے تو ٹھیک ہے ورنہ امتحان لیتے رہیں۔ کھانے کا جہاں تک معاملہ ہے تو میں نے بڑی چاہت سے پکوائے ہیں لیکن اگر آپ ان میں سے کچھ نہ کھائیں گے تو میں شکایت نہیں کروں گی۔"

"نہیں بھئی کوئی بات نہیں ہے ہم نے کہا تھا نا کہ اب تو ہم زہر بھی کھا لیا کرتے ہیں۔" سہیل نے کہا اور کھانے میں مصروف ہو گیا زاہد ظفر اور مسز درانی دونوں اس کا ساتھ دے رہے تھے انہوں نے اپنے لئے بھی ان ہی ڈشوں سے کھانا نکالا تھا جن سے سہیل نے اپنے لئے نکالا تھا۔ بہر طور وہ لاپرواہی سے کھاتا رہا مسز درانی اور زاہد ظفر کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اُٹھ جاتی تھیں اور وہ متحیرانہ نگاہوں

سے اسے دیکھنے لگتے تھے یہ آدمی کیا تھا اتنی چھوٹی سی عمر میں کس قدر خطرناک فطرت کا مالک بن چکا تھا ہر جگہ ذہانت کے نئے نئے گل کھلاتا تھا بات کچھ سمجھ میں نہیں آتی تھی بہرطور وہ تھوڑی دیر بعد کھانے سے فارغ ہو گئے کھانے کے کمرے سے اُٹھ کر پھر وہ اسی ڈرائنگ روم میں آ گئے لیکن ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہوئے سہیل نے کہا۔

”مسز درانی کسی کھلی جگہ میں بیٹھتے ہیں یہاں کچھ گھٹن سی محسوس ہو رہی ہے۔“

”تو پھر آیئے لان پر چلتے ہیں میں وہاں کرسیاں لگوا دوں۔“ مسز درانی نے کہا۔

”وہ ہی مناسب رہے گا۔“ سہیل نے جواب دیا اور تھوڑی دیر بعد وہ لان کے خوبصورت حصے میں کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے ٹھنڈی

ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی موسم انتہائی خوش گوار تھا مسز درانی نے ایک مشروب منگوا لیا تھا اور وہ تینوں اس کی چسکیاں لے رہے تھے۔

"ہاں تو میرا خیال ہے کہ اب کام کی بات شروع ہو جائے۔" سہیل نے دھیمے لہجے میں کہا۔

"جی ہاں میں منتظر ہوں۔"

"ویسے مسز درانی اور مسٹر زاہد ظفر آپ دونوں حضرات کو کسی خاص مسئلے میں تو آزمانا مناسب نہ تھا لیکن وہ جس کا نام نصیبو ہے نا وہ عجیب وغریب شے ہے میں اپنے آپ کو حیرت انگیز بنا کر پیش نہیں کرنا چاہتا لیکن مجھے اپنی زندگی سے شدید اختلاف ہے میں ہمیشہ اپنی فطرت کے خلاف کام کرتا ہوں اپنی سوچ کی ذہانت سے مختلف لائنوں پر چلتا ہوں تا کہ مجھے خطرات پیش آئیں اور میں پھانسی کے پھندے تک پہنچ جاؤں۔ مجھے اتنی اذیتیں ملیں اس دنیا میں کہ میں درد

وکرب سے چیخ چیخ پڑوں اور میں اسی راستے پر عمل کرتا رہتا ہوں لیکن بعض اوقات تقدیر بھی عجیب وغریب مذاق کرتی ہے وہ ہر اس راستے کو جسے میں کانٹوں بھرا سمجھ کر آگے بڑھتا ہوں اسے پھولوں سے لاد دیتی ہے اور مجھے کامیابیوں سے ہمکنار کرتی ہے میں اپنی ان ہی کامیابیوں کا دشمن ہوں اور اس کی وجہ مسز درانی میں بتا چکا ہوں بہر طور میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ مجھے آپ لوگوں پر اس قدر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے تھا کیونکہ آپ مجھ سے غداری کر چکے ہیں مجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کر چکے ہیں یہ دوسری بات ہے کہ میری بجائے آپ ہی کو نقصان اُٹھانا پڑا تھا۔ لیکن میں پھر آپ سے نقصان اُٹھانے کا تہیہ کر چکا ہوں کر چکا ہوں اور ایک نیا کام آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں تا کہ آپ اس کے خلاف عمل کریں اور مجھے مصیبتوں میں پھنسائیں۔"

''مسز درانی کے چہرے پر عجیب سے تاثرات نظر آرہے تھے پھر اس نے کسی قدر روہانسی آواز میں کہا۔

''آپ ہمیں جس قدر چاہے ذلیل کرلیں سہیل۔لیکن اب ہمارا یہ آخری فیصلہ ہے۔ہم وہی سب کچھ کریں گے جو آپ کے مفاد میں ہو۔اب ہم آپ سے غداری کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔''

''یہ تو بہت اچھی بات ہے اور میرا خیال ہے اس کا فیصلہ بھی بہت جلد ہو جائے گا۔میں نے آپ سے ٹیلی فون پر کچھ کہا تھا۔'' سہیل نے نرم لہجے میں کہا۔

''ہاں۔لیکن جو کچھ آپ نے کہا تھا ہماری سمجھ میں نہیں آیا تھا اور جو سمجھ میں آیا تھا ہم اس پر پریشان ہیں۔''

''پریشان کیوں ہو۔''؟

''اس لئے کہ بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔کچھ ڈاکے وغیرہ کی

بات تھی۔ لیکن اس کا مفہوم کیا تھا۔"؟

"جو کچھ میں نے کہا تھا اس کا مفہوم سو فیصد وہی تھا۔ اور اب میں آپ کو اپنا پہلا پروگرام بتا رہا ہوں۔"

"ضرور۔ ضرور میں اس میں پوری دلچسپی لے رہا ہوں۔" اس بار زاہد ظفر بولا۔

سہیل نے جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک سکہ نکالا جو چمکتے ہوئے سورج کی شکل کا تھا اس نے وہ سکہ ان دونوں کے سامنے رکھ دیا اور دونوں جھک کر اسے دیکھتے رہے۔ پھر مسز درانی نے سہیل کو دیکھا اور بولی۔

"میں سمجھ نہیں سکی جناب۔"

"میں سمجھا رہا ہوں یہ سکہ ایک ایسے خطرناک شخص کا شناختی نشان ہے جو یورپ کا ہوّا کہلاتا ہے۔ گولیور کے نام سے پکارا جاتا ہے۔

گولیور کچھ عرصہ قبل ہمارے ملک میں داخل ہوا ہے اور اس نے یہاں
کچھ مجرمانہ کاروائیاں کی ہیں۔ وہ جہاں بھی جاتا ہے وہاں کے جرائم
پیشہ افراد کو اپنا غلام بنالیتا ہے۔ یہاں بھی اس نے یہی کوشش کی اور
نصیبو سے آ بھڑا۔ وہ نصیبو کو اپنا مطیع کرنا چاہتا ہے۔ بہر حال نصیبو
ابھی تک تو اس کے جال میں نہیں پھنسا وہ اپنی کئی کوششوں میں ناکام
ہو چکا ہے اور اب نصیبو کی باری ہے۔ میں نے اب اس کے خلاف
اس مہم کا آغاز کیا ہے جو اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دے
گی۔۔۔ گولیور نے میرے خلاف جو پروگرام بنائے تھے ان کی تکمیل
میں وہ ناکام رہا، لیکن میں نے اس کے خلاف جو پروگرام بنایا ہے، وہ
اسے دو کوڑی کا کرنے کے لئے کافی ہے۔ تم لوگ یقین کرو اگر میرا وہ
پروگرام کامیاب ہو جاتا ہے تو گولیور کو بقول شخصے نانی یاد آ جائے گی۔
وہ بھی کیا یاد کرے گا کہ کس ملک میں آیا تھا۔'' سہیل کی آنکھیں چمکنے

لگیں۔ زاہد ظفر اور مسز درانی اسے دلچسپی سے دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"اس سے قبل ہم نے اس شخص کے بارے میں نہیں سنا جناب۔"

"تم لوگوں نے کیا سنا ہے اب تک۔ تمہاری مجرمانہ زندگی کتنی وسیع ہے اس کا تمہیں خود اندازہ ہے۔ بہر طور گولیور جو کچھ بھی ہے، مجھے اس سے کوئی غرض نہیں ہے۔ وہ اگر میرے راستے میں نہ آتا تو شاید میں اس سے کبھی مزاحم نہ ہوتا۔ لیکن اس نے خود ہی مجھے چھیڑا ہے اور اس چھیڑ کا انجام کیا ہوگا۔ یہ تم لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ تم لوگ یقین کرو میں اس کے لئے جو پروگرام بنا چکا ہوں اس پر بہر طور عمل ہوگا تم بھی چونکہ میرے ساتھیوں میں شامل ہو اور اس بات کا اظہار کرتے ہو کہ اب تم میرے لئے وفاداری سے کام کرنے کے خواہش مند ہو چنانچہ میں نے تمہیں اسی سلسلے میں شریک کرلیا ہے۔ تم

تنہا نہیں ہو گے۔ ہر جگہ تمہارے معاونین ہوں گے جو کسی بھی مشکل پر تمہاری مدد کریں گے اور تمہیں کسی الجھن کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

"آپ اس کی فکر نہ کریں مسٹر سہیل ہم دل و جان سے اس کے لئے تیار ہیں۔ میں کم از کم اپنی بات کر رہا ہوں۔" زاہد ظفر نے مستعدی سے کہا۔

"شکریہ زاہد۔ دراصل یہ نشان جیسا کہ میں نے تمہیں بتایا گولیور کا ہے اور اب اس نشان کی وقعت ختم ہو جانی چاہئے جو یورپ کے ممالک میں ہے۔ کل اگر یورپ کے اخبارات یہ خبر لکھیں کہ گولیور اس ملک میں آ کر کن عامیانہ حرکات کا مرتکب ہو رہا ہے تو کیا گولیور کی ساکھ بحال رہ جائے گی۔ نہیں تم بس تماشہ دیکھو کیا ہوتا ہے۔!"

"ٹھیک ہے ہم دونوں بخوشی تیار ہیں کیوں مسز درانی۔"؟ زاہد ظفر نے مسز درانی سے پوچھا۔

”ہاں میں تو پہلے ہی کہہ چکی ہوں۔“ مسز درانی نے جواب دیا۔

”تو پھر کیا کرنا ہوگا ہمیں۔“؟

”بینک آف کینڈا کی میئر وہائیٹ برانچ میں ڈاکہ ڈالنا ہوگا تمہیں۔ زاہد ظفر تم ایک غیر ملکی کے میک اپ میں ہو گے اور مسز درانی بھی تمہارے ساتھ ایک غیر ملکی عورت کے میک اپ میں ہو گی۔ تم بینک میں زبردست فائرنگ کرو گے، تمام لوگوں کو خوفزدہ کرو گے، پھر کیشئر سے جو کچھ بھی ملے گا لے بھاگو گے۔ لیکن خیال رکھنا کہ جو کچھ تمہیں کیشئر سے لینا ہے بہت معمولی سا ہونا چاہئے۔ صورتحال یہ ہو کہ تم خوفزدہ نظر آؤ اور سورج کا یہ نشان تم بینک کے کاؤنٹر پر چھوڑ آؤ یا تمہاری جیب سے گر پڑے۔ میرا مطلب سمجھ رہے ہو تم۔“؟

”اوہ جی ہاں جی ہاں، لیکن جناب عالی اگر ہمیں وہاں کچھ اور خطرات پیش آ جائیں تو۔“؟

”ہرگز نہیں، وہاں تمہاری مدد کے لئے بے شمار افراد موجود ہوں گے تمہیں صرف گولیور کو بدنام کرنا ہے ایک ایسا ناکام ڈاکہ جس میں تمہارے ہاتھ چند ہزار سے زیادہ کی رقم نہیں آنی چاہئے گولیور کا نشان وہاں ہر قیمت پر موجود رہنا چاہیے اس طرح تم میرا مطلب سمجھ رہے ہو گے۔“؟ سہیل نے کہا۔

”بالکل سمجھ رہا ہوں مسٹر سہیل، بالکل سمجھ رہا ہوں واقعی کمال ہے۔“

”بس تمہیں یہی سب کچھ کرنا ہے اور مسز درانی گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس وقت جب تم لوگ بینک میں داخل ہو گے تقریباً دس افراد ایسے ہوں گے جو میرے اپنے آدمی ہوں گے، اگر تمہیں ذرا بھی خطرہ درپیش آیا تو وہ تمہارے لئے اتنا کچھ کریں گے کہ تم تصور بھی نہیں کرسکتے۔“

''بس ٹھیک ہے! ہمیں آپ پر مکمل اعتبار ہے۔'' زاہد ظفر نے جواب دیا اور مسز درانی بھی مسکرانے لگی، پھر بولی۔

''آپ نے بہت عمدہ پروگرام بنایا ہے جناب۔ گولیور بینک میں ڈاکہ ڈالے گا لیکن یہ اس کی انتہائی ناکام کوشش ہوگی۔''

''ہاں یہی میرا پروگرام ہے۔ لیکن بات یہیں تک محدود نہیں رہے گی۔''

''پھر۔''

''بھئی اتنا بڑا مجرم ہے اور کوئی حرکت نہیں کرے گا کیا۔ میں اسے پاگل کردوں گا مسز درانی۔ کیا سمجھ کر اس نے نصیبو کو غلام بنانے کا فیصلہ کیا تھا۔''

''ہم خلوصِ دل سے آپ کے ساتھ ہیں۔'' زاہد ظفر نے کہا اور سہیل گردن ہلانے لگا تھوڑی دیر کے بعد وہ انہیں پورا پروگرام سمجھا

کر اُٹھ گیا۔

"اب مجھے اجازت دو۔"

"بہت بہتر۔ ہم آپ کو کامیابی کی اطلاع دیں گے۔"

"یہ اطلاع خود بخود مجھ تک پہنچ جائے گی۔" سہیل نے مسکرا کر کہا اور اپنی کار کی طرف چل پڑا۔ پھر جب اس کی کار نگاہوں سے اوجھل ہو گئی تو مسز درانی نے گہری سانس لی۔

"کوئی سوچ سکتا ہے اس کے بارے میں۔"

"کوئی نہیں۔" زاہد ظفر نے بھی اسی طرح گہری سانس لے کر کہا اور دونوں خاموش ہو گئے۔

☆

اخبار میں اشتہار شائع ہوا تھا۔

خوبصورت کوٹھی برائے فروخت۔

کوٹھی نمبر ۱۱۲ برائے فروخت ہے۔ کسی بھی وقت دیکھی جا سکتی ہے۔ ملاقات کریں۔ نواب خیرات علی۔ ایم ڈی او۔

اس وقت صبح کے تقریباً گیارہ بجے تھے۔ بوڑھا نواب خیرات علی مالیوں پر برس رہا تھا پھولوں کی کیاریوں میں کچھ پودے مرجھا گئے تھے اور نواب کا پارہ چڑھ گیا تھا۔

"ابے دلّن۔"

"جی نواب صاحب۔"

"گنوار زادے تو مالی ہے۔"

"جی صاحب۔"

"جانتا ہے مالی کے معنی کیا ہوتے ہیں۔"؟

"جی نہیں صاحب۔"

"تو پھر مالی کیوں بنا۔ بول کس گدھے نے کہا تھا کہ تو مالی کا کام

کر۔!"

جی وہ۔نواب صاحب۔"

"ہاں ہاں بول۔جواب دے کس گدھے نے کہا تھا کہ تو مالی کا کام کر۔"

"جی میں تو چوکیداری کے لئے آیا تھا۔۔نواب صاحب آپ نے مالی کے کام پر لگا دیا۔"

"گویا ہم نے کہا تھا تجھ سے۔جاہل گنوار۔ڈس مس ایک دم ڈس مس۔دور ہو جا میری نگاہوں سے۔میں کہتا ہوں دور ہو جا۔"

"کتنی دور نواب صاحب۔" مالی نے ادب سے پوچھا۔

"چوکیدار ہے تو۔"؟

"جی نواب صاحب۔"

"تو گیٹ پر جا۔اور چوکیدار کو میرے پاس بھیج دے۔میں

کہتا ہوں جلدی کر کہیں میرا غصہ نہ بڑھ جائے۔'' نواب صاحب نے چھڑی سنبھالتے ہوئے کہا۔اور مالی گیٹ کی طرف دوڑ گیا۔گیٹ پر چوکیدار موجود تھا۔سیدھے سادے خان صاحب نسواری کی چٹکی ہونٹ کے نیچے دبا رہے تھے۔

''خان صاحب۔نواب صاحب بلا رہے ہیں۔''

''یا الٰہی خیر۔کیوں بلاتی ہے۔''؟

''معلوم کرو جا کر۔مجھے کیا معلوم۔''

''اوہ خانہ خراب کیا بات ہے نہ جانے۔''چوکیدار نے کہا اور بندوق سنبھال کر نواب صاحب کی طرف بڑھ گیا۔

''نواب خیرات علی کمر پر دونوں ہاتھ رکھے اسے گھور رہے تھے۔ لمبے چوڑے انسان تھے۔عمر اسی ۸۰ سال سے تجاوز کر چکی تھی لیکن کمر میں ذرا بھی خم نہیں تھا۔بدن میں بے پناہ طاقت تھی جس کا

مظاہرہ بار ہا ہو چکا تھا۔ غصے کے تیز تھے اور ملازموں کو مارنے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ ماضی کیا تھا کسی کو صحیح معلوم نہیں تھا لیکن زبان میں بعض اوقات خرابی ہو جاتی تھی جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ کہیں نہ کہیں گڑبڑ ضرور تھی۔

''چوکیدار بندوق ہلاتا ان کے قریب پہنچ گیا۔'' اسلام علیکم نواب صاحب۔''

''پودوں اور پھولوں کے بارے میں کچھ جانتے ہو۔''؟ نواب صاحب نے پوچھا۔

''چہ جانتی ہے۔ ضرور جانتی ہے۔''

''کون جانتی ہے۔ میں تمہاری بات کر رہا ہوں تمہاری بیوی کی نہیں۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''چہ ام بھی اپنی بات کرتی ہے۔''

"خان صاحب۔ ہوش میں نہیں آئیں گے آپ۔"

"چہ خدا کا کسم نواب صاحب۔ ام ہوش میں ہے۔ کوئی نشہ نہیں کرتی سوائے نسوار کے اور نسوار ہوش خراب نہیں کرتی۔"

"بکواس بند کرو۔"

"کردی۔ چہ کردی نواب صاحب۔"

"پودوں اور پھولوں کے بارے میں کیا جانتے ہو۔"؟

"چہ نواب صاحب۔ پودا پودا ہوتی ہے اور پھول پھول ہوتی ہے۔"

"بس یہ جانتے ہو۔"

"اور بھی بہت کچھ جانتی ہے۔"

"ٹھیک ہے تم آج سے مالی کا کام کروگے۔"

"ایں۔ چہ کیا بولی۔"؟

"مالی کا کام کرو گے تم۔"

"چہ مگر نواب صاحب۔ ام مالی کا کام کیسے کرے گی ام تو چوکیدار ہے خدا کا کسم۔"

"اب تم مالی ہو۔"

"مگر نواب صاحب۔"

"ان خراب پودوں کو نکالو۔ اور سنو یہ بندوق اس گدھے کو دے آؤ۔"

"کون سے گدھے کو۔"

"دلّن کو۔ سُسرا مالی بنتا ہے۔ یہ جانتا نہیں کہ مالی کا کام کتنی ذمہ داری کا ہوتا ہے۔" نواب صاحب نے کہا۔

"چہ مگر یہ تو ہم بھی نہیں جانتی نواب صاحب۔" چوکیدار نے کہا۔

"بکواس مت کرو جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔ ڈس

مس، ڈس مس۔ ''نواب صاحب نے غصیلے انداز میں ہاتھ ہلا کر کہا۔ اور چوکیدار گردن لٹکائے واپس گیٹ کی جانب بڑھ گیا۔

''خو چہ ڈلن یہ تو نے کیا کیا۔ ''؟ چوکیدار نے ڈلن مالی کے پاس پہنچ کر کہا۔

''میں نے کیا کیا، کیا ہو گیا۔ ''؟

''چہ تم کو چوکیدار بنا دیا گیا اور میرے کو مالی۔ ''خان صاحب نے جواب دیا۔

''تو اس میں میرا کیا قصور ہے خان صاحب۔ یہ تو تقدیر کا قصور ہے۔''

''چہ مگر یہ ہوا کیسے۔ ''؟ خان صاحب نے پوچھا۔

''کچھ پودے خراب ہو گئے تھے۔ میں تو مالی کا کام جانتا نہیں تھا، میں بھی چوکیداری کے لئے آیا تھا، پہلے تو نواب صاحب نے مجھے مالی

کے کام پر لگا دیا اور اب ناراض ہو رہے ہیں۔"

"چہ اب ہمیں لگا دیا ہے یارا۔ بتاؤ اب ہم کیا کریں۔"؟

"بس مالی کا کام کرو گے اور کیا کرو گے۔"

"چہ مگر کیسے کرے گی۔"؟

"جیسے بھی بن سکے، کچھ پودے میں خراب کر چکا ہوں کچھ پودے تم خراب کردو۔ پھر تمہیں بھی ہٹا دیا جائے گا وہاں سے۔" دلن نے مسکراتے ہوئے کہا اور خان صاحب نے بندوق دلن کی طرف بڑھا دی۔

"ٹھیک ہے خانہ خراب اب تم چوکیداری کرو، پھر ذرا تماشہ دیکھنا چوکیداری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔"

"مم مگر میں اس کا کیا کروں۔" دلن نے بندوق کو دیکھتے ہوئے کہا اور خان صاحب ہنس پڑے۔

”چپ کرے گی کیا، اسے کندھے پر رکھو اور کھڑا رہو صبح سے شام تک بیٹھنے کا آرڈر نہیں ہے اور جب بھی ضرورت پیش آئے بندوق چلاؤ۔“

”ارے باپ رے، میرے تو باپ نے بھی کبھی بندوق نہیں سنبھالی۔“

”تو میرا باپ کون سا مالی کا کام کرتی ہے۔ چلو بندوق سنبھالو۔“ خان صاحب نے کارتوسوں کی پیٹی نکال کر دلن کے حوالے کر دی اور دلن اسے اپنی کمر میں فٹ کرنے لگا۔ لیکن اسے صحیح طریقہ نہیں آتا تھا خان صاحب بندوق اور کارتوسوں کی پیٹی اس کے حوالے کر کے نواب صاحب کی طرف بڑھ گئے تھے۔

نواب اسے پھولوں اور پودوں کے بارے میں ہدایات دیتے رہے۔ ابھی زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ دروازے پر ایک موٹر سائیکل

نظر آئی۔

موٹر سائیکل سوار نے غالباً ولن مالی سے جو اب حالیہ طور پر چوکیدار بن چکا تھا، اندر جانے کی اجازت مانگی تھی نواب صاحب سامنے ہی کھڑے تھے۔ ولن نے اس کی طرف دیکھا نواب صاحب خود بھی گیٹ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ موٹر سائیکل کا سائیلنسر نکلا ہوا تھا۔ اس لئے اس کی آواز کانوں کو انتہائی بُری لگ رہی تھی اور نواب صاحب کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوتے جا رہے تھے۔

ولن نے نواب صاحب کی طرف دیکھا اور نواب صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اجازت دے دی کہ آنے والے کو اندر بھیج دیا جائے۔

موٹر سائیکل سوار ایک دبلے پتلے بدن کا آدمی تھا پان کھائے

ہوئے تھا اور اس کے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیلے ہوئے تھے بہر صورت وہ نواب صاحب کے پاس پہنچ گیا۔

”سلام عرض کرتا ہوں حضور قبلہ نواب صاحب۔“ اس نے کہا۔

”سلام کے بچے یہ موٹر سائیکل کس کی ہے۔“؟

”جی.........“ آنے والے نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

”میں کہتا ہوں یہ موٹر سائیکل کس کی ہے۔“؟

”چوری کی نہیں ہے جناب۔ سو فیصدی میری اپنی ہے۔“

”تم نے اسے مکمل کیوں نہیں کیا۔“؟

”جی یہ نا مکمل تو کہیں سے نہیں ہے۔“ آنے والے نے جواب دیا اور نواب صاحب دو قدم آگے بڑھ آئے۔

”آگے آؤ۔“ انہوں نے نووارد کو قریب بلایا اور نووارد مسکراتا ہوا نواب صاحب کے قریب پہنچ گیا لیکن دوسرے لمحے نواب صاحب

نے اس کا گریبان پکڑ لیا تھا۔

"یہ مکمل ہے۔" انہوں نے موٹر سائیکل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا اور نووارد پینترے بدلنے لگا۔

"گگ گریبان تو چھوڑیئے نواب قبلہ صاحب۔ مم میں تو....... میں تو........"

"میں تو کے بچے میں پوچھتا ہوں کہ موٹر سائیکل مکمل ہے۔"

"جی ہاں مم مگر میرا گریبان تو چھوڑیئے۔ میں ایک معزز آدمی ہوں۔"

"معزز کے بچے تجھے اور معزز بنا دوں گا۔" نواب صاحب نے اس کے گریبان کو پکڑ کر دو تین جھٹکے دیئے۔" اس میں اتنی آواز کیوں ہے جو کانوں کے پردے پھاڑتی ہے۔"

"بس سائیلنسر خراب ہو گیا ہے۔" نووارد نے جواب دیا اور

نواب صاحب اسے گھورنے لگے، پھر انہوں نے اس کا گریبان چھوڑ دیا۔

”نامکمل چیزیں لے کر باہر نہ نکلا کرو اور پھر نواب خیرات علی کی کوٹھی میں اس کھٹارے کو لے کر داخل ہونے کی جرأت کیسے ہوئی تمہیں۔“

”آئندہ خیال رکھوں گا جناب۔“

”کیسے آئے ہو۔“؟

”جی وہ کوٹھی کی بات کرنی ہے۔فدوی کو چراغ محمد پراپرٹی ایڈوائزر کہتے ہیں۔“

”کیا بکواس کر رہے۔ ہو جو کچھ کہہ رہے ہو وہ میری سمجھ میں کیوں نہیں آرہا۔“؟

”میں کیا عرض کر سکتا ہوں۔ویسے مجھے نواب خیرات علی سے ملنا

ہے۔"

"سر کے بل کھڑے ہو کر ملو گے۔؟مل تو رہے ہو۔"

"تو آپ ہی نواب خیراب علی ہیں۔"

"شکل سے میں تمہیں سامری جادوگر نظر آتا ہوں۔"

"ایک بار پھر آداب عرض پیش کرتا ہوں۔" چراغ محمد نے جھک کر کہا۔نواب صاحب کڑی نگاہوں سے اسے گھور رہے تھے۔

"اب منہ سے پھوٹو۔کیوں ملنا چاہتے تھے مجھ سے۔"؟

"جی میں پراپرٹی ایڈوائزر ہوں۔"

"یہ کیا ہوتا ہے۔"؟

"جی وہ۔میرا مطلب ہے وہ۔میں جائیداد کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہوں۔"

"تو میں کیا کروں۔"؟

"آپ کی کوٹھی کے بارے میں۔"

"کیا کیا۔میری کوٹھی کے بارے میں ۔میری کوٹھی کے بارے میں کیا کہنا چاہتے ہو۔"؟

"میں اس کی فروخت کا مناسب بندوبست کر سکتا ہوں میرے پاس بہت سی پارٹیاں ہیں جو اس کوٹھی کو خریدنے میں دلچسپی لے سکتی ہیں۔"

نواب صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔"تو تم میری کوٹھی فروخت کرنا چاہتے ہو۔"

"جی ہاں۔"

"اور تم پراپرٹی ایڈوائزر ہو۔"

"جی چراغ محمد۔پپ پراپرٹی ایڈوائزر۔"

"آؤ۔"نواب صاحب سنجیدگی سے بولے اور واپسی کے لئے

مڑے۔ چراغ محمد خاموشی سے ان کے ساتھ چل پڑا تھا۔ نواب صاحب اسے لئے ہوئے عمارت میں داخل ہو گئے اور پھر وہ عمارت کے اندرونی کمرے میں پہنچ گئے۔ ”بیٹھو۔“ انہوں نے چراغ محمد سے کہا اور اسے بٹھا کر وہ خود باہر نکل گئے۔

لیکن چند لمحات کے بعد وہ اندر داخل ہوئے تو چراغ محمد اچھل پڑا۔ نواب صاحب کے ہاتھ میں چمڑے کا ہنٹر دبا ہوا تھا۔ انہوں نے اندر داخل ہو کر دروازہ اندر سے بند کر دیا اور چراغ محمد اچھل کر کھڑے ہوئے گئے ان کی آنکھیں خوف و حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

”یہ۔ یہ کیا۔ حضور قبلہ نواب صاحب۔ یہ کیا۔“؟ اس نے گھگھیاتے ہوئے کہا۔

”کون ہو تم۔“؟ نواب صاحب اسے گھورتے ہوئے بولے۔

انہوں نے ہنٹر کھول لیا تھا۔

’’چچ چراغ محمد۔‘‘

’’پراپرٹی ایڈوائزر۔ کیوں۔‘‘؟

’’جی ہاں۔‘‘

’’اس سے قبل تم لوگوں کو کیا کہا جاتا تھا۔‘‘؟

’’م.........میں نہیں سمجھا۔‘‘

’’دوسرے کیا نام تھے تمہارے۔‘‘؟ نواب صاحب گرجے۔

’’جی۔ برو......بروکر۔‘‘

’’اور کیا کہتے تھے۔‘‘؟

’’دلاّل۔‘‘

’’ہاں! اب اصلی نام لیا تم نے۔ کل تک دلال تھے آج پراپرٹی ایڈوائزر۔ کنسلٹنٹ بن گئے۔ سارے کے سارے بھول گئے خودکو۔ کلوانائی ہیر ڈریسر اور ہیر آرٹسٹ بن بیٹھا۔ تم پراپرٹی ایڈوائزر بن

گئے۔ درزی فیشن ڈیزائنر بن گیا۔ دھوبیوں نے بھٹی کو لانڈری بتا دیا۔ کیوں۔ میں تمہیں اوقات یاد دلاؤں تمہاری۔"

"حضور نواب صاحب۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ بدلے ہوئے وقت کی بات ہے، ہر کام میں نفاست آ گئی ہے۔ پیشے ذات نہیں بتاتے یہ تو آپ خود نوابوں کے چونچلے تھے۔"

"آج بھی رہیں گے۔ یہ بتاؤ تمہیں بھیجا کس نے ہے۔"؟

"میں خود آیا ہوں۔"

"کیوں آئے ہو۔"؟ نواب صاحب ہنٹر پکڑتے ہوئے آگے بڑھے۔ چراغ محمد اُچھل کر صوفے کے ہتھے پر چڑھ گیا۔

"دو......دیکھئے نواب صاحب......قبلہ......ارے باپ رے مم......میرا قصور کیا ہے۔"؟

"کیوں آئے ہو۔"؟

"آپ کا اشتہار پڑھ کر۔"

"کون سا اشتہار۔ جھوٹ بول رہے ہو۔ مجھ سے نواب خیرات علی سے۔" نواب صاحب نے پھر کوڑا ہلایا اور اس بار کوڑا چراغ محمد کے بدن کو چھو گیا تھا۔ چراغ محمد زمین پر گر کر تڑپنے لگا تھا۔ وہ بری طرح چیخ رہا تھا۔

"ہائے مر گیا۔ بالکل مر گیا۔ مار ڈالا۔ خون کر دیا.......خون خون۔ چراغ محمد کا خون........ہائے مار ڈالا......پولیس پولیس خون ہو گیا۔"

"بکواس بند کرو۔ یہاں کیوں آئے۔"؟

"حضور نواب صاحب.......عالیجاہ۔ اشتہار کو دیکھ کر ورنہ مجھ غریب کو کیا پڑی تھی کہ........کہ۔"

"کون سا اشتہار۔"؟

"کوٹھی کی فروختگی کا اشتہار۔مم.......مم جیب میں موجود ہے۔
یہ......یہ دیکھیئے۔" چراغ محمد نے اندرونی جیب سے اشتہار نکال کر
نواب صاحب کے سامنے کر دیا۔اورنواب صاحب کسی قدر رنجیدہ ہو
گئے۔انہوں نے اشتہار دیکھااور کسی قدر زم پڑ گئے۔پھر بولے۔

"تو تم یہاں کیوں آئے تھے۔"

"میں دلال ہوں حضور بس اسی طرح خرید وفروخت کرا کے پیٹ
پالتا ہوں ہائے کیسی کھال اُدھڑ گئی ہے۔"

"یہ اشتہار میں نے نہیں دیا۔" نواب خیرات علی نے کہا۔

"میں نے بھی تو نہیں دیا حضور۔میں تو اسے دیکھ کر ہی آیا تھا۔"
چراغ محمد نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"بس بس۔قصور تمہارا ہے۔چلو بھاگ جاؤ یہاں سے اور آئندہ
اس عمارت کا رُخ نہ کرنا مجھے کوئی کوٹھی فروخت نہیں کرنی۔ان خبار

والوں سے تو میں نمٹوں گا۔ اچھی طرح نمٹوں گا۔ یہ حرکت کس نے کی ہے۔"

"م......میں جاؤں حضور۔" چراغ محمد نے پوچھا۔

"دفع ہو جاؤ۔" نواب صاحب نے کہا اور چراغ محمد سہمے ہوئے انداز میں دروازے کی طرف بڑھنے لگا جیسے اسے یقین نہ ہو کہ نواب صاحب نکل جانے دیں گے۔

لیکن بہر حال وہ باہر نکل آیا۔ نواب صاحب اب بھی غصے سے کھول رہے تھے۔ کس نے دیا ہے یہ اشتہار کیوں دیا ہے۔ یقیناً یہ رحمٰن کی حرکت ہوگی۔ اس کوٹھی کو قدیم ڈیزائن کی قرار دیتا ہے۔ فروخت کرنا چاہتا ہے اسے علم نہیں نیا نو دن پرانا سو دن ہوتا ہے۔ مگر اس نے یہ حرکت کیوں کی۔۔۔ "سنہری۔۔۔ اری او سنہری۔" نواب صاحب نے آواز لگائی اور ایک ملازمہ اندر داخل ہو گئی۔

"جی حضور۔"

"رحمٰن کہاں ہے۔"؟

"اپنے کمرے میں نواب صاحب۔"

"بلاؤ اس مردود کو۔ بھیجو میرے پاس۔ دیکھوں وہ کتنے پانی میں ہے۔"

"ابھی بلاتی ہوں سرکار۔" سنہری جلدی سے باہر نکل گئی۔ وہ ایک نوجوان خادمہ تھی۔ سورج مکھی تھی۔ اسی کوٹھی میں پیدا ہوئی تھی۔ یہیں پلی بڑھی جوان ہوئی۔ سب لوگ اسے اس کے رنگ کی مناسبت سے بھوری کہتے تھے۔ ایک بار نواب صاحب کے سامنے کسی نے اسے بھوری کہہ کر پکارا اور نواب صاحب اُچھل پڑے۔

"کیا بکواس ہے یہ، بھوری کیا چیز ہوتی ہے۔" انہوں نے غصیلے انداز میں کہا اور سب کو سانپ سونگھ گیا۔

''بتایا نہیں تم لوگوں نے بھوری کیا چیز ہوتی ہے۔''؟ نواب صاحب غرائے۔

''اس کے رنگ کی مناسبت سے یہ نام رکھا گیا تھا۔''

''مجھے کیوں نہیں بتایا گیا تھا۔''نواب خیرات علی نے چیختے ہوئے کہا۔

''جی وہ بس عام سی بات تھی اس لئے آپ کو نہیں بتایا گیا۔''

''اس حویلی میں اس کوٹھی میں ہر کام نفاست سے ہونا چاہئے۔ یہ ہمارا خاندانی وقار رہا ہے۔ یہ بھوری نہیں سنہری کہلائے گی آج سے، سمجھے تم لوگ۔''نواب صاحب نے حکم صادر فرمایا اور بھوری جو بچپن سے بھوری کے نام سے مشہور تھی سنہری کے نام سے پکاری جانے لگی۔

بہر طور سنہری نواب صاحب کا پیغام لے کر رحمٰن کے کمرے میں

پہنچی۔رحمٰن نواب صاحب کا پوتا تھا۔بڑا ہی خودسر بڑا ہی شریر یہ کوٹھی
چونکہ قدیم دور کی بنی ہوئی تھی اور آج تک جوں کی توں ہی آرہی
تھی۔نواب احتشام بھی اس میں کچھ ترمیمیں کرانا چاہتے تھے بہت
سے منصوبے تھے ان کے ذہن میں۔لیکن نواب خیرت علی اپنے
اجداد کی اس نشانی کو مجروح نہیں کرنا چاہتے تھے انہوں نے صاف
لہجے میں کہہ دیا تھا کہ کوٹھی کے ایک گوشے میں بھی تبدیلی نہیں ہوگی
خواہ کچھ بھی ہو جائے۔

چنانچہ اس کے بعد یہ تصور تو ختم ہو گیا کہ کوٹھی کی تعمیر جدید طرز پر
ہو لیکن یہ تصور پیدا ہو گیا تھا کہ کوٹھی کو فروخت ہی کیوں نہ کر دیا جائے
اور رحمٰن اس سلسلے میں کئی بار کوششیں کر چکا تھا۔نواب خیرات علی نے
پہلے تو بڑی ہڑبونگ مچائی کوٹھی کی فروخت کا نام سن کر ہی وہ چراغ پا ہو
گئے تھے لیکن رحمٰن بھی کم نہیں تھا۔اس وقت بھی یہ اشتہار ان کے

خیال کے مطابق رحمٰن ہی نے شائع کرایا تھا۔اور وہ غصے سے آگ بگولہ ہو رہے تھے۔

دوسری طرف سنہری رحمٰن کو تلاش کرتی ہوئی اس کے کمرے میں پہنچ گئی۔اس وقت رحمٰن کی بہن وردانہ بھی اس کے پاس ہی موجود تھی۔ دونوں بہن بھائی باتیں کررہے تھے،سنہری کو دیکھ کر رحمٰن کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''آؤ بھوری کیسے آئیں۔''؟اس نے کہا۔

''بھوری نہیں سنہری کہیں سرکار سنہری۔''

''ارے بھوری۔ دادا جان کے کہہ دینے سے تو سنہری تو نہیں ہو جائے گی۔سنہری تو سونا ہوتا ہے تجھ میں ایسی کون سی بات ہے۔''

''میری عادت سرکار، میری خدمت، میں سونا ہوں سونا۔

''اچھا چلو ٹھیک ہے۔اب یہ بتاؤ کیسے آئیں۔''؟

''حضور آپ کو نواب صاحب یاد کر رہے ہیں۔''

''مجھے خیریت تو ہے۔''؟

''خیریت نہیں معلوم ہوتی سرکار۔''

''کیوں۔''؟ رحمٰن اور دردانہ چونک پڑے۔

''نواب صاحب بڑے غصے میں نظر آتے ہیں اور بڑے ہی غصے میں انہوں نے کہا کہ جاؤ رحمٰن کو بلا کر لاؤ۔

''اس غصے کی کوئی خاص وجہ۔''

''مجھے تو نہیں معلوم سرکار۔'' سنہری نے جواب دیا اور رحمٰن اپنی بہن کی طرف دیکھنے لگا۔

''کیا ہو سکتا ہے دردانہ۔''؟

''مجھے کیا معلوم جا کر دیکھ لو۔'' دردانہ نے شرارت سے کہا۔

''تم بھی چلو نا دردانہ۔ دادا جان کے سامنے پیشی بڑی ہی

خوفناک ہوتی ہے دل لرزتا ہی رہتا ہے۔'' رحمٰن نے کہا۔

''بلایا آپ کو ہے میں کیوں جاؤں۔'' دردانہ نے کہا۔

''آؤ یار دیکھیں تو سہی۔'' رحمٰن نے کہا اور دونوں بہن بھائی نواب صاحب کی طرف چل پڑے۔تھوڑی دیر کے بعد وہ نواب صاحب کے کمرے میں تھے۔

''خدا خیر کرے۔'' رحمٰن نے نواب صاحب کے ہاتھ میں ہنٹر دیکھ کر کہا۔ان کے چہرے کے تاثرات بھی خوفناک نظر آرہے تھے۔ رحمٰن نے جھک کر انہیں سلام کیا تھا۔

''تو اب تم لوگوں نے یہ ہتھکنڈے استعمال کرنا شروع کر دیئے ہیں۔کیوں۔''؟

''کس سلسلے میں دادا جان۔''؟

''بن رہے ہو۔بے وقوف سمجھتے ہو مجھے۔''

”ہوا کیا دادا جان۔“؟

”اخبار والوں کی تو ایسی کی تیسی۔ وہ بھی مجھ سے نہ بچ سکیں گے۔
اور تم کیا سمجھتے ہو کیا اخبار کے دفتر سے یہ بات معلوم نہ ہو سکتی کہ اخبار
میں اشتہار کس نے دیا ہے۔“

”کیسا اشتہار دادا جان۔“؟

”کوٹھی فروخت کرنے کا۔“

”ارے کیا اشتہار آیا ہے۔“ رحمٰن خوش ہو کر بولا اور نواب
صاحب اسے گھورنے لگے۔ اسی وقت قریب رکھے ہوئے فون کی
گھنٹی بج اُٹھی اور نواب صاحب نے فون کا ریسیور اُٹھالیا

”ہیلو۔“؟ وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولے۔

”میں نواب خیرات علی سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“

”بول رہا ہوں۔“

''وہ نواب صاحب قبلہ۔ کیا کوائف ہیں آپ کے۔ کیا قیمت لگائی ہے کوٹھی کی۔''؟

''بکواس بند کرو۔''

''جی۔'' دوسری طرف سے حیرانی سے کہا گیا۔

''میں کہتا ہوں بکواس بند کرو۔'' نواب صاحب نے ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا اور رحمٰن کو گھورنے لگے۔

''تم کیا سمجھتے ہو۔ تمہاری یہ حرکت۔'' نواب صاحب نے اتنا ہی کہا تھا کہ اُن کا خاص ملازم اندر داخل ہو گیا۔

''حضور نواب صاحب۔''

''کیا بات ہے۔''؟ نواب صاحب دہاڑے۔

''وہ جمیل احمد ایڈووکیٹ آئے ہیں ان کے ساتھ ایک اور صاحب بھی آئے ہیں۔''

"اوہ جمیل۔ کہاں ہے وہ۔"؟

"جی میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے۔"

"ہوں۔" نواب صاحب اُٹھ کھڑے ہوئے۔ جمیل احمدان کے بچپن کے دوست تھے اور اب تک ان سے گہرے مراسم تھے۔ نواب صاحب انہیں بہت پسند کرتے تھے۔ انہوں نے رحمٰن اور دردانہ کو گھورتے ہوئے کہا۔ "نمٹوں گا تم دونوں سے فرصت سے نمٹوں گا بہت بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا تمہیں۔۔۔ احتشام کو بھی آجانے دو۔"

وہ کمرے سے نکل آئے۔ ڈرائنگ روم میں جمیل احمد کے ساتھ ایک اور صاحب بھی تھے خوش رو اور خوش پوشاک تھے۔

"یہ معظم علی صاحب ہیں میرے قدیم شناسا اور دور کے عزیز بھی ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ لوگوں سے مل کر۔" نواب صاحب نے

بمشکل خود پر قابو پایا تھا۔

''معظم صاحب نئے نئے اس شہر میں آئے ہیں۔''

''اوہ اچھا اچھا۔'' نواب صاحب نے کہا۔

''اور یہاں اپنے شایانِ شان کسی رہائش گاہ کی تلاش میں تھے آج اشتہار دیکھ کر میں نے انہیں فون کیا اور کہا کہ لو بھئی تمہارا کام تو بن گیا۔ اس سے عمدہ عمارت دوسری نہیں ملے گی! بالآخر تم نے اسے فروخت کرنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔'' جمیل احمد نے کہا اور نواب صاحب ہتھے سے اُکھڑ گئے۔

''اماں تم ایڈووکیٹ ہو یا جھینگے۔ مجھے جانتے ہو سمجھتے ہو اور اس کے بعد ایسی باتیں کرتے ہو۔ اپنے اجداد کی اس حویلی کو میں فروخت کروں گا۔ جرأت ہے کسی میں اسے خریدنے کی۔''

''کیا مطلب۔''؟

”مطلب یہ کہ مجھ سے آئندہ ایسی کوئی فضول بات نہ کرو۔

”لیکن وہ اشتہار۔“

”وارے وہ اشتہار۔اس اشتہار نے تو میری زندگی تلخ کر دی ہے۔ برباد کر کے رکھ دیا ہے مجھے۔ ناممکن کوئی کتنا ہی زور لگا لے میں یہ کوٹھی کبھی فروخت نہ ہونے دوں گا۔“ نواب صاحب نے کہا اور جمیل احمد صاحب معظم علی کا منہ دیکھنے لگے۔

☆

بینک آف کینیڈا کی خوبصورت عمارت میں وہ دونوں غیر ملکی داخل ہو گئے۔ مرد دراز قامت اور اسمارٹ تھا۔ عورت کسی قدر بھاری بدن کی مالک لیکن بے حد خوبصورت تھی۔ دونوں کاؤنٹر پر پہنچے اور ایک ٹریولر چیک دیا۔ کلرک نے چیک دیکھا اور پھر حیرت سے عورت کو دیکھنے لگا۔ اسی وقت مرد نے دو پستول دونوں ہاتھوں میں نکال

لئے اور پیچھے ہٹ کر انگلش میں بولا۔

"خبردار۔ دونوں ہاتھ بلند کردو۔ کسی نے جنبش کی تو موت کا شکار ہو جائے گا۔"

سنسنی پھیل گئی۔ لوگ نکل نکل کر بھاگنے لگے۔ اسی دوران مرد نے دو فائر کیے تھے۔ اور پھر اس نے کیشئر کی کنپٹی پر پستول کی نال رکھ دی۔

"کیش۔" اس نے پلاسٹک کا تھیلا کیشئر کی طرف بڑھا دیا۔ اور کیشئر نے نوٹوں کی ایک گڈی تھیلے میں رکھی اور باقی قریب رکھے سادہ کاغذ بھر دیئے۔ اس دوران نوجوان ہال میں موجود لوگوں کو دیکھتا رہا تھا۔

کیشئر نے تھیلا اس کے ہاتھ میں تھما دیا تو وہ جلدی سے عورت کا ہاتھ پکڑ کر باہر کی طرف بھاگا لیکن اس دوران اس کا پاؤں پھسل گیا

اور کئی چیزیں اس کی جیب سے نکل کر گر پڑیں جن میں ایک سکہ بھی تھا۔

کسی کو اتنی ہمت تو نہیں ہوئی تھی کہ اسے پکڑنے کی کوشش کرے لیکن اس کے باہر نکلنے کے بعد لوگ اس کے سامان کی طرف دوڑے تھے۔ ان میں بینک کا گن مین بھی تھا۔

خوب ہنگامہ ہو گیا تھا۔ لیکن دونوں ڈاکو نکل گئے تھے۔ کیشئر نے خوش خبری سنائی کہ اس نے ڈاکوؤں کو بے وقوف بنا دیا تھا۔ بہر حال شام کے اخبارات میں ہی اس ڈاکے خبر آ گئیں اور دوسرے دن صبح کو جو اخبارات شائع ہوئے ان میں تفصیلی خبر تھی۔

بینک آف کینیڈا میں ڈاکہ۔

یورپ کا طوفان گولیور یہاں موجود ہے۔ لیکن بینک آف کینیڈا کے کیشئر نے حاضر دماغی سے کام لے کر اس ڈاکے کو ناکام بنا دیا

اور گولیور جیسے شخص کو بے وقوف بنا دیا۔

پھر پوری خبر کی تفصیل تھی۔ اور در حقیقت یہ خبر گولیور کو پاگل کرنے کے لئے کافی تھی۔

لیکن

پاگل گولیور نے جوابی اقدام کے طور پر کیا کیا۔

نواب خیرت علی کی حالتِ زار۔ اور عالم پناہ کے نئے کاروبار کی تفصیل۔

☆

تمام اہم لوگ اس کے گرد جمع تھے۔ اس سے قبل گولیور خود کو بہت لیے دیئے رہتا تھا لیکن آج وہ بے حواسی کے عالم میں تھا۔ اس کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ تھیں۔ اور اس کے ساتھی سہمے ہوئے نظر آرہے تھے۔

''تم میں سے کوئی نہیں ہے جو اس راز سے پردہ ہٹا سکے۔ آخر وہ کون لوگ تھے۔''؟ اس نے غرائی ہوئی آواز میں کہا۔

''ہمیں اس کا موقع دیں جناب۔'' رچرڈ نے دبی دبی زبان میں کہا۔ اور گولیور اس کی طرف گھوم گیا۔

''کتنی مدت چاہتے ہو۔''؟

''بس جلد از جلد۔ میری تو خواہش ہے جناب کہ فوراً ہی ان لوگوں کو گدی سے پکڑ کر آپ کے سامنے پیش کردوں۔ لیکن۔''

''ہاں لیکن کیا۔''؟

''پتہ لگانا پڑے گا۔''

''کہاں پتہ لگاؤ گے جانِ من۔'' گولیور نے طنزیہ انداز میں کہا اور رچرڈ بغلیں جھانکنے لگا۔ پھر بولا۔

''میں کوشش کروں گا جنابِ عالی۔''

”اور اگر میں اس سلسلے میں تمہاری مدد کر دوں تو۔“ گولیور نے کہا۔

”میں۔ میں سمجھا نہیں۔“ رچرڈ تعجب سے بولا۔

گولیور کے ہونٹوں پر ایک طنزیہ مسکراہٹ پھیل گئی، اس کی آنکھوں میں شیطان ناچ رہا تھا۔ غصے کے عالم میں اس کی یہ شیطنت بھری مسکراہٹ بہت عجیب لگ رہی تھی۔ تب اس نے اسی انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”میں سمجھا دوں گا تمہیں سمجھا دوں گا، میں تمہیں اس شخص کا نام بتا دوں جس نے یہ حرکت کی ہے تو کیا تم اسے گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کر سکتے ہو۔“؟

”اگر آپ اس کے بارے میں اس قدر جانتے ہیں جناب تو پھر اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے، ہم سب آپ کے لئے جان

کی بازی لگا دیں گے خواہ اس کے لئے ہمیں کچھ بھی کیوں نہ کرنا پڑے۔'' رچرڈ نے کہا۔

''سوچ لو، پھر سوچ لو رچرڈ۔ پھر سوچ لو رچرڈ جو الفاظ کہہ رہے ہو انہیں نبھا نہیں پاؤ گے۔ گولیور یوں لگتا ہے اس بار اپنی موت لے کر اس ملک میں داخل ہوا ہے، ہاں میں اعتراف کرتا ہوں اس بات کا کہ میرے تمام ساتھی ناکارہ ہو چکے ہیں اور اب وہ گولیور کے ساتھی کہلانے کے حق دار نہیں ہیں، خود گولیور اپنی پوزیشن سے ہزاروں گنا نیچے گر چکا ہے اور میں اس بات کو کبھی نہیں بھولوں گا۔ اپنی موت کے بعد بھی نہیں، سمجھے تم لوگ، تم سب نے یہاں آ کر مجھے ذلیل کر دیا ہے۔''

گولیور بُری طرح غرا رہا تھا اور اس کے تمام ساتھی خاموش بیٹھے تھے۔ لیکن رچرڈ کی آنکھوں میں سوالیہ تاثرات نظر آ رہے تھے جب

گولیور خاموش ہو گیا تو چند لمحات کے بعد اس نے پوچھا۔

''جنابِ عالی کیا آپ کو یقین ہے کہ جس شخص کا آپ نے تعین کیا ہے، یہ کام اسی کا ہے۔''؟

''سو فیصدی ، سو فیصدی، جب ہم کسی سانپ کی دم پر پاؤں رکھتے ہیں تو وہ پلٹ کر ضرور ڈستا ہے، سمجھے تم۔ لیکن بات ہماری مہارت کی ہوتی ہے، ہم دم کی بجائے کمر پر پاؤں رکھنا چاہتے تھے لیکن پاؤں پڑ گیا دم پر اور سانپ کو پلٹنے کا موقع مل گیا۔ جانتے ہو وہ کون ہے۔''؟

''نہیں جناب میں نہیں جانتا۔ براہِ کرم آپ اس کے بارے میں مجھے بتائیے۔''

''نصیبو۔۔۔ نصیبو نصیبو۔ وہی پر اسرار نام جو مجھے مافوق الفطرت معلوم ہونے لگا ہے، ہر شخص اس کے سلسلے میں ناکام رہتا

ہے، آخر کیوں ۔۔۔ میں نے ایک پولیس افسر پر جال ڈالا اور اسے
پوری طرح جکڑ لیا۔ مجال نہیں تھی اس پولیس افسر کی کہ وہ اس جال
سے نکل سکتا، لیکن نصیبو نے بآسانی اس کی گردن پکڑ کر اسے جال سے
باہر رکھ دیا اور اب وہ پولیس افسر میرے خلاف کام کر رہا ہے سمجھے تم۔
نصیبو کتنا ہی بڑا غنڈہ ہے لیکن کیا یورپ کے مکلا رنس، جانڈی،
فلوریڈا اور جانسن سے زیادہ خطرناک ہے لیکن درحقیقت اس نے
لوگوں کی ناک میں نکیل ڈال کر رکھ دی ہے، گولیور جیسے آدمی سے جس
سے یورپ کی پولیس کانپتی ہے، نصیبو چوہے اور بلی کا کھیل کھیل رہا
ہے اور یہ سب کچھ تمہاری ناکارگی کی وجہ سے ہوا ہے، تم لوگ اس
ایک نام سے اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہو کہ اس کے خلاف کچھ کرتے
ہوئے دہشت سے کانپنے لگتے ہو۔ مجھے افسوس ہے رچرڈ مجھے افسوس
ہے کہ تم نے اس بے وطنی کے عالم میں میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے۔"

"نہیں جناب اگر آپ ہمیں حکم دیں، آپ ہمیں کسی جگہ کا پتہ بتائیں تو ہم آنکھیں بند کرکے وہاں گھس جائیں گے اور وہاں جتنے افراد ہوں گے انہیں ہلاک کردیں گے، یقینی طور پر ان میں نصیبو بھی ہوگا۔ ہمیں بتایئے ہم اس غنڈے کو کس جگہ اور کہاں گولی ماردیں۔ خواہ وہ کوئی شاہراہ ہو خواہ کوئی پولیس ہیڈ کوارٹر ہو اور اس کے بعد چاہے ہمیں اسی جگہ گولیوں سے چھلنی کردیا جائے، ہم اپنی وفاداری پر حرف نہیں آنے دیں گے۔ لیکن ہمیں بتایئے تو سہی، ہمیں حکم تو دیجئے۔۔۔!"

"کچھ نہیں کچھ نہیں تم لوگ کچھ نہیں کرسکتے، مجھے یقین ہے۔" گولیور نے کہا۔

"آپ کا یہ یقین غلط بھی ثابت ہوسکتا ہے جناب۔" رچرڈ نے کہا۔

”نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، تم لوگوں نے اگر کچھ کرنا ہوتا تو بہت پہلے کر چکے ہوتے، لیکن تم سب ناکارہ ہو اور اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ میں خود ہی اس سے نمٹوں گا بلکہ اب مجھے اپنی اس حماقت کا احساس ہو رہا ہے کہ میں نے تم سب لوگوں کو اس جگہ جمع کیوں کر لیا۔“؟

”آپ ہم سے اتنے بددل نہ ہوں مسٹر گولیور، ماضی شاہد ہے کہ ہم ہمیشہ آپ کے وفادار ثابت ہوئے ہیں۔“ رچرڈ نے کسی قدر ناگواری سے کہا۔

”تمہاری وفاداری پر مجھے شک نہیں ہے رچرڈ۔ میں صرف تمہاری اس کیفیت پر دکھ کا شکار ہوں جو یہاں آ کر ہو گئی ہے، مقامی لوگوں کو تو میں مانتا ہوں کہ نصیبو سے خوف کا شکار ہیں اور اس کے خلاف کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے لیکن تم تو یورپ سے آئے ہو، تم

میرے ساتھی ہو، تمہیں کسی نصیبو کے خوف کا شکار نہیں ہونا چاہیے، لیکن تم یہاں اس کے خوف کا شکار کیوں ہو گئے ہو۔''؟

''آپ کا یہ خیال غلط ہے جناب، ہم شکار نہیں ہوئے بلکہ ایک طرح سے ہم اس سے لاعلم ہیں۔''

''تو پھر اس سے باعلم ہونے کی کوشش کرو جاؤ اور اپنے طور پر پتہ لگاؤ کہ نصیبو کہاں ہے اور کیا کر رہا ہے اسے ہلاک کر دو، اسے اور اس کے پورے گروہ کو ختم کر دو یہ گولیور کا حکم ہے اور اگر یہ سب کچھ نہ کر سکو تو سنو جہاں دل چاہے چلے جانا واپس گولیور کے پاس نہیں آنا۔ جاؤ۔'' گولیور نے دھاڑ کر کہا اور وہ سب ایک ایک کر کے اُٹھ گئے۔

گولیور کی حالت واقعی پریشان کن نظر آ رہی تھی۔ یہ فیصلہ بھی اس نے ذہنی انتشار کے عالم میں کیا تھا اور یہ حقیقت بھی تھی کہ گولیور جیسا

شخص بھلا اس بات کو کیسے برداشت کرسکتا تھا کہ اس کے نام پر ڈاکہ ڈالا جائے اور ایک کیشئر اسے بے وقوف بنا کر واپس کردے، یہ جو کوئی بھی سازش تھی سخت خطرناک تھی اور اس سازش کو انجام دینے والا نصیبو ہی ہوسکتا تھا گولیور کو اپنی یہ بے عزتی بالکل منظور نہیں تھی اور وہ اپنی اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا۔

ان سب کے جانے کے بعد کافی دیر تک وہ اپنی جگہ بیٹھا کچھ سوچتا رہا اور پھر اس کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک ابھر آئی۔

کانجی والا سیٹھ کانجی والا۔اس نے غراتی ہوئی آواز میں کہا اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔دوسرے کمرے میں جا کر اس نے اپنے چہرے میں اور لباس میں کچھ تبدیلیاں کیں اور خاصا مختلف ہوکر باہر نکل آیا۔اس کی خوبصورت گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔وہ ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔تھوڑی ہی دیر کے بعد اس

کی لمبی کار ایک طرف جا رہی تھی۔

وہ سیٹھ کانجی والا کے آفس جا رہا تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد ایک شاندار عمارت میں اس کی کار داخل ہوگئی اور وہ نیچے اُتر آیا۔

ریسیپشن پر اس نے انتہائی شائستگی سے سیٹھ کانجی والا سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور شائستگی سے انٹرکام پر سیٹھ کانجی والا کو مخاطب کیا۔

''آپ سے ایک صاحب ملنا چاہتے ہیں جناب۔''

''کون ہے۔ میں اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتا میں بے حد مصروف ہوں۔'' سیٹھ کانجی والا نے کہا اور ریسیپشنسٹ گولیور کی جانب دیکھنے لگا۔ یہ الفاظ گولیور نے بھی انٹرکام پر سن لئے تھے۔

وہ خود ہی انٹرکام پر جھک گیا اور بولا۔ ''سیٹھ کانجی والا تمہارا دیرینہ دوست بول رہا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ تم ڈائیر سے ملنے کے

لئے انکار نہیں کرو گے۔"

"اوہ اوہ مسٹر ڈائیر۔ براہِ کرم۔ براہِ کرم مسٹر اشرف۔۔۔" کانجی والا نے ریسپشنٹ سے مخاطب ہو کر کہا۔ "مسٹر ڈائیر کو احترام کے ساتھ میرے پاس بھجوا دو۔" سیٹھ کانجی والا کی آواز میں ایک دم تبدیلی رونما ہو گئی تھی۔ اور ریسپشنٹ بھی مودب ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"جنابِ عالی ایک منٹ۔" اس نے گھنٹی بجائی اور ایک اردلی اس کے پاس پہنچ گیا۔

"صاحب کے مہمان خاص ہیں، انہیں احترام کے ساتھ صاحب کے آفس میں پہنچا دو۔" ریسپشنٹ نے کہا اور اردلی گولیور کو لے کر چلا گیا۔

گولیور کانجی والا کے ائیر کنڈیشنڈ آفس کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا تھا۔ کانجی والا جلدی سے اپنی سیٹ سے کھڑا ہو گیا تھا۔

اس نے مسکراتے ہوئے گولیور کا خیر مقدم کیا۔لیکن اس مسکراہٹ میں
بڑی بے چارگی تھی۔لیکن وہ بحالت مجبوری مسکرایا تھا۔لیکن گولیور
جوابی طور پر مسکرا بھی نہ سکا،اس کے تیور سخت خطرناک تھے اور اس کا
چہرہ بگڑا ہوا نظر آ رہا تھا کانجی والا جھنجل سا ہو گیا بہر طور اس نے گولیور کو
بیٹھنے کے لئے کرسی پیش کی اور بولا۔

''آپ کے لئے کیا منگواؤں مسٹر گولیور۔''؟

''بیٹھ جاؤ۔'' گولیور غرائی ہوئی آواز میں بولا اور سیٹھ کانجی والا
جلدی سے بیٹھ گیا۔

''پھر کوئی خاص بات ہے مسٹر گولیور۔''

''بکواس بند کرو۔'' گولیور دہاڑا اور سیٹھ کانجی والا پریشان
نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا اور بولا۔

''مسٹر گولیور براہِ کرم اگر آپ کسی ذہنی انتشار کا شکار ہیں تب بھی

اس بات کا خیال فرمایئے کہ یہ میرا دفتر ہے اور میں یہاں ایک باقاعدہ مینجمنٹ چلا رہا ہوں۔ گفتگو میں سلیقہ ضروری ہے۔"

"اوہ اوہ۔۔۔اوہ کانجی والا، اب تمہیں اتنی جرأت ہوگئی کہ مجھے سلیقہ سکھانے لگے۔"

"یہ بات نہیں ہے مسٹر گولیور میں آپ کی عزت کرتا ہوں اور اس بات کو بھی تسلیم کرتا ہوں کہ آپ بھی میرے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں لیکن اگر آپ میرے لئے کوئی غلط رویہ اختیار کریں گے تو مجھے اتنا حق تو حاصل ہے کہ میں آپ کو اس سے آگاہ کر سکوں۔" کانجی والا نے کہا۔

"اس سے پہلے تو تمہیں یہ جرأت نہیں ہوئی تھی کانجی والا۔" گولیور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"اب ہوگئی ہے مسٹر گولیور۔" کانجی والا نے سرد لہجے میں کہا۔

''میں۔۔۔میں دیکھ لوں گا تمہیں۔''

''ضرور دیکھئے گا۔فی الوقت تو یہ بتایئے کہ آپ یہاں تشریف کس سلسلے میں لائے ہیں۔''؟ کانجی والا نے تیکھے لہجے میں کہا اور گولیور کی آنکھیں سکڑ گئیں۔یوں لگتا تھا جیسے اس کی آنکھوں کی پتلیاں غائب ہوگئی ہوں۔وہ حیرت زدہ انداز میں سیٹھ کانجی والا کو دیکھنے لگا۔

کئی منٹ اسی طرح گزر گئے۔دونوں خاموش تھے۔سیٹھ کانجی والا گولیور کی صورت دیکھ رہا تھا اور گولیور کے خدو خال اعتدال پر آتے جارہے تھے اور پھر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے،صورتِ حال تمہارے علم میں بھی آچکی ہے اور تم شاید یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے ہوگے کہ گولیور کا سورج ڈوب رہا ہے۔حالانکہ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ میں تمہاری گردن شانوں سے

اُتار کر رکھ دوں، لیکن میں ایسا نہیں کروں گا سیٹھ کانجی والا، اس لئے
کہ جو خیال جو تصور تمہارے ذہن میں گولیور سے بغاوت کا باعث بنا
ہے، پہلے میں اسے تمہارے سامنے باطل کر کے چھوڑ دیتا ہوں
اور اس کے بعد اپنے بارے میں تم خود فیصلہ کر لوگے کہ مجھے تمہارے
ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔" گولیور نے خطرناک لہجے میں کہا۔
"آپ بلاوجہ ناراض ہو رہے ہیں مسٹر گولیور، حالانکہ میں نے
ایسی کوئی بات نہیں کی جو آپ سے انحراف کا باعث بنتی ہو۔ لیکن میں
بھی تو انسان ہوں ایک باعزت زندگی گزار رہا ہوں اور میرے ساتھ
یہ سلوک انتہائی غیر مناسب ہے۔" کانجی والا نے کہا۔
"ٹھیک ہے وقت وقت کی بات ہوتی ہے مسٹر کانجی والا، بہر طور
میں اپنے اس برے وقت کو تسلیم کر رہا ہوں لیکن تم سے چند سوالات
بہت ضروری ہیں۔"

"جی فرمایئے۔!"

"تم نے میرے سلسلے میں کچھ کیا۔"؟

"جی ہاں کیا ہے۔" کانجی والا نے جواب دیا اور گولیور چونک پڑا۔

"کیا مطلب۔ کیا کیا ہے۔"؟

"میں نے ایک بہت بڑے افسر کو اس بات پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ نصیبو کے بارے میں تحقیقات کرے۔!"

"وہ افسر کون ہے۔"؟ گولیور نے پوچھا۔

"میں تمہیں اس افسر کے بارے میں تفصیل بتائے دیتا ہوں، اگر اپنے طور پر تم اس کے بارے میں تحقیقات حاصل کرنا چاہو تو ضرور کرلینا، یہ افسرِ اعلیٰ معمولی حیثیت کا مالک نہیں ہے اور میں نے اسے اس بات پر مکمل طور پر آمادہ کرلیا ہے کہ وہ نواب عزیزالدین کے

بیٹے سہیل کی حرکات وسکنات چیک کرے۔ میں نے اسے سہیل کے بارے میں تمام تر تفصیلات بتا دی ہیں اور مسٹر گولیور بہت جلد اس بات کے امکانات پیدا ہو جائیں گے کہ نواب عزیز الدین میرے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔ یہ افسرِ اعلیٰ نصیبو کے بارے میں تحقیقات کرے گا اور نواب عزیز الدین کو بھی اس میں شامل کرے گا۔ یقینی طور پر نواب عزیز الدین اتنے وسائل رکھتے ہیں کہ وہ اس افسر اعلیٰ کو مجبور کر دیں کہ وہ اس تحقیقات کی وجہ بتائے اور افسر اعلیٰ اس کی وجہ ضرور بتائے گا کیونکہ نواب عزیز الدین اسے اس کے لئے مجبور کر دیں گے اور اس کے بعد کانجی والا کا نام بآسانی سامنے آ جائے گا۔ تم نے مجھے تباہ کر دیا ہے گولیور، تمہاری وجہ سے مجھے یوں لگتا ہے جیسے مجھے اس ملک میں اپنے تمام تر کاروبار بند کر کے باہر بھاگنا پڑے اب اور کیا چاہتے ہو تم، کیا یہ میری موت نہیں ہے۔"

گولیور گہری نگاہوں سے سیٹھ کانجی والا کو دیکھ رہا تھا پھر اس کے خدوخال کسی قدر نرم پڑ گئے اور پھر اس نے کہا۔

''اگر تم یہ سب کچھ کر چکے ہو کانجی والا تو بالکل بے فکر رہو جو کچھ تم سوچ رہے ہو وہ نہیں ہوگا گولیور تمہارے ساتھ ہے لیکن تم نے اخبار پڑھا، اس میں موجود خبر پڑھی۔''؟

''ہاں پڑھی۔''

''کیا خیال ہے تمہارا اس خبر کے بارے میں۔''؟

''میں نہیں کہہ سکتا مسٹر گولیور۔ میں کچھ بھی نہیں کہہ سکتا۔''

''نہیں کانجی والا بعض جگہ تو خود تمہاری اپنی شخصیت بھی مشکوک ہو جاتی ہے۔'' گولیور نے کہا اور کانجی والا اُچھل پڑا۔

''وہ کیسے۔''؟ اس نے درشت لہجے میں سوال کیا۔

''کانجی والا کیا تم اپنے پاس موجود مجھے اپنا شناختی نشان دکھانا

پسند کرو گے۔''؟

''کیا مطلب، میں اب بھی نہیں سمجھا مسٹر گولیور۔'' کانجی والا کی آواز میں غراہٹ تھی۔

''وہ نشان جو میں نے تمہیں دیا تھا۔'' گولیور نے غرائی ہوئی آواز میں کہا اور کانجی والا جھلائے ہوئے انداز میں اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''تو تمہارا خیال ہے کہ میں نے وہ نشان استعمال کیا ہے۔؟ میں تمہیں منظرِ عام پر لانے کا باعث ہوں۔ میں نے بینک میں ڈاکہ ڈالا تھا اور تمہارا نشان وہاں چھوڑ آیا ہوں۔'' کانجی والا نے کہا۔

''نہیں نہیں ہر گز نہیں کانجی والا۔ میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ لیکن تمہیں گولیور کے علاوہ اور کوئی بھی تو بلیک میل کر سکتا ہے۔ کیوں کیا خیال ہے تمہارا۔''؟ گولیور نے مسکراتی نگاہوں سے کانجی والا کی

آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا اور کانجی والا بھنا گیا۔

"افسوس مسٹر گولیور افسوس، آپ نے شاید خود بھی آج تک کسی کو اپنا اعتماد نہیں دیا اور نا ہی کسی دوسرے پر اعتماد کرتے ہیں۔ براہِ کرم میرے ساتھ تشریف لایئے، آیئے میرے ساتھ آپ کو میری کوٹھی تک چلنا ہوگا میں آپ کو آپ کی امانت واپس کیے دیتا ہوں۔"

"یہی میں چاہتا ہوں۔ چلو۔" گولیور اپنی جگہ سے اُٹھ گیا۔

تھوڑی دیر کے بعد دونوں کار میں بیٹھے کوٹھی کی طرف جا رہے تھے۔ سیٹھ کانجی والا شدید غصے کے عالم میں تھا اس نے گولیور کو اپنی کوٹھی کے اندرونی کمرے میں لے جا کر اپنی خاص تجوری کھولی اور سورج کا وہ نشان نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ گولیور کی آنکھوں میں ایک بار پھر الجھن کے آثار نمودار ہو گئے تھے۔

"باقاعدہ کانفرنس ہو رہی تھی سب کے چہرے لٹکے ہوئے تھے۔
صفدر بار بار گدی کھجانے لگتا تھا۔

"کیسے یقین کرلوں۔میں کیسے یقین کرلوں۔" وہ پریشان لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"صفدر صاحب آپ کا خیال غلط ہے۔وہ دونوں سادہ دل اور سادہ لوح ضرور تھے لیکن بہر طور انسانوں کے درمیان رہتے ہوئے انسان سمجھ دار ہو ہی جاتا ہے۔آپ ساری زندگی ان دونوں کو بے وقوف نہیں بنا سکتے، مجھے یقین ہے کہ یہ بات صرف سادگی پر محمول نہیں ہے۔" صائمہ نے کہا اور صفدر نے آنکھیں نکال لیں۔

"ارے کیا فضول بکواس کرتی ہو تم، بالکل بکواس ہے یہ، بھلا ان لوگوں کو عقل آ گئی تو ہمارا کیا ہوگا۔" صفدر نے کہا۔

"ڈنڈے بجائیں گے ہم۔" تنویر نے آہستہ سے بات ڈھلکا

دی اور سب ہنس پڑے۔

”میں بالکل ماننے پر تیار نہیں ہوں کسی قیمت پر نہیں مانوں گا، اور ایک بار پھر تم اپنے الفاظ دہراؤ۔“ صفدر نے کہا اور صائمہ گلا صاف کرتے ہوئے بولی۔

”کہا جہانگیر عالم پناہ نے کہ نور جہاں تم صدیوں پرانی ایک کہانی ہو اور میں اس دور کا جیتا جاگتا انسان ہم آواگون کے مسئلے کو بھی نہیں مانتے اور اگر ہم دوسرے جنم میں نہیں ہیں تو پھر مجھے بتاؤ، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ صدیوں پرانی نور جہاں ایک بار پھر عالمِ وجود میں آجائے۔ بہر طور میں نے اسے بہت یقین دلانے کی کوشش کی تو عالم پناہ کہنے لگے۔ دیکھو نور جہاں میں تعمیر کے دور میں ہوں، مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔ اپنا کاروبار جمانا ہے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے، اگر محبت ہی کی ہے تو میں تسلیم کیے لیتا ہوں، لیکن کیا یہ ممکن نہیں

کہ تم مجھے دس پندرہ لاکھ روپے فراہم کردو، تاکہ میں ان مسائل سے نجات پا جاؤں جو تمہاری محبت میں رکاوٹ بن رہے ہیں۔"

"یہ الفاظ جہانگیر کے ہو ہی نہیں سکتے۔" صفدر نے ہتھیلی پر گھونسہ مارتے ہوئے کہا۔

"نہیں ہوں گے۔ لیکن اس کا مفہوم یہی تھا۔" صائمہ کہنے لگی۔

"اب تم مفہوم پر اتر آئیں، دیکھو صائمہ اگر ہم نے اس کھیل کو اس طرح ملیامیٹ کردیا تو یقین کرو ہم ایک بہت اچھی تفریح سے محروم ہو جائیں گے۔"

"دیکھئے صفدر بھائی آپ جو تفریح کررہے ہیں بلاشبہ وہ ہم سب کے لئے دلچسپ ہے لیکن میں نے آپ سے جو کچھ کہا ہے وہ بھی ایک ٹھوس حقیقت ہے، وہ لوگ اب خاصی سمجھداری کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ شیکی نے جب سے داڑھی صاف کرائی ہے وہ بھی اچھا خاصا

ذہین ہو گیا ہے، دیکھئے نا اب وہ ہر وقت دلربا کی دم میں نہیں اٹکا رہتا، پہلے تو وہ ایک عجیب و غریب شے معلوم ہوتا تھا، باتیں کم کرتا تھا، گٹار زیادہ بجاتا تھا لیکن اب کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ دلربا سرے سے اس کے پاس نہیں ہوتی۔ میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اب اتنے بے وقوف نہیں رہے جتنے اب سے کچھ عرصہ پہلے تھے۔ ان حالات میں یا تو ہمیں طریقہ کار بدل دینا ہوگا اور یا پھر یہ تصور چھوڑ دیا جائے کہ یہ دونوں احمق ہیں۔"

صفدر نے پہلی بار اس بارے میں سوچا۔ پھر گردن ہلاتا ہوا بولا۔

"ہاں دلائل تو تمہارے درست ہیں۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں تھی کہ وہ کم بخت اتنی بڑی رقم مانگ لے گا، تم سمجھتی ہو صائمہ کہ اس سے اس کا کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"؟

"کیوں نہیں سمجھتی، ظاہر ہے میں بھی احمق نہیں ہوں اب وہ

نور جہاں کی پول کھولنا چاہتا ہے۔ظاہری بات ہے کہ نور جہاں روح ہے ایک ملک کی روح پندرہ لاکھ روپے بھلا اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہوں گے،لیکن مابدولت پندرہ لاکھ روپے بھی اس کی خدمت میں پیش نہیں کر سکتے۔"صائمہ نے کہا اور سب لوگ ہنس پڑے۔

"افسوس۔افسوس تم اتنے دن سے اسے بے وقوف بنا رہی ہو اور اس کے لئے پندرہ لاکھ روپے کا انتظام نہیں کر سکتیں صفدر بھائی کچھ کیجئے۔کم از کم نور جہاں کا یہ بھرم قائم رہے۔" آصف نے کہا اور صفدر ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔

"اب او آصف کے بچے۔زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش مت کیا کر میرے سامنے،مجھے تو اس بات کا افسوس ہے کہ دو باگڑو ہمارے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہیں اور تو اُلٹا مذاق اُڑا رہا ہے چلو یوں کرتے ہیں کہ چندہ کر لیتے ہیں۔دے دو پندرہ لاکھ روپے ان لوگوں کو۔"

"ٹھیک ہے ٹھیک ہے آپ فی الحال چندے میں میری قمیض قبول فرمایئے۔" آصف نے اپنی قمیض اُتار کر صفدر کے سامنے ڈال دی۔

ارے ارے یہ ریت تو بُری ہے۔ یہاں خواتین بھی ہیں۔" امجد نے کہا اور ایک بار پھر قہقہے اُبل پڑے۔

"خاموش خاموش تم لوگ ہنس رہے ہو اور میں پریشان ہوں۔"

"ارے چھوڑیئے صفدر بھائی خواہ مخواہ پریشان ہونے سے کیا حاصل، نہ سہی نور جہاں، صائمہ سہی، صائمہ اپنی اصل حیثیت میں بھی تو بہت کچھ کرسکتی ہے۔" آصف نے ایک بار پھر مداخلت کی اور صفدر اُچھل پڑا۔

"واقعی، ارے واہ آصف، دیکھو نا یہ بات کہی ہے تم نے پندرہ لاکھ روپے کی۔" صفدر نے کہا۔

''کیا کیا کیا۔۔۔کیا مطلب ہے آپ کا۔''؟ صائمہ غصیلے انداز میں بولی۔

''اوہ ڈیئر صائمہ کیا ضروری ہے کہ ہم اسے قدیم وقتوں کی نور جہاں میں پھنسائیں۔ عالم پناہ نہ سہی، جہانگیر علی سہی اور پھر صائمہ۔۔۔صائمہ کی پراسرار قوتوں سے کون انکار کرسکتا ہے۔''

''میں لعنت بھیجتی ہوں ان ساری پراسرار قوتوں پر۔اب کسی اور کو تختۂ مشق بنائیے۔میں ان چکروں میں بالکل نہیں پڑوں گی۔کیا بدنام کرنے کا ارادہ ہے مجھے۔'' صائمہ نے جھلا کر کہا۔

''دیکھو ڈیئر صائمہ بدنام تو ہم تمہیں ویسے بھی کر دیں گے اگر تم نے جہانگیر کا دل توڑا تو۔''

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے مجھے منظور ہے آپ مجھے بدنام کریں یا کچھ بھی کریں۔بہر صورت اب میں جہانگیر کے چکر میں نہیں پڑوں گی

اس کے لئے آپ کسی اور کا انتخاب کرلیں۔'' صائمہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور صفدر گردن ہلانے لگا پھر وہ ٹھوڑی کھجاتا ہوا بولا۔

''ٹھیک ہے دوستو، حالات کچھ ناہموار سے ہوتے جارہے ہیں۔ مزہ نہیں آرہا کچھ اگر یہ دونوں آدمی سمجھدار ہوگئے ہیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر نواب خیرات علی کا کیا ہوگا۔ میرا مطلب ہے اس سلسلے میں کیا کیا جائے گا صفدر بھائی۔''؟

''ابتداء میں کرچکا ہوں اب وہ جانیں اوران کا کام۔ خود ہی وہ دیکھیں۔ مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' صفدر نے کہا۔

''ویسے آپ سوچ لیں۔''

''سوچ لیا سوچ لیا۔ میں اس سلسلے میں ذرا بھی دلچسپی نہیں لوں گا۔'' صفدر نے جواب دیا۔

''اور اگر انہوں نے آپ سے درخواست کی تو۔''؟ آصف نے سوال کیا۔

''میں ان سے کہہ دوں گا کہ اب میں ان کے ساتھ کچھ نہیں کرنا چاہتا۔''

''ہوں بڑے مایوس ہوں گے بے چارے۔'' آصف نے کہا۔

''کچھ بھی ہو، بس میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کرنا چاہتا۔''

''آخر اس کی کوئی وجہ۔''؟ امجد نے پوچھا۔

''بس بس جب تم لوگ ہی میرا ساتھ نہیں دے رہے تو پھر مجھے کیا ضرورت پڑی ہے کہ میں خواہ مخواہ میں چکر لگاتا پھروں میری بھی تو دوسری مصروفیات ہیں۔'' صفدر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور سب لوگ صائمہ کی خوشامد کرنے لگے۔ لیکن صائمہ اس بات پر تیار نہیں ہوئی تھی کہ جہانگیر سے عشق کا ڈھونگ رچائے۔

بہر طور صفدر کو یہاں ناکامی ہوئی تھی اور وہ ناراضگی کا اظہار کر کے وہاں سے اُٹھ گیا۔ اس کے جانے کے بعد تھوڑی دیر تک نشست جمی رہی اور پھر سب منتشر ہو گئے۔ گویا وقتی طور پر یہ مسئلہ ختم ہو گیا تھا۔

لیکن صفدر کو اپنے طور پر چین نہیں تھا وہ خود بھی اس سلسلے میں کچھ کرنے کا خواہش مند تھا۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔ بہر طور اس نے یہ جائزہ لینے کے لئے کہ ذرا دیکھیں تو سہی صائمہ کی باتیں کہاں تک درست ہیں دوسری صبح شکیل اور عالم پناہ سے ان کے دفتر میں ملاقات کی۔

دونوں اپنی میز پر سر جوڑے بیٹھے تھے۔ صفدر کی آمد پر انہوں نے مسرت کا اظہار کیا۔ صفدر بغور ان کا جائزہ لے رہا تھا۔ پھر شکیل نے کہا۔

"کہیئے صفدر بھائی کیسے مزاج ہیں۔"؟

"میاں مزاج تو تمہارے معلوم ہونے چاہئیں۔ کیا ہو رہا ہے آج کل۔"؟

"بس کچھ نہیں صفدر بھائی وہی نواب خیرات علی کا سلسلہ ابھی تک دماغ میں اٹکا ہوا ہے۔"

"بات کچھ آگے بڑھی۔"؟ صفدر نے پوچھا۔

"لیجئے بات کہاں سے آگے بڑھتی۔ سربراہ تو آپ ہیں۔ آپ جو کچھ بھی کریں گے وہی ہوگا۔"

"نہیں بھائی میں اپنی سربراہی سے استعفیٰ پیش کر رہا ہوں۔" صفدر نے گہری سانس لے کر کہا۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ اب تم اپنے معاملات سے خود ہی نمٹو، میں اس سلسلے میں کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں۔"

”مگر وہ کیوں صفدر بھائی۔“؟

”بس یار فائدہ نہ قاعدہ، خواہ مخواہ جھنجھٹ میں پھنسا ہوا ہوں اب تو تم اس قابل ہوگئے ہو کہ اپنے معاملات خود سنبھال سکو۔“

”ہاں ہو تو گئے ہیں صفدر بھائی لیکن اس بات کو نہیں بھولیں گے کہ یہ سب کچھ آپ ہی کی وجہ سے ہوا ہے۔“ شکی نے کہا۔

”کیا مطلب۔“؟

”مطلب یہ کہ ہمیں جتنی تھوڑی بہت عقل آئی ہے وہ آپ ہی کی عطا کی ہوئی ہے۔“ عالم پناہ نے خوشامدانہ لہجے میں کہا۔ اور شکی بھی عالم پناہ کی ہاں میں ہاں ملانے لگا۔

”دیکھو جہانگیر یہ جو کچھ ہوا ہے جہاں تک ہوا ہے میں بس وہیں تک تمہارا ساتھ دے سکتا تھا۔ اس کے بعد تمہیں اپنے حالات خود سنبھالنا ہوں گے۔ میں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔“

''ٹھیک ہے ہم سنبھال لیں گے۔'' جہانگیر نے کہا، یہ جواب بھی صفدر کے لئے غیر متوقع تھا۔ بہرطور اس وقت اسے ان لوگوں کو شیشے میں اتارنے میں شدید ناکامی پیش آئی تھی اور وہ ناکام وہاں سے رخصت ہوگیا۔

اس کے جانے کے بعد شکی نے جہانگیر کو آنکھ ماری۔ ''کیا خیال ہے جہانگیر۔''؟

''بالکل ٹھیک۔ گویا ہم نے غلامی کا بوجھ اپنے کندھوں سے اُتار کر پھینک دیا ہے۔'' جہانگیر نے جواب دیا۔

''بے شک بے شک، لیکن نواب خیرات علی کا مسئلہ بہت ضروری ہے۔ اور اب تم یہ بات بھی جان لو کہ یہ حضرت میرا مطلب ہے جو آج تک ہماری معاونت کرتے رہے ہیں اپنی شکست پر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔''

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ ہمارے خلاف کوئی سازش ضرور کریں گے اور ہمیں ان کی سازشوں سے محفوظ رہنا ہے عالم پناہ۔" شیکی نے کہا۔

"مگر سازش کیوں کریں گے شیکی۔"؟ عالم پناہ نے پوچھا۔

"بھئی دیکھو نا۔ یہ لوگ چالاکی سے ہمیں بے وقوف بناتے رہے ہیں اور اب ان کی پول ہمارے سامنے کھل گئی ہے۔ یعنی دیکھو نا اب صائمہ کو انہوں نے نور جہاں بنا دیا اور ہمیں بے وقوف بناتے رہے، کیا یہ اس بات پر خوش تھوڑی ہوں گے کہ ہم حقیقت سے واقف ہو گئے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے مگر ہم حقیقت کا اظہار ہی کیوں کریں۔"؟ عالم پناہ نے کہا۔

"تم نے نور جہاں سے جو کچھ کہا ہے وہ بڑی عمدہ بات ہے کیا یہ

ممکن نہیں ہو سکتا جہانگیر بھائی کہ ہم یہ ساری حرکتیں ان پر اُلٹی کر دیں۔''؟

''وہ کیسے۔''؟ عالم پناہ نے بڑے دلچسپ انداز میں پوچھا۔

''میرا مطلب ہے کہ تم صائمہ کی آنکھوں میں نور جہاں تلاش کرو۔''

''کیا مطلب۔''؟ عالم پناہ پھر حیرت سے بولے۔

''یار کلاسیکل آدمی ہو، لیکن بالکل بدھو، بھئی نور جہاں کی آنکھیں صائمہ کی آنکھیں ہی تو تھیں اور تم نے اس کے خدوخال نہیں دیکھے صرف آنکھیں دیکھی ہیں۔ کیا تم صائمہ کی آنکھوں میں غوطہ خوری کرنا پسند نہیں کرو گے۔'' شکی نے کہا اور عالم پناہ سوچ میں ڈوب گئے۔ پھر بری طرح اُچھل پڑے۔

''یار کیا بات کہی شکی، یہ ہو کیا گیا ہم دونوں کو یار ہم تو واقعی ذہین

ہو گئے ہیں۔"

"بے شک بے شک، اس ملک کے ماحول نے ہمارے ذہنوں پر اثر کیا ہے، دراصل افریقہ میں گرمی شدید تھی اور پھر میں نے جو یہ جھاڑیاں دونوں طرف اُگا رکھی تھیں نا انہوں نے بھی میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔"

"وہ تو ٹھیک ہے، مگر مجھے کیا ہو گیا ہے۔" عالم پناہ نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھتے ہوئے کہا۔

"دونوں ٹھیک ہو گئے ہیں، دونوں ٹھیک ہو گئے۔ بہر طور کیا خیال ہے میری اس تجویز کے بارے میں۔"؟

"وہ تو ٹھیک ہے شکی لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خیرات علی کے سلسلے میں کیا کیا جائے۔"؟

"ہاں یہ بات بالکل درست ہے۔ صفدر بھائی نے اشتہار تو دے

ہی دیا ہے کہ ہم اب یہ جائزہ لینے کی کوشش کیوں نہ کریں کہ نواب خیرات علی اب کوٹھی کی فروخت کے سلسلے میں کیا کر رہے ہیں۔"؟

"مگر جائزہ کیسے لیں گے۔"؟

"ان کی کوٹھی میں جا کر۔"

"مگر ان کے بارے میں تو طرح طرح کی روایات سنی ہیں۔"

"سنی تو ہیں۔ مگر۔ مگر یہ سب کچھ کرنا ہی پڑے گا، آخر پھوپھا میاں نے یہ ساری ذمہ داریاں ہمارے ہی سپرد تو کی ہیں، ہمیں انہیں نبھانا ہوگا اسی طرح تو ہم ان پر یہ رعب ڈال سکتے ہیں کہ اب ہم کام کے بچے بن گئے ہیں ورنہ پھر وہی افریقہ ہوگا، وہاں کے تپتے ہوئے ریگزار اور صحرا اور وہی کالی پیلی حسینائیں جو عورتوں سے زیادہ ڈائنیں محسوس ہوتی ہیں، ارے توبہ توبہ مجھے تو جب بھی کبھی کوئی ایسی لڑکی یاد آجاتی ہے جس نے کبھی مجھ سے محبت کا اظہار کیا ہو تو یقین کرو تین

دن تک نیند نہیں آتی۔" شکی نے خوفزدہ انداز میں کہا۔

"چھوڑو چھوڑو یار عورت ہر جگہ عورت ہوتی ہے خواہ وہ یہاں ہو یا وہاں۔"

"لیکن جہانگیر بھائی ہماری تقدیر میں بھی کیا کوئی محبوبہ دلنواز لکھی ہوئی ہے۔"

"ابے کام کی باتیں کر پہلے۔ محبوباؤں کے چکر میں بعد میں پڑنا۔"

"ٹھیک ہے تو پھر نواب خیرات علی۔" شکی بولا۔

"ہاں نواب خیرات علی۔ کیا کیا جائے اس سلسلے میں۔"؟ عالم پناہ نے کہا۔

"اشتہار تو جا ہی چکا ہے، ہم کوٹھی کی خریداری کے سلسلے میں بات کرنے جا سکتے ہیں۔" شکی نے جواب دیا۔

''ہم سے کیا مراد ہے۔ہم دونوں۔'' عالم پناہ نے پوچھا اور شیکی سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر عالم پناہ ہی بولے۔

''نہیں شیکی ہم دونوں کا ایک ساتھ جانا ٹھیک نہیں ہے۔''

''کیوں۔''؟

''اس لئے کہ پہلے ایک آدمی نواب خیرات علی کا جائزہ لے لے۔ دیکھے وہ کیا کہتے ہیں اور اس کے بعد دوسرا آدمی اس مسئلے میں مداخلت کرے۔''

''مثلاً۔''؟ شیکی نے پوچھا۔

''میں تمہیں بتاتا ہوں شیکی۔ اس طرح کرو کہ تم میرے نمائندے بن کر جاؤ اور یہ کہو کہ ایک بہت بڑے نواب صاحب یہ کوٹھی خریدنا چاہتے ہیں اور تم ان کے نائب ہو۔ میرا مطلب ہے کہ ان کے سیکرٹری، کیا خیال ہے تمہارا۔''؟

(آخری قسط)
بانگڑو
(ایم اے راحت)
www.urdurasala.com

''خیال تو ٹھیک ہے، لیکن عالم پناہ نواب خیرات علی کے بارے میں جو داستانیں سنی ہیں اگر وہ صحیح ہیں تو کہیں سیکرٹری کی شامت نہ آجائے۔''

''یار شیکی تم چالاک آدمی ہو اور پھر وہی بدھو پنے کی باتیں کر رہے ہو۔ یار کسی نواب کو بے وقوف بنانا کون سی بڑی بات ہے۔ تم جاؤ تو سہی ایسی چکنی چپڑی باتیں کرنا کہ نواب صاحب شیشے میں اتر آئیں۔ سمجھ گئے نا۔''

''ٹھیک ہے۔'' شیکی نے حامی بھرتے ہوئے کہا اور دونوں نے گرم جوشی سے ہاتھ ملایا۔

گولیور کا نام معمولی نوعیت کا حامل نہیں تھا، ہر چند کہ بینک میں جو ڈاکہ ڈالا گیا تھا وہ ناکام رہا تھا۔ لیکن بہر صورت گولیور کا مخصوص نشان

سامنے آیا تھا اور اس بات پر شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا تھا کہ ڈاکہ گولیور
نے ڈالا ہے اب ایک کیشئر نے چالاکی سے بینک کا کیش بچالیا تھا
تو یہ کوئی ایسی بات نہیں تھی پولیس چاروں طرف چوکنی ہو گئی تھی جگہ جگہ
چھاپے مارے جا رہے تھے۔ بہت سے ایسے بدمعاش گرفتار کر لئے
گئے تھے جو درحقیقت گولیور کے لئے کام کر رہے تھے اور ایسے ہی
ایک بدمعاش نے جس کا نام جگا تھا پولیس کی مار سے قبول کر لیا کہ
ہاں گولیور یہاں موجود ہے۔ اعلیٰ حکام کی ایک میٹنگ ہوئی جس میں
جگا کے اس بیان کو پیش کیا گیا جگا سے ساری تفصیلات معلوم کی گئیں تو
جگا نے سب کچھ قبول کر لیا اس نے کہا۔

''ہاں سرکار مائی باپ، گولیور جب پہلے بھی یہاں آیا تھا تو اس
نے شہر بھر کے غنڈوں کو کرائے پر حاصل کیا تھا اور ہم سب اس کے
لئے کام کرتے تھے۔ پھر وہ یہاں سے بھاگ گیا اور اب اس بار وہ آیا

تو اس نے پھر ہم لوگوں سے رابطہ قائم کیا، اس وقت شہر کے سارے بدمعاش اپنے کام کرنے کی بجائے گولیور کے لئے کام کر رہے ہیں۔"

"تمہارے سپرد اس نے کیا کام کیا تھا۔"؟

"ابھی تک تو کچھ نہیں سرکار۔ نجانے کیوں اس بار وہ ہم سے کچھ خاص کام نہیں لے رہا۔ لیکن اس کے دو چار آدمی تو نہیں ہیں۔ بہت سے آدمی اس کے لئے کام کر رہے ہیں۔ وہی ڈاکے بھی ڈال رہے ہوں گے۔"

"ہوں۔" اعلیٰ افسر نے کہا پھر اس کے حکم پر گولیور کی تلاش اعلیٰ پیمانے پر شروع ہوگئی۔

دوسری طرف گولیور کا کام جاری تھا۔ اس شام جب ایک فرم کا کیشئر ایک وین میں اپنے چوکیدار کے ساتھ اٹھارہ ہزار کی رقم لے کر

جارہا تھا کہ راستے میں ایک بڑی کار نے اسے ٹکر ماردی اور وین اُلٹتے اُلٹتے بچی۔ وین میں بیٹھا ہوا پٹھان چوکیدار جس کے ہاتھ میں بھری ہوئی بندوق تھی نیچے اُتر آیا، اسی وقت کار سے تین آدمی نیچے اُترے، جن میں ایک غیر ملکی تھا اور دو مقامی تھے چونکہ وہ کار کے بہت قریب تھے اس لئے چوکیدار نشانہ لے کر فائرنگ تو نہ کرسکا لیکن اس نے بندوق کو لاٹھی کی طرح گھمانا شروع کردیا اور وہ دونوں آدمی اس کی زد میں آگئے۔

دونوں بُری طرح زخمی ہوگئے، اور تیسرا آدمی جو سفید فام تھا اور وین میں بیٹھے ہوئے شخص سے رقم چھیننے کی کوشش کررہا تھا، وہ زیادہ زخمی نہیں ہوا تھا۔ لیکن چوکیدار نے اسے پکڑ کر اس کا پستول چھین لیا جو غیر ملکی ساخت کا تھا۔ چوکیدار نے اسی پر اکتفا نہیں کی تھی بلکہ اس نے غیر ملکی کا لباس تک اُتروالیا تھا۔ وہ اسے پولیس کے

حوالے کرنا چاہتا تھا لیکن بد قسمتی کی بات یہ تھی کہ علاقہ سنسان تھا اور دور دور تک کسی کا وجود نہیں تھا۔ بہر صورت چوکیدار نے صرف ایک انڈر وئیر میں اسے واپس جانے دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اس وقت اسے گرفتار کرنا خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔ اس کے پاس کیش بھی تھا اور بہر صورت اس کے دونوں ساتھی ہوش میں بھی آ سکتے تھے۔ چنانچہ مجبوراً چوکیدار نے انہیں جانے دیا۔ بندوق کے زور پر البتہ اس نے غیر ملکی کو کچھ کرنے کا موقع نہیں دیا تھا سوائے اس کے کہ وہ اپنے دونوں بے ہوش ساتھیوں کو اپنی کار میں ٹھونسے اور وہاں سے بھاگ جائے۔ سو غیر ملکی نے ایسا ہی کیا۔

چوکیدار اور فرم کا کیشئر وہاں سے سیدھے پولیس اسٹیشن پہنچے اور انہوں نے پولیس اسٹیشن پر ساری صورتِ حال بتائی۔ غیر ملکی کے لباس میں سے جو چیزیں برآمد ہوئیں انہیں دیکھ کر پولیس افسران کی

آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

ساری چیزیں ایسی تھیں جن سے گولیور کا نشان ملتا تھا اور پھر وہ سکہ جس پر سورج کا نشان موجود تھا یقیناً یہ وہ سکہ تھا جو چند روز پہلے بینک میں ناکام ڈاکے کے بعد ملا تھا یہ سکہ اور تمام چیزیں اعلیٰ حکام کو پیش کردی گئیں اور دوسرے دن اخبارات نے جو خبریں چھاپیں وہ گولیور کے لئے اس قسم کی تھیں کہ اسے فوراً خودکشی کرلینی چاہئے تھی۔

اس ناکام کوشش کا بھی بڑا مذاق اڑایا گیا۔ یورپ کے غنڈے پر طرح طرح کے طنز کئے گئے۔ گولیور یہ خبریں پڑھ پڑھ کر اپنے بال نوچنے لگا۔ لیکن صورتِ حال ایسی ہو چکی تھی کہ اب اس کے پاگل ہونے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔

تھوڑی دیر کے بعد اس نے پستول کے چیمبر بھرے اور انہیں اپنے لباس میں چھپا کر باہر نکل گیا اب وہ نصیبو سے براہِ راست ٹکرانا

چاہتا تھا اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں رہ گیا تھا نصیبو نے اس کی مٹی پلید کردی تھی اور گولیور جانتا تھا کہ یہ سارا کام اس شخص کے علاوہ کسی کا نہیں ہے۔ نصیبو اسے بدنام کررہا ہے۔

☆

مالی چوکیداری کررہا تھا اور چوکیدار باغبانی۔ خان صاحب کے فرشتوں نے بھی کبھی پودوں کی نگرانی نہیں کی تھی۔ پتھر توڑنے کے ماہر تھے۔ لوہے کے ہتھوڑے سے چٹانیں توڑنے کا کام کرتے تھے، پھولوں کی نگہبانی کیسے کرسکتے تھے۔ لان میں کئی قسم کے خوبصورت پودے لگے تھے جو اپنی مخصوص خوشبو کے ساتھ مہکتے تھے۔ خان صاحب نے ان کی نگہبانی کرنے کی بجائے ان میں سے چند کو جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دیا۔

خوبصورت پودے جو پھولوں سے لدے ہوئے تھے باہر آپڑے

لیکن ان دو چار پودوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے جو خلا پیدا ہوا وہ خان صاحب کو بھلا محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ مناسب نگہداشت نہ ہونے کی وجہ سے دوسرے پودے بھی کچھ ڈھل گئے تھے۔ چنانچہ انہوں نے وہاں سے پھولوں کا وہ تختہ ہی اکھاڑ ڈالا۔ کئی مہینوں کی محنت کے بعد باہر سے لائے ہوئے یہ خوبصورت پھول جڑ پکڑ پائے تھے اور اب خوب پھول دے رہے تھے۔ باغ کا یہ حصہ بھی کوٹھی کے خوبصورت ترین حصوں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن خان صاحب کی محنت اب رنگ لا رہی تھی وہ اس جھاڑ جھنکار برداشت نہیں کر پا رہے تھے اور پھر یوں بھی کچھ مزید آسانیاں فراہم ہو سکتی تھیں۔ یعنی اگر میدان زیادہ سے زیادہ صاف ہو جائے تو پھر مالی کا کام کرنے کی مصیبت سر پر سوار نہیں رہے گی۔ چنانچہ ایک اچھا خاصا علاقہ انہوں نے اپنی دھن میں صاف کر دیا اور پھر اس کی مٹی ہموار کرنے لگے پھولوں کے جو

انبار پودوں سمیت لگے ہوئے تھے انہیں انہوں نے اس کچرے دان میں ڈال دیا جو ایک طرف رکھا ہوا تھا، اور اسی وقت دردانہ اس طرف آنکلی۔

یہ اس کے پسندیدہ ترین پھول تھے۔ اس نے اس جگہ کا جو یہ حشر دیکھا تو دل پکڑ کر رہ گئی۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے، پھر وہ چیختی ہوئی خان صاحب کی طرف دوڑی اور اس نے ان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔

"ارے ارے تمہارا ستیاناس جائے خان، تم یہاں کیوں آمرے، کیا کر رہے تھے۔"؟

"چہ بی بی صاب مالی کا کام کرتی ہے۔" خان صاحب نے جواب دیا۔

"جہنم میں کیوں نہیں جاتی تم۔" دردانہ غصیلے لہجے میں بولی۔

''چہ خان کو یہ کام دیا گیا ہے بی بی صاب تو اس خان کے لئے جہنم ہی سمجھو، بھلا ہم پودوں کا نخرہ اٹھانا کدھر جانتی ہے ہم تو گیٹ پر چوکیداری کرتی ہے بی بی صاحب۔'' خان صاحب نے کہا۔

''اور مالی کدھر گیا۔''؟ وردانہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''چہ وہ گیٹ پر مرتی ہے۔'' خان صاحب نے گیٹ کی طرف اشارہ کیا جہاں مالی بے چارہ بندوق کا بوجھ شانے پر اٹھائے کسی بیل کی طرح کھڑا ہوا تھا۔

''میں میں۔میں تمہیں گولی مار دوں گی، سمجھے تم میں تمہیں گولی مار دوں گی۔تم نے اتنے خوبصورت پھولوں کا کنج برباد کر دیا ہے، میں کہتی ہوں تمہیں یہاں بھیجا کس نے۔''؟

''چہ نواب صاحب ہم کو ادر بھیجتی تھی۔'' خان صاحب نے جواب دیا اور وردانہ غصیلے انداز میں نواب خیرات علی کے کمرے کی طرف

بڑھ گئی، اس کی آنکھیں ڈبڈبائی ہوئی تھیں۔ آندھی اور طوفان کی طرح وہ نواب صاحب کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔ لیکن اندر نواب صاحب بھی آندھی اور طوفان ہی بنے ہوئے تھے۔ ٹیلی فون کا ریسیور ہاتھ میں تھا۔ منہ سے جھاگ اڑا رہے تھے آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں فرما رہے تھے۔

''گدھے ہو تم۔ گدھے ہو تم........ میں نے تمہیں کہہ دیا ہے کہ یہ حویلی قابلِ فروخت نہیں ہے اور کسی قیمت پر فروخت نہیں ہو گی سمجھے، کسی نے مذاق کیا ہے۔''

''دادا جان۔'' دردانہ نے غصیلے لہجے میں کہا اور نواب صاحب نے ٹیلی فون کا ریسیور پٹخ دیا۔

''کیا بات ہے۔''؟ وہ دردانہ کو دیکھتے ہوئے غرائے۔

''یہ۔۔۔ یہ چوکیدار کو مالی کس نے لگایا۔''؟

"مجھے نہیں معلوم۔" نواب خیرات علی نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"اس نے سارے پھولوں کے کنج تباہ کردیئے ہیں تمام پودے اکھاڑ کر پھینک دیئے ہیں۔"

"بہت اچھا کیا۔ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے ٹھیک ہو رہا ہے میں کہتا ہوں یہ اخبار والے میرے ہاتھ سے مارے جائیں گے کل ایک اخبار والے کو ڈانٹ پلائی تھی کہ میرا اشتہار کیوں چھاپا کہنے لگا کہ اشتہار باقاعدہ ملا ہے۔ تحریری طور پر موجود ہے اور اس کی ادائیگی بھی ہوئی ہے اس لئے چھاپا گیا ہے اور آج ایک دوسرے اخبار میں یہ اشتہار موجود ہے۔"

"کیسا اشتہار۔"؟ دردانہ نے پوچھا۔

"کوٹھی کی فروخت کا۔"

''اب تو یہ کوٹھی فروخت ہی کرنے کے قابل ہوگئی ہے۔ آپ نے تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے اس کوٹھی کو۔''

''کیا۔ کیا۔؟ میں نے۔ میں نے۔ تو زندگی سے عاجز آئی ہے لڑکی۔ میرے ہاتھوں موت آئی ہے تیری۔'' نواب خیرات علی پھاڑ کھانے والے انداز میں بولے۔

''ہاں ہاں عاجز آئی ہوں۔ ذرا باہر نکل کر تو دیکھیں پورا لان تباہ ہوگیا ہے۔''

''کیسے تباہ ہوگیا۔''؟

''وہ چوکیدار نے سارے پودے اکھاڑ پھینکے۔''

''ایں۔'' نواب خیرات علی چونک پڑے اور پھر وہ دردانہ کے ساتھ ہی باہر نکل آئے۔ درحقیقت پھولوں کا یہ علاقہ انہیں بھی بہت پسند تھا۔ اور چوکیدار نے جو کچھ کیا تھا اسے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں

بھی خون اُتر آیا۔

''خان۔'' وہ دہاڑے۔

''چہ جانِ خان۔'' خان صاحب سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکے۔

''یہ۔یہ۔یہ ابے تو نے۔یہاں سے پھول کہاں گئے۔'' نواب خیرات علی غرائے۔

''چہ کچرے کے ڈبے میں گئی صاحب۔اور پھول اچھا نہیں لگتی تھی ،دیکھو کتنا صاف ستھرا زمین ہے۔اکھاڑا بناؤ،کبڈی کھیلو،کشتی لڑو۔'' خان صاحب ترنگ بھرے لہجے میں بولے۔

''گیٹ آؤٹ۔میں کہتا ہوں فوراً گیٹ آؤٹ۔''

''چہ ہم نہیں جانتی صاحب ،کیا بولتی ہے آپ۔'' چوکیدار نے پریشانی سے کہا۔

''نکل جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں گولی ماردوں گا۔میں کہتا

ہوں نکل جاؤ۔‘‘نواب خیرات علی دہاڑے۔

’’چہ کدر نکل جائے۔‘‘؟

’’تمہارے خاندان میں کوئی مالی ہوا ہے۔‘‘؟

’’چہ نحیں ہوئی۔میں کب بولتی۔امارا خاندان فوجی ہے۔ملک کا دفاع کرتی ہے۔‘‘

’’تو پھر تم مالی کیوں بن گئے۔‘‘؟

’’چہ ام کدھر بنا، آپ نے بنا دی نواب جان۔‘‘

’’کیا کیا۔نواب جان۔‘‘؟

’’چہ پیار سے بولتی ہے۔‘‘خان صاحب مسکرائے۔

’’پیار کے بچے میں تجھے گولی ماردوں گا میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے نکل جاؤ ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔‘‘

’’چہ کمال ہے صاب، اتنا محنت سے کام کرتی ہے اور آپ بولتی

ہے نکل جاؤ۔ تو پھر ہم کدر جائے۔" خان صاحب نے کہا اور دردانہ نے آگے بڑھ کر صورتِ حال سنبھال لی۔

"آپ کو مالی کا کام نہیں کرنا آتا خان صاحب۔"؟

"چہ نہیں آتا بی بی جی۔ ہم پہلے ہی بولا ہم چوکیدار ہے۔" خان صاحب نے کہا۔

"اچھا یہ بتائیے کھانا پکا سکتے ہیں۔"؟

"چہ کیوں نہیں پکا سکتی جب کھاتی ہے تو پکا بھی سکتی ہے۔" خان صاحب نے کہا۔

"تو پھر ٹھیک ہے آپ باورچی خانے میں جا کر باورچی کا کام سنبھالئے۔ جائیے خواہ مخواہ آپ نے سارے پھولوں کا ستیاناس کر کے پھینک دیا۔"

"چہ جاتی ہے۔" خان صاحب نے کہا اور باورچی خانے کی

طرف چل پڑے۔

نواب خیرات علی اب بھی غصے سے پھنکار رہے تھے۔۔۔دردانہ انہیں سنبھال کر واپس لے گئی۔وہ نواب صاحب کے ساتھ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئی تھی۔نواب صاحب تھکے تھکے انداز میں بیٹھ گئے۔پھر بولے۔

''ان اخبار والوں نے میرا کیریئر تباہ کر کے رکھ دیا ہے بھلا بتاؤ پھر کوٹھی کی فروخت کا اشتہار چھپا ہے۔میں کہتا ہوں یہ کیا بدبختی ہے۔کون یہ اشتہار دے رہا ہے، اگر وہ لوگ تم نہیں ہو تو پھر مجھے اس بات پر حیرت ہونی چاہیے، جواب دو تم نے یا رحمٰن نے یہ اشتہار دیا ہے۔ دیکھو دردانہ میں بہت برا آدمی ہوں مجھے اس بارے میں.......آج ہی معلوم ہونا چاہیے دردانہ نے کوئی جواب ابھی نہیں دیا تھا کہ ایک ملازم اندر داخل ہوا اور نواب خیرات علی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

پھر بولے۔

"کیابات ہے۔"؟

"وہ نواب صاحب کچھ ملاقاتی حاضر ہوئے ہیں۔"

"کون ہے اس وقت۔"؟ نواب صاحب غرائی ہوئی آواز میں بولے۔

"جی کچھ معزز لوگ معلوم ہوتے ہیں، اچھے حلیئے ہیں ایک بہت بڑی کار سے اُترے ہیں۔" ملازم نے جواب دیا۔

"اچھا بلاؤ۔" نواب صاحب نے معزز لوگوں کا نام سن کر کہا اور وردانہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہر صورت وہ وہاں سے ٹلی نہیں تھی۔

آنے والے چار افراد تھے۔ ایک طویل القامت شخص چڑھی ہوئی مونچھوں کا مالک، سر پر رام پوری کیپ لگائے ہوئے لمبی خوب

صورت تراش کی شیروانی اور چوڑی دار پائجامہ پہنے ہوئے شکل و صورت ہی سے اچھے خاندان کا فرد نظر آتا تھا اس کے ساتھ تین افراد اور بھی تھے، جن میں دو سوٹ پہنے ہوئے تھے اور ایک بوشرٹ اور پینٹ میں ملبوس تھا۔ چوتھا آدمی ذرا عجیب سی شخصیت کا مالک تھا۔ بال لمبے لمبے تھے، چہرہ چھوٹا تھا جو لمبے بالوں کی وجہ سے اور بھی چھوٹا معلوم ہوتا تھا اس کے علاوہ کسی قدر حماقت کے آثار بھی اس کے چہرے سے نمایاں تھے۔

بہر صورت نواب خیرات علی نے کھڑے ہو کر ان سب کا خیر مقدم کیا۔ لمبی مونچھوں والے شخص نے نواب خیرات علی کو دیکھا اور دفعتاً چونک پڑا۔ اس کے منہ سے متحیرانہ آواز نکلی۔

''ارے ارے تم۔ تم۔'' اور اس کے اس انداز پر نواب خیرات علی نے بھی اسے چونک کر دیکھا، دوسرے لمحے ان کا منہ حیرت سے کھل

گیا اور وہ کسی قدر بوکھلائے ہوئے سے نظر آنے لگے۔

”تم۔۔۔“ انہوں نے تعجب بھرے لہجے میں کہا اور لمبی مونچھوں والے شخص نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے۔

”ارے خوب ملے بھئی خوب ملے، آؤ گلے سے تو لگ جاؤ کمال ہے، خدا کی پناہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔“

”آپ کو آپ کو۔کوئی غلط فہمی ہوئی ہے جناب۔مم۔میں آپ کو نہیں پہچانتا۔“ نواب خیرات علی دو قدم پیچھے ہٹ کر بولے۔

”ابے او خیراتی مجھے نہیں پہچانتا۔اپنے امانے کو نہیں پہچانتا۔“ آنے والا شخص عجیب سے انداز میں بولا۔

”ارے ارے کیا بدتمیزی ہے، کیا بکواس ہے یہ۔“ نواب خیرات علی باری باری سب کی شکل دیکھ کر بوکھلائے ہوئے لہجے میں بولے۔دردانہ کی آنکھیں بھی حیرت سے پھیل گئی تھیں۔

''خیراتی، خیراتی، باز آجا دیکھ، بچپن کے دوست ہیں ہم، ساتھ گلی ڈنڈا کھیلتے تھے۔ تجھے اتنی بھی بات یاد نہیں رہی، شکل وصورت سے بالکل ویسے کا ویسا ہے۔ ذرا بھی تبدیلی نہیں ہوئی، خواہ مخواہ سالا نواب بنا بیٹھا ہے۔ ابے پہچانا نہیں اپنے امانے کو۔''؟

''دیکھو میں کہتا ہوں بدتمیزی سے مت پیش آؤ۔ اچھی خاصی شخصیت کے مالک ہو، کیا جولاہے کی سی گفتگو کر رہے ہو۔'' نواب خیرات علی نے کہا۔

''ہوں تو خیراتی تو اپنے آپ کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ کیوں نہ ہو۔ نواب جو ٹھہرے۔ نواب خیرات علی۔'' لمبی مونچھوں والا ہنس پڑا۔

''میں۔۔۔ میں بدتمیزی برداشت نہیں کر سکتا۔ سمجھے تم، تم جو کوئی بھی ہو فوراً یہاں سے نکل جاؤ۔''

"اے خیراتی سئے، اوقات بھول کرنواب بن بیٹھا ہے، لیکن مجھے
دیکھ میں جو تھا وہی ہوں۔"

"کیا بکواس ہے۔میں ۔میں گولی ماردوں گا تمہیں سمجھے۔"
نواب خیرات علی غصے سے دہاڑے۔

"اے جا، تیرے خاندان میں بھی کبھی کسی نے بندوق چلائی
ہے، گولی مار دے گا۔بنا بیٹھا ہے نواب خیرات علی سالا چار پیسے میں
پانی بھرتا تھا لوگوں کے گھروں میں۔ سنا تم نے نواب خیرات علی لنگوٹیا
ہے میرا ،گلی ڈنڈا کھیلتا تھا میرے ساتھ، کبڈی کھیلتا تھا اور پٹتا تھا سالا
مجھ سے۔بنا بیٹھا ہے نواب خیرات علی، اے سئے اوقات بھول گیا
اپنی، مجھے دیکھ میں آج تک وہی امانے ہوں۔"

"باز آجاؤ، باز آجاؤ بدتمیزی سے، میں کہتا ہوں باز آجاؤ، میں
فضول باتیں برداشت نہیں کرسکتا۔"

''ظاہر ہے ظاہر ہے، جب انسان اپنی اوقات بھول جاتا ہے تو یہی کہتا ہے۔'' وہ شخص جو خود کو امانے کہہ رہا تھا مسکرا کر بولا۔

''ابے ابے تو چپ نہیں ہوگا، دھوبی کے بچے خود کو بھول رہا ہے، تو خود دھوبی ہے، سمجھے، تم دھوبی ہو۔ یہ شیروانی کس کی چرا کر پہنی ہے۔؟ اور یہ چوڑ دار پائجامہ دھلنے آیا تھا کسی کا۔''؟

نوارد نے زوردار قہقہہ لگایا اور بولا۔ ''نہیں بیٹا دھلنے نہیں آیا تھا میں نے خود بنایا ہے، پر بیٹا میں آج بھی وہی امانے ہوں نواب امان اللہ نہیں بنا۔ میری لانڈری ہے، بہت بڑی لانڈری۔ تقریباً پچاس آدمی کام کرتے ہیں اس میں۔ میں نے آج تک کسی سے یہ نہیں کہا کہ میں دھوبی نہیں ہوں لیکن خیراتی سئے تو نواب خیرات علی بن بیٹھا۔ غیرت نہ آئی تجھے۔''

''میں کہتا ہوں نکل جاؤ۔ نکل جاؤ۔'' نواب صاحب غصے سے

دہاڑے اور بندوق لینے کے لئے دوڑے لیکن امان اللہ نے آگے بڑھ کر اسے پکڑ لیا۔

"ابے ہاں ہاں نکل رہا ہوں، کون سا تیرے گھر بیٹھنے کے لئے آیا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ تو یہاں نظر آجائے گا۔ بچپن کی ساری یادیں تازہ ہو گئیں۔ گلے ملنے کی بجائے بندوق لینے دوڑ رہا ہے اپنے یار کے لئے۔ ٹھیک ہے ٹھیک ہے اوقات بھولنے والے تجھ جیسے ہی ہوتے ہیں، ابے میں تو اخبار میں تیرا اشتہار پڑھ کر آیا تھا کہ یہ کوٹھی برائے فروخت ہے۔"

"برائے فروخت ۔۔۔ برائے فروخت ۔" نواب صاحب دہاڑے۔

"ہاں ہاں اخبار میں اشتہار کیوں دیا تھا۔ کیا بات ہے کچھ پیسوں کی ضرورت ہے، ابے تقریباً پندرہ بیس ہزار روپے روز کماتا ہوں۔

کچھ چاہئیے تو مانگ لی جئو مجھ سے، دوست بن کر آ جائیو، میں دے دوں گا تجھے جتنے بھی پیسوں کی ضرورت ہو گی۔" امانے نے کہا۔

میں لعنت بھیجتا ہوں تیرے پیسوں پر۔ دھوبی کہیں کا۔" نواب خیرات علی دہاڑے۔

"ابے جا جا تجے۔" امان اللہ نے اپنے ساتھیوں کے ہاتھ پکڑے اور واپسی کے لئے پلٹ پڑے نواب خیرات علی آپے سے باہر ہو رہے تھے، امان اللہ بار بار مڑ کر انہیں دیکھ رہے تھے۔ بہر صورت وہ اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ واپس چلے گئے لیکن تیسرا ساتھی وہیں رہ گیا تھا۔ وہی احمق شکل کا کوئی آدمی جو عجیب وغریب لگ رہا تھا۔

وردانہ حیرت سے منہ پھاڑے کھڑی تھی۔ نواب خیرات علی دانت پیس رہے تھے اور غصیلی نگاہوں سے دروازے کی جانب دیکھ

رہے تھے۔ دفعتاً ان کی نگاہ اس شخص پر پڑی جو کھڑا رہ گیا تھا۔ نواب صاحب کا غصہ پھر اپنی آخری حدوں کو پہنچ گیا۔ انہوں نے خون خوار لہجے میں کہا۔

"تم کیوں نہیں گئے۔ ایں میں کہتا ہوں تم کیوں نہیں گئے۔"

"وہ۔ وہ۔ ج جناب عالی۔ م میں میں آپ کے پپ پپ پاس۔۔۔"

"میں کہتا ہوں نکل جاؤ یہاں سے، تم بھی اس کے ساتھی تھے نا۔"؟

"ج ج جی نہیں میں لعنت بھیجتا ہوں اس پر۔" نوارد نے کہا۔

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ کہ میں اس کے ساتھ نہیں آیا تھا۔"

"جھوٹ بولتے ہو، فراڈ کرتے ہو مجھ سے۔" نواب صاحب

نے چیخ کر کہا۔

"جی نہیں حضرت وہ تینوں آ رہے تھے، میں بھی اسی وقت آپ سے ملنے کی خواہش لے کر حاضر ہوا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ سب ساتھ ہی ساتھ آئے۔"

"ہوں تو تم ان کے ساتھ نہیں تھے۔"؟

"جی نہیں۔"

"تو پھر تم یہاں کیسے داخل ہوئے۔"؟

"وہ۔۔۔وہ بہت ضروری کام تھا۔"

"بیٹھ جاؤ۔" نواب صاحب نے نجانے کس موڈ میں کہا اور نووارد صوفے پر بیٹھ گیا۔

"نام بتاؤ اپنا۔ کون ہو تم۔"؟

"جی خادم کو شفیع الدین شکی کہتے ہیں۔"

''کیا کہتے ہیں۔''؟

''شیکی ،شیکی۔''

''شفیع الدین شیکی۔'' نواب صاحب نے دوہرایا۔

''جی ہاں جی ہاں۔''

''تو یہ شفیع الدین کے بعد تم شیکی کیسے ہو گئے۔''؟

''جی بس ذرا مختصر ہو گیا۔'' شیکی نے شرمائے ہوئے انداز میں کہا۔

''شکل وصورت سے بھی مختصر لگتے ہو۔ جوان تو معلوم ہی نہیں ہوتے۔''

''جی ہاں! جی ہاں۔ درست فرمایا آپ نے۔'' شیکی نے گردن ہلائی اور پھر چونک کر نواب صاحب کی طرف دیکھنے لگا، پھر دوبارہ جھینپے ہوئے انداز میں بولا۔ ''جی ہاں جی ہاں آپ بالکل درست

کہتے ہیں۔"

"کس کام سے آئے ہو میرے پاس۔"؟

"آپ آپ ذرا۔ ذرا۔ غصہ ٹھنڈا ہو جائے آپ کا، اس کے بعد بتاؤں گا۔"

"وہ۔ وہ کم بخت میرا دماغ خراب کر کے رکھ گیا۔"

"دادا جان۔" دردانہ نے پیار بھرے انداز میں نواب خیرات علی کو مخاطب کیا۔

"ارے تم۔ تم بھی یہاں موجود ہو۔"؟

"جی دادا جان موجود ہوں۔"

"کیا بک رہی ہو۔"؟

"صرف یہ دادا جان کہ حقیقتوں کو جھٹلاتے ہیں آپ، ہم میں سے کسے نہیں معلوم کہ ہم ماضی میں کیا تھے۔"

’’کیا تھے ہم ماضی میں۔‘‘؟

’’سقّے۔‘‘ دردانہ نے ہنستے ہوئے کہا اور نواب خیرات علی کا پارہ پھر چڑھ گیا۔

’’سقّی ہو گی تم خود، میں نواب ہوں۔ نواب خیرات علی۔‘‘

’’اچھا چلیئے ٹھیک ہے آپ نواب خیرات علی ہی سہی، لیکن یہ بتایئے کیا پانی بھرنے کا کام برا ہے۔ یہ تو بڑا اچھا کام ہے دادا جان اور ہمارے مذہب میں کسی بھی پیشے کو وقار کا مسئلہ نہیں بنایا گیا۔‘‘ دردانہ نے کہا۔

’’اچھا اچھا چپ رہو، مجھے سبق نہ پڑھاؤ سب جانتا ہوں میں۔‘‘ نواب خیرات علی نے کہا۔

’’یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے کہ آپ سب کچھ جانتے ہیں۔ خیر چھوڑیئے۔ ہاں تو شکی صاحب آپ کیسے تشریف لائے۔‘‘؟

’’جی ۔وہ محترمہ۔۔۔میرامطلب ہے ۔میرامطلب ہے وہ اشتہاراشتہار۔۔۔‘‘

’’اشتہار۔‘‘نواب صاحب دہاڑے۔

’’جج جی ہاں۔جی ہاں۔میں ایک بہت بڑے نواب صاحب کا سیکرٹری ہوں۔‘‘

’’وہ نواب صاحب بھی تمہاری شکل وصورت کے ہوں گے۔‘‘ نواب خیرات علی نے کہا۔

’’جی نہیں وہ آپ سے ملتے جلتے ہیں۔‘‘شکی نے کہا۔

’’کیا مطلب۔‘‘؟نواب صاحب تیز آواز میں بولے۔

’’مم میر مطلب ہے جناب لمبے اونچے اورقد آور صحیح معنوں میں نواب نظر آنے والے۔‘‘

’’کیا مطلب۔‘‘؟

"مطلب یہ کہ آپ جیسی شخصیت کے مالک ، پُر وقار، بارعب جسے دیکھتے ہی ایک نگاہ میں نواب کہا جا سکتا ہے۔" شیکی نے جواب دیا۔

"آدمی تو تم سمجھ دار معلوم ہوتے ہو۔" نواب خیرات علی نے کہا۔

"ذرّہ نوازی ہے حضور کی۔"

"تو میں تمہیں شکل سے نواب لگتا ہوں۔"

"سو فیصدی بلکہ دو سو فیصدی۔" شیکی نے جواب دیا۔

"ہوں خاصے انسان شناس معلوم ہوتے ہو، وہ کم بخت آیا تھا۔ یہ لمبی لمبی مونچھیں رکھ لی ہیں۔ ذات کا دھوبی ہے۔ ارے گٹھری لادتے لادتے کمر ٹیڑھی ہوگئی اور آج بنا ہوا ہے لانڈری کا مالک۔ یہ شیروانی پہن کر آیا تھا میرے سامنے کم بخت دھوبی۔ کبھی اس کے

خاندان میں بھی کسی نے شیروانی نہیں پہنی ایک چھوٹی سی دھوتی باندھتے تھے اور ایک شلوکا پہنتے تھے۔اور آج ہیں امان اللہ۔کیا زمانے کی تبدیلیاں ہیں خیر چھوڑو تم۔اشتہار کے سلسلے میں کیا کہنا چاہتے تھے۔"؟

"جی وہ نواب صاحب یہ کوٹھی خریدنا چاہتے ہیں۔"

"کیوں خریدنا چاہتے ہیں۔"؟

"بس جناب انہیں ایسی عظیم الشان کوٹھیوں سے بہت دلچسپی ہے اور پھر اخبار کا اشتہار۔"

"وہ میں نے نہیں دیا۔"

"جی۔"شکیل نے حیرت سے کہا۔

"ہاں وہ میں نے نہیں دیا تھا۔"

"تو پھر۔تو پھر اس کا مطلب ہے کہ نواب صاحب کو غلط فہمی ہوئی

ہے۔''

''نہیں بیٹھ جاؤ۔'' نواب خیرات علی بولے اور شیکی اٹھتے اٹھتے پھر بیٹھ گیا۔

''میں اب اس جھگڑے کو ختم ہی کر دینا چاہتا ہوں۔'' نواب خیرات علی نے کہا۔

''جی کیا مطلب۔''؟ شیکی مسرت سے بولا۔

''میرا مطلب ہے میں اب یہ کوٹھی فروخت کرنے کے لئے تیار ہوں۔''

''اوہ داداجان زندہ باد داداجان زندہ باد۔ رحمٰن بھائی رحمٰن بھائی۔ داداجان کو عقل آ گئی۔'' دردانہ زور زور سے چیخنے لگی اور نواب خیرات علی چونک کر اسے دیکھنے لگے۔

''خاموش بیٹھو۔ میرے سامنے بدتمیزی کر رہی ہو۔''؟

”نہیں دادا جان مسرت سے پاگل ہو رہی ہوں ذرا دیکھئے تو سہی یہ اما نے جیسے دھوبی لوگ اس کوٹھی میں دندناتے ہوئے گھس آتے ہیں۔ ہاں ہمیں نہیں رہنا اس کوٹھی میں جہاں آنے جانے والے کو اندر داخل ہوتے ہوئے ذرا سی جھجک بھی نہ ہوتی ہو۔ ہم کوئی ایسی شاندار کوٹھی خریں گے جو ہمارے شایانِ شان ہو۔“ دردانہ نے کہا۔

”ہوں۔“ نواب خیرات علی پرخیال نگاہوں سے دردانہ کو دیکھنے لگے۔ پھر شیکی کی طرف دیکھ کر بولے۔

”ہاں تو میاں بات کرو۔“

”جی وہ نواب صاحب۔ آپ آپ تیار ہیں کوٹھی فروخت کرنے کے لئے۔“؟

”ہاں ہم تیار ہیں۔ ہم آج ہی اسے فروخت کر دیں گے۔ جاؤ اپنے نواب کو ٹیلی فون کر کے کہو کہ کوٹھی کا سودا کرے۔“ نواب خیرات

علی نے کہا۔ دردانہ خوشی سے پاگل ہو گئی تھی اور اب وہ یہاں نہ رُک سکی۔ تھوڑی دیر کے بعد رحمٰن احتشام صاحب اور خاندان کے چند دوسرے افراد بھی اس کمرے میں جمع تھے۔ وہ سب شیکی کو گھیرے ہوئے تھے۔ کوٹھی کا سودا ہونے لگا اور شیکی نے سارے معاملات طے کر لیے۔ پھر اس نے پرمسرت انداز میں کہا۔

"میں بس دوپہر تک آپ کو یہ بیانہ پہنچا دوں گا۔"

"ایسی تیسی بیانے کی۔ نواب صاحب سے بات کرو جب ہم کوٹھی بیچنے پر ہی تُل گئے تو پھر کیسا بیانہ کاہے کا بیانہ۔ دوپہر کو رقم لے آئیں یا چیک لے آئیں اور یہ کوٹھی خرید لیں ہم اسے تین دن کے اندر اندر خالی کر دیں گے۔"

"جی بہت بہتر۔" شیکی نے جواب دیا اور مؤدب انداز میں اٹھ گیا پھر دروازے کے قریب پہنچ کر بولا۔ "حضور قبلہ نواب صاحب،

نوابوں کی زبان ایک ہی ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"؟

"جج جی کچھ نہیں۔ میں دوپہر کو آپ سے آخری گفتگو کرنے کے لئے حاضر ہوں گا۔"

"ٹھیک ہے آجانا۔" نواب صاحب نے جواب دیا اور شیکی مسرت سے قلانچیں بھرتا ہوا باہر نکل گیا۔ ان کا یہ کیس بھی کامیاب ہو گیا تھا۔

رچرڈ، گرینگو اور بہراموسخت پریشان تھے۔ گولیور کی دیوانگی نے انہیں بدحواس کر ڈالا تھا۔ گولیور کو نصیبو کی تلاش تھی۔ ہر اس جگہ سے وہ نصیبو کے بارے میں معلومات حاصل کرتا پھر رہا تھا جہاں بدمعاشوں کی رہائش گاہ تھی اس کا خیال تھا کہ نصیبو کے صحیح ٹھکانے کا پتہ

بدمعاشوں کے کسی اڈے سے ہی مل سکتا ہے۔وہ نصیبو کو کچا چبا ڈالنے کی فکر میں تھے۔اس وقت بھی وہ ایک ایسے ہی ہوٹل میں داخل ہوا جس کے بارے میں اسے اطلاع ملی تھی کہ نصیبو اکثر یہاں نظر آتا ہے۔

ہوٹل کیا تھا، صحیح معنوں میں منشیات کا اڈہ تھا رچرڈ وغیرہ بھی اس وقت ساتھ ہی تھے۔یہاں گولیور نے اس ہوٹل کے مالک رمضان کو پکڑا اور اسے مار مار کر ادھ موا کر دیا۔

"بتا نصیبو کہاں ملے گا۔کہاں ہے وہ۔"؟ گولیور نے ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا۔

رمضان کے ہوش وحواس خراب ہو چکے تھے اس کے بدن کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا اس نے سہمے ہوئے انداز میں گولیور کی صورت دیکھتے ہوئے کہا۔

’’مم میں۔میں اس کے کسی صحیح اڈے کے بارے میں نہیں جانتا جناب۔لیکن اگر آپ اسے اٹین روڈ کی کوٹھی نمبر ایکس میں دیکھیں تو شاید وہ مل جائے۔میں نے اکثر اسے وہاں دیکھا ہے۔‘‘ رمضان نے کہا۔

’’سچ بولتا ہے تو۔‘‘؟

’’جی ہاں جناب۔میں اب جھوٹ نہیں بول سکتا۔‘‘

’’ٹھیک ہے رچرڈ تم یہاں رک کر نگرانی کرو اس کی کہیں، جانے نہ پائے یہ۔میں اس کی بتائی ہوئی جگہ کو چیک کرتا ہوں۔‘‘ گولیور بولا اور رچرڈ نے گردن ہلادی۔لیکن سخت پریشان تھا وہ۔

بہرصورت گولیور چلا گیا اور رچرڈ رمضان کی نگرانی کرنے لگا۔

’’تم۔۔۔تم جانتے ہو نصیبو تمہارا کیا حشر کرے گا اس کے باوجود تم نے میرے ساتھ یہ سلوک کیا ہے۔‘‘ رمضان نے کہا۔

''مم میں مجبور تھا رمضان۔ میں خود مصیبت کا شکار ہوں۔'' رچرڈ نے کہا۔

''اور میں تمہاری تمام مصیبتیں دور کرنے کے لئے موجود ہوں۔''

عقب سے آواز آئی اور رچرڈ چونک کر پلٹ پڑا۔

نصیبو اس کے سامنے کھڑا تھا۔ اپنی اصلی شکل وصورت میں۔

رچرڈ نے ایک دوبار اسے رین بوکلب میں دیکھا تھا اور اسے اچھی طرح جانتا تھا۔ اس وقت نصیبو کو اپنے پاس دیکھ کر رچرڈ کے بدن میں کپکپی دوڑ گئی۔

''استاد نصیبو میں۔۔۔ میں۔۔۔''

''کوئی بات نہیں رچرڈ، میں جانتا ہوں کہ تم اس پاگل کتے کے ساتھی ہو اور مجبوراً اس کا ساتھ دے رہے ہو لیکن تمہیں اس بات کا علم ہوگا کہ یہاں گولیور جیسے آدمی کی گنجائش نہیں ہے پھر تم نے اس

کا ساتھی بننا کیوں پسند کیا۔''؟

''اوہ استاد نصیبو بس یوں سمجھو کہ آج کی بات نہیں، میں بہت عرصے سے اس کے چکر میں پھنسا ہوا تھا۔ خدا کے لئے مجھے معاف کر دو۔'' رچرڈ نے خوفزدہ لہجے میں کہا۔

''ٹھیک ہے میں معاف کر دوں گا۔ لیکن میری بھی کوئی شرط ہوگی رچرڈ۔''؟

''میں ہر شرط ماننے کے لئے تیار ہوں استاد نصیبو بس مجھے اس عذاب سے نجات دلا دو، میں خود زندگی سے عاجز آگیا ہوں۔''

''ٹھیک ہے میں تیار ہوں تمہیں اس عذاب سے نجات دلانے کے لئے، لیکن تمہیں بھی کچھ کرنا ہوگا۔''

''بتاؤ مجھے میں کیا کر سکتا ہوں۔''؟

''گولیور کے صحیح ٹھکانے کا پتہ مجھے بتاؤ اور یہ بتاؤ کہ وہ یہاں

کیوں آیا ہے اور کیا کر رہا ہے۔''؟

''اوہ مسٹر نصیبو آپ میری حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں۔''؟

رچرڈ نے کہا۔

''سو فیصدی۔ گولیور تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔''

''تو پھر براہِ کرم میرے ساتھ چلیئے، گولیور تو اس وقت آپ کی تلاش میں اٹین روڈ پر گیا ہوگا۔ آپ میرے ساتھ چلیئے میں آپ کو اس کی صحیح رہائش گاہ پر لے چلتا ہوں۔ اس وقت اس کے ساتھی بھی وہاں موجود نہیں ہوں گے۔'' رچرڈ نے جواب دیا۔

''ہوں ٹھیک ہے میں اس کا انتظام کیے لیتا ہوں اور اٹین روڈ کی کوٹھی کے سلسلے میں بھی مکمل انتظامات کیے لیتا ہوں رمضان کو اس نے جس طرح مارا ہے اس کا اسے حساب دینا ہوگا۔ رمضان تم اگر چاہو تو میں تمہیں ہسپتال پہنچا دوں۔''؟

"نہیں جناب میں ٹھیک ہوں، یہیں پر میں اپنی مرہم پٹی کرالیتا ہوں۔" رمضان نے جواب دیا اور نصیبو ٹیلی فون کی جانب بڑھ گیا۔

رچرڈ نے ہاتھ پاؤں ڈال دیئے تھے اس نے خود ہی اپنا پستول نکال کر نصیبو کے سامنے پھینک دیا۔ درحقیقت وہ گولیور کی دیوانگی سے تنگ آچکا تھا۔

سہیل یا نصیبو نے کوٹھی نمبر اکیس کے نمبر ڈائل کر کے وہاں موجود لوگوں کو کچھ ہدایات دیں اور اس کے بعد اطمینان سے رچرڈ کے ساتھ باہر نکل آیا۔ تھوڑی دیر کے بعد رچرڈ اسے لئے ہوئے ایک کوٹھی میں داخل ہو گیا۔ کوٹھی سنسان پڑی تھی اور اس وقت کوٹھی میں کوئی بھی نہیں تھا۔ رچرڈ اسے کوٹھی کے مختلف حصوں میں لایا اور پھر ایک مخصوص جگہ لا کر اسے چھوڑ دیا۔

"یہ گولیور کی خاص رہائش گاہ ہے۔ اگر آپ یہاں اس کے

بارے میں کچھ ثبوت یا معلومات حاصل کر سکتے ہیں تو کر لیں۔" اس نے کہا۔

"ٹھیک ہے ڈیئر تم باہر بیٹھو، اور سنو میرے ساتھ کسی فریب کی کوشش کا نتیجہ جو کچھ بھی ہو سکتا ہے اس کا اندازہ تو تمہیں ہوگا۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ میں خود آپ کو یہاں تک لایا ہوں بھلا آپ کے خلاف کوئی کاروائی کیوں کروں گا۔" رچرڈ نے جواب دیا اور نصیبو نے گردن ہلا دی۔

ویسے در حقیقت اس نے بڑا خطرہ مول لیا تھا لیکن شاید وہ انسان شناس بھی تھا، سمجھ گیا تھا کہ رچرڈ اس وقت کس کیفیت کا شکار ہے۔ بہر صورت کچھ دیر کی کوشش کی بعد اس کے ہاتھ کچھ ایسی چیزیں لگ گئیں جو اس کے لئے مسرت کا باعث تھیں۔ وہ کوٹھی سے نکل آیا اور پھر رچرڈ کو ساتھ لے کر اپنی گاڑی میں بیٹھتا ہوا بولا۔

''ڈیئر رچرڈ اس تعاون کے سلسلے میں تم جو کچھ بھی مجھ سے چاہو گے وہ میں منظور کرلوں گا۔ بس اب تم جہاں بھی جانا چاہو جاؤ۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ وہیں ہوٹل میں رمضان کی نگرانی کرتے رہو تا کہ اس وقت تک جب تک گولیور میرے شکنجے میں نہ پھنس جائے اسے تم پر شبہ نہ ہو سکے۔''

''میں بے حد شکر گزار ہوں استاد نصیبو، میں آپ کے اس احسان کا بدلہ ادا نہیں کرسکتا۔'' رچرڈ نے جواب دیا اور نصیبو نے اسے ہوٹل کے نزدیک ہی چھوڑ دیا۔ پھر وہ مسکراتا ہوا اپنی کار میں بیٹھا اور وہاں سے کہیں چل پڑا۔

گولیور اتنا پریشان تھا کہ اچھے برے کی تمیز ہی کھو بیٹھا تھا۔ اس کی کیفیت بالکل پاگلوں کی سی تھی اس کے دونوں ساتھی سخت پریشان

تھے۔ وہ نصیبو کے بارے میں اچھی طرح جانتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اگر گولیور اور وہ نصیبو کے ہتھے چڑھ گئے تو پھر ان کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی اس کے شکنجے سے نجات حاصل کرنا مشکل ہی تھا اور اس وقت گولیور اٹیمن روڈ کی کوٹھی نمبر اکیس میں تنہا ہی گھستا چلا جا رہا تھا، دونوں آدمی نکل بھاگنے کی فکر میں تھے اور پھر انہیں بہترین موقع مل گیا۔

اٹیمن روڈ کی کوٹھی نمبر اکیس کے سامنے گولیور نے انہیں گاڑی سے نیچے اُتارا اور سرد لہجے میں بولا۔

”تم میں سے ایک کوٹھی کے سامنے کی سمت میں رکے اور دوسرا عقب میں چلا جائے اور میں جب اشارہ کروں، تم میرے مخصوص اشارے کو سمجھتے ہونا تو تم لوگ اندر گھس آنا۔ اس دوران کوئی باہر سے کوٹھی میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو تم اُسے۔۔۔ روکنا خواہ

تمہیں گولی ہی کیوں نہ چلانا پڑے یا پھر کوٹھی سے نکل کر بھاگنے کی کوشش کرے تب بھی اسے روکنا تمہارا ہی فرض ہوگا۔" گولیور نے کہا۔

"آپ مطمئن رہیں مسٹر گولیور۔" دونوں نے بیک وقت جواب دیا۔ یہ تو انہیں غیبی امداد حاصل ہوئی تھی اس طرح وہ شیر کی کچھار میں جانے سے بچ گئے تھے۔

گولیور پستول لے کر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے عقبی چہار دیواری سے کودنا پسند کیا تھا۔ خاصی وسیع اور کشادہ کوٹھی تھی ایک وسیع و عریض باغ لگا ہوا تھا اس میں گولیور درختوں کی آڑ لیتا ہوا اصل عمارت کی طرف چل پڑا تھوڑی ہی دیر کے بعد وہ اس کے عقبی دروازے پر تھا۔ اس نے عقبی دروازے کو دھکیل کر دیکھا اور شاید اس کی خوش بختی ہی تھی کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ عقبی دروازے سے داخل ہو کر وہ ایک کوریڈو

میں پہنچ گیا۔کوریڈو نہایت صاف شفاف تھا۔بہر طور چند لمحات کے
بعد وہ آگے بڑھنے لگا۔

دونوں سائڈ کمروں کی قطاریں تھیں۔لیکن یہ تمام کمرے باہر
سے بند تھے۔اس کا مقصد صاف تھا یعنی ان کمروں میں کوئی نہیں
ہے۔کوریڈو کا آخری سرا ایک کمرے کے دروازے تک پہنچتا تھا۔
گولیو اس دروازے تک پہنچ گیا اس نے کان لگا کر اندر کی آوازیں
سنیں۔لیکن کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔اتفاق کی بات تھی کہ
یہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔گولیو اس دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک بہت بڑا ہال تھا۔انتہائی خوبصورت فرش ،فرش پر سرخ
رنگ کا ایک قالین بچھا ہوا تھا اور قالین کے چاروں طرف گاؤ تکیئے
لگے ہوئے تھے۔گاؤ تکیوں کے سامنے ہی تین چار انسٹرومنٹ رکھے
ہوئے تھے،جن میں ہارمونیم ،طبلہ ،ڈھول ،اور چند ایسی ہی دوسری

چیزیں تھیں۔

گولیور نے متحیرانہ نگاہوں سے ان چیزوں کو دیکھا اور اسی وقت عقب سے دروازہ ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ گولیور چونک کر پلٹا اس نے دروازے کو اندر سے پکڑ کر کھولنے کی کوشش کی لیکن دروازہ بند تھا دوسرے لمحے ہو دوسرے دروازے کی طرف لپکا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا۔ یہ ہال کا دوسرا دروازہ تھا، لیکن یہ دروازہ بھی اسے بند ہی ملا۔ گویا گولیور اب اس ہال میں قید ہو گیا تھا۔ اس نے وحشت خیز نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن اس کی سمجھ میں کوئی بات نہ آسکی۔

وہ ادھر اُدھر دیکھتا رہا اور تلاش بسیار کے باوجود اسے کوئی دروازہ یا کھڑکی کھلی نہ مل سکی یہ صورت حال خاصی خطرناک تھی۔

اس نے وحشت خیز نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا چھت کے

قریب روشندان موجود تھے لیکن اتنی بلندی پر کہ وہاں تک پہنچنے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔تب گولیورو حشت زدہ انداز میں چیخ پڑا۔ ''دروازہ کھول دو نصیبو دروازہ کھول دو،ورنہ اچھا نہیں ہوگا،میں تمہاری موت بن کر آیا ہوں۔'' لیکن اسے کوئی جواب نہ ملا۔

''تھوڑی دیر تک گولیور دیکھتا رہا،عجیب وغریب جگہ پھنس گیا تھا۔ اب تو وہ اپنے آدمیوں کو بھی کوئی اشارہ نہیں دے سکتا تھا۔آواز دینے کی کوشش کرتا تو ظاہر ہے اس کی آواز بھی باہر نہیں جا سکتی تھی۔یہ سب تو بڑا عجیب وغریب ہوا تھا اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفعتاً اسے ایک روشندان کے نزدیک کوئی سرسراہٹ سنائی دی اور پھر ایک بدنما پرندہ روشندان سے اندر داخل ہو گیا۔

یہ ایک چیل تھی۔بھلا اس چیل کا روشندان سے کیا تعلق۔لیکن چیل تھی کہ قیامت وہ ہال میں چکرانے لگی اور پھر اس نے گولیور پر

ایک جھپٹا مارا، اس کے پنجے خاصے نوکیلے تھے۔ گولیور کے سر سے یہ پنجے ٹکرائے اور اس کی سر میں جلن ہونے لگی دوسرے لمحے اس نے پستول نکال لیا اور چیل کا نشانہ لینے لگا۔

لیکن چیل پورے ہال میں اڑتی پھر رہی تھی، گولیور اس کے ساتھ ساتھ ناچ رہا تھا۔ چیل نے ایک بار پھر جھپٹا مارا اور گولیور نے اس فائر کردیا۔ گولی چھت کے قریب لگی تھی، چیل صاف بچ گئی تھی۔ دوسرے لمحے اسی روشندان سے ایک اور چیل آ گئی۔ گولیور نے وحشیانہ انداز میں اس چیل پر بھی فائر کیا لیکن دوسری چیل بھی بچ گئی البتہ وہ جھکی اور اس نے گولیور کی گردن پر خاصا زوردار جھپٹا مارا۔

گولیور کی گردن سے خون نکلنے لگا تھا۔ گولیور نے پھر نشانہ لے کر گولی چلائی اور چیل نیچے آ پڑی۔ لیکن ابھی دوسری چیل باقی تھی اور بدستور ہال میں چکرا رہی تھی، پھر ذرا دیر اور گزری کہ ایک تیسری

چیل اس روشندان سے اندر داخل ہوگئی۔ گولیور کے حلق سے دھاڑیں نکل رہی تھیں اس کا سر چکرا رہا تھا اس نے لگا تار فائرنگ شروع کر دی اور چند ہی لمحات کے بعد اس کا پستول خالی ہوگیا۔ دیوانگی کے عالم میں فالتو میگزین بھی جیبوں میں رکھنا بھول گیا تھا اور اب یہ پستول اس کے لئے بے کار ہو چکا تھا۔

غصے اور دیوانگی کے عالم میں اس نے پستول ہی چیلوں پر کھینچ مارا لیکن دونوں چیلیں بچ گئیں اور پھر ایک ایک کر کے روشندان سے باہر نکل گئیں۔ تیسری چیل زمین پر پڑی ہوئی تھی۔

گولیور کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی آنکھیں بند ہوئی جا رہی ہوں، غالباً چیلوں کے پنجوں میں کوئی نشہ آور چیز لگی ہوئی تھی اور چونکہ ایک چیل اپنے پنجے گولیور کی گردن میں مارنے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ چنانچہ وہ بے ہوش کر دینے والی شے گولیور کے خون میں

سرایت کر گئی تھی۔ تھوڑی دیر تک وہ چکرائی ہوئی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا اور پھر ہانپتے ہوئے ایک طرف بیٹھ گیا اس کی آنکھیں اب بالکل ہی بند ہو گئی تھیں اور چند لمحات کے بعد وہ فرش پر اوندھا لیٹ گیا تھا۔ لیکن یہ بے ہوشی کتنی طویل تھی اس کا اسے کوئی اندازہ نہ ہو سکا۔ البتہ جب اسے ہوش آیا تو وہ ایک آرام دہ اور خوب صورت کمرے کے ایک بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ بیڈ پر سفید چادر بچھی ہوئی تھی اور قرب و جوار کا ماحول بھی بے حد پاکیزہ سا تھا۔ ایک عجیب سی خوشبو فضا میں رچی ہوئی تھی۔ غالباً ائیر فریشنر کی خوشبو تھی۔

وہ چکراتے ہوئے ذہن سے حالات کا جائزہ لیتا رہا اور پھر دوسرے لمحے وہ اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے وحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔

یہ کمرہ ایک حسین ترین آرام گاہ تھا۔ یہاں آرائش کی بہت سی

چیزیں سجی ہوئی تھیں۔ سامنے ہی ایک خوبصورت ڈریسنگ ٹیبل بھی نظر آ رہی تھی۔ ایک طرف باتھ روم کا دروازہ تھا۔

گولیو روحشت زدہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھتا رہا۔ آہستہ آہستہ سارے واقعات اسے یاد آتے جا رہے تھے اس کا ہاتھ بے اختیار اپنی گردن پر اس جگہ پہنچ گیا جہاں چیل نے جھپٹا مارا تھا اب وہاں ٹیپ چپکا ہوا تھا۔ گویا اس کی بینڈ یج کی گئی تھی۔ وہ کراہتا ہوا اپنی جگہ سے اُٹھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مارے۔ باتھ روم کی طرف بڑھتے ہوئے وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے گزرا لیکن ڈریسنگ ٹیبل میں اپنا عکس دیکھ کر وہ چیخ پڑا۔ اس نے پھر تحیر خیز نگاہوں سے اپنے چہرے کو دیکھا۔ لیکن وہ، وہ خود تو نہ تھا، اس کا لباس زنانہ تھا۔ مونچھیں صاف کر دی گئی تھیں بھنویں پتلی کر دی گئی تھیں۔ ایک عجیب و غریب شکل اس کے سامنے تھی جس پر خوب گہرا میک اپ

کیا ہوا تھا۔ ہونٹوں پر لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی اور کانوں میں ٹوپس پہنائے ہوئے تھے۔ گولیور نے وحشت کے عالم میں وہ لباس اُتار کر پھینک دیا اب وہ برہنہ ہو گیا تھا۔ لیکن کمرے میں کوئی دوسرا لباس نہیں تھا۔ اس نے کمرے میں موجود ایک الماری پر جھپٹا مارا۔ لیکن الماری خالی پڑی ہوئی تھی اس میں کوئی لباس نہیں تھا۔ کپڑا نام کی کوئی چیز یہاں نہیں تھی۔ اسے اپنے آپ سے وحشت ہونے لگی۔ پھر وہ باتھ روم میں چلا گیا۔ باتھ روم کشادہ اور جدید طرز کا تھا اس نے اپنے چہرے کو رگڑ رگڑ کر دھویا مگر یہ میک اپ شاید پلاسٹک میک اپ تھا اور ایمونیا کے بغیر صاف نہیں ہو سکتا تھا۔ لپ اسٹک بھی شاید واٹر پروف تھی اور پانی سے صاف نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اپنے ہونٹ رگڑ ڈالے لیکن لپ اسٹک نہ چھوٹنا تھی نہ چھوٹی۔

اسے اپنا چہرہ بے حد مضحکہ خیز لگ رہا تھا۔ لیکن اب اسے صاف

کرنا اس کے بس کی بات نہیں تھی۔اس کے حلق سے غراہٹیں نکلتی
رہیں۔ٹھنڈا پانی اسے بے حد سکون دے رہا تھا وہ کافی دیر تک
ٹھنڈے پانی کے نیچے بیٹھا رہا۔اور پھر جب تھک گیا تو اس نے شاور
بند کر دیا۔

ابھی تک پے در پے ایسے واقعات پیش آتے رہے تھے جنہوں
نے گولیور کو کچھ سوچنے کی مہلت ہی نہیں دی تھی۔لیکن کب تک۔اس
نے اپنی حالت پر غور کیا۔یہ سب کیا ہو گیا اب کیا ہو گا اسے یہاں
آئے ہوئے نہ جانے کتنی دیر گزر گئی کیا اس کے ساتھی اب بھی باہر
موجود ہوں گے یا۔۔۔وہ بھی گرفتار ہو گئے۔

بڑی انوکھی صورتِ حال تھی۔اس نے بے خیالی کے عالم میں
باتھ روم کا دروازہ کھولا اور دفعتاً بہت سے قہقہے اس کے کانوں سے
ٹکرائے۔دوسرے لمحے اس نے بدحواس ہو کر دروازہ بند کر لیا۔اس

کا چہرہ دھواں ہو گیا تھا۔ اس کے بدن پر تو لباس بھی نہیں تھا۔

چند لمحات اسی بدحواسی کے عالم میں وہ دروازے کے ساتھ کھڑا رہا پھر اس نے دروازہ کھولا اور گردن نکال کر باہر دیکھنے لگا۔ لیکن باہر جو مخلوق نظر آئی وہ بھی حیرت انگیز تھی۔

وہ یقیناً مرد تھے۔ لیکن زنانہ لباس میں ملبوس۔ چہروں پر میک اپ کیے ہوئے۔ لیکن بڑا بھدا میک اپ تھا یہ۔ بہت عجیب لگ رہے تھے وہ۔

"میرا لباس لاؤ۔" گولیور چیخا۔

"لے لو بوا۔ خود ہی اتار پھینکا تھا۔ اب تو یہی پہننا پڑے گا۔!"
ان میں سے ایک نے کہا۔ اور وہی رنگین بے تکا لباس گولیور کی طرف بڑھا دیا۔

گولیور اس کی بات تو نہیں سمجھ سکا تھا لیکن اس لباس کو دیکھ کر وہ

پھر دہاڑا۔ ”میرا لباس دو۔“

اے لو بوا۔ یہ تو بڑی مشکل ہو گئی۔ یہ ولایتی ہیجڑا انگریزی میں

گانے گائے گا۔ اے میاں اردو بولو۔ اردو۔“

”ایک منٹ آپا۔ میں اس سے انگریزی میں بات کروں۔“

دوسرے ہیجڑے نے کہا۔ اور باتھ روم کے پاس پہنچ کر انگریزی میں

بولا۔

”کپڑے کیوں نہیں لے رہے۔“؟

”میرا لباس کہاں ہے۔“؟

”ولایت پہنچ گیا اب تو۔ یہ کپڑے پہننے ہیں تو پہن لو نہیں تو ایسے

ہی رہو گے۔“

”میں تم سب کو۔ نصیبو کو۔ زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں ۔۔۔

میں ۔۔۔“ گولیور غرانے لگا۔ تب ہیجڑے نے کمرے میں موجود

ہیجڑوں کی طرف رُخ کر کے کہا۔

"چلوری چلو۔شروع ہو جاؤ۔بکری کا بچہ۔ہائے ہائے نہ باپ نہ چچا۔ہائے ہائے ۔لندن سے آیا۔ہائے ہائے۔کچھ بھی نہ لایا۔ہائے ہائے۔" اس کے ساتھ ہی ڈھول بجنے لگا۔چند ہیجڑے ناچنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔اور گولیور اپنے بال نوچ رہا تھا۔بڑی خراب پوزیشن تھی۔باہر نہیں نکل سکتا تھا کیونکہ بے لباس تھا اور پھر جو لوگ باہر موجود تھے۔ان کے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا۔

باہر ناچ گانا ہوتا رہا اور اندر گولیور بل کھاتا رہا۔پھر اس نے زور سے درواز پیٹا۔اور ناچ رک گیا۔

"کیا ہے رے ولایتی ، ہیجڑے۔کیوں شور مچا رہا ہے۔"؟

"مجھے لباس دو۔!"

"یہی لباس ہے پہننا ہے تو پہن لے۔"

”لاؤ۔ یہی لاؤ۔“ گولیور نے کہا اور ایک ہیجڑے نے وہی بے تکا زنانہ لباس گولیور کو دے دیا۔ گولیور کی آنکھیں خون کی طرح سُرخ ہو رہی تھیں۔ اس نے لباس پہنا اور پھر کسی زخمی بیل کی طرح باہر نکل آیا۔ سامنے ہی جو ہیجڑا اسے نظر آیا اس نے پوری قوت سے اس پر حملہ کر دیا۔

”اری میری میّا۔ اے بشیرا آپا سنبھالو اسے۔“ مار کھانے والا ہیجڑا چیخا اور ایک دوسرے ہیجڑے نے ڈھول اٹھا کر گولیور کے سر پر دے مارا۔ گولیور ایک لمحے کے لئے چکرا گیا تھا لیکن پھر وہ سنبھلا اور اس نے باقاعدہ جنگ شروع کر دی۔

لیکن جن لوگوں سے وہ لڑ رہا تھا وہ شیطان تھے۔ عجیب عجیب طرح چیخ رہے تھے۔ کولہے مٹکا رہے تھے تالیاں بجا رہے تھے اور گولیور کو مار رہے تھے۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس لئے

گولیور کی ایک نہ چل رہی تھی۔ ذرا سی دیر میں وہ مار کھا کھا کر نڈھال ہو گیا۔

تبھی دروازے سے ایک آواز اُبھری۔ ''کیا ہو رہا ہے یہ''؟

☆

سہیل ایک خوبصورت لباس میں ملبوس دروازے میں کھڑا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس وقت بے حد پُر وقار تھے اور وہ ایک حسین نوجوان نظر آ رہا تھا۔

گولیور نے اسے دیکھا اور اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے۔ اس نے اپنی جگہ سے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ٹانگوں نے ساتھ نہیں دیا۔ تب وہ دوبارہ اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ اس کی حالت واقعی خراب ہو گئی تھی۔

''کیا ہو رہا ہے یہ سب۔''؟ سہیل نے پُر وقار آواز میں پوچھا۔

''ریاض کر رہے تھے ہم سب۔'' ہیجڑوں نے جواب دیا۔

''ہوں، جاؤ۔ باہر جاؤ۔'' سہیل نے کہا اور تمام ہیجڑے باہر چلے گئے۔ گولیور نے کہا۔

''تم۔۔۔تم نصیبو ہو۔''؟

''میرے خیال میں تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو مسٹر گولیور۔''

''میں نے۔۔۔میں نے تو تمہارے بہت سے روپ دیکھے ہیں۔ تم حقیقت میں کیا ہو۔''؟

''حقیقت کچھ نہیں ہوتی۔ اس چکر میں مت پڑو میں حقیقت میں کیا ہوں مجھے خود بھی نہیں معلوم۔''

''لیکن۔۔۔لیکن تم کیا کر رہے ہو۔ تمہارا کاروبار کیا ہے۔''؟

''کچھ بھی گولیور۔۔۔مجھے کوئی بھی کاروبار کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں ایک دولت مند انسان کا اکلوتا بیٹا ہوں۔ اتنی

دولت ہے میرے پاس کہ میری پشتوں کے لئے کافی ہوسکتی ہے۔''
سہیل نے جواب دیا۔

''پھر تم نے یہ سارے جھگڑے کیوں پال رکھے ہیں۔۔''؟

''اس سوال کا جواب تمہارے لئے بے کار ہوگا۔''

''نہیں۔میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔''

''تم اس عمارت میں کیوں داخل ہوئے تھے۔''؟

''تمہیں قتل کرنے کے لئے۔''

''تو اب میں تمہارے سامنے موجود ہوں۔آؤ۔اُٹھو قتل کر دو مجھے۔'' سہیل نے کہا۔

''یوں لگتا ہے کہ جیسے یہ میرے لئے ممکن نہ ہو۔'' گولیور نے پھُسپھُسی سی آواز میں کہا۔

''کیوں۔''؟

"تم بے حد چالاک اور بے حد خطرناک نوجوان ہو۔ میں نے اتنی کم عمری میں کسی کو اتنا تجربہ کار اور اتنا چالاک نہیں دیکھا۔"

"یہ الفاظ تم کہہ رہے ہو گولیور۔"؟

"ہاں، یہ حقیقت ہے۔ میں بخل سے کام نہیں لیتا۔"

"تمہارا تو یورپ میں طوطی بولتا ہے۔"

"جن حالات سے مجھے یہاں واسطہ پڑا ہے۔ ان کے بارے میں میری عقل خود حیران ہے۔"

"لکھ کر دے سکتے ہو۔"؟

"کیا۔"؟

"یہی کہ بڑا مجرم میں ہوں تم نہیں۔ کیا تم یہ اعتراف تحریری طور پر پسند کرو گے۔"؟

"اس کی کیا ضرورت ہے۔"؟

"ہے گولیور۔۔۔ ہے میری کہانی سنو گے تو دنگ رہ جاؤ گے تم۔ میں جو کچھ ہوں تم اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔"

گولیور کی ذہنی رو بھی بہک گئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جاننے کا خواہش مند تھا۔ چنانچہ اس نے کہا۔ "کیا تم مجھے اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے۔"؟

"ہاں اگر تم سب کچھ بھول کر سنجیدگی سے سننا پسند کرو گے۔"؟

"ضرور۔۔۔ ضرور۔۔۔ میں تمہارے بارے میں جاننا چاہتا ہوں۔"

"تو سنو۔!" سہیل ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی آنکھیں نیم غنودہ ہونے لگیں۔ "میں ایک بہت بڑے باپ کا بیٹا ہوں ایک اتنے دولت مند باپ کا بیٹا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کروڑوں کی جائداد میرے نام ہے۔ میں ساری زندگی آرام سے گزار سکتا ہوں لیکن

نجانے کہاں غلطی ہو گئی۔ میری شخصیت میں ایک سقم رہ گیا مسٹر گولیور والدین کی چہیتی اولاد عجیب و غریب حالات میں پیدا ہوئی۔ میری تشخیص نامکمل رہ گئی، کوئی مجھے عورت نہ۔۔۔ کہہ سکا اور کوئی مجھے مرد نہیں کہہ سکتا۔ میرے والدین خود اس اُلجھن میں ہیں آج تک کہ مجھے کس نام سے مخاطب کریں۔ لوگ مجھے نبیل کہتے ہیں۔ میں خود کو نصیبو کہتا ہوں۔ والدین خود بھی اُلجھن میں تھے کہ میرا کیا نام رکھیں۔ بہتر طور پر مجھے اپنے ماحول کی وہ مخلوق قرار دے دیا گیا جس کا شمار نہ مردوں میں ہوتا ہے اور نہ عورتوں میں ہوتا ہے۔ اور اسی انداز میں میں پروان چڑھتا رہا۔ میرے والدین نے ہر طرح سے میری تشخیص کی کوششیں کیں لیکن بڑے بڑے ڈاکٹروں نے بھی یہ کہہ دیا کہ میں نامکمل ہوں اور نامکمل ہی رہوں گا۔ بتاؤ گولیور مجھے کیا بننا چاہئے تھا ان حالات میں۔؟ میں لڑکوں کی طرح پروان چڑھا

ہوں۔لیکن کبھی کبھی میرے ذہن پر لڑکی بننے کا خبط بھی سوار ہو جاتا
ہے۔اب تم خود سوچو اس وقت یہ سب کچھ میں تمہیں کیوں سنا رہا
ہوں۔تم تو میرے بدترین دشمنوں میں سے ہو۔میں تم سے کسی
ہمدردی کی توقع نہیں رکھتا اور نہ ہی مجھے ہمدردیوں سے دلچسپی ہے۔
جب میری ذات ہی نامکمل رہی ہے تو میں اس کا رونا رو کر خود کو مکمل
کرنے کی کوشش کیوں کروں۔ہاں یہ ایک جھنجھلاہٹ میرے ذہن میں
ضرور بے دار ہو گئی ہے کہ میں عورت نہیں ہوں، میں مرد نہیں ہوں تو
پھر کیا ہوں۔میں نے عورتوں کا روپ دھار کر بہت سے مردوں کو بے
وقوف بنایا ہے اور میں نے مردوں کا روپ دھار کر اپنے آپ کو ایک
مکمل مرد کی حیثیت سے اپنے آپ کو روشناس کرایا ہے، یہاں کے
بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگ، جن کے ناموں سے لوگوں کی سانسیں
رُکنے لگتی ہیں۔یہاں کے وہ خطرناک ترین مجرم جو اپنے آپ کو

ناقابلِ تسخیر سمجھتے ہیں۔ میرے سامنے سرنگوں ہو چکے ہیں۔ میرا تو اپنا یہ خیال تھا کہ میں یورپ نکل جاؤں اور وہاں بھی اپنے آپ کو منواؤں میں نہیں جانتا کہ فطرت نے مجھے نامکمل کیوں رکھا ہے۔ لیکن بذاتِ خود میں اپنی ذات کو مکمل ترین بنا کر پیش کرنے کا قائل ہوں۔ سمجھے تم مسٹر گولیور، اور مجال ہے کسی کی جو میرے سامنے ٹک سکے، جس نے میرے سامنے آنے کی کوشش کی منہ کی کھائی اور تم بھی انہی میں سے ایک ہو مسٹر گولیور۔"

"کمال ہے۔ کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو۔ سچ کہہ رہے ہو نصیبو۔"؟

"ہاں میں جھوٹ نہیں بولتا اور پھر تم جیسے لوگوں کے سامنے جھوٹ بولنے کا کوئی مقصد بھی نہیں ہے۔ کیونکہ تم میرے قیدی ہو۔" نصیبو نے کہا۔

"اوہ تعجب کی بات ہے۔ نجانے کیوں مجھے تم سے ہمدردی محسوس

ہو رہی ہے۔“

”حماقت کی باتیں مت کرو مسٹر گولیور، مجھ سے ہمدردی کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں قابلِ ہمدردی نہیں ہوں۔ فطرت نے مجھے میری ذات میں نامکمل رکھا ہے لیکن میں نے فطرت کو اس کی ذات سے محروم کر دیا ہے۔ میں سب کچھ ہوں مسٹر گولیور، میں سب کچھ ہوں، مجھے بتاؤ کیا میں خود میں نامکمل ہوں۔“

”نہیں ہٰصیبو کی حیثیت سے تم ایک خطرناک ترین شخصیت کے مالک ہو، میں اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ گولیور نے کہا۔

”تو اگر تم میری انا کے لئے میری تسکین کے لئے اپنے یہ الفاظ مجھے لکھ کر دے دو تو میں انتہائی مسرت محسوس کروں گا مسٹر گولیور، جواب دو۔“

”ہاں میں تمہیں لکھ کر دے سکتا ہوں، لیکن اس سلسلے میں ایک

سودا کرنا ہوگا۔" گولیور بولا۔وہ نصیبو کی فطرت سے کسی حد تک واقف ہوتا جارہا تھا۔۔۔اور سوچ رہا تھا کہ اگر اس طرح اس شخص کے چنگل سے نکلنے کا موقع مل جائے تو اس سے اچھی بات کیا ہوسکتی ہے۔اس کے بعد کے حالات جو کچھ ہوں گے وہ دیکھا جائے گا۔"

"کیسی شرط۔؟ مجھے بتاؤ۔" نصیبو نے کہا۔

"ہم دونوں دوستوں کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے۔تم میرے ساتھ یورپ چلو گے اور میں وہاں تمہارے لئے تمام کوششیں کروں گا۔شاید تمہیں میرے بارے میں تمام تفصیلات نہیں معلوم مسٹر نصیبو، یہ درست ہے کہ یہاں آکر میں تمہارے چنگل میں پھنس چکا ہوں اور حالات کا شکار ہوگیا ہوں لیکن یورپ میں میرے نام کا ڈنکا بجتا ہے۔وہاں میں جو چاہوں کرسکتا ہوں۔ہر چند کی وہاں کی پولیس میرے پیچھے ہے۔لیکن بڑے بڑے اعلیٰ افسران میرے

دوست بھی ہیں۔اور وہ ہر اس خطرے کا سدِ باب خود ہی کر لیتے ہیں جو مجھے پیش آنے والا ہوتا ہے۔ان حالات میں میں تمہارے لئے بہت کچھ کر سکوں گا۔"

"یہ سب بعد کی باتیں ہیں مسٹر گولیور، مجھے جواب دو کیا تم مجھے یہ سرٹیفکیٹ دینا پسند کرو گے۔"؟

"ہاں ہاں ٹھیک ہے، لاؤ کاغذ اور قلم منگوالو میں آپ کو لکھ کر دے دیتا ہوں۔" گولیور نے جواب دیا اور نصیبو نے دروازے کی طرف رُخ کر کے ہانک لگائی۔

"او بشیرن، کاغذ اور قلم لے آ، جلدی کر۔"

"لائی استاد۔" باہر سے آواز آئی اور تھوڑی دیر کے بعد انہی منحوس چہروں میں سے ایک اندر داخل ہو گیا۔جنہوں نے گولیور کا کباڑہ کر کے رکھ دیا تھا۔

ایک خوب صورت پیڈ اور قلم گولیور کے ہاتھ میں دے دیا گیا

اور گولیور نے اپنے بارے میں تفصیلات لکھتے ہوئے لکھا۔

"میں آلڈرس گولیور اس بات کا اعتراف کرتا

ہوں کہ اس ملک میں آ کر مجھے شدید ترین ذہنی

اذیتوں کا شکار ہونا پڑا ہے۔ میں جس نے اس

ملک میں داخل ہوتے ہی ایک غیر ملکی سفارت

خانے کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا۔ بے شمار

قتل کئے میں نے اور اس کے بعد ایک مخصوص

پروگرام کے تحت یہاں پر عمل پیرا ہو گیا۔ میں

جس نے یورپ کے بے شمار ملکوں میں تہلکہ

مچا رکھا ہے۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ یہاں آ

کر مسٹر سہیل یا نصیبو کے ہاتھوں میری وہ درگت

بنی جسے میں زندگی بھر نہیں بھول سکوں گا بہر طور

مسٹر نصیبو کے لئے یہ الفاظ سند کی حیثیت

رکھتے ہیں اور میں باہوش وحواس ان پر دستخط

کر رہا ہوں۔"

گولیور نے اپنے دستخط کیئے اور پیڈ نصیبو کی طرف بڑھا دیا۔

"شکریہ مسٹر گولیور! میں آپ کا بے حد شکر گزار ہوں۔ میں اپنی

برتری قائم کرنے کے لئے اس قسم کے بہت سے کاغذات جمع کر چکا

ہوں۔ کیا آپ انہیں دیکھنا پسند کریں گے۔"؟

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، کون کون سے لوگ ہیں جن سے تم ٹکرا

چکے ہو۔" گولیور نے پوچھا۔

"میں بتاتا ہوں۔" نصیبو بولا اور اُٹھ کر کمرے سے باہر چلا گیا۔

دروازہ بند ہو گیا تھا۔ گولیور انتظار کرتا رہا۔ دس منٹ، بیس منٹ،

چالیس منٹ، ایک گھنٹہ، دو گھنٹے اور دفعتاً وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اور اس کے پورے بدن میں سنسناہٹیں دوڑنے لگی تھیں۔ وہ دوڑتا ہوا دروازہ تک آیا اور زور زور سے دروازہ پیٹنے لگا۔ دروازہ تو نہ کھلا، لیکن ایک بہت ہی چھوٹی سی کھڑکی چھت کے قریب کھل گئی اور کسی نے اندر جھانک کر کہا۔

''کیا بات ہے بھیا، کیوں پھٹا پھٹ کئے جا رہے ہوں، گرمی لگ رہی ہے کیا، جاؤ غسل خانہ قریب ہے جا کر نہا لو۔''

''تصیبو کہاں ہے۔''؟

''اپنے گھر ہوگا۔'' جواب ملا۔

''کیا بکواس ہے، اسے ادھر بھیجو۔''

''ارے واہ کیسے ادھر بھیجوں، استاد تو چلا گیا۔''

''کیا بکواس کرتے ہو، کہاں چلے گئے ہیں۔''؟

"لو بھیا بکواس کر رہے ہیں ہم یا تم، وہ کسی کے پابند ہیں کیا، جہاں ان کا دل چاہا چلے گئے۔"

"میرے بارے میں کیا کہہ گئے ہیں۔"؟

"یہی کہ نہائیں دھوئیں اور آرام کریں۔ کوئی تکلیف نہ ہونے پائے انہیں، بڑے اچھے آدمی معلوم ہوتے ہیں۔" اوپر سے جواب ملا اور گولیورا اپنے سر کے بال نوچنے لگا۔

"کم بخت ایک بار پھر چوٹ دے گیا۔ ذلیل انسان۔" گولیور اسے گالیاں دینے لگا اور اپنا سر پیٹنے لگا۔ لیکن اب کچھ نہیں ہو سکتا تھا۔ نصیبو نے اسے ایک اور چوٹ دے دی تھی اور گولیور اب گلے گلے تک دلدل میں دھنس گیا تھا۔ اسے یقین ہو گیا تھا کہ اس ملک میں آ کر زندگی کی شام ہوئی تھی اور یہ شام قریب آ گئی ہے۔

دوپہر کے کھانے پر اتفاق سے سب جمع ہو گئے تھے۔نواب تمیز الدین صاحب بھی تھے،عزیز الدین بھی تھے اور سہیل بھی موجود تھا۔شیکی اور عالم پناہ چونکہ اپنے دفتروں میں تھے۔اس لئے ان کی آمد کی توقع نہیں تھی لیکن جب دونوں بھی ڈائننگ ہال میں داخل ہوئے تو سب چونک کر انہیں دیکھنے لگے۔نواب عزیز الدین صاحب نے کہا۔

''ارے بھئی خیریت،آج دفتر کی چھٹی کر ڈالی کیا۔''؟

''جی ہاں پھوپھا جان کاروباری معاملات کچھ ایسے ہی ہوا کرتے ہیں۔بعض اوقات ہمیں ایسا ہی کرنا پڑتا ہے۔''

''ہوں۔کاروبار کیسا چل رہا ہے۔''؟

''نہایت مناسب۔''

''کیا کر رہے ہو آج کل۔''؟

"آج کل تو آپ کا کیس ہمارے ہاتھ میں ہے۔" شیکی نے جواب دیا۔

"کیا ہوا ہمارے کیس کا بھئی۔"؟

"پھوپھا جان جو کچھ ہم نے شروع کیا ہے۔ ظاہر ہے اس میں شدید محنت کی ضرورت ہے اور محنت اور ذہانت ہی ہمیں کامیابی کے راستے دکھا سکتی ہے۔ ہم ان راستوں پر چل پڑے ہیں پھوپھا جان، بس آپ کی دعائیں ہونی چاہیئے۔ دراصل ہم یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ہم یہاں رہنے کے اہل ہیں اور آپ ہمیں واپس افریقہ نہیں پہنچائیں گے۔"

"ہوں، تو تم یہ ثابت کر رہے ہو آج کل۔" نواب تمیزالدین نے کہا۔

"جی ہاں، آپ کی دعاؤں سے۔"

''کیا ہوا اس سلسلے میں نواب خیرات علی سے کوئی بات چیت ہوئی۔''؟

''جی ہاں۔'' عالم پناہ نے فوراً جواب دیا۔اور سب چونک پڑے۔صفدر کا ہاتھ رُک گیا،اس نے عجیب سی نگاہوں سے عالم پناہ کو دیکھا اور پھر شیکی کو دیکھا اور پھر اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھنے لگا۔ سب نے معنی خیز انداز میں گردنیں ہلائی تھیں۔

''کیا بات ہوئی ان سے۔مجھے تو کہیں سے ٹوٹے پھوٹے نظر نہیں آرہے۔''؟نواب عزیز خان نے کہا۔

''بھلا وہ کیوں،ٹوٹ پھوٹ کی کیا کوئی گنجائش تھی اس میں۔''؟ نواب تمیز الدین نے کہا۔

''میں بتا چکا ہوں تمہیں تمیز الدین، کہ نواب خیرات علی اس کوٹھی کے معاملے میں بہت زیادہ سنجیدہ ہیں۔قدامت پسند آدمی ہیں۔

آج تک نوابی ذہن سے نہیں گئی اور وہ اس کوٹھی سے دلی لگاؤ رکھتے ہیں۔وہ اسے بیچنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوں گے۔یہ میرا دعویٰ ہے۔''نواب عزیز الدین نے کہا۔

''نہیں پھوپھا جان ،ایسا دعویٰ نہ کریں۔کیوں کہ ہم اس کوٹھی کا سودا کر چکے ہیں۔''

''کیا مطلب۔''؟ ایک بار پھر سب چونک پڑے۔نواب عزیز الدین خان بھی حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔

''کیا کہہ رہے ہو تم لوگ ،میری سمجھ میں نہیں آرہا۔''وہ بولے۔

''بڑی سیدھی سی بات ہے پھوپھا میاں کہ کوٹھی کا سودا ہو چکا ہے۔اگر آپ چاہیں تو تمام رقم ایک ڈرافٹ بنا کر مجھے دے سکتے ہیں۔تین دن کے اندر اندر آپ کو قبضہ مل جائے گا۔''شفیع الدین شیکی نے کہا۔

کھانا تو رک گیا تھا سب لوگ ان دونوں کو دیکھ رہے تھے۔ پھر تمیز الدین نے کہا۔

"گدھے ہیں بھائی صاحب یہ دونوں، بکواس کر رہے ہیں۔ اگر یہ بات ہے تو پھر بھلا خیرات علی کوٹھی بیچنے پر کیوں آمادہ ہوں گے۔"

"کمال کی بات ہے۔ گدھا کہنے کے پیسے الگ سے لگ جائیں گے پھوپھا جان۔" عالم پناہ نے کہا۔

"کیا مطلب ہے تمہارا۔"؟ نواب تمیز الدین بولے۔

"مطلب یہ ہے کہ آج دوپہر کے بعد کوٹھی کا سودا مکمل ہو جائے گا۔ رقم کا تعین کرلیا جائے گا۔ آپ چاہیں تو ٹیلی فون پر بات کی جاسکتی ہے۔"

"ہوں، کیا تم سنجیدہ ہو۔" نواب عزیز الدین خان بولے۔

"جی ہاں۔ ہمارے پاگل پن کا دورہ ختم ہو چکا ہے۔ وہ تو بس

یونہی بچوں کے مزے کرا رہے تھے۔'' شفیع الدین شیکی نے کہا اور صفدر کے ہونٹ بھینچ گئے۔

''تو پھر ابھی تھوڑی دیر کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر میرے سامنے نواب خیرات علی سے بات کرو۔ ویسے تم نے کیا چکر چلایا ہے۔''؟

''یہ ہمارے راز ہیں۔ اس بارے میں آپ کو بتانا ممکن نہیں ہے۔ ویسے ہمارا کمیشن نہیں بھولیئے گا۔'' عالم پناہ نے کہا۔

''ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔ اگر تم وہ کوٹھی ہمیں دلانے میں کامیاب ہو گئے تو نہ صرف کمیشن بلکہ تمہیں انعام بھی ملے گا۔'' نواب عزیز الدین نے کہا۔

''بس تو پھر ٹھیک ہے کھانا شروع کیجئے، بسم اللہ۔'' شیکی نے کہا اور سب کھانے میں مصروف ہو گئے۔

صفدر بار بار کنکھیوں سے ان دونوں کی شکلیں دیکھ رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شیکی اور عالم پناہ یہ کارنامہ سرانجام دے چکے ہیں۔ بہر صورت کھانے سے فارغ ہونے کے بعد نواب عزیز الدین اور نواب تمیز الدین ان دونوں کو لے کر اپنے کمرے میں داخل ہو گئے۔ دوسرے لوگوں کو ساتھ آنے سے منع کر دیا گیا تھا۔

باہر صفدر اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا۔ "یارو یہ ممکن نہیں ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ نواب خیرات علی کو کس نے نہیں دیکھا۔ اتنی آسانی سے سودا ہو جانا کسی طور ممکن نہیں ہے۔ اشتہارات دینے سے اتنی بات تو ہو سکتی ہے کہ نواب خیرات علی ان دونوں کو کمرے میں بند کر کے ان کی کھال اُتار دیتا لیکن وہ ان سے کوٹھی کی سودے بازی نہیں کرے گا یہ ناممکن ہے۔"

"تو پھر کیا کرنا چاہئے۔"؟

”معلوم کرو۔ کسی بھی طرح معلوم کرو آصف کہ یہ سب ہوا کیا۔ کیا یہ لوگ واقعی سنجیدہ ہیں۔ یا۔۔۔“؟

”مگر کس طرح معلوم کیا جائے۔“؟ آصف نے پوچھا۔

”سوچو۔ اس سلسلے میں کچھ سوچو۔ میرا خیال ہے ہم خود بھی نواب خیرات علی کو ٹیلی فون کریں۔“

”وہ کس طرح۔“؟

”کوٹھی کے سودے کے بارے میں اسی اشتہار کے تحت۔“

”ٹھیک ہے۔“ آصف بولا اور پورا گروہ ایک اور کمرے میں چل پڑا۔ یہاں دوسرا ٹیلی فون موجود تھا۔ ٹیلی فون پر برابر کی کوٹھی کے نمبر ڈائل کیے گئے تھے، لیکن لائن انگیج ملی۔

اوہ۔ اوہ شاید بات ہو رہی ہے۔ ! کاش یہ بات ہم کسی طرح سن سکتے۔“ صفدر بولا۔

''ناممکن ہے انکل نے کوٹھی کے تمام فون الگ الگ کرا دیئے ہیں۔ کسی بھی ٹیلی فون پر دوسرے ٹیلی فون کی بات نہیں سنی جا سکتی۔''

''تو پھر انتظار کرو۔'' صفدر نے جواب دیا اور وہ سب خاموش ہو گئے۔

دوسری طرف نواب تمیز الدین اور عزیز الدین، شفیع الدین شیکی اور عالم پناہ کے سر پر کھڑے ہوئے تھے۔ شیکی، نواب خیرات علی کے ٹیلی فون نمبر ڈائل کر رہا تھا، چند ساعت کے بعد دوسری طرف سے ایک نسوانی آواز سنائی دی۔

''میں دردانہ بول رہی ہوں۔''

''مس دردانہ براہِ کرم نواب خیرات علی سے ہماری بات کرائیں۔''

''کون صاحب بول رہے ہیں آپ۔''؟

''میں وہی سیکرٹری ہوں نواب صاحب کا جس نے صبح کوٹھی کے سلسلے میں آپ کے داداجان سے بات کی تھی۔''

''اوہ اچھا، میں ابھی داداجان سے رابطہ قائم کراتی ہوں آپ کا۔'' دوسری طرف سے جواب ملا اور چند لمحات کے بعد نواب خیرات علی کی آواز سنائی دی۔

''ہوں بول رہا ہوں۔''

''نواب صاحب۔''

''ہاں میں ہی ہوں۔'' دوسری طرف سے نواب خیرات علی کی آواز سنائی دی۔

''نواب صاحب آپ کا حکم تھا کہ دوپہر کے بعد آپ سے کوٹھی کے لئے رابطہ قائم کیا جائے۔''

''کون بول رہے ہو۔''؟

''وہی آپ کا خادم سیکرٹری جس نے صبح کو آپ سے گفتگو کی تھی۔''

''ہوں ،اچھا ،کیابات کرنی ہے اس سلسلے میں۔''؟نواب صاحب نے پوچھا۔

''میں معلوم کرنا چاہتا ہوں قبلہ کہ کوٹھی کی قیمت کا کیا تعین کیا گیا ہے۔''؟

''نواب خیرات علی کوتم کوٹھی کی قیمت ادا کرو گے، بے وقوف گدھے کہیں کے، کیا ہے تمہارے پاس، جو کچھ ہے دے دو۔ہم کوٹھی بیچنے پر تل گئے ہیں تو ہر قیمت پر اسے فروخت کر دیں گے۔''

''حضور قبلہ آپ کی محبت ہے ورنہ ہم کس قابل ہیں، یہ تو آپ کا احسان ہے ہم لوگوں پر کہ آپ اپنی اتنی عظیم الشان کوٹھی ہمارے حوالے کرنے پر تیار ہو گئے ہیں۔بہر صورت نواب کو نواب ہی پہچانتا

ہے۔کوئی عام آدمی یہ تصور بھی نہیں کر سکتا کہ اتنی عظیم الشان کوٹھی کو

دوسروں کے سپرد کر دیا جائے۔"

"ہوں،ٹھیک ہے ٹھیک ہے۔جب تم نے ہمیں نواب تسلیم کیا

ہے تو پھر یہ سودے بازی کیسی۔"؟

"پھر بھی نواب صاحب،قیمت کا کوئی تعین تو کرنا ہی ہوگا۔"

"چلو ٹھیک ہے تم اتنی ضد کر رہے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں۔"

نواب صاحب بولے۔

"کہیئے کہیئے میں سن رہا ہوں۔"ششکی جلدی سے بولا۔

"ایسا کرو پچیس لاکھ روپے میں یہ کوٹھی ہم تمہیں دے سکتے ہیں۔

بولو منظور ہے۔"؟

"ایک منٹ میں نواب صاحب قبلہ سے معلومات حاصل کر

لوں۔"ششکی نے ماؤتھ پیس پر ہاتھ رکھ کر کہا اور پھر نواب عزیز الدین

''کل صبح دس بجے، میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' نواب خیرات علی نے جواب دیا اور دوسری طرف سے ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔

نواب عزیز الدین اور تمیز الدین خان اب بھی متحیر انداز میں کھڑے شیکی کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر تمیز الدین خان نے کہا۔

''ابے تم نے کہیں کوئی چکر تو نہیں چلایا۔''؟

''میں نہیں سمجھا پھوپھا جان۔''

''میرا مطلب ہے کسی اور کو ٹیلی فون کیا تھا یا نواب خیرات علی کو ہی........''؟

''اب یہ آپ کی زیادتی ہے پھوپھا جان، کل جب کوٹھی آپ کے نام ہو جائے گی تو آپ میری بات مان لیجئے گا۔ میں اس سے پہلے تو آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا۔''

''ہوں۔ مگر یہ سب کیسے ہوا۔ مجھے نہیں بتاؤ گے۔''؟

''کل صبح دس بجے، میں تمہارا انتظار کروں گا۔'' نواب خیرات علی نے جواب دیا اور دوسری طرف سے ٹیلی فون بند کر دیا گیا۔

نواب عزیز الدین اور تمیز الدین خان اب بھی متحیر انداز میں کھڑے شیکی کی شکل دیکھ رہے تھے۔ پھر تمیز الدین خان نے کہا۔

''ابے تم نے کہیں کوئی چکر تو نہیں چلایا۔''؟

''میں نہیں سمجھا پھوپھا جان۔''

''میرا مطلب ہے کسی اور کو ٹیلی فون کیا تھا یا نواب خیرات علی کو ہی.........''؟

''اب یہ آپ کی زیادتی ہے پھوپھا جان، کل جب کوٹھی آپ کے نام ہو جائے گی تو آپ میری بات مان لیجئے گا۔ میں اس سے پہلے تو آپ سے کچھ نہیں کہہ رہا۔''

''ہوں۔ مگر یہ سب کیسے ہوا۔ مجھے نہیں بتاؤ گے۔''؟

"جی نہیں یہ کاروباری راز ہیں۔ کسی کو نہیں بتائے جا سکتے۔" شیکی نے منہ بنا کر کہا۔

نواب عزیز الدین خان ہنسنے لگے تھے پھر بولے۔

"ٹھیک ہے تمیز الدین، بچہ سچ ہی کہہ رہا ہے، اپنے راز کیوں بتائے تمہیں جس طرح بھی اس نے نواب خیرات علی کو تیار کیا، اس کا اپنا کام ہے تو شیکی میاں تمہارا کوئی اور مطالبہ تو نہیں ہے۔ اس سلسلے میں۔"

"جی نہیں۔ یہ بتائیے کوٹھی کس کے نام ہو گی۔"؟

"میرے خیال میں نوشاب کے نام بہتر رہے گی۔ تم یہ کوٹھی نوشاب کے نام سے خرید لو۔"

"جی بہت بہتر، میں محترمہ نوشاب کو اپنے ساتھ لئے جاؤں گا۔"

"ٹھیک ہے تو کس وقت تک یہ کام ہو جائے گا۔"؟

"کل صبح دس بجے تک۔"

"نوشاب کو ساتھ لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔"؟

"ضرورت تو ہے پھوپھا جان، بہتر ہے یہ معاملہ محترمہ نوشاب کے سامنے ہی طے ہو جائے اور ہاں پچیس لاکھ روپے کا ڈرافٹ تیار رکھیئے گا۔" شکیی نے جواب دیا اور نواب صاحب گردن ہلانے لگے۔

دن گزر گیا، لیکن دن بھر تبصرے ہوتے رہے تھے، صفدر نے نواب عزیز الدین کی زبانی یہ سن لیا تھا کہ نواب خیرات علی سے کوٹھی فروخت کرنے کے بارے میں گفتگو ہو چکی ہے اور اب اس میں کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہ گیا ہے۔

بہر حال دوسرے دن صبح دس بجے شفیع الدین شکیی نوشاب کو لے کر نواب خیرات علی کے ہاں چل پڑے۔ نوشاب کے ساتھ اس کا ایک وکیل بھی تھا جسے نواب عزیز الدین خان نے ہی مہیا کیا تھا۔

وکیل نے تمام کاغذات تیار کر لئے تھے۔نواب خیرات علی کی کوٹھی پر جا کران کاغذات پر دستخط ہو گئے۔پچیس لاکھ روپے کا ڈرافٹ نواب صاحب کو پیش کر دیا گیا تھا جسے نواب صاحب نے نہایت بے اعتنائی سے دردانہ کے سپرد کر دیا۔دردانہ البتہ نوشاب کو دیکھ رہی تھی۔ نوشاب یہاں اپنے آپ کو لئے دیئے رہی تھی اورقرب وجوار میں اس کی کسی سے شناسائی نہیں تھی۔اس لئے بالکل پتہ نہیں چل سکا کہ وہ کون ہے،نوشاب نے بھی اس سلسلے میں خاموشی ہی اختیار کی تھی۔ البتہ دردانہ نے اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کی لیکن نوشاب نے اسے کوئی لفٹ نہیں دی۔

اور پھر وہ وہاں سے چلے آئے۔نواب خیرات علی نے وعدہ کیا تھا کہ دو دن کے اندر اندر کوٹھی ان لوگوں کے سپرد کر دی جائے گی۔اور ان لوگوں نے اسی شام سے کوٹھی کا سامان ٹرکوں کے ذریعے باہر

جاتے دیکھا۔ نجانے نواب خیرات علی نے اپنے لئے کیا بندوبست کیا
تھا۔ بہر صورت دردانہ اور رحمٰن تو پہلے ہی اس بات کے لئے تیار تھے
اور اپنی اس نئی کوٹھی میں جانے کے لئے بے چین تھے جو نہایت
خوبصورت اور پرفضا مقام پر جدید طرز پر بنی ہوئی تھی۔ بس نواب
خیرات علی کی وجہ سے یہ جھگڑا اٹکا ہوا تھا۔ وہ بڑی خوشی خوشی اپنا سارا
سامان منتقل کر رہے تھے اور اس منتقلی کو اس کوٹھی سے بھی دیکھا جا سکتا
تھا۔ کیونکہ دونوں کی کوٹھیاں برابر برابر تھیں۔ البتہ شام کو نواب
عزیز الدین خان کی کوٹھی میں بڑی خوشیوں کا سا ماحول تھا۔
تمیز الدین خان صاحب تو اس بات پر پھولے نہیں سما رہے تھے کہ یہ
کوٹھی انہیں مل گئی اور اب وہ اپنی کوٹھی میں منتقل ہو جائیں، دونوں
بھائی ساتھ ساتھ رہیں گے۔ رات تک یہ خوشیاں جاری رہیں۔ شفیع
الدین شیکی اور عالم پناہ کو پچیس ہزار روپے کمیشن دیا گیا تھا۔ جو ان کی

توقع سے بہت زیادہ تھا۔عزیز الدین خان نے پانچ ہزار روپے کا انعام انہیں پیش کیا اور تمیز الدین کو بھی مجبور کیا کہ وہ پانچ ہزار روپے انہیں بطور انعام دیں۔چنانچہ یہ کیس تیں پچیس ہزار میں نمٹا تھا۔

☆

جوشی کے گھر ٹیلی فون کی گھنٹی بجی اور پولیس آفیسر نے ریسیور اُٹھایا۔

''ہیلو میں جوشی بول رہا ہوں۔''

''اور میں اللہ کی ماری نصیبو۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔اور جوشی چونک پڑا۔

''کون مسٹر سہیل۔''

''اے تیرا ستیاناس جائے پولیس۔ا لے، مجھ نصیبو جلی کو سہیل کہہ رہا ہے۔ارے نصیبو ہوں نصیبو، سمجھا تو۔'' نصیبو نے کہا۔

''مسٹر سہیل براہِ کرم ٹھیک سے گفتگو کیجئے۔ میں ایک ذمہ دار پولیس آفیسر ہوں۔ ہر چند کہ میرے اور آپ کے درمیان بے تکلفی ہے۔تھوڑی سی، لیکن اس کا یہ مقصد بھی نہیں کہ آپ ٹیلی فون پر اس انداز میں گفتگو کریں۔'' جوشی نے کہا۔

''اۓ ہاۓ تو تو تقریر ہی کرنے بیٹھ گیا۔ ارے کچھ عزت بھی بنانی ہے یا یونہی کام چلانا ہے اپنا۔''

''میں نہیں سمجھا مسٹر سہیل۔''

''پھر وہی سہیل، میں کہتی ہوں جب تک مجھے نصیبو نہیں کہے گا۔ میں تجھ سے دوسری بات نہیں کروں گی۔''

''کیا بات ہے مسٹر نصیبو، براہِ کرم بتایئے تو سہی۔'' جوشی نے جھلاتے ہوئے کہا۔

''اۓ واری اۓ قربان، کیا کر رہا ہے اس وقت۔''؟

”دیکھئے میں کہتا ہوں، میں کہتا ہوں........“

”اے کہیو سنیو بعد میں، ملنا ہے تجھ سے، کہاں ملے گا جلدی بول۔“ نصیبو کے لہجے میں ہیجڑوں کی سی کیفیت تھی۔ جوشی پریشانی سے گردن کھجانے لگا بہر طور وہ اس شخص کو اچھی طرح جانتا تھا اور اس کی عجیب وغریب شخصیت کا دل سے قائل ہو چکا تھا۔ اس لئے برداشت ہی کرنے میں عافیت سمجھی اور کہنے لگا۔

”کوئی خاص بات ہے۔“؟

”ہاں، بہت ہی خاص بات۔“

”کیا۔“؟

”یہاں نہیں بتاؤں گی۔“

”پھر۔“؟

”آجا میرے پاس، تیری تقدیر کھول رہی ہوں میں۔“

”کہاں آؤں۔“

”جہاں تو مناسب سمجھے۔“

”تو پھر رین بو کلب ہی ٹھیک رہے گا۔“ جوشی نے جواب دیا۔

”اے جہاں مل لے تیری مرضی۔ میں حاضر ہوں۔“ نصیبو بدستور ہیجڑوں کے انداز میں بول رہا تھا۔

”بس تو پھر ٹھیک ہے، آپ رین بو کلب پہنچ جائیں۔“ جوشی نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔ آ جا میں تیرا انتظار کر رہی ہوں۔“ دوسری طرف سے آواز آئی اور ریسیور رکھ دیا گیا۔ جوشی ریسیور رکھ کر احمقانہ انداز میں اسے گھورنے لگا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر جھینپی جھینپی سی مسکراہٹ پھیل گئی اور اس کے بعد وہ اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ نجانے یہ کم بخت کیا کہنا چاہتا ہے۔ اس نے سوچا۔

رین بو پہنچا تو سہیل ایک جگہ بیٹھا نظر آ گیا۔ صاف ستھرے لباس میں تھا۔ حسب معمول چہرے پر وہی دلکش سی کیفیت پھیلی ہوئی تھی۔ جو دلوں کو موہ لیتی تھی، چور نگاہیں اس کی طرف اُٹھ رہی تھیں اور ٹھنڈی آہیں بھری جا رہی تھیں۔ جوشی مسکراتا ہوا اس کے پاس پہنچ گیا۔ ”ہیلو مسٹر سہیل۔“

”ہیلو۔“ سہیل نے جواب دیا۔

”شکر ہے کہ اس وقت آپ نصیبو نہیں ہیں۔“ جوشی ہنستے ہوئے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گیا۔

”میں کس وقت کیا ہوں مسٹر جوشی، اس سلسلے میں آپ کو تبصرہ کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔“ سہیل نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”اچھا اچھا معذرت خواہ ہوں۔ یہ بتائیں کہ آپ کو سہیل کہوں یا نصیبو۔“؟

”جو دل چاہے کہو، مجھے اس کی پرواہ نہیں ہے۔“

”حالانکہ چند منٹ قبل آپ اس بات پر بضد تھے کہ آپ کو سہیل نہیں نصیبو کہا جائے۔“

”مسٹر جوشی آپ کو کوئی کام کی بات بھی کرنی ہے یا نہیں۔ یا دوسری صورت میں میں اس جگہ سے اُٹھ جاتا ہوں۔“

”اوہو مسٹر سہیل آپ ناراض نہ ہوں۔ میں اب کام ہی کی بات کروں گا۔ فرمائیے کیا خاص بات ہے۔“؟

”میں نے تم سے ڈائیر کے بارے میں معلومات حاصل کی تھیں۔ اور تمہیں اس سلسلے میں کچھ ہدایات دی تھیں۔“

”ہاں میں نے اب ان سے انحراف تو نہیں کیا۔“

”نہیں۔ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں کر رہا۔ میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تم نے ڈائیر کے بارے میں مزید معلومات حاصل

کیں۔''؟

''موقع ہی نہیں مل سکا۔بس حالات میں اس طرح اُلجھا دیا آپ نے کہ میں خوفزدہ ہو گیا اور میں نے ایک گوشے میں پناہ لینا مناسب سمجھا۔''

''حالانکہ یہ آپ جیسے پولیس آفیسر کو زیب نہیں دیتا مسٹر جوشی۔''

''بعض اوقات معاملات ہم لوگوں کو بھی بے بس کر دیتے ہیں۔ لیکن کوئی خاص بات ہے مسٹر سہیل، اگر آپ کسی خاص سلسلے میں مجھے بتانا چاہتے ہیں تو مجھے بڑی مسرت ہو گی۔''

''ہاں تم نے میری بات مانی تھی اور شاید میں نے تم سے وعدہ بھی کیا تھا کہ اگر مجھ سے تعاون کرو گے تو فائدے میں ہی رہو گے۔یہ فائدہ کس قسم کا ہو گا۔اس کے بارے میں میں نے تم سے کچھ نہیں کہا تھا۔لیکن اب وہ وقت آ گیا ہے کہ میں تمہیں اس بارے میں بتا

دوں۔"

"ہاں فرمائیے۔ کیا خاص بات ہے۔ یقیناً جو بات آپ مجھے بتانا چاہیں گے۔ وہ کوئی بہت ہی بڑی حیثیت رکھتی ہوگی۔"

"ہاں بہت بڑی حیثیت، ، کیا تم پچھلے چند ماہ کا تجزیہ کرو گے مسٹر جوشی۔"؟

"مثلاً۔"؟

"مثلاً اس سفارت خانے کی بات جسے تباہ کر دیا گیا تھا اور بہت سے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا تھا۔" سہیل نے اس ملک کا نام لیا جس کا وہ سفارت خانہ تھا۔ اور جوشی چونک پڑا۔

"ہاں ہاں مگر۔ مگر۔۔۔"؟

"وہ کیس کس کے پاس ہے مسٹر جوشی۔"؟

"میرا خیال ہے وہ کیس سیکرٹ سروس کے پاس پہنچ گیا ہے۔"

”مم میں۔۔۔میں نہیں سمجھا۔“

”یار یہ تمہاری سمجھ اتنی ناقص کیوں ہوتی ہے۔میں تمہیں سمجھانے جارہا ہوں اور تم ہر بات کے جواب میں کہہ رہے ہو۔نہیں سمجھا۔نہیں سمجھا۔“

”اوہ۔اوہ۔مسٹر سہیل، مسٹر سہیل، اگر اس سلسلے میں مجھے کچھ کرنے کا موقع مل جائے تو آپ یقین کریں۔میری زندگی بن سکتی ہے۔“

”بہت خوشی ہوگی مجھے مسٹر جوشی کیونکہ تم نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا ہے۔بہر طور میں تمہارے سامنے ایک نام دہراؤں گا۔کیا تم اس نام سے واقف ہو۔“

”کون سا نام۔“؟جوشی نے پوچھا۔

”گولیور۔“

"مم میں۔۔۔میں نہیں سمجھا۔"

"یار یہ تمہاری سمجھ اتنی ناقص کیوں ہوتی ہے۔میں تمہیں سمجھانے جا رہا ہوں اور تم ہر بات کے جواب میں کہہ رہے ہو۔نہیں سمجھا۔نہیں سمجھا۔"

"اوہ۔اوہ۔مسٹر سہیل،مسٹر سہیل، اگر اس سلسلے میں مجھے کچھ کرنے کا موقع مل جائے تو آپ یقین کریں۔میری زندگی بن سکتی ہے۔"

"بہت خوشی ہوگی مجھے مسٹر جوشی کیونکہ تم نے بھی میرے ساتھ تعاون کیا ہے۔بہر طور میں تمہارے سامنے ایک نام دہراؤں گا۔کیا تم اس نام سے واقف ہو۔"

"کون سا نام۔"؟جوشی نے پوچھا۔

"گولیور۔"

"ہاں ہاں کیوں نہیں۔"

"گولیور کے بارے میں کچھ اطلاعات مجھے حالیہ طور پر بھی ملی ہیں۔ایک دوسرے ملک سے یہ اطلاع فراہم کی گئی ہے میرے محکمہ کو کہ شاید گولیور اس ملک میں موجود ہے۔" "تمہارا خیال درست ہے اور سفارت خانے کی تباہی میں اسی کا ہاتھ ہے۔وہ کسی خاص ملک کی طرف سے یہاں آیا ہے اور اسی ملک کے لئے کام کر رہا ہے۔وہ ملک اس سفارت خانہ کو تباہ کرانا چاہتا تھا اور یہ ہمارا ذاتی مسئلہ بھی ہے اس طرح ہمارے تعلقات اس ملک سے خراب ہونے کا اندیشہ ہے جس کا وہ سفارت خانہ تھا۔گولیور کے سپرد یہی ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ اس سفارت خانے کو تباہ کرادے تاکہ ان دونوں ملکوں کے تعلقات خراب ہو جائیں۔وہ یہاں اس کام کے لئے پوری قوت سے آیا تھا۔"

”ویری گڈ آپ کو یہ ساری معلومات کیسے ہوئیں۔“؟

”سنتے رہو، بیچ میں بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ سہیل نے کہا اور جوشی پر اشتیاق انداز میں سہیل کے سامنے جھک گیا۔

”مجھے بتایئے میں خاموشی سے سنوں گا۔“

”وہ شخص مسٹر ڈائیر جس سے تم مل چکے ہو، دراصل گولیور ہے۔ لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ وہ یہاں آ کر اپنا کام انجام دینے کی بجائے میرے چکر میں پھنس گیا۔“

”آپ کے چکر میں۔“؟

”ہاں ظاہر ہے تمہیں بھی تھوڑا بہت تجربہ ہے اس کا ڈائیر نے مجھے پھانسنے کے لئے یہاں قتل وغارت گری بھی کی ہے لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ اس نے اپنے آپ کو ڈائیر کہا لیکن میں نے اس کی شخصیت کی اصلیت تلاش کرلی۔“

”اوہ ۔۔۔اوہ مسٹر سہیل ،مسٹر سہیل ۔اگر وہ گولیور ہے اور اگر اس نے یہ سفارت خانہ تباہ کیا ہے تو یقینی طور پر یہ انتہائی خطرناک بات ہے اور میرا خیال ہے یہ اطلاع ہی میرے محکمے کے لئے بہت بڑی ہوگی۔“

”ناصرف اطلاع ،بلکہ میں چاہتا ہوں کہ تم گولیور کو گرفتار کراؤ۔“

”مم ۔۔۔میں ۔“جوشی ہکلایا۔

”ہاں تم۔“

”مم مگر کیا یہ ممکن ہے مسٹر سہیل ۔“

”ہاں ممکن ہے۔“

”کیسے ۔“؟جوشی نے پوچھا۔

”میں گولیور کو تمہارے حوالے کروں گا۔اس کے حواریوں سمیت ،لیکن اس کے حواریوں کے لئے تمہیں خود ہی ایک جگہ چھاپا

مارنا پڑے گا۔ وہاں اس کے تمام ساتھی موجود ہوتے ہیں۔ آج کل خاموش ہیں گرفتار ہو جائیں گے۔"

"اور گولیور۔"

"وہ میری تحویل میں ہے۔"

"کیا مطلب۔"؟

"مطلب یہ مسٹر جوشی کہ آپ کو آئندہ بھی میرے لئے کام کرتے رہنا ہوگا، نصیبو جرائم پیشہ آدمی نہیں ہے، بس وہ اپنے آپ کو منوانے کی آرزو رکھتا ہے اور اسی لئے اس نے بڑے بڑے جرائم پیشہ لوگوں کو اپنے چنگل میں پھانس رکھا ہے۔"

"مجھے اندازہ ہے مسٹر سہیل۔"

"ٹھیک ہے پھر تم یہ کاغذ پڑھو۔" سہیل نے ایک کاغذ جوشی کی جانب بڑھا دیا، یہ وہی اعتراف نامہ تھا جو گولیور نے اسے لکھ کر دیا

تھا۔ جوشی متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ کر رہ گیا تھا اور پھر کپکپاتے لہجے میں بولا۔

"یہ۔۔۔یہ اسی کی تحریر ہے، میں پہچانتا ہوں، پچھلی بار بھی وہ یہاں گرفتار ہو گیا تھا لیکن پھر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے ایک تحریر لکھ کر دی تھی جو پولیس کے ریکارڈ میں موجود ہے۔ میں اس تحریر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں، یقیناً یہ اسی کی تحریر ہے۔"

"اس طرح تو آپ کو اور آسانی ہو گئی۔"

"جی ہاں۔۔۔لیکن مسٹر سہیل براہِ کرم یہ تو بتائیے کہ یہ شخص کہاں پر ملے گا۔"؟

"میری مٹھی میں موجود ہے۔ آپ جس وقت بھی میرے ساتھ چلیں گے میں اسے آپ کے حوالے کر دوں گا۔ لیکن بہتر یہ ہے کہ

پہلے اس کے آدمیوں کی گرفتاری کا بندوبست کرو۔"

"بہت بہتر، اگر آپ مجھے صحیح نام پتہ اور جگہ بتا دیں تو میں فوری طور پر اس کا انتظام کرتا ہوں۔"

"ذہین لوگوں کو بھیجئے۔ ان میں سے جو بھی نکل گیا، وہ آپ کی اپنی ذمہ داری پر ہوگا۔"

"بس آپ بالکل فکر نہ کریں میں اس کا انتظام کیے لیتا ہوں۔" جوشی نے کہا۔

"تو پھر سنیئے بیڈن روڈ کے ساتویں بنگلے میں جس کا نمبر ۲۹۵ ہے۔ اس میں یہ تمام لوگ موجود ہیں اور خود گولیور میری قید میں ہے۔"

"آپ کی قید میں۔"؟

"ہاں میری قید میں۔" سہیل نے جواب دیا اور جوشی کے ہاتھ

پاؤں پھول گئے۔

”اگر آپ اجازت دیں تو میں ٹیلی فون کر دوں ،فوری طور پر میں اس کا انتظام کرنا چاہتا ہوں۔“

”فوراً کر دیں۔ آج رات کو انہیں گرفتار ہو جانا چاہیے۔“

”اور گولیور۔“؟

”ارے یار بے صبری کیوں کر رہے ہو۔ میرے ساتھ جس وقت بھی چلو گے گولیور کو تمہارے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس وقت وہ ایک ہیجڑے کے روپ میں ہے۔“

”ہی۔۔۔ہیجڑے کے۔“؟ جوشی ہکلایا۔

”ہاں ،نصیبو کے سامنے آئے گا تو یہی مزے رہیں گے اس کے۔“ سہیل نے قہقہہ لگا کر کہا۔ جوشی اپنی جگہ سے اٹھ گیا تھا۔ ٹیلی فون کے نزدیک پہنچ کر اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کو فون کیا

اور انتہائی رازدارانہ انداز میں انہیں تمام تفصیلات بتا دیں۔ کئی اعلیٰ پولیس افسران اس جگہ پر چھاپہ مارنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ جوشی نے کہا تھا کہ گولیور کو وہ خود گرفتار کرے گا۔ البتہ ان لوگوں کو اس مخصوص پتے پر سے گرفتار کر کے ہیڈ کوارٹر لے جائے اور اس کے بعد وہ گولیور کے ساتھ وہاں پہنچے گا۔ جوشی اتنا بے صبر نظر آ رہا تھا کہ ٹیلی فون کر کے واپس آتے ہی اس نے نصیبو سے یہ سوال کر دیا۔ ''مسٹر سہیل، مسٹر گولیور کو کس وقت گرفتار کریں گے۔''؟

''ابھی بیٹھو، کھاؤ پیو، تھوڑی دیر کے بعد چلیں گے پھر تم اسے اپنے ساتھ لے آنا۔''

''لیکن مسٹر سہیل اس سلسلے میں میں آپ کو کیا پیش کر سکوں گا۔''؟

''شہرت، پبلسٹی، نصیبو کا نام اخبارات کی زینت بنا چاہئے۔ لیکن سہیل کے بارے میں کچھ نہ لکھا جائے۔ نصیبو کی تصویر کے لئے بھی

کوئی تگ ودو نہ کی جائے۔"

"بہت بہتر، ایسا ہی ہوگا۔ آپ دیکھئے گا میں کس طرح پولیس کو رپورٹ دیتا ہوں۔" جوشی نے کہا اور پھر اس نے ایک مشروب منگوایا۔ اس کے علاوہ سہیل نے کچھ کھانا پینا پسند نہیں کیا تھا۔ نجانے کیوں اس کے چہرے پر ایک عجیب سی اُلجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔ بہر صورت یہاں سے فارغ ہو کر وہ اُٹھ گئے۔ جوشی سہیل کے ساتھ چل پڑا۔ راستے میں سہیل نے کہا۔

"اس عمارت کے بارے میں کوئی تفصیل کسی کو نہیں معلوم ہونی چاہئے، جہاں میں تمہیں لے جا رہا ہوں۔ تم کسی سے کوئی تذکرہ نہیں کرو گے۔ اور نہ ہی اخبارات میں اس عمارت کا ذکر آئے گا۔ بلکہ تم کہو گے کہ گولیور کو بھی تم نے اس کی رہائش گاہ سے گرفتار کیا ہے۔"

"اوہ، کیا یہ ضروری ہے۔"؟

"نہیں ضروری نہیں ہے۔ اگر رہائش گاہ کی بات نہ کرو تو کہیں اور کے لئے بھی کہہ سکتے ہو۔ تم تو ظاہر ہے۔ بہت عرصے سے گولیور کے پیچھے تھے۔ اور تمہیں معلوم ہو چکا تھا کہ۔ سفارت خانے میں قتل اور غارت گری کا ملزم گولیور ہے۔ پھر تمہیں بہت سے کاغذات بھی دستیاب ہوں گے اس عمارت سے، اور تمام تفصیلات معلوم ہو جائیں گی۔"

"بہت بہتر مسٹر سہیل بہت بہتر۔ آپ یقیناً میری تقدیر بنانے میں معاون ثابت ہو رہے ہیں۔"

"چلتے رہو، چلتے رہو۔" سہیل نے جواب دیا اور جوشی خاموش ہو گیا۔ سہیل اسے لے کر اسی عمارت میں گیا جہاں گولیور موجود تھا۔ اور تھوڑی دیر کے بعد وہ اس کمرہ میں پہنچ گیا جہاں گولیور کو قید کر دیا گیا تھا۔

”گولیور اب بھی اسی انداز میں بیٹھا ہوا تھا۔ میک اپ زدہ چہرہ تھا اور زنانہ لباس تھا لیکن اس کے چہرے سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ عورت نہیں مرد ہے۔ جوشی نے اسے دیکھا اور پھر متحیرانہ انداز میں آنکھیں پھاڑ دیں۔ دوسری طرف گولیور بھی جوشی کو دیکھ کر ششدر رہ گیا تھا۔ لیکن باہر مسلح لوگوں کو موجود دیکھ کر اس نے گہری سانس لی۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب تو کھیل بگڑ ہی چکا ہے۔ وہ تو اس وقت کا انتظار کر رہا تھا۔ جس میں نجانے اتنی دیر کیوں ہو گئی تھی۔

جوشی کو دیکھ کر وہ غرایا اور خون خوار لہجے میں بولا۔

”تم۔ تم۔ آفیسر بہت ذلیل انسان ہو۔ مجھ سے رشوت لے کر کھا گئے اور اس شخص کے لئے کام کر رہے ہو۔“

”تم........ تم کون ہو۔“؟ جوشی نے متحیرانہ انداز میں کہا۔ اور گولیور کو احساس ہوا کہ وہ کس شکل میں ہے۔ اس نے دونوں ہاتھوں

سے چہرہ چھپالیا۔

"شرما رہی ہے بے چاری۔" سہیل نے عجیب سے لہجے میں کہا اور ہنس پڑا۔ جوشی کو بھی ہنسی آ گئی تھی۔ پھر اس نے سہیل سے مخاطب ہو کر کہا۔

"لیکن۔ لیکن یہ کیا ہے مسٹر سہیل۔"؟

"کچھ نہیں شوق ہے اس کا۔ اب میں کیا کرسکتا ہوں مگر ٹھہرو، تم تو اسے اصلی شکل ہی میں لے جاؤ گے۔ ایمونیا منگواتا ہوں اس کے لئے۔" سہیل نے جواب دیا اور تھوڑی دیر کے بعد گولیور کا منہ میک اپ سے صاف کر دیا گیا۔

"تو یہ ہیں مسٹر ڈائیر یا مسٹر گولیور، یورپ کے بہت بڑے مجرم یا یورپ کے بہت بڑے ہوئے جنہوں نے یورپ کو ہلا کر رکھا ہوا ہے۔ لیکن مسٹر جوشی! اگر یہ اب آپ کی تحویل سے نکل گئے تو سمجھ لیجئے

کہ آپ دوبارہ انہیں کبھی نہ پاسکیں گے۔"

"فکر نہ کریں مسٹر سہیل۔ یہ اب کبھی میرے چنگل سے نہ نکل سکے گا۔" جوشی نے جواب دیا۔ اور گولیور کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں لگا دی گئیں۔ گولیور خون خوار نگاہوں سے سہیل کو دیکھ رہا تھا۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا۔

"نصیبو یہاں کی جیلیں مجھے قید نہیں رکھ سکیں گی۔ اور اگر نکل گیا تو قسم کھاتا ہوں کہ تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ تمہارا قصہ پاک کر کے ہی اس ملک سے واپس جاؤں گا۔"

"سنو گولیور! اگر تم یہاں کی جیلیں توڑ کر نکل بھی گئے تو زندہ اس ملک سے واپس نہ جاسکو گے۔ یہ نصیبو کا عہد ہے۔" سہیل نے کہا اور گولیور دانت پیستا ہوا باہر نکل گیا۔

جوشی کی مسرت کی انتہا نہیں تھی۔ گولیور کو لے کر وہ ہیڈ کوارٹر

پہنچا۔ ہیڈکوارٹر میں گولیور کے تمام ساتھی موجود تھے اور ایسے بے شمار کاغذات گولیور کی رہائش گاہ سے پولیس کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ گولیور کن مقاصد کے تحت آیا تھا۔ اس سفارت خانے میں قتل و غارت گری کے سلسلے میں بھی پولیس کو بہتر ثبوت حاصل ہو گئے تھے اور تمام سہرا جوشی ہی کے سر تھا۔

جوشی کی خوشیوں کی انتہا نہیں تھی۔ اس نے گولیور جیسے خطرناک مجرم کو گرفتار کیا تھا۔ جس کے بارے میں یورپ کی پولیس بھی سر پکڑ کر بیٹھ جاتی تھی۔

لیکن جوشی نے سہیل سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا کر دیا۔ پتہ نہیں دوستی کے جذبے کے تحت یا پھر خوف کے تحت۔ اخبارات میں پہلی بار نصیبو کا نام اس انداز میں آیا تھا۔ نصیبو ایک پُر اسرار نام جس نے

یورپ کے خطرناک مجرم گولیور کو چوہے کی طرح گرفتار کرادیا۔ نصیبو کی ہدایت پر مسٹر جوشی نے گولیور کو گرفتار کیا۔ اوراس کے بعد گولیور کے بارے میں تمام تفصیلات درج تھیں۔ نصیبو کے نام کو ایک پُر اسرار حیثیت دی گئی تھی۔ اس کا کوئی نشان نہیں بتایا گیا تھا۔ بس یہ کہا گیا تھا کہ جرائم کی دنیا میں یہ نام خوفناک حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن پُرلطف بات یہ ہے کہ یہ شخص خود کوئی جرم نہیں کرتا۔ بلکہ جرائم پیشہ افراد کو بلیک میل کر کے انہیں اپنا مطیع بناتا ہے۔ پولیس کو اس کے بارے میں کوئی تفصیل معلوم نہیں ہے لیکن اس نے پولیس کی جو مدد کی ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

جرائم کی دنیا میں نصیبو کے نام کی دہشت اور زیادہ بیٹھ گئی تھی۔ کیونکہ گولیور کو بھی جانتا تھا اسے یہ بات معلوم تھی کہ گولیور مجرموں کا شہنشاہ تو ہے لیکن ان کا فرماں بردار کبھی نہیں بن سکتا۔ اس طرح جوشی

نے نصیبو سے کیا ہوا وعدہ پورا کر دیا تھا۔

مسز درانی اور زاہد ظفر اس وقت بیٹھے اخبارات دیکھ رہے تھے اور اس پر تبصرہ کر رہے تھے۔ مسز درانی آنکھیں بند کر کے صوفے کی پُشت سے ٹک گئی اور تھکے تھکے سانس لینے لگی۔

"کیا بات ہے ڈیئر کچھ بیمار ہو۔"؟ زاہد ظفر نے پوچھا۔

"نہیں، یہ نصیبو کیا چیز ہے زاہد ظفر۔؟ کیا ہو گیا ہے اس شخص کو، کون سی روح حلول کر گئی ہے اس کے بدن میں۔"؟

"واقعی اس نے ہم لوگوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔ اب تم دیکھو، گولیور جیسے آدمی کو اس نے کیا بنا کر رکھ دیا ہے۔"

"کیا اِس کا کوئی ثانی ہو سکتا ہے۔"؟ مسز درانی نے پوچھا۔

اسی وقت ایک ملازم اندر داخل ہوا اور اس نے سہیل صاحب کے آنے کی اطلاع دی۔

دونوں اُچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ''لو وہ آ گیا۔'' مسز درانی بولیں۔ سہیل مسکراتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا۔ وہی معصوم صورت وہی سادہ آنکھیں، وہی دلکش مسکراہٹ مسز درانی کا دل چاہا کہ اپنا کلیجہ نکال کر اس کے قدموں میں ڈال دے۔

اس نے بڑے پیار سے سہیل کا استقبال کیا۔ ''زہے نصیب آپ یہاں تشریف لائے۔ ہم لوگ یہ اخبار ہی دیکھ رہے تھے۔''

''ہوں۔ کیسا کاروبار چل رہا ہے۔؟'' سہیل نے تھکے تھکے لہجے میں پوچھا۔ اور ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کاروبار تو بالکل ٹھیک ہے جناب لیکن بالآخر آپ نے گولیور کو کیفر کردار تک پہنچا ہی دیا۔''

''یہ ضروری تھا۔ اس کم بخت نے میرے مقابل آنے کی کوشش کی تھی، لیکن، لیکن اس ملک میں یا روئے زمین پر، جرائم کی دنیا میں

کوئی میرا مقابل نہیں ہے، ہے کوئی میرا مقابل۔"؟ سہیل نے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

"میرے خیال میں نہیں ہے۔ یہ بات ہم آپ کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ ہم نے بھی دنیا دیکھی ہے۔ بہت کچھ دیکھا ہے۔ ہمیں سمجھ میں نہیں آتا کہ قدرت نے آپ کے ذہن میں کیا چیز رکھ دی ہے۔"؟

"کچھ نہیں کچھ نہیں، بس میں اپنی شخصیت کو مکمل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بتاؤ اگر میری ذات میں کوئی چھوٹی سی کمی ہے تو کیا اس کمی کو پورا کرنے کے لئے میں نے اپنے آپ کو دوسرا رُخ نہیں دے دیا ہے۔ کیا اس ملک میں وہ نسل جو نہ مرد کہلاتی ہے نہ عورت، کسی بھی شکل میں سرفراز و کامران ہے۔ اس کا کام کیا ہے۔ سڑکوں پر ڈھول بجانا، ناچنا گانا، الٹی سیدھی حرکتیں کرنا اور پھر رات کی تاریکی میں اپنی حالت پر

آنسو بہانا۔ میں ان میں سے نہیں ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی دیکھ رہے ہو۔ میں نے ایسے ایسے خطرناک لوگوں کو اپنا مطیع کر لیا ہے جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے۔ بتاؤ میں عظیم ہو یا یہ شخص۔" سہیل نے ظفر کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

"نہیں مسٹر سہیل آپ کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ کے لئے تو ہر زبان تعریف اور توصیف کے کلمات ادا کر رہی ہے۔" مسز درانی نے کہا۔

"نہیں مسز درانی مجھے تعریف و توصیف نہیں چاہئے۔ مجھے اپنی برتری کا اعتراف چاہئے، میں عظیم ہوں، میں کچھ نہ ہونے کے باوجود وہ ہوں جو دوسرے لوگ نہیں ہیں۔ سمجھے تم لوگ۔" سہیل عجیب سے انداز میں بول رہا تھا۔ مسز درانی اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔

''آپ کا کہنا بالکل درست ہے مسٹر سہیل، میں اس بات کو خلوص دل سے تسلیم کرتی ہوں۔''

''دنیا تسلیم کرتی ہے تم کیا تسلیم کرتی ہو خیر یہ بتاؤ کوئی سرکش ہے ایسا تمہاری نگاہوں میں، جو میرے سامنے سر اُٹھا سکے۔''؟

''کہا نہیں جا سکتا۔ ممکن ہے ایسا کوئی ہو۔''

''اگر ہو تو اس کی نشاندہی کرو۔ میں اس کے سر کو بھی جھکانے کا خواہش مند ہوں۔'' سہیل نے جواب دیا۔ اور صوفے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔۔

''کہاں مسٹر سہیل۔''؟

''کچھ نہیں بس اب چلتا ہوں، میں تمہارے پاس یہی پوچھنے آیا تھا کہ تمہارے اپنے معاملات ٹھیک ٹھاک چل رہے ہیں۔ تم میں سے کسی کے ذہن میں مجھ سے بغاوت کا سودا تو نہیں سمایا۔''

''اب اس کا کیا سوال ہے مسٹر سہیل، ہم جو کچھ کہہ چکے ہیں۔
اس پر ساری زندگی عمل کرنے کا تہیہ کر چکے ہیں۔''

''لعنت ہے تم پر۔'' سہیل نے کہا اور مسز درانی حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

''میں نہیں سمجھی مسٹر سہیل۔''

''سمجھنے کی کوشش بھی فضول ہوگی تمہارے لئے۔ بس چوہے کے بل میں گھسی رہو، بزدل کہیں کے۔'' سہیل غرایا اور زاہد ظفر کھوپڑی کھجانے لگا۔

''سہیل بیٹھو گے نہیں کچھ دیر۔؟ کچھ مشروب وغیرہ......؟''

''نہیں کچھ نہیں پیوں گا۔ میں چلتا ہوں۔''

''مگر آپ کی یہ کیفیت، کیا آپ ہم سے کچھ ناراض ہیں۔''؟

''میں ساری دنیا سے ناراض ہوں۔ مجھے وہ لوگ چاہئیں جو مجھ

سے سرکشی کریں بغاوت کریں، مجھے۔ میں دشمنوں کو پالنے کا عادی ہوں۔ دوستوں سے مجھے نفرت ہے۔ مجھے دشمن چاہئیں دشمن۔"

سہیل بڑبڑاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔ اس کی ذہنی کیفیت اعتدال پر نہیں معلوم ہوتی تھی۔ آنکھیں دیکھتے ہی دیکھتے گہری سرخ ہو گئیں اور چہرے کے تاثرات بدل گئے تھے۔ وہ باہر نکل گیا تو زاہد ظفر نے مسز درانی کی طرف دیکھا۔

"یہ۔ یہ کیا ہے، خدا کی قسم اسے دیکھ کر تو پاگل ہونے کو جی چاہتا ہے۔ آج حالت کچھ زیادہ خراب معلوم ہوتی ہے۔"

"میں سمجھتا ہوں، میں اس کی ذہنی کیفیت سمجھتا ہوں مسز درانی۔ جو کچھ اس نے بتایا ہے اگر وہ سچ ہے تو یقین کرو کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا المیہ ہے، وہ لوگ جو اس جیسے ہوتے ہیں اور اپنی شخصیت کو اس مسخ شدہ ماحول میں رکھتے ہیں۔ اپنے لئے ذہنی آسودگی حاصل کر لیتے

ہیں، لیکن یہ جسے ہر طرف برتری حاصل ہے۔ یہ ذہنی آسودگی سے دو چار نہیں ہوسکتا۔ مجھے خطرہ ہے۔ مسز درانی مجھے شدید خطرہ ہے۔"

"کس بات کا۔"؟

"اس کا یہ پاگل نہ ہو جائے، اس جیسا ذہین آدمی جس بے بسی کا شکار ہے وہ بے بسی اسے زندہ نہیں رہنے دے گی۔"

"یہ نہیں ہونا چاہئے زاہد ظفر یہ نہیں ہونا چاہئے، مجھے یہ بتاؤ کہ کیا اس کے ٹھیک ہونے کے کوئی امکانات نہیں ہیں۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔ وہ جتنی بڑی شخصیت ہے، جتنے بڑے باپ کا بیٹا ہے۔ کیا اس باپ نے اپنے بیٹے کے لئے کوئی کمی چھوڑی ہو گی۔ لیکن خدا ہی بہتر جانتا ہے۔" زاہد ظفر نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ اور مسز درانی کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔ وہ سہیل سے اب واقعی اس قدر متاثر ہوگئی تھی کہ اس کے لئے افسردہ تھی لیکن سہیل

کا کرب دور کرنا کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ خود مسز درانی یا سہیل کا کوئی ہمدرد اسے اس کرب اس عذاب سے نجات نہیں دلا سکتا تھا۔

دونوں سوچ میں ڈوبے بیٹھے رہے۔ جوں جوں وہ اس کے بارے میں سوچتے جا رہے تھے۔ ان کے ذہن اُلجھتے جا رہے تھے پھر مسز درانی گہری سانس لے کر بولی۔

"انسان کتنا عجیب ہے خدایا۔ کل تک میں اس کی دشمن تھی۔ اس سے نفرت کرتی تھی۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں اسے زندگی سے محروم کر دوں۔ میں نے اس کے لئے کیا کیا جتن نہیں کیے۔ لیکن آج میں اس کے لئے افسردہ ہوں۔"

"ہاں۔ انسان بے حد عجیب ہے۔ وہ پیدا ہوتا ہے۔ تعلیم حاصل کرتا ہے۔ سائنس پر ریسرچ کرتا ہے۔ چاند تک جا پہنچتا ہے۔ سیاروں کو تسخیر کر لیتا ہے۔ سمندروں کو مطیع کر لیتا ہے۔ پانی کی

گہرائیوں میں جا بیٹھتا ہے۔خلاباز بن جاتا ہے۔نفسیات داں بن جاتا ہے۔لیکن کوئی خود پر ریسرچ نہیں کر پاتا کوئی اپنے آپ کو نہیں سمجھ پاتا۔''

''بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔یہ بتاؤ ہم سہیل کے لئے کیا کریں۔''؟مسز درانی بولی۔

''اس کے لئے میرے خیال میں اب کچھ نہیں کیا جا سکتا۔''

''لیکن اس طرح اچانک۔کچھ عرصہ قبل تو وہ ٹھیک تھا۔''

''تم نے اس کے الفاظ پر غور نہیں کیا۔''

''کیا۔''؟

''وہ کہہ رہا تھا کہ اسے دوست نہیں دشمن چاہئیں۔یہ نفسیاتی گرہ ہے اس کی۔دشمنوں کو زیر کرنے میں وہ ذہنی آسودگی محسوس کرتا ہے۔اس کی انا کو تسکین ملتی ہے۔وہ اسی میں لذت حاصل کرتا ہے اور اب

گولیور گرفتار ہو چکا ہے۔ شکست کھا چکا ہے اس سے وہ خود کو ویران سمجھ رہا ہے۔"

"اوہ۔ گویا اس وقت اسے صرف اسی طرح سہارا دیا جا سکتا ہے کہ اس کے لئے دشمن پیدا کر دیئے جائیں۔" مسز درانی پُر خیال انداز میں بولی۔

"نہیں مسز درانی۔ وہ اس قدر چالاک ہے کہ اصلی اور مصنوعی دشمن میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ کوشش بے کار ہوگی۔"

"تو پھر میں اس کے لئے کیا کروں۔"؟ مسز درانی رو پڑی اور زاہد ظفر اسے دلاسا دینے لگا۔

"احمق مت بنو مسز درانی۔ اس کے لئے تم کچھ نہیں کر سکتیں۔ اپنے لئے کرو۔ آؤ ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دیں۔ اس کائنات میں اگر کوئی اپنے لئے ہی کچھ کر سکے تو بہت بڑی بات ہوتی ہے آؤ۔"

☆

نواب خیرات علی نے کوٹھی خالی کر دی تھی اور شیکی نے اس کا قبضہ حاصل کر لیا تھا۔اس کے بعد کوٹھی میں ازسرِ نو اصلاحات ہونے لگی تھیں اور آج کل زیادہ تر نواب عزیز الدین اور تمیز الدین کا وقت اسی کوٹھی میں صرف ہوتا تھا۔

تمام لوگ خوش تھے اور عام طور سے اس کوٹھی پر اجتماع رہتا تھا۔

صفدر اور خاندان کے دوسرے شریر نوجوانوں کو اب احساس ہو رہا تھا کہ شیکی اور عالم پناہ ان کے جال سے نکل گئے ہیں۔لیکن ان بے وقوفوں کو عقل کہاں سے ملی۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔کوٹھی کے شب و روز بے کیف ہو گئے تھے اور وہ لوگ نت نئے منصوبے سوچ رہے تھے۔

سب کے دن جوں توں گزر رہے تھے لیکن نوشاب بے کل تھی۔

وہ سہیل کی محبت میں گرفتار ہوگئی تھی۔ اور ہر وقت اس کے بارے میں سوچتی رہتی تھی۔ سہیل اب تک اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے بھی وہ اس سے اتنا دور تھا نہ جانے کیوں۔

پھر جس دن یہ لوگ کوٹھی میں منتقل ہوئے سہیل بھی موجود تھا۔ کوٹھی انتہائی خوب صورت پیمانے پر آراستہ کی گئی تھی۔ اور نواب تمیز الدین نے سب کو کوٹھی میں دعوت دی تھی۔ سہیل کو انہوں نے خاص طور سے پکڑا تھا۔

"بھئی سہیل میاں اگر آج بھی آپ کہیں نکل گئے تو میں رات کے کھانے میں شریک نہیں ہوؤں گا۔"

"جو حکم چچا جان۔" سہیل نے ادب سے کہا تھا۔ اور درحقیقت شام کو وہ ایک ہلکے پھلکے سادے لباس میں ملبوس اس پارٹی میں شریک تھا۔ انتہائی جاذب نگاہ تھا وہ۔ سب کی نظریں بار بار اس کی طرف اٹھ

جاتی تھیں اور ایک گوشے میں موجود نوشاب آج اسے دیکھ کر شدید ذہنی ہیجان کا شکار ہوگئی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ آج سہیل کے سامنے دل کھول کر رکھ دے اور اس سے جواب لے لے اپنے بارے میں۔ وہ ایک سیدھی سادی شرمیلی سی لڑکی تھی۔ لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہوگئی تھی کہ شرم وحیا کے لبادے اُتار کر زندگی کا اہم فیصلہ کر لے۔ اور کافی کش مکش کے بعد اس نے سہیل سے گفتگو کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔

سب ہی لوگ شریک تھے اس محفل میں۔ کھانے سے فراغت حاصل کرنے کے بعد صفدر اور دوسرے لوگ عالم پناہ اور شیکی کے ساتھ کوٹھی کے لان پر نکل گئے۔ بزرگوں نے اپنی نشست الگ جما لی۔ سہیل واپسی کے لئے پلٹا تو نوشاب اس کے پاس پہنچ گئی۔

''سہیل صاحب۔'' اس نے سہیل کو آواز دی اور سہیل رُک گیا۔

عام دنوں کی نسبت کچھ سنجیدہ تھا۔ خاموشی سے رُک کر نوشاب کو دیکھنے لگا۔ ''کہاں جا رہے ہیں۔''؟

''واپس اپنی کوٹھی میں۔''

''یہ آپ کی کوٹھی نہیں ہے۔''؟

''کیوں نہیں۔''

''کوئی خاص مصروفیت ہے۔''؟

''نہیں نوشاب۔ تم بتاؤ کیا کوئی کام ہے مجھ سے۔''؟

''ہاں۔''

''کہو۔''

''یہاں نہیں۔ آیئے اوپر چلیں۔'' نوشاب نے کہا اور سہیل اس کے ساتھ چل پڑا۔

کوٹھی کی کشادہ چھت بہت پُرسکون تھی۔ آسمان پر تاریکی پھیلی

ہوئی تھی۔ بادل چھائے تھے اور تارے روپوش تھے۔ سہیل خاموشی کے ساتھ اوپر پہنچ گیا۔

''اجازت دیں سہیل صاحب کہ جو کچھ دل میں ہے صاف صاف کہہ دوں۔'' نوشاب بولی۔

''کہو۔''

''ایک بار پہلے بھی کہہ چکی ہوں۔ دوبارہ کہہ رہی ہوں کہ آپ ہماری آمد سے خوش نہیں ہیں۔''

''شاید میں نے پہلے بھی یہی جواب دیا تھا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' سہیل نرمی سے بولا۔

''آپ کا رویہ اس کا احساس دلاتا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو شرمندہ ہوں۔'' سہیل نے کہا۔

''صرف شرمندہ ہیں۔ اس میں تبدیلی نہیں کر سکتے۔''؟

"کیا تبدیلی چاہتی ہو۔"؟ سہیل نے پوچھا اور نوشاب عجیب سی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی پھر بولی۔

"چاہنے سے کچھ ملا تو کیا ملا سہیل صاحب۔ آپ خود جائزہ لیں ہم آپ کا خون ہیں۔ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ساری دنیا ایک طرف اور آپ اور ہم ایک طرف۔ لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ ہماری طرف ہیں ہی نہیں۔"

"یہ بات نہیں ہے نوشاب۔ خدانخواستہ اگر کبھی تمہیں میری ضرورت پیش آئی تو میں، میں صرف میں تمہاری طرف ہوں گا۔"

"ہمیں آپ کی ضرورت ہے سہیل۔"

"میں نہیں سمجھا۔"

"آپ میری نسوانیت کو مجروح کئے بغیر نہیں رہیں گے۔ عورت کی زبان کا قفل اس کی نسوانیت کی انا ہوتی ہے۔ یہ انا ٹوٹ جائے تو

وہ خود کو بہت ہلکا محسوس کرتی ہے۔لیکن بعض اوقات مجبوریاں بہت کچھ توڑ دیتی ہیں۔ازل سے مرد نے عورت کو اور عورت نے مرد کو چاہا ہے سہیل۔زندگی ایک ہی راستے پر چلتی ہے اور ہمارا معاشرہ اور مذہب اس راستے کا انتخاب کرتا ہے۔اس راستے کے لئے اپنی ایک پسند بھی ہوتی ہے۔میں نے اپنے ذہن میں آپ کو اپنا ہمراہی منتخب کیا ہے سہیل۔کیا زندگی کے سفر پر آپ میرے ساتھ چلنا پسند کریں گے سہیل۔"؟

سہیل تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بھاری لہجے میں بولا۔"زندگی انسان کے ساتھ ایک مذاق ہے نوشاب۔"

"کیا مطلب۔؟میں نہیں سمجھی۔"

"مذاق۔۔۔مذاق ہوتا ہے۔تمہاری انسانیت کی ایک انا ہے لیکن میری مردانگی میری ذات سے مذاق ہے سمجھیں تم۔میں اپنی

ذات پر کوئی فخر نہیں کر سکتا۔ نوشاب، نہ میری نسوانیت کی کوئی انا ہے نہ مردانگی کی۔ میں ان دونوں کے درمیان کھڑا تھوہر کا ایک پودا ہوں۔ بھدا، بدنما اور بے مصرف۔ میرے وجود کا کوئی مصرف نہیں ہے۔ تھوہر کے پودے کی گہرائیوں میں جھانکوں گی تو نفرت سے تھوک دو گی مجھ پر۔ میں کچھ نہیں ہوں۔ میں کچھ نہیں ہوں۔" سہیل کی آنکھوں میں دیوانگی چھلکنے لگی۔

"کیوں، آخر کیوں۔۔۔ ایسا کیوں سوچتے ہیں آپ۔"؟

"جاننا چاہتی ہو۔"؟

"ہاں۔ میں آپ کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہتی ہوں۔"

"تو آؤ۔ میرے ساتھ آؤ۔" سہیل کی آنکھیں شیشے کی گولیوں کی مانند چمکنے لگیں۔

"کہاں۔"؟

''آؤ۔ آؤ۔ حقیقت جان لو۔'' اس نے چہکتے ہوئے لہجے میں کہا۔ عجیب سا موڈ ہو گیا تھا اس کا۔ وہ مسکرا رہا تھا لیکن اس کی یہ مسکراہٹ اس کی اپنی نہ تھی۔

نوشاب کچھ خوفزدہ ہو گئی تھی۔ سہیل نے اس کا بازو پکڑ لیا اور اس کی یہ گرفت بہت سخت تھی لیکن نوشاب اس کے ساتھ چلتی رہی۔ سہیل اسے لئے ہوئے اپنی کوٹھی میں آ گیا۔ کوٹھی میں اس وقت ان دونوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

''سہیل! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔''؟ نوشاب کسی قدر خوفزدہ انداز میں بولی۔

''آ جاؤ نوشاب۔ حقیقت جاننے کے لئے حیرتوں کے سمندر سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات۔'' سہیل ہنس پڑا۔ بڑی وحشیانہ ہنسی تھی اس کی۔

وہ اسے لئے ہوئے کوٹھی کے اس حصے میں داخل ہوگیا جو اس کے لئے مخصوص تھا۔ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہو کر اس نے دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

"بیٹھو نوشاب ۔ میں ابھی آیا۔" اس نے کہا۔اور نوشاب خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتی بیٹھ گئی۔ اِس کے دل میں ہول اُٹھ رہے تھے۔ سہیل کیا چاہتا ہے اس سے۔اس کی کیفیت ایسی عجیب کیوں ہو رہی ہے۔وہ اسے یہاں کیوں لایا ہے۔

زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ قدموں کی چاپ سنائی دی۔لیکن اس میں گھنگھرو کی جھنکار بھی شامل تھی۔پھر وہ دروازے سے اندر داخل ہوگیا۔اور نوشاب کی آنکھیں شدتِ حیرت سے پھیل گئیں۔ سہیل ہی تھا لیکن عجیب وغریب حلیئے میں ۔رنگین زرق برق زنانہ لباس میں ملبوس۔انتہائی حسین میک اپ میں۔چہرے پر مسکراہٹ

لیکن عجیب وحشیانہ مسکراہٹ تھی۔آنکھیں انگاروں کی طرح چمک رہی تھیں۔اس نے پھر دروازہ بند کرلیا۔

"آپا نوشاب۔سلامت رہو۔اے بوا۔ غلط سمجھ بیٹھی تھیں ہمیں۔اے ہم نہ مردوں میں شمار ہیں نہ عورتوں میں۔ جنت کی چڑیاں ہیں ہم تو۔پنکھ لگائیں پھُر سے اُڑ جائیں۔اے صدقے آپا نوشاب۔تمہیں اللہ نے لڑکی بنایا۔کسی ڈھنگ کے مرد سے شادی کرو پھولو پھلو۔سہرا گائیں تمہارا۔" سہیل نے ٹھمکہ لگایا اور پھر بھدّی آواز میں ایک سہرا گانا شروع کر دیا۔

نوشاب پر غشی طاری ہو رہی تھی۔اس کے حواس گُم ہو گئے۔

پھر وہ نیچے گر پڑا۔سانس دھونکنی کی طرح چل رہا تھا۔پورے وجود پر تھرتھراہٹ طاری تھی۔رفتہ رفتہ یہ تھرتھراہٹ کم ہونے لگی۔اور پھر وہ بے سدھ ہو گیا۔

نوشاب کرسی پر بیٹھی ہوئی تھی۔لیکن چند لمحات کے بعد وہ بھی کرسی کے نیچے لڑھک گئی۔

☆

دو ڈھائی گھنٹے گزر چکے تھے۔

سہیل ایک طرف پڑا ہوا تھا اور نوشاب دوسری طرف، دونوں بے ہوش تھے لیکن سہیل کی کیفیت۔تمیزالدین نے بڑے بھائی کی طرف دیکھا۔

"دورہ۔یقیناً دورہ پڑا ہے۔" عزیزالدین نے گھٹی گھٹی آواز میں کہا۔

"مگر۔۔۔یہ لباس۔۔۔"؟

"دورے کی کیفیت میں ایسا ہی ہوتا ہے۔کچھ کرو تمیزالدین۔یہ سب کیا ہو گیا۔"

”خدا جانے۔ میں کیا کروں بھائی صاحب۔“

”ڈاکٹر کو فون کرو۔ دوسرے لوگوں کو بلاؤ۔ پہلے نوشاب کو یہاں سے لے جاؤ اور سنو ملازموں کو اس کی کیفیت کا پتہ نہ چلنے پائے۔ جلدی کرو۔ جلدی کرو۔“ اور نواب تمیز الدین باہر دوڑ پڑے۔ نواب عزیز الدین کے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ بیٹے کی یہ کیفیت نئی نہیں تھی۔ لیکن پہلے وہ بے ہوش کبھی نہیں ہوا تھا۔ اور نوشاب وہ بھی بے ہوش تھی۔ میں کیا کروں۔ اور ڈاکٹر پہنچ گیا۔

”دورے کی کیفیت میں بے ہوش ہوئے ہیں۔“؟ ”ہاں۔“

”یہاں ان کی حالت بگڑ بھی سکتی ہے۔ براہِ کرم انہیں ہسپتال لے جائیں۔ اور لباس تبدیل کر دیں ان کا۔ میں ہسپتال جا کر انتظام کرتا ہوں۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

حالت نوشاب کی بھی بہتر نہیں تھی۔ ہوش میں آئی تو چیختی

پھٹی آنکھوں سے سب کو دیکھنے لگی اور پھر چیخ مار کر بے ہوش ہوگئی۔لیکن دوسری صبح وہ ٹھیک ہوگئی۔خوف کے آثار اب بھی اس کے چہرے پر منجمد تھے۔

''سہیل کہاں ہے۔''؟اس نے پوچھا۔

''اپنی کوٹھی میں ہیں نوشاب۔تم ان سے خوفزدہ ہو بیٹی۔''؟

''انہیں کیا ہوگیا تھا۔کیسی حرکات کر رہے تھے زنانہ لباس کیوں پہن لیا تھا۔خدا کی پناہ۔وہ کسی تیز رفتار مشین کی طرح گھوم رہے تھے۔میں نے زندگی میں کبھی کسی انسان کے اس طرح گھومنے کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔خدا کی پناہ۔''

''تمہیں کوئی نقصان پہنچایا سہیل نے۔''؟

''نہیں۔مجھ سے کچھ نہیں کہا،مگر۔۔۔انہیں کیا ہوگیا تھا۔اب کیسی حالت ہے ان کی۔''؟نوشاب کے دل میں اب بھی گداز تھا۔

دوسری طرف سہیل بھی ہوش میں آ گیا۔ بے ہوشی کے علاوہ اور کوئی بیماری تو تھی نہیں۔ ایک نرس دیکھ بھال کر رہی تھی۔ ڈاکٹر نے گھر کے لوگوں کو سختی سے ہدایت کی تھی کہ وہ سہیل کے پاس نہ رہیں۔ نرس چائے پی رہی تھی کہ سہیل کی پھٹی پھٹی آواز سنائی دی۔ ''آپا جی۔ اے آپا جی۔ کیا پی رہی ہو میری بہن۔ آواز کچھ ایسی بے ہنگم اور اچانک تھی کہ نرس کے ہاتھ سے چائے اُچھل گئی۔ بمشکل تمام اس نے چائے کی پیالی نیچے رکھی اور کپڑے جھاڑتی ہوئی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ہائے آپا نزاکت۔ تیر پہ تیر چلا رہی ہو۔ کیا بجا ہے تمہاری گھڑی میں۔''؟ سہیل انگلی مروڑ کر مسکراتا ہوا بولا۔

نرس احمقوں کی طرح منہ پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی۔

''میں ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔'' نرس نے دروازے کی طرف چھلانگ لگا دی۔ ڈاکٹر صاحب اسی طرف آ رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب

نرس کو اس طرح دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ ''کیا بات ہے سسٹر۔''

''ہوش آ گیا ہے۔ لیکن ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ مؤنث کے صیغے میں بول رہے ہیں۔''

''اوہ۔'' ڈاکٹر جلدی سے اندر داخل ہو گیا۔ سہیل بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوا تھا۔ ڈاکٹر کو دیکھ کر فحش انداز میں مسکرایا۔

''آؤ شاہ خوباں، باہر جاڑے کی چاندنی بکھری ہو گی۔ موسم شراب شراب ہو گا۔ کیسی ہے تمہاری دنیا۔''؟

''آپ کیسے ہیں مسٹر سہیل۔''؟ ڈاکٹر نے مہذب انداز میں پوچھا۔ سہیل نے ڈاکٹر کو اُٹھا کر بستر پر اُچھال دیا۔ اور جھپاک سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ڈاکٹر کی کمر میں اس زور سے چوٹ لگی تھی کہ وہ بل کھا کر رہ گیا۔ کئی منٹ تک اس کے حلق سے آواز نہیں نکل سکی تھی۔ پھر جب وہ سنبھلا تو باہر کی طرف دوڑا۔ لیکن سہیل کا دور دور

تک پتہ نہیں تھا۔ وہ بوکھلائے ہوئے انداز میں بڑے ڈاکٹر کے پاس پہنچا اور اسے تمام اطلاع دی۔ ''اوہ۔ تم نے اسے نکل جانے دیا۔''؟

''اس نے تشدد سے کام لیا جناب۔ اس وقت میرے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ مؤنث کے صیغے میں بول رہا تھا۔ قطعی وحشت کے عالم میں تھا۔''

''افوہ۔ تم نے مجھے بڑی اُلجھن میں ڈال دیا۔ کتنے بڑے آدمی کا بیٹا ہے وہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ کہاں تلاش کروں اسے۔ خیر تم جاؤ۔'' بڑے ڈاکٹر نے ٹیلی فون کا ریسیور اُٹھایا۔ اور نواب عزیز الدین کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

لباس ہسپتال کا تھا۔ لیکن انداز میں کوئی خاص بات نہیں تھی۔ اس لئے کسی کو اس پر شبہ نہیں ہو سکتا تھا کہ وہ ہسپتال سے بھاگا ہوا کوئی

مریض ہے۔ ہسپتال سے تھوڑی دور نکل کر اس نے ایک ٹیکسی روکی اور اندر بیٹھ کر ایک پتہ دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ اس عمارت کے نزدیک اُتر گیا۔ جہاں اس کے دوسرے ساتھی موجود تھے۔ اب اس کے اندر دیوانگی کی کوئی کیفیت نہیں تھی۔ بس چہرے سے وہ تھکا تھکا نظر آرہا تھا۔ نازنین اور مہ جبین رنگین زنانہ لباسوں میں موجود تھے۔ نصیبو کو دیکھ کر وہ مؤدب ہوگئے۔ لیکن آج اس کے تیور بدلے ہوئے تھے۔ ''میرا لباس لاؤ۔'' اس نے بھاری لہجے میں کہا۔

''کون سا استاد، زنانہ یا مردانہ۔''؟

''ایں۔'' نصیبو نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہا۔ پھر کسی قدر کرب بھرے انداز میں بولا۔ ''ان دو لباسوں کے علاوہ اور کوئی لباس نہیں ہوتا۔'' ''اور کون سا لباس ہوتا ہے استاد۔''؟

''کوئی ایسا لباس جو ہم جیسوں کے لئے ہو۔ کیا ہم کچھ بھی نہیں ہیں۔ اگر نہیں ہیں تو ہمارا وجود کیوں ہے۔ ہمیں کسی ایک شکل میں کیوں رہنا پڑتا ہے۔ ہماری کوئی الگ دنیا کیوں نہیں ہے بولو ہماری دنیا الگ کیوں نہیں ہے۔''؟

''اللہ کی مرضی استاد۔ جو میرا مولا بنا دے۔'' نازنین تالیاں بجاتا ہوا بولا۔ اور نصیبو اپنے دونوں ہاتھ دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک ہاتھ دوسرے پر مارا۔ تالی کی آواز ابھری۔ دوسری اور پھر تیسری بار اس نے تالی بجائی اور پھر مسکرا کر بولا۔

''زنانہ لباس لے آؤ۔''

''ابھی لائی استاد۔'' نازنین نے کہا اور پھر وہ لباس لے آئی۔

''میک اپ کرو۔'' سہیل بولا۔ اور مشاطائیں بال بال موتی پرونے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد نصیبو جگمگانے لگا۔

''چلوری چلو، رنگ جماؤ۔ ناچ دکھاؤ۔'' نصیبو نے حکم دیا اور بڑے ہال میں محفل جم گئی۔ نصیبو گاؤ تکیے سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ ہیجڑے رقص کرنے لگے۔ نصیبو اس رقص میں پوری طرح دلچسپی لے رہا تھا۔ پھر وہ خود بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ اس نے دو تین ٹھمکے لگائے اور دفعتاً ٹھٹھک گیا۔ ساز رک گئے۔ سب رک کر نصیبو کو دیکھنے لگے تھے۔

''کیا ہوا استاد۔''؟ مہ جبین نے پوچھا۔

''ایں۔ کچھ نہیں۔ کچھ نہیں۔ بند کردو یہ سب کچھ۔ یہ۔ یہ میں تو نہیں ہوں۔ یہ سب۔ میرا لباس، میرا حلیہ، میں یہ تو نہیں ہوں۔''

''طبیعت خراب ہے استاد۔''؟

''نہیں ٹھیک ہوں۔'' نصیبو نے تھکے تھکے انداز میں کہا اور اس ہال سے باہر نکل آیا۔ وہ ایک مخصوص کمرے میں پہنچ گیا۔ کمرے کا دروازہ اس نے اندر سے بند کرلیا تھا۔

کافی دیر تک وہ اسی طرح بیٹھا رہا پھر اٹھ کر باتھ روم میں چلا گیا۔
باتھ روم کا نل کھول کر اس نے چہرہ صاف کیا۔ اور میک اپ اُتار
کر باہر نکل آیا۔ اور ایک الماری سے مردانہ لباس نکال لیا۔ لباس پہن
کر اس نے بغلی ہولسٹر میں پستول لگایا اور پھر باہر نکل آیا۔ عمارت
کے گیراج سے اس نے ایک لمبی خوب صورت کار نکال لی اور چل
پڑا۔ کافی دیر تک سڑکوں پر آوارہ گردی کرتا رہا۔ اور پھر اس کا رخ بندر
گاہ کی طرف ہوگیا۔ بندرگاہ کے ایک بدنام ترین ہوٹل کے سامنے
اس نے کار روک دی۔ یہ ہوٹل کم منشیات کا اڈہ زیادہ تھا۔ اس اڈے کا
مالک داراب خان تھا۔ ایک خودسر اور مغرور بدمعاش تھا۔
نصیبو اندر داخل ہوگیا۔ ہوٹل کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ نصیبو اصل جگہ
سے واقف تھا۔ جس وقت وہ داراب خان کی نشست گاہ میں داخل
ہوا۔ داراب خان اپنے حواریوں میں بیٹھا ہوا تھا۔

ایک اجنبی کو اندر داخل ہوتے دیکھ کر سب حیران ہو گئے کیونکہ یہاں کوئی اجنبی نہیں آ سکتا تھا۔

داراب خان نے بھنویں ٹیڑھی کر کے نصیبو کو دیکھا۔

"خان۔۔۔خان۔۔۔یہ نصیبو ہے۔" اس کے حواریوں میں سے ایک نے کہا اور داراب خان کے ہاتھ سے شراب کا گلاس چھوٹ گیا اور وہ اُچھل کر کھڑا ہو گیا تھا۔

"کیوں داراب خان کیسے مزاج ہیں۔" ؟ نصیبو نے کہا۔

"استاد نصیبو اس طرح یہاں آ جائے گا یہ میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"بہت بڑے بدمعاش ہو تم۔ میرے بار ہا بلانے پر بھی تم میرے پاس نہیں آئے۔ تو میں خود چلا آیا داراب خان۔ میں نے سوچا ہے کہ اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر لوں۔"

”فیصلہ ہو چکا ہے، استاد۔“ داراب خان نے ڈھیلے ڈھالے لہجے میں کہا۔

”کیا فیصلہ ہوا ہے۔“؟ نصیبو نے پوچھا۔

”بس استاد۔ تمہیں استاد مان لیا ہے۔ جو کچھ طے کرو گے پہنچا دیا جائے گا۔ مجھ میں تم سے لڑنے کی ہمت نہیں ہے۔“

”اب اس کا وقت گزر چکا ہے داراب خان۔ اب یہ فیصلہ ہاتھوں سے ہوگا۔“

”ہاں۔ چاقو استعمال کرو گے یا پستول۔ بولو ایک بات کا تو تمہیں یقین دلا دوں۔ تنہا آیا ہوں تمہارے اڈے پر۔ اس سے اچھا موقع تمہیں اور کوئی نہیں ملے گا۔“

”نہیں استاد۔ داراب اب تمہارے سامنے نہیں آئے گا۔“

”کیا بکواس کرتے ہو۔ تمہیں مجھ سے لڑنا ہوگا۔ تم رہو گے یا

میں۔ میں تم سے فیصلہ کرنے آیا ہوں۔"

"میں تمہارے حق میں دستبردار ہوتا ہوں استاد۔ تم کہو گے تو میں چلا جاؤں گا یہاں سے۔" داراب نے کہا۔

"بکواس مت کرو۔" سہیل کرب سے چیخا۔ داراب کا سر جھکا ہوا تھا۔ سہیل کرب کے عالم میں وہاں سے نکل گیا۔ اس کے حلق سے کرب ناک آوازیں نکل رہی تھیں۔ "آہ مجھ سے دشمنی کرو۔ مجھے مارو۔ میں مرنا چاہتا ہوں۔ زندگی بے مقصد ہے میرے لئے۔ بے کیف ہے یہ زندگی جہاں دوست ہوں نہ دشمن۔ کیا ہوں میں۔ مجھے بتاؤ۔ مجھے بتاؤ۔" گاڑی اس نے وہیں چھوڑ دی تھی۔ وہ چلتا رہا۔ گلیوں اور سڑکوں پر مارا مارا پھرتا رہا پھر اس کا رُخ اسٹیشن کی طرف ہو گیا۔

بوڑھے ہیجڑے نے اسے پُر جوش انداز میں سینے سے بھینچ لیا۔

''آ گئی میری نصیبو۔ بڑے دن کے بعد آئی ہے میری بچی کیسی ہے۔ آنکھیں ترستی ہیں تیرے لئے۔ پوچھ لے کسی سے تو میری اولاد نہیں مگر اولاد کی طرح چاہتی ہوں تجھے۔''

''میں آ گئی ہوں اماں۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے۔ اب میں کہیں نہیں جاؤں گی۔ میں تمہارے ساتھ ہی رہوں گی۔ میری یہی دنیا ہے۔ اماں نہ جانے میں اب تک کہاں بھٹکتی رہی۔'' سہیل نے کہا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ لیکن بوڑھے ہیجڑے کی آنکھوں میں خوشی کے طوفان اُمڈ رہے تھے۔ اس نے زور زور سے آوازیں لگائیں۔

''اری او گلبدن او حسینہ! کہاں مر گئیں سب کی سب۔ تیاریاں کرو جشن منانے کی۔ دیگیں چڑھواؤ، باورچی بلواؤ۔ اے میری نصیبو

آ گئی اپنی اماں کے پاس۔ جلدی کرو۔ سب کو خبر۔۔۔ کرا دو نصیبو اب یہیں رہے گی۔"

اور ہیجڑے جشن کی تیاریاں کرنے لگے۔ باورچی آیا اور دیگیں چڑھ گئیں۔ تین دن تک جشن رہا۔ دور دور سے ناچنے والیاں یا والے آنے لگے کمال دکھانے لگے۔ دولت کمانے لگے پھر بوڑھی اماں اسے لے کر سات پیروں کے مزار کی زیارت کو چل پڑیں۔ اس متبرک زیارت کے بغیر زندگی نامکمل رہتی تھی۔

یہاں خوشیاں تھیں اور وہاں صفِ ماتم بچھی ہوئی تھی۔ سہیل غائب تو ہو جاتا تھا مگر اس طرح کبھی غائب نہیں ہوا تھا۔ اس کے ڈاکٹر نے اس کی کیفیت کے تحت کہا تھا۔

"اس کا ذہن ہمیشہ کے لئے اُلٹ گیا ہے۔ خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے۔ ہم اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتے عزیز صاحب۔"

لیکن عزیز الدین صاحب کا دل کہاں مانتا۔ کیا کیا جتن نہ کر لئے بیٹے کی تلاش کے لئے۔ لیکن سہیل کو نہ ملنا تھا نہ ملا۔ دن مہینوں اور مہینے سالوں میں بدل گئے۔ لوگ اب سہیل کے عادی نہیں رہے تھے۔ لیکن ماں باپ کے دلوں کے زخم تازے تھے۔ یہ زخم بھلا کہیں بھرتے ہیں۔

نوشاب کچھ عرصہ افسردہ رہی۔ پھر اس کی شادی ہوگئی۔ شیکی سو فیصدی شفیع الدین بن گیا۔ اور جہانگیر اب صرف جہانگیر تھے محکمہ جاسوسی اب ختم ہوگیا تھا اور اب ان کا اپنا۔۔ کاروبار تھا جسے وہ نہایت خوش اسلوبی سے چلا رہے تھے۔

زندگی حسبِ معمول تھی۔ کچھ بھی ہو جائے کاروبارِ زندگی چلتا ہے اور چلتا ہی رہتا ہے۔ کچھ پھول پامال ہو جاتے ہیں اور بس۔ کہ یہی تقدیر کے کھیل ہیں۔ اور تقدیر ہمیشہ انوکھے کھیل کھیلتی ہے۔ وہ ہو جاتا

ہے جو تصور میں بھی نہیں ہوتا۔

وقت اب بھی وہی ہے۔ دنیا وہی ہے۔ کچھ اجڑے کچھ بن گئے۔ سہیل اب نصیبو ہے۔ بوڑھی اماں کا انتقال ہو چکا ہے اور ہیجڑوں کی اس بستی میں نصیبو نامی ہیجڑا اب بھی رہتا ہے۔ کمزور لاغر بیمار۔ ہر وقت کھوں کھوں کرتا رہتا ہے۔ شاید اسے ٹی بی ہو گئی ہے۔ ناچتا ہے تو خون آنے لگتا ہے۔ لیکن اب پیسے کہاں سے آئیں کہ علاج ہو۔۔۔ اور پھر علاج کی ضرورت بھی کیا ہے۔ موت تو تقدیر ہے اور تقدیر سے کون لڑے۔؟